

فیوض الیضویہ
فی
تشریحات الحلیہ

فوق تنفیذ کی عظیم مکتبہ اہل کتاب
کی جامع ترین تصانیف

المعروف

شرح حدیث

کتاب
الایمان والحدود

تصنیف

امام ابو الحسن علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل القزطانی

ترجمہ و شرح

علاء محمد لیاقت علی ضوی



علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

[https://archive.org/details/](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

[@zohaibhasanattari](https://archive.org/details/@zohaibhasanattari)

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زہیب حسن عطاری

وہ جسے چاہے سید راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

فقہ حنفی کی عظیم معرکہ آرا کتاب کی جامع و مستند اردو شرح

فیوضات الرضویہ فی تشریحات الحدیث

المعروف

جلد ہشتم

شرح حدیث

کتاب الایمان والحدود

ترجمہ و شرح

علامہ محمد لیاقت علی رضوی

استاذ الفقہ، جامعہ شہابیتہ انجمنہ لاہور

تصنیف

امام ابو الحسن علی بن ابوبکر بن عبد الجلیل القرطبی

نئیہ و منشر، ۴۴، اناروا بازار لاہور

فون: 042-37246006

شبیر برادرز



ترتیب

۱۴	مقدمہ رضویہ	۱۴	قسم کی اقسام کا فقہی بیان
۱۴	﴿مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی﴾	۲۷	بیمین غموس کی تعریف و حکم
۱۹	کتاب الایمان	۲۸	بیمین لغوی تعریف و حکم
۱۹	﴿یہ کتاب ایمان کے بیان میں ہے﴾	۲۸	بیمین منعقدہ کی تعریف و حکم
۱۹	کتاب الایمان کی فقہی مطابقت کا بیان	۲۸	قسم کے کفارے کا فقہی بیان
۱۹	لفظ قسم کی لغوی تحقیق کا بیان	۲۹	قسم کے الفاظ کا فقہی بیان
۲۱	لفظ خلف کی لغوی تحقیق	۳۰	بیمین منعقدہ کے حکم کا بیان
۲۱	لفظ قسم اور لفظ خلف کا آپس میں ترادف کا بیان	۳۱	لغو قسم پر عدم کفارے کا بیان
۲۳	لفظ بیمین کی لغوی تحقیق	۳۳	نابالغ و غیر عاقل کی قسم کے عدم اعتبار کا بیان
۲۴	لفظ اکیۃ کے قسم ہونے کی تحقیق	۳۳	بیمین منعقدہ کی اقسام علاحدہ کا بیان
۲۵	قسم کی شرعی حیثیت کا بیان	۳۴	وقوع قسم میں عدم اعدار کا بیان
۲۵	۱۔ واجب قسم	۳۵	غیر مقلدین کا دلیل اقسام کے انکار کرنے کا بیان
۲۵	۲۔ مستحب قسم	۳۶	احسان
۲۵	۳۔ مباح قسم	۳۶	احسان کی تعریف
۲۶	۴۔ مکروہ قسم	۳۷	احسان کی اقسام
۲۶	۵۔ حرام قسم	۳۸	احسان کے مکررین اور ان کے دلائل
۲۶	۱۔ پے حق کیلئے قسم کھانا	۴۰	مانعین احسان کے دلائل پر نظر و بحث
۲۶	قسم کی مشروعیت	۴۱	احسان کو حجت ماننے والے فقہاء
۲۶	۱۔ ثبوت اعتقاد کیلئے قسم	۴۱	احسان کو حجت ماننے والوں کے دلائل کا بیان
۲۶	۲۔ احکام شرعیہ اور تقویٰ	۴۳	حضرات صحابہ سے احسان پر عمل کے نظائر
۲۶	۳۔ مخالفین اسلام کی مخالفت کی قسم	۴۴	فقہی عبارات سے احسان کی نظائر کا بیان
۲۶	ایمان کی اقسام کا بیان	۴۶	احسان کے صفت واقع ہونے کا بیان

الافتاء والاعمال والفتاویٰ

حمد حقوق ملکیت بحق نامہ محفوظ ہیں

نثر ہدایہ 8

با اہتمام ملک شبیر حسین

بن اشاعت اگست 2012ء / رمضان المبارک 1433ھ

طابع اشتیاق اے مشتاق پریس لاہور

کپڑا وپز میکر

لے ایف ایس اینڈ ورائٹر روڈ
0322-7202212

سرورق قیمت روپے



ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

بعض فقہوں کا بیان	۳۶
باب مَا يَكُونُ يَمِينًا وَمَا لَا يَكُونُ يَمِينًا	۳۷
یہ باب کی لفظ کے قسم ہونے یا نہ ہونے کے بیان میں ہے ﴿	۳۷
باب قسم ہونے یا نہ ہونے کی فقہی مطابقت کا بیان	۳۷
اللہ کے نام کی قسم اٹھانے کا بیان	۳۷
اللہ کے نام کے سوا کی قسم اٹھانے کی ممانعت	۳۸
حالف کے قول علم اللہ کا بیان	۳۸
نبی یا کعبہ کی قسم اٹھانے کا بیان	۳۹
غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان	۵۰
قرآن کی قسم اٹھانے کا بیان	۵۱
حرف قسم کے اخفاء کا بیان	۵۱
غیر صریح اور مضمر قسموں کی بعض اقسام کا بیان	۵۲
کسی چیز کی طرف حرام کی اضافت سے قسم کا بیان	۵۵
اللہ کی قسم یا حلف اٹھانے کا بیان	۵۵
فارسی زبان میں قسم اٹھانے کا بیان	۵۹
قسموں کا دار و مدار الفاظ پر ہوتا ہے غرض پر نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ	۵۹
قسم میں ایم اللہ کہنے کا بیان	۶۰
صریح و ظاہر قسم فقہی مفہوم	۶۰
لہر صریح و ظاہر قسم دو طرح کی ہوتی ہے	۶۲
عہد اللہ اور یشاق اللہ سے انعقاد قسم کا بیان	۶۲
قرآن کریم میں "فعل قسم سے مشابہہ الفاظ" کا استعمال	۶۲
یہودی یا نصرانی ہونے والے قول کے قسم ہونے کا بیان	۶۳
اسلام کے سوا کسی مذہب کی قسم اٹھانے کا بیان	۶۳
دوسرے مذہب کی قسم کے سبب کافر ہونے کا بیان	۶۵
حالف کا غضب اللہ کا کہنے کا بیان	۶۶
حالف کا کلام میں تاویل کرنے کا فقہی بیان	۶۶
فصل فی الکفارة	۶۹
یہ فصل قسم کے کفارے کے بیان میں ہے ﴿	۶۹
کفارہ قسم فصل کی فقہی مطابقت کا بیان	۶۹
کفارے کا لغوی معنی	۶۹
قسم کے کفارے کا بیان	۶۹
کفارہ قسم سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ	۷۰
اشیاء ثلاثہ پر عدم قدرت کی صورت میں روزوں کا بیان	۷۲
قسم کے روزوں میں عدم تسلسل میں فقہ مالکی وشافعی کا بیان	۷۳
کفارے کو قسم پر مقدم کرنے پر عدم کفایت کا بیان	۷۳
تمام مال صدقہ کرنے والے کفارے میں مذاہب اربعہ	۷۳
معصیت کی قسم اٹھانے کا بیان	۷۵
کافر کے قسم اٹھانے کا بیان	۷۷
اپنے اوپر غیر ملکیت چیز کو حرام کرنے کی قسم اٹھانا	۷۷
اپنے اوپر ہر حلال چیز کو حرام قرار دینے کی قسم اٹھانا	۷۸
نذر کا بیان ﴿	۷۹
قرآن کے مطابق نذر کا بیان	۷۹
احادیث کے مطابق نذر کا بیان	۸۰
منت ماننے کا فقہی بیان	۸۱
نذر ماننے کا بیان	۸۲
نذر کا حکم کا بیان	۸۳
حضرت خضہ کی نذر کا بیان	۸۳
معصیت کی نذر کا بیان	۸۹
ہر وہ نذر جو نفس کے متصادم ہو	۹۰
وہ نذر جس کا حکم قسم کے کفارہ کے علاوہ کوئی حکم نہیں	۹۱
ایسی چیز کی نذر جو اس کی ملکیت نہیں	۹۱
وہ نذر جسے پورا کرنے یا قسم کا کفارہ دینے میں اختیار ہے	۹۲
مباح نذر کا بیان	۹۲
نذر سے ممانعت کے سبب کا بیان	۹۳
جس نے قسم کے ساتھ اتصالی طور پر ان شاء اللہ کہا	۹۳
باب الیمنین فی الدخول والکسبی	۹۵

یہ باب گھر میں دخول و سکنت کی قسم کے بیان میں ہے ﴿	۹۵
باب الیمنین دخول و سکنت کی فقہی مطابقت کا بیان	۹۵
گھر میں عدم دخول کی قسم اٹھانے والے کا کعبہ میں داخل ہونے کا بیان	۹۵
مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ	۹۶
گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا بیان	۹۷
ویرانی کے بعد گھر بننے پر دار کا اطلاق	۹۷
گھر میں عدم دخول کے حالف کا حجت پر چڑھنا	۹۹
دخول گھر کے حالف کا حجت پر چڑھنے کا بیان	۱۰۰
دخول بیت کے حالف کا گھر میں بیٹھا رہنے کا بیان	۱۰۱
پینے ہوئے کپڑے کے نہ پینے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۰۲
قسم کو پورا کرنے کیلئے وقت کے استثناء کا بیان	۱۰۳
سواری پر سوار نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا فقہی بیان	۱۰۳
حالف کے خروج کے باوجود اہل و عیال کے سبب حلف ہونے کا بیان	۱۰۳
باب الیمنین فی الخروج والیتیان	۱۰۷
والزکوب و غیر ذلک	۱۰۷
یہ باب دخول و خروج بیت اور سوار وغیرہ ہو سکتی قسم کے بیان میں ہے ﴿	۱۰۷
باب دخول و خروج بیت کی قسم کی فقہی مطابقت کا بیان	۱۰۷
مسجد سے عدم خروج کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۰۷
ما مور کے عمل کی اضافت آمر کی جاتی ہے (قاعدہ فقہیہ)	۱۰۷
صرف جنازے میں شرکت کرنے کی قسم کا بیان	۱۰۸
استثنائی خروج کے بعد خروج کے حکم کا معدوم ہونا	۱۰۸
مکہ مکرمہ کیلئے عدم خروج کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۰۹
ایتان کے معنی سے استدلال کا بیان	۱۰۹
بصرہ میں ضرور جانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۰۹
حقیقی استطاعت فعل سے متصل ہوا کرتی ہے	۱۱۰
خروج زوجہ کو اجازت سے معلق کرنے کا بیان	۱۱۱
خروج زوجہ پر طلاق کو معلق کرنے کا بیان	۱۱۲
طلاق کو ملک میں داخلے کے ساتھ معلق کرنے کا بیان	۱۱۳
سواری پر سوار نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۱۳
باب الیمنین فی الاکل والشرب	۱۱۷
یہ باب کھانے پینے کی قسم کے بیان میں ہے ﴿	۱۱۷
باب الیمنین اکل و شرب کی فقہی مطابقت کا بیان	۱۱۷
کھانے کی قسم کا فقہی مفہوم	۱۱۷
درخت بنے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۱۷
گدراہی کھجور نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۱۸
حمل کا گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۰
نصف کچی کھجور نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۰
گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۲
چربی نہ کھانے یا نہ خریدنے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۳
گندم سے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۳
آٹے سے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۵
بھنی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۶
سبزیاں نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۷
پھل نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۲۸
سائیں نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۳۰
غدا نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۳۱
کھانے پینے یا پینے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۳۲
ہر اہل بلد میں ان کے عرف کا اعتبار	۱۳۲
حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان	۱۳۳
دریائے دجلہ سے نہ پینے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۳۳
من تعصیہ کا بیان	۱۳۴
پانی پینے سے طلاق کو معلق کرنے کا بیان	۱۳۵
آسمان پر چڑھنے کی قسم اٹھانے کا بیان	۱۳۷

باب النبیین فی الکلام ۱۳۹	آزادی کو خوشخبری سے معلق کرنے کا بیان ۱۶۷
یہ باب کلام میں قسم اٹھانے کے بیان میں ہے ۱۳۹	حذف کے قرینے کا بیان ۱۶۸
باب کلام میں قسم اٹھانے کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۳۹	غلام کی آزادی کو خرید سے معلق کرنے کا بیان ۱۶۸
قسموں کا دار و مدار الفاظ پر ہونے کا فقہی مفہوم ۱۳۹	باندی کی آزادی کو جماع سے معلق کرنے کا بیان ۱۷۰
کسی سے کلام کی نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۴۱	وجود شرط و وجوہ جزاء کو مستلزم ہے ۱۷۱
جھوٹی قسم کھانے والے بارے میں وعید کا بیان ۱۴۲	آزادی میں لفظ کل کے احاطے کا بیان ۱۷۱
جھوٹی قسم کھانے والوں سے متعلق احادیث ۱۴۳	لفظ "کل" کے الحاق شرط کا بیان ۱۷۲
قسم کو اجازت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان ۱۴۵	بیویوں کو مطلقہ کہنے کا بیان ۱۷۲
مہینہ بھر کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۴۶	عطف بہ حرف کا بیان ۱۷۳
کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے والے کا قرآن پڑھنا ۱۴۷	معطوف کی تعریف ۱۷۳
طلاق زوج کو کلام یوم سے معلق کرنے کا بیان ۱۵۰	معطوف کے چند ضروری قواعد ۱۷۳
قسم کو رات پر محمول کرنے کا بیان ۱۵۱	عطف بیان کی تعریف ۱۷۴
فلاں کے غلام سے کلام کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۵۳	عطف بیان کے چند ضروری قواعد ۱۷۴
اضافت کا تعارف کیلئے ہونے کا بیان ۱۵۴	باب النبیین فی البیع والشراء والتزاج ۱۷۵
چادر والے سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۵۵	وغیر ذلک ۱۷۵
فصل ۱۵۷	یہ باب خرید و فروخت اور تزوج وغیرہ میں قسم کھانے کے بیان میں ہے ۱۷۵
یہ فصل کلام میں قسم اٹھانے کے بیان میں ہے ۱۷۷	باب بیع و شراء کی قسم کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۷۵
فصل بیعین کلام کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۷۷	خرید و فروخت ہونے کی قسم کا بیان ۱۷۵
ایک لمحے یا زمانے کلام نہ کرنے کی قسم کا بیان ۱۷۷	شادی نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۷۶
مطلق ایام سے تین دنوں کی مراد کا بیان ۱۷۹	قاعدہ، وکالت ان چیزوں میں جائز ہے ۱۷۷
غلام کی آزادی کو خدمت سے معلق کرنے کا بیان ۱۸۱	قاعدہ، ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص سے پورا نہ ہو ۱۷۷
جمع قلت کی تعریف ۱۸۲	ترک شادی پر وعید کا بیان ۱۷۸
باب النبیین فی العتق والطلاق ۱۸۳	غلام کو نہ مارنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۷۸
یہ باب آزادی اور طلاق میں قسم اٹھانے کے بیان میں ہے ۱۸۳	بیٹے کو نہ مارنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۸۰
عتق و طلاق کے باب کی قسم میں فقہی مطابقت کا بیان ۱۸۳	وکالت کے جواز کے مواقع کا بیان ۱۸۱
طلاق زوج کو بچے کی ولادت سے معلق کرنے کا بیان ۱۸۳	غلام کی آزادی کو فروخت سے معلق کرنے کا بیان ۱۸۲
آزادی کو لڑکا جنم سے معلق کرنے کا بیان ۱۸۳	بیوی کی طلاق کو معلق کرنے کا بیان ۱۸۳
غلام کی آزادی کو خریدنے سے معلق کرنے کا بیان ۱۸۵	

باب النبیین فی الحج والصلاة والصوم ۱۸۶	طلاق زوج کو معین تعداد اور ہم سے معلق کرنے کا بیان ۲۰۴
یہ باب نماز، حج اور روزے میں قسم کے بیان میں ہے ۱۸۶	استثناء کی تعریف ۲۰۵
نماز، حج اور روزے کی قسم کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۸۶	حروف استثناء ۲۰۵
پیدل حج کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۸۶	مشقی متصل کی تعریف ۲۰۵
پیدل حج کرنے والے کیلئے جب مشقت ہو تو اباحت سواری ۱۸۹	مشقی منقطع کی تعریف ۲۰۵
حج نہ کرنے کی قسم پر غلام کو آزاد کرنے کا بیان ۱۹۰	کلام موجب ۲۰۵
روزہ نہ رکھنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۹۱	کلام غیر موجب ۲۰۶
نماز نہ پڑھنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۹۱	مشقی کا اعراب ۲۰۶
باب النبیین فی لبس الثیاب والحلی ۱۹۱	مشقی منصوب یا ماقبل کے مطابق ۲۰۶
وغیرہ ذلک ۱۹۳	غیر کے اعراب ۲۰۶
یہ باب کپڑے اور زیورات وغیرہ پہننے کی قسم کے بیان میں ہے ۱۹۳	ایسا نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۲۰۷
باب لباس ثوب و زیورات کی قسم میں فقہی مطابقت کا بیان ۱۹۳	عموم نفی کی ضرورت میں ممانعت بھی عام ہوگی۔ قاعدہ فقہیہ ۲۰۷
بیوی کے کاتے ہوئے سوت پہننے سے قسم کا بیان ۱۹۳	والی کا جاسوسی کیلئے قسم دینے کا بیان ۲۰۷
زیورہ پہننے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۹۵	اپنا غلام بدیہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۲۰۸
بستر پر نہ سونے کی قسم کا بیان ۱۹۶	گل بہ نقد کو خریدنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۲۰۹
زمین پر نہ بیٹھنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۱۹۷	کتاب الحدود ۲۱۰
باب النبیین فی الضرب والقتل وغیرہ ۱۹۷	یہ کتاب حدود کے بیان میں ہے ۲۱۰
یہ باب قتل و ضرب وغیرہ میں قسم کے بیان میں ہے ۱۹۹	کتاب حدود کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۱۰
باب قتل و ضرب کی قسم کی فقہی مطابقت کا بیان ۱۹۹	حد کے معانی و مقاصد کا بیان ۲۱۰
مارنے سے متعلق قسم کا فقہی بیان ۱۹۹	حد کا فقہی مفہوم ۲۱۰
غلام کی آزادی کو مارنے سے معلق کرنے کا بیان ۱۹۹	حد کے دیگر معانی کا بیان ۲۱۱
کو نہ مارنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۲۰۱	حد قائم کرنے کی برکت کا بیان ۲۱۲
باب النبیین فی تقاضی الذراہم ۲۰۲	اسلامی سزاؤں کی حکمتوں کا بیان ۲۱۲
یہ باب قسم میں تقاضہ ذراہم کے بیان میں ہے ۲۰۲	شہادت و اقرار سے ثبوت زنا کا بیان ۲۱۳
تقاضہ ذراہم میں قسم کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان ۲۰۲	گواہوں سے احوال جاننے کا بیان ۲۱۶
قرض ادا کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۲۰۲	قاضی اہل شہادت احوال زنا معلوم کرے ۲۱۸
قرض پر قبضہ نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان ۲۰۳	حد و تقریر میں فرق ۲۱۹
	اقرار سے ثبوت حد کا بیان ۲۲۱

ثبوت حد میں اقرار کے حجت ہونے کا بیان.....	۲۲۳
حاکم مقرر کے اقرار کی تردید کرے.....	۲۲۳
رجم کی سزا کا فقہی بیان.....	۲۲۵
چار مجالس پر شہادت کی متحمل حدیث.....	۲۲۶
مساجد میں حد و تعزیر جاری نہ کی جائیں.....	۲۲۸
چار مرتبہ اقرار کے قیام حد کا بیان.....	۲۲۹
اقرار سے رجوع حد کے ساقط ہونے کا بیان.....	۲۳۰
نصاب شہادت اور ثبوت شہادت میں گواہوں کی کیفیت.....	۲۳۲
فصل فی کیفیت الحد والاعذار	۲۳۳
یہ فصل حد کے طریقے اور قائم کرنے کے بیان میں ہے.....	۲۳۳
فصل کیفیت حد کی فقہی مطابقت کا بیان.....	۲۳۳
وجوب حد کے بعد رجم کرنے کا بیان.....	۲۳۳
رجم کا فقہی مفہوم.....	۲۳۳
رجم کرنے کی کیفیت کا بیان.....	۲۳۵
سزا کی تفصیل.....	۲۳۵
قتل کی سزا کے اسباب و ذرائع کا فقہی بیان.....	۲۳۵
مقرر کے رجم کا آغاز حکمران کرے گا.....	۲۳۸
حد نافذ کرنے والے کی اہلیت کا بیان.....	۲۳۸
حد رجم کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ.....	۲۳۹
مرجم کے غسل و جنازے کا بیان.....	۲۴۲
مرجم کی نماز جنازہ پڑھانے میں مذاہب اربعہ.....	۲۴۵
غیر محسن زانی کی سزا کا بیان.....	۲۴۶
غیر محسن کو دوسرے مارنے کا بیان.....	۲۴۷
محدود علیہ کے سرو چہرے پر مارنے کی ممانعت کا بیان.....	۲۴۸
غلام پر نصف جاری ہونے کا بیان.....	۲۵۰
باندیوں کی حد میں فقہی تصریحات کا بیان.....	۲۵۰
محسنہ و غیر محسنہ باندیوں کی حد فقہی مذاہب.....	۲۵۳
حدود میں مردوں اور عورتوں کے برابر ہونے کا بیان.....	۲۵۵
امام کے بغیر آقا کے حد جاری نہ کرنے کا بیان.....	۲۵۷
حد جاری کرنے میں حاکم کے منصب کا بیان.....	۲۵۸
بچوں کی سزا کی فقہی حیثیت کا بیان.....	۲۵۸
تریت میں اعتدال.....	۲۵۹
اولاد کی تربیت والد کی ذمہ داری.....	۲۵۹
مرد کے احسان کی شرائط کا بیان.....	۲۶۰
احسان کی شرائط میں مذاہب اربعہ.....	۲۶۲
احسان کی سات شرائط کا بیان.....	۲۶۲
محسن کیلئے عدم شرط اسلام میں امام شافعی کی متحمل حدیث.....	۲۶۳
رجم کے ثبوت کا بیان.....	۲۶۴
محسن کیلئے رجم و کوڑوں کا جمع نہ ہونے کا بیان.....	۲۶۴
رجم و کوڑوں کی سزا کو جمع نہ کرنے میں فقہی مذاہب.....	۲۶۵
ایک زانی کو دوسراؤں کا بیان.....	۲۶۵
کوڑے مارنے اور شہر بدری کو جمع نہ کرنے کا بیان.....	۲۶۶
شہر بدری کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ.....	۲۶۷
مریض کیلئے حد رجم کا بیان.....	۲۶۸
زانی کی حد میں رعایت کا بیان.....	۲۷۰
حاملہ پر حد جاری کرنے کا بیان.....	۲۷۱
عورت کی وطی عورت ساتھ ہونے میں تحریر کا بیان.....	۲۷۲
باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لا یوجبہ	۲۷۳
یہ باب موجب حد و غیر موجب حد کی وطی کے بیان میں ہے.....	۲۷۴
باب وطی موجب حد کی فقہی مطابقت کا بیان.....	۲۷۴
زنا سے وجوب حد کا بیان.....	۲۷۴
شبہ کی تعریفات و اقسام کا بیان.....	۲۷۵
شبہ کے فائدہ سے ملزم کو بچانے کا بیان.....	۲۷۶
شبہ سے سقوط حدود پر اجماع کا بیان.....	۲۷۷
محل شبہ کے چھ مواقع کا بیان.....	۲۷۸

مطلقہ ثلاثہ سے جماع پر حد کا بیان.....	۲۷۹
خلاف اختلاف کے لغوی معنی کا بیان.....	۲۸۰
خلاف اور اختلاف میں فرق.....	۲۸۰
علم الخلاف کے اصطلاحی معنی.....	۲۸۱
زوجہ کو خلیہ بر یہ کہنے کا بیان.....	۲۸۱
خلیہ بر یہ کے مشابہات سے طلاق کا بیان.....	۲۸۲
بیٹے کی باعدی سے جماع پر عدم حد کا بیان.....	۲۸۲
مروانی بیوی کی باعدی سے زنا کرے تو کیا حکم ہے؟.....	۲۸۳
باپ کی باعدی سے جماع پر عدم حد کا بیان.....	۲۸۴
شب زفاف میں غیر زوجہ سے جماع پر عدم حد کا بیان.....	۲۸۵
بستر پر ملنے والی عورت سے جماع کرنے پر حد کا بیان.....	۲۸۶
حرمت نکاح والی سے جماع کرنے کا بیان.....	۲۸۷
غیر مقلدین کی فقہی پر جاہلانہ ہم پرستیاں.....	۲۸۸
فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک محارم سے نکاح کی اباحت و آزادی.....	۲۸۸
کا بیان.....	۲۸۸
فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک لا تعداد بیویاں نکاح میں رکھ سکتا ہے.....	۲۸۹
محرمات ابدیہ سے نکاح کی حرمت میں غیر مقلدین کا فقہی پر اعتراض.....	۲۸۹
محرمات ابدیہ سے نکاح میں فقہی کے مطابق سزا کا بیان.....	۲۹۰
اہل فقہ سے مراد فقہاء مدینہ کی عظمت کا اظہار.....	۲۹۱
فرج کے سوا اجتہاد سے جماع کرنے کا بیان.....	۲۹۴
لوٹی کی حد میں مذاہب اربعہ.....	۲۹۵
لوٹی کی حد میں فقہی مذاہب کی تفصیل کا بیان.....	۳۰۱
جانور سے وطی کا زنا کے حکم میں نہ ہونے کا بیان.....	۳۰۱
جانور سے وطی کرنے والے پر عدم حد میں مذاہب اربعہ.....	۳۰۲
جانور سے جماع کرنے پر حد نہیں آتی.....	۳۰۳
جانور سے وطی پر عدم حد میں غیر مقلدین کا موقف.....	۳۰۴
دار الحرب کے زنا میں عدم حد کا بیان.....	۳۰۴
مسلمان حربی کے زنا کرنے پر حد کا بیان.....	۳۰۶
قاعدہ فقہیہ.....	۳۰۸
قاعدہ فقہیہ.....	۳۰۸
اصل اور غلیظہ کے مقاصد میں عموم متحد ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ.....	۳۰۸
قصاص و دیات کے مقاصد.....	۳۰۸
مسافر مالک و غلام کے مقاصد.....	۳۰۹
بچے اور پاگل زانی پر عدم حد کا بیان.....	۳۰۹
زبردستی والے زنا پر عدم حد کا بیان.....	۳۱۰
زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی.....	۳۱۱
اضطرار کی کیفیت کا فقہی مفہوم.....	۳۱۳
اختصاص کا معنی.....	۳۱۳
اقرار زنا اور اقرار نکاح کے سبب اشتباہ کا بیان.....	۳۱۶
باعدی سے زنا کرنے والے پر حد کا بیان.....	۳۱۶
امام پر عدم حد کا بیان.....	۳۱۸
ثبوت زنا کیلئے دخول کی شرط کا بیان.....	۳۱۸
باب الشہادۃ علی الزنا والرجوع عنہا	۳۱۹
یہ شہادت زنا دینے اور اس سے رجوع کے بیان میں ہے.....	۳۱۹
باب شہادت زنا و انصراف شہادت کی فقہی مطابقت کا بیان.....	۳۱۹
گزرے ہوئے جرم پر گواہی دینے کا بیان.....	۳۱۹
رجوع سے سقوط کا حد کا فقہی بیان.....	۳۲۱
دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرنا.....	۳۲۲
تقدم کی حد میں فقہاء کے اختلاف کا بیان.....	۳۲۲
زمانہ گزرنے کی وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا.....	۳۲۳
حقوق العباد میں سے ساقط ہونے والے احکام.....	۳۲۳
حق رجعت.....	۳۲۳
محض لوگوں کی شہادت پر حد زنا کا بیان.....	۳۲۴
اختلاف شہادت سے سقوط حد کا بیان.....	۳۲۵

مقام زمانہ سے اختلاف شہادت سے سقوط حد کا بیان..... ۳۲۷	شراب نوشی کی سزا..... ۳۵۱
مقام واحد کی شہادت میں اختلاف پر حد کا بیان..... ۳۲۷	شراب کی سزا کے نفاذ کا بیان..... ۳۵۱
شہادت میں اختلاف وقت سبب سقوط حد کا بیان..... ۳۲۸	مسافت میں حد شراب کو حد زنا پر قیاس کرنے کا بیان..... ۳۵۲
داڑھی موٹھ حنا حرام اور اہل تشیع کا موقف و عمل..... ۳۲۹	نیبڑ پینے والے پر حد شراب کا بیان..... ۳۵۳
مسلمانوں کا قطعی رویہ..... ۳۳۰	کل مسکر حرام ہونے کا بیان..... ۳۵۵
نا بیٹا گواہوں کی شہادت کا بیان..... ۳۳۰	شرابی کی سزا اسی کوڑوں پر اجماع کا بیان..... ۳۵۵
فسق کا لغوی و فقہی مفہوم..... ۳۳۱	شرابی کی سزا کے اجماع پر دلائل کا بیان..... ۳۵۷
جن لوگوں کی شہادت کی عدم معتبر ہے..... ۳۳۲	شرابی کی حد میں اسی کوڑوں پر اجماع صحابہ کرام..... ۳۵۸
حد جاری ہونے کے بعد گواہ کے غلام ثابت ہونے کا بیان..... ۳۳۵	اجماع کی تعریف و مفہوم..... ۳۵۹
شہادت پر شہادت دینے سے سقوط حد کا بیان..... ۳۳۷	اجماع کے لغوی معانی کا بیان..... ۳۶۰
رجوع کرنے والے پر حد قذف کا بیان..... ۳۳۸	اجماع کی اصطلاحی تعریف..... ۳۶۱
اجرائے حد سے قبل رجوع کرنے کا بیان..... ۳۳۹	وقوع اجماع کا بیان..... ۳۶۱
حد جرم کے بعد ایک گواہ کے بخوبی ثابت ہونے کا بیان..... ۳۴۰	حقیقت اجماع..... ۳۶۲
حد جرم کے منکرین کی عقلی و ہم پرستی..... ۳۴۱	بدعتی اور فاسق مجتہد کا اجماع..... ۳۶۲
حد لگانے والوں میں کسی کا گردن اڑا دینے کا بیان..... ۳۴۲	عامی کی مخالفت یا موافقت کا حکم..... ۳۶۲
مشہود علیہ کا حصن ہونے سے انکار کرنے کا بیان..... ۳۴۳	اجماع میں اکثریت و اقلیت کی بحث..... ۳۶۲
جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے، قاعدہ فقہیہ..... ۳۴۵	اجماع کے حجت ہونے کا بیان..... ۳۶۳
باب حد الشرب ۳۴۶	اجماع کی اساس کا فقہی مفہوم..... ۳۶۵
یہ باب شراب کی حد کے بیان میں ہے..... ۳۴۶	اجماع کی بنیاد قیاس پر..... ۳۶۵
باب حد شراب کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۳۴۶	اجماع کی اقسام کا بیان..... ۳۶۶
خمر (شراب) کا فقہی مفہوم..... ۳۴۶	اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم..... ۳۶۶
قرآن کے مطابق حرمت شراب کا بیان..... ۳۴۶	اہل مدینہ کے اجماع کا بیان..... ۳۶۷
شراب سے متعلق حکم نزول کا بیان..... ۳۴۷	کن چیزوں میں اجماع کا اعتبار ہے؟..... ۳۶۸
احادیث کے مطابق حرمت شراب کا بیان..... ۳۴۸	اجماع کے حکم کا بیان..... ۳۶۸
شراب کی حرمت نازل ہونے پر صحابہ کرام کا عمل..... ۳۴۸	غیر مقلدین اور اجماع..... ۳۶۸
شراب کی حرمت کا سبب و علت..... ۳۴۸	اجماع کی نظائر کا بیان..... ۳۶۹
شرابی پر اجرائے حد کی شرائط کا بیان..... ۳۴۹	کیا اجماع کی اطلاع ممکن ہے؟..... ۳۷۰
شراب کی حد کا بیان..... ۳۵۰	حد شراب کی شہادت کے نصاب کا بیان..... ۳۷۰

شرابی پر نشے کے اطلاق کا بیان..... ۳۷۱	محدودی القذف کی شہادت نہ قبول کرنے میں فقہ حنفی کی ترجیح..... ۴۰۲
نشے کا اپنی ذات کیلئے اقرار کرنے کا بیان..... ۳۷۲	اہل تشیع کے نزدیک حد قذف کی صرف دو صورتوں کا بیان..... ۴۰۳
باب حد القذف ۳۷۵	فصل فی التذییر ۴۰۳
یہ باب حد قذف کے بیان میں ہے..... ۳۷۵	یہ فصل تعزیر کے بیان میں ہے..... ۴۰۳
باب حد قذف کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۳۷۵	فصل تعزیر کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۴۰۳
قذف کا فقہی مفہوم..... ۳۷۵	تعزیر کا فقہی مفہوم..... ۴۰۳
حصن یا حصہ پر تہمت لگانے والے پر حد کا بیان..... ۳۷۵	تعزیر کی تعریف اور اس کی سزا کا شرعی تعین..... ۴۰۳
مقذوف کی شرائط کا بیان..... ۳۷۷	قرآن کے مطابق تعزیر کا بیان..... ۴۰۵
قذف کے ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب..... ۳۷۸	حدود اور تعزیر میں فرق..... ۴۱۰
دوسرے کے نسب میں نفی کے سبب حد کا بیان..... ۳۸۰	تعزیری سزائوں کا فقہی بیان..... ۴۱۰
نفی نسب کی حرمت میں احادیث کا بیان..... ۳۸۰	غیر مقلدین کا توہم اور احناف..... ۴۱۲
حد قذف کے مطالبہ کے حقداروں کا بیان..... ۳۸۲	تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزا کا بیان..... ۴۱۲
شہادت حد میں گواہوں کے اتحاد و مجلس میں فقہی مذاہب..... ۳۸۲	تعزیر میں قید کرنے کا بیان..... ۴۱۳
جماعت کے قاذف کی حد کا بیان..... ۳۸۳	تعزیر میں سخت سزا دینے کا بیان..... ۴۱۵
غصے میں کسی کے نسب کے انکار کرنے کا بیان..... ۳۸۳	حد لگانے شخص کے فوت ہونے کا بیان..... ۴۱۷
مقذوف حصن کے کافر بیٹے کیلئے حق مطالبہ حد کا بیان..... ۳۸۵	کتاب الشریقة ۴۱۹
مقذوف کی بعض شرائط کا بیان..... ۳۸۷	یہ کتاب حد سرقہ کے بیان میں ہے..... ۴۱۹
تکرار قذف میں ایک حد کا فقہی بیان..... ۳۸۷	کتاب حد سرقہ کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۴۱۹
مقذوف کے فوت ہو جانے سے سقوط حد کا بیان..... ۳۸۸	سرقہ کے معنی کا فقہی مفہوم..... ۴۱۹
قذف کا اقرار کرنے کے بعد رجوع کرنے کا بیان..... ۳۸۹	حدیث کے مطابق چور کیلئے سخت وعید کا بیان..... ۴۲۰
زنا تہم کیلئے کہنے والے پر حد جاری کرنے کا بیان..... ۳۹۰	سرقہ کی لغوی تشریح کا بیان..... ۴۲۰
ایک دوسرے کو زانی کہنے کے سبب حد کا بیان..... ۳۹۱	چوری کے جرم پر بیان کردہ شرعی حد کا بیان..... ۴۲۲
بیوی کو زانیہ کہنے پر عدم حد کا بیان..... ۳۹۲	حدود کا شبہ سے ساقط ہو جانے کا بیان..... ۴۲۳
شوہر کا اقرار و ولد کے بعد نفی کرنے کا بیان..... ۳۹۳	حدود و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں قاعدہ فقہیہ..... ۴۲۳
غیر کی ملک میں حرام و طہی کے سبب عدم حد کا بیان..... ۳۹۵	چور کی حد کے لیے شرائط کا بیان..... ۴۲۳
مخسوس باندی سے جماع کرنے والے پر تہمت لگانے کا بیان..... ۳۹۶	دائے ہاتھ اور دوبارہ چوری پر پائیاں پاؤں کاٹنے کا بیان..... ۴۲۵
تہمت کے سبب مسلمان پر اجرائے حد کا بیان..... ۳۹۸	چوری کی سزا قطعید ہونے کا بیان..... ۴۲۵
تہمت میں تعدد پر ایک حد جاری ہونے کا بیان..... ۳۹۹	نصاب سرقہ میں مذاہب فقہاء کا بیان..... ۴۲۶

چوری کی سزا اور اس کا نصاب..... ۴۲۹	بڑے غلام کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۲۹
نصاب سرقہ میں امام شافعی کی مستدل حدیث..... ۴۲۹	سارق غلام کی حد میں مذاہب اربعہ..... ۴۵۰
نصاب سرقہ میں امام مالک کی مستدل حدیث..... ۴۳۰	رجسٹری چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۵۰
نصاب سرقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی مستدل حدیث..... ۴۳۰	سبز گینوں کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۵۱
نصاب سرقہ میں احناف کے موقف کی ترجیح کا بیان..... ۴۳۰	خان کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۵۲
نصاب سرقہ میں بعض احادیث و آثار کا بیان..... ۴۳۱	خان کے قطع ید میں فقہی مذاہب کا بیان..... ۴۵۳
سرقہ بیضہ والی حدیث کے نسخ و تاویل کا بیان..... ۴۳۲	کفن چور پر عدم حد کا بیان..... ۴۵۳
نصاب سرقہ میں فقہی مذاہب اربعہ..... ۴۳۳	بیت المال کے سارق پر عدم حد کا بیان..... ۴۵۶
قطع میں آزاد و غلام کی برابری کا بیان..... ۴۳۵	چوری میں تعدد پر حد سرقہ کا بیان..... ۴۵۷
غلامی خون کی عصمت میں موثر نہیں جبکہ اس کی قیمت میں موثر ہوتی ہے قاعدہ فقہیہ..... ۴۳۵	سبب ملکیت کی تبدیلی ذات میں تبدیلی کو واجب کرتی ہے..... ۴۵۹
اقرار سے وجوب قطع کا بیان..... ۴۳۶	لوٹنے والے پر عدم قطع کا بیان..... ۴۵۹
حد سرقہ کے وجوب میں دو گواہوں کا بیان..... ۴۳۸	فصل فی الجزز والأخذ منه ۴۶۰
چور کا ہاتھ کاٹ گلے میں لٹکانے کا بیان..... ۴۳۹	یہ فصل مال کے حرز اور اس سے سرقہ کے بیان میں ہے..... ۴۶۰
باب مَا يُقَطَّعُ فِيهِ وَمَا لَا يُقَطَّعُ ۴۴۰	فصل حرز و سرقہ کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۴۶۰
یہ باب قطع ید اور عدم قطع ید کے بیان میں ہے..... ۴۴۰	چوری میں شرط حرز کا فقہی بیان..... ۴۶۰
باب قطع و عدم قطع ید کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۴۴۰	ذی رحم عرم کی چوری کرنے کا بیان..... ۴۶۱
معمولی اشیاء کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۰	زوجین کی آپس کی چوری کا بیان..... ۴۶۳
عرف میں غیر محفوظ چیزوں کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۱	جب آقائے مال مکاتب سے چوری کی تو عدم حد کا بیان..... ۴۶۳
چور کو قید میں رکھنے کا بیان..... ۴۴۲	حرز کی اقسام کا فقہی بیان..... ۴۶۴
جلد خراب ہونے والی اشیاء کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۲	مالک کی حفاظت سے چوری کرنے پر عدم حد کا بیان..... ۴۶۶
میوے کی چوری پر عدم حد میں فقہی مذاہب اربعہ..... ۴۴۳	چور کا سامان گھر سے باہر نہ لانے کا بیان..... ۴۶۷
معمولی اشیاء کی چوری پر عدم حد میں مذاہب اربعہ..... ۴۴۵	شرط حرز کے معدوم پر عدم حد کا بیان..... ۴۶۷
جمع شدہ جگہ سے پھلوں کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۵	نقب زنی سے چوری کرنے والے کا بیان..... ۴۶۸
مالیت میں شہمہ پیدا کرنے والی اشیاء کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۶	چوری پر چوری کو شہمہ پر محمول کرنے کا بیان..... ۴۶۹
ساجد کی حفاظت پر مامور پولیس..... ۴۴۷	چور کا سامان گدھے پر لا کر جانے کا بیان..... ۴۶۹
سوئے کی صلیب چرانے پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۸	اضافت فعل کے سبب حکم کا بیان..... ۴۷۰
آزاد بچے کی چوری پر عدم حد کا بیان..... ۴۴۸	نقب زنی کرنے والے کا باہر سے چوری کرنے کا بیان..... ۴۷۰
	چور کا آستین کی تھلی کاٹنے کا بیان..... ۴۷۱

باب مال سرقہ میں تبدیلی کی فقہی مطابقت..... ۴۹۴	اوتوں کی قطار سے چوری کرنے کا بیان..... ۴۷۲
سرقہ چیز میں تغیر و تبدل کرنے کا بیان..... ۴۹۴	کھڑی چوری کرنے کا بیان..... ۴۷۲
بکری چور نے جب بکری کو زخم کر دیا ہو تو حکم حد..... ۴۹۵	فصل فی کیفیت القطع والنجاة ۴۷۳
حد قطع کے مطابق سونا چاندی کو چوری کرنے کا بیان..... ۴۹۵	یہ فصل قطع ید کے طریقے اور اس کے اثبات کے بیان میں ہے..... ۴۷۳
چوری شدہ کپڑے سرخ بنانے میں قطع کا بیان..... ۴۹۶	فصل کیفیت قطع کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۴۷۴
باب قطع الطريق ۴۹۷	چور کے ہاتھ کو کہاں سے کاٹا جائے گا..... ۴۷۴
یہ باب راستے میں ڈکیتی ڈالنے والوں کے بیان میں ہے..... ۴۹۷	قطع ید میں امام شافعی کی مستدل حدیث اور اس کا محمل..... ۴۷۶
باب قطع طریق کی فقہی مطابقت کا بیان..... ۴۹۷	ہاتھ کو کھائی سے کاٹنے کا بیان..... ۴۷۷
قوت مدافعت والی جماعت کا ڈکیتی کیلئے نکلنے کا بیان..... ۴۹۷	چور کے ہاتھ کا قانچ زدہ ہونے کا بیان..... ۴۷۸
اختلاف احوال کے پیش نظر جنایات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں قاعدہ فقہیہ..... ۵۰۰	حد اوکا عمایاں ہاتھ کاٹنے کا بیان..... ۴۷۸
قتل سے متعلق فقہی احکام کا بیان..... ۵۰۱	حد سرقہ کیلئے سجدہ کے مطالبے کا بیان..... ۴۸۰
فساد اور قتل و غارت کے احکام کا بیان..... ۵۰۲	ودیعت والوں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان..... ۴۸۱
شہر اور غیر شہر کی ڈکیتی کے ہونے میں مذاہب اربعہ..... ۵۰۵	قطع ید میں سارق اول کے عدم حق کا بیان..... ۴۸۳
ڈاکوؤں کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کا بیان..... ۵۰۶	قطع ید کیلئے مال معنوم ہونے کا بیان..... ۴۸۴
ڈاکو کے لوٹے ہوئے کی ضمانت کا بیان..... ۵۱۰	مال کی تحریف..... ۴۸۴
محاربہ اور ندادنی الارض..... ۵۱۲	لوٹ کے جزیئے کا بیان..... ۴۸۴
ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ دینا..... ۵۱۳	حاکم کے ہاں معاملہ جانے سے پہلے مال واپس کرنے کا بیان..... ۴۸۴
ڈاکوؤں سے سقوط حد کے اسباب کا بیان..... ۵۱۳	حد قطع کے بعد مال ہبہ ہونے سے سقوط حد کا بیان..... ۴۸۵
سقوط حد کی صورت میں حق قتل و زانیہ کی طرف منتقل ہونے کا..... ۵۱۵	چور کو چوری کا مال ہبہ کر دینے کا بیان..... ۴۸۶
اصلی سبب کے ہوتے ہوئے غلطی سبب کا اختیار مطلوب ہو جاتا ہے..... ۵۱۶	مال سرقہ میں چور کے دعویٰ کے سبب سقوط حد کا بیان..... ۴۸۷
تصاص کا حق..... ۵۱۶	عبد مجبور کا چوری شدہ مال کا اقرار کرنے کا بیان..... ۴۸۸
شہر یا قریب شہر میں ڈکیتی کرنے کا بیان..... ۵۱۶	اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا..... ۴۹۰
عاقہ پردیت ہونے کا بیان..... ۵۱۷	چور کا ہاتھ کاٹنے اور سرقہ مال کی واپس کا بیان..... ۴۹۱
عاقہ پردیت ہونے کا فقہی مفہوم..... ۵۱۸	متحد چوریوں میں ایک مرتبہ ہاتھ کاٹنے کا بیان..... ۴۹۲
فساد کے سد باب کیلئے قاتل کو قتل کرنے کا بیان..... ۵۱۹	باب مَا يَحْدُثُ السَّارِقُ فِي السَّرِقَةِ ۴۹۳
اختصاصی کلمات شرح ہدایہ جلد ہفتم..... ۵۱۹	یہ باب مال سرقہ میں تغیر و تبدل کے بیان میں ہے..... ۴۹۳

مقدمہ رضویہ

الحمد لله الذي جعل العلماء ورثة الأنبياء، وخلاصة الأولياء، الذين يدعو لهم ملائكة السماء، والسَّمَكُ في الماء، والطير في الهواء. والصلاة والسلام الأتمان الأعمان على رُبْدَةِ خلاصة الموجودات، وعمدة سُلالة المشهودات، في الأصفياء الأزكياء، وعلى آلِه الطيبين الأطهارِ الأتقياء، وأصحابه الأبرار نجوم الاقتداء والاهتداء. أما بعد فيقول العبد الضعيف إلى حرم ربه الباري، محمد لياقت على الحنفى الرضوى البريلوى غفر له والوالديه، الساكن قرية ستيكا من مضافات بهاولنگر. أعلم أن الفقه اساس من سائر العلوم الدينية وامور الدنياوية. احرر شرح الهداية باسم "فیوضات الرضویہ فی تشریحات الہدایہ" بتوفیق اللہ تعالیٰ و بوسيلة النبی الکریم ﷺ. ومن علوم فقهاء الصحابة والتابعين وائمة المجتهدين في الامة المسلمة، (رضی اللہ عنہم)

مصنف ابن ابی شیبہ اور فقہ حنفی

علامہ اُسید الحق قادری بدایونی اپنی کتاب تحقیق و تنہیم میں لکھتے ہیں۔

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم الحنفی الکوفی (ولادت ۱۵۹ھ وفات ۲۳۵ھ) کا شمار محدثین ائمہ حدیث میں ہوتا ہے۔ آپ کی عدالت و ثقاہت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امام بخاری، امام مسلم، امام ابن ماجہ اور امام ابو داؤد جیسے ائمہ حدیث نے آپ سے احادیث کی روایت کی ہیں۔ آپ نے احادیث مبارکہ کا ایک عظیم مجموعہ مرتب کیا تھا جو علمی حلقوں میں مصنف ابن ابی شیبہ کے نام سے مشہور ہے۔

علمائے حدیث کی اصطلاح میں مصنف حدیث کی ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ابواب فقہ کی ترتیب پر احادیث جمع کی جائیں یا بالفاظ دیگر جس میں احادیث احکام جمع کی جائیں۔ مصنف میں مرفوع احادیث کا التزام نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں موصول، موقوف، مرسل اور منقطع احادیث بھی جمع کی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی اس میں صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال و آراء اور فتویٰ بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ (اصول التخریج، ص ۱۱۸)

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب بھی اسی اصول کے تحت مرتب کی ہے۔ یہ کتاب ۷ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس

میں ۳۷۹۴۳ احادیث جمع کی گئی ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ کے مختلف اجزاء مختلف مما لک سے شائع ہوتے رہے ہیں ۱۴۰۹ھ میں مکتبۃ الرشید الریاض (سعودی عرب) نے شیخ کمال یوسف المحوت کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ اس کی ساتوں جلدوں کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے، مکتبۃ الرشید کا یہی نسخہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔

ساتوں جلدوں میں امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ایک مستقل باب امام الانعمہ امام اعظم سیدنا الامام ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ اس باب کا عنوان ہے۔ هذا ما خالف به ابو حنیفہ الاثر الذي جاء عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (ان مسائل کا بیان جن میں ابو حنیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف رائے دی ہے) یہ باب ۲۸ صفحات (ص ۲۷۷-۲۳۵) پر مشتمل ہے۔ اس باب میں امام ابن ابی شیبہ نے ۱۲۵ مسائل غیبیہ کا ذکر کیا ہے جن میں (بقول ان کے) امام اعظم نے حدیث پاک کی مخالفت کی ہے۔ طریقہ تالیف یہ ہے کہ وہ کسی ایک مسئلہ کے تحت چند احادیث (جن میں موقوف و مرسل اور منقطع ہر قسم کی حدیثیں ہیں) ذکر کرتے ہیں اور آخر میں یہ ٹیپ کا بند ہوتا ہے کہ مگر ابو حنیفہ نے اس مسئلہ میں ایسا کہا ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ کا یہ باب عاقلین بالحدیث کے لیے اپنے اندر بڑی کشش رکھتا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اس باب کو تعلیقات و حواشی کے ساتھ مستقل کتابی شکل میں بھی شائع کیا جاتا رہا ہے۔

امام ابن ابی شیبہ کی جلالت علمی اور محدثانہ بصیرت کے تمام تر اعتراف کے باوجود غیر جانبدار اور حقیقت پسند محققین کی رائے میں اس باب میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان ۱۲۵ مسائل میں کچھ مسئلے ایسے ہیں جن میں امام اعظم کے پاس بھی حدیث ہے اور یہ حدیث امام ابن ابی شیبہ کی بیان کردہ حدیث کے مقابلہ میں چند وجوہ قویٰ ہے، کچھ مسائل وہ ہیں جن میں فہم حدیث کا فرق ہے یعنی ان مسائل میں امام اعظم نے بھی اس حدیث کو پیش نظر رکھا ہے مگر اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے امام اعظم کی نظر حدیث کے جس گہرے اور دقیق مفہوم تک پہنچ گئی امام ابن ابی شیبہ کی نظر وہاں تک نہ پہنچ سکی۔ اور انہوں نے حدیث کے ظاہری مفہوم کو دیکھتے ہوئے امام اعظم پر حدیث کی مخالفت کا الزام لگا دیا۔ کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں حدیث قبول کرنے کی شرائط کا فرق ہے۔ یعنی کسی حدیث کو قبول کرنے کی جو شرائط امام اعظم کے پیش نظر تھیں، امام ابن ابی شیبہ کی بیان کردہ حدیث میں مفقود ہیں اسی لیے امام اعظم نے مسئلہ کی بنیاد ایسی احادیث پر رکھنے کی بجائے قرآن کریم کی کسی آیت کے عموم پر رکھی ہے۔ کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں امام ابن ابی شیبہ نے امام اعظم کی طرف جو رائے منسوب کی ہے دراصل وہ نہ امام اعظم کی رائے ہے نہ آپ کے تلامذہ کی۔

انہیں وجوہات کی بنیاد پر اہل علم نے امام ابن ابی شیبہ کے اس باب کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی ہے۔ بلکہ اختلاف کے علاوہ بعض انصاف پسند شوافع نے بھی امام اعظم کا دفاع کرتے ہوئے امام ابن ابی شیبہ کا رد کیا ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان مسائل میں ترك الجهر بالبسملة، قراة خلف الامام، رفع يدين، نقض الوضو

بسم الذکر اور طلاق میں عودت کی رقیبت و حریت کا اعتبار وغیرہ جیسے مسائل شامل نہیں ہیں جن میں عام طور پر احناف پر حدیث کی مخالفت کا اصرار کیا جاتا ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امام ابن ابی شیبہ کو بھی اس بات کا اعتراف ہے کہ مذکورہ مسائل میں امام اعظم نے حدیث کی مخالفت نہیں کی ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ان مسائل میں مذکورہ بالا مسائل کو ضرور شمار کرتے۔

امام ابن ابی شیبہ کے رد میں حافظ محمد الدین القرشی لکھی نے ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی تھی الدر المنیفة فی الرد علی ابن ابی شیبہ عن ابی حنیفہ اس کے علاوہ علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے بھی اس باب کے رد میں کتاب لکھی تھی۔ مگر یہ دونوں کتابیں مفقود ہیں۔

علامہ محمد بن یوسف الصالحی (صاحب سیرت شامیہ) نے عقود الجمان فی مناقب ابی حنیفہ النعمان میں اجمالی طور پر امام ابن ابی شیبہ کا رد فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ الصالحی شافعی المذہب تھے، مقتول الجمان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس باب کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھنا شروع کی تھی۔ ابھی امام ابن ابی شیبہ کے بیان کردہ ۱۲۵ مسائل میں سے صرف ۲۰ مسائل پر ہی کلام ہوا تھا کہ دو جلدیں پوری ہو گئیں۔ پھر آپ اس تالیف کو موقوف کر کے سیرت شامیہ کی تکمیل میں مصروف ہو گئے خدا جانے یہ کتاب بعد میں مکمل ہوئی یا نہیں؟

مصنف ابن ابی شیبہ کے اس مخصوص باب کے رد میں ایک جامع اور محققانہ کتاب امام زاہد بن الحسن الکوثری رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۳۷۱ھ) نے تصنیف فرمائی ہے، کتاب کا نام ہے النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ یہ کتاب ہمارے پیش نظر ہے۔ کتاب پر گفتگو سے پہلے ہم صاحب کتاب کا مختصر اور اجمالی تعارف کرنا چاہتے ہیں۔

امام زاہد الکوثری ترکی الاصل تھے اور عثمانی دار الخلافہ میں ایک معزز علمی عہدہ پر فائز تھے۔ سقوط خلافت کے بعد آپ قاہرہ تشریف لے آئے اور آخر عمر تک یہیں قیام پذیر رہے۔ آپ کے علم و فضل کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے معاصرین میں دونابغہ روزگار شخصیات امام محمد ابو زہرہ اور محدث العصر امام عبداللہ صدیق الغماری علیہما الرحمۃ نے آپ کے وسیع علم، دقت نظر اور مدح و تقویٰ کا برملا اعتراف کیا ہے، ان دونوں حضرات کا اعتراف علم و فضل بجائے خود ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ دونوں حضرات کا بہت سے مسائل میں امام کوثری سے علمی اختلاف تھا۔ حدیث، فقہ اور اصول فقہ آپ کا خاص میدان تھا۔ بالخصوص فقہ حنفی پر آپ کی بہت گہری نظر تھی۔ فقہ حنفی کی ترویج و اشاعت اور اس کے دفاع میں آپ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ غالباً اسی وجہ سے بعض حضرات نے آپ کا موازنہ علامہ شامی سے کیا ہے۔ اس بات کو اگر عقیدت مندانہ مبالغہ مان لیا جائے پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ علامہ کوثری کے بعد عالم اسلام میں ان کے پایہ کا کوئی فقہ حنفی کا عالم نظر نہیں آتا، آپ نے تصانیف کا ایک بڑا ذخیرہ امت اسلامیہ کو دیا جس میں زیادہ تر کتابیں فقہی موضوعات، فقہ حنفی اور علمائے احناف کے دفاع میں ہیں، بعض لوگوں کو آپ کے قلم سے تشدد آمیز اور جارحانہ اسلوب کا گلہ ہے۔ جو کسی حد تک درست بھی ہے کیونکہ جب آپ کا قلم

احناف کے دفاع میں اٹھتا ہے تو پھر اس کے سامنے امام الحرمین الجوبینی ہوں یا پھر حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی پردہ کیے بغیر کلک کوثری خنجر خونخوار برق بار نظر آتا ہے، اسی وجہ سے آپ کے بعض معاصرین نے آپ کو مجنون ابی حنیفہ (ابو حنیفہ کا دیوانہ) کا لقب دیا تھا۔

النکت الطریفہ آپ کی معرکہ الآرا کتاب ہے اس میں آپ نے امام ابن ابی شیبہ کے اعتراضات کا عالمانہ اور محققانہ جواب دیا ہے۔ اس کتاب کے مقدمہ سے چند اہم باتیں ہم ہدیہ ناظرین کرنا چاہتے ہیں۔

امام الکوثری فرماتے ہیں کہ امام ابن ابی شیبہ کے بیان کردہ ان ۱۲۵ مسائل کا جب علمی و تحقیقی جائزہ لیا گیا تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہم ان مسائل کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے۔

(۱) پہلے حصے میں وہ مسائل ہیں جن میں مختلف احادیث موجود ہیں، اب کسی مجتہد نے ایک حدیث لی ہے کسی نے دوسری کو اختیار کیا ہے، کیونکہ حدیث کو قبول کرنے کی شرائط اور وجوہ ترجیح ہر مجتہد کی الگ الگ ہیں۔ لہذا کسی مجتہد پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ اس نے صریح حدیث کی مخالفت کی ہے۔

(۲) ان مسائل کے دوسرے حصہ کو ہم پانچ حصوں میں تقسیم کریں گے (الف) یہ وہ مسائل ہیں جن میں امام اعظم نے خبر واحد کو ترک کر کے نص قرآنی پر فتویٰ دیا ہے۔ (ب) بعض وہ مسائل ہیں جن میں خبر مشہور اور غیر مشہور دونوں تھیں آپ نے خبر مشہور کو اختیار کیا ہے۔

(ج) بعض مسائل میں فہم حدیث کا فرق ہے اور یہی وہ مسائل ہیں جن میں امام اعظم کی دقت نظر آشکارا ہوتی ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔ (د) امام ابن ابی شیبہ نے جو رائے امام اعظم کی طرف منسوب کی ہے وہ آپ کی رائے نہیں ہے جس پر ہمارے اصحاب کی کتب شاہد ہیں

(ه) اس آخری حصہ کو ہم برسبیل تنزل یہ مان لیتے ہیں کہ ان مسائل میں امام اعظم سے سہو ہوا ہے۔ یہ صرف ۱۲ یا ۱۳ مسائل ہوتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض محال تھوڑی دیر کو یہ مان لیا جائے کہ امام ابن ابی شیبہ کے بیان کردہ ان ایک سو پچیس مسائل میں سب میں امام اعظم سے سہو ہوا ہے، تو اس پر ہم عرض کریں گے کہ ایک روایت کے مطابق امام صاحب نے ۸۳ ہزار مسائل کا استخراج فرمایا تھا اب اگر ۸۳ ہزار کو ۱۲۵ پر تقسیم کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ ۶۶۳ مسائل میں صرف ایک مسئلہ میں آپ سے سہو ہوا اور یہ کوئی عیب نہیں ہے۔ جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ امام اعظم نے ۵ لاکھ مسائل کا استخراج و استنباط فرمایا تھا اس روایت کے مطابق ۶۰۰۰ مسائل میں سے صرف ایک مسئلہ میں آپ سے سہو ہوا۔ غنایہ شرح ہدایہ کے مصنف کی تحقیق کے مطابق امام اعظم نے ۱۲ لاکھ ۷۰ ہزار مسائل کا استخراج فرمایا۔ اس کے حساب سے ۶۰۰ مسائل میں سے صرف ایک میں آپ سے سہو ہوا۔ ان تین میں سے آپ کسی بھی روایت کو لیں آپ کو معلوم ہوگا کہ اصل تعداد کے مقابلہ میں خطا و سہو کی نسبت کتنی کم ہے۔ اور یہ ایسی بات ہے کہ

کسی بھی غیر معصوم سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اور یہ بھی ہم نے بریکمیل تنزل فرض کیا ہے ورنہ ان مسائل میں امام اعظم سے ہونے ہوا بلکہ امام ابن ابی شیبہ امام اعظم کی دلیل کو نہ پہنچ سکے اور امام اعظم پر حدیث کی مخالفت کرنے کا الزام لگادیا۔

مقدمہ کے بعد امام الکوثری نے اصل بحث کا آغاز فرمایا ہے اور ان مسائل میں سے ہر مسئلہ پر الگ الگ بحث کی ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ میری ناقص رائے میں اگر امام الکوثری کی کوئی اور کتاب نہ بھی ہوتی تو صرف یہی کتاب ان کی علمی عظمت کے ثبوت کے لیے کافی تھی۔ یہ کتاب تقریباً ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اس کو المکنة الازہریہ للتراث نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جائے بلکہ اس سے پہلے کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے اس مخصوص باب کا ترجمہ بے سرو پا حواشی کے ساتھ اردو میں شائع کیا جائے، امام زاہد الکوثری کی اس معرکتہ الآراء کتاب الفکت الطریفہ کا ترجمہ ہو جانا چاہئے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ اور لغت عربیہ

عراق کو نہ کامرکز رہا ہے بڑے بڑے تمام نحوی و ہیں ہوئے ہیں۔ ہزار ہا صحابہ وہاں وارد ہوئے جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہ کی نشوونما ان کی تربیت و تعلیم سب اسی ماحول میں ہوئی۔ بڑے بڑے نحو و لغت کے ائمہ خود امام صاحب کے تلامذہ میں تھے۔ پھر نہ معلوم کس طرح امام صاحب کی قلت عربیت کو منسوب کر دیا گیا

در حقیقت امام صاحب عربیت کے بھی پیشوا اور امام تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ابو سعید سیرانی، ابوبلی عراقی اور ابن جنی جیسے ماہرین عربیت نے "باب الایمان" میں امام صاحب کے الفاظ کی شرح کے لیے کتابیں تالیف فرمائی ہیں اور لغت عربیہ پر آپ کی وسعت نظر اور دافراطلاع پر اظہار تعجب کیا ہے

امام ابوبکر رازی نے لکھا ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مقابلے میں زیادہ لطیف اور فصیح ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جود شعریہ بغیر بلاغت کے ممکن نہیں (مناقب کردری ج 1 ص 9)

امام صاحب پر قلت عربیت کا اعتراض کرنے والوں نے آپ کی طرف جو کلمہ "رماء باہا قیس" منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ "بابی قیس بالجبر" ہونا چاہیے تھا اور امام صاحب نے "بابا قیس بالنصب" کہا جو قاعدہ کے بالکل خلاف ہے۔ کیوں کہ (با) حروف جارہ میں سے ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کلمہ امام صاحب سے کسی کتاب میں قابل اعتماد سند سے ثابت نہیں اور بالقرض صحیح بھی ہو تو بعض قبائل عرب کی وجہ سے کوفیوں کی لغت میں (اب) کا استعمال جب غیر خمیر متکلم کی طرف ہو تو تمام احوال میں (الف) کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی قبیل سے یہ مشہور شعر بھی ہے

ان اباہا و اباہا

قد بلغا فی المجد غائتا

بے شک اس کے والد اور دادا دونوں بزرگوں کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے

ظاہر ہے کہ امام صاحب بھی کوئی تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی لغت بھی یہی ہے جیسا کہ بخاری میں انہوں نے "انت اباجہل" فرمایا نیز "ابا قیس" اس لکڑی کو بھی کہتے ہیں جس پر گوشت لٹکایا جاتا ہے۔ اور ابو سعید میرانی نے کہا کہ یہاں امام صاحب کی مراد یہی ہو سکتی ہے نہ کہ "جبل ابی قیس" جیسا کہ معترضین نے سمجھا ہے (تقلید ائمہ اور مقام ابو حنیفہ)

محمد لیاقت علی رضوی، چک سنتیکا بہاولنگر

کتاب الایمان

یہ کتاب ایمان کے بیان میں ہے ﴿

کتاب الایمان کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سابقہ کتب کی مطابقت کی طرح یہاں بھی یعنی کتاب ایمان میں بھی مطابقت پائی جاتی ہے۔ صاحب کتاب نے اس کتاب کو کتاب عقاق کے بعد اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ ان دونوں میں ہزل اور اکراہ غیر مؤثر ہے۔ (عن یہ شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۴۳۹، بیروت)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کتاب النکاح، طلاق، عقاق اور ایمان میں مشترکہ علت ہے۔ اور وہ ہزل و اکراہ ہے جو ان میں مؤثر نہیں ہوتا ہے۔ اور ان سب سے پہلے کتاب النکاح کو مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ وہ عبادات کے زیادہ قریب ہے جس طرح پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد نکاح کی گرہ کو اٹھانے والا حکم طلاق ہے لہذا اس کے بعد اس کو ذکر کیا ہے۔ کتاب طلاق کے بعد عقاق کو ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس کو کتاب ایمان سے خاص کرنے کی وجہ یہ ہے طلاق و عقاق میں حکم کو اٹھالینے کی حیثیت سے معنوی اور حکمی اشتراک پایا جاتا ہے۔ (فتح القدیر، تصرف، ج ۱۰، ص ۳۷۹، بیروت)

ہمارے نزدیک کتاب النکاح، طلاق، عقاق اور ایمان میں ایک حکم یہ بھی مشترک ہے کہ ان تمام میں انسان از خود اپنے اوپر شرعی احکام کو لازم کرنے والا ہے جس طرح کسی نے نکاح کیا تو اس سے متعلق ازواجی حقوق اس نے اپنے اختیار سے لازم کیے ہیں اسی طرح جب طلاق دے گا تو بھی ازواجی حقوق کی عدم ادائیگی سے دوچار ہونا اس کے اختیار کے مطابق ہوگا۔ اور اسی طرح جب کوئی شخص کسی غلام کو آزاد کرے، مکاتب، مدبر بنائے یا ام ولد وغیرہ یہ تمام انسان کی اپنی مرضی و اختیار کے مطابق ہوتا ہے جس کے سبب شرعی احکام انسان پر لازم ہو جاتے ہیں جن کو پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح کتاب الایمان میں بھی انسان اپنے اختیار کے ساتھ کسی قسم کو اٹھانے والا ہے۔ جس کے بعد اس کو پورا کرنا شریعت کی طرف سے لازم ہو جاتا ہے جبکہ یہ لزوم بھی ابتدائی طور پر انسان کے اپنے اختیار کے سبب ہوا ہے۔ (رضوی عفی عنہ)

لفظ قسم کی لغوی تحقیق کا بیان

خلیل ابن احمد الفراء بیدی لکھتے ہیں کہ عربی زبان میں (ق س م) کا مادہ دو معنی کے لئے آتا ہے، اگر سین کے سکون کے ساتھ (قسم) ہو تو اس کا معنی "مال کے کسی حصے کا جزء جز کرنا، یا مال سے ہر ایک کے حصے کو جدا کرنا" ہے، اور اسکی جمع "اقسام" آتی ہے، لیکن اگر یہ مادہ سین کے فتح کے ساتھ (قسم) ہو، تو پھر بھی اسکی جمع "اقسام" ہی ہے، (جیسے سَبَب و اَسْنَاب)، اور اس وقت اس کا معنی "قسم کھانا" ہیں۔ (مکتاب العین، ج ۵، بیروت دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۴ھ، ص ۸۶)

اس مادہ (قسم) سے جو افعال قسم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، وہ باب افعال (قسم)، باب مفاعله (قسام) جیسے: (وَقَسَمْتُ لَهُمَا اِنِّي لَكُمَا لَيِّنُ النَّاصِحِيْنَ) (الاعراف، ۲۱) اور (شیطان نے) اُن دونوں سے قسم کھائی کہ میں تمہیں نصیحت کرنے والوں میں سے ہوں،

یہاں یہ فعل باب مفاعله سے دو نفر کے درمیان مشترک نہیں ہے، بلکہ "سَافَرْتُ شَهْرًا" میں نے پورے ایک ماہ سفر کیا (کی طرح ہے، اور احتمال قوی یہ ہے کہ یہاں یہ فعل مبالغہ کیلئے آیا ہو، مبالغہ کی صورت میں آیت کا معنی اس طرح ہوگا، "اُس نے تاکیداً قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا یقیناً خیر خواہ اور ہمدرد ہوں"، لیکن اس بات کا امکان بھی ہے کہ باب مفاعله "قَسَمْتُ لَهُمَا" اس آیت میں طرفین کے لئے (مشترک) ہو، اور حضرت آدم وحواء کے شیطان کی بات سننے کی وجہ سے، یا اُسکی بات کو قبول کرنے کی وجہ سے، اور یا اُس سے قسم کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے یہ فعل استعمال ہوا ہو، نیز باب افتعال (اقتسم) باب تفاعل (تقاسم) اور باب استفعال (استقسم) بھی اسی مادہ قسم سے، قسم کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، لیکن قرآن کریم میں زیادہ تر باب افعال کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے۔

انام راغب اصفہانی "اس لفظ کے بارے میں لکھتے ہیں، "قسم کی اصل "قَسَمَ" ہے اور "قَسَمَ" اُس قسم کو کہتے ہیں کہ جسے مقتول کے ورثہ پر تقسیم کیا جاتا ہے، کیونکہ انھوں نے یہ دعویٰ کیا ہوتا ہے، مثلاً کہ زید نے عمر کو مارا ہے، تو ضروری ہے کہ عمرو کے ورثہ میں سے ہر ایک، قتل کا گواہ و شاہد نہ ہونے کی صورت میں، اپنے اس دعوے پر قسم کھائے۔

(الْقَسَمُ فِي اللُّغَةِ وَفِي الْقُرْآنِ، ص ۲۴)

بعض اس بات کے قائل ہیں کہ "قَسَمَ" وہ قسم ہے کہ جو مقتول کے خون کے وارثوں میں سے پچاس افراد، اپنے مقتول کے خون کے استحقاق پر کھاتے ہیں، اُس وقت جب وہ قاتل کو کسی ایک قوم میں سے قرار دیں، لیکن قاتل کو شخص طور پر نہ جاننے ہیں، اور اگر مقتول کے خون کے وارثوں میں سے پچاس افراد نہ ہوں، تو جو موجود ہوں، ضروری ہے کہ وہ پچاس قسمیں پوری کریں، اور پھر یہ "قَسَمَ" اسم ہو گیا ہے ہر اُس قسم کیلئے، جو اپنے حق کے ثابت کرنے اور لینے کیلئے کھائی جائے۔ ۱۲

لفظ "قسم" اسم مصدر ہے یا حاصل مصدر اور یہ لفظ اپنے مختلف مشتقات کے ساتھ 33 بار قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے، اور اکثر اسکا استعمال قسم ہی کے معنی میں ہوا ہے، یہ لفظ فعل ماضی (اَقْسَمَ) کے طور پر تقریباً 8 بار اور فعل مضارع (يَقْسِمُ) اور اسکی جمع (يَقْسِمْنَ) کی مختلف صورتوں میں تقریباً 12 بار ذکر ہوا ہے، ۱۳، اور "ذاکر خلیف" کا یہ خیال ہے کہ یہ مادہ "قسم" فقط مکی آیات کے ساتھ اختصاص رکھتا ہے۔ ۱۴

بعض محققین نے اس مادہ "قسم" کے دونوں معنی (جدا جدا کرنا اور قسم کھانا) کے درمیان تعلق و ارتباط برقرار کیا ہے، انھوں نے دوسرے معنی، یعنی "قسم کھانے" کو پہلے معنی "جدا جدا کرنے" کی طرف پلٹایا ہے، اس طرح سے کہ قسم بھی حق و باطل کو جدا جدا کرتی ہے اور ان دونوں کے درمیان فاصلہ ڈالتی ہے، اور نزاع (جھگڑے) وغیرہ میں دوسروں سے اپنا حق لینے کیلئے کھائی جاتی

ہے۔ پس دونوں معنی کی بازگشت ایک ہی مطلب کی طرف ہے۔

(اَسْلُوْبُ الْقَسَمِ وَاجْتِمَاعُهُ مَعَ الشَّرْطِ فِي رَحَابِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ، ص ۳۳)

لفظ حلف کی لغوی تحقیق

اس مادہ (ح ل ف) کے لئے بھی اصلی اور بنیادی طور پر دو معنی وجود رکھتے ہیں، ایک قسم اور دوسرا عہد و پیمان، اور اس دوسرے معنی کی بازگشت بھی قسم ہی کی طرف ہے، البتہ کبھی لفظ "حلف" تیز و ہار چیز کے معنی میں آتا ہے، (جیسے لفظ "قسم" جو قطع اور تقسیم کرنے کے معنی میں آتا ہے) کہا جاتا ہے، "سِنَانٌ حَلِيفٌ" (یعنی تیز و ہار کنوار) اور "لِسَانٌ حَلِيفٌ" (یعنی کانٹے والی زبان) اور لفظ "حلف" کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے: (حَلْفٌ وَ حَلِيفٌ)، لیکن دونوں قسم کا معنی دیتے ہیں، حلف کا اصل معنی "اَلْعَقْدُ بِالْعَرَمِ" (یعنی محکم اور مضبوط نیت و عقیدہ) ہے، اور "حَالِفٌ، حَلْفًا وَ حَلِيفَةً" (بہت زیادہ قسم کھانے والا) کے معنی میں ہیں، اور "اُخْلَفَ، حَلَفَ اور اِسْتَحْلَفَ" تینوں فعل، قسم کی درخواست اور طلب کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔

بعض محققین نے اس لفظ کو "حاء" کے فتح و کسرہ کے ساتھ بھی بیان کیا ہے (حلف و حلف) لیکن دونوں قسم ہی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، اور یہ "حلف" ایسی قسم ہے، جس کے ساتھ عہد و پیمان لیا جاتا ہے، لیکن عرف عام میں ہر قسم کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور یہ لفظ "دوام اور پائیداری" کا معنی بھی اپنے ہمراہ رکھتا ہے، کہا جاتا ہے، "حَلَفَ فُلَانٌ وَ حَلِيفُهُ" جب کوئی کسی دوسرے کے ساتھ قسم اور عہد و پیمان میں شریک ہو۔

لفظ "حلف" اپنے مختلف مشتقات کے ساتھ 13 بار قرآن کریم میں آیا ہے، اور صرف ایک بار اسم مبالغہ کی صورت میں آیا ہے: (وَلَا تُطِيعْ كُلَّ حَلِيفٍ مِّمَّيْنِ) ۱۸، "تو اے پیغمبر اُن منافقوں کی جو ہمیشہ قسم کھاتے رہتے ہیں، اطاعت نہ کرنا"، اور باقی موارد میں بصورت فعل ذکر ہوا ہے۔

لفظ قسم اور لفظ حلف کا آپس میں مترادف کا بیان

بعض یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ لفظ "قسم" اور لفظ "حلف" دونوں مترادف ہیں اور دونوں ایک ہی معنی کو بیان کرتے ہیں ۱۹، لیکن دوسرے بعض اس مترادف ہونے کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ لفظ "حلف" قرآن کریم میں جن 13 مقامات پر استعمال ہوا ہے، بغیر کسی استثناء کے، تمام موارد میں یا جھوٹی قسم کیلئے استعمال ہوا ہے، اور یا قسم کھا کر توڑ دی گئی ہے، اور اکثر موارد میں فعل "حلف" کی نسبت منافقین کی طرف ہے۔

علاوہ یہ کہ ان میں سے گیارہ موارد میں یہ فعل، فعل مضارع کی صورت میں آیا ہے، جو کسی کام کے حادث ہونے اور مجباً انجام پانے پر دلالت کرتا ہے، یعنی فعل مضارع کی دلالت قسم کھانے والوں کے اپنی قسم پر ثابت قدم نہ ہونے پر ہے، جیسے "وَأَنجِمْ" انجام پانے پر دلالت کرتا ہے،

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ ، "اور وہ (منافقین) ہمیشہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ وہ بھی یقیناً تم مومنین سے ہیں، حالانکہ باطن میں تم سے ہم عقیدہ نہیں ہیں۔"

لفظ ایک مقام پر لفظ "خلف" فعل ماضی کی صورت میں آیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"ذَلِكَ كَفَّارَةٌ لِّاِيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ"۔ سورۃ مائدہ، آیت ۸۹،

"یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ، جب تم نے قسم کھائی

(اور پھر توڑ ڈالی) "، اور قرآن کریم میں فقط یہی ایک مورد ہے، جس میں فعل "خلف" کی ضمیر کی بازگشت مومنین کی طرف ہے، لیکن اس مقام پر بھی لفظ "خلف" سے قسم کھانے (اور بعد میں توڑ دینے) کی بناء پر قسم کا کفارہ اُن پر مقرر کیا گیا ہے ۲۲ اور قرآن کریم نے بھی اس ٹوٹی ہوئی قسم کو "خلف" سے تعبیر کیا ہے۔

"ذٰكِرٌ عَاشِرٌ الشَّاطِئِ" قسم اور خلف کے مترادف ہونے کو رد کرتے ہوئے لکھتی ہیں لفظ "خلف" بغیر کسی استثناء کے تمام موارد میں قسم توڑنے کے لئے آیا ہے، لیکن لفظ "قسم" خواہ اس فعل کی نسبت خداوند عالم کی طرف ہو، یا خواہ اُس کے غیر کی طرف، کہیں بھی اس لفظ میں قسم کے توڑنے کا احتمال نہیں ہے، پس اندونوں لفظوں میں کوئی تراؤف و یک نیت نہیں ہے۔

(رواسات فی القرآن و الحدیث، ص ۱۱۲)

"جناب مختار سلاوی" ذاکر عاشر کی اس بات کا، کہ لفظ قسم اور خلف، آپس میں مترادف نہیں ہیں، جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "چار مقامات ایسے ہیں جہاں غیر خدا کی طرف لفظ "قسم" سے قسم کھائی گئی ہے، اور ان مقامات میں یا جھوٹی قسم کھائی گئی ہے اور یا قسم کے توڑنے کا احتمال موجود ہے، اور اگر ان موارد کے مضمون و سیاق میں غور و فکر اور توجہ کی جائے، تو واضح ہو جاتا ہے، کہ ان میں سے اکثر موارد میں جھوٹی قسم کھائی گئی ہے، جیسے: (فَيَقْسِمَانِ بِاللّٰهِ اِنْ اُرْتَبِعْتُمْ لَا نُشْعِرِيْكُمْ بِهٖ نَمْنًا) سورہ مدہ، آیت ۱۰۶، "اُن کو اللہ کی قسم دیں کہ ہم گواہی کیلئے ہرگز کوئی قیمت نہیں چاہیں گے"، لیکن بعد والی آیات اس پر گواہ ہیں کہ یہ جھوٹی قسم ہے، اور ابن جریر طبری نے اس قسم کو "فاجرہ قسم" سے تعبیر کیا ہے، نیز اسی طرح ایک دوسرے مقام پر لفظ "قسم" سے قسم کھائی گئی ہے،

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ)

(سورۃ روم، آیت ۵۵)

"وہ دن جب قیامت برپا ہوگی، مجرمین قسم کھائیں گے، کہ وہ ایک ساعت (ایک گھنٹہ یا ایک گھڑی بھر) سے زیادہ دنیا میں نہیں رہے ہیں، اور وہ اسی طرح سچ اور حقیقت کی جگہ جھوٹ اور خفافہ واقع بیان کرتے ہیں"، اس آیت کا ذیل اس قسم کے

جھوٹے ہونے کو بیان کرتا ہے، اور "راغب اصفہانی" کے مطابق "يُؤْفَكُوْنَ" کا معنی "اعتقادات میں حق سے باطل کی طرف پھرنا اور انحراف پیدا کرنا ہے، اور نیز گفتار میں سچ سے جھوٹ کی طرف پھرنا ہے۔ (المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۹) پس "قسم اور خلف" دونوں الفاظ میں تمام اہل نعت کے نزدیک تراؤف و یک نیت پائی جاتی ہے اور عربی زبان میں مترادف الفاظ کا ہونا قابل انکار بھی نہیں ہے، اور ایسے الفاظ کا لغت عرب میں واقع ہونا، خود تراؤف کے ممکن ہونے پر دلیل ہے، عربی زبان میں تراؤف پیدا ہونے کا سبب، موسم حج میں مختلف اقوام و قبائل کا ملکہ آنا، اور اہل مکہ و قریش والوں کے ساتھ لین دین اور دیگر معاملات انجام دینا ہے، جس کے نتیجے میں مختلف زبانوں کے کلمات اور الفاظ قریش کی نعت میں شامل ہو گئے، اور قریش کے شعراء بھی ان کلمات کو اپنے اشعار میں استعمال کرنے لگے، اور کیونکہ قرآن کریم بھی قریش کی زبان میں نازل ہوا، لہذا اب یہ دونوں لفظ (قسم اور خلف) ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان مکمل طور پر تراؤف حاصل ہو گیا ہے۔

(الْقَسَمُ فِي اللُّغَةِ وَ فِي الْقُرْآنِ، ص ۲۶ و المفردات فی غریب القرآن، ص ۴۰۳)

لفظ یحییٰ کی لغوی تحقیق

اس کا مادہ اصلی (ی م ن) ہے، اور "الْاِيْمُنُ" کا معنی "برکت" ہے اور نون سے پہلے یا نہ زیادہ کرنے سے، لفظ "يَمِيْنُ" بنتا ہے، جو "فَعِيل" کے وزن پر ہے، اور اس کے معنی ہیں، جیسے: انسان کا سیدھا ہاتھ، یا اسکی سیدھی طرف، یا اسکی قدرت و طاقت، یا مقام و منزلت وغیرہ، و نیز اس لفظ کے معانی میں سے ایک معنی "قسم" بھی ہے اور یہ لفظ نظام مؤنث ہے اور اسکی جمع "اَيْمُنُ و اَيْمَانُ" آتی ہیں، لفظ "اَيْمُنُ" میم کے ضمتہ کے ساتھ، "قَسَمَ" کیسے وضع کیا گیا ہے، اور کبھی لام تاکید اس پر داخل ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے، "لَيْمُنُ اللّٰهِ" اور اس صورت میں اسکا الف (ہمزہ وصل) ابتداء سے حذف ہو جاتا ہے، اور یہ "لَيْمُنُ اللّٰهِ" ابتداء کی وجہ سے مرفوع ہے اور اسکی خبر محذوف و مقدر رہوتی ہے، اور اصل میں "لَيْمُنُ اللّٰهُ قَسَمِي" تھا۔

(المفردات فی غریب القرآن، ص ۵۵۲-۵۵۳؛ لِسَانُ الْعَرَبِ، ج ۱۳، ص ۴۶۲)

کبھی لفظ "اَيْمُنُ" سے نون حذف ہو جاتا ہے اور پڑھا جاتا ہے، "اَيْمُ اللّٰهِ" اور ہمزہ کا کسرہ "اَيْمُ اللّٰهِ" بھی ذکر ہوا ہے، اور بعض درمیان کی یا بھی حذف کر دیتے ہیں، جیسے: "اَيُّمُ اللّٰهِ"، اور کبھی فقط میم کو باقی رکھتے ہیں، جیسے: "يَمُ اللّٰهِ" اور بعض میم کی باء کے ساتھ شباهت کی وجہ سے میم کو کسرہ دیتے ہیں، جیسے: "يَمُ اللّٰهِ"۔ اس لفظ "اَيْمُنُ" کی مختلف صورتوں میں سے "يَمِ اللّٰهِ" بھی ہے، جس کو تینوں طرح سے قسم کے اسلوب میں استعمال کیا جاتا ہے، یعنی میم اور نون کے ضمتہ کے ساتھ، "يَمِ اللّٰهِ" اور دونوں کے فتح کے ساتھ "يَمِ اللّٰهِ" اور دونوں کے کسرہ کے ساتھ "يَمِ اللّٰهِ"۔

(لِسَانُ الْعَرَبِ، ج ۱۳، ص ۴۶۲)

لفظ "يَمِيْنُ" سے کوئی ایسا فعل مشتق نہیں ہوتا، جو قسم کے معنی پر دلالت کرے اور زمانے کے ساتھ بھی ملا ہو، اس سے نہیں کہا جاتا: "يَمِيْنُ يَأَيْمُنُ" قرآن کریم میں یہ لفظ اسم کے طور پر مفرد، جمع، اسم تفضیل اور اسم مفعول کی صورت میں استعمال

ہوا ہے، اور قرآن کریم کے استعمال کے موارد میں زیادہ تر سیدھے ہاتھ، سیدھی جانب اور کسی کے مقام و منزلت کے بیان کرنے کے لئے آیا ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ، قسم کے معنی میں اکثر جمع (اَیْمَان) کی صورت میں آیا ہے، اور پانچ مقامات پر اس طرح سے بیان ہوا ہے، جیسے: (وَ اَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ) سورۃ الانعام، آیت ۱۰۹، "اور انھوں نے اللہ کی سخت و پختہ قسم کھائی"، اور یہ روش و طریقہ سخت تاکید اور محکم قسم کو بیان کرتا ہے۔

بعض محققین لفظ "یَمِین" کے اسلوب اور روش قسم میں استعمال کے بارے میں لکھتے ہیں: جو بھی یہ چاہتا تھا کہ قسم کھائے، اپنے اور کسی دوسرے کے درمیان کوئی عہد و پیمان برقرار کرے، تو وہ دوسرے سے سیدھا ہاتھ ملا تا تھا، اور دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں کو دباتے تھے، اس طرح گویا وہ اپنے عہد و پیمان کو مضبوط اور پختہ کرتے تھے، اور کیونکہ یہ "یَمِین" کا لفظ "یَمِین" کے ذہ سے لیا گیا ہے، جس کا معنی "برکت" ہے، لہذا "یَمِینُ اللّٰہ" کہنے کے ساتھ کام میں برکت حاصل ہو جاتی ہے، نیز دونوں کے سیدھے ہاتھ کا ایک دوسرے میں ہونا، ایک دوسرے پر اعتماد اور ایک دوسرے کی حمایت کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

(الْمُفْرَدَاتُ فِي غَرِيبِ الْقُرْآنِ، ص ۵۵۳؛ قاموس القرآن، ج ۷، ۵۵۵)

لفظ اَلِیَۃ کے قسم ہونے کی تحقیق

"اَلِیَۃ"، فَعْلِیَۃ کے وزن پر ہے اور اسکی جمع "اَلِیَۃ" آتی ہے، یہ لفظ بھی "قسم" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، یعنی "اَلِیَۃ" بمعنی "حَلَفْتُ" ہے، اور یہ لفظ قرآن کریم میں فقط دو بار استعمال ہوا ہے، ایک بار باب افعال اور ایک بار باب اِبتعال کی صورت میں آیا ہے، جیسے: (وَلَا یَأْتِلُ اُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَیۃ)۔ (سورۃ نور، آیت ۲۲)

"تم میں سے صاحبان ثروت اور مال (بخشش اور تفطّل) کے ترک کرنے پر قسم نہ کھائیں"

بعض نے اس "وَلَا یَأْتِلُ" کو باب تفعّل سے "وَلَا یَأْتَلِی" قرائت کیا ہے، لیکن مشہور قراء نے "وَلَا یَأْتِلُ" ہی قرائت کیا ہے۔

شریعت مقدس اسلام میں "ایلاء" وہ قسم ہے، جو شوہر اپنی بیوی سے مباشرت و ہمبستری ترک کرنے پر کھاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے: (لِّلَّذِیۡنَ یُوْلُوْنَ مِنْ نِّسَاۡئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُۡبٍ)۔ (سورۃ بقرہ، آیت ۲۲۶)

وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے ساتھ ایلاء کرتے ہیں (اور ان سے مباشرت ترک کرنے پر قسم کھاتے ہیں) انکے لئے چار ماہ انتظار کرنا ہے،

لیکن کبھی کسی کام سے بغیر شرط ہاتھ اٹھایا جاتا ہے اور اس کو بھی "ایلاء" کہتے ہیں، لہذا یہ لفظ قسم کے معنی میں وسعت پائی ہے، اور قسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اسلئے عربی اشعار میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ (الْمُفْرَدَاتُ فِي غَرِيبِ الْقُرْآنِ)

جنس لفظ "اَلِیَۃ" کو قسم کا معنی دینے میں قسم کی صریح اور ظاہر نوع سے جانتے ہیں، لیکن دوسرے بعض اس لفظ کو قسم کے فعل کا قائم مقام قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ اسلوب قسم میں بہت کم استعمال ہوا ہے۔

پس "قسم" کے ان چاروں الفاظ کے لغوی و اصطلاحی معنی کو بیان کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ قسم کھانے کے لئے کوئی خاص لفظ نہیں ہے، بلکہ مختلف اسلوب و روشیں موجود ہیں، جو "قسم" کے معنی کا فائدہ دیتے ہیں، اور حقیقت میں "قسم" کا اصلی مقصد، خبر کو صحیح قرار دینا اور خبر پر تاکید کرنا ہوتا ہے، لہذا ہر وہ لفظ جو اس مقصد کو مکمل طور پر پورا کرے، یقیناً اُس جگہ قسم کو (اگر طہر نہ ہو تو) مقدّر مانتے ہیں۔

اس لئے علامہ محمد حسین طباطبائی "قسم" کی تعریف اس طرح کی ہے: "خبر اور انشاء میں سے کسی ایک کے، کسی دوسری ایسی چیز کے ساتھ، جو شرافت اور ارزش کی قابلیت رکھتی ہو، ایک خاص طرح کا تعلق اور ارتباط پیدا کرنا"۔ (محمد حسین طباطبائی، اَلْحِیْزَانُ فِي تَفْسِیْرِ الْقُرْآنِ، ج ۶، قم المقدسہ، جماعة الملتزمین فی الحوزۃ العلمیۃ، بدون تاریخ، ص ۲۱۸)

قسم کی شرعی حیثیت کا بیان

اسلام میں قسم اٹھانے کے احکام مختلف ہیں بعض اوقات اس کا اٹھانا فائدہ مند ہے اور بعض اوقات قسم اٹھانا نقصان دہ یعنی گناہ کا سبب بنتا ہے۔ لہذا ہم اختصار کے ساتھ چند وجوہ اس کی شرعی حیثیت کو قرآن و سنت کے مطابق بیان کر رہے ہیں۔

۱۔ واجب قسم

اگر کسی بے قصور مسلمان کو قتل یا ہلاکت سے بچانا قسم کھانے پر موقوف ہو تو قسم کھانا واجب ہے۔ حضرت سوید بن حظلہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے (ملاقات) کے ارادہ سے نکلے، ہمارے ساتھ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی تھے سر تھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی اور میں نے قسم کھالی، کہ یہ میرے بھائی ہیں تو دشمن نے ان کو چھوڑ دیا، پس ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، میں نے بتایا کہ ساتھیوں نے قسم کھانے میں ناگواری محسوس کی تھی اور میں نے قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تو نے سچ کہا، مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ (سنن ابوداؤد، باب الایمان)

۲۔ مستحب قسم

جب دو مسلمانوں میں رنجش ہو اور ان میں صلح کرنا قسم پر موقوف ہو یا کسی مسلمان کے دل سے کینہ اُٹل کرنا قسم پر موقوف ہو یا کسی شر کو رفع کرنا قسم پر موقوف ہو تو ان تمام صورتوں میں قسم کھانا مستحب ہے اسی طرح کسی عبادت کے کرنے اور کسی گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھانا مستحب ہے۔

۳۔ مباح قسم

برہہ کام جو مباح ہو اس کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھانا مباح ہے اور جس بات کے سچا ہونے کا یقین ہو یا غالب گمان ہو، اس پر قسم کھانا مباح ہے۔

۴۔ مکروہ قسم

کسی مکروہ کام کرنے یا کسی مستحب کام کو ترک کرنے کی قسم کھانا مکروہ ہے۔

۵۔ حرام قسم

جھوٹی اور خلاف واقع قسم کھانا مکروہ ہے ترجمہ: اور منافق جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے ان کیلئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے بے شک وہ بہت برا کام کرتے تھے۔ (الحجۃ ۱۲، ۱۳)

۶۔ اپنے حق کیلئے قسم کھانا:

محمد بن کعب اقرطبی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر کھڑے تھے اور آپ کے ہاتھ میں عصا تھ آپ نے فرمایا اے لوگو قسم کھانے کی وجہ سے اپنے حقوق نہ چھوڑو (المغنی ج ۹ ص ۳۸۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت) قسم کی مشروعیت:

والنجم اذا هوى (النجم ۱)۔ روشن ستارے کی قسم: جب وہ غروب ہوا۔

۱۔ ثبوت اعتقاد کیلئے قسم:

ترجمہ: کافروں نے اپنے قاصد گمان سے کہا: وہ مرنے کے بعد ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ آپ فرمائیں کیوں نہیں، میرے رب کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔ (التغابن ۷)

۲۔ احکام شرعیہ اور تقویٰ:

رسول اللہ ﷺ نے دنیا ترک کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: سنو! خدا کی قسم، میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۵۰۶۳)

۳۔ مخالفین اسلام کی مخالفت کی قسم:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم، میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم، میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا، اللہ کی قسم: میں ضرور قریش سے جنگ کروں گا۔ پھر فرمایا: ان شاء اللہ۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۳۲۸۵)

ایمان کی اقسام کا بیان

قَالَ: (الْإِيمَانُ عَلَى ثَلَاثَةِ أَضْرُبٍ) الْيَمِينُ الْغُمُوسُ وَيَمِينٌ مُنْعَقِدَةٌ، وَيَمِينٌ لَغْوٌ

(قَالَ الْغُمُوسُ هُوَ الْخَلْفُ عَلَى أَمْرِ مَاضٍ يَتَعَمَّدُ الْكُذِبَ فِيهِ، فَهَذِهِ الْيَمِينُ يَأْتُمُ فِيهَا صَاحِبُهَا) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ خَلَفَ كَاذِبًا أَذْخَلَهُ اللَّهُ النَّارَ) (وَلَا كَفَّارَةَ فِيهَا إِلَّا التَّوْبَةُ وَالْإِسْتِغْفَارُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ: فِيهَا الْكَفَّارَةُ لِأَنَّهَا شُرْعَتٌ لِرَفْعِ ذَنْبٍ هَتَكَ حُرْمَةَ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى، وَقَدْ تَحَقَّقَ بِالِاسْتِشْهَادِ بِاللَّهِ كَاذِبًا فَاشْبَهَ الْمَعْقُودَةَ. وَلَنَا أَنَّهَا كَبِيرَةٌ مُحْضَةٌ، وَالْكَفَّارَةُ عِبَادَةٌ تَأْدَى بِالصَّوْمِ، وَيُسْتَرْطُ فِيهَا النِّيَّةُ فَلَا تُنَاطُ بِهَا، بِخِلَافِ الْمَعْقُودَةِ لِأَنَّهَا مُبَاحَةٌ، وَلَوْ كَانَ فِيهَا ذَنْبٌ فَهُوَ مُتَاخِرٌ مُتَعَلِّقٌ بِاخْتِيَارٍ مُبْتَدَأٍ، وَمَا فِي الْغُمُوسِ مُلَازِمٌ فَيَمْتَنِعُ الْإِلْحَاقُ.

ترجمہ

فرمایا کہ قسم تین اقسام پر ہیں۔ (۱) یمین غموس (۲) یمین منعقدہ (۳) یمین لغو۔ چنانچہ غموس گزری ہوئی کسی بات پر قسم کھانا ہے جس بات میں انسان جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہو اس قسم میں قسم کھانے والا گنہگار ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے جھوٹی قسم کھائی اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ اور اس میں کفارہ نہیں ہے مگر توبہ اور استغفار ہے جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ اس میں کفارہ ہے اس لئے کہ کفارہ اس گناہ کو قسم کرنے کے لئے جائز ہوا ہے جو اللہ کے نام کی بے عزتی کرے اور اللہ کے نام سے جھوٹی گواہی دینے سے یہ گناہ صادر ہوتا ہے اس لئے یہ قسم یمین منعقدہ کے مشابہ ہوگی ہمارے نزدیک یمین غموس صرف کبیرہ گناہ ہے اور کفارہ ایسی عبادت ہے جو روزے کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔ اور اس میں نیت شرط ہوتی ہے اس لئے گنہ کبیرہ سے متعلق کفارہ نہیں ہوگا یمین منعقدہ کے خلاف کیونکہ اس میں وہ جائز ہے اور اگر اس میں گناہ ہوتا بھی ہے تو وہ قسم کے بعد ہوتا ہے۔ اور نئے اختیار سے ہوتا ہے جبکہ یمین غموس میں گناہ قسم کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے غموس کو منعقدہ کے ساتھ مانا جائز نہیں ہے۔

قسم کی اقسام کا فقہی بیان

قسم کی تین قسمیں ہیں۔ غموس۔ لغو۔ منعقدہ۔

یمین غموس کی تعریف و حکم

"غموس" اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے "خدا کی قسم" میں نے یہ کام کیا تھا "حالانکہ واقعاً" وہ کام نہیں کیا تھا یا یوں کہا جائے "خدا کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا تھا" حالانکہ واقعاً وہ کام کیا گیا تھا! اسی طرح مثلاً زید نے یہ کہا کہ خدا کی قسم! خالد کے ذمہ میرے ہزار روپے ہیں۔ یہ خدا کی قسم! میرے ذمہ خالد کے ہزار روپے نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں خالد کے ذمہ اس کے ہزار روپے نہیں ہیں یا اس کے ذمہ خالد کے ہزار روپے ہیں۔

غوس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جھوٹی قسم کھانے والا شخص گنہگار ہوتا ہے۔ لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ واستغفار ضروری ہوتا ہے۔

بیمین لغوی تعریف وحکم

"لفو" اس قسم کو کہتے ہیں کہ جو کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ "واللہ! یہ کام میں نے نہیں کیا تھا" حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو یہی گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے! یا اس شخص نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا۔ بلکہ خالد تھا لیکن! یہ قسم اس شخص نے یہی گمان کر کے کھائی تھی کہ وہ زید ہے۔ قسم کی اس نوعیت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کھانے والے کے بارے میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

بیمین منعقدہ کی تعریف وحکم

"منعقدہ" اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائی جائے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف کیا جائے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔ مثلاً زید نے یوں کہا کہ! خدا کی قسم! میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔ منعقدہ قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے فرائض کے کرنے یا گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے، مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں ظہر کی نماز پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم! میں زنا کرنا چھوڑ دوں گا ان صورتوں میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے۔ بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کو پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے، جیسے کوئی نادان کسی گناہ کو کر لے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا ہی واجب ہے۔ اسی طرح منعقدہ قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ "خدا کی قسم! میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا" تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں محافظت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

وجوب کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ "منعقدہ" قسم توڑنے پر بہر صورت کفارہ واجب ہوتا ہے۔ قسم خواہ قصداً کھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے پر یا قسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔

قسم کے کفارے کا فقہی بیان

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ بردہ کو آزاد کیا جائے، یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ان شرائط و احکام کو سامنے رکھا جائے جو کفارہ ظہار میں بردہ کو آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں منقول ہیں اور یا دس مسکینوں کو

پہننے کا کپڑا دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسا کپڑا دیا جائے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے، لہذا اگر صرف پا جا مرد یا جائے گا تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی قادر نہ ہو یعنی نہ تو بردہ آزاد کر سکتا ہو، نہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو، اور نہ دس مسکینوں کو لباس دے سکتا ہو تو پھر وہ تین روزے پے در پے رکھے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دے دینا جائز ہے، کافر کی قسم میں کفارہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ وہ حالت اسلام میں اس قسم کو توڑے۔ اسی طرح چونکہ بچے ہوئے ہوئے شخص اور دیوانے کی قسم، سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتی اس لئے ان پر قسم توڑنے کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

قسم کے الفاظ کا فقہی بیان

عربی میں قسم کے لئے تین حروف ہیں۔ او۔ ب۔ ت۔ مثلاً یوں کہا جائے واللہ یا اللہ یا تاللہ ان تینوں کا مفہوم یہ ہے۔ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں، عربی زبان و اسلوب کے مطابق بسا اوقات یہ حروف مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں تو ان کا ذکر نہیں ہوتا لیکن حقیقت میں ان کے معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے یوں کہا جائے واللہ فعلہ۔ یہ معنی مفہوم کے اعتبار سے واللہ فعلہ ہے۔

قسم باری تعالیٰ کی اسم ذات اللہ کے ساتھ یا اس کے دوسرے ناموں میں سے کسی اور نام مثلاً۔ رحمن، رحیم اور حق وغیرہ کے ساتھ کھائی جاتی ہے اور ان ناموں میں سے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر ایسے ناموں کے ساتھ قسم کھائی جائے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں کی ذات کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسے عظیم و حکیم وغیرہ تو ان میں نیت کی احتیاج ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ان صفات کے ساتھ قسم کھانا بھی صحیح ہے جن کے ساتھ عام طور پر قسم کھانے کا رواج ہو جیسے اللہ کی عزت و جلال کی قسم! اللہ کی بڑائی و بزرگی کی قسم! اور اللہ کی عظمت و قدرت کی قسم! ہاں ان صفات کے ساتھ قسم کھانا صحیح نہیں ہوتا۔ جن کے ساتھ قسم کھانے کا عام طور پر رواج نہ ہو، جیسے رحمت، علم، رضا، غضب اور عذاب۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے جیسے باپ اور دادا کی قسم، قرآن کی قسم، انبیاء کی قسم، ملائکہ کی قسم کعبہ کی قسم، نماز روزہ کی قسم، مسجد حرام اور زم زم کی قسم اور دیگر تمام شعائر کی قسم یا اسی طرح بعض لوگ اس طرح قسم کھاتے ہیں اپنی جوانی کی قسم، اپنے سر کی قسم، تمہاری جان کی قسم، تمہاری قسم اپنی اولاد کی قسم، یہ سب ناجائز ہے، لیکن اگر اس طرح کی کوئی قسم کھائی جائے اور پھر اس کے خلاف کیا جائے تو قسم توڑنے کا کفارہ دینا پڑے گا۔

عربی میں لعمر اللہ قسم ہے، اسی طرح "سوگند خدا" یا "خدا کی سوگند کھاتا ہوں" بھی قسم ہے، نیز عبد اللہ یشاق اللہ قسم کھاتا ہوں، حلف کرتا ہوں اور اشدہ۔ (اگرچہ اس کے ساتھ لفظ اللہ ذکر نہ کیا جائے) یہ سب بھی قسمیں ہیں۔

اسی طرح کہنا "مجھ پر نذر ہے" یا "مجھ پر عین ہے" یا "مجھ پر عہد ہے" (اگرچہ اس کی اضافت اللہ کی طرف نہ کرے) بھی قسم ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو کافر ہو جاؤں یا یہودی ہو جاؤں یا عیسائی ہو جاؤں یا یوں کہے کہ اگر میں فلاں کام کروں تو میں اللہ تعالیٰ سے بری ہوں تو اس طرح کہنے سے بھی قسم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف کرنے سے قسم توڑنے

کا حکم ثابت ہو جاتا ہے لیکن اپنے کہنے کے مطابق وہ کافر یا یہودی یا عیسائی نہیں ہو جاتا۔ خواہ اس فلاں کام کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہو یا آئندہ زمانہ سے، بشرطیکہ اسے یہ علم ہو کہ اس طرح کہنا قسم ہے، ہاں اگر اس طرح کہتے وقت اس کے ذہن میں قسم کا تصور نہ ہو بلکہ واقعاً کفر ہی کا تصور رکھتا ہو پھر اس صورت میں اس وجہ سے کہ اس نے خود کفر کو اختیار کیا ہے وہ کافر ہو جائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ "اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو اس پر اللہ کا غضب ٹوٹے یا اس پر اللہ کی لعنت ہو" یا یوں کہے کہ اگر فلاں شخص یہ کام کرے تو وہ زانی ہے، یا چور ہے، یا شرابی ہے، یا سودخور ہے، تو اس کو قسم نہیں کہیں گے، اسی طرح یہ کہنا "ہا" یا "حق" اللہ "بھی قسم نہیں ہے، لیکن اس میں حضرت امام ابو یوسف کا اختلافی قول ہے۔

اسی طرح کہنا کہ "میں خدا کی سوگند کھاؤں یا۔ بیوی پر طلاق کی سوگند کھاؤں" بھی قسم نہیں ہے، اگر کوئی شخص اپنی کسی مموک چیز کو اپنے اوپر حرام کرے تو وہ چیز اس پر حرام نہیں ہو جاتی۔ لیکن اس کو استعمال کرنے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ میں نے اپنے اوپر روٹی کو حرام کر لیا ہے، اس طرح کہنے سے روٹی اس پر حرام نہیں ہو جاتی، لیکن اگر وہ اس کے بعد روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ دینا لازم ہے۔

اگر کوئی شخص یوں کہے کہ تمام حلال چیزیں مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی تمام چیزوں پر ہوگا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز کھائے گا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا، نیز اس پر فتویٰ ہے کہ اس طرح کہنے سے بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس نے

اس کی نیت نہ کی ہو، اسی طرح یوں کہنا کہ "حلال چیز مجھ پر حرام ہے" یا یہ کہنا کہ اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز بھی لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ کا بھی یہی حکم ہے۔

اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ لفظ "انشاء اللہ" بھی ادا کرے تو وہ حائث نہیں ہوگا یعنی چونکہ وہ سرے سے قسم ہی نہیں ہوگی اس لئے اس کے خلاف کرنے سے کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا۔

یمین منعقدہ کے حکم کا بیان

(وَالْمُعَقَّدَةُ مَا يَخْلِفُ عَلَى أَمْرٍ فِي الْمُسْتَقْبَلِ أَنْ يَفْعَلَهُ أَوْ لَا يَفْعَلَهُ وَإِذَا حِينَ فِي ذَلِكَ لَزِمَتْهُ الْكَفَّارَةُ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ) وَهُوَ مَا ذَكَرْنَا

(وَالْيَمِينُ اللَّغْوُ أَنْ يَخْلِفَ عَلَى أَمْرٍ مَاضٍ وَهُوَ يَطْنُ أَنَّهُ كَمَا قَالَ وَالْأَمْرُ بِخِلَافِهِ فَهَذِهِ الْيَمِينُ نَزَجُو أَنْ لَا يُؤَاخِذَ اللَّهُ بِهِ صَاحِبَهَا) وَمِنْ اللَّغْوِ أَنْ يَقُولَ: وَاللَّهِ إِنَّهُ لَزَيْدٌ وَهُوَ يَطْنُهُ زَيْدًا وَإِنَّمَا هُوَ عَمْرُو، وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي

أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ) الْآيَةُ، إِلَّا أَنَّهُ عُلِّقَ بِالرَّجَاءِ لِلَاخْتِلَافِ فِي تَفْسِيرِهِ.

ترجمہ

اور منعقدہ وہ قسم ہے جو زمانہ مستقبل میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اٹھائی جائے اور قسم اکھانے والا جب قسم کو توڑے گا تو اس پر کفارہ لازم ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان "لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ" اور اس کا مطلب وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور یمین لغویہ ہے کہ گزرے ہوئے زمانے میں کسی بات پر قسم کھائے اور قسم کھانے والا یہ سمجھتا ہو کہ معاملہ وہی ہے جو اس نے کہا حالانکہ حقیقت میں وہ اس کے خلاف ہو یہ قسم ہے جس کے متعلق ہم کو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ اور لغو میں سے یہ بھی ہے کہ قسم کھانے والا یہ کہے کہ بخدا یہ زید ہے اور وہ اس کو زید ہی سمجھتا ہو حالانکہ وہ عمر ہو اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے لا یؤاخذکم اللہ الخ مگر مصنف علیہ الرحمہ نے مواخذہ کے ناپائے جانے کو رجاء پر معلق کر دیا ہے اس لئے کہ اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

لغو قسم پر عدم کفارے کا بیان

اور حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ یہ آیت (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ) 2۔ البقرة 225:) یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس شخص کے حق میں نازل ہوئی ہے جو لا واللہ اور بلی واللہ کہتا ہے۔ (بخاری) شرح السنہ میں یہ روایت بلفظ مصابیح نقل کی گئی ہے، نیز شرح السنہ میں کہا گیا ہے کہ بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ سے مرفوعاً نقل کی ہے (یعنی ان راویوں کے مطابق یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے)۔

(مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 595)

اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر یہ کہہ کرتے تھے کہ لا واللہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام نہیں کیا) یا اور بلی واللہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام کیا ہے) ان الفاظ سے ان کا مقصد قسم کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی بات پر زور پیدا کرنے کے لئے یا بطور تکیہ کلام وہ ان الفاظ کو بیان کرتے تھے، چنانچہ اس صورت میں قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کو "لغو قسم" کہتے ہیں۔

حضرت امام شافعی نے اس بات پر عمل کیا ہے، ان کے نزدیک "لغو قسم" اس قسم کو کہتے ہیں جو با قصد زمانہ ماضی یا زمانہ مستقبل، زبان سے صادر ہو جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک "لغو قسم" اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی ایسی بات پر کھائی جائے جس کے بارے میں قسم کھانے والے کا گمان یا تو یہ ہو کہ وہ صحیح ہے لیکن واقعاً وہ صحیح نہ ہو، چنانچہ اس کی تفصیل ابتداء باب میں گزر چکی ہے۔

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے جو قسمیں تمہارے منہ سے بغیر قصد اور ارادے کے عادتاً نکل جائیں ان پر پکڑ نہیں۔ مسہم بخاری کی حدیث میں ہے جو شخص لات اور عزی کی قسم کھا بیٹھے وہ آیت (لا الہ الا اللہ) پڑھ لے۔ یہ ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان لوگوں کو ہوا تھا جو ابھی ابھی اسلام مانے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کی یہ قسمیں ان کی زبانوں پر چڑھی ہوئی تھیں تو ان سے فرمایا کہ اگر عادتاً کبھی ایسے شرکیہ الفاظ نکل جائیں تو فوراً کلمہ توحید پڑھ لیا کرو تا کہ بدلہ ہو جائے۔ پھر فرمایا ہاں جو قسمیں چٹنگی کے ساتھ دل کی ارادت کے ساتھ قصداً کھائی جائیں ان پر پکڑ ہے۔

دوسری آیت کے لفظ (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِالْغُفْرِ فِي آيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمُ الْآيْمَانَ) 5 .
المائدہ 89: ہیں،

ابوداؤد میں بروایت حضرت عائشہ ایک مرفوع حدیث مروی ہے جو اور روایتوں میں موقوف وارد ہوئی ہے کہ یہ لغو قسمیں وہ ہیں جو انسان اپنے گھربار میں بال بچوں میں کہہ دیا کرتا ہے کہ ہاں اللہ کی قسم اور انہیں اللہ کی قسم، غرض بطور تکیہ کلام کے یہ لفظ نکل جاتے ہیں وہ میں اس کی پختگی کا خیال بھی نہیں ہوتا، حضرت عائشہ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ دو قسمیں ہیں جو ہنسی ہنسی میں انسان کے منہ سے نکل جاتی ہیں، ان پر کفارہ نہیں، ہاں جو ارادے کے ساتھ قسم ہو پھر اس کا خلاف کرے تو کفارہ ادا کرنا پڑے گا،

آپ کے علاوہ اور بھی بعض صحابہ اور تابعین نے یہی تفسیر اس آیت کی بیان کی ہے، یہ بھی مروی ہے کہ ایک آدمی اپنی تحقیق پر بھروسہ کر کے کسی معاملہ کی نسبت قسم کھا بیٹھے اور حقیقت میں وہ معاملہ یوں نہ ہو تو یہ قسمیں لغو ہیں، یہ معنی بھی دیگر بہت سے حضرات سے مروی ہیں، ایک حسن حدیث میں ہے جو مرسل ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیر اندازوں کی ایک جماعت کے پاس جا کھڑے ہوئے، وہ تیر اندازی کر رہے تھے اور ایک شخص کبھی کہتا اللہ کی قسم اس کا تیر نشانے پر لگے گا، کبھی کہتا اللہ کی قسم یہ خطا کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نے کہا دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس کی قسم کے خلاف ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دو قسمیں لغو ہیں ان پر کفارہ نہیں اور نہ کوئی سزا یا عذاب ہے، بعض بزرگوں نے فرمایا ہے یہ وہ قسمیں ہیں جو انسان کھا لیتا ہے پھر خیل نہیں رہتا، یا کوئی شخص اپنے کسی کام کے نہ کرنے پر کوئی بددعا کے کلمات اپنی زبان سے نکال دیتا ہے، وہ بھی لغو میں داخل ہیں یا غصے اور غضب کی حالت میں بیساختہ زبان سے قسم نکل جائے یا حلالی کو حرام یا حرام کو حلال کرے تو اسے چاہئے کہ ان قسموں کی پروا نہ کرے اور اللہ کے احکام کی خلاف نہ کرے۔

حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ انصار کے دو شخص جو آپؐ میں بھائی بھائی تھے ان کے درمیان کچھ میراث کا مال تھا تو ایک نے دوسرے سے کہا اب اس مال کو تقسیم کر دو، دوسرے نے کہا اگر اب تو نے تقسیم کرنے کیلئے کہا تو میرا مال کعبہ کا خزانہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر فرمایا کہ کعبہ ایسے مال سے غنی ہے، اپنی قسم کا کفارہ دے اور اپنے بھائی سے بول چال رکھ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی رشتے ناتوں کے توڑنے اور جس چیز کی ملکیت نہ ہو ان کے بارے میں قسم اور نذر نہیں۔ پھر فرماتا ہے تمہارے دل جو کریں اس پر گرفت ہے یعنی اپنے جھوٹ کا علم ہو اور پھر قسم کھائے جیسے اور جگہ ہے

آیت (وَلَٰكِن يُّؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدْتُمُ الْآيَاتَانَ) 5 - المائدہ (89) یعنی جو تم مضبوط اور تاکید والی قسمیں کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بخشنے والا ہے اور ان پر علم و کرم کرنے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۲، ص ۲۲۵)

نابالغ و غیر عاقل کی قسم کے عدم اعتبار کا بیان

شریعت مطہرہ میں قسم معتبر ہونے کے لئے جو شرائط مقرر کئے گئے ہیں منجملہ ان کے ایک شرط یہ ہے کہ قسم کھانے والا عاقل بالغ ہو، نابالغ بچہ کی قسم منعقد ہی نہیں ہوتی چہ جائے کہ کفارہ لازم آئے۔ جیسا کہ بدائع الصنائع ج 3 کتاب الایمان شرائط رکوع الیمین ص 20 میں ہے منہا ان یکون عاقلاً بالغاً فلا یصح یمن المجنون والصبی وان کان عاقلاً لاہا تصرف ایجاب وہما لیسا من اهل الایجاب۔ اگر اس لڑکے کی عمر تیرہ سال ہے اور اس میں بلوغ کی علامت ظاہر نہ ہو تو وہ شرعاً نابالغ ہے اور قسم توڑنے کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم نہیں۔ اور اگر بلوغ کی علامت ظاہر ہوئی ہے تو چونکہ وہ بالغ ہے اس لئے اس پر کفارہ لازم ہے۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے یا دس مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلایا جائے یا دس فقراء کیلئے کپڑے بنائے جائیں، فی زمانہ غلام نہیں رہتے اس لئے غلام آزاد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، جو لوگ مالی استطاعت نہ رکھتے ہوں مسلسل تین دن روزے رکھیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لایؤخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولكن یؤخذکم بما عقدتم الایمان فكفارته اطعام عشرۃ مساکین من اسط ما تطعمون اھلیکم او كسوتھم او تحریر رقیۃ لمن لم یجد فصیام ثلاثۃ ایام۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلا ارادہ قسم میں تمہارا مؤاخذہ نہیں فرماتا لیکن ان قسموں کا مؤاخذہ فرماتا ہے جس کا تم نے ارادہ کیا تو اس کا کفارہ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو اس میں اسطو درجہ کا کھانا دس مسکینوں کو کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا ہے تو جو اسکی استطاعت نہ رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ پے درپے تین دن روزے رکھے۔ (سورۃ المائدہ)

یہی منعقدہ کی اقسام مثلاً شہ کا بیان

یکین منعقدہ تین قسم پر ہے۔ (۱) یکین فور (۲) مرسل (۳) موقت

اگر کسی خاص وجہ سے یا کسی بات کے جواب میں قسم کھائی جس سے اس کام کا فوراً کرنا یا نہ کرنا سمجھا جاتا ہے اس کو یمن فور کہتے ہیں۔ ایسی قسم میں اگر فوراً وہ بات ہوگئی تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر کچھ دیر کے بعد ہو تو اس کا کچھ اثر نہیں مثلاً عورت گھر سے باہر جانے کا تہیہ کر رہی ہے اس نے کہا اگر تو گھر سے باہر نکلی تو تجھے طلاق ہے اس وقت عورت ٹھہر گئی پھر دوسرے وقت گئی تو طلاق نہیں ہوئی یا ایک شخص کسی کو مارنا چاہتا تھا۔ اس نے کہا اگر تو نے اسے مارا تو میری عورت کو طلاق ہے اس وقت اس نے نہیں مارا تو طلاق نہیں ہوئی اگرچہ کسی اور وقت میں مارے یا کسی نے اس کو ناشتہ کے لیے کہا کہ میرے ساتھ ناشتہ کر لو اس نے کہا خدا کی قسم ناشتہ نہیں کروں گا اور اس کے ساتھ ناشتہ نہ کیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ گھر جا کر اسی روز ناشتہ کیا ہو۔

اور موقت وہ ہے جس کے لیے کوئی وقت ایک دن دو دن یا کم و بیش مقرر کر دیا نہیں اگر وقت معین کے اندر قسم کے خلاف کیا تو ٹوٹ گئی ورنہ نہیں مثلاً قسم کھائی کہ اس گھرے میں جو پانی ہے اسے آج پیوں گا اور آج نہ پیا تو قسم ٹوٹ گئی اور کفارہ دینا ہوگا اور پی لیا تو قسم پوری ہوگئی اور اگر اس وقت کے پورا ہونے سے پہلے وہ شخص مر گیا یا اس کا پانی گر دیا گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اور اگر قسم کھانے کے وقت اس گھرے میں پانی تھا ہی نہیں مگر قسم کھانے والے کو یہ معلوم نہ تھا کہ اس میں پانی نہیں ہے جب بھی قسم نہیں ٹوٹی اور اگر اسے معلوم تھا کہ پانی اس میں نہیں ہے اور قسم کھائی تو قسم ٹوٹ گئی۔

اور اگر قسم میں کوئی وقت مقرر نہ کیا اور قرینہ سے فوراً کرنا یا نہ کرنا نہ سمجھا جاتا ہو تو اسے مرسل کہتے ہیں۔ کسی کام کے کرنے کی قسم کھائی اور نہ کیا مثلاً قسم کھائی کہ فلاں کو ماروں گا اور نہ مارا یہاں تک کہ دونوں میں سے ایک مر گیا تو قسم ٹوٹ گئی اور جب تک دونوں زندہ ہوں تو اگرچہ نہ مارا قسم نہیں ٹوٹی اور نہ کرنے کی قسم کھائی تو جب تک کہ چکا نہیں قسم نہیں ٹوٹے گی مثلاً قسم کھائی کہ میں فلاں کو نہ ماروں گا اور مارا تو ٹوٹ گئی ورنہ نہیں۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب الایمان، ص ۲۴۷)

دفعہ قسم میں عدم اعذار کا بیان

قَالَ: (وَالْقَاصِدُ فِي الْيَمِينِ وَالْمُكْرِهِ وَالنَّاسِي سَوَاءٌ) حَتَّى تَجِبُ الْكَفَّارَةُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ثَلَاثُ جِدْمَيْنِ جِدٌّ وَمَزْلُهِنَّ جِدٌّ: النِّكَاحُ، وَالطَّلَاقُ، وَالْيَمِينُ) (وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُنَا فِي ذَلِكَ، وَسَنَبِّهُ فِي الْإِكْرَاهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى) (وَمَنْ فَعَلَ الْمَحْلُوفَ عَلَيْهِ مُكْرَهًا أَوْ نَاسِيًا فَهُوَ سَوَاءٌ)؛ لِأَنَّ الْفِعْلَ الْحَقِيقِيَّ لَا يَنْعَدُّ بِإِلْإِكْرَاهٍ وَهُوَ الشَّرْطُ، وَكَذَا إِذَا فَعَلَهُ وَهُوَ مَغْيِيٌّ عَلَيْهِ أَوْ مَجْنُونٌ لِتَحَقُّقِ الشَّرْطِ حَقِيقَةً، وَلَوْ كَانَتْ الْحِكْمَةُ رَفَعَ الذَّنْبُ فَالْحُكْمُ يُدَارُ عَلَى دَلِيلِهِ وَهُوَ الْحِنْثُ لَا عَلَى حَقِيقَةِ الذَّنْبِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

فرمایا کہ قصد قسم کھانے والا، جس کو قسم کھانے پر مجبور کیا گیا ہو اور بھول کر قسم کھانے والا سب برابر ہیں اس لئے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ایسی ہیں جن کو عدا کہنا بھی عدا ہے اور مذاق سے کہنا بھی عدا ہے۔ نکاح، طلاق، قسم جبکہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے جس کو ان شاء اللہ ہم کتاب الاکراہ میں بیان کریں گے۔

جس شخص نے زبردستی یا بھول کر مخلوف علیہ کو قسم دی وہ دونوں صورتوں میں برابر ہے کیونکہ حقیقی طور پر مجبوری میں قسم ختم نہیں ہوتی اور یہی چیز شرط ہے اسی طرح اگر کسی نے شرکی حالت میں یا پاگل پن کی حالت مخلوف علیہ کو قسم دی اس لئے کہ حقیقت میں شرط پائی جا رہی ہے اور اگر کفارہ کی حکمت گناہ دور کرنا ہو تو حکم کا مدار اس کی دلیل پر ہوگا اور وہ حادث ہوتا ہے۔ اور حقیقت ذنب پر نہ ہوگی۔

شرح

علامہ فخر الدین عثمان بن علی زلیعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص غلطی سے قسم کھا بیٹھا مثلاً کہتا چاہتا تھا کہ پانی لاؤ یا پانی پیوں گا اور زبان سے نکل گیا کہ خدا کی قسم پانی نہیں پیوں گا یہ قسم کھانا نہ چاہتا تھا دوسرے نے قسم کھانے پر مجبور کیا تو وہی حکم ہے جو قصد اور بلا مجبور کیے قسم کھانے کا ہے یعنی توڑے گا تو کفارہ دینا ہوگا قسم توڑنا اختیار سے ہو یا دوسرے کے مجبور کرنے سے قصد ہو یا بھول چوک سے ہر صورت میں کفارہ ہے بلکہ اگر بیہوشی یا جنون میں قسم توڑنا ہو یا جب بھی کفارہ واجب ہے جب کہ ہوش میں قسم کھائی ہو اور اگر بے ہوشی یا جنون میں قسم کھائی تو قسم نہیں کہ عاقل ہونا شرط ہے اور یہ عاقل نہیں ہے۔

(تبيين الحقائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۲۲۳)

اور اس پر قسم کھائی اس ڈر سے کہ اگر قسم نہ کھائے گا تو کوئی ظالم اس کو مار ڈالے گا یا کوئی اور سزا دے گا اسی طرح ہر شخص جس پر زبردستی کی جائے اور وہ ڈرتا ہو تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس کی مدد کرے ظالم کا ظلم اس پر سے دفع کرے اس کے بچانے کے لیے جنگ کرے اس کو دشمن کے ہاتھ میں نہ چھوڑ دے پھر اگر اس نے مظلوم کی حمایت میں جنگ کی اور اس کے بچانے کی غرض سے ظالم کو، رہی ڈال تو اس پر قصاص لازم نہ ہوگا (ندبیت لازم ہوگی) اور اگر کسی شخص سے یوں کہا جائے تو شراب پی لے یا مردار کھا لے یا اپنا غلام بیچ ڈال یا اتنے قرض کا اقرار کرے (یا اس کی دستاویز لکھ دے) یا فلاں چیز ہبہ کر دے یا کوئی عقد توڑ ڈال نہیں تو ہم تیرے دینی باپ یا بھائی کو مار ڈالیں گے تو اس کو یہ کام کرنے درست ہو جائیں گے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس سے یوں کہا جائے تو شراب پی لے یا مردار کھا لے نہیں تو ہم تیرے بیٹے یا باپ یا محرم رشتہ دار، بھائی، چچا، ماموں وغیرہ کو مار ڈالیں گے تو اس کو یہ کام کرنے درست نہ ہوں گے نہ وہ مضطر کہلائے گا پھر ان بعض لوگوں نے اپنے قول کا دوسرے مسئلہ میں خلاف کیا۔

کہتے ہیں کہ کسی شخص سے یوں کہا جائے ہم تیرے باپ یا بیٹے کو مار ڈالتے ہیں نہیں تو تو اپنا یہ غلام بیچ ڈال یا اتنے قرض کا اقرار کر لے یا فلاں چیز ہبہ کر دے تو قیاس یہ ہے کہ یہ سب معاملے صحیح اور نافذ ہوں گے مگر ہم اس مسئلہ میں اتحسان پر عمل کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسی حالت میں بیچ اور ہبہ اور ہر ایک عقد اقرار وغیرہ باطل ہوگا ان بعض لوگوں نے ناطہ وار اور غیر ناطہ وار میں بھی فرق کیا ہے۔ جس پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی سارہ کو فرمایا یہ میری بہن ہے اللہ کی راہ میں دین کی رو سے اور ابراہیم خفی نے کہا اگر قسم لینے والا ظالم ہو تو قسم کھانے والے کی نیت معتبر ہوگی اور اگر قسم لینے والا مظلوم ہو تو اس کی نیت معتبر ہوگی۔ (تبيين الحقائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۲۲۳)

غیر مقلدین کا دلیل استحسان کے انکار کرنے کا بیان

مولوی وحید زمان غیر مقلد لکھتا ہے۔ فقہائے حنفیہ نے ایک اتحسان نکالا ہے۔ قیاس حنفی جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے وہ جس مسئلہ میں ایسے ہی قواعد اور اصول موضوعہ کا خلاف کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کیا کریں قیاس تو یہی چاہتا تھا کہ ان اصول

اور قواعد کے مطابق حکم دیا جائے مگر احسان کی رو سے ہم نے اس مسئلہ میں یہ حکم دیا ہے۔

حضرت امام بخاری نے ان لوگوں کے بارے میں بتلانا چاہا ہے کہ آپ ہی تو ایک قاعدہ مقرر کرتے ہیں پھر جب چاہیں آپ ہی احسان کا بہانہ کر کے اس قاعدے کو توڑ ڈالتے ہیں یہ تو من مانی کارروائی ہوئی نہ شریعت کی پیروی ہوئی نہ قانون کی اور یعنی نے جو احسان کے جواز پر آیت **فَتَبِعُونِ أَحْسَنَهُ** اور حدیث **مَارَاهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا** سے دلیل لی یہ استدلال فاسد ہے کیوں کہ آیت میں **يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ** سے قرآن مجید مراد ہے اور **مَارَاهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا** یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ مرفوعاً ثابت نہیں ہے اور حدیث موقوف کوئی حجت نہیں ہے علاوہ اس کے مسلمانوں سے اس قول میں جمیع مسلمین مراد ہیں یا صحابہ اور تابعین ورنہ یعنی کے قول پر یہ لازم آئے گا کہ تمام اہل بدعات اور فاسق اور فاجر جس بات کو اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہو اس کے سوا ہم یہ کہیں گے کہ اسی قول میں یہ بھی ہے کہ جس چیز کو مسلمان برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے اور اہل حدیث کا گروہ فقہاء کے احسان کو برا سمجھتا ہے تو وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہوا بلکہ وہ استبحان یا استقباح ہوا لا حول ولا قوۃ الا باللہ (وحیدی)

احسان

لغت میں احسان کے معنی کسی بھی شئی کے بارے میں حسن کا اعتقاد رکھنا، چاہے وہ واقع کے مطابق ہو یا اس کے خلاف ہو اور شرعی نقطہ نظر سے احسان وہ چیز کہلاتی ہے جس کی جب شرعی تقاضا کرتی ہے چاہے اس کا دل اس کو مستحسن سمجھے یا نہ سمجھے۔

احسان کی تعریف

ائمہ احناف نے احسان کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہیں: ایک قیاس سے دوسرے قیاس قوی کی طرف عدول کرنے کا نام احسان ہے۔ قیاس کو کسی قوی دلیل کے ساتھ خاص کرنے کا نام احسان ہے۔ اس دلیل کا نام احسان ہے جو مجتہد کے دل میں بطور اشکال پیدا ہوتی ہے اور الفاظ چونکہ اس دلیل کا ساتھ نہیں دیتے: اس لیے مجتہد اس کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔ امام ابو الحسن کرتی فرماتے ہیں کہ احسان کا مطلب یہی ہے کہ مجتہد ایک مسئلہ میں جو حکم لگا چکا ہے جب اسی طرح کا دوسرا مسئلہ آجائے تو اس میں وہی حکم صرف اس لیے نہ لگائے کہ کوئی قوی دلیل ایسی موجود ہو جس کی وجہ سے پہلے جیسے حکم لگانا مناسب نہ ہو۔ امام ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ احسان کی حقیقت پر جتنی تعریفات احناف نے کی ہیں ان سب میں زیادہ واضح تعریف امام ابو زہرہ نے اسی کو قرار دیا ہے: کیونکہ یہ احسان کے تمام انواع کو شامل ہے، خلاصہ یہ ہے کہ احسان قوی ترین دلیل کو اختیار کرنے کا نام ہے، مالکیہ کے نزدیک بھی احسان کی یہی تعریف ہے۔ (اصول فقہ امام لابی زہرہ، ص ۲۰۶)

احسان دراصل استقباح کا مقابل ہے، علماء مجتہدین کے جس طبقہ و جماعت نے احسان کو قبول فرمایا ہے ان کے پیش نظر اولاً یہی چیز ہوتی ہے کہ پیش آمدہ صورت جزئیہ میں اگر کسی ظاہر نص یا نص سے ثابت شدہ کسی حکم کلی ہی پر نظر مرکوز رکھی جائے اور اس

کے خلاف کسی معتبر دلیل کی بنیاد پر بھی عدول کر کے استثنائی حکم تجویز نہ کیا جائے تو ایک امر قبیح کو گوارہ کرنا پڑے گا اور ظاہر ہے کہ اس سے مقاصد شریعت فوت اور روح شریعت مجروح ہوگی اس لیے وہ ظاہر نص کے اقتضاء سے صرف نظر کرنے اور حکم کلی سے اس جزئی واقعہ کے استثناء کر لینے کو حسن اور بہتر سمجھتے ہوئے ایک الگ حکم خاص تجویز کرتے ہیں اور اسے استقباح کے مقابل احسان قرار دیتے ہیں جو دراصل نص قرآنی۔

"وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا". (الاعراف)

اور اپنی قوم کو بھی حکم کرو کہ ان کے اچھے اچھے احکام پر عمل کریں۔

"فَتَبِعُونِ أَحْسَنَهُ". (الزمر: ۱) اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔

احسان کی اقسام

احسان اپنے معارض کے اعتبار سے تین قسموں پر منقسم ہوتا ہے: احسان اللہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت سے ایسے چیز ثابت ہوتی ہو کہ اس کی وجہ سے قیاس کا ترک کرنا ضروری ہو، مثلاً حدیث میں ہے:

"إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايعَانِ وَالسَّلْعَةُ قَائِمَةٌ تَحَالَفًا وَتَرَادًا". (بدائع الصنائع، کتاب

الدَّعْوَى، (فصل) وَأَمَّا حُكْمُ تَعَارُضِ الدَّعَوَتَيْنِ فِي قَدْرِ الْمَلِكِ: رُذِيحِيثِيل لَانْبِرِي)

جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہو جائے اور سامان موجود ہو تو دونوں سے قسم لی جائے اور مشتری کو بخش اور بائع کو بیع واپس کر دی جائے۔

(الف) قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہاں بائع کو مدلی اور مشتری کو مدعا علیہ مانا جائے؛ کیونکہ بائع زیادہ دشمن کا دعویٰ کر رہا ہے اور مشتری اس کا انکار کر رہا ہے؛ لہذا بائع کو بینہ پیش کرنا چاہیے، اگر وہ بینہ پیش نہ کرے تو مشتری سے قسم لیکر اس کے حق میں فیصلہ کر دینا چاہیے؛ لیکن سنت میں یہ آچکا ہے کہ دونوں سے قسم لیکر بیع کو ختم کر دیا جائے، اس لیے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور سنت پر عمل کیا جائے گا۔

(ب) نیز حدیث میں ہے کہ اگر کوئی روزہ دار بھول کر کھاپی لے تو بھی اس کا روزہ صحیح ہے (مشکوٰۃ شریف: ۱) حالانکہ قیاس کا تقاضا ہے کہ اس کا روزہ ٹوٹ جائے؛ کیونکہ کھانے پینے سے رکنا جو روزہ کے لیے ضروری ہے نہیں پایا گیا؛ لیکن بھول کر کھاپی لینے کے باوجود روزہ کے نہ ٹوٹنے پر نص وارد ہوئی ہے، اس لیے اس جگہ قیاس کو رد کر دیا جائے گا۔

(ج) نیز حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے اندر قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (سنن دارقطنی) حالانکہ قہقہہ لگانا ناقض وضو نہیں ہونا چاہیے؛ کیونکہ اس میں خروج نجاست بھی نہیں ہے کہ اسے ناقض وضو کہا جائے؛ لیکن نماز کے اندر قہقہہ لگانے سے وضو کے ٹوٹ جانے پر نص وارد ہوئی ہے؛ اس لیے یہاں بھی قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

استحسان الاجماع: کسی مسئلہ میں اجماع منعقد ہو گیا ہو تو اسکی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا، مثلاً عقد استصناع قیاس کی رو سے جائز نہیں ہونا چاہیے؛ لیکن اس کی صحت پر ہر زمانہ میں عمل ہو چکا ہے؛ لہذا اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا؛ اب اسے اجماع کی وجہ سے ترک کرنا کہیں یہ عرف عام کی وجہ سے؛ کیونکہ ایسا کرنا اقویٰ دلیل کو اختیار کرنا ہوگا، مفہوم کے اعتبار سے استحسان اجماع، استحسان عرف کے قریب قریب ہے؛ کیونکہ دونوں کا مقصد مشقت کو دور کرنا ہے۔

استحسان الضرورة: کسی مسئلہ میں ایسی ضرورت پائی جائے جو مجتہد کو قیاس کے ترک کرنے اور ضرورت کے مقتضی کو اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہو۔

مالکیہ ان اقسام کے علاوہ اس میں ایک اور قسم کا اضافہ کرتے ہیں اور وہ ہے "استحسان المصلیٰ" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مصلحت اور قیاس میں تعارض ہو جائے تو مصلحت کو اختیار کیا جائے گا اور اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا، مثلاً قیاس کا تقاضا ہے کہ عدالت میں عادل اور ثقہ لوگوں کی گواہی معتبر ہو؛ تا کہ کذب پر صدق رائج رہے اور اس کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے؛ لیکن اگر کوئی قاضی ایسے شہر میں ہو جہاں عادل گواہ نمل سکیں تو ایسی صورت میں اگر قاضی انہی غیر عادل گواہوں کی گواہی قبول نہ کرے تو لوگوں کے املاک اور حقوق ضائع ہو جائیں گے، اس لیے اس مصلحت کے پیش نظر اس قاضی کو انہی غیر عادل گواہوں کی گواہی قبول کرنا لازم ہے؛ تا کہ لوگوں کے حقوق اور املاک ضائع نہ ہوں، یہاں اس مصلحت کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا اور اسی قبیل سے یہ بھی ہے کہ حوض اور کنواں جب ایک مرتبہ ناپاک ہو جائے تو قیاس کی روشنی میں اسے پاک ہونا ہی نہیں چاہیے؛ کیونکہ جب حوض اور کنواں کا ناپاک پانی نکال لیا جائے تو اس کی سطح اور دیوار جس پانی کے اس سے متصل ہونے کی وجہ سے ناپاک ہی رہتا ہے، اب ان کو پاک کرنے کی خاطر جب بھی پانی ڈالا جائے گا تو جس سطح اور دیوار سے پانی ملتے ہی ناپاک ہوتا رہے گا اور ناپاک پانی سے ان دونوں کو پاک کرنا ممکن نہیں رہے گا، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ حوض یا کنواں جب ایک بار ناپاک ہو جائے تو اسے بالکل بند کر دینا چاہیے؛ کیونکہ انہیں پاک کرنا ممکن ہی نہیں؛ ظاہر ہے کہ اس میں بہت بڑا حرج ہے؛ لہذا اس کے پیش نظر قیاس کو ترک کر دیا گیا اور ضرورت کے پیش نظر فقہاء نے ناپاک کی نوعیت کے لحاظ سے ڈول کی ایک خاص تعداد میں پانی نکالنا متعین فرما دیا؛ تا کہ بار بار پانی نکالنے سے نجاست میں خاطر خواہ کمی ہو جائے؛ اگرچہ کہ وہ پوری طرح ختم نہ ہو پائے۔

استحسان کے منکرین اور ان کے دلائل

اہم شافعی نے سب سے پہلے استحسان کو حجت ماننے سے انکار کیا اور مستقل موضوع بنا کر اس کی تردید کی؛ چنانچہ کتاب الام میں ایک مستقل عنوان "ابطال الاستحسان" کے نام سے قائم کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس عنوان کے ذیل میں یا اپنی کتاب "الرسالہ" میں ابطال استحسان پر جو دلائل قائم کئے ہیں، ان کا خلاصہ سطور ذیل میں پیش کر دیا جائے: ان کی دونوں کتابوں کا جائزہ لینے سے چھ دلائل سامنے آتے ہیں، جو نمبر وار اس طرح ہیں:

الف: شریعت کی بنیاد نص پر ہے اور شریعت نے نص پر قیاس کرنے کا انسان کو مکلف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ استحسان نہ نص

ہے نہ نص پر قیاس کرنا ہے؛ بلکہ ان سے ایک خارج شئی ہے، اب اگر اس خارجی شئی کا اعتبار کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے ایک ضروری چیز کو ترک کر دیا ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

"أَيُّحَسِبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى" (القیامہ)

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ پس استحسان جو نہ قیاس ہے اور نہ نص پر عمل کرنا ہے، اس آیت کریمہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

ب: بے شمار آیتوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ہے اور خواہشات کی اتباع سے انسانوں کو روکا گیا ہے اور شریعت کا حکم ہے کہ جب کبھی آپس میں نزاع ہو جایا کرے تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرو؛ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَبِإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ" (النساء)

اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حوالے کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

اور ظاہر ہے کہ استحسان نہ کتاب اللہ ہے اور نہ سنت رسول ﷺ کہ ان کی طرف رجوع کیا جائے؛ بلکہ یہ ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسری چیز ہے، اس لیے جب تک قرآن وحدیث کے اندر اس کے قبول کرنے کی دلیل نہ ملے اس وقت تک اس کو قبول نہیں کریں گے اور چونکہ کوئی دلیل اس کے قبول پر نہیں ہے، اس لیے استحسان کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

ج: حضور ﷺ ہمیشہ وحی کی روشنی ہی میں حکم دیا کرتے تھے کبھی بھی استحسان کی بنا پر کوئی حکم نہیں دیا، مثلاً ایک بار آپ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی نے اپنی بیوی سے "انت علی مظلوم امی" کہہ دیا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضور ﷺ نے اس کا جواب استحسان سے نہیں دیا؛ بلکہ حضور ﷺ نے وحی کا انتظار کیا حتیٰ کہ آیت ظہار اور کفارہ کا حکم نازل ہوا اور اس طرح کے اور کئی مسائل ہیں کہ آپ ﷺ نے پیش آمدہ واقعات میں استحسان کی روشنی میں جواب دینے سے انکار فرمایا اور وحی کا انتظار فرمایا، اگر کسی کے لیے فقہی ذوق اور استحسان سے فتویٰ دینے کی گنجائش ہوتی تو اس کے زیادہ مستحق حضور ﷺ تھے؛ لیکن حضور ﷺ نے اس سے گریز کیا تو ہم پر لازم ہے کہ ہم بھی کسی نص پر اعتماد کے بغیر استحسان پر فتویٰ دینے سے احتراز کریں، ہمارے لیے حضور ﷺ کی ذات اسوہ ہے۔

د: حضور ﷺ نے بعض حضرات صحابہ کرامؓ پر محض اس لیے تکبر فرمائی کہ انہوں نے حضور ﷺ کے زمانے میں غائبانہ استحسان پر عمل کر لیا تھا، مثلاً ایک مرتبہ ایک مشرک نے مسلمان لشکر کو دیکھ کر کلمہ شہادت پڑھ دیا تھا؛ لیکن حضرت اسامہؓ نے سمجھا کہ اس نے محض

جان بچانے کی خاطر یہ کلمہ پڑھا ہے؛ لہذا وہ مسلمان نہیں ہے اور اس کا قتل کرنا درست ہے، اس لیے انہوں نے اس کو قتل کر دیا؛ لیکن حضور ﷺ کو جب معصوم ہوا تو آپ ﷺ نے اس پر تکبیر فرمائی (اصول فقہ لابی زہرہ): اگر امتحان جائز ہوتا تو حضور ﷺ حضرت اسامہؓ پر تکبیر نہ فرماتے؛ لہذا معلوم ہوا کہ امتحان جائز نہیں ہے۔

۷: امتحان کے لیے کوئی ضابطہ اور قاعدہ نہیں ہے کہ اس پر حق و باطل کو پرکھا جائے، اب اگر ہر مفتی حاکم اور مجتہد کے لیے امتحان کی اجازت دیدی جائے تو معاملہ بہت الجھ جائے گا اور ایک ہی مسئلہ میں کئی احکام سامنے آئیں گے اور کوئی ضابطہ نہیں کہ اس کی روشنی میں کسی ایک کو ترجیح دی جائے اور یہ خرابی امتحان کی اجازت دینے سے پیدا ہوگی؛ لہذا وہ قابل ترک ہے۔

۸: اگر امتحان مجتہد کے لیے جائز قرار دیا جائے تو وہ مجتہد نص پر اعتقاد نہیں کریگا اور نہ کسی مسئلہ کو نص میں تلاش کرنے کی زحمت گوارہ کرے گا، بلکہ وہ صرف اپنی عقل پر ہی اعتماد کر کے احکام بیان کر دے گا اور اس سے ہر اس شخص کو مسائل بیان کرنے کی جرات ہو جائے گی جو کتاب وسنت کا علم بھی نہ رکھتا ہو، اس لیے کہ کتاب وسنت کا علم نہ رکھنے والوں کے لیے بھی عقل کا ہونا ثابت ہے، بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اہل علم کی عقل سے غیر اہل علم کی عقل زیادہ ہوتی ہے اور یہ خرابی محض امتحان کے جائز قرار دینے کی وجہ سے لازم آ رہی ہے، اس لیے امتحان حجت نہیں بن سکتی۔ (اصول فقہ لابی زہرہ، ص ۲۱۵)

مانعین امتحان کے دلائل پر نظر و بحث

اگر غور سے دیکھا جائے تو مانعین کے یہ تمام دلائل اس امتحان سے متعلق نہیں ہیں، جنہیں احناف و مالکیہ قابل اعتبار قرار دیتے ہیں، چنانچہ شیخ ابوزہرہ امام شافعیؒ کے مذکورہ چھ دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"ان هذه الادلة كلها لا ترد على الاستحسان الحنفی"۔

یہ سارے دلائل امتحان حنفی کے خلاف نہیں ہیں۔

اور واقعہ امام شافعیؒ کے ان دلائل میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں "لو كان لاحد ان يعنى بذاق الفقهي، الخ بل يعتمد على العقل وحده، الخ وغیرہا" اس سے واضح ہوتا ہے کہ دراصل سیدنا امام شافعیؒ مطلقاً امتحان کو باطل اور قابل رد نہیں سمجھتے؛ بلکہ جس امتحان میں صرف فقہی ذوق اور محض عقلی اقتضا کے تحت قانون سازی ہو، ایسے امتحان کو باطل و مردود قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جن دلائل کے معتبر اور شرعی ہونے پر پوری امت متفق ہے، اس سے استناد کئے بغیر محض ذوق و وجدان اور طبعی خواہش کی بنیاد پر حکم شرعی بیان کرنے کو کوئی امتحان نہیں کہتا اور نہ یہ طریقہ استدلال کسی مجتہد کے یہاں صحیح ہے، اس طرح یہ محض ایک لفظی نزاع رہ جاتا ہے؛ چنانچہ ابوزہرہ لکھتے ہیں۔

"ان الاخذ بالاستحسان لا ينافي الاتباع للاصول المعتمدة بحال من الاحوال"۔

(اصول فقہ لابی زہرہ)

امتحان یعنی قیاس خفی کے متھنہ کو قبول کرنا کسی بھی حالت میں شرعاً اصول معتبرہ کی اتباع کے خلاف نہیں ہے۔

اسی لیے تقریباً تمام ائمہ مجتہدین حنفیہ ہوں یا مالکیہ و حنابلہ؛ بلکہ امام شافعیؒ بھی عملاً اس کے مصدر شرعی ہونے کو تسلیم کرتے ہیں، تاخرین علماء شوافع کی تحریریں اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ امام شافعیؒ بھی استخراج احکام میں برابر اس طریقہ استدلال سے کام لیتے رہے ہیں؛ گویا یہ حضرات اس کی تعبیر "استدلال مرسلہ" اور "معانی مرسلہ" وغیرہ سے کرتے ہیں، اس طرح مصطفیٰ زرقاءؒ کی یہ بات قول فیصل ہے، یعنی امتحان و اصلاح کے بارے میں امام شافعیؒ کا اختلاف بعض شرائط و قیود اور تشبیہ و اصطلاح کا اختلاف ہے، اصل امتحان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ ایک سچائی ہے کہ امتحان بھی مصادر شرعی میں سے ایک معتبر مصدر ہے، جس سے کام گوارہ ہے، ہی مجتہد نے کیا ہے، مگر علماء احناف نے اس سے بکثرت استفادہ کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اسلامی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق پوری جامعیت کے ساتھ قانون اسلامی کا ایک عظیم الشان اور نافع ترین ذخیرہ امت کے ہاتھ آ یا۔ (فقہ اسلامی اصول خدمات اور تقاضے)

امتحان کو حجت ماننے والے فقہاء

ائمہ احناف میں سے امام عطاءؒ کو چھوڑ کر تمام احناف، حنابلہ اور مالکیہ امتحان کو معتبر مانتے ہیں، اصل میں امام مالکؒ امتحان کو مصدع مرسلہ میں داخل کر دیتے ہیں اور مصدع مرسلہ ان کے نزدیک حجت ہے، حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ اس کی حجت کے قائل ہیں۔ (اصول فقہ لابی زہرہ، ص ۲۱۲)

امتحان کو حجت ماننے والوں کے دلائل کا بیان

قاضی ابن امتحان اس کی حجت پر قرآن وسنت اور اجماع امت سے استدلال کرتے ہیں، مثلاً، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ"۔ (الزمر)

تم کو چاہیے کہ اپنے رب کے پاس سے آئے ہوئے اچھے اچھے حکموں پر چلو۔

(۱) ارشاد خداوندی ہے:

"الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ"۔ (الزمر)

جو اس کلام الہی کو کان لگا کر سنتے ہیں پھر اس کی اچھی اچھی باتوں پر چلتے ہیں۔

پہلی آیت میں "أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ" کی اتباع کا حکم ہے اور دوسری آیت مقام مدح میں ہی اس میں ان حضرات کی تعریف کی گئی ہے جو احسن قول کی اتباع کیا کرتے ہیں، گویا نص میں خود اس بات کا حکم اور ترغیب ہے کہ بعض کو چھوڑ دی جائے اور بعض کی اتباع محض اس وجہ سے کی جائے کہ وہ احسن ہے اور یہی امتحان کا مطلب ہے کہ اس کے ذریعہ احسن کو اختیار کیا جاتا ہے اور

غیر احسن کو ترک کر دیا جاتا ہے۔

(۲) نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"لَمَّا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ"

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعود، حدیث نمبر ۳۹۰۰)

جسے مسلمان مستحسن سمجھیں وہ اللہ کے یہاں بھی مستحسن ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ چیز مستحسن ہو جاتی ہے جو مسلمانوں کے یہاں مستحسن ہو اور اگر استحسان حجت نہ ہوتی تو اس کے اللہ کے نزدیک حسن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۳) استحسان کی حجیت اجماع امت سے اس طرح ثابت ہے کہ حرام میں غسل کرنے کے لیے داخل ہونا تمام فقہاء نے جائز قرار دیا ہے؛ حالانکہ اس میں نہ وقت کی تعیین ہوتی ہے اور نہ پانی کی مقدار متعین ہوتی ہے اور نہ ہی اجرت متعین کی جاتی ہے؛ ظاہر ہے کہ ان کو فقہاء نے استحسان کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے ہی جائز قرار دیا ہے، حاصل یہ ہے کہ استحسان کا قائل حجت ہونا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور قیاس تو اس کی تائید میں پہلے سے ہی ہے اس طرح چاروں اولہ سے استحسان کا حجت ہونا ثابت ہے۔ (اصول مذہب امام احمد بن حنبل، ص ۵۰۵)

استحسان کا وجود شارع علیہ السلام کے کلام میں بہر حال جہاں تک استحسان کے مصدر شرعی ہونے کی بات ہے تو تقریباً سارے ہی ائمہ مجتہدین کے نزدیک وہ عمل مسلم ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ ائمہ مجتہدین جس طریقہ عمل کو اور جس طریقہ استدلال کو دلیل استحسان سے تعبیر کرتے ہیں، بلاشبہ یہ طریقہ عمل خود جناب رسول اللہ ﷺ کا بھی تھا، اس کی چند مثالیں آپ بھی ملاحظہ فرمائیے مثلاً قہقہہ کوئی نجاست نہیں ہے؛ چنانچہ نماز کے باہر قہقہہ سے وضو نہیں لوثا؛ مگر جناب رسول اللہ ﷺ نے نماز کے اندر قہقہہ کو ناقض وضو قرار دیا ہے؛ گواہوں کا نصاب دومرہ ہونا نص سے ثابت ہے؛ مگر جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کو استنہ کی طور پر ایک ہونے کے باوجود دو گواہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، روزہ میں اگر کوئی قصد روزہ توڑ دے اور وہ غلام آزاد کرنے کی استطاعت رکھتا ہے اور نہ ہی دو مہینے روزہ رکھنے کی اسے طاقت ہے تو اس کے بارے میں حکم ہے کہ بطور کفارہ سٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے؛ مگر ایک شخص جب عہد روزہ توڑ کر آیا اور اس نے غلام آزاد کرنے اور روزہ رکھنے سے اپنی معذوری ظاہر کی تو حضور ﷺ نے اپنے پاس سے ان کو برائے صدقہ کھجور عنایت فرمایا، تب انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ مدینہ کے ان دو پہاڑیوں کے درمیان ہمارے گھرانے سے زیادہ اور کون محتاج و مسکین ہے، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

"اذْهَبْ وَأَطْعِمْ أَهْلَكَ"۔ (الذخيرة، الباب السادس في سبب الكفارة) ذبیحیل

لانیبری

جاد اپنے اہل و عیال کو کھلا دو۔ یہ اجازت عام اصول کے خلاف ہے؛ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کو استثنائی حکم دیا ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ سب از قبیل استحسان ہی تھا؛ کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ مستقل شارع تھے، ان کا قول و عمل تو خود اپنی جگہ نص اور حجت شرعیہ ہے، زیادہ سے زیادہ اسے استحسان شارع کہا جاسکتا ہے؛ تاہم اسے ائمہ مجتہدین کی اصطلاح استحسان سے کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ میں ان مثالوں کی روشنی میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ ائمہ مجتہدین کی اصطلاح میں جسے استحسان کہا جاتا ہے، اس طریق استدلال کا وجود شارع علیہ السلام سے بھی ثابت ہے۔ (فقہ امام مالک)

حضرات صحابہ سے استحسان پر عمل کے نظائر

حضرات صحابہ سے بھی استحسان پر عمل کرنا ثابت ہے، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں ذکر کی جاتی ہیں، مثلاً:

(۱) عورت کا انتقال ہو جائے اور اس کے ورثا یہ ہوں: شوہر، ماں، دو اخیانی بھائی اور دو سگے بھائی کہ اس صورت میں شوہر، ماں اور اخیانی بھائی تو ورثاء ہیں جو اصحاب فرائض کہے جاتے ہیں، یعنی شریعت میں ان کے حصص مقرر و متعین ہیں؛ لیکن میت کے سگے بھائی عصبات کے قبیل سے ہیں اور عم میراث کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اصحاب فرائض سے جو بچ کر رہ جاتا ہے وہ عصبات کو ملتا ہے؛ لہذا اس صورت میں قیاس کی رو سے اخیانی بھائیوں کو تو ترکہ ملے گا، مگر میت کے سگے بھائیوں کو کچھ بھی نہیں مل سکے گا، کیونکہ شوہر کو نصف حصہ ملے گا، ماں کو چھٹا اور اخیانی بھائیوں کو ثلث ملے گا، اس کے بعد کچھ بچتا ہی نہیں کہ میت کے سگے بھائیوں کو عصبات میں سے ہونے کی وجہ سے ملے؛ پس یہ عجیب و غریب پیچیدگی واقع ہوگئی کہ میت کے سگے بھائی تو محروم ہو جائیں اور اخیانی بھائی ترکہ پالیں، بعض صحابہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے اور حنفی و حنبلی اجتہادات میں بھی یہی ہے؛ لیکن حضرت عمرؓ اور دوسرے صحابہ کے نزدیک از روئے استحسان اس کا حکم دوسرا ہے، یہ حضرات میت کے سارے بھائیوں کو خواہ اخیانی ہوں یا سگے، سب کو ثلث میں شریک قرار دیتے ہیں؛ کیونکہ یہ سارے بھائی ایک ماں کی اولاد تو ہیں؛ اگر چہ ان کے باپ الگ الگ ہیں، حضرت عمرؓ نے استحسان کا یہ طریقہ انصاف قائم کرنے اور حرج کے دفع کرنے کی خاطر اختیار کیا ہے اور فقہ مالکی اور فقہ شافعی میں بھی اس صورت حال کا یہی حکم ہے۔

یہ صورت حال فرضی نہیں ہے، بلکہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ فی الواقع یہی نوعیت پیش آگئی؛ چنانچہ جب واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے پیش ہوا تو اولاً حضرت عمرؓ نے اسی رائے کا اظہار فرمایا کہ ماں کی جانب سے میت کے اخیانی بھائیوں کا حصہ ثلث ہوگا، کیونکہ وہ اصحاب فرائض میں سے ہیں، یہ سن کر میت کے سگے بھائیوں نے جو عصبات میں سے تھے، ور حصہ پانے سے محروم ہو جا رہے تھے، حضرت عمرؓ سے کہا کہ ہٹائیے ہمارے باپ کو اور کچھ لیجئے کہ ہمارا باپ کوئی گدھا تھا؛ لیکن کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم چاروں ایک ہی ماں کی اولاد ہیں، یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنی پہلی رائے سے رجوع فرمائے اور میت کے چاروں بھائیوں کو ثلث میں شریک قرار دینے کا فیصلہ فرمایا۔ (المحرر المحیط، الاحکام للامام مالک)

(۲) قرآن کی نص صریح مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف موقوفہ القلوب کو بھی قرار دیتی ہے۔ یعنی فوسموس کی تالیف قلب یا کافروس کے فساد و شر سے بچنے کے لیے انہیں بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس حسب دستور اپنے حصے کا مطالبہ کرنے آئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق حکم نامہ لکھ دیا، یہی لوگ پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس حکم نامہ کو موکد کرنے کے لیے گئے تو حضرت عمرؓ نے اس پر دستخط نہیں کیا اور انہیں کچھ دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"هذا الشی کان النبی ﷺ یعطیکموا تالیفا لکم علی الاسلام والآن قد اعز اللہ

الاسلام واغنی عنکم فان بقیتہ علی الاسلام والابینا و بینکم السیف"

یہ وہ چیز تھی جو رسول اللہ ﷺ تم کو اسلام پر جانے کے لیے دیا کرتے تھے اب اللہ نے اسلام کو غلبہ و شوکت دیکر تمہارا ہتھیار نہیں رکھا، اب اگر اسلام پر ثابت قدم رہے تو فیہا؛ ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کن ہوگی۔ اور یہی استحسان ہے۔ (فقہ اسلامی اصول خدمات اور تقاضے)

(۳) سرقہ، ورنہ زنا کی سزا ایک حکم کلی کی شکل میں قرآن پاک میں موجود ہے، ایک مرتبہ یمن کے باشندوں نے مقام حرہ میں قیام کیا اور ان کے ساتھ رفقاء سفر میں سے ایک شادی شدہ عورت بھی تھی، وہ لوگ اس کے ساتھ بدکاری کرتے رہے، پھر اسے چھوڑ کر چل پڑے، یہ عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور اپنا واقعہ سناتے ہوئے یہ کہا کہ میں مسکینہ اور محتاج تھی، ہمارے رفقاء سفر ہمارا خیال نہیں کرتے تھے اور میرے پاس اپنے نفس کے سوا کچھ نہیں تھا، میں اپنی عزت کو ان سے مادی فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے کھوتی رہی، حضرت عمرؓ اس کے رفقاء کو بدکار تحقیق حال کیا اور جب لوگوں نے اس عورت کی محتاجی اور مسکینی کی تصدیق کر دی تو حضرت عمرؓ نے اسے زنا کی آئینی سزا سے بری فرما دیا۔ (چراغ راہ)

(۴) حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رسول ﷺ کے ایک غلام نے قبیہ مزینہ کے ایک شخص کا اونٹ چرا کر ذبح کر دیا، معہ حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچا اور ضابطہ کے تحت قطع ید کا فیصلہ ان کے حق میں کیا؛ لیکن فوراً اس فیصلہ سے عدو کرتے ہوئے حاطب بن ابی بلتعہ سے دریافت کیا کہ میرا خیال ہے کہ تم ان غلاموں کو بھوکا رکھتے ہو جس سے مجبور ہو کر یہ لوگ وہ کام کر گزرے جسے اللہ نے حرام کر رکھا ہے، یہ فرما کر حضرت عمرؓ اونٹ کے مالک کو اس کی قیمت لینے پر راضی کر لیا، ان دنوں واقعہ میں ایک حکم کلی سے ہٹ کر حضرت عمرؓ نے ایک استثنائی فیصلہ فرمایا ہے اور یہی فیصلہ ان مخصوص احوال و ظروف کے اعتبار سے حسن اور مقصد شریعت کے عین مطابق اور جرم و سزا میں توازن و اعتدال کا مظہر تھا۔ (قرطبی، المغنی)

فقہی عبارات سے استحسان کی نظر کا بیان

فقہاء کی عبارتوں میں بھی استحسان کی مثالیں جا بجا ملتی ہیں، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں: از روئے قیاس پھر ڈکھانے

والے پرندوں کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہیے؛ کیونکہ پھاڑ کھانے والے چوپایوں کا جھوٹا ناپاک ہے تو جس طرح درندے چوپایوں کا جھوٹا ناپاک ہے اسی طرح پھاڑ کھانے والے پرندوں کا جھوٹا بھی ناپاک ہونا چاہیے، مگر استحساناً ایسے پرندوں کا جھوٹا ناپاک مگر مکروہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ درندے نجس العین نہیں ہیں ان میں نجاست محض گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے ہے، ہند پانی کی نجاست کا حکم بھی اسی جگہ لگایا جائے گا جہاں پانی سے (ان کے گوشت سے پیدا شدہ) لعاب اور رطوبت کا امتزاج پایا جائے اور پھاڑ کھانے والے پرندوں میں یہ امتزاج نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ اپنی چونچ سے پانی لیکر حق میں ڈالتے ہیں اور ان کی چونچ ایک پاک ہڈی ہے ان کے پانی میں پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے، اہبت کراہت اس معنی کرباتی رہے گی مگر عموماً ایسے چانوروں کی چونچ میں خارجی نجاست لگی رہتی ہے، اس مسئلہ میں قیاس کی دلیل اگر چہ ظاہر نظر میں بہت مضبوط ہے، لیکن وہ استحسان کو ترجیح حاصل ہے۔

سواری پر چلتے ہوئے نماز جنازہ کے متعلق اگر قیاس پر نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ نماز جنازہ سواری پر جائز ہونی چاہیے؛ اس لیے کہ وہ اصل نماز نہیں؛ بلکہ دعا ہے اور دعا ہر حالت میں جائز ہے، اس کے لیے سواری یا پیدل کو کوئی قید نہیں ہے، اس کے برخلاف استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ سواری کی حالت میں نماز جنازہ نہ ہو، اس لیے کہ نماز جنازہ میں تکبیر تحریمہ وغیرہ پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی حیثیت نماز کی سی ہے، لہذا اس پر فرض نماز کے احکامات جاری کرنے چاہئیں اور بلا عذر سواری پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے، اس مسئلہ میں بھی استحسان قیاس کے مقابلہ میں قوی ہے؛ لہذا استحسان ہی کو ترجیح دی گئی ہے۔

اگر کسی شخص پر زکوٰۃ واجب تھی پھر اس نے زکوٰۃ کی نیت کئے بغیر سارا مال صدقہ کر دیا تو یہاں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ بھی جائے اور اس پر ادائیگی کا فرض بدستور باقی رہے، کیونکہ صدقہ نفل اور فرض دونوں طرح سے کیا جاتا ہے، ان میں امتیاز کے لیے فرض کی نیت متعین طور پر کرنا ضروری ہے جو یہاں نہیں پایا گیا، جب کہ استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ سارا مال صدقہ کر دینے کی وجہ سے اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم ساقط ہو جائے، اس لیے کہ تعین کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں کوئی چیز متعین کئے بغیر متعین نہ ہو سکے، یہاں ایسا نہیں ہے؛ بلکہ کل مال کا ایک حصہ ہی یہاں واجب تھا جو یقینی طور پر صدقہ کر دیا گیا، اب کچھ بچ ہی نہیں کہ اسے متعین کیا جاسکے؛ اس لیے بلا تعین کے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(اقضیہ عمر بن خطاب لعبد العزیز الہلودی، ص ۱۱۰)

استحسان ہی کے قیاس سے قرض کا مسئلہ ہے کہ اسے رہا میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہونا چاہیے، کیونکہ قرض میں ایک وقت معینہ پر روپیہ کاروبار سے تبادلہ ہوتا ہے اور مستقر قرض اس کے ذریعہ فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ بھی تو رہا ہے، لیکن استحسان کی وجہ سے اسے مباح قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ قرض دینے میں باہمی رواداری اور ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے یہاں پر بھی قیاس و ترک کر کے استحسان پر عمل کیا گیا ہے۔

اسی طرح قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کے موضع ستر کو نہیں دیکھنا چاہیے؛ خواہ علاج ہی کی ضرورت کیوں نہ ہو؛ کیونکہ یہ

شریعت کا عام قاعدہ ہے کہ موضع ستر کا دیکھنا اور چھونا حرام ہے، لیکن علاج کی غرض سے اس کو احتساباً جائز قرار دیا گیا ہے۔

(فقہ اسلامی اصول خدمات اور تقاضے)

خلاصہ یہ ہے کہ امتحان اولہ اربعہ سے بالکلید الگ کوئی خاص دلیل نہیں ہے، بلکہ انہی میں سے بعض کو بعض پر ترجیح اور بعض کو بعض سے مستثنیٰ اور دلائل میں باہمی تطبیق اور سمجھوں کے مناسب محل کو تجویز کرتے ہوئے حکم مرجوح و تنجیح سے بچ کر حکم راجح و احسن کو اختیار کرنے کی کوشش کرنے کا نام امتحان ہے؛ اس طرح امتحان کا ثمرہ دراصل اتباع حسن اور اجتناب عن الفح نکلتا ہے، جس کے مستحسن ہونے؛ بلکہ مامور بہ ہونے سے انکار کرنا مشکل ہے۔

امتحان کے صفت واقع ہونے کا بیان

یہ گمان نہ ہو کہ امتحان شرعی ایسے مامور بہ کی صفت ہوگا جس پر دلائل اربعہ میں سے صراحتہ کوئی دلیل وارد ہوگی بلکہ امتحان ہر اس مامور بہ کی صفت بن سکتا ہے خواہ صراحتہ اس پر امر وارد ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سیاس پر سند ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ)

بعض لغو قسموں کا بیان

روانی کلام میں انسان کے منہ سے بغیر قصد کے جو قسمیں عادیہ نکل جائیں وہ لغو قسمیں ہیں۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے، مذاق میں قسم کھا بیٹھنا، اللہ کی نافرمانی کے کرنے پر قسم کھا بیٹھنا، زیادتی گمان کی بنا پر قسم کھا بیٹھنا بھی اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ غصے و رعب میں، نسیان اور بھول چوک سے کھانے پینے پینے اوڑھنے کی چیزوں میں قسم کھا بیٹھنا مراد ہے، اس قوم کی دلیل میں آیت (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَبِخَ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ) (5)۔ (امائدہ 87) کو پیش کیا جاتا ہے، بالکل صحیح بات یہ ہے کہ لغو قسموں سے مراد بغیر قصد کی قسمیں ہیں اور اس کی دلیل (ولکس یواحد کم بما عقدتم الايمان ہے یعنی جو قسمیں بالقصد اور بالعزم ہوں ان پر گرفت ہے اور ان پر کفارہ ہے۔

بَابُ مَا يَكُونُ يَمِينًا وَمَا لَا يَكُونُ يَمِينًا

﴿یہ باب کسی لفظ کے قسم ہونے یا نہ ہونے کے بیان میں ہے﴾

باب قسم ہونے یا نہ ہونے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب قسموں کی اقسام سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے ان الفاظ کو بیان کرنا شروع کیا ہے جن سے وقوع قسم کا اعتبار کیا جائے گا یا جن سے وقوع قسم کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔ لہذا ان الفاظ کے بیان میں اس باب کو بیان کیا ہے۔ (عناوین شرح الہدایہ، ج ۶، ص ۴۵۹، بیروت)

مصنف علیہ الرحمہ نے قسم کی تعریف و اقسام کو بیان کرنے کے بعد اس باب کو منتخب کیا ہے کیونکہ الفاظ اظہار کا سبب ہوتے ہیں اور اس میں قسم کے احکام کو بیان کیا جا رہا ہے۔ جبکہ تعریف و اقسام ہمیشہ احکام و انواع سے مقدم ہوا کرتے ہیں۔

اللہ کے نام کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ: (وَالْيَمِينُ بِاللَّهِ تَعَالَى أَوْ بِاسْمِ آخَرٍ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى كَمَا لَرَحْمَنِ وَالرَّحِيمِ أَوْ بِصِفَةٍ مِنْ صِفَاتِهِ الَّتِي يُحْلَفُ بِهَا عَزْمًا كَعِزَّةِ اللَّهِ وَجَلَالِهِ وَكِبَرِيَّاتِهِ) لِأَنَّ الْحَلْفَ بِهَا مُتَعَارَفٌ، وَمَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْقُوَّةُ حَاصِلٌ؛ لِأَنَّهُ يَتَعَدَّدُ تَعْظِيمَ اللَّهِ وَصِفَاتِهِ فَصَلَحَ ذِكْرُهُ حَامِلًا وَمَانِعًا.

ترجمہ

فرمایا: جس شخص نے لفظ اللہ یا اس کے دوسرے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ قسم کھائی جس طرح الرحمن، الرحیم یا اس کے صفاتی اسماء میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جس کی معاشرے میں قسم کھائی جاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی عزت، اس کے جلال اور اس کی بڑائی کی قسم اٹھانا ہے۔ کیونکہ قسم ان کے ساتھ معروف ہے۔ اور قسم کا معنی یہ ہے کلام میں قوت حاصل ہو۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی تعظیم کا اعتقاد کیا جاتا ہے۔ لہذا اس کا ذکر اس کا ارادہ کرانے والا یا روکنے والا ہوگا۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ عزوجل کے جتنے نام ہیں ان میں سے جس نام کے ساتھ قسم کھائے گا قسم ہو جائیگی خواہ بول چال میں اس نام کے ساتھ قسم کھاتے ہوں یا نہیں۔ مثلاً اللہ (عزوجل) کی قسم، خدا کی قسم، رحمن کی قسم، رحیم کی قسم، پروردگار کی قسم۔ یونہی خدا کی جس صفت کی قسم کھائی جاتی ہو۔ اس کی قسم کھائی ہوگی مثلاً خدا کی عزت و جلال کی قسم،

اس کی کبریائی کی قسم، اس کی بزرگی یا بڑائی کی قسم، اس کی عظمت کی قسم، اس کی قدرت و قوت کی قسم، قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم، ان الفاظ سے بھی قسم ہو جاتی ہے حلف کرتا ہوں، قسم کھاتا ہوں، میں شہادت دیتا ہوں، خدا گواہ ہے، خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں۔ مجھ پر قسم ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ میں یہ کام نہ کروں گا۔ اگر یہ کام کرے یا کیا ہو تو یہودی ہے یا نصرانی یا کافر یا کافروں کا شریک، مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔ بے ایمان مرے، کافر ہو کر مرے، اور یہ الفاظ بہت سخت ہیں کہ اگر جھوٹی قسم کھائی یا قسم توڑ دی تو بعض صورت میں کافر ہو جائے گا۔ جو شخص اس قسم کی جھوٹی قسم کھائے اس کی نسبت حدیث میں فرمایا: "وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۔" یعنی یہودی ہونے کی قسم کھائی تو یہودی ہو گیا۔ یونہی اگر کہا خدا جانتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کیا ہے اور یہ بات اس نے جھوٹ کہی ہے تو اکثر علماء کے نزدیک کافر ہے، درمختار، کتاب الایمان)

اللہ کے نام کے سوا کی قسم اٹھانے کی ممانعت

اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم اٹھانا منع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اپنے باپ دادا کی قسم نہ اٹھایا کرو۔ جو شخص قسم اٹھانا چاہے اسے اللہ ہی کی قسم اٹھانی چاہئے یا وہ خاموش رہے۔ (ترمذی، حدیث ۱۵۳۵)

اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے، جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک یا کفر کیا (ترمذی نے اسے حسن کہا ہے اور حاکم نے صحیح) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ جو شخص یوں کہے دالات والعزای (مجھے دلات وعزای کی قسم) اسے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا اقرار کرنا چاہئے۔ (صحیح ترمذی، کتاب السلور والإیمان، باب ما جاء فی کراهیة الحلف بغير ملة الإسلام۔ حدیث ۵۳۵)

قرآن مجید کی قسم اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے معافی کو سمیت خود صادر فرمایا ہے۔ کلام کرتا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ لہذا قرآن مجید کی قسم اللہ تعالیٰ کی صفت کی قسم ہے اور یہ جائز ہے۔

حالف کے قول علم اللہ کا بیان

قَالَ (إِلَّا قَوْلَهُ وَعِلْمُ اللَّهِ فَإِنَّهُ لَا يَكُونُ يَمِينًا) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ. وَلِأَنَّهُ يُذَكِّرُ وَيُرَادُّ بِهِ الْمَعْلُومُ، يُقَالُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ عِلْمَكَ فِينَا: أَيُّ مَعْلُومِكَ (وَلَوْ قَالَ وَعَصَبُ اللَّهِ وَسَخَطُهُ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا) وَكَذَا وَرَحْمَةُ اللَّهِ؛ لِأَنَّ الْحَلْفَ بِهَا غَيْرُ مُتَعَارِفٍ؛ وَلِأَنَّ الرَّحْمَةَ قَدْ يُرَادُّ بِهَا أَثَرُهُ. وَهُوَ الْمَطَرُ أَوْ الْجَنَّةُ وَالْغَضَبُ وَالسَّخَطُ يُرَادُّ بِهِمَا الْعُقُوبَةُ

ترجمہ

فرمایا اگر قسم کھانے والے کا قول "وعم اللہ" قسم نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ قسم کے طور پر معروف نہیں ہے۔ کیونکہ علم اللہ کو ذکر کر کے اس سے معلومات الہیہ مروی جاتی ہیں۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ اے اللہ ہمیں اپنے علم کے مطابق بخش دے۔ یعنی اپنی معلومات کے

مطابق معاف فرمادے۔ اور اگر کسی حلف نے غضب اللہ یا سخط اللہ کہا تو بھی وہ قسم اٹھانے والا نہ ہوگا۔ اور اسی طرح رحمۃ اللہ کہنے سے بھی قسم اٹھانے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ عرف میں ان الفاظ سے قسم نہیں اٹھائی جاتی۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ کبھی رحمت سے مراد اس کا اثر لیا جاتا ہے۔ اور وہ بارش ہے یا جنت ہے۔ جبکہ سخط و غضب سے مراد عقوبت لی جاتی ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ علم اللہ کو قسم نہ قرار دینا یہ اللہ کے صفاتی ناموں سے استثناء ہے لیکن اس میں قید یہ ہے کہ جب عرف میں اس کا قسم ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے۔ (فتح القدیر شرح الہدایہ، ج ۱۰، ص ۳۰۷، بیروت)

نبی یا کعبہ کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ لَمْ يَكُنْ حَالِفًا كَالنَّبِيِّ وَالْكَعْبَةِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ كَانَ مِنْكُمْ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَذَرَ) (وَكَذَا إِذَا حَلَفَ بِالْقُرْآنِ) لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ، قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: مَعْنَاهُ أَنْ يَقُولَ وَالنَّبِيَّ وَالْقُرْآنَ، أَمَا لَوْ قَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْهُمَا يَكُونُ يَمِينًا؛ لِأَنَّ التَّبَرُّيَ مِنْهُمَا كُفْرٌ. قَالَ (وَالْحَلْفُ بِحُرُوفِ الْقَسَمِ، وَحُرُوفُ الْقَسَمِ الْوَاوُ كَقَوْلِهِ وَاللَّهِ وَالنَّاءُ كَقَوْلِهِ تَاللَّهِ) لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مَعْنَاهُ الْإِيمَانُ وَمَذْكُورٌ فِي الْقُرْآنِ

ترجمہ

جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم اٹھائی جس طرح کسی نے نبی یا کعبہ کی قسم اٹھائی ہو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم میں سے جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔ اور اسی طرح جب کسی نے قرآن کی قسم اٹھائی۔ (تب بھی قسم اٹھانے والا نہ ہوگا) کیونکہ قرآن سے قسم اٹھانا عرف میں معروف نہیں ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قسم اٹھانے والا والنبی والقرآن کہے مگر جب حالف نے اس طرح کہا کہ میں نبی اور قرآن سے بری ہوں تو یہ یمن بن جائے گی کیونکہ نبی (علیہ السلام) اور قرآن سے برأت کا اظہار کفر ہے۔

فرمایا: حرف قسم سے بھی قسم اٹھائی جاتی ہے اور حروف قسمیہ میں سے واو ہے۔ جس طرح کسی حالف نے واللہ کہا اور باء بھی حرف قسم ہے جیسے کسی نے باللہ کہا اور تاء بھی حروف قسمیہ میں سے ہے جیسے کسی نے تاللہ کہا۔ کیونکہ یہ ان تمام میں سے ہر ایک قسم کیلئے مقرر ہے اور قرآن میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ غیر خدا کی قسم قسم نہیں مثلاً تمہاری قسم، اپنی قسم، تمہاری جان کی قسم، اپنی جان کی قسم، تمہارے

سر کی قسم، اپنے سر کی قسم، آنکھوں کی قسم، جوانی کی قسم، ماں باپ کی قسم، اولاد کی قسم، مذہب کی قسم، دین کی قسم، علم کی قسم، کعبہ کی قسم، عرش الہی کی قسم، رسول اللہ کی قسم۔ خدا و رسول کی قسم یہ کام نہ کروں گا یہ قسم نہیں۔ اگر کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ یہ کام نہ کروں گا اور واقع میں قسم کھائی ہے تو قسم ہے اور جھوٹ کہا تو قسم نہیں جھوٹ بولنے کا گناہ ہوا۔ اور اگر کہا خدا کی قسم کہ اس سے بڑھ کر کوئی قسم نہیں یا اس کے نام سے بزرگ کوئی نام نہیں یا اس سے بڑھ کر کوئی نہیں میں اس کام کو نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی اور درمیان کا لفظ فاصل قرار نہ دیا جائیگا۔ (فتاویٰ ہندی، کتاب الایمان)

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ تم اپنے باپوں کی قسم کھاؤ! جس شخص کو قسم کھانا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا چپ رہے۔

(بخاری و مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 591، مسلم)

باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے، اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھا کرو۔ بطور خاص "باپ" کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں نیز عبد اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت و جلالت کے سبب چونکہ قسم اسی ذات کے ساتھ مختص ہے، اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے، چنانچہ حضرت ابن عباس کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں، اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کھوں۔ ہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا سوال ہے تو اس کو سزاوار ہے کہ وہ اپنی عظمت و جلالت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔

اس حدیث کے ضمن میں ایک اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں منقول ہوا ہے (اے ابیہ) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باپ کی قسم کھائی جب کہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہوگا۔ اس صورت میں دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا، یا پھر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باپ کی قسم قصداً نہ کھائی ہوگی بلکہ قسم کہ یہ الفاظ قدیم عادت کی بناء پر اظہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گئے ہوں گے۔

حضرت عبدالرحمن ابن سمرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہ جنوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ"۔ (مسلم)

ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ جنوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو توبہ سے اسلام کے بعد اس سے منع فرمایا کہ وہ اس بارے میں احتیاط رکھیں اور قدیم عادت کی بناء پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ

چڑھیں۔

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قسم کھائے اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کرے "میں لات وعزئی کی قسم کھاتا ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔ اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ ہم دونوں جو اٹھیں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ و خیرات کرے۔" (بخاری و مسلم)

"وہ لا الہ الا اللہ کہے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات وعزئی کے نام کسی نو مسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

آیت (فان الحسنات یلھین السیئات۔) (بلاشبہ نیکیاں، برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔)

پس اس صورت میں غفلت و سہو سے توبہ ہو جائے گی۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات وعزئی کے نام ان جنوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں گے تو یہ صراحتاً ارتداد اور کفر ہے لہذا اس کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھے اس صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔

"صدقہ و خیرات کرے" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جو اٹھنے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے، لہذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس مال کے ذریعہ جو اٹھنے کا ارادہ کیا تھا اسی مال کو صدقہ و خیرات کر دے اس سے معلوم ہوا کہ جب شخص جو اٹھنے کی دعوت دینے کا کفارہ یہ ہے کہ صدقہ و خیرات کرنے چاہئے تو یہ شخص واقعتاً کھیلے گا تو اس کا کیا حشر ہوگا۔

قرآن کی قسم اٹھانے کا بیان

قرآن مجید کی قسم شرعاً قسم ہے، فی الدر المختار قال الکمال لا یخفی ان الحلف بالقرآن

الان متعارف فیکون یمینا۔

در مختار میں ہے کہ کمال نے فرمایا کہ غفلت نہ رہے کہ آجکل قرآن پاک کی قسم متعارف ہو چکی ہے لہذا یہ قسم قرار پائیگی

اسی میں ہے: الا یمان مبنیۃ علی العرف فما تعارف الحلف بہ فیمین وما لا فلا۔

قسموں کی بناء عرف پر ہے، تو عرف میں جس چیز کی قسم متعارف ہو جائے وہ قسم قرار پائے گی، اور جو متعارف نہ ہو قسم نہ ہوگی۔

(الدر المختار، کتاب الایمان، مطبع مجتہانی دہلی)

حرف قسم کے اخفاء کا بیان

(وَقَدْ يُضْمَرُ الْحَرْفُ فَيَكُونُ حَالِفًا كَقَوْلِهِ اللَّهُ لَا أَفْعَلُ كَذَا) لِأَنَّ حَذْفَ الْحَرْفِ مِنْ

عَادَةِ الْعَرَبِ إِيحَازًا، ثُمَّ قِيلَ يُنْصَبُ لِانْتِزَاعِ الْحَرْفِ الْخَافِضِ، وَقِيلَ يُخَفَضُ فَتَكُونُ

الْكُسْرَةُ دَالَةٌ عَلَى الْمَحْذُوفِ ، وَكَذَا إِذَا قَالَ لِلَّهِ فِي الْمُخْتَارِ لِأَنَّ الْبَاءَ تُدَلُّ بِهَا ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (آمَنْتُمْ لَهُ) . أَيْ آمَنْتُمْ بِهِ .

وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ : إِذَا قَالَ وَحَقَّ اللَّهُ فَلَيْسَ بِحَالِفٍ ، وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَإِحْدَى الرُّوَايَتَيْنِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى .

وَعَنْهُ رِوَايَةٌ أُخْرَى أَنَّهُ يَكُونُ يَمِينًا لِأَنَّ الْحَقَّ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ حَقِيقَتُهُ فَصَارَ كَمَا أَنَّهُ قَالَ وَاللَّهُ الْحَقُّ وَالْحَلِفُ بِهِ مُتَعَارَفٌ . وَلَهُمَا أَنَّهُ يُرَادُ بِهِ طَاعَةُ اللَّهِ تَعَالَى ، إِذِ الطَّاعَاتُ حُقُوقُهُ فَيَكُونُ حَلِيفًا بغيرِ اللَّهِ ، قَالُوا : وَلَوْ قَالَ وَالْحَقُّ يَكُونُ يَمِينًا ، وَلَوْ قَالَ حَقًّا لَا يَكُونُ يَمِينًا ، لِأَنَّ الْحَقَّ مِنْ أَسْمَاءِ اللَّهِ تَعَالَى ، وَالْمُنْكَرُ يُرَادُ بِهِ تَحْقِيقُ الْوَعْدِ .

ترجمہ

اور کبھی حرف قسم پوشیدہ ہوتا ہے اور حالف ہی مضمر بن جاتا ہے۔ جس طرح کسی حالف نے کہا "اللہ لا اَفْعَلُ شَکْذَا" کیونکہ اختصار کے پیش نظر حرف قسم کو حذف کرنا اہل عرب کی عادت ہے۔ اس کے بعد یہ کہا کہ حرف قسم کے مدخل کو حرف جر کے گرانے کے سبب نصب دیا جائے گا۔ جبکہ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اس کو جردی جائے گی۔ تاکہ کسرہ حرف حذف پر دلالت کرے۔ اور مختار قول کے مطابق جب کسی نے نذ کہہ تو یہ بھی قسم ہوگی۔ کیونکہ یہاں باء کولم کے عوض میں لایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "جو" کے معنی میں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اور جب کسی نے حق اللہ کہا تو وہ قسم اٹھانے والا نہ ہوگا اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دو روایات میں سے ایک روایت کے مطابق یہ قسم ہوگی جبکہ دوسری روایت کے مطابق یہ قسم نہ ہوگی۔ کیونکہ حق اللہ کی صفات میں سے ہے اور وہ اس کا حق ہوتا ہے لہذا وہ اس طرح ہو گیا جس طرح کسی نے کہا واللہ الحق اور اس لفظ سے قسم کھانا عرف میں عام ہے۔

جبکہ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ لفظ حق سے اللہ کی اطاعت مفہوم ہے کیونکہ اطاعات اللہ کے حقوق میں سے ہیں۔ پس یہ غیر اللہ کی قسم ہو جائے گی اور مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب اس نے والحق کہا تو یہ یحیٰ بن ہو جائے گی اور جب اس نے حقا کہا ہے تو یحیٰ بن نہ ہوگی کیونکہ حق اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے اور نکرہ ہے اور نکرہ سے مراد وعدہ مکمل کرنا ہے۔

غیر صریح اور مضمر قسموں کی بعض اقسام کا بیان

غیر صریح اور مضمر قسم "بھی مزید دوسروں میں تقسیم ہوتی ہے۔

اول:

وہ قسم ہے، جس پر "حرف لام" دلالت کرتا ہے، یہ "لام" یا تو حرف شرط "اِنْ" پر داخل ہوتا ہے، یا "لَنْ" پر اور یا اس فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے، جو نوں تاکید ثقیلہ کے ساتھ ہو، مفترین تمام اس طرح کے موارد میں "قسم" کو مقدر جانتے ہیں، جیسے۔

(لَنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَنْ قُوْلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ...) (حشر، ۱۲)

(منافقین، مدینہ کے اہل کتاب سے اظہار ہمدردی اور ہمدلی کرتے ہوئے کہتے تھے، اگر تمہیں شہر سے نکالا گیا، تو ہم بھی تمہارے ساتھ شہر سے نکل جائیں گے، اور اگر تمہارے ساتھ جنگ کی گئی تو ہم بھی تمہاری نصرت میں جنگ کریں گے اور تمہاری مدد کریں۔) قرآن کریم نے فرمایا: "وہ اگر نکال بھی دیئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ہرگز ان کی مدد نہ کریں گے۔" (لَتَلْبُوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ) (آل عمران ۱۸۶)

"یقیناً تم کو اس کے ذریعہ آزمایا جائے گا" اور (وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ) (البقرہ، ۱۰۲) "اور وہ یقیناً جانتے تھے کہ جو کوئی بھی یہ معاملہ کرے گا، اس کا آخرت میں اصل کوئی حصہ نہ ہوگا۔"

ان تمام آیات سے قسم (مقسم یہ) حذف ہوئی ہے، اور "وَاللّٰہ" تقدیراً موجود ہے، اور یہ لام جو کبھی حرف شرط "اِنْ" پر داخل ہوتا ہے، جیسے: "لَنْ" اس کو "لام مؤظفہ یا لام مؤذنہ" کہتے ہیں، کیونکہ یہ لام، سننے والے کو جواب قسم کیلئے آمادہ و تیار کرتا ہے یا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس کے بعد آنے والا کلام، جواب قسم ہے، نہ کہ جواب شرط و جزاء، اور اس لام کی وجہ سے جواب قسم، جواب شرط (جزاء) سے مشتبہ نہیں ہوتا ہے۔

"محقق سید رضی الدین استرآبادی" بیان کرتے ہیں۔

"جس جگہ بھی قسم حذف ہو اور اسے مقدر قرار دیا گیا ہو، وہاں یہ "لام" "جس کو" لام مؤظفہ" کہتے ہیں، لایا جاتا ہے تاکہ قسم کے مقدر رہنے پر دلالت کرے، اور یہ بتائے کہ یہ جواب، جواب قسم ہے نہ کہ مذکورہ شرط کا جواب، اور یہ "لام" وہی "لام" تاکید ہے۔

کہ جو نوں تاکید ثقیلہ کی طرح جواب قسم پر آتا ہے، اور کیونکہ یہ دونوں تاکید کا فائدہ دیتے ہیں، اسی طرح کی تاکید، جس کا قسم بھی فائدہ دیتی ہے، البتہ کبھی یہ "لام مؤظفہ" بھی نہیں لایا جاتا، اس کے باوجود بھی قسم مقدر رہتی ہے، جیسے:

(وَإِنْ أَطَعْتُمُوْهُمْ اَتَكْفُرُوْنَ) (الانعام ۱۲۱)

"اور اگر تم لوگوں نے ان کی اطاعت کر لی تو تمہارا شمار بھی مشرکین میں ہو جائے گا" اس آیت میں اگرچہ حرف شرط "اِنْ" پر "لام مؤظفہ" نہیں آیا ہے، پھر بھی قسم تقدیراً موجود ہے۔ (شرح الرضی علی الکافیۃ، ج ۲، ص ۳۳۸ تا ۳۴۰)

ابن ہشام بھی اس آیت:

(وَإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَكُمُ الْعَذَابُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ بِكُمْ عَذَابٌ كَافٍ) (مائیدہ ۷۳)

"اگر وہ اپنی اس گفتار (خداؤں کی تائید) سے باز نہ آئے تو ان میں سے کفر اختیار کرنے والوں کو دردناک عذاب آئے گا" کے مورد میں یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ یہ جواب، جواب قسم کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے، اگرچہ حرف شرط پر "لام مؤطّئہ" نہیں آیا ہے۔ (عبداللہ ابن یوسف الانصاری، معروف بہ ابن ہشام، مُفْهِمُ السَّبَبِ عَنْ كُتُبِ الْأَعْلَانِ، ج ۲، بیروت، دار احیاء التراث العربی، بدون تاریخ، ص ۱۲۳)

سوال یہ ہے کہ کیوں مفسرین نے "لام مؤطّئہ" کے ساتھ "قسم" کو معذّر جانا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کی چند آیات میں "قسم" کھانے کی بات ہوئی ہے، اور اس "لام مؤطّئہ" سے پہلے، خود فعل قسم یا اس کا کوئی قائم مقام فعل ذکر نہیں ہوا ہے، جیسے:

(وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ فِدْيَةٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنَ الْإِحْدَى الْأُمَمِ)

(فاطر ۲۲)

"مشرکین عرب نے اللہ کی محکم اور پختہ قسم کھائی کہ اگر اللہ کی طرف سے ان کی ہدایت کے لئے ذرانے والا کوئی پیغمبر آیا، تو وہ یہود و نصاریٰ کی امتوں میں سے ہر ایک سے بہتر ہدایت پائیں گے۔"

یہ آیت اور اس کی مانند دیگر آیات میں جملہ "لَئِنْ جَاءَتْهُمْ" یا اس کی مانند کوئی اور جملہ، اس بات پر گواہ ہے کہ یہی جملہ وہ قسم ہے، جس کو انہوں نے قسم کے طور پر کھایا ہے۔

دوم:

غیر صریح قسم کی دوسری نوع، وہ قسم ہے کہ جو فعل قسم سے مشابہ الفاظ کے ساتھ کھائی جاتی ہے، اور یہ الفاظ خواہ اسماء ہوں یا افعال، فعل قسم کے قائم مقام قرار پاتے ہیں، نحوی اصطلاح میں ان الفاظ کو، جن کے ذریعہ قسم کھائی جاتی ہے، فعل قسم کہتے ہیں، اگرچہ حقیقت میں یہ الفاظ ہمیشہ فعل نہیں ہوتے، بلکہ کبھی اسم ہوتے ہیں اور کبھی فعل، لیکن کیونکہ زیادہ تر فعل ہوتے ہیں، اس لئے غالب حکم کو جاری کیا گیا ہے۔

(الْقَسَمُ فِي اللُّغَةِ وَفِي الْقُرْآنِ، الطبعة الأولى، بیروت، دار الغرب الاسلامی، ۱۹۹۹ء، ص ۳۵)

قرآن کریم میں بھی بہت سے الفاظ (اسماء اور افعال) صریح فعل قسم کی جگہ ذکر ہوئے ہیں، اور خود جواب قسم کے علاوہ کوئی اور چیز، اس بات پر دلیل نہیں ہے، کہ یہاں قسم موجود ہے، اور یہ الفاظ، فعل قسم کا قائم مقام قرار پائے ہیں، اگرچہ یہ احتمال بھی دیا جاسکتا ہے کہ یہاں فعل قسم معذّر ہو، اور یہ الفاظ، اس فعل قسم کے حذف ہونے پر قرینہ ہوں، لیکن کسی چیز کا حذف ہونا، اصل کے

خلاف ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ انہی موجود الفاظ کو فعل قسم سے مشابہ اور قسم پر دلالت کرنے والا قرار دیں۔

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ "اس طرح کی غیر صریح قسموں کو، ایسی قسم سے تعبیر کرتے ہیں کہ خود جس کا معنی، اس کے قسم دینے پر دلالت کرے، جیسے: (وَإِنْ مِنْكُمْ رَجُلٌ وَارِدُهَا) (مریم، ۷۱)

اور تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے، جو محکم میں داخل نہ ہو) اور اس سے عبور نہ کرے اور کیونکہ یہ کلام تاکید اور حصر پر دلالت کرتا ہے، اس لئے "وَاللّٰہِ" کو معذّر مانا گیا ہے۔ (جلال الدین عبد الرحمن سیوطی، الْإِشْفَانُ فِي عُلُومِ الْقُرْآنِ، ج ۳، تحقیق: محمد ابو فضل ابراہیم، منشورات الشریف الرضی، پیدار عزیزی، ص ۵۶)

وہ الفاظ جو "قسم" کا قائم مقام قرار پاتے ہیں، ان میں سے بعض، کافی زیادہ استعمال ہوتے ہیں اور اس لحاظ سے صریح فعل قسم کے نزدیک ہیں، اور بعض بہت ہی کم استعمال ہوتے ہیں، اور اس قلت کی وجہ سے اسلوب قسم سے شمار نہیں ہوتے ہیں، نیز ان الفاظ میں سے بعض، قرآن کریم اور اس کے غیر میں بھی استعمال ہوئے ہیں، اور بعض فقط قرآن کریم میں آئے ہیں، اور بعض صلا قرآن میں استعمال نہیں ہوئے ہیں، پس اس جہت سے یہ الفاظ، مختلف نوعیت کے حامل ہیں۔

(أَسْلُوبُ الْقَسَمِ وَاجْتِمَاعُهُ مَعَ الشَّرْطِ فِي رَحَابِ الْقُرْآنِ الْكَرِيمِ، ص ۱۶۶)

یہاں پر ہم فقط ان الفاظ کو، جو قرآن کریم میں "فعل قسم" کی جگہ استعمال ہوئے ہیں، بطور اختصار بیان کرتے ہیں: بعض تحقیق فعل "شہد" اور "عمر، یمن اور ابتلاء" کے الفاظ کو، فعل قسم سے مشابہ الفاظ میں شمار کرتے ہیں، اور ان مذکورہ الفاظ کو قسم کے معنی میں صریح نہیں جانتے ہیں، اور یہ بھی ان الفاظ کے اسلوب قسم میں قلت استعمال کی وجہ سے ہے، کیونکہ لفظ "عمر" فقط ایک بار سورہ حجر، آیت ۷۲ میں، اور اسی طرح لفظ "یمن" بھی ایک ہی بار سورہ قلم، آیت ۳۹ میں بطور مع (ایضاً) "قسم" کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں، اور لفظ "ابتلاء" کے ساتھ (فعل کی صورت میں) قرآن کریم میں دوبار استعمال ہوئی ہے۔

کسی چیز کی طرف حرام کی اضافت سے قسم کا بیان

عبد الرحمن بن علی زلیعی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جو شخص کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرے مثلاً کہے کہ فلاں چیز مجھ پر حرام ہے تو کہہ دینے سے وہ شے حرام نہیں ہوگی کہ اللہ (عز وجل) نے جس چیز کو حلال کیا اسے کون حرام کر سکے مگر اس کے برتنے سے کہہ لازم آئے گا یعنی یہ بھی قسم ہے۔ (تمییز الحقائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۴۷۲)

جب کسی نے کہا کہ حرام ہے اگر میں وہ گاڑی چلاؤں فقہاء کرام نے اس طرح کے جملہ کو قسم کے حکم میں شمار کیا ہے۔ آپ کے مطابقی انہوں نے یہ جملہ کہنے کے بعد گاڑی استعمال کر لی ہے جس کی وجہ سے ان کی قسم ٹوٹ گئی لہذا انہیں قسم کا کفارہ دینا ہوگا اور اس طرح کے الفاظ کہنے سے توبہ کرنی چاہئے۔ جیسا کہ علامہ فخر الدین عثمان بن علی زلیعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۴۴ھ) نے لکھا ہے۔

قال رحمه الله (ومن حرم ملكه لم يحرم) ای من حرم على نفسه شيئا مما يملكه بان يقول مالى على حرام او ثوبى او جاريتى فلانة او ركوب هذه الدابة لم يصير محرما عليه لذاته لانه قلب المشروع وتغييره ولا قدرة له على ذلك بل الله تعالى هو المتصرف فى ذلك بالتبديل قال رحمه الله (وان استباحه كفر) ای ان اقدم على ما حرمه يلزمه كفارة اليمين لانه يتعقد به يمينا فصار حراما لغيره .

(تبیین الحقائق، ج 3 کتاب الایمان ص 436)

قسم کا کفارہ شریعت میں ایک فدام آزاد کرنا، یا دس (10) مسکینوں کو صبح و شام پیٹ بھر کھانا کھلانا، یا صبح و شام یعنی پورے ایک دن کے کھانے کی قیمت دینا، یا دس (10) مسکینوں کو بدن ڈھکنے کے موافق متوسط لباس دینا ہے۔ اگر کوئی شخص ان تمام کفروں سے عاجز ہے تو اس کو چاہئے کہ تین دن پہ درپے روزہ رکھے۔ اگر روزوں کے درمیان بھی اس کو کہیں سے روپیہ مل جائے یا ملنے کی قوی امید ہو تو اس پر حسب تفصیل سابق تین چیزوں میں سے ایک چیز واجب ہے۔

رد المحتار علی الدر المختار کتاب الایمان ج 3 ص 26 میں ہے۔

(و كفارتہ تحرير رقبة او اطعام عشرة مساكين) كما مرفى الطهار (او كسوتهم بما يصلح للاساط ويتنفع به فوق ثلاثة اشهر . (يستر عامة البدن وان عجز عنها) كلها (وقت الاداء صام ثلاثة ايام ولاء والشرط استمرار العجز الى الفراغ من الصوم فلو صام المعسر يومين ثم قبل فراغه ولو بساعة (ايسر) ولو بموت مورثه موسرا (لا يجوز الصوم) ويستأنف بالمال . اور ج 2 باب الكفارة ص 895 میں ہے: اوقية ذلك وان غداهم وعشاهم جاز .

اللہ کی قسم یا حلف اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ أَقْسِمُ بِاللَّهِ أَوْ أَقْسِمُ بِاللَّهِ أَوْ أَحْلِفُ بِاللَّهِ أَوْ أَشْهَدُ بِاللَّهِ فَهُوَ خَالِفٌ) ؛ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَلْفَاظَ مُسْتَعْمَلَةً فِي الْحَلْفِ وَهَذِهِ الصِّيغَةُ لِلْحَالِ حَقِيقَةٌ وَتُسْتَعْمَلُ لِلِاسْتِقْبَالِ بِقَرِينَةٍ فَجُعِلَ خَالِفًا فِي الْحَالِ ، وَالشَّهَادَةُ يَمِينٌ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ) ثُمَّ قَالَ (اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً) وَالْحَلْفُ بِاللَّهِ هُوَ

الْمَعْهُودُ الْمَشْرُوعُ وَبِغَيْرِهِ مَحْظُورٌ فَصُرِفَ إِلَيْهِ . وَلِهَذَا قِيلَ لَا يَحْتَاجُ إِلَى النِّيَّةِ . وَقِيلَ لَا بُدَّ مِنْهَا لِأَخْتِمَالِ الْعِدَّةِ وَالْيَمِينِ بِغَيْرِ اللَّهِ .

ترجمہ

اور جب اس نے کہا کہ میں قسم اٹھاتا ہوں یا اس نے کہا کہ میں اللہ کی قسم اٹھاتا ہوں یا میں حلف اٹھاتا ہوں یا میں اللہ کا حلف اٹھاتا ہوں یا میں گواہی دیتا ہوں یا میں اللہ کے نام کی گواہی دیتا ہوں۔ تو قسم اٹھانے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ الفاظ قسم کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ صیغہ بطور حقیقت حال کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اور مستقبل کیلئے کسی قرینے کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ پس کہنے والے کو اس حالت میں حالف قرار دیں گے۔ اور شہادت قسم ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ منافقوں نے کہا: تم کو اسی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا۔ ان منافقوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے۔ اور اللہ کی قسم یہ مقرر و مشروع ہے جبکہ غیر اللہ کی قسم سے روکا گیا ہے۔ لہذا قسم کو اللہ کی قسم کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اسی دلیل کے پیش نظر یہ کہا گیا ہے کہ ان الفاظ میں نیت کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ جبکہ دوسرے کے مطابق نیت ضروری ہے کیونکہ اس میں وعدے اور غیر اللہ کی قسم کا احتمال ہے۔

شرح

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو میں اپنی قسم توڑ دوں گا۔ اور اس کا کفارہ ادا کر دوں گا اس طرح اس چیز کو اختیار کروں گا جو بہتر ہو۔" (بخاری و مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 593 مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کام کے بارے میں قسم کھاؤں کہ وہ کام نہ کروں گا مگر پھر سمجھوں کہ اس کام کو کرنا ہی بہتر ہے تو میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کروں گا اور اس کام کو کر لوں گا، اس مسئلہ کی مثالیں آگے آنے والی حدیث کی تشریح میں بیان ہوگی۔

اور حضرت عبدالرحمن ابن سرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن مجھ سے) فرمایا کہ "عبدالرحمن! سرداری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی طلب نہ کرو کہ مجھے خدا کا حاکم و سردار بنادیا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سرداری دی جائے گی تو تم اس سرداری کے سپرد کر دے گے اور اگر بغیر طلب کے کہیں سرداری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد ملے گی، نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف کرنا ہی اس قسم کو پوری کرنے سے بہتر ہے، تو تم اس قسم کا کفارہ دے دو اور وہی کام کرو جو بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ دے دو۔" (بخاری و مسلم)

"سرداری کی خواہش نہ کرو" کا مطلب یہ ہے کہ سرداری و سیاست کوئی معمولی چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہت ہی دشوار اور سخت ذمہ داری کی چیز ہے اس کے فرائض اور حقوق کی ادائیگی ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ صرف چند ہی لوگ اس کا بار اٹھانے کی

صاحت رکھتے ہیں لہذا نفس کی حرص میں مبتلا ہو کر سرداری و سیاست کی خواہش نہ کرو کیونکہ اگر تم اپنی طلب پر سرداری و سیاست پاؤ گے تو پھر تمہیں اسی کے پردہ کر دیا جائے گا بایں معنی کہ اس کے فرائض کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد نہیں کی جائے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر چہاں رطوبت و شرف و برپا ہوں گے اور تم مخلوق خدا کی نظروں میں بڑی بے آبروی کے ساتھ اس منصب کے نا اہل قرار دے دیئے جاؤ گے، ہاں اگر بلا طلب تمہیں سرداری و سیاست کے مرتبہ سے نوازا جائے گا تو اس صورت میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مدد کی جائے گی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے معاملات انتظام و انصرام درست ہوں گے اور مخلوق خدا کی نظروں میں تمہاری بہت زیادہ عزت و وقعت ہوگی۔

"اور وہی کام کرو گے جو بہتر ہے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی گناہ کی بات پر قسم کھاؤ مثلاً یوں کہو کہ خدا کی قسم! میں نماز نہیں پڑھوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں فلاں شخص کو جان سے مار ڈالوں گا۔ یا۔ خدا کی قسم میں اپنے باپ سے کلمہ نہیں کروں گا۔ تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ ڈالنا ہی واجب ہوگا اور اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور اگر کسی ایسی بات پر قسم کھائی جائے جس کے خلاف کرنا، اس سے بہتر ہو مثلاً یوں کہا جائے کہ "خدا کی قسم! میں اپنی بیوی سے ایک مہینہ تک صحبت نہیں کروں گا" یا اسی طرح کی کسی اور بات پر قسم کھائی جائے تو اس صورت میں اس قسم کو توڑ دینا بھی اولیٰ ہوگا۔ اس بارے میں زیادہ تفصیل ابتداء باب میں گذر چکی ہے۔

یہاں جو روایتیں نقل کی گئی ہیں ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی روایت سے تو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کر دینا چاہئے۔ جب کہ دوسری روایت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفارہ قسم توڑنے کے بعد ادا کرنے چاہئے، چنانچہ اس مسئلہ پر تینوں ائمہ کا مسلک یہ ہے کہ کفارہ قسم توڑنے سے پہلے ادا کر دینا جائز ہے لیکن حضرت امام شافعی کے ہاں یہ جواز اس تفصیل کے ساتھ ہے کہ اگر کفارہ کی ادائیگی روزہ کی صورت میں ہو تو قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا جائز نہیں ہوگا اور اگر کفارہ کی ادائیگی غلام آزاد کرنے، یا مستحقین کو کھانا کھلانے اور یا کپڑا پہنانے کی صورت میں ہو تو پھر قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی جائز ہوگی، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ قسم توڑنے سے پہلے کفارہ کی ادائیگی کسی صورت میں جائز نہیں ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث سے تقدیم کفارہ مفہوم ہوتا ہے ان میں حرف وادھن جمع کے لئے ہے اس سے تقدیم و تاخیر کا مفہوم مراد نہیں ہے اور نہ ہیقتا وہ احادیث تقدیم و تاخیر پر دلالت کرتی ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ یہ سمجھے کہ (اس کے خلاف کرنا ہی) قسم پوری کرنے سے بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ کفارہ ادا کر دے اور اس کام کو کرے (یعنی قسم توڑ دے)۔" (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی قسم! اتم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا (یعنی اس قسم کو پوری کرنے ہی کی ضد کرنا) جو اپنے اہل و عیال سے متعلق ہو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو زیادہ گناہگار بناتا

ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کر دے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے۔" (بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت و حرمت کی جھٹک ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال کے مطابق گناہ ہی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے ہی پر اصرار کرنا جو اہل و عیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے! گویا اس حدیث کا مقصد بھی یہ واضح کرنا ہی کہ قسم کے برخلاف عمل کی بھدائی ظاہر ہونے کی صورت میں قسم کو توڑ دینا اور اس کا کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

فارسی زبان میں قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ بِالْفَارِسِيَّةِ سَوَكُنْدُ مِخُورَمِ بَخْدَايَ يَكُونُ يَمِينًا) ؛ لَا تَنْتَهُ لِلْحَالِ . وَلَوْ قَالَ سَوَكُنْدُ خُورَمِ قَبْلَ لَا يَكُونُ يَمِينًا وَلَوْ قَالَ بِالْفَارِسِيَّةِ سَوَكُنْدُ خُورَمِ بِطَلَّاقِ زَنْمِ لَا يَكُونُ يَمِينًا ؛ لِعَدَمِ التَّعَارُفِ .

ترجمہ

اور جب کسی نے فارسی زبان میں "سو کند میخورم بخدای" کہا میں خدا کی قسم اٹھاتا ہوں تو یہ بھی قسم ہوگی کیونکہ یہ جملہ حال کیسے ہے۔ اور جب کسی کسی نے سو کند خورم بخدای کہا اور یہ نہ لگایا تو ایک قول کے مطابق یہ یحییٰ نہ ہوگی اور جب کسی نے فارسی زبان میں کہا سو کند خورم بطلاق زنم میں اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاؤں گا تو یہ قسم نہ ہوگی کیونکہ اس طرح عرف نہیں ہے۔

قسموں کا دار و مدار الفاظ پر ہوتا ہے اغراض پر نہیں ہوتا قاعدہ فقہیہ

الایمان مبنیہ علی الا لفاظ لا علی الاغراض . (الاشباہ)

قسموں کا دار و مدار الفاظ پر ہوتا ہے اغراض پر نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی چیز کی قسم کھاتا ہے تو اس کی زبان سے ادا کردہ الفاظ کا ہی اعتبار کیا جائے گا، ایب نہیں ہو سکتا کہ وہ الفاظ کچھ اور ادا کرے اور پھر کہے کہ میری نیت یہ تھی یا میری غرض ایسی تھی تو اسکی یہ تاویل باطل ہوگی۔ اس کا ثبوت احکام نکاح و طلاق اور کتاب البیوع کے ابواب میں عام ہے۔ اور اسی طرح کتاب الدار میں بھی بہت سے احکام اسی سے مرتب ہوتے ہیں۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہیں نے راستہ میں ایک تالیوت بچھایا اور اس پر بیٹھ گیا اور بیماروں کا علاج کرنے لگا، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی وہاں سے گزری، تو اس نے پوچھا، کیا تم بیماری میں مبتلا ہو؟ اس شخص کا بھی علاج کر دو گے۔ اس نے کہا ہاں، اس شرط کے ساتھ کہ جب اس کو شفا دے دوں گا تو تم یہ بات کہ تم نے شفا دی ہے اس کے سوا میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی نے حضرت ایوب علیہ السلام سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا تم پر افسوس ہے یہ تو شیطان ہے اور اللہ کیلئے مجھ پر یہ نذر ہے کہ اگر اللہ نے مجھے صحت دے دی تو میں تمہیں سو کوڑے

ماروں گا اور جب وہ رتندرست ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ سے (سو) تنگوں کا ایک منہ (جھاڑو) پکڑیں اور اس سے ماریں، واپسی قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے ان کو صابر پایا، وہ کیا ہی خوب بندے تھے بہت زیادہ رجوع کرنے والے۔ (ص ۳۴)

لہذا حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیوی کو جھاڑو مار کر اپنی قسم پوری کر لی۔ (مختصر دمشق ج ۵ ص ۱۰۸، دار الفکر بیروت) اس حکم سے معلوم ہوا کہ قسموں میں الفاظ کا اعتبار کیا جاتا ہے یہ مسئلہ اگرچہ سابقہ شریعت کا ہے، اور اب اس طرح نہیں ہے لیکن ہمارا استدلال صرف یہاں پر الفاظ کا ہے۔

قسم میں ایم اللہ کہنے کا بیان

قَالَ: (وَكَذَا قَوْلُهُ لَعَمْرُ اللَّهِ وَآيُمُ اللَّهِ) لِأَنَّ عَمَرَ اللَّهَ بَقَاءُ اللَّهِ، وَآيُمُ اللَّهِ مَعْنَاهُ أَيْمُنُ اللَّهِ وَهُوَ جَمْعُ يَمِينٍ، وَقِيلَ مَعْنَاهُ وَاللَّهِ وَآيُمُ صِلَةٌ كَالْوَاوِ، وَالْحَلْفُ بِاللَّفْظَيْنِ مُتَعَارِفٌ.

ترجمہ

فرمایا۔ اور اسی طرح جب کسی نے "لَعَمْرُ اللَّهِ" یا "آيُمُ اللَّهِ" کہا کیونکہ عمر اللہ سے مراد بقاء اللہ ہے اور ایم اللہ کا معنی ایمن اللہ ہے اور یمین کی جمع ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی واللہ ہے اور ایم یہ واؤ کی طرح صلہ ہے اور ان دونوں الفاظ سے قسم اٹھانا متعارف ہے۔

شرح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور اسامہ بن زید کو اس کا امیر مقرر کیا، بعض لوگوں نے ان کی سرداری پر طعن کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ اگر تم اس کی سرداری پر طعن کرتے ہو اس سے پہلے اس کے باپ کی سرداری پر بھی طعن کر چکے ہو قسم خدا کی وہ امارت کا مستحق تھا اور لوگوں میں میرے نزدیک وہ زیادہ محبوب تھا اور اس کے بعد یہ (یعنی حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لوگوں میں میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1549)

صریح و ظاہر قسم کا فقہی مفہوم

وہ نوع جو قسم کے لئے وضع کئے گئے الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، اور وہ الفاظ جو قسم کے لئے وضع کئے گئے ہیں یا تو حرف ہیں جیسے: (بَاء، تاء اور واؤ) اور یا وہ الفاظ فعل ہیں، جیسے:

(حَلَفَ، أَقْسَمَ، أَلَا وَرَأَيْتَ لِي) اور یا وہ الفاظ اسم ہیں، جیسے: (يَمِينٌ، أَيْمُنٌ اور

عَمَرُ)

لیکن وہ الفاظ جو فقط قسم کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں اور قسم کے علاوہ معنی نہیں دیتے، وہ فقط فعل القسم اور اخلاف ہیں، اور قسم کے اسماء میں سے لفظ یَمِينُ اور اَيْمُنُ اُس وقت قسم کا معنی دیتے ہیں، جب انکی اضافت لفظ "اللہ" کی طرف ہو، لیکن اگر یہ لفظ "اللہ" کے غیر کی طرف مضاف ہوں، تو قرینہ کے ساتھ قسم پر دلالت کریں گے، کیونکہ ان دونوں لفظوں (يَمِينُ وَ اَيْمُنُ) کے معنی دہی ہیں۔ (منشورات جامعہ الفتح، ۱۹۹۲م، ص ۱۲۸)

اسی طرح لفظ "عمر" قسم کے لئے عین کے زیر (فَتْح) کے ساتھ آتا ہے، کیونکہ یہ صورت انکی دیگر دو صورتوں (عَمْر و عُمَر) کی نسبت خفیف اور آسان تر ہے، اور اس لحاظ سے کہ زبان عرب میں قسم کا استعمال بہت زیادہ ہے، اسلئے لفظ "عمر" کے لئے خفیف صورت کو اختیار کیا گیا ہے، یہ لفظ قرآن کریم میں اسی صورت میں فقط ایک بار استعمال ہوا ہے: (لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ)۔ سورہ حجر، آیت ۷۲ "اے نبی ﷺ آپکی عمر اور زندگی کی قسم کہ یہ لوگ سخت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔" بعض لغت شناس اس بات کے قائل ہیں کہ لفظ "عمر" لفظ "اللہ" کی طرف مضاف نہیں ہوتا، کیونکہ اس کا معنی "زندگی اور حیات" ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے "زندگی اور حیات" کوئی معنی نہیں رکھتی ہے، کیونکہ وہ ایسی ذات ہے جس کا وجود آدلی ہے، اور یہ لفظ اُسکے لئے میں استعمال ہوتا ہے کہ جس کیلئے حیات کا ہونا اور پھر ختم ہو جانا، قابل تھوڑ ہو، لیکن اگر اس لفظ "عمر" کا معنی "بقاء اور دوام" قرار دیں، تو اس صورت میں انکی اضافت ذات پروردگار عالم کی طرف بلا حکت و شبہ کوئی مانع نہیں رکھتی، اسلئے ہم اس لفظ کا استعمال عربی اشعار میں، لفظ "اللہ" کی طرف اضافت کے ساتھ دیکھتے ہیں، جیسے:

إِذَا رَضِيتَ عَلَى بَنُو قُشَيْرٍ لَعَمْرُ اللَّهِ أَغْجَبَنِي رِضَاهَا (ابو حیان اندلسی، الْبَحْرُ

الْمُحِيطُ فِي التَّفْسِيرِ، ج ۶، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ ہجری، ص ۳۹۰)

"جب قبیلہ بنو قشیر مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اللہ کی بقاء و دوام کی قسم، انکار راضی ہونا مجھے تعجب میں ڈالے گا۔"

یہ لفظ "عمر" زیادہ تر مخاطب کی ضمیر "کاف" اور یا متکلم کی ضمیر "یاء" کی طرف مضاف ہوتا ہے، اور اگر لام ابتداء، اس لفظ پر داخل ہو، تو مبتداء ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے، کیونکہ یہ لام، کلام کی صدارت اور ابتداء چاہتا ہے، اور اگر یہ لفظ نام ابتداء سے خالی ہو تو پھر یا تو مبتداء یا خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوتا ہے، (اور مبتداء یا خبر میں سے کسی کو ترجیح حاصل نہیں ہے) اور یا یہ لفظ عامل ج کے حذف ہونے کی بناء پر منصوب ہوتا ہے، جسے اصطلاحاً "مَنْصُوبٌ بِنَزْعِ الْخَالِصِ" کہتے ہیں اور حقیقت میں "أَقْسَمُ بِعَمْرِكَ" تھا اور اس سے فعل قسم اور حرف ج حذف ہو گئے ہیں۔ (محمد المختار السلامی، الْقَسَمُ فِي

اللُّغَةِ وَ فِي الْقُرْآنِ، الطبعة الأولى، بیروت، دار الغروب الاسلامی، ۱۹۹۹م، ص ۴۶)

بعض اس بات کے قائل ہیں کہ صریح اور ظاہر قسم وہ ہوتی ہے، جس میں فعل قسم، حرف قسم اور مقسم بہ

(وہ چیز کہ جس کے ساتھ قسم کھائی گئی ہو مذكور ہوئے ہوں، اور یا کم از کم ان امور میں سے اکثر ذکر ہوئے ہوں، اس طرح سے کہ فعل قسم حذف ہو گیا ہو، اور واؤ قسم اس فعل کے حذف ہونے پر دلالت کرے، جیسے کہ قرآن کریم کی اکثر صریح اور ظاہر قسموں میں اسی طرح سے ہے۔ (مناع القطان، مباحث فی علوم القرآن، الطبعة الرابعة، بیروت، مؤسسة الرسالة، ۱۳۹۶ق، ص ۲۹۳؛ شعبان محمد اسماعیل، المذخل لدراسة القرآن والسنة والعلوم الإسلامية، ج ۱، الطبعة الأولى، مصر، دار الانصار، ۱۴۰۰ق، ص ۵۰۲))

نصریح و ظاہر قسم دو طرح کی ہوتی ہے

اول: وہ قسم جو جملہ خبریہ کی تاکید کیلئے آتی ہے، اور اس خبر کی، جو جواب قسم میں ہوتی ہے، تاکید کرتی ہے، اور قسم کی یہ نوع بہت زیادہ رائج اور مشہور ہے نیز یہی نوع قرآن کریم کی تمام صریح اور ظاہر قسموں کو شامل ہے۔
دوم: وہ قسم جو جملہ انشائیہ کی تاکید کرتی ہے، اور طلب، سوال، امر و نہی وغیرہ کیلئے آتی ہے، اور قسم کی اس نوع کو "قسم استعطافی" بھی کہتے ہیں، جیسے "بِاللّٰهِ هَلْ زَيْدٌ قَائِمٌ؟" اور یہ قسم، ہر صورت میں حرف "باء" کے ساتھ آتی ہے اور اس استعمال بہت کم ہے، نیز قرآن کریم میں اصلاً استعمال نہیں ہوئی ہے۔

عہد اللہ اور میثاق اللہ سے انعقاد قسم کا بیان

(وَكَذًا قَوْلُهُ وَعَهْدُ اللَّهِ وَمِثَاقُهُ) لِأَنَّ الْعَهْدَ يَمِينٌ . قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ)
(وَالْمِثَاقُ عِبَارَةٌ عَنِ الْعَهْدِ) وَكَذًا إِذَا قَالَ عَلَى نَذْرٍ أَوْ نَذَرُ اللَّهُ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ نَذَرَ نَذْرًا وَلَمْ يُسَمِّ فَعَلَيْهِ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ)

ترجمہ

اور اسی طرح جب کسی نے عہد اللہ اور اس کا میثاق کہا (تو یہ بھی قسم ہوگی) کیونکہ عہد یمنین ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ" ریشق عہد سے عبارت ہے اور اسی طرح جب کسی نے کہا مجھ پر نذر ہے یا اللہ کی نذر ہے۔ (تو یہ بھی قسم ہوگی) کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے نذر مانی اور اس کو پورا نہ کیا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔

قرآن کریم میں فعل قسم سے مشابہ الفاظ "کا استعمال

"مِثَاقٌ اور مَوْثِقٌ" دونوں کا معنی "عہد و پیمان" ہے اور کیونکہ عہد و پیمان معمولاً قسم کے ساتھ ہوتے ہیں، اسلئے یہ دونوں لفظ بھی فعل قسم کی جگہ قرار پاتے ہیں، اور قرآن کریم میں بھی چند موارد میں قسم کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں، جیسے:

(وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنَنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ) ۱۶

"اور جب اللہ تعالیٰ نے اُن سے، جن کو کتاب دی گئی، یہ پیمان لیا کہ اس کتاب آسمانی کے حقائق کو لوگوں کیلئے بیان کرو گے، اور ان کو نہیں چھپاؤ گے" اور اسی طرح قرآن میں حضرت یعقوب کا قول حکایت ہوا ہے کہ:
(قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُوا مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتَنَّنِي بِهِ) ۷۱
"حضرت یعقوب نے کہا: میں یوسف کو تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا، جب تک تم میرے لئے خدا سے عہد و پیمان نہ کرو کہ اس کو میرے پاس واپس لاؤ گے۔"

یہودی یا نصرانی ہونے والے قول کے قسم ہونے کا بیان

(وَإِنْ قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَهُوَ يَهُودِيٌّ أَوْ نَصْرَانِيٌّ أَوْ كَافِرٌ تَكُونُ يَمِينًا) لِأَنَّهُ لَمَّا جَعَلَ الشَّرْطَ عَلَمًا عَلَى الْكُفْرِ فَقَدْ اغْتَقَدَهُ وَاجِبَ الْإِمْتِنَاعِ ، وَقَدْ أُمِكنَ الْقَوْلُ بِوُجُوهِهِ لِغَيْرِهِ بِجَعْلِهِ يَمِينًا كَمَا تَقُولُ فِي تَحْرِيمِ الْحَلَالِ . وَلَوْ قَالَ ذَلِكَ لَشَيْءٌ عَرَفَدَ فِعْلُهُ فَهُوَ الْعُمُومُ ، وَلَا يَكْفُرُ اعْتِبَارًا بِالْمُسْتَقْبَلِ .
وَقِيلَ يَكْفُرُ لِأَنَّهُ تَنْجِيزٌ مَعْنَى لَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ هُوَ يَهُودِيٌّ . وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَكْفُرُ فِيهِمَا إِنْ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَمِينٌ ، وَإِنْ كَانَ عِنْدَهُ أَنَّهُ يَكْفُرُ بِالْحَلِفِ يَكْفُرُ فِيهِمَا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِالْكُفْرِ حَيْثُ أَقْدَمَ عَلَى الْفِعْلِ .

ترجمہ

اور اگر کسی نے کہا کہ اگر میں ایسا کروں تو میں یہودی ہوں یا نصرانی ہوں یا کافر ہوں تو یہ قول قسم ہوگا کیوں کہ جب اس نے شرط کو کفر پر علامت قرار دیا تو اس نے مخلوف علیہ سے پیمانہ واجب سمجھ لیا اور اس کے قول کو یمنین قرار دے کر یمنین کی وجہ سے وجوب امتناع کا قائل ہوتا ممکن بھی ہے جیسے حلال کو حرام قرار دینے میں آپ یہی کہتے ہیں کہ حلال کو حرام کرنا یمنین ہے ورا اگر حالف نے کسی ایسی بات کے لیے یہ کہا ہو جیسے وہ کر چکا ہو تو وہ یمنین غموس ہے اور مستقبل پر قیاس کر کے حلف کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ اس کی تکفیر کی جائے گی اس لئے کہ یہ تنجیز کے حکم میں ہے جیسے اگر اس نے کہا کہ وہ یہودی ہے۔ تو صحیح روایت کے مطابق ماضی و مستقبل دونوں میں اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ البتہ اس میں شرط یہ ہے وہ یہ سمجھتا ہو کہ اس کا قول قسم ہے۔ اور جب اس کو یہ علم ہو کہ اس کے اس قول قسم سے کافر ہو جائے گا تو دونوں حالتوں میں کافر ہو جائے گا کیونکہ اقدام عمل کے سبب وہ غیر برائضی ہو چکا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کہا کہ مجھ پر قسم ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ اس پر یہ کام نہ کروں

گا۔ اگر یہ کام کرے یا کیے ہو تو یہودی ہے یا نصرانی یا کافریا کافروں کا شریک، مرتے وقت ایمان نصیب نہ ہو۔ بے ایمان مرے، کافر ہو کر مرے، اور یہ الفاظ بہت سخت ہیں کہ اگر جھوٹی قسم کھائی یا قسم توڑ دی تو بعض صورت میں کافر ہو جائے گا۔ جو شخص اس قسم کی جھوٹی قسم کھائے اس کی نسبت حدیث میں فرمایا: "وہ ویسا ہی ہے جیسا اس نے کہا۔" یعنی یہودی ہونے کی قسم کھائی تو یہودی ہو گیا۔ یونہی اگر کہا خدا جانتا ہے کہ میں نے ایسے نہیں یہ ہے اور یہ بات اس نے جھوٹ کہی ہے تو اکثر علماء کے نزدیک کافر ہے۔ (رد مختار، کتاب الایمان)

اسلام کے سوا کسی مذہب کی قسم اٹھانے کا بیان

حضرت ثابت ابن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کہ اس نے کہا، اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۔" جو شخص نے (دنیا میں) اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً چھری وغیرہ) سے ہلاک کر لیا تو وہ قیامت کے دن اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا (یعنی اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خودکشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہوگا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ (اصل گناہ کے اعتبار سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو، اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا اسباب قتل سے ہے لہذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کی مانند ہے) اور جھوٹا دعویٰ کرے تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے مال و دولت میں کمی کر دے گا۔" (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 592)

حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً یوں قسم کھائی کہ "اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں، یا دین اسلام سے یا پیغمبر اسلام سے اور یا قرآن سے بیزار ہوں۔ اور پھر اس نے اس کے برخلاف کیا یعنی قسم کو جھوٹی کر دیا، ہاں طور کہ اس نے وہ کام کر لیا جس کے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی تو وہ یہودی یا نصرانی ہو گیا یا دین اسلام یا پیغمبر اسلام یا قرآن سے بیزار ہو گیا کیونکہ قسم دراصل اس کام کو روکنے کے واسطے ہوتی ہے جس کے لئے وہ قسم کھائی گئی ہے۔ لہذا قسم کا کچھ ہونا تو یہ ہے کہ قسم کھانے والا وہ کام نہ کرے اور اگر وہ اس کام کو کرے گا تو اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا تو لا محالہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا ہے۔ حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کی قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا و رغبت اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعہ یہودی وغیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں وغیرہ کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے، چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ (من ترک الصلوۃ فقد کفر) (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو

گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے عذاب سے مستوجب ہوتا ہے۔ اب یہی بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفارہ واجب ہوگا، ان کو دلیل برائے وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں گے اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا، ہاں اس طرح کہنے والا سخت گناہگار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ ڈالے

دوسرے مذہب کی قسم کے سبب کافر ہونے کا بیان

رد مختار میں لکھا ہے کہ (مذکورہ بالا مسئلہ میں) زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا (اس قسم کے برخلاف عمل کرنے کی صورت میں کافر نہیں ہو جاتا خواہ وہ اس طرح کا تعلق گذرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ سے ہو بشرطیکہ وہ اس طرح کہنے کے بارے میں قسم ہی کا اعتقاد رکھتا ہو لیکن اگر وہ اس قسم کے ہونے سے لاعلم ہو اور اس اعتقاد کے ساتھ یہ الفاظ ادا کرے کہ اس طرح کہنے والا اپنی بات کو جھوٹا ہونے کی صورت میں کافر ہو جاتا ہے تو خواہ وہ اس بات کا تعلق گذرے ہوئے زمانہ سے ہو یا آنے والے زمانہ میں کسی شرط کے پور ہونے کے ساتھ وہ دونوں ہی صورتوں میں کفر کو خود برضا و رغبت اختیار کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔

"اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص یوں کہے "اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہو جائے تو میں فلاں غلام آزاد کر دوں گا" جب کہ وہ فلاں غلام درحقیقت اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، اگر اس کے بعد وہ غلام اس کی ملکیت ہی میں کیوں نہ آجائے ہاں اگر اس نے آزادی کو ملکیت کے ساتھ مشروط کر دیا یعنی یوں کہ کہ "اگر میرا فلاں عزیز صحت یاب ہو گیا اور فلاں غلام میری ملکیت میں آ گیا یا فلاں کام میں نے خرید لیا تو میں اس کو آزاد کر دوں گا" تو اس صورت میں وہ غلام ملکیت میں آنے کے بعد یا خریداری کے بعد اس نذر کے مطابق آزاد ہو جائے گا۔

"تاکہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو" یہ اکثر کے اعتبار سے دعویٰ کی علت و سبب کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگ محض اپنے مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹے وعدے کرتے ہیں مذکورہ شریعت (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مال میں کمی کر دیا جانا) مرتب ہوئے۔ جھوٹے وعدے کا مذکورہ شریعت محض مال و دولت ہی سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہی ثمرہ ان لوگوں کے حق میں بھی مرتب ہوتا ہے جو اپنے احوال و فضائل اور کمالات کے بارے میں محض اس مقصد سے جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں کہ عام انسانوں کی نظروں میں ان کا جاہ و مرتبہ زیادہ سے زیادہ بڑھے۔

حالف کے غضب اللہ کہنے کا بیان

(وَكَوْ قَالَ إِنْ فَعَلْتَ كَذَا فَعَلَىٰ غَضَبِ اللَّهِ أَوْ سَخَطِ اللَّهِ فَلَيْسَ بِحَلِفٍ) لِأَنَّهُ دُعَاءٌ عَلَىٰ نَفْسِهِ ، وَلَا يَتَعَلَّقُ ذَلِكَ بِالشَّرْطِ ؛ وَلِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ (وَكَذَا إِذَا قَالَ إِنْ فَعَلْتَ كَذَا فَأَنَا زَانٍ أَوْ سَارِقٌ أَوْ شَارِبُ خَمْرٍ أَوْ أَكْلُ رِبَا) ؛ لِأَنَّ حُرْمَةَ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ تَحْتَمِلُ النِّسْخَ وَالتَّبْدِيلَ فَلَمْ تَكُنْ فِي مَعْنَى حُرْمَةِ الْأَسْمِ وَلِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُتَعَارِفٍ .

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ اگر میں اس طرح کروں تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو یا وہ ناراض ہو تو یہ قسم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنے لئے بددعا کی ہے۔ اور یہ حکم کسی شرط کے متعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ معروف نہیں ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے کہا کہ اگر میں اس طرح کروں میں زانی ہوں یا میں چور ہوں یا میں شرابی ہو یا میں سود کھانے والا ہوں۔ (تو یہ بھی قسم نہ ہوگی) کیونکہ اشیاء میں نسخ و تبدیلی کا احتمال موجود ہے۔ پس یہ اللہ کے نام کی حرمت کے حکم میں داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ بھی قسم کے طور پر معروف نہیں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ یہ الفاظ قسم نہیں اگرچہ ان کے بولنے سے گنہگار ہوگا جبکہ اپنی بات میں جھوٹا ہے اگر ایسا کروں تو مجھ پر اللہ (عزوجل) کا غضب ہو۔ اس کی لعنت ہو، اس کا عذاب ہو۔ خدا کا قہر ٹوٹے، مجھ پر آسمان پھٹ پڑے، مجھے زمین نکل جائے۔ مجھ پر خدا کی مار ہو، خدا کی پھٹکار ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت نہ ملے، مجھے خدا کا دیدار نہ نصیب ہو، مرتے وقت کلمہ نہ نصیب ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج ۲، ص ۵۴)

حالف کا کلام میں تاویل کرنے کا فقہی بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ان کا کہنا ہے: اور جب وہ حلف اٹھائے اور اپنی قسم میں تاویل کرے، تو اگر وہ مظلوم ہے تو اسے تاویل کا حق ہے۔ اور تاویل کا معنی یہ ہے کہ: وہ اپنی کلام اسے مقصود لے جو طہر کے مخالف ہو، مثلاً وہ حلف اٹھائے کہ: وہ میرا بھائی ہے اور اس سے اسلامی بھائی مراد لے یا اس سے مشابہ کوئی اور بات یا پھر چھت اور عمر رت اور آسمان کی یا یہ کہے: اللہ کی قسم میں نے اس سے کچھ نہیں کھایا، اور نہ ہی میں نے اس سے کچھ لیا ہے، یعنی اس سے مراد سینے اور کھانے کے بعد جو باقی ہے وہ ہو یہ اور اس کے مشابہ جو سامع کے ذہن میں اس کی چیز لائے جو اس کے خلاف ہو، جب وہ اسے قسم اٹھانے کا کہے، تو یہ تاویل ہے کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ اور تاویل والی قسم اٹھانے والے کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی حالت: حلف اٹھانے والا مظلوم ہو مثلاً ظالم شخص اسے کسی چیز پر قسم اٹھوائے اور اگر مظلوم شخص سچ بولے تو اس پر ظلم کریگا، یا کوئی اور ظلم کریگا، یا پھر مسلمان شخص کو اس سے ضرر حاصل ہو تو اس شخص کو تاویل والی قسم اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

ابوداؤد رحمہ اللہ نے سید بن حنظلہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ: "ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور ہمارے ساتھ واکل بن جحر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو انہیں ان کے دشمن نے پکڑ لیا چنانچہ لوگوں نے پریشان کیا کہ تم قسم اٹھاؤ، لہذا میں نے حلف اٹھایا کہ یہ میرا بھائی ہے تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، چنانچہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے سامنے یہ قصہ ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم ان میں سب سے زیادہ سچے اور حسن سلوک کرنے والے ہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے"

اور ایک روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "تو یہ میں جھوٹ سے آزادی ہے" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر موقوف ہے۔ (صحیح الادب المفرد) (857)

یعنی اس تواریکی آزادی اور اجازت ہے جو سامع کو کچھ متکلم کے خلاف معنی دے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں: تواریکی کثرت کی بنا پر ایک عقل مند شخص کے لیے جھوٹ بولنے کو کوئی ضرورت نہیں، عقل مند کو خاص اس لیے کیا ہے کہ وہ تاویل کرنے کی استطاعت رکھتا ہے، اس لیے اسے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

دوسری حالت: حلف اٹھانے والا ظالم ہو، مثلاً وہ شخص جسے قاضی اور حاکم اس کے پاس موجود حق پر قسم اٹھانے کا کہے، تو اس کی قسم ظاہر اظہار ہوگی جو قسم اٹھانے والا مراد لے رہا ہے، اور حلف اٹھانے والے کو تاویل کوئی فائدہ نہیں دیگی، امام شافعی رحمہ اللہ کا قول یہی ہے، اس میں ہمارے علم کے مطابق کوئی اختلاف نہیں؛ کیونکہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تیری قسم وہ ہے جس پر تجھے تیرا ساتھی سچا کہے" صحیح مسلم اور ابوداؤد۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم وہ ہے جو قسم اٹھوانے والی کی نیت پر ہو "اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: قسم وہ ہے جو اس پر واقع ہو جس نے قسم اٹھوائی ہے"

اور اس لیے کہ اگر تاویل کو جائز کر دیا جائے تو قسم کا معنی ہی باطل ہو جاتا ہے؛ کیونکہ قسم کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ قسم اٹھانے والے کو جھوٹی قسم کے انجام سے خوفزدہ کیا جائے کہ وہ انکار کرنے سے رک جائے اور باز آجائے۔

اس لیے جب اس کے لیے تاویل جائز قرار دی جائے تو یہ قسم ہو جائیگا، اور تاویل حقوق سے انکار کا وسیلہ بن کر رہ جائیگی، اس میں ہمیں کسی اختلاف کا علم نہیں۔

تیسری حالت: نہ تو وہ ظالم ہو اور نہ ہی مظلوم: امام احمد کا ظاہر کلام یہ ہے کہ: اسے تاویل کا حق حاصل ہے، روایت ہے کہ ان کے پاس بھناؤ اور مروزی اور ایک جماعت ان کے پاس تھی تو ایک شخص مروزی کو تلاش کرتا ہوا آیا لیکن مروزی اس سے کلام نہیں کرنا چاہتا تھا، تو بھنانے اپنی انگلی اپنی تھیلی میں رکھی اور کہنا لگا: یہاں مروزی نہیں ہے، اور پھر مروزی یہاں کیا کریگا؟

اس کی مراد یہ تھی کہ وہ اس تھیلی میں نہیں، اور ابو عبد اللہ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: ایک

شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سواری دیں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم تمہیں اونٹنی کا بچہ دیں گے تو اس نے عرض کیا: میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اونٹیاں جوان اونٹ بنی جنتی ہیں؟

اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ یہ سب تاویل اور توریہ تھا، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حق کا نام دیا اور فرمایا "میں حق کے علاوہ کچھ نہیں کہتا۔" (المعنی (9) / (420))

فصل فی الکفارة

﴿ یہ فصل قسم کے کفارے کے بیان میں ہے ﴾

کفارہ قسم فصل کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ جب قسم کی تعریف و اقسام اور اس کے الفاظ سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے قسم کے بقیہ احکام کو شروع کرنے سے پہلے کفارے کی فصل کو بیان کیا ہے۔ حالانکہ روزہ اور دیگر کفارہ جات میں کفارے کا حکم آخر میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ کفارہ ہمیشہ طبعی طور مؤخر ہوتا ہے کیونکہ یہ اصل کو توڑنے کے سبب سے لازم آتا ہے۔ لیکن یہاں اس فصل کی فقہی مطابقت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قسم اٹھانے کے بعد اس کو توڑنے یا نہ توڑنے سے پہلے یہ علم ہونا چاہیے کہ اس کا کفارہ کیا ہے کیونکہ بعض اوقات قسم کا توڑنا بہتر ہوتا ہے جیسا کہ آنے والے ابواب میں بیان کیا جائے گا۔ لہذا کفارے کی پہچان سے پہلی ضروری سمجھا جس کے سبب سے مصنف علیہ الرحمہ نے کفارے کی فصل کو ان تمام ابواب و فصول سے مقدم ذکر کر دیا ہے۔ جن میں کتاب الایمان کے متفرقہ و متوعہ ایمان و احکام کو بیان کیا گیا ہے۔

کفارے کا لغوی معنی

کفارہ کے لغوی معنی ہیں چھپانے والی چیز۔ کسی کا پر خیر کو گنہ کا کفارہ قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ یہ نیکی اُس گناہ پر چھا جاتی ہے اور اسے ڈھانک لیتی ہے، جیسے کسی دیوار پر داغ لگ گیا ہو اور اس پر سفیدی پھیر کر داغ کا اثر مٹا دیا جائے۔ کفارہ کا لغوی معنی وہ نیکی کا کام کرنا ہے جو کسی پہلے سے کئے ہوئے برے کام کا عوض بن کر اس کو ڈھانپ دے یا ختم کر دے۔ قرآن کریم اور احادیث میں بہت سے ایسے گناہوں کا ذکر آیا ہے جن کے کفارے بیان کئے ہیں۔ مثلاً قتل خطا کا کفارہ، ظہر کا کفارہ، احرام کی حالت میں شکار کرنے کا کفارہ، فرض روزہ توڑنے کا کفارہ، قسم توڑنے کا کفارہ اور کسی کو زخمی کرنے کا کفارہ وغیرہ ان میں سے اکثر کفاروں میں قدر مشترک 'غلام کو آزاد کرنا ہے۔

قسم کے کفارے کا بیان

قَالَ (كَفَّارَةُ الْيَمِينِ عَتَقُ رَقَبَةٍ يُجْزَى فِيهَا مَا يُجْزَى فِي الظَّهْرِ وَإِنْ شَاءَ كَسَا عَشْرَةَ مَسَاكِينَ كُلَّ وَاحِدٍ نَوْبًا فَمَا زَادَ ، وَأَذْنَاهُ مَا يَجُوزُ فِيهِ الصَّلَاةُ وَإِنْ شَاءَ أَطْعَمَ عَشْرَةَ مَسَاكِينَ كَمَا لِطَعَامٍ فِي كَفَّارَةِ الظَّهْرِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى (فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسَاكِينَ) الْآيَةُ ، وَكَلِمَةُ أَوَّلِ التَّخْيِيرِ لَكَانَ الْوَاجِبُ أَحَدَ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ .

ترجمہ

فرمایا: قسم کے کفارے میں ایک غلام کا آزاد کرنا اسی طرح کافی ہوگا جس طرح کفارہ ظہار میں کافی ہوتا ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو دس مساکین کا لباس پہنائے جو ہر ایک کا لباس یا اس سے زیادہ ہو اور کم از کم یہ ہے کہ اس لباس میں نماز جائز ہو اور اگر وہ چاہے تو دس مساکین کو کھانا کھلائے جس طرح کفارہ ظہار میں کھلایا جاتا ہے۔ اور مسئلہ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِيْنٍ (الآیۃ) اس آیت میں کلمہ ”او“ اختیار کیلئے ہے لہذا اشیاء ثلاثہ میں سے کوئی ایک چیز واجب ہے۔

کفارہ قسم سے متعلق فقہی مذاہب اربعہ

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ کفارہ دس مسکینوں کا کھانا جو محتاج فقیر ہوں جن کے پاس بقدر کفایت کے نہ ہو اور درجے کا کھانا جو عموماً گھر میں کھایا جاتا ہو وہی انہیں کھلادینا۔ مثلاً دودھ روٹی، گھی روٹی، زیتون کا تیل روٹی، یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی خوراک بہت اعلیٰ ہوتی ہے بعض لوگ بہت ہی ہلکی غذا کھاتے ہیں تو نہ وہ ہونہ یہ ہو، تکلف بھی نہ ہو اور بخل بھی نہ ہو، سختی اور فراخی کے درمیان ہو، مثلاً گوشت روٹی ہے، سرکہ اور روٹی ہے، روٹی اور کھجوریں ہیں۔ جیسی جس کی درمیانی حیثیت، اسی طرح قلت اور کثرت کے درمیان ہو۔

حضرت علی سے منقول ہے کہ صبح شام کا کھانا، حسن اور محمد بن خفیف کا قول ہے کہ دس مسکینوں کو ایک ساتھ بٹھا کر روٹی گوشت کھلا دینا کافی ہے یا اپنی حیثیت کے مطابق روٹی کسی اور چیز سے کھلادینا، بعض نے کہا ہے ہر مسکین کو آدھا صاع گھیوں کھجوریں وغیرہ دے دینا، امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ گھیوں تو آدھا صاع کافی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کا پورا صاع دے دے۔

ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجوروں کا کفارے میں ایک ایک شخص کو دیا ہے اور لوگوں کو بھی یہی حکم فرمایا ہے لیکن جس کی اتنی حیثیت نہ ہو وہ آدھا صاع گھیوں کا دے دے،

یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن اس کا ایک راوی بالکل ضعیف ہے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ دارقطنی نے اسے متروک کہا ہے اس کا نام عمر بن عبد اللہ ہے، ابن عباس کا قول ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد گھیوں مع سالن کے دے دے، امام شافعی بھی یہی فرماتے ہیں لیکن سالن کا ذکر نہیں ہے اور دلیل ان کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رمضان شریف کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو ایک کھل (خاص بیانہ) میں سے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا اس میں پندرہ صاع آتے ہیں تو ہر مسکین کے لئے ایک مد ہوا۔ ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے کفارے میں گھیوں کا ایک مد مقرر کیا ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے کیونکہ نصیر بن زرارہ کوئی کے بارے میں امام ابو حاتم رازی کا قول ہے کہ وہ مجھول ہے گو اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے واللہ اعلم،

پھر ان کے استاد عمری بھی ضعیف ہیں، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ گھیوں کا ایک مد اور باقی اتانج کے دو مد

دے۔ واللہ اعلم (یہ یاد رہے کہ صاع انگریزی اسی روپے بھر کے سیر کے حساب سے تقریباً پونے تین سیر کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے چار مد ہوتے ہیں واللہ اعلم، مترجم) یا ان دس کو کپڑا پہنانا،

امام شافعی کا قول ہے کہ ہر ایک کو خواہ کچھ ہی کپڑا دے دے جس پر کپڑے کا اطلاق ہوتا ہو کافی ہے، مثلاً کرتہ ہے، پاجامہ ہے، قمیض ہے، پگڑی ہے یا سر پر لپیٹنے کا رومال ہے۔

پھر امام صاحب کے شاگردوں میں سے بعض تو کہتے ہیں ٹوپی بھی کافی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ نا کافی ہے، کافی کہنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین سے جب اس کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں اگر کوئی وفد کسی امیر کے پاس آئے اور وہ انہیں ٹوپیاں دے تو عرب تو یہی کہیں گے کہ قد کسوا انہیں کپڑے پہنائے گئے۔ لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں کیونکہ محمد بن زبیر ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ موزے پہنانے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ چتر نہیں۔

امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ کم سے کم اتنا اور ایسا کپڑا ہو کہ اس میں نماز جائز ہو جائے مرد کو دیا ہے تو اس کی اور عورت کو دیا ہے تو اس کی۔

ابن عباس فرماتے ہیں عبا ہو یا شملہ ہو۔ مجاہد فرماتے ہیں۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کپڑا ہو اور اس سے زیادہ جو ہو۔ غرض کفارہ قسم میں ہر چیز سوائے جانگئے کے جائز ہے۔ بہت سے مفسرین فرماتے ہیں ایک ایک کپڑا ایک ایک مسکین کو دے دے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے ایسا کپڑا جو پورا کارآمد ہو مثلاً لحاف چادر وغیرہ نہ کہ کرتہ دوپٹہ وغیرہ ابن سیرن اور حسن دودو کپڑے کہتے ہیں، سعید بن مسیب کہتے ہیں عمامہ جسے سر پر باندھے اور عبا جسے بدن پر پہنے۔ حضرت ابو موسیٰ قسم کھاتے ہیں پھر اسے توڑتے ہیں تو دو کپڑے بحرین کے دے دیتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر مسکین کیلئے ایک عبا، یہ حدیث عرب ہے، یا ایک غلام کا آزاد کرنا،

امام ابو حنیفہ تو فرماتے ہیں کہ یہ مطلق ہے کافر ہو یا مسلمان، امام شافعی اور دوسرے بزرگان دین فرماتے ہیں اس کا مومن ہونا ضروری ہے کیونکہ قتل کے کفارے میں غلام کی آزادی کا حکم ہے اور وہ مقید ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہے، دونوں کفاروں کا سبب چاہے جدا گانہ ہے لیکن وجہ ایک ہی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم سلمی کے ذمے ایک گردن آزاد کرنا تھی وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ ایک لونڈی لئے ہوئے آئے۔ حضور نے اس سیاہ فام لونڈی سے دریافت فرمایا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں پوچھا ہم کون ہیں؟ جواب دیا کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ نے فرمایا اسے آزاد کرو یہ ایماندار عورت ہے۔ پس ان تینوں کاموں میں سے جو بھی کر لے وہ قسم کا کفارہ ہو جائے گا اور کافی ہوگا اس پر سب کا اجماع ہے۔ قرآن کریم نے ان چیزوں کا بیان سب سے زیادہ آسان چیز سے شروع کیا ہے اور بتدریج اوپر کو پہنچایا ہے۔ پس سب سے پہل کھانا کھلانا ہے۔ پھر اس سے قدرے بھاری کپڑا پہنانا ہے اور اس سے بھی زیادہ بھاری غلام کو آزاد کرنا ہے۔ پس اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ بہتر ہے۔ اب اگر کسی شخص کو ان تینوں میں سے ایک کی بھی قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے

روزے رکھ لے۔

سعید بن جبیر اور حسن بصری سے مروی ہے کہ جس کے پاس تین درہم ہوں وہ تو کھانا کھلا دے ورنہ روزے رکھ لے اور بعض متاخرین سے منقول ہے کہ یہ اس کے لئے ہے جس کے پاس ضروریات سے فاضل چیز نہ ہو معاش وغیرہ پونجی کے بعد جو فاقہ ہو اس سے کفارہ ادا کرے،

امام ابن جریر فرماتے ہیں جس کے پاس اس دن کے اپنے اور اپنے باپ بچوں کے کھانے سے کچھ بچے اس میں سے کفارہ ادا کرے، قسم کے توڑنے کے کفارے کے روزے پے درپے رکھنے واجب ہیں یا مستحب ہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ واجب نہیں،

امام شافعی نے باب الایمان میں اسے صاف لفظوں میں کہا ہے اَمَّا مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ فَمَا كَانَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ حکم مطلق ہے تو خواہ پے درپے ہوں خواہ الگ الگ ہوں تو سب پر یہ صادق آتا ہے جیسے کہ رمضان کے روزوں کی قضاء کے بارے میں آیت (فَعَلَسَ مِنْ اَيَّامٍ اُخْرٰى) فرمایا گیا ہے وہاں بھی پے درپے کی یا علیحدہ علیحدہ کی قید نہیں اور حضرت امام شافعی نے کتاب الام میں ایک جگہ صراحت سے کہا ہے کہ قسم کے کفارے کے روزے پے درپے رکھنے چاہئیں یہی قوں احناف اور حنابلہ کا ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابی بن کعب وغیرہ سے مروی ہے کہ ان کی قرأت آیت (فَصِيَامُ لَفْتَنَةِ اَيَّامٍ مُّتَابَعَاتٍ) ہے ابن مسعود سے بھی یہی قرأت مروی ہے، اس صورت میں اگرچہ اس کا متواتر قرأت ہونا ثابت نہ ہو۔

تاہم خبر واحد یا تغیر صحیحہ سے کم درجے کی تو یہ قرأت نہیں پس حکماً "یہ بھی مرفوع ہے۔ ابن مردویہ کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہ نے پوچھا یہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اختیار ہے آپ نے فرمایا ہاں، تو اختیار پر ہے خواہ گردن آزاد کر خوہ کپڑا پہن دے خواہ کھانا کھلا دے اور جو نہ پائے وہ پے درپے تین روزے رکھ لے۔ پھر فرمایا ہے کہ تم جب قسم کھا کر توڑ دو تو یہ کفارہ ہے لیکن تمہیں اپنی قسموں کی حفاظت کرنی چاہیے انہیں بغیر کفارے کے نہ چھوڑنا چاہیے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم شکر گزاری کرو۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ ۸۹)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مایہ ناز کتاب "المغنی" میں رقمطراز ہیں۔ "غلط قیمت کفارہ میں کفائت نہیں کرتی، اور نہ ہی لباس کی قیمت، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلہ ذکر کیا ہے ہذا اس کے بغیر کفارہ ادا نہیں ہو سکتا، اور اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے تین اشیاء کے مابین اختیار دیا ہے اور اگر اس کی قیمت دینا جائز ہوتی تو یہ اختیار ان تین اشیاء میں منحصر نہ ہوتا۔

(المغنی لابن قدامہ المقدسی) (11 / 256)

اشیاء ثلاثہ پر عدم قدرت کی صورت میں روزوں کا بیان

قَالَ (فَإِنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى أَحَدِ الْأَشْيَاءِ الثَّلَاثَةِ صَامَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مُّتَابَعَاتٍ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ

رَحِمَهُ اللَّهُ: يُخَيِّرُ لِإِطْلَاقِ النَّصِّ. وَلَنَا قِرَاءَةُ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَصِيَامَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مُّتَابَعَاتٍ وَهِيَ كَالْخَبَرِ الْمَشْهُورِ ثُمَّ الْمَذْكُورُ فِي الْكِتَابِ فِي بَيَانِ أَذْنَى الْكِسْوَةِ مَرْوِيُّ عَنْ مُحَمَّدٍ. وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُمَا اللَّهُ أَنَّ أَذْنَاهُ مَا يَسْتُرُ عَامَّةَ بَدَنِهِ حَتَّى لَا يَجُوزَ السَّرَاوِيلَ، وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ لِابْنِهِ يُسَمَّى غُرْبَانًا فِي الْغُرْفِ، لَكِنَّ مَا لَا يُجْزِيهِ عَنِ الْكِسْوَةِ يُجْزِيهِ عَنِ الطَّعَامِ بِاِغْتِبَارِ الْقِيَمَةِ.

ترجمہ

فرمایا: پس اور اگر وہ تینوں اشیاء میں سے کسی ایک پر بھی قادر نہیں ہے تو وہ مسلسل تین روزے رکھے۔ اور حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ نص کے مطلق ہونے کی وجہ سے اس کا اختیار دیا جائے گا۔ (تسلل یا عدم تسلل میں) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں یہ ہے کہ وہ تین مسلسل روزے رکھے اور یہی ہمارے نزدیک حجت ہے۔ اور یہ حکم خبر مشہور کی طرح ہے۔ پھر کتاب میں کم از کم کپڑے کا بیان کیا گیا ہے جو امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت کیا گیا ہے۔ شیخین کے نزدیک کم از کم کپڑا یہ ہے جو عام طور پر بدن کو ڈھانپ لے حتیٰ کہ سراویل جائز نہیں ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ صرف شنوار پہننے کو عرف میں ننگا کہتے ہیں۔ اہل قیمت کے اعتبار سے جو مقدار پہننے کیلئے کافی نہ ہو وہ کھانے کے اعتبار سے کافی ہو گی۔

قسم کے روزوں میں عدم تسلل میں فقہ مالکی و شافعی کا بیان

قسم کے کفارہ میں رکھے جانے والے تین روزے تسلل کے ساتھ رکھنا واجب نہیں، اگر کسی شخص نے علیحدہ علیحدہ بھی رکھ لیے تو ادا ہو جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق ذکر کیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر تمہارا مؤاخذہ نہیں کرتا، لیکن اس پر مؤاخذہ فرماتا ہے کہ تم جن قسموں کو مضبوط کر دو، اس کا کفارہ دس متاجوں کو کھانا دینا ہے اسطو درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا، یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا، ہے، اور جو کوئی نہ پائے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔ (المائدہ ۸۹)

ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب "المحلی" میں کہتے ہیں اگرچہ تین روزے علیحدہ علیحدہ رکھنے سے ادا ہو جائیگا امام مالک، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تفریق سے تسلل کو خاص نہیں کیا تو جس طرح بھی روزے رکھے جائیں ادا ہو جائیگا۔ (المحلی لابن حزم) (6 / 345)

کفرے کو قسم پر مقدم کرنے پر عدم کفایت کا بیان

(وَأَنَّ قَدْ كَفَرَ عَلَى الْحَيْثُ لَمْ يُجْزِهِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُجْزِيهِ بِالْمَالِ لِأَنَّهُ أَذَاهَا بَعْدَ السَّبَبِ وَهُوَ الْيَمِينُ فَاشْتَبَهَ التَّكْفِيرَ بَعْدَ الْجَرْحِ. وَلَنَا أَنَّ الْكُفَّارَةَ لَسْتَرِ الْجَنَائَةِ وَلَا جَنَائَةَ هَاهُنَا، وَلَكِنَّهُ سَبَبٌ لِأَنَّهُ مَانِعٌ غَيْرُ مُفْضٍ، بِخِلَافِ الْجَرْحِ لِأَنَّهُ مُفْضٍ. (ثُمَّ لَا يَسْتَرِدُّ مِنَ الْيَمِينِ) لَوْ قُوِيَ بِهِ صَدَقَةٌ.

ترجمہ

اور اگر اس نے کفرے کو قسم پر مقدم کیا تو وہ کافی نہ ہوگا۔ جبکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مال کے ساتھ ادائیگی والا کفارہ کافی ہوگا کیونکہ وہ سبب کے بعد ادا ہوا ہے۔ اور وہ یمن ہے پس وہ زخم کے بعد والے کفارے کے مشابہ ہو گیا۔ اور ہمارے نزدیک کفارہ جنایت کو چھپاتا ہے اور یہاں جنایت کوئی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کوئی سبب ہے کیونکہ اس کا مانع اس کی طرف مفعلی نہیں ہے بخلاف زخم کے کیونکہ وہ مفعلی ہے۔ اس کے بعد وہ مسکین سے مسترد نہ ہوگا کیونکہ وہ صدقہ واقع ہوا ہے۔

تمام مال صدقہ کرنے والے کفارے میں مذہب اربعہ

یہ زیور ہی اس کا سارا مال اور پونجی ہو، تو اس زیور کا ایک تہائی حصہ صدقہ نکالنا کافی ہوگا، امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے اور کچھ اہل علم نے سارا مال ہی صدقہ کرنا واجب قرار دیا ہے، جن میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: "جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو تو اس کا ایک تہائی حصہ ادا کرنے سے ادا ہو جائے گا، امام زہری اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: زکوٰۃ والا مال سارا صدقہ کرے گا۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: وہ اپنا سارا مال صدقہ کرے گا؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جس نے بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کی نذر مانی ہو تو وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے" اور اس لیے بھی کہ وہ اطاعت کی نذر ہے، لہذا اسے پورا کرنا لازم ہے، مثلاً نماز اور روزے کی نذر۔ اور اس کا ایک تہائی حصہ صدقہ کرنے کی دلیل یہ ہے کہ جب ابولہبابہ رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میری توبہ میں ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہبابہ رضی اللہ تعالیٰ کو فرمایا: تجھے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا ہی کافی ہو جائے گا" علامہ البانی نے مشکوٰۃ المصابیح حدیث نمبر (3439) کی تخریج میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم: میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صدقہ کرتا ہوں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: اپنا کچھ مال رکھ لو۔ متفق علیہ۔ اور ابو داؤد کی روایت میں ہے: حیرے لیے ایک تہائی حصہ (کا صدقہ کرنا) کافی ہو جائے گا۔ (المعنی لابن قدامہ المقدسی (11 / 340)

یعنی یہ ہوا کہ: اگر نذر مانی ہوئی معین چیز سارے مال کو اپنے اندر سمو لے تو اس کا حکم اس شخص کا حکم ہوگا جس نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو، تو اس کے لیے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا کافی ہوگا۔

"سنت میں ہے کہ جس شخص نے اپنا سارا مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہو اس کے لیے ایک تہائی حصہ صدقہ کرنا کافی ہوگا، کیونکہ سارا مال صدقہ کرنے میں ضرر ہے۔ (الفتاویٰ الکبریٰ (6 / 188)

ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: "اور جب کوئی شخص اپنے مال میں سے کوئی معین یا مقدار مثلاً ایک ہزار روپے صدقہ کرنے کی نذر مانے تو امام احمد سے روایت کیا جاتا ہے کہ: اس کا ایک تہائی دینا جائز ہے؛ کیونکہ اس نے مال صدقہ کرنے کی نذر مانی ہے، تو اس کے لیے ایک تہائی صدقہ کرنا کفایت کر جائیگا، سارے مال کی طرح ہے۔

اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ سارا ہی صدقہ کرے، کیونکہ اس نے وہ مال نذر مانی ہوا ہے، اور وہ فعل نیک و صالح اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے ہے، لہذا سب نذر والی اشیاء کی طرح اسے بھی پورا کرنا لازم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے مندوب ذیل فرمان کے عموم کی بنا پر بھی: وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ (الانسان، (7)

اختلاف تو سارے مال میں ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، اور اس لیے بھی کہ سارا مال صدقہ کرنے میں ضرر لاحق ہوتا ہے، الا یہ کہ یہاں اگر نذر سارا مال ہی اپنے اندر سمو لے تو پھر اسی طرح ہوگا۔ (المعنی لابن قدامہ المقدسی (11 / 340)

معصیت کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ عَلَى مَعْصِيَةٍ مِثْلَ أَنْ لَا يُصَلِّيَ أَوْ لَا يُكَلِّمَ أَبَاهُ أَوْ لِيَقْتُلَنَّ فَلَنَا بَنِيغِي أَنْ يُخْنِتَ نَفْسَهُ وَيُكْفِرَ عَنْ يَمِينِهِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَرَأَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَلْيَأْتِ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ثُمَّ لِيُكْفِرَ عَنْ يَمِينِهِ) "وَلَا نَ فِيهَا قُلْنَا نَفْوِيْتُ الْبِرُّ إِلَى جَاهِرٍ وَهُوَ الْكُفَّارَةُ وَلَا جَاهِرٌ لِلْمَعْصِيَةِ فِي حِدِّهِ.

ترجمہ

فرمایا: اور جس شخص نے معصیت کی قسم اٹھائی کہ وہ نماز نہیں پڑھے گا یا وہ اپنے باپ سے کلام نہ کرے گا یا فلاں کو قتل کر دے گا مناسب ہے کہ وہ اپنی قسم کو توڑ دے اور یمن کا کفارہ ادا کرے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی اور پھر اس کے سوا میں بھلائی دیکھے تو پس اسی طرح کرے جو اس کیلئے بہتر ہو، وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ اور اس میں ہم نے یہ کہا ہے کہ جبر کے سبب نیکی کا فوت ہونا ہے اور وہ کفارہ ہے اور معصیت میں کوئی جابر نہیں ہے کیونکہ اس کی ضد میں (نقصان کو پورا کیا جاسکتا ہے)

شرح

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گنہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ جیسا ہے۔ (بخاری، ترمذی، نسائی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 607)

یہ حدیث اس مسئلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی دلیل ہے اور حضرت امام شافعی کے مسلک کے برخلاف ہے۔

حضرت زہدہم سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جرم اور اشعیوں کے قبیوں کے درمیان بھائی چارہ اور دوستی تھی ہم ابو موسیٰ اشعری کے پاس تھے کہ ان کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت تھا، بنی تمیم کا ایک شخص، نکلے پاس تھا جس کا رنگ سرخ تھا اس کو کھانے پر بلایا تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو نجاست کھاتے ہوئے دیکھا ہے تو میری طبیعت متنفر ہوگئی میں نے قسم کھائی کہ مرغی نہیں کھاؤں گا، انہوں نے کہا کہ اٹھ میں تجھ سے اس کی بابت حدیث بیان کروں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں چند اشعیوں کے ساتھ سواری مانگنے کے لئے آیا آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تمہیں سوار نہیں کروں گا، اور نہ میرے پاس کوئی چیز ہے جس پر میں تم کو سوار کروں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہل نینیت کے اونٹ آئے آپ نے ہمارے متعلق دریافت فرمایا کہ اشعری کہاں ہیں؟ اور ہمارے لئے پانچ اچھی اونٹیوں کے دینے کا حکم دیا، جب ہم چلے تو ہم نے کہا کہ ہم نے یہ کیا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ ہم سواری نہیں دیں گے اور نہ ان کے پاس کوئی سواری ہے، جس پر ہمیں سوار کریں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو سواری عنایت کی شاید ہم قسم بھول گئے، خدا کی قسم اس صورت میں ہم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ہم لوگ آپ کے پاس واپس لانے تو ہم لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس سواری کی غرض سے آئے تھے، آپ نے قسم کھائی کہ ہم لوگوں کو سواری نہیں دیں گے، اور نہ آپ کے پاس کوئی چیز ہے جس پر آپ سوار کریں، آپ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں سوار نہیں کیا لیکن اللہ نے تمہیں سوار کیا، بخدا میں کسی بات پر قسم کھاتا ہوں اور اس کے سوا دوسری بات میں بھدائی ہو تو میں اس صورت کو اختیار کرتا ہوں جو بہتر ہے اور میں قسم توڑ دیتا ہوں صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1570

امام ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ "المکابر" میں لکھتے ہیں "مومنوں کے ہاں یہ بات فیصلہ شدہ اور مقرر ہے کہ جس شخص نے بھی بغیر بیماری اور غرض (یعنی بغیر شرعی عذر) کے رمضان المبارک کا روزہ ترک کیا تو وہ شخص زانی اور شراب نوش سے بھی زیادہ شریک اور برا ہے، بلکہ اس کے اسلام میں ہی شک کرتے ہیں، اور اس کے نزدیک اور مخرف ہونے کا گمان کرتے ہیں۔

(الکبائر للذہبی (64)

بعض لوگوں نے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کی قسم کھا رکھی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ میں قسم کا حکم بھی بیان فرمادیا کہ اگر کسی شخص کی زبان سے جوارادہ قسم کا لفظ نکل گیا ہے تو اس کی پابندی کرنے کی ویسے ہی ضرورت نہیں، کیونکہ ایسی قسم کا

کوئی مواخذہ نہیں ہے، اور اگر جان بوجھ کر کسی نے قسم کھائی ہے تو وہ اسے توڑ دے اور کفارہ ادا کر دے، کیونکہ جس نے کسی معصیت کی قسم کھائی ہو اسے اپنی قسم پر قائم نہ رہنا چاہیے کافر کے قسم اٹھانے کا بیان

(وَإِذَا خَلَفَ الْكَافِرُ ثُمَّ حِينَ فِي حَالِ كُفْرِهِ أَوْ بَعْدَ إِسْلَامِهِ فَلَا حِنْطَ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْيَمِينِ لِأَنَّهَا تُعَقَّدُ لِتَعْظِيمِ اللَّهِ تَعَالَى، وَمَعَ الْكُفْرِ لَا يَكُونُ مُعَظَّمًا وَلَا هُوَ أَهْلُ الْكُفَّارَةِ لِأَنَّهَا عِبَادَةٌ.

ترجمہ

اور جب کسی کافر نے حلف اٹھا یا پھر وہ حالت کفر میں حنث ہو گیا یا اسلام لانے کے بعد حنث ہو تو اس پر قسم توڑنے کا حکم نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ یمن کے ال نہ ہوگا اس لئے کہ قسم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے عقد سے اٹھائی جاتی ہے۔ جبکہ کفر کے ساتھ اس کی تعظیم نہ ہوگی اور کفارے کے ال میں سے اس لئے نہیں ہے کیونکہ وہ عبادت ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو شخص قسم کھائے اور قسم میں لات وعزی کا نام سے تو اسے لا الہ الا اللہ کہنا چاہیے اور جو شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ آؤ جو اکھیں تو اس کو صدقہ دینا چاہیے (تا کہ اس کو تولی گنہ کا کفارہ ہو جائے)۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1571)

اپنے اوپر غیر ملکیت چیز کو حرام کرنے کی قسم اٹھانا

(وَمَنْ حَرَّمَ عَلَى نَفْسِهِ شَيْئًا مِمَّا يَمْلِكُهُ لَمْ يَصِرْ مُحَرَّمًا وَعَلَيْهِ إِنْ اسْتَبَاحَهُ كُفَّارَةٌ يَمِينٍ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ: لَا كُفَّارَةَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ تَحْرِيمُ الْحَلَالِ قَلْبُ الْمَشْرُوعِ فَلَا يَتَعَقَّدُ بِهِ تَصَرُّفٌ مَشْرُوعٌ وَهُوَ الْيَمِينُ.

وَلَنَا أَنَّ اللَّفْظَ يُنْبِئُ عَنْ بَيِّنَاتِ الْحُرْمَةِ، وَقَدْ أَمَكْنَا إِعْمَالَهُ بِثُبُوتِ الْحُرْمَةِ لِغَيْرِهِ بِبَيِّنَاتٍ مُوجِبَةِ الْيَمِينِ فَيَصَارُ إِلَيْهِ، ثُمَّ إِذَا فَعَلَ مِمَّا حَرَّمَهُ قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا حِينَ وَوَجَبَتْ الْكُفَّارَةُ وَهُوَ الْمَعْنَى مِنَ الْإِسْبَاحَةِ الْمَذْكُورَةِ لِأَنَّ التَّحْرِيمَ إِذَا ثَبَتَ تَنَازَلَ كُلُّ جُزْءٍ مِنْهُ.

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنے اوپر ایسی چیز کو حرام ٹھہرایا جو اس کی ملکیت میں ہے۔ تو وہ چیز اس پر حرام نہ ہوگی اور اگر اس نے اس کے ساتھ اباحت والا سلوک کیا تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کفارہ واجب نہ ہوگا کیونکہ حلال کو حرام کرنا یہ قلب مشروع ہے۔ اور قلب مشروع میں تصرف مشروع معتقد نہیں ہوتا اور وہ قسم ہے۔

ہمارے نزدیک اثبات کا لفظ حرمت کی خبر دینے والا ہے۔ اور حالانکہ اس لفظ کے ساتھ حرمت کو ثابت کرنا ممکن ہے کیونکہ موجب یقین کا غیر بھی ثابت کر دیتا ہے تو لہذا یہ بھی اسی طرح ہو جائے گا۔ اور اس کے بعد جب اس نے حرم کیے گئے کام کو کر لیا تو حادث ہو جائے گا خواہ اس نے کم کیا یا زیادہ کیا ہو۔ اور اس پر کفارہ واجب ہے۔ اور مذکورہ استہانت کا حکم یہی ہے کیونکہ جب حرمت ثابت ہو جائے تو وہ چیز کے ہر جز کو شامل ہوتی ہے۔

شرح

صاحب فتاویٰ قاضی خان لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ "میں فلاں کو اس گھر میں داخل نہ ہونے دوں گا" تو اگر یہ گھر قسم کھانے والے کی ملکیت ہو تو اس نے اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا، پس وہ شخص اس گھر میں داخل ہو گیا تو قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ گھر کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کی قسم پوری ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زبانی اور عملاً دونوں طریقوں سے حسب طاقت منع کرتا اور اگر وہ گھر قسم کھانے والے کی ملکیت نہ ہو تو اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا حتیٰ کہ اگر وہ شخص اس مکان میں داخل ہو گیا تو حادث نہ ہوگا۔ (فتاویٰ قاضی خان، ج ۲، ص ۲۹۶، لکھنؤ)

اپنے اوپر ہر حلال چیز کو حرام قرار دینے کی قسم اٹھانا

(وَلَوْ قَالَ كُلُّ حِلٍّ عَلَيَّ حَرَامٌ فَهُوَ عَلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ إِلَّا أَنْ يَتَوَيَّ غَيْرَ ذَلِكَ) وَالْإِنْسَانُ أَنْ يَخْنُكَ كَمَا قَرَعَ لَأَنَّهُ بَاشَرَ فَعَلًا مُبَاحًا وَهُوَ التَّفْسُفُ وَنَحْوُهُ، هَذَا قَوْلُ زَكَرِيَّا رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى. وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْمَقْصُودَ وَهُوَ الْبَرُّ لَا يَتَحَصَّلُ مَعَ اغْتِبَارِ الْعُمُومِ، وَإِذَا سَقَطَ اغْتِبَارُهُ يَنْصَرِفُ إِلَى الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ لِلْعُرْفِ فَإِنَّهُ يُسْتَعْمَلُ فِيمَا يَتَاوَلُ عَادَةً. وَلَا يَتَاوَلُ الْمَرْأَةُ إِلَّا بِالنِّسَةِ لِإِسْقَاطِ اغْتِبَارِ الْعُمُومِ. وَإِذَا نَوَاهَا كَانَ إِبْلَاءً وَلَا تَصَرَّفَ الْيَمِينُ عَنِ الْمَأْكُولِ وَالْمَشْرُوبِ، وَهَذَا كُلُّهُ جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ.

وَمَشَابِيحُنَا قَالُوا يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ عَنْ غَيْرِ نِيَّةٍ لِعَلْبَةِ الْإِسْتِعْمَالِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَكَذَا

يَنْتَهِي فِي قَوْلِهِ حَلَالٌ يَرَوِي حَرَامٌ لِلْعُرْفِ. وَاخْتَلَفُوا فِي قَوْلِهِ هَرَجَهُ بَرْدُ رَأْسَتْ كِيرَمٍ يَرَوِي وَخِيَارٌ أَنَّهُ هَلْ تُشْتَرَطُ النِّيَّةُ وَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ يُجْعَلُ طَلَقًا مِنْ غَيْرِ نِيَّةٍ لِلْعُرْفِ.

ترجمہ

اور جب اس نے کہا کہ ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے تو یہ قسم کھانے اور پینے کی اشیاء کو شامل ہوگی۔ ہاں البتہ جب وہ شخص ان چیزوں کے سوا کی نیت کر لے۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ یہ کہنے کے ساتھ فوری طور حادث ہو جائے کیونکہ اس نے اس کے بعد ایک عمل مباح سرانجام دے دیا ہے۔ اور سانس وغیرہ لیتا ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا قول یہی ہے۔ جبکہ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قسم کا مقصد یعنی اس کو پورا کرنا عموم کے معتبر ہوتے ہوئے حاصل نہ ہوگا۔ اور جب عموم کا اعتبار ساقط ہو جائے گا تو عرف کے سبب قسم کو کھانے پینے کی چیزوں کی طرف پھیر دیا جائے گا البتہ یہ قسم بغیر نیت کے عورت کو شامل نہ ہوگی کیونکہ اس میں عموم کا اعتبار ساقط کر دیا گیا ہے تو جب قسم اٹھانے والے نے بیوی کی نیت تو یہ ایلا ہو جائے گا۔ البتہ کھانے پینے کی اشیاء سے قسم کو پھیرا نہیں جائے گا اور ظاہر الروایت کے مطابق یہی حکم ہے۔

ہمارے فقہاء مشائخ نے فرمایا ہے کہ غلبہ استعمال کے سبب بغیر نیت کے بھی اس جملے سے عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ اور فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ لہذا اس کے جملے "حلال مجھ پر حرام ہے" سے عرف کے سبب طلاق واقع ہو جاتی چاہئے۔ اور اس کے قول ہر چہ بدست گیرم بروے حرام" یعنی جو چیزیں دائیں ہاتھ میں لوں وہ مجھ پر حرام ہیں" میں مشائخ فقہاء نے اختلاف کیا ہے کہ اس سے وقوع طلاق میں نیت شرط ہے جبکہ ظاہر الروایت کے مطابق نیت کے بغیر بھی طلاق واقع ہو جائے کیونکہ عرف یہی ہے۔

شرح

جب عموم کا اعتبار ساقط ہو جائے گا تو عرف کے سبب قسم کو کھانے پینے کی چیزوں کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ قاعدہ فقہیہ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی معاشرے میں عمومی اعتبار کو ساقط کر دیا گیا ہو یا وہ کسی طرح رائج ہی نہ ہو تو وہاں قسم کی کھانے پینے کی اشیاء کی طرف پھیر دیا جائے گا اور حالف کے قول سے کھانے پینے کی چیزیں مراد ہوں گی۔

﴿نذر کا بیان﴾

قرآن کے مطابق نذر کا بیان

(۱) (وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ

بقرہ، ۲۷۰)

جو کچھ تم خرچ کرو یا منت مانو، اللہ (عزوجل) اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

(۲) (يُؤْفُونَ بِالْأَنْذَرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا) (دھر ۷۷)

نیک لوگ وہ ہیں جو اپنی منت پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے۔

احادیث کے مطابق نذر کا بیان

(۱) حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو یہ

منت مانے کہ اللہ (عزوجل) کی اطاعت کرے یعنی منت پوری کرے اور جو اس کی نافرمانی کرنے کی

منت مانے تو اس کی نافرمانی نہ کرے یعنی اس منت کو پورا نہ کرے۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان والندور)

(۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اس منت

کو پورا نہ کرے، جو اللہ (عزوجل) کی نافرمانی کے متعلق ہو ورنہ اس کو جس کا بندہ ہو، مک نہیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

(۳) حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ

میں منت مانی تھی کہ بخاند، میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا۔ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے

ریافت کیا؟ ارشاد فرمایا: "کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی منت ہے جس کی پرستش کی جاتی ہے؟" "وگوں نے عرض کی،

نہیں۔ ارشاد فرمایا: "کیا وہاں جاہلیت کی عیدوں میں سے کوئی عید ہے؟" "وگوں نے عرض کی، نہیں۔ ارشاد فرمایا: "پتی منت پوری

کر اس لیے کہ معصیت کے متعلق جو منت ہے اس کو پورا نہ کیا جائے اور نہ وہ منت جس کا انسان مالک نہیں۔

(سنن أبی داود، کتاب الایمان والندور)

(۴) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے

کہ "منت دو قسم ہے، جس نے عات کی منت مانی، وہ اللہ (عزوجل) کے لیے ہے اور اسے پورا کیا جائے اور جس نے گناہ

کرنے کی منت مانی، وہ شیطان کے سبب سے ہے اور اسے پورا نہ کیا جائے۔ (سنن الترمذی، کتاب الایمان والندور، باب کفارۃ

الندور)

(۵) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے کہ

ایک شخص کو کھڑا کر دیا۔ اس نے عرض کی، یہ ابو اسرائیل ہے اس نے منت مانی ہے کہ کھڑا رہے گا

بیشے گانہیں اور اپنے اوپر سایہ نہ کرے گا اور کلام نہ کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ ارشاد فرمایا کہ "اسے حکم کرو کہ کلام کرے اور سایہ میں جائے

اور بیٹھے اور اپنے روزہ کو پورا کرے۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان والندور، باب الندور)

(۶) حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"گناہ کی منت نہیں (یعنی اس کا پورا کرنا نہیں) اور اس کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا کفارہ ہے۔ (جامع الترمذی، کتاب

الندور والایمان)

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی

منت مانی اور اسے ذکر نہ کیا (یعنی فقط اتنا کہا کہ مجھ پر نذر ہے اور کسی چیز کو معین نہ کیا، مثلاً یہ نہ کہا کہ اتنے روزے رکھوں گا یا اتنی نماز

پڑھوں گا یا اتنے فقیر کھلاؤں گا وغیرہ وغیرہ) تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے گناہ کی منت مانی تو اس کا کفارہ ہے اور جس

نے ایسی منت مانی جس کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے اور جس نے ایسی منت مانی جس کی طاقت رکھتا ہے تو اسے

پورا کرے۔ (سنن أبی داود، کتاب الایمان والندور)

(۸) صحاح ستہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا کہ اون کی ماں کے ذمہ منت تھی اور پوری کرنے سے پہلے اون کا انتقال ہو گیا۔ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم) نے فتویٰ دیا کہ یہ اسے پورا کریں۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان والندور)

(۹) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ ایک شخص نے فتح مکہ کے دن حضور اقدس صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں نے منت مانی تھی کہ اگر اللہ

تعالیٰ آپ کے لیے فتح کرے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ انھوں نے ارشاد فرمایا: "کہ" "بیشے پڑھ لو۔"

دوبارہ پھر اس نے وہی سوال کیا، فرمایا: "کہ" "بیشے پڑھ لو۔" پھر سوال کا اعادہ کیا، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے جواب

دیا: "اب تم جو چاہو کرو۔" (سنن أبی داود، کتاب الایمان والندور)

(۱۰) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں، کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن نے منت مانی تھی

کہ پیدل حج کرے گی اور اس میں اس کی طاقت نہ تھی۔ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "کہ" "تیری بہن کی

تکلیف سے اللہ (عزوجل) کو کیا فائدہ ہے، وہ سواری پر حج کرے اور قسم کا کفارہ دیدے۔

(سنن أبی داود، کتاب الایمان والندور)

(۱۱) حضرت رزین نے محمد بن منبہر سے روایت کی کہ ایک شخص نے یہ منت مانی تھی کہ اگر خدا نے دشمن سے نجات دی تو میں

اپنے کو قربانی کر دوں گا۔ یہ سوال حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس پیش ہوا، انھوں نے فرمایا: "کہ" "سروق سے پوچھو، ایک مشہور

تابعی بزرگ اور حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تلمیذ رشید ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

سروق سے دریافت کیا تو یہ جواب دیا کہ اپنے کو ذبح نہ کر اس لئے کہ اگر تو مومن ہے تو مومن کو قتل کرنا لازم آئے گا اور اگر تو

کافر ہے تو جہنم کو جانے میں جلدی کیوں کرتا ہے، ایک مینڈھا خرید کر ذبح کر کے مساکین کو دیدے۔

منت ماننے کا فقہی بیان

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ منت کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اس کے کرنے کو کسی چیز کے ہونے پر موقوف

رکھے مثلاً میرا فلاں کام ہو جائے تو میں روزہ رکھوں گا یا خیرات کروں گا، دوم یہ کہ ایسا نہ ہو مثلاً مجھ پر اللہ (عزوجل) کے لیے اتنے

روزے رکھوں گا یا فلاں کام ہو جائے تو میں روزہ رکھوں گا، دوم یہ کہ ایسا نہ ہو مثلاً مجھ پر اللہ (عزوجل) کے لیے اتنے

روزے رکھنے میں یا میں نے اتنے روزوں کی منت مانی۔ پہلی صورت یعنی جس میں کسی شے کے ہونے پر اس کام کو معلق کیا ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر ایسی چیز پر معلق کیا کہ اس کے ہونے کی خواہش ہے مثلاً اگر میرا زکا تندرست ہو جائے یا پردیس سے آجائے یا میں روزگار سے مل سکے یا وہ روزے رکھوں گا یا تاخیرات کروں گا ایسی صورت میں جب شرط پائی گئی یعنی بیمار چھا ہو گیا یا زکا پردیس سے آ گیا یا روزگار مل گیا تو اتنے روزے رکھنا یا خیرات کرنا ضرور ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ کام نہ کرے اور اس کے عوض میں کفارہ دیدے، اور اگر ایسی شرط پر معلق کیا جس کا ہونا نہیں چاہتا مثلاً اگر میں تم سے بات کروں یا تمہارے گھر آؤں تو مجھ پر اتنے روزے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ میں تمہارے یہاں نہیں آؤں گا تم سے بات نہ کروں گا ایسی صورت میں اگر شرط پائی گئی یعنی اس کے یہاں گیا یا اس سے بات کی تو اختیار ہے کہ جتنے روزے کہے تھے وہ رکھ لے یا کفارہ دے۔

(در مختار، کتاب الایمان)

نذر ماننے کا بیان

(وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا مُطْلَقًا فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ نَذَرَ وَسَمَّى فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِمَا سَمَى) . (وَإِنْ عَلَّقَ النَّذْرَ بِشَرْطٍ فَوُجِدَ الشَّرْطُ فَعَلَيْهِ الْوَفَاءُ بِنَفْسِ النَّذْرِ) لِإِبْطَالِ الْحَدِيثِ، وَلِأَنَّ الْمُعْلَقَ بِالشَّرْطِ كَالْمُنَجَّرِ عِنْدَهُ (وَعَنْ أَبِي حَبِيبَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ رَجَعَ عَنْهُ وَقَالَ: إِذَا قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَعَلَيْ حَاجَةٍ أَوْ صَوْمٍ سَنَةٍ أَوْ صَدَقَةٍ مَا أَمْلِكُكَ أَجْزَأَهُ مِنْ ذَلِكَ كَفَّارَةٌ يَمِينٍ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ) وَيَخْرُجُ عَنْ الْعَهْدَةِ بِالْوَفَاءِ بِمَا سَمَى أَيْضًا. وَهَذَا إِذَا كَانَ شَرْطًا لَا يُرِيدُ كَوْنَهُ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْيَمِينِ وَهُوَ الْمَنْعُ وَهُوَ بظَاهِرِهِ نَذْرٌ فَيَتَخَيَّرُ وَيَمِيلُ إِلَى أَى الْجِهَتَيْنِ شَاءَ، بِحِلَافٍ مَا إِذَا كَانَ شَرْطًا يُرِيدُ كَوْنَهُ كَقَوْلِهِ إِنْ شَقَى اللَّهُ مَرِيضِي لَا نَعْدَامَ مَعْنَى الْيَمِينِ فِيهِ وَهَذَا التَّفْصِيلُ هُوَ الصَّحِيحُ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے علی الاطلاق نذر مانی تو اس پر نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی نذر مانی اور اس کو معین کر دیا ہے تو اس معین کردہ نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہے۔

اور جب کسی شخص نے نذر کو شرط کے ساتھ معلق پایا تو اس پر نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔ کیونکہ حدیث میں مطلق طور پر پورا کرنے کا حکم ہے۔

کیونکہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک معلق بہ شرط فوری واقع ہونے والا ہے۔ جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ اور آپ نے اس طرح فرمایا تھا کہ جب کسی نے کہا کہ اگر میں اس طرح کروں تو مجھ پر حج ہے یا ایک سال کا روزہ ہے یا ایسے مال کا صدقہ ہے جس کا میں مالک ہوں تو اس میں قسم کا کفارہ کافی ہو جائے گا۔ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ ہذا معین کردہ چیز کی ادائیگی سے وہ بری اندمہ ہو جائے گا۔ اور یہ حکم اس وقت ہوگا جب شرط ایسی چیز میں ہو جس کا واقع ہونا منظور نہ ہو کیونکہ اس میں قسم کا معنی ہے اور وہ باز نہ آتا ہے مگر یہ نہ ہر وہ نذر ہے ہذا اس کو اختیار ہوگا اور دونوں اطراف میں سے جس طرف وہ چاہے ناس ہو جائے گا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب شرط ایسی چیز کی ہو جو اس کو منظور نہ ہو جس طرح اس کا کہنا کہ اگر اللہ مر لیض کو شفاء دیدے۔ اس لئے کہ اس میں قسم کا معنی یعنی روئے معدوم ہو چکا ہے۔ اور یہی تفصیل زیادہ صحیح ہے۔

شرح

امرا غلب اصنہانی رحمہ اللہ تعالیٰ "مفردات الفاظ القرآن" میں لکھتے ہیں: نذریہ ہے کہ آپ کسی کام کے ہونے کی بنا پر وہ چیز واجب اور لازم کر لیں جو آپ پر واجب نہیں تھی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ یقیناً میں نے اللہ رحمن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے (مریم) (26) (مفردات الفاظ القرآن صفحہ 797)

ہذا نذریہ ہے کہ مکلف شخص اپنے آپ پر وہ چیز لازم کر لے جو اس پر لازم نہیں تھی، چاہے وہ منجز ہو یا معوق ہو۔

کتاب اللہ میں نذر کو مدح کی مد میں بھی بیان کیا گیا ہے: اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے متعلق فرمایا ہے۔ جاشیہ یک وصالح ہوگ وہ جام یمنیں گے جس کی آمیزش کا فور ہے، جو ایک چشمہ ہے، جس میں سے اللہ کے بندے نوش کریں گے، اس کی نہریں نکال کر لے جائیں گے (جدھر چاہیں)، جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی چاروں طرف پھیل جانے والی ہے۔ (الدھر، ۵)

تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کا روز قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرنا اور نذروں کو پورا کرنا ان کی نجات اور کامیابی اور جنت میں داخلے کا سبب بتایا ہے۔

نذر کا حکم کا بیان

مشروع نذر کو پورا کرنا واجب ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے۔ پھر وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنی نذریں پوری کریں۔ (الحج) (29)

فَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرِئُكُمْ أَنَّى لَكَ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ

يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (آل عمران)

تو اے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا۔ اور اے اچھے پروان چڑھایا۔ اور اے زکریا کی تمہائی میں دیا جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس یہ رزق پاتے (ف) کہا اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے۔ (کنز الایمان)

صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اور نذر میں لڑکے کی جگہ حضرت مریم کو قبول فرمایا حاشا نے ولادت کے بعد حضرت مریم کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیٹا المظہر میں احبار کے سامنے رکھ دیا یہ احبار حضرت ہارون کی اولاد میں تھے اور بیٹا المظہر میں ان کا منصب ایسا تھا جیسا کہ کعبہ شریف میں جبہ کا چونکہ حضرت مریم ان کے امام اور ان کے صاحب قربان کی دختر تھیں اور ان کا خاندان بنی اسرائیل میں بہت اعلیٰ اور اہل علم کا خاندان تھا اسلئے ان سب نے جن کی تعداد تیس تھی حضرت مریم کو لینے اور ان کا نقل کرنے کی رغبت کی حضرت زکریا نے فرمایا کہ میں ان کا سب سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں معاملہ اس پر ختم ہوا کہ قرعہ ڈالا جائے قرعہ حضرت زکریا کے نام پر نکلا۔

حضرت مریم ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنا اور بچے ایک سال میں۔ بے فصل میوے جو جنت سے اترتے اور حضرت مریم نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا۔

حضرت مریم نے صغریٰ میں کلام کیا جب کہ وہ پانے میں پرورش پاری تھیں جیسا کہ ان کے فرزند حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی حال میں کلام فرمایا

مسئلہ یہ آیت کرامات اولیاء کے ثبوت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر خوارق طہر فرماتا ہے حضرت زکریا نے جب یہ دیکھا تو فرمایا جو ذات پاک مریم کو بے وقت بے فصل اور بغیر سبب کے میوہ عطا فرمائے پر قادر ہے وہ بے شک اس پر قادر ہے کہ میری بانجھ بی بی کوئی تندرستی دے اور مجھے اس بڑھاپے کی عمر میں امید منقطع ہو جائے کے بعد فرزند عطا کرے بایں خیال آپ نے دعا کی جس کا اگلی آیت میں بیان ہے۔ (خزان العرفان، آل عمران، ۳۷)

حضرت حصہ کی نذر کا بیان

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ حضرت حصہ کی نذر کو اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمایا اور اسے بہترین طور سے نشوونما بخشی، ظاہری خوبی بھی عطا فرمائی اور باطنی خوبی سے بھرپور کر دیا اور اپنے نیک بندوں میں ان کی پرورش کرائی تاکہ علم اور خیر اور دین سیکھ لیں، حضرت زکریا کو ان کا کفیل بنا دیا ابن اسحاق تو فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ حضرت مریم علیہا السلام حیم ہو گئی تھیں، لیکن دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ قسط سالی کی وجہ سے ان کی کفالت کا بوجھ حضرت زکریا نے اپنے ذمہ لے لیا تھا، ہو سکتا ہے کہ دونوں وجوہات اتفاقاً آپس میں مل گئی ہوں واللہ اعلم، حضرت ابن اسحاق وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام ان کے خالو تھے،

اور بعض لوگ کہتے ہیں ان کے بہنوئی تھے، جیسے معراج والی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی جو دونوں خالہ زاد بھائی ہیں، ابن اسحاق کے قول پر یہ حدیث ٹھیک ہے کیونکہ اصلاح عرب میں ماں کی خالہ کے لڑکے کو بھی خالہ زاد بھائی کہہ دیتے ہیں پس ثابت ہوا کہ حضرت مریم اپنی خالہ کی پرورش میں تھیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیم صاحبزادی عمرہ کو ان کی خالہ حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی صاحبہ کے سپرد کیا تھا اور فرمایا تھا کہ خالہ قائم مقام ماں کے ہے، اب اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی بزرگی اور ان کی کرامت بیان فرماتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی ان کے پاس ان کے حجرے میں جاتے تو بیوی کی میوے ان کے پاس پاتے مثلاً جاڑوں میں گرمیوں کے میوے اور گرمیوں میں جائزے کے میوے۔ حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت ابو شوشہ، حضرت ابراہیم نخعی، حضرت ضحاک، حضرت قتادہ، حضرت ربیع بن انس، حضرت عطیہ عوفی، حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں یحییٰ فرماتے ہیں، حضرت مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ یہاں رزق سے مراد علم اور وہ صحیفے ہیں جن میں ملی باتیں ہوتی تھیں لیکن اول قول ہی زیادہ صحیح ہے، اس آیت میں اویاء اللہ کی کرامات کی دلیل ہے اور اس کے ثبوت میں بہت سی حدیثیں بھی آتی ہیں۔

حضرت زکریا علیہ السلام ایک دن پوچھ بیٹھے کہ مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ صدیقہ نے جواب دیا کہ اللہ کے پاس سے، وہ جسے چاہے بحساب روزی دیتا ہے، مسند حافظ ابو یعلیٰ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گذر گئے بھوک سے آپ کو تکلیف ہونے لگی اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی تمہارے پاس کچھ ہے؟ کہ میں کھالوں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے باپ صدقے ہوں کچھ بھی نہیں، اللہ کے نبی (اللحم صلی وسلم علیہ) وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ کی لونڈی نے دو روٹیاں اور کھڑا گوشت حضرت فاطمہ کے پاس بھیجا آپ نے اسے لے کر برتن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں گو مجھے، میرے خاوند اور بچوں کو بھوک ہے لیکن ہم سب فاقے ہی سے گذر دیں گے اور اللہ کی قسم آج تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دوں گی، پھر حضرت حسن یا حسین کو آپ کی خدمت میں بھیجا کہ آپ کو بلا لائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے ہی میں ملے اور ساتھ ہو لئے، آپ آئے تو کہنے لگیں میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اللہ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ کے لئے چھپ کر رکھ دیا ہے، آپ نے فرمایا میری پیاری بچی بے آواز، اب جو ہشت کھواتو دیکھتی ہے کہ روٹی سالن سے اعلیٰ رہا ہے دیکھ کر حیرن ہوئیں لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ اللہ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے، اللہ کا شکر کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ پر درود پڑھا اور آپ کے پاس ماں پر پیش کر دیا آپ نے بھی اسے دیکھ کر اللہ کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بچی یہ کہاں سے آیا؟ جواب دیا کہ اباجان اللہ کے پاس سے وہ جسے چاہے بحساب روزی دے، آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار جیسا کر دیا، انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیتی کرتی تھیں کہ اللہ کے پاس سے ہے اللہ جسے چاہے بحساب رزق دیتا ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عندہ کوبایا اور آپ نے حضرت علیؑ نے اور حضرت فاطمہؑ نے اور حضرت حسینؑ نے اور آپ کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیتؑ نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا جو اس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا یہ خبر کثیر در برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

حضرت عمران کی بیوی صاحبہ کا نام حسد بنت فاقوہ تھا حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ تھیں حضرت محمد اسحاق فرماتے ہیں انہیں دوا نہیں ہوتی تھی ایک دن ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچوں کو چونہ دے رہی ہے تو انہیں ولولہ اٹھ اور اللہ تعالیٰ سے اسی وقت دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ کو پکارا، اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور اسی رات انہیں حمل ٹھہر گیا جب حمل کا یقین ہو گیا تو نذر دہانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ کے نام پر آزاد کر دوں گی، پھر اللہ سے دعا کی کہ پروردگار تو میری اس مخلصہ نذر کو قبول فرما تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو بھی خوب جان رہا ہے، اب یہ معلوم نہ تھا لڑکا ہو گا یا لڑکی جب پیدا ہوا تو دیکھا کہ وہ لڑکی ہے اور لڑکی تو اس قابل نہیں کہ وہ مسجد مقدس کی خدمت انجام دے سکے اس کے لئے تو لڑکا ہونا چاہئے تو عاجزی کے طور پر اپنی مجبوری جناب باری میں ظاہر کی کہ اے اللہ میں تو اسے تیرے نام پر وقف کر چکی تھی لیکن مجھے تو لڑکی ہوئی ہے، واللہ اعلم بما وضعت بھی پڑھا گیا یعنی یہ قول بھی حضرت حسد کا تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی اور "تا" کے جزم کے ساتھ بھی آیا ہے، یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی ہے، اور فرماتی ہے کہ مرد عورت برابر نہیں، میں اس کا نام مریم رکھتی ہوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس دن بچہ ہوا اسی دن نام رکھنا بھی جائز ہے،

کیونکہ ہم سے پہلے لوگوں کی شریعت ہماری شریعت ہے اور یہاں یہ بیان کیا گیا اور تردید نہیں کی گئی بلکہ اسے ثابت اور مقرر رکھ گیا، اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میرے ہاں لڑکا ہوا اور میں نے اس کا نام اپنے باپ حضرت ابراہیم کے نام پر ابراہیم رکھا ملا حقہ ہو بخاری مسلم،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھائی کو جبکہ وہ تولد ہوئے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے انہیں اپنے ہاتھ سے گھنی دی اور ان کا نام عبداللہ رکھا، یہ حدیث بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں رات کو بچہ ہوا ہے کیا نام رکھوں؟ فرمایا عبدالرحمن نام رکھو (بخاری)

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں بچہ ہوا جسے لے کر آپ حاضر خدمت نبوی ہوئے تاکہ آپ اپنے دست مبارک سے اس بچے کو گھنی دیں آپ اور طرف متوجہ ہو گئے بچہ کا خیال نہ رہا۔ حضرت ابو سعید نے بچے کو واپس گھر بھیج دیا جب آپ فارغ ہوئے بچے کی طرف نظر ڈالی تو اسے نہ پایا گھبرا کر پوچھا اور معلوم کر کے کہا اس کا نام منذر رکھو (یعنی ذرا

دینے والا)

مسند احمد اور سنن میں ایک اور حدیث مروی ہے جسے امام ترمذی صحیح کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اپنے حقیقہ میں گروئی ہے ساتویں دن حقیقہ کرے یعنی جانور ذبح کرے اور نام رکھے، اور بچہ کا سر منذر دے، ایک روایت میں ہے اور خون بہایا جائے اور یہ زیادہ ثبوت والی اور زیادہ حفظ والی روایت ہے واللہ اعلم،

لیکن زبیر بن بکار کی روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا حقیقہ کیا اور نام ابراہیم رکھا یہ حدیث سنداً ثابت نہیں اور صحیح حدیث اس کے خلاف موجود ہے اور یہ تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ اس نام کی شہرت اس دن ہوئی واللہ اعلم۔ حضرت مریم علیہا السلام کی اس دعا کو قبول فرمایا، چنانچہ مسند عبدالرزاق میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: بچے کو شیطان اس کی پیدائش کے وقت ٹھوکا دیتا ہے اسی سے وہ چیخ کر رونے لگتا ہے لیکن حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ اس سے بچ کر رہے، اس حدیث کو بیان فرمایا حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو آیت (وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ) 3۔ آل عمران 36) یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے، یہ حدیث اور بھی بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے کسی میں ہے ایک یا دو دھچکے دیتا ہے، ایک حدیث میں صرف سینے کا ہی ذکر ہے کہ شیطان نے انہیں بھی دھچکا مارنا چاہا لیکن انہیں دیا ہوا ٹھوکا پردے میں لگ کر رہ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، آل عمران ۳۷)

اس جیسے میں حسرت کا اظہار بھی ہے اور عذر کا بھی۔ حسرت اس طرح کہ میری امید کے برعکس لڑکی ہوئی ہے اور عذر اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لئے ایک خدمت گار وقف کرنا تھا اور یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا تھا۔ اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہے (فتح القدیر)

مولانا عبدالرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں۔

حضرت مریم کی والدہ نے جو منت مانی تھی وہ اس توقع سے مانی تھی کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ کیونکہ اس عہد میں لڑکے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کئے جاتے تھے۔ مگر لڑکیوں کو وقف کرنے کا رواج نہ تھا۔ مگر ہوا یہ کہ لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی تو انہیں اس بات پر افسوس ہونا ایک فطری امر تھا۔ اس آیت میں محرر کا لفظ آیا ہے۔ جس کا لغوی معنی آزاد کر دہا ہے یعنی اب بچہ جسے وادین نے تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ہوتا کہ وہ کیسے ہو کر اللہ کی عبادت کر سکے۔ یہود میں دستور تھا کہ وہ اس طرح کے منت مانے ہوئے وقف شدہ بچوں کو بیت المقدس یا بیکل سیمانی میں چھوڑ جاتے اور انہیں بیکل سیمانی یا عبادت خانہ کے منتظمین جنہیں وہ اپنی زبان میں کاہن کہتے تھے، کے سپرد کرتے تھے۔

یہ بطور جملہ مقرر خدا تعالیٰ کا کلام ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو یہ کہہ کر تسلی دی ہے کہ یہ لڑکی لڑکے سے بدرجہا افضل ہے۔ حتیٰ کہ کوئی بھی لڑکا اس لڑکی کے جوڑ کا نہیں۔ لہذا افسوس کرنے کی کوئی بات نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت

شیطان اسے چھوتا ہے تو وہ چلا کر رونے لگتا ہے۔ صرف مریم اور اس کے بیٹے (حضرت عیسیٰ) کو شیطان نے نہیں چھوا۔ (بخاری، کتاب التفسیر، زیر آیت مذکورہ) اس حدیث سے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ دونوں کی فضیلت ثابت ہوئی۔ نیز یہ کہ حضرت مریم کی دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ (تفسیر تیسیر القرآن)

قاضی شوکانی کہتے ہیں: یہاں امر واجب کے لیے ہے۔

اور کئی ایک احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نذر ماننے کی کراہت کا بیان ملتا ہے: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم نذر میں نہ مانا کرو، کیونکہ نذر تقدیر سے کچھ فائدہ نہیں دیتی، بلکہ یہ تو بخیل سے نکالنے کا ایک بہانہ ہے" صحیح مسلم حدیث نمبر (3096)

اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نذر سے منع کیا اور فرمانے لگے: "یہ کسی چیز کو دور نہیں ہٹاتی، بلکہ اس سے تو بخیل اور کنجوں سے نکالا جاتا ہے" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نذر پوری کرنے والوں کی تعریف کرنے کے بعد اس سے منع کیسے کر دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس نذر کی تعریف اور مدح کی گئی ہے وہ اطاعت و فرمانبرداری کی نذر ہے، جو کسی چیز پر معلق نہ ہو جیسا انسان سستی و کاہلی کو دور اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنے اوپر محمول کرے۔

اور جس نذر سے منع کیا گیا ہے وہ کئی قسم کی نذریں ہیں جن میں سے ایک نذر تو وہ ہے جو بطور معاوضہ ہو یعنی نذر ماننے والا اطاعت و فرمانبرداری کو کسی کام کے حصول یا کسی چیز کے دور ہونے پر معلق کرے اس طرح کہ اگر وہ کام نہ ہو تو وہ یہ اطاعت و فرمانبرداری کا کام نہیں کرے گا، اور نہ نذر ماننے والی ممنوع ہے ہو سکتا ہے اسے منع کرنے میں حکمت یہ ہو کہ: کہ جب اس پر وہ کام حتیٰ اور واجب و لازم ہو جائے تو نذر ماننے والا شخص اس اطاعت کے کام کو بوجھ سمجھ کر انجام دے۔

جب نذر ماننے والے نے اطاعت کرنے کی نذر اس شرط پر مانی کہ اگر اس کا مطلوبہ کام ہو جائے تو وہ یہ اطاعت کرے گا، تو اس طرح یہ اس کے معاوضہ اور بدلہ ہوا جو اس کام کے کرنے والے کی نیت میں قدح ہے۔ کیونکہ اگر اس کے مریض کو شفا یا بی حاصل نہ ہو تو وہ شفا یا بی پر معلق کردہ صدقہ نہیں کرے گا، اور یہ بخل کی حالت میں ہے، کیونکہ وہ اپنے مال سے بغیر عوض کے جہد نہیں نکالتا جو اس کے نکالے جانے والے پر غالباً زیادہ کرتا ہو؟

بعض لوگوں کا جاہلی اعتقاد ہوتا ہے کہ نذر مطلوبہ چیز کے حصول کا باعث بنتی ہے، یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نذر کے عوض میں نذر ماننے والے کا مطلوبہ کام پورا کر دیتا ہے۔

اور بعض جاہل لوگوں کا ایک اور اعتقاد ہے کہ نذر تقدیر کو بدلتی ہے، یا انہیں جہد نفع دینے کا باعث بنتی ہے، اور ان سے نقصان اور ضرر کو دور کرتی ہے۔

تو اس خدشہ کی بنا پر اس سے منع کر دیا کہ کہیں جاہل ایسی ہی اعتقاد نہ رکھنا شروع کر دیں، اور اس طرح کے اعتقاد کی خطرناکی پر

متنبہ کرنے کیلئے اس سے منع کر دیا گیا تاکہ عقیدہ کی سلامتی رہے۔

اس نذر کی اقسام جس کو پورا کرنا واجب ہے۔

اول: جس نذر کا پورا کرنا واجب ہے (وہ اطاعت و فرمانبرداری کی نذر ہے) ہر وہ نذر ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی نذر ہو مثلاً: نماز، روزہ، عمرہ، حج، صدقہ، اعتکاف، جہاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ: میں اللہ کے لیے اتنے روزے رکھوں گا، یا اتنا صدقہ کروں گا، یا یہ کہے کہ: اللہ کے لیے میرے ذمہ ہے کہ میں اس برس حج کروں گا، یا میں مسجد حرام میں دو رکعت ادا کروں گا، ان نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر جو اللہ تعالیٰ نے میرے مریض کو شفا یا بی دے کر دی ہیں۔

یا وہ نذر معلق ہو، یعنی اگر اس کا کوئی کام ہو جائے تو وہ فلاں نیک کام کرے گا، مثلاً وہ کہے: اگر میرا غائب شخص آگیا، یا اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے دشمن سے محفوظ رکھا تو میرے ذمہ اتنے روزے یا اتنا صدقہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی نذر مانی تو وہ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، اور جس نے اللہ کی نافرمانی کرنے کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے۔"

(صحیح بخاری حدیث نمبر (6202))

اور اگر کسی شخص نے اطاعت کی نذر مانی اور پھر ایسے حالات پیدا ہو گئے جس نے اسے نذر پوری کرنے سے عاجز کر دیا: مثلاً کسی شخص نے نذر مانی کہ وہ ایک ماہ کے روزے رکھے گا، یا حج یا عمرہ کرے گا لیکن وہ بیمار ہو گیا اور اس بنا پر روزے نہ رکھ سکا، یا حج اور عمرہ نہ کر سکا، یا اس نے صدقہ کرنے کی نذر مانی لیکن وہ فقر سے دوچار ہو گیا، جس کی بنا پر نذر پوری کرنے سے قاصر رہا، تو اس حالت میں نذر قسم کے کفارہ میں بدل جائے گی، جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں وارد ہے:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: جس نے ایسی نذر مانی جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے "اسے ابو داؤد اور احمد اللہ نے روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بوغ المرام میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے، اور حافظ رحمہم اللہ نے اس کے وقف کو راجح کہا ہے۔

اور ابن تیمیہ کہتے ہیں: جب انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی نذر ماننے کا قصد کرے تو اسے وہ نذر پوری کرنا ہوگی، لیکن اگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے مانی نذر کو پورا نہیں کرتا تو اکثر سلف کے ہاں اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ (مجموع الفتاویٰ (33) / (49))

دوم: ایسی نذر جسے پورا کرنا جائز نہیں ہے، اس میں قسم کا کفارہ ہے: اور یہ نذر کی یہ قسم مندرجہ ذیل پر مشتمل ہے

معصیت کی نذر کا بیان

ہر وہ نذر جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کی نذر مانی گئی ہو، مثلاً کوئی شخص یہ نذر مانے کہ وہ کسی قبر یا مزار پر تیل ڈالے گا یا شمع روشن کرے گا، یا کسی قبر اور مزار اور شریکہ جگہ کی زیارت کی نذر مانے، تو بعض وجوہات کی بنا پر یہ نذرتوں کے لیے نذر کے

مشابہ ہوگی۔

اور اسی طرح اگر کوئی شخص کسی معصیت و نافرمانی کی نذر مانے مثلاً زنا کاری، یا شراب نوشی، یا چوری، یا ختم کا ماں بزرپ کرنا، یا کسی کا حق کا انکار کرنا، کسی کے ساتھ قطع رحمی کرنے کی، یا بغیر کسی شرعی مانع کے کسی کے گھر میں نہ جانے کی، تو یہ سب نذریں ایسی ہیں جو ناجائز ہیں ان کا پورا کرنا کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے، بلکہ اسے اپنی نذر کے کفارہ میں قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے، اس قسم کی نذر پوری نہ کرنے کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی نذر مانی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرے، اور جس نے اس کی نافرمانی و معصیت کرنے کی نذر مانی تو وہ اس کی نافرمانی و معصیت نہ کرے"

اسے بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "معصیت و نافرمانی کی نذریں کوئی وفا نہیں۔" (صحیح مسلم حدیث نمبر (3099))

وہ نذر جو شخص کے مقصود ہو

جب مسلمان شخص کوئی نذر مانے اور اسے یہ علم ہو جائے کہ اس کی نذر صحیح نفس جس میں امر یا نہی ہے کے مقصود ہے تو اسے نذر پورا کرنے سے باز رہنا چاہیے، اور اس کے بدلے اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا چاہیے اس کی دلیل بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا تو ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ میں نے نذر مانا ہے کہ پوری زندگی ہر منگل یا ہر بدھ کو روزہ رکھوں گا اور یہ دن عید الاضحیٰ کے دن کے موافق ہو گیا ہے؟

تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہمیں نذر پوری کرنے کا حکم دیا ہے، اور عید والے دن ہمیں روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس شخص نے دوبارہ یہی سوال کیا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہی جواب دیا، اس سے زیادہ کچھ نہ کہا۔ صحیح بخاری حدیث نمبر (6212)

اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیاد بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں ایک شخص نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منیٰ میں چلتے ہوئے سوال کیا۔

میں نے نذر مانا ہے کہ ہر منگل یا ہر بدھ کو روزہ رکھوں گا، اور یہ دن عید الاضحیٰ کے موافق آ گیا ہے، آپ کیا کہتے ہیں؟ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نذر پوری کرو، اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، یا یہ کہا: ہمیں عید قربان کے دن روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔

راوی کہتے ہیں: اس شخص نے خیال کیا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سنائیں، تو اس نے کہا: میں نے ہر منگل یا بدھ کو روزہ

رکھنے کی نذر مانا ہے، اور یہ دن عید قربان کے موافق آ گیا ہے؟

تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا تو حکم ہے کہ نذر پوری کی جائے، اور ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے، یا فرمایا ہمیں عید قربان کا روزہ رکھنے سے منع کیا گیا ہے، راوی کہتے ہیں: اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا حتیٰ کہ پہاڑ کے ساتھ ٹپک لگالی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نفی یا نذر کا روزہ رکھنا جائز نہیں ہے۔

وہ نذر جس کا حکم قسم کے کفارہ کے علاوہ کوئی حکم نہیں

اور کچھ نذریں ایسی ہیں جن کے متعلق کوئی احکام نہیں صرف اتنا ہے کہ نذر ماننے والا نذر کے کفارہ کے طور پر قسم کا کفارہ لازمی دے گا، اس میں کچھ نذریں یہ ہیں۔

مطلقاً نذر ماننا (یہ وہ نذر ہے جس کا نام نہ لیا گیا ہو) لہذا اگر کسی مسلمان شخص نے نذر مانا اور نذر مانا گئی چیز کا نام نہ لیا، بلکہ نذر کو بغیر نام کے مطلق ہی رہنے دیا یا تعین نہ کیا، مثلاً یہ کہا کہ: مجھ پر نذر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا پائی سے نوازا، اور اس نے کسی چیز کا نام نہ لیا تو اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

عقبہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نذر کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے" اسے مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے، امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: امام مالک اور بہت ساروں نے بلکہ اکثر نے اسے نذر مطلق پر محمول کیا ہے، جیسا کہ کوئی کہے: مجھ پر نذر ہے: شرح مسلم از امام نووی (11 ر. 104)

ایسی چیز کی نذر جو اس کی ملکیت نہیں

جب نذر ماننے والے کسی ایسی چیز کی نذر مانا جو اس کی ملکیت ہی نہیں تو اس پر قسم کے کفارہ کے علاوہ کچھ نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ نذر مانے کہ وہ فلاں شخص کا مال صدقہ کرے گا، یا فلاں شخص کا غلام آزاد کرے گا، یا فلاں شخص کو باغ بہ یہ دے گا اور وہ اس کا مالک ہی نہ ہو۔

اور اس حکم پر مندرجہ ذیل حدیث دالت کرتی ہے: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ابن آدم جس چیز کا مالک نہیں اس میں اس کی نذر نہیں ہے، اور جس کا وہ مالک نہیں اسے آزاد بھی نہیں کر سکتا، اور جس کا وہ مالک نہیں اس میں طلاق نہیں ہے" سنن ترمذی حدیث نمبر (1101) امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں عبد اللہ بن عمرو کی حدیث حسن صحیح ہے۔

وہ نذر جسے پورا کرنے یا قسم کا کفارہ دینے میں اختیار ہے

کچھ نذریں ایسی ہیں جن میں نذر ماننے والے کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی نذر پوری کرے یا پھر نذر کے کفارہ میں قسم کا کفارہ ادا کر دے، اس قسم میں مندرجہ ذیل نذریں آتی ہیں۔

جھگڑا اور غصہ کی نذر: یہ ہر وہ نذر ہے جو قسم کی جگہ ہو اور اس سے کسی فعل کو سرانجام دینے یا کسی فعل کو ترک کرنے پر ابھارنا مراد ہو، یا پھر کسی کی تصدیق یا تکذیب مراد ہو، نذر ماننے والے کا مقصد نذر نہ ہو اور نہ ہی اللہ کا قرب حاصل کرنا ہو۔

مثلاً کوئی شخص غصہ کی حالت میں یہ کہے: (اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر جحمت یا میرے ذمہ ایک ماہ کے روزے یا ایک ہزار دینا صدقہ کرونگا)

یا یہ کہے (اگر میں نے فلاں شخص سے کلام کی تو یہ غلام آزاد کرونگا، یا میری بیوی کو طلاق) وغیرہ اور پھر وہ یہ کام کر بھی لے، ورنہ اس ساری کلام سے اس کی تاکید چاہتا تھا کہ وہ اس کام وغیرہ کو نہیں کرے گا، تو اس کے مقصود کی حقیقت میں نہ تو شرط پر عمل کرے اور نہ ہی اس پر سزا لگا ہوگی، بلکہ اسے اس طرح کی نذر میں اختیار دیا جائے گا۔

اس شخص کی حالت کسی کی حکایت بیان کرنا ہو، یا کسی چیز کے فعل یا عدم فعل پر ابھارنے کا اظہار ہو، اسے بھی اختیار ہے کہ یا تو وہ اپنی نذر پوری کرے یا پھر قسم کا کفارہ ادا کر دے، جو ہر کے اعتبار سے اسے قسم شمار کیا جائیگا۔

نام نہاد آزاد محقق ابن تیمیہ کہتے ہیں: "اگر اس نے قسم کے اعتبار سے نذر کو معلق کیا اور یہ کہا: اگر میں تمہارے ساتھ سفر کروں تو مجھ پر حج ہے، یا میرا مال صدقہ، یا میرے ذمہ غلام آزاد کرنا، تو صحابہ کرام اور جمہور علماء کے ہاں یہ حلف نذر ہے، نہ کہ وہ نذر ماننے والا ہے، لہذا اگر وہ اپنے اوپر لازم کردہ کو پورا نہیں کرتا تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہی کافی ہے"

اور ایک دوسری جگہ پر کہتے ہیں: "جھگڑے اور غصہ کی حالت میں نذر سے واجب کردہ میں ہمارے ہاں مشہور قول پر دو چیزوں میں سے ایک ہے: یا تو کفارہ یا پھر معلق کردہ فعل کو سرانجام دینا، اور اگر وہ معلق کردہ چیز کا التزام نہیں کرتا تو پھر کفارے کا وجوب ثابت ہوتا ہے"

مباح نذر کا بیان

یہ ہر وہ نذر ہے جو مباح امور میں سے کسی پر بھی مانی گئی ہو، مثلاً کوئی شخص کسی معین لباس کے پہننے کی نذر مانے، یا کوئی شخص کھانا کھانے کی نذر مانے، یا کسی بذاتہ جانور پر سوار ہونے کی نذر مانے، یا کسی محدود گھر میں داخل ہونے کی نذر مانے، وغیرہ ثابت بن ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک شخص نے بوانہ نامی جگہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اس کا بیٹا پیدا ہوا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: میں نے بوانہ میں اونٹ

ذبح کرنے کی نذر مانی ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہاں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا جس کی عبادت کی جاتی تھی؟ تو صحابہ نے جواب دیا: نہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہاں ان کا کوئی میلہ ٹھیلہ لگتا تھا؟ تو صحابہ کرام نے جواب دیا: نہیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اپنی نذر پوری کرو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کی نذر پوری کرنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس میں جس کا این آدم، لک ہی نہیں۔ (سنن ابوداؤد حدیث نمبر (2881))

نذر سے ممانعت کے سبب کا بیان

علامہ خطابی نے فرمایا کہ نذر سے منع کا معنی یہ ہے کہ یہ نذر کے متعلق اہتمام کا اظہار ہے اور نذر کو اپنے ذمہ لازم کرنے کے بعد اس میں مداخلت پر ڈرنا مقصود ہے، اور اگر نذر سے یہ منع برائے سزا ہوتا اس سے لازم آئے گا کہ نذر کو پورا کرنے کا حکم ختم ہو جائے کیونکہ یوں نذر گناہ قرار پائے گی، لہذا بلاشبہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نذر اس اعتقاد سے نہ مانو کہ نذر کی وجہ سے تقدیر بدل جائے گی کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقدر نہیں فرمایا نذر کی وجہ سے تم اس کو حاصل کر لو گے اور تقدیر میں جو چیز تم پر وارد ہونے والی ہے تم اس کو نذر کے ذریعہ لوٹا دو، اور جب نذر نہ ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے اسے پورا کرو، کیونکہ جو نذر مانی ہے وہ تم پر لازم ہو چکی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب النذر باب النذر، مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

علامہ طیبی نے فرمایا اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں نبی کا تعلق اور اس کی علت، تقدیر سے نذر مستغنی نہیں کرتی، والا جملہ ہے۔ اور اس میں حبیہ ہے کہ اس عقیدہ سے نذر ماننا کہ یہ تقدیر کو تبدیل کر دے گی اور اس سے مستغنی کر دے گی، یہ منع ہے، لیکن نذر مان کر یہ عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ ہی معاملات کو آسان فرماتا ہے اور وہی ذاتی طور پر نافع اور ضار ہے اور نذر محض ایک وسیلہ ہے۔ تو اس عقیدہ سے نذر اور اس کو پورا کرنا عبادت ہے، اور یہ صورت ممنوع نہیں ہے یہ کیسے ممنوع ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نیک بندوں کی مدح میں خود فرمایا کہ وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ اور فرمایا: جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں وقف کرتی ہوں۔ اور میں کہتا ہوں یونہی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، میں نے اللہ تعالیٰ رحمن کیسے روزہ کی نذر مانی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حدیث میں نبی کا تعلق اس نذر سے ہے جس میں یہ عقیدہ شامل ہو کہ یہ نذر تقدیر سے مستغنی کر دے گی۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب النذر)

علامہ محمد امین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

خانیہ میں مذکور ہے کہ جب کسی نے کہا کہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہو جاؤں تو بکری ذبح کروں گا، تو تندرست ہونے پر اس پر ذبح کرنا لازم نہیں ہوگا مگر جب یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری ذبح کروں گا (تو پھر نذر ہوگی اور پورا کرنا لازم ہوگا) یہ درمختار کے متن کی عبارت ہے اور اس کی شرح میں اسکی علت یہ بیان کی ہے کہ اس لئے کہ پورا کرنا نذر کی وجہ سے لازم ہوتا ہے، اس پر دوسری عبارت دلالت کرتی ہے، پہلی عبارت اس پر دال نہیں ہے۔ اور اس کی تائید بزاز یہ ہیں کہ

بَابُ الْبَيْتِ فِي الدَّخُولِ وَالسَّكَنِ

﴿یہ باب گھر میں دخول و سکنت کی قسم کے بیان میں ہے﴾

باب یمین دخول و سکنت کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ کتاب قسم کو بیان کرنے کے بعد یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس کے ابواب و انواع کو بیان کیا جائے۔ کیونکہ قسم کسی فعل کے انعقاد یا ترک پر ہوتی ہے اور ان افعال میں سب سے مقدم مصنف اس باب و قائم کیا ہے جس میں دخول و سکنت سے متعلق قسم کے احکام کو بیان کیا ہے کیونکہ انسانی ضرورت میں تمام اشیاء زندگی سے انہی کو مقدم حاصل ہے۔ اور دوسری اشیاء سے ان کی برتری کی دلیل یہ بھی ہے اس نعمت کو کتاب میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ، ۲۲)

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔ تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے لئے کھائے کو تو اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔ (کنز الایمان)

دخول کا مطلب یہ ہے کہ باہر سے باطن کی طرف انتقال کیا جائے جبکہ سکنت کا معنی یہ ہے کہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف خروج کرنا تاکہ وہاں وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ شب و روز بسر کرے۔

(عنا یہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۶، ص ۳۹۳، بیروت)

گھر میں عدم دخول کی قسم اٹھانے والے کا کعبہ میں داخل ہونے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا فَدَخَلَ الْكُفْبَةُ أَوْ الْمَسْجِدَ أَوْ الْبَيْعَةَ أَوْ الْكَيْسَةَ لَمْ يَحْنَثْ) لِأَنَّ النَّبِيَّ مَا أَعَدَّ لِلنَّبِيِّتِ وَهَذِهِ الْبَيْعَةُ مَا يَبِيتُ لَهَا (وَكَذَا إِذَا دَخَلَ دِهْلِيًّا أَوْ ظُلَّةَ بَابِ الدَّارِ) لِمَا ذَكَرْنَا، وَالظُّلَّةُ مَا تَكُونُ عَلَى الشَّجَةِ، وَقِيلَ إِذَا كَانَ الدَّهْلِيُّ بِحَيْثُ لَوْ أُغْلِقَ الْبَابُ بَقِيَ دَاخِلًا وَهُوَ مُسَقَّفٌ يَحْنَثُ لِأَنَّهُ يَبِيتُ فِيهِ عَادَةً (وَأِنْ دَخَلَ صُفَّةً حَيْثُ) لِأَنَّهَا تُبْنَى لِلنَّبِيِّتِ فِيهَا فِي بَعْضِ الْأَوَلَاتِ فَصَارَ كَالشُّتْوَى وَالصُّفَّةِ. وَقِيلَ هَذَا إِذَا كَانَتْ الصُّفَّةُ ذَاتَ حَوَائِطٍ أَرْبَعَةٍ، وَهَكَذَا كَانَتْ صِفَاتُهُمْ. وَقِيلَ الْجَوَابُ مُجَرِّى عَلَى إِبْلَاقِهِ وَهُوَ الصَّحِيحُ.

اگر کوئی یہ کہے کہ گریمر اینا سالم بچے تو میں تازندگی روزہ رکھوں گا تو وعدہ ہوگا، لیکن اس کے ساتھ برازیہ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کہے "اگر مجھے محنت ہوئی تو اتنے روزے رکھوں گا" تو پورا کرنا واجب نہ ہوگا، جب تک اس میں "اللہ تعالیٰ کے لئے مجھ پر روزہ لازم ہے" نہ کہے۔ لیکن اتحسان یہ ہے کہ اس پر روزہ لازم ہو جائے گا، اور اگر کوئی کہے "اگر میں ایسا کروں تو میں حج کروں گا" اس کے بعد اس نے وہ کام کیا تو حج لازم ہوگا۔ (رد مختار، ج ۳، ص ۷۰، پشاور)

جس نے قسم کے ساتھ اتصالی طور پر ان شاء اللہ کہا

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ مُتَّصِلًا بِبَيْمِهِ فَلَا حَنْثَ عَلَيْهِ) لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ وَقَالَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ فَقَدْ بَرَّ فِي يَمِينِهِ) إِلَّا أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْإِتِّصَالِ لِأَنَّهُ بَعْدَ الْفَرَاغِ رُجُوعٌ وَلَا رُجُوعَ فِي الْيَمِينِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

فرمایا اور جس نے اپنی قسم پر حلف اٹھایا و قسم کے ساتھ ہی اتصالی طور پر ان شاء اللہ کہا پس وہ حانث نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے قسم اٹھائی اور ان شاء اللہ کہا تو وہ قسم سے بری ہو گیا۔ البتہ اس کیلئے اتصال ضروری ہے کیونکہ وہ فراغت کے بعد رجوع ہے اور یمین میں رجوع نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا حق کو جاننے والا ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یمینان علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنی نوے بیویوں میں سے ہر ایک کے پاس رات میں جاؤں گا، ان میں سے ہر ایک اب بچہ بنے گی جو شہسوار ہوں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے، ان کے ساتھی نے کہا کہ انشاء اللہ کہیں لیکن انہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا اور اپنی تمام بیویوں کے پاس گئے تو ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی جس نے ایک ناقص بچہ جنا، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ کہتے (تو سب کے بچے پیدا ہوتے) اور شہسوار ہو کر اللہ کی راہ میں سب کے سب جہاد کرتے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1560)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جو حلف کھائے کہ اسے پھر بھی انشاء اللہ کہنے کا حق ہے گو سال بھر گزر چکا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کلام میں یا قسم میں انشاء اللہ کہنا بھول گیا تو جب بھی یاد آئے کہہ لے گو کتنی مدت گزر چکی ہو اور گو اس کا خلاف بھی ہو چکا ہو۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ اب اس پر قسم کا کفارہ نہیں رہے گا اور اسے قسم توڑنے کا اختیار رہے۔ یہی مطلب اس قول کا امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور یہی بالکل ٹھیک ہے اسی پر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلام محمول کیا جاسکتا ہے ان سے اور حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مراد انشاء اللہ کہنا بھول جانا ہے۔

ترجمہ

اور جس شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا اس کے بعد وہ کعبہ میں یا مسجد میں یا نصرانیوں کے گرجے یا یہودیوں کے کلیسا میں داخل ہو گیا تو وہ قسم توڑنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ بیت اس گھر کو کہتے ہیں جو رات بسر کرنے کیلئے بنایا گیا ہو۔ جبکہ یہ مقامات رات گزارنے کیلئے نہیں بنائے گئے۔ اور اسی طرح اگر وہ گھر کے دروازے یا دہلیز میں داخل ہو تو وہ حادثہ نہ ہوگا۔ اسی دلیل کے پیش نظر جو ہم بیان کر چکے ہیں اور ظلمہ اس سبب کو کہتے ہیں جو گلی پر ہوتا ہے اور ایک قول یہ ہے اگر دہلیز اس پر بنی ہوئی ہو اور دروازے کو بند کر لیا جائے تو وہ گھر کے اندر داخل رہے تو اس پر چھت بھی ڈالی ہوئی ہو تو وہ حادثہ نہ ہو جائے گا۔ کیونکہ عرف کے مطابق اس میں رات گزاری جاتی ہے۔ اور جب حالف صفہ (چوتراہ) میں داخل ہوا تو وہ حادثہ نہ ہو جائے گا کیونکہ وہ بھی کبھی نہ کبھی رات گزارنے کیلئے بنایا گیا ہے۔ لہذا یہ صفہ سرمائی اور گرمائی کی طرح ہو جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب اس صفہ کی چار دیواری ہو۔ جس طرح اہل کوفہ کے صغاف تھے۔ اور یہ بھی اس کا جواب ہے کہ یہ مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ اور صحیح بھی یہی ہے۔

مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ

المطلق یجری علی اطلاقہ۔ (اصول شاشی)

مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے حتیٰ کہ اس کی تنقید پر نص آجائے۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔ ترجمہ اور تم رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ (البقرہ)

یہ حکم رکوع کے حکم میں مطلق ہے لہذا تعدیل ارکان کا وجوب حدیث سے ثابت کر کے اس پر زیادتی نہ کی جائے گی بلکہ تعدیل ارکان پر عمل اس لئے کیا جائے گا کہ اسکی وجہ سے مطلق پر نہ تو زیادتی ہو رہی ہے اور نہ مطلق کی کوئی تبدیلی ہو رہی ہے۔ پس مطلق رکوع فرض ہوگا کیونکہ قرآن مجید کے صیغہ امر کا تقاضہ یہی ہے اور حدیث کے مطابق تعدیل ارکان واجب ہوں گے۔

مذکورہ قاعدے کے مطابق جس چیز پر گھر کا اطلاق عرف میں کیا جاتا ہے اس سے قسم مراد ہے کیونکہ جب تک اس میں کوئی تنقید کی دلیل نہ آئے گی جب قائل کے قول سے مطلق ہی مراد لیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس مکان میں نہیں جائے گا اور وہ مکان بڑھایا گیا تو اس حصہ میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹی اور اگر یہ کہا کہ فلاں کے مکان میں نہیں جائے گا تو تو ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ اس مکان میں نہ جاؤں گا پھر اس مکان کی چھت یا دیوار پر کسی دوسرے مکان پر سے یا میزمری لگا کر چڑھ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی کہ بول چال میں اسے مکان میں جانا نہ کہیں گے۔ یونہی اگر مکان کے باہر درخت ہے اس پر چڑھا اور جس شاخ پر ہے وہ اس مکان کی سیدھ میں ہے کہ اگر گرے تو اس مکان میں گرے گا تو اس شاخ پر چڑھنے سے بھی قسم نہیں ٹوٹی۔ یونہی کسی مسجد میں نہ جانے کی قسم کھائی اور اس

کی دیوار یا چھت پر چڑھا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (کتاب الایمان، ج ۵، ص ۵۵۷)

گھر میں داخل نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارًا فَدَخَلَ دَارًا حَرَبَةً لَمْ يَحْثُ ، وَلَوْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَدَخَلَهَا بَعْلَمًا انْهَدَمَتْ وَصَارَتْ صَحْرَاءَ حَيْثُ) لِأَنَّ الدَّارَ اسْمٌ لِلْعَرَصَةِ عِنْدَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ ، يُقَالُ دَارٌ عَامِرَةٌ ، وَدَارٌ غَامِرَةٌ وَقَدْ شَهِدْتُ أَشْعَارُ الْعَرَبِ بِذَلِكَ وَالْبَنَاءُ وَصِفَتْ فِيهَا غَيْرُ أَنَّ الْوَصْفَ لِلِ الْحَاضِرِ لَفَوْ وَلِی الْغَائِبِ مُغْتَبَرٌ .

ترجمہ

اور جب شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ گھر میں داخل نہ ہوگا پھر وہ کھنڈر میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو وہ قسم توڑنے والا نہ ہوگا اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر اس گھر کے گر جانے کے بعد میدان ہونے کی صورت میں اس میں داخل ہوا تو وہ حادثہ نہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اہل عرب و عجم سب کے نزدیک گھر اس محن کو کہا جاتا ہے جس طرح کہا جاتا ہے دار عامرہ "بنا ہوا گھر اور دار غامرہ" کھنڈر گھر اور دیران گھر اور اہل عرب کے اشعار اس پر شاہد ہیں۔ لہذا اگر کیلئے تغیر وصف ہے لیکن حاضر میں وصف لغو ہے جبکہ غالب میں اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔

شرح

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا، یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں ہیں کیونکہ پہلا معنی دوسرے معنی میں بھی موجود ہے (حالانکہ اقسام کا آپس میں ایک دوسرے کے مباحث ہوتا ضروری ہے) لہذا یہ دو قسمیں عینہ علیحدہ نہ ہوں گی۔ ہاں مطلق خاموشی، اجنبی گفتگو، اور منافی گفتگو، ان تینوں صورتوں میں ترک متحقق ہو جاتا ہے مگر یہ ترک کی قسمیں نہیں ہیں کیونکہ ترک عدم کا نام ہے اور گفتگو یعنی تکلم وجودی چیز ہے تو وجودی چیز عدی چیز کی قسم کیسے بن سکتی ہے، تو معلوم ہوا کہ ترک کا مصداق صرف نکلنے کا حکم نہ دینا ہے، اور وہ سکوت جس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ہو اور مقام کلام میں وہ کلام سے مقارن قرار پاتا ہے اور کوئی چیز اپنے مقارن کے ساتھ قسم نہیں بنتی۔ اس قیل وقال کا خاتمہ یوں ہو جاتا ہے کہ ترک سے متعلق جتنے مسائل گزرے ہیں ان میں علماء کرام نے منافی گفتگو، کے احتمال کو ذکر نہیں کیا، اور انہوں نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہ نکلنے کا حکم" تو واضح ہو گیا کہ اس احتمال کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۳، کتاب الایمان)

دیرانی کے بعد گھر بننے پر دار کا اطلاق

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ فَخَرَبَتْ لَمْ يُبَيِّتْ أُخْرَى فَدَخَلَهَا يَحْثُ) لِمَا ذَكَرْنَا

أَنَّ الْإِسْمَ بَاقٍ بَعْدَ الْإِنْهَادِ ، (وَإِنْ جُعِلَتْ مَسْجِدًا أَوْ حِمَامًا أَوْ بَيْتًا أَوْ بَيْتًا فَلَدَخَلَهُ لَمْ يَحْنُثْ) لِأَنَّهُ لَمْ يَنْقُ دَارًا لَا غَيْرَ مِنْ اسْمٍ آخَرَ عَلَيْهِ ، وَكَذَا إِذَا دَخَلَهُ بَعْدَ الْإِنْهَادِ الْحِمَامُ وَأَشْبَاهِهِ لِأَنَّهُ لَا يَتَوَدُّ اسْمَ الدَّارِ بِهِ .

ترجمہ

اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر وہ گھر ویران ہو گیا اور اس کے بعد دوبارہ بنایا گیا اور پھر وہ قسم اٹھانے والے اس میں داخل ہوا تو وہ حنث ہو جائے گا اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ گھر کو گرنے کے بعد بھی گھر کا نام باقی ہے۔ اور اگر اس نے اس گھر کی ویرانی کے بعد مسجد بن ڈالی یا اس جگہ حمام بنایا یا باغ بنایا کوئی کمرہ بن دیا اور پھر قسم اٹھانے والے اس میں داخل ہوا تو وہ حنث نہ ہوگا کیونکہ اس پر دوسرے نام کا اطلاق ہونے کے سبب وہ دار نہ رہا۔ اور اسی طرح جب وہ حمام وغیرہ کے گرجانے کے بعد اس میں داخل ہوا تو وہ حنث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے گرجانے کے بعد گھر کا نام باقی ہے۔

شرح

زید نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر ہرگز نہ کھانا کھاؤں گا اگر کھائے تو فلاں چیز لازم آئے، اس کے بعد شادی کی تقریب میں لوگوں نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو اس نے کہا میں تمہارے کہنے پر کھانے کا تصور کر رہا ہوں، یعنی حقیقتاً نہ کھاؤں گا صرف اپنے تصور میں کھاؤں گا کیونکہ میں نے کھانا نہیں لیکن کھانے والے سمجھا جاؤں گا۔ یہ واقعہ عدتہ کے علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اس بات پر قسم کے نونے کا حکم دیا، اور سکی دلیل اصول شاشی کے حاشیہ کی اس عبارت کو بنایا ہے جو اصول شاشی میں مفتضی کی بحث میں ہے۔ اصول شاشی کی عبارت یہ ہے کہ فرد مطلق میں تخصیص جاری نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کی بنیاد عموم پر ہے جبکہ مفتضی میں عموم نہیں ہوتا۔ (اصول الشاشی، ص ۲۰۰، مطبوعہ پشاور)

فصول کی عبارت یہ ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ کھانے، کے قول کے بعد مطلق طعام کی بجائے خاص وصف وال طعام بطور مفتضی مراد لیا جائے تو کیسے ہے، (ہم جواب دیں گے کہ) ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مطلق پر ایک زائد وصف کا اضافہ ہے جو قدر حاجت سے زائد ہے اور مفتضی قدر حاجت سے زائد ثابت نہیں ہو سکتا جبکہ مفتضی میں تعین کی صفت ثابت نہیں ہو سکتی، جبکہ اس جواب میں بھی کلام ہے، کیونکہ لعل المراد سے آگے، قیل کے تحت، کہ، یہ عموم کے باب سے نہیں بلکہ جس چیز کے متعلق قسم کھائی ہے (مخوف علیہ) اس کا حصول ہے، کیونکہ اگر وہ کھانے کے لئے متصور ہوا، تو کیا اس عبارت کا سوال مذکور کے حنث ہونے سے تعلق ہے یا نہیں، اگر حضور پر نور اس عبارت کا مطلب بمع شواہد، موافق اور نفاذ فارسی میں مفصل طور پر بیان فرمادیں تو ہر طرح حجاب ختم ہو جائے گا اور اس بحث کی وضاحت ہو جائے گی، فقط۔ (فصول الحواشی، ص ۲۰۰، مطبوعہ پشاور)

گھر میں عدم دخول کے حالف کا حنث پر چڑھنا

(وَإِنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذَا الْبَيْتَ فَلَدَخَلَهُ بَعْدَمَا انْهَدَمَ وَصَارَ صَخْرًا لَمْ يَحْنُثْ) لِزَوَالِ اسْمِ الْبَيْتِ لِأَنَّهُ لَا يَبَاتُ فِيهِ ، حَتَّى لَوْ بَقِيَ الْحِيطَانُ وَسَقَطَ السَّقْفُ يَحْنُثُ لِأَنَّهُ يَبَاتُ فِيهِ وَالسَّقْفُ وَصَفٌ فِيهِ (وَكَذَا إِذَا بَنَى بَيْتًا آخَرَ فَلَدَخَلَهُ لَمْ يَحْنُثْ) لِأَنَّ الْإِسْمَ لَمْ يَنْقُ بَعْدَ الْإِنْهَادِ .

ترجمہ

اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا پس وہ اس کے گرجانے کے بعد اس میں داخل ہوا اور حنث نہ ہوا کیونکہ وہ صخرہ بن چکا تھا تو وہ حنث نہ ہوگا کیونکہ اس سے گھر کا نام زائل ہوگا کیونکہ اس میں رات بسر کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس کی دیواریں باقی رہیں اور چھت گر جائے تو وہ حنث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں رات بسر کی جاسکتی ہے۔ اور چھت اس کا وصف ہے۔ ورنہ اسی طرح جب اس نے دوسرا گھر بنایا اور اس میں داخل ہوا تو وہ حنث نہ ہوگا کیونکہ پہلے گھر کو گرانے کے بعد اس کا نام باقی نہ رہا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ فلاں کے گھر سکونت نہ کروں گا، اور کہا کہ میری مراد فلاں کے گھر کرایہ پر نہ رہوں گا، تو یہ نیت صحیح نہیں ہے حتیٰ کہ اگر اس کے گھر میں کرایہ کے بغیر بھی رہائش پذیر ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اس کے برخلاف اگر یوں قسم کھائے کہ "میں فلاں کے اس گھر میں سکونت نہ کروں گا جو اس نے اپنی ذات کے لئے خریدا ہو، تو اس نیت کو مان لیا جائیگا کیونکہ خریدنے کی یہ ایک قسم ہے خریدنے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو اپنے لئے خریدا اور ایک وہ جو اس نے کسی دوسرے کیلئے خریدا ہو، تو قسم میں ان دو قسموں میں سے ایک قسم کی نیت درست ہے اس کے برخلاف رہائش (سکنی) کے اقتداء میں ہیں، کیونکہ سکنی (رہائش) کا معنی یہ ہے کہ گھر میں بطور استقرار ہونا جبکہ اس رہائش کی صفات مختلف ہو سکتی ہیں اور صفات کی تخصیص صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں مذکور نہیں ہیں، خلاف رہائش کے کہ اس کے تحت اقسام ہوتے ہیں (غرضیکہ اقسام کی تخصیص بغیر ذکر ہو سکتی ہے لیکن صفات کی تخصیص ذکر کے بغیر نہیں ہو سکتی) اسی لئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی عورت سے نکاح نہ کروں گا یعنی بیوی نہ بناؤں گا تو اس قسم میں عورت کوئی یا بصرہ والی مراد لے تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ یہ صفت کی تخصیص ہے اور اگر اس قسم میں عورت سے مراد وحشی یا عربی عورت مراد لے تو صحیح ہے اور عند اللہ بھی یہ نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ جنس میں اقسام کی تخصیص ہے یہ اس لئے کہ جد اعلیٰ کے اختلاف کے لحاظ سے نیت کرنا جنس کا اختلاف ہے اور شہروں کے اختلاف کی نیت یہ صفات کا اختلاف ہے۔

(فتح القدیر، ج ۴، ص ۴۰۹، بیروت)

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

کوئی بات نہیں، کیونکہ دینا بھی یہ نیت کا رآد نہیں ہے، قسم میں موافق اور مخالف یہ دونوں لائق کی قسمیں نہیں ہیں بلکہ یہ لائق کے دو وصف ہیں جبکہ دو وصفوں میں سے کسی غیر مذکور وصف کی نیت معتبر نہیں ہوتی جیسا کہ ایک شخص کھڑا ہو اس کے متعلق کوئی دوسرا یہ قسم کھائے کہ میں اس شخص سے بات نہ کروں گا، اور اب بعد میں کھڑے ہونے کے وصف کی بابت قسم کو مٹائے تو یہ نیت لغو بیکار ہوگی، ہاں اگر قسم کھڑے ہونے کا ذکر کرتا اور قسم اس نیت پر کھاتا تو دینا معتبر ہو سکتی تھی اگرچہ قضاء نہ نیت معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ قسم حاضر شخص کے متعلق ہے جبکہ حاضر میں وصف کا ذکر کارآمد نہیں اور پھر کھڑا ہونا ایسا وصف بھی نہیں ہے جو قسم کا داعی بن سکے اور بات نہ کرنے کی وجہ بن سکے، یوں ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں بیوی نہ بناؤں گا، تو اس سے اگر وہ ہاشمی یا ترکی یا عربی یا کوئی خاص نسب والی عورت مراد لے تو یہ نیت دینا معتبر ہوگی کیونکہ یہ عورت کی اقسام میں سے ایک قسم کی تخصیص ہے، اور اگر ہاشمی کے لحاظ سے کسی عربی یا ہندی یا کسی عورت کے بارے میں یہ نیت کرے تو معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ ایک خاص جگہ والی عورت کے متعلق ہے جو اس کی صفت ہے اور کوئی صفت ذکر کئے بغیر معتبر نہیں ہو سکتی، چونکہ قسم صرف عورت کے ذکر پر مشتمل ہے اس میں مسکت (ربائش) کا ذکر نہیں ہے لہذا اس ذکر کے بغیر یہ قسم خیمہ والی عورت کو بھی عام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۳، کتاب الیمان)

دخول گھر کے حالف کا چھت پر چڑھنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ حَتَّى يَخْرُجَ) لِأَنَّ السَّطْحَ مِنْ الدَّارِ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّ الْمُغْتَبِثَ لَا يَفْسُدُ اغْتَابَهُ بِالْخُرُوجِ إِلَى سَطْحِ الْمَسْجِدِ . وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا لَا يَخْنُثُ وَهُوَ اخْتِيَارُ الْفَقِيهِ أَبِي اللَّيْثِ .

قَالَ (وَكَذَا إِذَا دَخَلَ دِهْلِيزَهَا) وَيَجِبُ أَنْ تَكُونَ عَلَى التَّفْصِيلِ الَّذِي تَقْدَمُ (وَإِنْ وَقَفَ فِي طَاقِ الْبَابِ بِخَيْثُ إِذَا أُغْلِقَ الْبَابُ كَانَ حَارِجًا لَمْ يَخْنُثْ) لِأَنَّ الْبَابَ بِالْخَوَارِ الدَّارِ وَمَا فِيهَا فَلَمْ يَكُنْ الْخَارِجُ مِنَ الدَّارِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا اور پھر وہ اس گھر کی چھت پر چڑھ گیا تو حائث ہوگا کیونکہ چھت گھر میں سے ہے کہ آپ نہیں جانتے کہ جب اعتکاف والا نکل کے مسجد کی چھت کی طرف جائے تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہمارے عرف کے مطابق وہ حائث نہ ہوگا اور فقہ ابو لیث علیہ الرحمہ نے اسی اختیار کیا ہے۔

فرمایا: اور اسی طرح جب وہ گھر کی دہلیز میں داخل ہوا تو وہ حائث ہو جائے گا البتہ شرط یہ ہے کہ وہ دہلیز انہی تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے۔ اور جب قسم اٹھانے والا دروازے کی عراب میں اس طرح کھڑا ہوا کہ جب دروازہ کھولے گا تو وہ باہر

رہے تو حائث نہ ہوگا کیونکہ دروازہ گھر اور اس میں موجود اشیاء کی حفاظت کیسے ہوتا ہے۔ لہذا جو حصہ دروازے سے باہر ہوگا وہ گھر میں سے نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ اس مکان میں نہ جاؤں گا پھر اس مکان کی چھت یا دیوار پر کسی دوسرے مکان پر سے یا سیر می لگا کر چڑھ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی کہ بول چال میں اسے مکان میں جانا نہ کہیں گے۔ اسی طرح اگر مکان کے باہر درخت ہے اس پر چڑھا اور جس شاخ پر ہے وہ اس مکان کی سیدھ میں ہے کہ اگر گرے تو اس مکان میں گرے گا تو اس شاخ پر چڑھنے سے بھی قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح کسی مسجد میں نہ جانے کی قسم کھائی اور اس کی دیوار یا چھت پر چڑھا تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم کھائی کہ اس مکان میں نہیں جاؤں گا اور اس کے نیچے خانہ ہے جس سے گھر والے نفع اٹھاتے ہیں تو خانہ میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ (رہقار، کتاب الیمان، ج ۵، ص ۵۵۷)

شرح

قَالَ الْفَقِيهُ أَبُو اللَّيْثِ فِي التَّوَاظِلِ : إِنْ كَانَ الْحَالِفُ مِنْ بِلَادِ الْعَجَمِ لَا يَخْنُثُ مَا لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ لِأَنَّ النَّاسَ لَا يَعْرِفُونَ ذَلِكَ دُخُولًا فِي الدَّارِ (وَكَذَا إِذَا دَخَلَ دِهْلِيزَهَا يَخْنُثُ) ذِكْرُهُ الْقُدُورِيُّ مُطْلَقًا . قَالَ الْمُصَنِّفُ (وَيَجِبُ أَنْ يَكُونَ عَلَى التَّفْصِيلِ الَّذِي تَقْدَمُ) بِغَيْرِ قَوْلِهِ وَإِذَا أُغْلِقَ الْبَابُ يَتَنَقَّى دَاخِلًا وَهُوَ مُسَقَّفٌ . قَوْلُهُ (وَإِنْ وَقَفَ فِي طَاقِ الْبَابِ) ظَاهِرٌ .

دخول بیت کے حالف کا گھر میں بیٹھا رہنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَدْخُلُ هَذِهِ الدَّارَ وَهُوَ فِيهَا لَمْ يَخْنُثْ بِالْفَعْدِ حَتَّى يَخْرُجَ ثُمَّ يَدْخُلُ) اسْتَحْسَنَّا . وَالْقِيَاسُ أَنْ يَخْنُثَ لِأَنَّ الدَّوَامَ لَهُ حُكْمُ الْإِيتَادِ . وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ أَنَّ الدُّخُولَ لَا دَوَامَ لَهُ لِأَنَّهُ انْفِصَالٌ مِنَ الْخَارِجِ إِلَى الدَّاخِلِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں داخل نہ ہوگا اور حالانکہ وہ اسی گھر میں موجود ہے تو وہ اس گھر میں بیٹھ رہنے کی وجہ سے حائث نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ اس سے باہر نکلے اور پھر اس میں داخل ہو جائے۔ تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ حائث ہو جائے گا جبکہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ وہ اس میں رہتے ہوئے ہی حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں دیر سے رہنے کو ابتدائی حکم حاصل

ہے۔ وراحتسان کی دلیل یہ ہے کہ دخول کو دوام حاصل نہیں ہے۔ کیونکہ دخول تو یہ ہے کوئی شخص خارج سے آکر داخل ہو جائے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کسی مکان میں بیٹھا ہوا ہے اور قسم کھائی کہ اس مکان میں اب نہیں آؤں گا تو اس مکان کے کسی حصہ میں داخل ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی خاص وہی داران جس میں بیٹھا ہوا ہے مراد نہیں اگرچہ وہ کہے کہ میری مراد یہ داران تھی ہاں اگر داران یہ کمرہ کہا تو خاص وہی کمرہ مراد ہوگا جس میں وہ بیٹھا ہوا ہے۔ قسم کھائی کہ زید کے مکان میں نہیں جائیگا اور زید کے دو مکان ہیں ایک میں رہتا ہے اور دوسرا گودام ہے یعنی اس میں تجارت کے سامان رکھتا ہے خود زید کی اس میں سکونت نہیں تو اس دوسرے مکان میں جانے سے قسم نہ ٹوٹے گی ہاں اگر کسی قرینہ سے یہ بات معلوم ہو کہ یہ دوسرا مکان بھی مراد ہے تو اس میں داخل ہونے سے بھی قسم ٹوٹ جائیگی۔ قسم کھائی کہ زید کے خریدے ہوئے مکان میں نہیں جائے گا اور زید نے ایک مکان خریدا پھر اس سے اس قسم کھانے والے نے خرید لیا تو اس میں جانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور اگر زید نے خرید کر اس کو بیہ کر دیا تو جانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان، ج ۴، ص ۵۱۲)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص یہ قسم کھائی کہ اس مکان میں نہیں رہے گا اور قسم کے وقت اسی مکان میں سکونت ہے تو اگر سکونت میں دوسرے کا تابع ہے مثلاً بائع لے لڑکا کہ باپ کے مکان میں رہتا ہے یا عورت کہ شوہر کے مکان میں رہتی ہے اور قسم کھانے کے بعد فوراً خود اس مکان سے چلا گیا اور بائع بچوں کو اور سامان کو وہیں چھوڑا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ اس مکان میں نہیں رہے گا اور ٹکنا چاہتا تھا مگر دروازہ بند ہے کسی طرح کھول نہیں سکتا یا کسی نے اسے مقید کر لیا کہ نکل نہیں سکتا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ پہلی صورت میں اس کی ضرورت نہیں کہ دیوار توڑ کر باہر نکلے یعنی اگر دروازہ بند ہے اور دیوار توڑ کر نکل سکتا ہے اور توڑ کر نہ لکھا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر قسم کھانے والی عورت ہے اور رات کا وقت ہے تو رات میں رہ جانے سے قسم نہ ٹوٹے گی اور مرد نے قسم کھائی اور رات کا وقت ہے تو جب تک چور وغیرہ کا ذکر نہ ہو غرض نہیں۔ قسم کھائی کہ اس مکان میں نہ رہے گا اگر دوسرے مکان کی تلاش میں ہے تو مکان نہ چھوڑنے کی وجہ سے قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ کئی دن گزر جائیں بشرطیکہ مکان کی تلاش میں پوری کوشش کرتا ہو۔ اسی طرح اگر اسی وقت سے سامان اٹھوانا شروع کر دیا مگر سامان زیادہ ہونے کے سبب کئی دن گزر گئے یا سامان کے لیے مزدور تلاش کیا اور نہ ملایا سامان خود ڈھوک کر لے گیا اس میں دیر ہوئی اور مزدور کرتا تو جلد ڈھل جاتا اور مزدور کرنے پر قدرت بھی رکھتا ہے تو ان سب صورتوں میں دیر ہو جانے سے قسم نہیں ٹوٹی اور اردو میں قسم ہے تو اس کا مکان سے نکل جانا اس نیت سے کہ اب اس میں رہنے کو نہ آؤں گا قسم چکی ہونے کے لیے کافی ہے اگرچہ سامان وغیرہ بچانے میں کتنی ہی دیر ہو اور کسی وجہ سے دیر ہو۔

(در مختار، کتاب الایمان)

پہننے ہوئے کپڑے کے نہ پہننے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ هَذَا الثَّوْبَ وَهُوَ لَا يَسْتَعِزُّ فِي الْحَالِ لَمْ يَخْنَثْ) وَكَذَا إِذَا

حَلَفَ لَا يَرْكَبُ هَذِهِ الدَّابَّةَ وَهُوَ رَاكِبُهَا فَتَزَلَّ مِنْ سَاعَتِهِ لَمْ يَخْنَثْ ، وَكَذَا لَوْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هَذِهِ الدَّارَ وَهُوَ سَاكِنُهَا فَأَخَذَ فِي الثَّقَلَةِ مِنْ سَاعَتِهِ . وَقَالَ زُفَرٌ : يَخْنَثُ لَوْ جُودَ الشَّرْطُ وَإِنْ قَلَّ .

وَلَسَا أَنَّ الْيَمِينَ تُفْقَدُ لِلْبَرِّ فَيَسْتَنِي مِنْهُ زَمَانٌ تَحْقِيقِهِ (فَإِنْ لَبِثَ عَلَى حَالِهِ سَاعَةً حِينَ) لِأَنَّ هَذِهِ الْأَفَاعِيلَ لَهَا دَوَامٌ بِحُدُوثِ أَمْثَالِهَا ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ يُضْرَبُ لَهَا مَدَّةٌ يُقَالُ رَكِبْتُ يَوْمًا وَلَبِثْتُ يَوْمًا بِحِلَافِ الدُّخُولِ لِأَنَّهُ لَا يُقَالُ دَخَلْتُ يَوْمًا بِمَعْنَى الْمُدَّةِ وَالتَّوْقِيفِ وَلَوْ نَوَى الْإِنْتِدَاءَ الْخَالِصَ يُصَدَّقُ لِأَنَّهُ مُحْتَمَلٌ كَلَامِهِ .

ترجمہ

ور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ یہ کپڑا نہیں پہنے گا جبکہ اس نے وہی کپڑا پہنا ہوا ہے اور جب وہ اس کو فوری طور پر اتار دے تو وہ حائث نہ ہوگا۔ اور اسی طرح جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس سواری پر سوار نہ ہوگا حالانکہ وہ اس پر سوار ہے فوری طور پر اتر جائے تو وہ حائث نہ ہوگا۔ یا اس نے یہ قسم اٹھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا حالانکہ وہ اسی گھر میں رہتا ہے۔ اور اگر وہ اسی وقت گھر سے سامان منتقل کرنے لگا تو وہ حائث نہ ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے اگرچہ قلیل ہے۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ قسم اس لئے اٹھائی جاتی ہے کہ اس کو پورا کیا جائے۔ لہذا قسم پوری ہونے والا وقت مستثنیٰ ہوگا اور اس کے بعد وہ چھوڑی دیر بھی قسم پر برقرار رہے تو وہ حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ ان اعمال کو دوام حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کے افعال پیدا ہوتے رہتے ہیں کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے کہ ان جیسے کاموں کیلئے وقت معین کیا جاتا ہے لہذا کہا جائے گا کہ میں تمام دن سویا رہا اور تمام دن پیچھے رہا بغلاف دخول کے کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا ”دخلت یومًا“ یہ تو قیوت و مدت کے معنی میں ہے اور جب قسم اٹھانے والے نے نئے مرے نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس کے کلام میں اس کا احتمال ہے۔

قسم کو پورا کرنے کیلئے وقت کے استثناء کا بیان

مذکورہ چند فقہی جزئیات میں مصنف علیہ الرحمہ نے اس قاعدہ کے تحت مسائل کی تفریحات کو بیان کیا ہے کہ جب کسی ایسے طریقے جس قسم کھائی جائے جس پہنے کپڑے کے بارے میں کہ اس کپڑے کو نہ پہنوں گا تو اس کپڑے اتارنے تک کا وقت مستثنیٰ ہوگا کیونکہ اس کے بغیر قسم کو پورا کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور امکان محل کا عمل کیسے ہوتا یہ از احکام و شرائط میں سے ہوا کرتا ہے۔

سواری پر سوار نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا فقہی بیان

قاضی محمد بن فراموز حنفی لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ سوار نہ ہوگا تو جس جانور پر وہاں کے لوگ سوار ہوتے ہیں اس پر سوار ہونے سے قسم ٹوٹنے کی لہذا اگر آدمی کی پینچ پر سوار ہوا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح گائے، بیل، بھینس کی پینچ پر سوار ہونے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ اسی طرح گدھے اور اونٹ پر سوار ہونے سے بھی قسم نہ ٹوٹے گی کہ ہندوستان میں ان پر لوگ سوار نہیں ہوا کرتے۔ ہاں اگر قسم کھانے والا اون لوگوں میں سے ہو جو ان پر سوار ہوتے ہیں جیسے گدھے والے یا اونٹ والے کہ یہ سوار ہوا کرتے ہیں تو قسم ٹوٹ جائے گی اور گھوڑے ہاتھی پر سوار ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ یہ جانور یہاں لوگوں کی سواری کے ہیں۔ اسی طرح اگر قسم کھانے والا اون لوگوں میں تو نہیں ہے جو گدھے یا اونٹ پر سوار ہوتے ہیں مگر قسم وہاں کھائی جہاں لوگ ان پر سوار ہوتے ہیں مثلاً ملک عرب شریف کے سفر میں ہے تو گدھے اور اونٹ پر سوار ہونے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔

(در الاحکام، کتاب الایمان)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ کسی سواری پر سوار نہ ہوگا تو گھوڑا، غمر، ہاتھی، پاکی، ذولی، بھلی، ریل، یکہ، تاکہ، شکر، وغیرہ ہر قسم کی سواری گاڑیاں اور کشتی پر سوار ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ گھوڑے پر سوار نہ ہوگا تو زین یا چار جامہ رکھ کر سوار ہوا یا تنگی پینچ پر بہر حال قسم ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ اس زین پر سوار نہ ہوگا پھر اس میں کچھ کی بیشی کی جب بھی اس پر سوار ہونے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ کسی جانور پر سوار نہ ہوگا تو آدمی پر سوار ہونے سے قسم نہ ٹوٹے گی کہ عرف میں آدمی کو جانور نہیں کہتے۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ عربی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا تو اور گھوڑوں پر سوار ہونے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم کھائی کہ گھوڑے پر سوار نہ ہوگا پھر زبردستی کسی نے سوار کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر اس نے زبردستی کی اور اس کے مجبور کرنے سے یہ خود سوار ہوا تو قسم ٹوٹ گئی۔ اور جانور پر سوار ہے اور قسم کھائی کہ سوار نہ ہوگا تو فوراً اتر جائے، ورنہ قسم ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ زید کے اس گھوڑے پر سوار نہ ہوگا پھر زید نے اس گھوڑے کو بیچ ڈالا تو اب اس پر سوار ہونے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ زید کے گھوڑے پر سوار نہ ہوگا اور اس گھوڑے پر سوار ہوا جو زید و عمرو میں مشترک ہے تو قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ فلاں کے گھوڑے پر سوار نہ ہوگا اور اس کے غلام کے گھوڑے پر سوار ہوا اگر قسم کے وقت یہ نیت تھی کہ غلام کے گھوڑے پر بھی سوار نہ ہوگا اور غلام پر اتنا دین نہیں جو مستغرق ہو تو قسم ٹوٹ گئی، خواہ غلام پر بالکل دین نہ ہو یا ہے مگر مستغرق نہیں اور نیت نہ ہو تو قسم نہیں ٹوٹی اور دین مستغرق ہو تو قسم نہیں ٹوٹی، اگر چہ نیت ہو۔ (در مختار، کتاب الایمان)

حالف کے خروج کے باوجود اہل و عیال کے سبب حث ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَسْكُنُ هَذِهِ الدَّارَ فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَتَاعِهِ وَأَهْلِهِ فِيهَا وَلَمْ يُرِدْ

الرُّجُوعَ إِلَيْهَا حَيْثُ) لِأَنَّهُ يُعَدُّ سَاكِنًا بِبَقَاءِ أَهْلِهِ وَمَتَاعِهِ فِيهَا عُرْفًا، فَإِنَّ السُّوْقَ عَامَّةَ نَهَارِهِ فِي السُّوقِ وَيَقُولُ أَسْكُنُ سَبْعَةَ كَذَا، وَالْبَيْتُ وَالْمَحَلَّةُ بِمَنْزِلَةِ الدَّارِ. وَلَوْ كَانَ الْيَمِينُ عَلَى الْمَضِرِّ لَا يَتَوَقَّفُ الْبَرُّ عَلَى نَقْلِ الْمَتَاعِ وَالْأَهْلِ لِيَمَّا رَوَى عَنْ أَبِي يُسُوفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ سَاكِنًا فِي الْبَيْتِ النَّقْلَ عَنْهُ عُرْفًا. بِخِلَافِ الْأَوَّلِ وَالْقُرْبَى بِمَنْزِلَةِ الْمَضِرِّ فِي الصَّحِيحِ مِنَ الْجَوَابِ. ثُمَّ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا بُدَّ مِنْ نَقْلِ كُلِّ الْمَتَاعِ، حَتَّى لَوْ بَقِيَ وَتَدَّ يَحْتَ لَأَنَّ السُّكْنَى قَدْ كَثُرَ بِكُلِّ قَبِيضٍ مَا بَقِيَ شَيْءٌ مِنْهُ.

وَقَالَ أَبُو يُسُوفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ: يُعْتَبَرُ نَقْلُ الْأَخْصَرِ لِأَنَّ نَقْلَ الْكُلِّ لَمْ يَتَعَدَّرْ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ: يُعْتَبَرُ نَقْلُ مَا يَقُومُ بِهِ كَذَلِكَ خِذَائِهِ لِأَنَّ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ لَيْسَ مِنَ السُّكْنَى.

قَالُوا: هَذَا أَحْسَنُ وَأَرْفَقُ بِالنَّاسِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَنْقَلَ إِلَى مَنْزِلٍ آخَرَ بَلَا تَأْخِيرٍ حَتَّى يَبْرُءَ فَإِنْ انْتَقَلَ إِلَى السُّكْنَى أَوْ إِلَى الْمَسْجِدِ قَالُوا لَا يَبْرُءُ، ذَلِيلُهُ فِي الزَّيَادَاتِ أَنَّ مَنْ خَرَجَ بِعِيَالِهِ مِنْ مَضِرِّهِ فَمَا لَمْ يَتَّخِذْ وَطَنًا آخَرَ يَتَّقَى وَطَنَهُ الْأَوَّلَ لِيُحَقِّقَ الصَّلَاةَ كَذَا هَذَا. وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

ترجمہ

فرمایا اور جس بندے نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس گھر میں نہ رہے گا اس کے بعد وہ خود وہاں سے نکل گیا جبکہ اس کا سامان اور اس کے گھروالے اسی گھر میں رہ گئے اور اب جب حالف نے اسی گھر میں دوبارہ جانے ارادہ نہ بھی کیا تو وہ حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ شخص اپنے سامان اور اہل و عیال کے رہنے کے سبب عرف کے مطابق اسی گھر میں رہنے والا شمار کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک بازاری آدمی، کثران بازار میں رہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں فلاں گلی میں رہتا ہوں لہذا وہ گھر اور محلے داروں کے حکم میں ہے۔

اور جب کسی شخص نے شہر پر قسم اٹھائی (یعنی میں اسی شہر میں رہوں گا) تو اس صورت میں حضرت امام ابو یوسف علیہ السلام کے نزدیک سامان اور اہل و عیال کو منتقل کرنے پر قسم کا مکمل ہونا متوقف نہ ہوگا کیونکہ انسان جب کسی شہر سے نکلے تو وہ عرف کے اعتبار سے اس شہر کا رہنے والا نہیں کہلا سکتا۔ جبکہ پہلے مسئلے میں اس طرح نہیں ہے۔ اور صحیح جواب کے مطابق بستی بھی شہر کے حکم میں

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پورا سامان منتقل کرنا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر ایک میخ بھی باقی رہ جائے تو قسم کھانے والا حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی رہائش مکمل سامان کے سبب ثابت ہوئی تھی لہذا جب تک سامان کا ایک حصہ بھی باقی رہے گا تب تک رہائش باقی رہے گی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اکثر سامان کو منتقل کرنے کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ کبھی کبھی مکمل سامان کو منتقل کرنا ناممکن ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس قدر سامان کو منتقل کرنے کا اعتبار کیا جائے گا جس کے ساتھ گھریلو نظام و انصرام چلایا جاسکے۔ کیونکہ اس کے علاوہ سامان سکنت میں داخل ہی نہیں ہے۔ مثلاً کچھ فقہاء نے فرمایا ہے کہ قول سب سے زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ اس میں لوگوں کی زیادہ سہولت ہے۔ لہذا قسم اٹھانے والے کو چاہیے کہ بغیر کسی دیر کیے دوسرے مکان میں منتقل ہو جائے تاکہ قسم مکمل ہو جائے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے اہل و عیال کو بغیر اپنے شہر سے نکل آیا اور جب تک اس نے کسی دوسرے وطن کو اپنا وطن نہیں بنایا اس وقت تک وہ نماز کے حق میں اس کیسے وطن اول باقی رہے گا لہذا یہ مسئلہ بھی اسی طرح (کی تفریع پر متفرع) ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس شہر یا گاؤں میں نہیں رہے گا اور خود وہاں سے فوراً چلا گیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ بال بچے اور کل سامان وہیں چھوڑ گیا ہو پھر جب کبھی وہاں رہنے کے ارادہ سے بیگنا قسم ٹوٹ جائیگی اور اگر کسی سے ملنے کو یا بال بچوں اور سامان لینے کو وہاں آئیگا تو اگرچہ کئی دن ٹھہر جائے قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ میں پورے سال اس گاؤں میں نہ رہوں گا یا اس مکان میں اس مہینے بھر سکونت نہ کروں گا اور سال میں یا مہینے میں ایک دن باقی تھا کہ وہاں سے چلا گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ فلاں شہر میں نہیں رہے گا اور سفر کر کے وہاں پہنچا اگر چند دن ٹھہرنے کی نیت کر لی قسم ٹوٹ گئی اور اس سے کم میں نہیں۔

قسم کھائی کہ فلاں کے ساتھ اس مکان میں نہیں رہے گا اور اس مکان کے ایک حصہ میں وہ رہا اور دوسرے میں یہ تو قسم ٹوٹ گئی اگرچہ دیوار اٹھوا کر اس مکان کے دو حصے جدا جدا کر دیے گئے اور ہر ایک نے اپنی اپنی آمد و رفت کا دروازہ علیحدہ علیحدہ کھول لیا اور اگر قسم کھانے والا اس مکان میں رہتا تھا وہ شخص زبردستی اس مکان میں آکر رہنے لگا اگر یہ فوراً اس مکان سے نکل گیا تو قسم نہیں ٹوٹی ورنہ ٹوٹ گئی اگرچہ اس کا اس مکان میں رہنا اسے معلوم نہ ہو اور اگر مکان کو معین نہ کیا مثلاً کہ فلاں کے ساتھ کسی مکان میں یا ایک مکان میں نہ رہے گا اور ایک ہی مکان کی تقسیم کر کے دونوں مختلف حصوں میں ہوں تو قسم نہیں ٹوٹی جبکہ بیچ میں دیوار قائم کر دی گئی یا وہ مکان بہت بڑا ہو کہ ایک محلہ کے برابر ہو۔ (رہنما، کتاب الایمان)

بَابُ الْيَمِينِ فِي الْخُرُوجِ وَالْبَيْتَانِ وَالرَّكُوبِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

یہ باب دخول و خروج بیت اور سوار و غیرہ ہونیکی قسم کے بیان میں ہے ﴿

باب دخول و خروج بیت کی قسم کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود برقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ میں دخول کے بعد اس باب کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ خروج کا ثبوت تب ہی ہو سکتا ہے کہ دخول پایا جائے گا۔ لہذا اسی مناسبت سے مصنف علیہ الرحمہ نے اس باب کو سابقہ سے باب مؤخر ذکر کیا ہے۔ اور یہ بدیہی روانہ ہے کہ کسی آمد کے بعد ہی اس کا خروج یا پھر اس کے نئے منصوبہ جات کا تحقق پایا جاسکتا ہے۔ اور اتین کے بعد ہی نئے افعال کی صدور تحقق ہو سکتا ہے۔ (عتابہ شرح الہدایہ، تحریف، ج ۷، ص ۸، بیروت)

مسجد سے عدم خروج کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَمَرَ إِنْسَانًا فَحَمَلَهُ فَأَخْرَجَهُ حَيْثُ) لِأَنَّ
فِعْلَ الْمَأْمُورِ مُضَافٌ إِلَى الْأَمْرِ فَصَارَ كَمَا إِذَا رَكِبَ ذَابَّةً فَخَرَجَتْ (وَلَوْ أَخْرَجَهُ
مُكْرَهًا لَمْ يَخْنُثْ) لِأَنَّ الْفِعْلَ لَمْ يَنْتَقِلْ إِلَيْهِ لِعَدَمِ الْأَمْرِ (وَلَوْ حَمَلَهُ بِرِضَاةٍ لَا بِأَمْرِهِ لَا
يَخْنُثُ) لِمَا فِي الصَّحِيحِ ، لِأَنَّ الْإِنْتِقَالَ بِالْأَمْرِ لَا بِمُجَرَّدِ الرِّضَا .

ترجمہ

فرمایا: اور جس شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ مسجد سے نہیں نکلے گا اس کے بعد اس نے دوسرے کو حکم دیا اور اس نے اس کو اٹھا کر مسجد سے باہر نکال دیا تو وہ قسم توڑنے والا ہو جائے گا۔ کیونکہ مأمور کے عمل کی اضافت آمر کی طرف جاتی ہے (قاعدہ فقہیہ) اور یہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح کوئی شخص سواری پر سوار ہوا اور سواری مسجد سے نکلے۔ اور جب کسی شخص نے اس کو زبردستی مسجد سے نکالا تو وہ حائث نہیں بنے گا۔ کیونکہ عدم حکم کے سبب فعل اسی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ اور جب کسی قسم اٹھانے والے کو اس کی مرضی سے اٹھایا گیا لیکن حائف نے اس کو اٹھانے کا حکم نہیں دیا ہے تو صحیح قول کے مطابق وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ فعل حکم سے منتقل ہوتا ہے صرف رضامندی سے فعل منتقل ہونے والا نہیں ہے۔

مأمور کے عمل کی اضافت آمر کی طرف جاتی ہے (قاعدہ فقہیہ)

اس قاعدہ فقہیہ کی وضاحت یہ ہے جب کوئی شخص کسی شخص کسی کام کا حکم دیتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ حکم دینے والے کا مقصد اس کو سرانجام دینا ہے۔ کیونکہ حاکم نے فعل کا التزام کیا ہے اگرچہ اس نے صدور کیلئے غیر کی مدد لی ہے۔ اور غیر سے مدد لینا یہ محض

حیدر یا ذریعہ ہذا حکم کے اعتبار سے حاکم کی طرف اضافت کی جائے گی۔

علامہ علاؤ الدین خنی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہاں ایک قاعدہ یاد رکھنا چاہیے جس کا قسم میں ہر جگہ لحاظ ضرور ہے وہ یہ کہ قسم کے تمام الفاظ سے وہ معنی لیے جائیں گے جن میں اہل عرف استعمال کرتے ہوں مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ کسی مکان میں نہیں جائیگا اور مسجد میں یا کعبہ معظمہ میں گیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ یہ بھی مکان ہیں یوں ہی حمام میں جانے سے بھی قسم نہیں ٹوٹے گی۔ قسم میں الفاظ کا لحاظ ہوگا اس کا لحاظ نہ ہوگا کہ اس قسم سے فرض کیا ہے یعنی اون لفظوں کے بول چال میں جو معنی ہیں وہ مراد لیے جائیں گے قسم کھانے والے کی نیت اور مقصد کا اعتبار نہ ہوگا مثلاً قسم کھائی کہ فلاں کے لیے ایک پیسہ کی خریدوں گا نہ دو پیسہ کی مگر چونکہ لفظ سے یہ نہیں سمجھا جاتا لہذا اس کا اعتبار نہیں یا قسم کھائی کہ دروازہ سے باہر نہ جاؤں گا اور دیوار کو دیکر یا سیڑھی لگا کر باہر چلا گیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ اس سے مراد یہ ہے کہ گھر سے باہر نہ جاؤں گا۔ قسم کھائی کہ اس گھر میں نہ جاؤں گا پھر وہ مکان بالکل گریباں اس میں گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر گرنے کے بعد پھر عمارت بنائی گئی اور اب گیا جب بھی قسم نہیں ٹوٹی اور اگر صرف چھت گری ہے دیواریں بدستور باقی ہیں تو قسم ٹوٹ گئی۔ (در مختار، کتاب الایمان، ج ۵، ص ۵۵۰)

صرف جنازے میں شرکت کرنے کی قسم کا بیان

قَالَ (وَلَوْ حَلَفَ لَا يَخْرُجُ مِنْ دَارِهِ إِلَّا إِلَى جَنَازَةٍ فَخَرَجَ إِلَيْهَا ثُمَّ أَتَى حَاجَةً أُخْرَى لَمْ يَخْنُثْ) لِأَنَّ الْعَوْجُودَ خُرُوجَ مُنْتَسَى ، وَالْمُضَى بَعْدَ ذَلِكَ لَيْسَ بِخُرُوجٍ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے گھر سے صرف جنازے کیلئے نکلے گا پھر جنازے میں شریک ہونے کیلئے نکلا پھر وہ کسی دوسرے کام کیلئے آیا تو وہ حاکم نہ ہوگا کیونکہ اس کا خروج اسی کام کیلئے ہے جس کا اس نے قسم میں استثناء کیا ہے۔ لہذا مستثنیٰ خروج کے بعد اس کا کہیں چلے جانا یہ گھر سے خروج نہیں ہے۔

استثنائی خروج کے بعد خروج کے حکم کا معدوم ہونا

علامہ علاؤ الدین خنی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ جنازہ کے سوا کسی کام کے لیے گھر سے نہ نکلوں گا اور جنازہ کے لیے نکلا، چاہے جنازہ کے ساتھ گیا یا نہ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ گھر سے نکلنے کے بعد اور کام بھی کیے۔ اور جب اس نے یہ قسم کھائی کہ فلاں محلہ میں نہ جائیگا اور ایسے مکان میں گیا جس میں دروازہ اس محلہ میں ہے جس کی نسبت قسم کھائی اور دوسرا دوسرے محلہ میں تو قسم ٹوٹ گئی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

مکہ مکرمہ کیلئے عدم خروج کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَخْرُجُ إِلَى مَكَّةَ فَخَرَجَ يُرِيدُهَا ثُمَّ رَجَعَ حَيْثُ قَضَى مَكَّةَ وَهُوَ الشَّرْطُ ، إِذَا الْخُرُوجُ هُوَ الْإِنْفِصَالُ مِنَ الْمَدِينَةِ إِلَى الْخَارِجِ) وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْتِيهَا ثُمَّ يَخْنُثُ حَتَّى يَدْخُلَهَا) لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْوُضُولِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى قَاتِلَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا) وَلَوْ حَلَفَ لَا يَلْتَقِبُ إِلَيْهَا قَبْلَ هُوَ كَالِإِبْهَانِ ، وَقَبْلَ هُوَ كَالْخُرُوجِ وَهُوَ الْأَصَحُّ لِأَنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الزَّوَالِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ مکہ میں نہیں جائے گا پھر وہ مکہ میں جانے کے ارادے سے چلا لیکن واپس آگیا تو وہ حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں مکہ مکرمہ کی طرف خروج کا ارادہ پایا جا رہا ہے۔ اور شرط بھی یہی تھی کیونکہ خروج داخل سے خارج کی طرف جانے کا نام ہے۔ اور جب اس نے اس طرح قسم اٹھائی کہ وہ مکہ مکرمہ جائے گا بھی نہیں تو اس دخول مکہ کے بغیر وہ حادث نہ ہو گا۔ کیونکہ یہاں اس کا مطلب پہنچنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے "قَاتِلَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا" (شعراء، ۱۶) "تو فرعون کے پاس جاؤ پھر اس سے کہو کہ ہم دونوں اس کے رسول ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے" اور جب اس نے مکہ مکرمہ کی طرف نہ جانے کی قسم اٹھائی تو ایک قول کے مطابق یہ بھی اتیان کی طرح ہے جبکہ دوسرے قول کے مطابق یہ خروج کی طرح ہے اور زیادہ صحیح یہی ہے کیونکہ زوال سے مراد ہٹ جانا یا ٹل جانا ہے۔

اتیان کے معنی سے استدلال کا بیان

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ساتھ ہی فرمایا کہ پھر وہ پہلا حال جاتا رہا دوسرا دور آیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول بنا کر تیری طرف بھیجا اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہوگا۔ اس خطا کے بعد جب کہ میں تم میں سے بھاگ گیا اس کے بعد اللہ کا یہ فضل مجھ پر ہوا اب پرانے قصہ یاد نہ کر۔ میری آواز پر لبیک کہہ۔ سن اگر ایک مجھ پر تو سنے احسان کیا ہے تو میری قوم کی قوم پر تو نے ظلم و تعدی کی ہے۔ ان کو بری طرح غلام بنا رکھا ہے کیا میرے ساتھ کا سلوک اور ان کے ساتھ کی یہ سنگدلی اور بدسلوکی برابر برابر ہو جائیگی؟

بصرہ میں ضرور جانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَإِنْ حَلَفَ لَيَأْتِيَنَّ الْبَصْرَةَ فَلَمْ يَأْتِهَا حَتَّى مَاتَ حَيْثُ فِي آخِرِ جُزْءٍ مِنْ أَجْزَاءِ حَيَاتِهِ) لِأَنَّ الْبَصْرَ قَبْلَ ذَلِكَ مَرَجُؤٌ .

(وَلَوْ خَلَفَ لِيَأْتِيَنَّ غَدًا إِنْ اسْتَطَاعَ فَهَذَا عَلَى اسْتِطَاعَةِ الصَّحَّةِ دُونَ الْقُدْرَةِ ، وَقَسْرَةِ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ وَقَالَ : إِذَا لَمْ يَمْرَضْ وَلَمْ يَمْنَعَهُ السُّلْطَانُ وَلَمْ يَجْءْ أَمْرٌ لَا يَقْدِرُ عَلَى إِبْتَائِهِ فَلَمْ يَأْتِهِ حَيْثُ ، وَإِنْ غَنَى اسْتَطَاعَةَ الْقَضَاءِ دَيْنٌ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ تَعَالَى) وَهَذَا لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْإِسْطَاعَةِ فِيمَا يَقَارِنُ الْفِعْلَ وَيُطْلَقُ الْاسْمُ عَلَى سَلَامَةِ الْأَلَاتِ وَصِحَّةِ الْأَسْبَابِ فِي الْمُتَعَارَفِ .

فَعِنْدَ الْإِطْلَاقِ يَنْصَرِفُ إِلَيْهِ وَتَصِحُّ رِبَّةُ الْأَوَّلِ دِيَانَةً لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةَ كَلَامِهِ ثُمَّ قِيلَ وَتَصِحُّ قَضَاءً أَيْضًا لِمَا بَيَّنَّا ، وَقِيلَ لَا تَصِحُّ لِأَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ بصرہ میں ضرور آئے گا مگر وہ بصرہ نہ آ سکا حتیٰ کہ وہ فوت ہو گیا تو وہ اپنی زندگی کے آخری حصے میں حائل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس سے قبل قسم کے پورے ہونے کی امید ہی نہیں ہے۔ اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ اگر اس میں طقت ہوئی تو وہ کل لداں شخص کے پاس ضرور آئے گا تو اس سے اس شخص کی صحت کی طقت مراد ہے جبکہ استطاعت قدرت مراد نہیں ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب وہ بیمار نہ ہوا ہو اور بادشاہ کا بھی اس کو جانے سے منع نہ کیا ہو اور اسی طرح کوئی ایسا معاملہ بھی درپیش نہ ہو جس کے سبب وہ آنے کی قدرت سے معذور ہو جائے۔ پھر بھی وہ شخص نہ آئے تو وہ حائل ہو جائے گا۔

اور جب کسی قسم اٹھانے والے نے استطاعت قضاء کی نیت کر لی ہو تو معاملہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہونے کے سبب اس کی تصدیق کرائی جائے گی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حقیقی استطاعت فعل سے متصل ہوا کرتی ہے۔ اور حرف کے مطابق لفظ استطاعت کا اطلاق آلات کی درستگی اور صحت کے اسباب پر ہے۔ پس جب لفظ استطاعت مطلق طور پر واقع ہو تو اس کو عرفی معنی کی طرف پھیر جائے گا۔ البتہ بطور دیانت پہلے معنی کی نیت کرنا بھی صحیح ہے کیونکہ اس طرح حالف نے اپنے کلام کی حقیقت مراد لی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بطور قضاء بھی استطاعت مراد بیجا صحیح ہے اور یہ اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں دوسرا قول یہ ہے بطور قضاء درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر کے خلاف ہے۔

حقیقی استطاعت فعل سے متصل ہوا کرتی ہے۔ قاعدہ فقہیہ

حقیقی استطاعت فعل سے متصل ہوا کرتی ہے۔ قاعدہ فقہیہ

اس قاعدہ وضاحت یہ ہے کہ کسی بھی عمل میں جو استطاعت بطور حقیقت ہوتی ہے اس کا اتصال فعل ہونا ضروری ہے کیونکہ کسی

بھی فعل کا وجود اس طقت کا محتاج ہوتا ہے اور وہ محتاج بھی اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے بغیر اس کا وجود مستلزم ہوتا ہے لہذا اسی سبب کے پیش نظر اتصال کو ضروری جانا گیا ہے۔

خروج زوجہ کو اجازت سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ خَلَفَ لَا تَخْرُجُ امْرَأَتُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَإِنْ لَهَا مَرَّةٌ فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ مَرَّةً أُخْرَى بِغَيْرِ إِذْنِهِ حَيْثُ وَلَا بُدَّ مِنَ الْإِذْنِ فِي كُلِّ خُرُوجٍ) لِأَنَّ الْمُسْتَشْنَى خُرُوجَ مَقْرُونٍ بِالْإِذْنِ ، وَمَا وَرَاءَهُ دَاخِلٌ فِي الْحَظَرِ الْعَامِّ .

وَلَوْ نَوَى الْإِذْنُ مَرَّةً بَصَلَّتْ دِيَانَةً لَا قَضَاءَ لِأَنَّهُ مُخْتَمَلُ كَلَامِهِ لِكُنْهِ خِلَافِ الظَّاهِرِ (وَلَوْ قَالَ إِلَّا أَنْ آذَنَ لَكَ فَإِنَّ لَهَا مَرَّةً وَاحِدَةً فَخَرَجَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ بَعْدَهَا بِغَيْرِ إِذْنِهِ لَمْ يَخْنَثُ) لِأَنَّ هَذِهِ كَلِمَةُ غَايَةِ فَتَنَتِهَا الْيَمِينُ بِهِ كَمَا إِذَا قَالَ حَتَّى آذَنَ لَكَ .

ترجمہ

اور جس شخص نے یہ حلف اٹھا یا کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی اس کے بعد اس نے ایک بار اس کو اجازت دیدی اور وہ نکل گئی اور اس کے دوبارہ وہ نکلے تو وہ حائل ہو جائے گا۔ کیونکہ خروج میں اجازت لازم ہے۔ کیونکہ وہ خروج مستثنیٰ ہے جو اجازت کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اور جو خروج مستثنیٰ سے سوا ہے وہ عام ممانعت کے حکم میں داخل ہے۔

جب حالف نے ایک بار اجازت کی نیت تو بطور دیانت اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ البتہ قضاء کے طور پر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کیسے یہ کلام کا احتمالی حکم ہے اور یہ ہر کے خلاف ہے۔ اور جب حالف نے ایک ”إِلَّا أَنْ آذَنَ لَكَ“ کہا اور پھر ایک بار اس کو اجازت دیدی اور اس کی بیوی باہر چلی گئی۔ اس کے بعد جب وہ حالف کی اجازت کے بغیر گئی تو حالف حائل نہ ہوگا کیونکہ یہ ”إِلَّا أَنْ آذَنَ لَكَ“ کلمہ غایت کیلئے آتا ہے پس یمن اسی پر ختم ہو جائے گی جس طرح جب اس نے ”حَتَّى آذَنَ لَكَ“ کہا ہو۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا اگر میری اجازت کے بغیر گھر سے نکلے تو تجھے حلاق ہے تو ہر بار نکلنے کے لیے اجازت کی ضرورت ہے اور اجازت یوں ہوگی کہ عورت اسے سے اور سمجھے اگر اس نے اجازت دی مگر عورت نے نہیں سنا اور چلی گئی تو طلاق ہوگئی۔ اسی طرح اگر اس نے ایسی زبان میں اجازت دی کہ عورت اس کو سمجھتی نہیں مثلاً عربی یا فارسی میں کہا اور عورت عربی یا فارسی نہیں جانتی تو طلاق ہوگئی۔ اسی طرح اگر اجازت دی مگر کسی قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اجازت مراد نہیں ہے تو اجازت نہیں مثلاً غصہ میں جھڑکنے کے لیے کہا جا تو اجازت نہیں یا کہا جا مگر گنی تو خدا تیرا بھلا نہ کرے گا تو یہ

اجازت نہیں یا جانے کے لیے کھڑی ہوئی اس نے لوگوں سے کہا، چھوڑو اسے جانے دو تو اجازت نہ ہوئی اور اگر دروازہ پر فقیر یا اس نے کہا فقیر کو کھڑا دیدے اگر دروازہ سے نکلے بغیر نہیں دے سکتی تو نکلنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں اور اگر کسی رشتہ دار کے یہاں جانے کی اجازت دی مگر اس وقت نہ گئی دوسرے وقت گئی تو طلاق ہوگئی اور اگر ماں کے یہاں جانے کے لیے اجازت لی اور یہاں کے یہاں چلی گئی تو طلاق نہ ہوئی اور اگر عورت سے کہا اگر میری خوشی کے بغیر نکل تو تھک کو طلاق ہے تو اس میں سننے اور سمجھنے کی ضرورت نہیں اور اگر کہا بغیر میرے جانے ہوئے گئی تو طلاق ہے پھر عورت نکل اور شوہر نے نکلے دیکھا یا اجازت دی مگر اس وقت نہ گئی پھر میں گئی تو طلاق نہ ہوئی۔ (رہنما، کتاب الایمان)

خروج زوجہ پر طلاق کو معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ أَرَادَتْ الْمَرْأَةُ الْخُرُوجَ لَقَالَ إِنْ خَرَجْتَ فَأَنْتِ طَالِقٌ فَجَلَسَتْ ثُمَّ خَرَجَتْ لَمْ يَحْثَ) وَكَذَلِكَ إِذَا أَرَادَ رَجُلٌ ضَرْبَ عِبْدِهِ فَقَالَ لَهُ آخِرُ إِنْ ضَرَبْتَهُ فَعَبْدِي حُرٌّ فَتَرَكَهُ ثُمَّ ضَرَبَهُ وَهَذِهِ تُسَمَّى يَمِينَ قَوْلٍ. وَتَفَرَّدَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ بِإِظْهَارِهِ .
(وَلَوْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ اجْلِسْ فَتَعَلَّقَ عِنْدِي قَالَ إِنْ تَعَلَّيْتُ فَعَبْدِي حُرٌّ فَخَرَجَ فَوَجَعَ إِلَى مَنْزِلِهِ وَتَعَلَّى لَمْ يَحْثَ) لِأَنَّ كَلَامَهُ خَرَجَ مَخْرَجَ الْجَوَابِ فَيُطَبِّقُ عَلَى السُّؤَالِ فَيَنْصَرِفُ إِلَى الْغَدَاةِ الْمَذْعُورِ إِلَيْهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ إِنْ تَعَلَّيْتُ الْيَوْمَ لِأَنَّهُ زَادَ عَلَى حَرْفِ الْجَوَابِ فَيَجْعَلُ مَبْتَدَأً .

ترجمہ

اور اگر بیوی نے باہر جانے کا ارادہ کیا تو اس کے خاوند نے کہا پس اگر تو نکل گئی تو تجھے طلاق ہے پھر وہ بیٹھ گئی۔ اس کے بعد باہر نکلے وہ قسم اٹھانے والا حادث نہ ہوگا۔ یہ اسی طرح ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے غلام کو مارنے کا ارادہ کیا تو اس سے کسی دوسرے شخص نے کہا کہ اگر تو نے اپنے غلام کو، را تو میرا غلام آزاد ہے تو پہلے شخص نے مارنا چھوڑ دیا اور پھر اس کے بعد را تو غلام آزاد نہ ہوا اور اس قسم کو یمن فور کہتے ہیں۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس سے یمن کا استنباط کیا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ متکلم کی مراد یہی ہے کہ مارنے کا ارادہ کرنے والے شخص کو عرنی طور پر اس مارا اور خروج سے روکا جائے۔ اور قسموں کا دار مدار عرف پر ہوا کرتا ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ دو پہر کا کھانا کھاؤ اور اگر میں تمہارے ساتھ دو پہر کا کھانا کھاؤں تو میر

خدمت آزد ہے اس کے بعد وہ وہاں سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا اور کھانا کھا تو وہ حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا کام جواب کے طور پر بیان ہوا ہے۔ پس وہ سوال پر ہی منطبق ہو جائے گا۔ اور اس کو کھانے کی جانب پھیرا جائے گا۔ جس کی اس کو دعوت دی گئی ہے۔ یہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے "إِنْ تَعَلَّيْتُ الْيَوْمَ" کہا ہے کیونکہ اس صورت میں اس نے جواب پر اضافہ کیا ہے۔ پس نئے طریقے سے قسم اٹھانے والا ہو جائے گا۔

شرح

قسموں کا دار مدار عرف پر ہوا کرتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ

اگر میں ہم جو اس تو میر غلام آزاد ہے، اور باہر جانے سے سفر کی نیت کی تو اس کی تصدیق دینے کی جا سکتی ہے کیونکہ باہر نکلنے کو سفر کے ساتھ خاص کیا ہے تو یہ خروج نہ کوئی تخصیص ہے لہذا کسی اور مقصد کیسے باہر نکلے تو حادث نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس سے وہ کسی خاص جگہ مثلاً بغداد کے لئے نکلنا مراد ہے تو یہ نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ قسم میں جگہ کا ذکر نہیں اس لئے جگہ کی تخصیص بھی معتبر نہیں ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان)

طلاق کو ملک میں داخلے کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

علامہ ابن قدامہ مقدسی ضلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی سے کہے: جب ہم ملک واپس جائیں تو تجھے طلاق: تو آپ دونوں کا اپنے ملک واپس آتے ہی طلاق ہو جائیگی! کیونکہ یہ خالصتاً تعلیق یعنی طلاق معلق کرنا تھی اس میں کسی کو نہ تو کسی کام پر ابھرا گیا ہے اور نہ ہی تصدیق یا تکذیب ہے اور نہ ہی رد کا گیا ہے، بلکہ یہ انسان کے اس قول کی طرح ہی ہے۔

جب پہلہ آئے یا پھر رمضان شروع ہو یا بادشاہ آئے تو اس کی بیوی کو طلاق، چنانچہ آپ کے خاوند نے اپنی کلام سے آپ کو ابھرا اپنے آپ کو ملک میں واپس آنے سے روکنا مراد نہیں لیا، اور اسی طرح اس میں ملک سے باہر رہنے پر ترغیب دانا مقصود نہ تھا، بلکہ یہ تو خاص تعلیق تھی۔ اور اگر فرض کریں کہ خاوند یہ کہتا ہے: "میرا مقصد یہ تھا کہ واپس جانے کے بعد میں اس کو طلاق دے دوں گا، تو اس کی یہ بات قابل قبول نہیں کیونکہ اس یہ قول "تجھے طلاق" صریح طلاق کے الفاظ میں شامل ہوتا ہے، اس لیے اس کی مراد اور نیت اور طلاق کے وعدہ والی بات قبول نہیں کی جائیگی۔

اور یہی وہ تعلیق جس سے اس کا مقصد منع کرنا ہو مثلاً یہ کہتا: اگر گھر سے نکلی تو تمہیں طلاق، اور خاوند اس سے بیوی کو باہر جانے سے منع کرنا چاہتا ہو، یا پھر وہ تعلیق جس سے کسی کام کی ترغیب دلائی گئی ہو، مثلاً: اگر تم گھر واپس نہ آئی تو تمہیں طلاق، تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

جمہور فقہاء کرام کے ہاں جب معلق کردہ کام واقع ہو جائے تو طلاق ہو جائیگی، اور فقہاء کی ایک جماعت کے ہاں طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ اس نے اس سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کی مراد روکنا یا کام کی ترغیب دانا مقصود تھی۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے قاضی ابویعلیٰ سے طلاق کی قسم اٹھانے والے اور خالص معلق کرنے والے کے درمیان فرق بیان

کرتے ہوئے کہا ہے۔

یہ اس کی وہ تعین ہے جو اس نے کسی شرط پر محقق کی تھی جس سے اس کا مقصد کسی فعل پر ابھارنا یا کسی کام سے روکنا مقصود تھا۔ اس کے بالکل اس قول کی طرح۔ اگر تم گھر میں داخل ہوئی تو تمہیں طلاق، اور اگر داخل نہ ہوئی تو تمہیں طلاق، یا پھر اس کی خبر کی تصدیق کرنے پر محقق کرنا مثلاً زید آیا نہ آیا تو تمہیں طلاق، رہا اس کے علاوہ کسی اور پر طلاق کو محقق کرنا مثلاً یہ قول اگر سورج طلوع ہو تو تمہیں طلاق، یا حاجی آئے تو تمہیں طلاق، اگر بادشاہ نہ آیا تو تمہیں طلاق، تو یہ ایک خاصہ شرط ہے نہ کہ حذف اور قسم (المعنی (7 / 333)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں۔

ایک نے دوسرے سے کہا تم فلاں کے گھر کل گئے تھے اس نے کہا ہاں پھر اس پر چھنے و سنے نے کہا خدا کی قسم تم گئے تھے اس نے کہا ہاں تو اس کا ہاں کہنا قسم ہے۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ گرمی نے فلاں شخص سے بات چیت کی تو تمہاری عورت کو طلاق ہے اس نے جواب میں کہا مگر تمہاری اجازت سے تو اس کے کہنے کا مقصد یہ ہوا کہ بغیر اس کی اجازت کے حکم کر دیا تو عورت کو طلاق ہے، لہذا بغیر اجازت کلام کرنے سے عورت کو طلاق ہو جائے گی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الایمان)

امام احمد رضا بریلوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

زید اگر اپنی بیوی کو عمرو کے گھر سے روکنے کی کوشش کرے اور بیوی باز نہ آئے تو زید قسم کھائے کہ اگر تو عمرو کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں، تو کیا آپ نے کبھی یہ سنا ہے کہ یہ قسم زید کی ناراضگی میں عمرو کے گھر داخل ہونے سے نونے گی، حتیٰ کہ اگر زید خود راضی ہو جائے اور بیوی سے معاملہ بحال کر لے تو کیا اس کے بعد بیوی وہاں داخل ہو تو طلاق نہ ہوگی، ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ قسم خوند اور بیوی کی زندگی بھر کے لئے ہے اور قسم میں مذکور طلاق کی شرط ختم نہ ہوگی جب تک شرط پائے جانے پر جزا لزم نہ ہو جائے جس کا حید یہ ہے کہ خوند بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے اور عدت پوری ہو جائے تو اس کے بعد بیوی عمرو کے گھر داخل ہو تو اس وقت جزا یعنی طلاق پڑے گی لیکن اس وقت بیوی طلاق کا مکمل نہ ہونے کی وجہ سے وہ طلاق لغو ہو جائے گی، اور اب زید یعنی خوند کو اختیار ہوگا کہ وہ بغیر حلالہ بیوی سے دوبارہ نکاح کر لے تو اس دوبارہ نکاح کے بعد بیوی چاہے تو عمرو کے گھر داخل ہو سکے گی زید کی رضا سے یا بغیر رضا کے داخل ہو اب طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایک دفعہ شرط پائے جانے پر قسم ختم ہو چکی ہے جیسا کہ سراجیہ اور ہندیہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۳، کتاب الایمان)

سواری پر سوار نہ ہونے کی قسم اٹھانے کا بیان

وَمَنْ حَلَفَ لَا يَرْكَبَ دَابَّةَ فُلَانٍ فَرَكَبَ دَابَّةَ عَبْدٍ مَأْذُونٍ لَهُ مَذْيُونٍ أَوْ غَيْرِ مَذْيُونٍ لَمْ يَحْثُ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ إِلَّا أَنَّهُ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ مُسْتَعْرِقٌ لَا يَحْثُ وَإِنَّ

نَوَى لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ لِمَوْلَى فِيهِ عِنْدَهُ، وَإِنْ كَانَ الدَّيْنُ غَيْرَ مُسْتَعْرِقٍ أَوْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ لَا يَحْثُ مَا لَمْ يُوهِ لَأَنَّ الْمَلِكَ فِيهِ لِلْمَوْلَى لِكُنْهُ يَصَافُ إِلَى الْعَبْدِ عُرْفًا، وَكَذَا شَرَعًا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ بَاعَ عَبْدًا وَكَهَ مَالٌ فَهُوَ لِلْبَائِعِ) الْحَدِيثُ فَتَحْتَطُّ الْبِصَافَةُ إِلَى الْمَوْلَى فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: فِي الْوَجْهِ كُلِّهَا: يَحْثُ إِذَا نَوَى لِأَحْتِلَالِ الْبِصَافَةِ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يَحْثُ وَإِنْ لَمْ يُوهِ لِأَعْتَارِ حَقِيقَةِ الْمَلِكِ إِذَا الدَّيْنُ لَا يَمْنَعُ وَقَوْعُهُ لِلْسَّيِّدِ عِنْدَهُمَا.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھی کہ وہ فلاں سواری پر سوار نہ ہوگا اس کے بعد وہ فلاں شخص کے ایسے غلام کی سواری سوار ہو گیا جو نہ متحرک تھا۔ اور غلام خواہ مدیون ہو یا نہ ہو۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسا حلف حائث نہ ہوگا۔ مگر جب اس غلام پر قرض محیط ہو تو وہ حائث نہ ہوگا اگرچہ اس نے فلاں کے غلام کی سواری پر سوار ہونے کی نیت کی۔ کیونکہ اس صاحب نے زید مدیون غلام کے مال میں آقا کی ملکیت نہیں ہوا کرتی۔ اور جب قرض محیط نہ ہو یا غلام پر قرض ہی نہ ہو تو حلف حائث نہ ہوگا جب تک اس کی نیت کی طرف اضافت نہیں کی جائے گی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کوئی غلام فروخت کیا اور غلام کے پس پیچہ ہاں ہو تو وہ پانچ کا ہوگا۔ لہذا اس کو آقا کی طرف مضاف کرنے کے سبب خلل واقع ہوگا۔ پس نیت ضروری ہوگی۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ تمام صورتوں میں حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ آقا کی طرف اضافت کرنے کے سبب خلل ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ملکیت کی حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے حائث ہو جائے گا اگرچہ اس نے نیت نہ بھی کی ہو۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک قرض غلام کے آقا کی ملکیت ہونے سے مانع نہ ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سواری نہ کروں گا جبکہ اس پر سوار تھا یا یہ کہڑا نہ پہنوں گا جبکہ وہ پہنے ہوئے تھا، یا اس گھر میں رہائش نہ کروں گا جبکہ اس میں رہائش پذیر تھا، تو قسم کے بعد ایک گھڑی بھی اس حائث پر باقی رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر فوراً سواری سے اتر گیا یا کہڑا اتار دیا، یا مکان سے منتقل ہونا شروع ہو گیا تو حائث نہ ہوگا۔

فتح میں فرمایا کہ پھر اگر کچھ دیر کردی جبکہ اس کو فوراً منتقل ہونا ممکن تھا تو حائث ہو جائے گا، ورنہ اگر فوراً ممکن نہ تھا کہ وہاں چوری کا تھا، یا اختیار والے حاکم کی طرف سے رکاوٹ تھی، یا منتقل ہونے کو دوسرا مکان نہ تھا، یا دوسرے مکان کو تالا پڑا ہوا تھا جس کو کھولنے پر قہر نہ ہوا تو حائث نہ ہوگا، کیونکہ فوراً منتقل ہونے میں یہ وقت بھی شمار ہوگا، اور عذر کی وجہ سے اس وقفہ کو کالعدم قرار

یہ جائے کاہ اور اگر وہ اس سے دیر تو ذکر فور تکلف پر قدرت ہو تو بھی قسم نہ منے گی، کیونکہ نکلنے سے یہ معروف طریقہ پر نکلن معتر ہے، جیسا کہ فقیر یہ میں ہے، (روقتار کتاب الایمان، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے خد م نافع سے خبر دیتے تھے۔ جو بھی کھجور کا درخت پیوندگانے کے بعد بیجا جائے اور بیچے وقت پھوس کا کوئی ذکر نہ ہو، ہو تو پھل سی کے ہوں گے۔ جس نے پیوند کیا ہے۔ غلام اور کھیت کا بھی یہی حال ہے۔ نافع نے ان تینوں چیزوں کا نام لیا تھا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۲۰۳)

یعنی اگر ایک غلام بیجا جائے اور اس کے پاس مال ہو تو وہ مال بائع ہی کا ہوگا۔ اسی طرح لونڈی گرے تو اس کا بچہ جو پیدا ہو چکا ہو وہ بائع ہی کا ہوگا۔ بیٹ کا بچہ مشتری کا ہوگا کیونکہ اگر خریدار پہنچے ہی ان پھوس یا لونڈی غلام سے متعلق چیزوں کے لینے کی شرط پر سوا کرے اور وہ مالک اس پر راضی بھی ہو جائے تو پھر وہ پھل یا لونڈی غلاموں کی وہ جملہ اشیاء اسی خریدار کی ہوں گی۔ شریعت کا غشاء یہ ہے کہ لین دین کے معاملات میں فریقین کا باہمی طور پر جملہ تفصیلات طے کر لینا اور دونوں طرف سے ان کا منظور کر لینا ضروری ہے تاکہ آگے چل کر کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی نے کھجور کے ایسے درخت بیچے ہوں جن کو پیوندی کیا جا چکا تھا تو اس کا پھل بیچنے والے ہی کا رہتا ہے۔ اہلہ اگر خریدنے والے نے شرط لگا دی ہو۔ (کہ پھل سمیت سودا ہو رہا ہے تو پھل بھی خریدار کی ملکیت میں آ جائیں گے) (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۲۰۳)

حدیث میں فقط غلام بھی آیا ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص اپنا غلام بیچے تو اس وقت بخت مال غلام کے پاس ہے وہ اصل مالک ہی کا سمجھا جائے گا اور خریدنے والے کو صرف خالی غلام ملے گا۔ ہاں اگر خریدار یہ شرط کر لے کہ میں غلام کو اس کے جملہ املاک سمیت خریدتا ہوں تو پھر جملہ املاک خریدار کے ہوں گے۔ یہی حال پیوندی باغ کا ہے۔ یہ بیس کی موعود داری پر موقوف ہے۔ ارض مررود کی بچ کے لیے بھی یہی اصول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں و هذا كله عند اطلاق بيع الحل من غير تعرض للثمرة فان شرطها المشتري بان قال اشتريت النخل بشمرتها كانت للمشتري وان شرطها البائع لضمه قبل التاخير كانت له یعنی یہ معاملہ خریدار پر موقوف ہے اگر اس نے پھلوں سمیت کی شرط پر سودا کیا ہے تو پھل اسے ملیں گے اور اگر بائع نے اپنے لیے ان پھلوں کی شرط لگا دی ہے تو بائع کا حق ہوگا۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

اس حدیث سے پھلوں کا پیوندی بنانا بھی جائز ثابت ہوا جس میں ماہرین فن درختوں کی شاخ کاٹ کر وہ درخت کی شاخ کے ساتھ باندھ دیتے ہیں اور قدرت خداوندی سے وہ ہر دو شاخیں مل جاتی ہیں۔ پھر وہ پیوندی درخت بکثرت پھل دینے لگ جاتا ہے۔ آج کل اس فن نے بہت کافی ترقی کی ہے اور اب تجربات جدیدہ نے نہ صرف درختوں بلکہ غنہ جات تک کے پودوں میں اس عمل سے کامیابی حاصل کی ہے حتیٰ کہ اعصائے حیوانات پر یہ تجربات کئے جا رہے ہیں۔

باب البیوع فی الاکل والشرب

﴿یہ باب کھانے پینے کی قسم کے بیان میں ہے﴾

باب بیعین اکل و شرب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ابی برقی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس سے پہلے سکنہ یعنی رہائش سے متعلق باب قسم بیعین کیا ہے کیونکہ انسان پہلے اس کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد انسان کھانے پینے کا محتاج ہوتا ہے ہذا باب سکنہ میں قسم اٹھانے کے بعد کھانے پینے کی اشیاء میں قسم اٹھانے کو بیان کیا ہے۔

اس باب میں ایک قسم کا بیان ہے جو کھانے پینے کی اشیاء کے بارے میں اٹھانی جائے گی اور یہاں ان اشیاء سے ن کی قیمت مراد ہے کیونکہ یہاں سبب کے ذکر سے ارادہ مسبب ہے اور یہی مجاز شائع ہے۔ (عناہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۲۲، بیروت)

ایک دن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے خواب میں دوسرے شخص کی ماں سے رنا کیا ہے، تو حضرت امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کر کے اس کے سایہ پر کوزے وار وغرض یہ ہے کہ ایسی باتیں ہم کے مدعی لوگوں سے بعید ہیں، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جزا کے پائے جانے کے لئے شرط کا پایا جا نا ضروری ہوتا ہے، جبکہ سوال میں کھانے کی شرط کو ذکر کیا گیا ہے تو کھانا شرط ہوگا نہ کہ تصور شرط ہوگا، کھانے کے محض تصور کرینے سے کھانا تحقق نہیں ہوتا، یہ بات ہر عقلمند بچہ بھی جانتا ہے اور ایسا ہونا بدابنہ عقل کے خلاف ہے کہ کوئی کھانے کا تصور کرے تو حقیقی کھانا ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہی ہو تو پھر دنیا سے فقر و فاقہ ختم ہو جائے، اور رزق میں تفاوت کی یہ حکمت معاذ اللہ ختم ہو جائے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا، اگر اللہ تعالیٰ سب کیسے رزق کو کشادہ کر دے تو لوگ زمین میں بغاوت کر دیں لیکن وہ بقدر مشیت رزق اتارتا ہے۔

کھانے کی قسم کا فقہی مفہوم

قسم کھانی کہ یہ کھانا کھائے گا تو اس میں دو صورتیں ہیں کوئی وقت مقرر کر دیا ہے یا نہیں اگر وقت نہیں مقرر کیا ہے پھر وہ کھانا کسی اور نہ کھالیا یا ہلاک ہو گیا یا قسم ختم ہو گئی اور اگر وقت مقرر کر دیا ہے مثلاً آج اس کو کھائے گا اور دن گزرنے سے پہلے قسم کھانے والا مر گیا یا کھانا تلف ہو گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الایمان)

درخت نے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذِهِ النَّخْلَةِ فَهُوَ عَلَى نَعْمِهَا) لِأَنَّهُ أَصَافَ الْيَمِينَ إِلَى مَا

لَا يُؤْكَلُ فَيَنْصَرِفَ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهُ وَهُوَ الثَّمَرُ لِأَنَّهُ سَبَبٌ لَهُ فَيُضْلَحُ مَجَازًا عَنْهُ ، لَكِنَّ الشَّرْطَ أَنْ لَا يَتَغَيَّرَ بَصْنَعِهِ جَدِيدَةً حَتَّى لَا يَخْتَبِثَ بِالنَّبِيدِ وَالْخَلِّ وَالذَّبْسِ الْمَطْبُوحِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ اس درخت سے نہیں کھائے گا۔ پس یہ قسم اس کے پھل سے متعلق ہوگی۔ کیونکہ اس نے غیر کول چیز کی طرف قسم کی اضافت کی ہے۔ لہذا قسم اسی چیز کی طرف لوٹنے والی ہوگی جو درخت سے نکلے گی اور وہ پھل ہے۔ کیونکہ درخت کا پھل سبب ہے پس درخت کا پھل مجزی طور پر مراد لیا جائے گا۔ اہت شرط یہ ہے کہ پھل کی کسی جدید ترتیب سے تبدیل نہ کیا گیا ہو۔ لہذا وہ شخص تنبیذ ہر کہ اور پکائی ہوئی تازی سے حاش نہ ہوگا۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے آم وغیرہ کسی درخت کی نسبت کہا کہ اس میں سے کچھ نہ کھاؤں گا تو اس کے پھل کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ خود درخت کھانے کی چیز نہیں لہذا اس سے مراد اس کا پھل کھانا ہے۔ اسی طرح پھل کو چوڑ کر جو نکلا وہ کھایا جب بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر پھل کو چوڑ کر اس کی کوئی چیز بنائی گئی ہو جیسے انگور سے سرکہ بناتے ہیں تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹی اور اگر صورت مذکورہ میں تکلف کر کے کسی نے اس درخت کا کچھ حصہ چھال وغیرہ کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹی مگر یہ نیت بھی ہو کہ درخت کا کوئی جز نہ کھاؤں گا اور اگر وہ درخت ایسا ہو جس میں پھل ہوتا ہی نہ ہو یا ہوتا ہے مگر کھایا نہ جاتا ہو تو اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ اس کے کھانے سے مراد اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھانا ہے۔

(در مختار، کتاب الایمان)

علامہ فخر الدین عثمان بن علی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص غلطی سے قسم کھا بیٹھا مثلاً کہن چاہتا تھا کہ پانی لاؤ یا پانی پیوں گا اور زبان سے نکل گیا کہ خدا کی قسم پانی نہیں پیوں گا یہ قسم کھانا نہ چاہتا تھا دوسرے نے قسم کھانے پر مجبور کیا تو وہی حکم ہے جو قصد اور بل مجبور کیے قسم کھانے کا ہے یعنی توڑے گا تو کفارہ دینا ہوگا قسم توڑنا اختیار سے ہو یا دوسرے کے مجبور کرنے سے قصد ہو یا بھول چوک سے ہر صورت میں کفارہ ہے بلکہ اگر بیہوشی یا جنون میں قسم توڑنا ہو واجب بھی کفارہ واجب ہے جب کہ ہوش میں قسم کھائی ہو اور اگر بے ہوشی یا جنون میں قسم کھائی تو قسم نہیں کہ عاقل ہونا شرط ہے اور یہ عاقل نہیں۔

(تمییز الحقائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۳۲۳)

گدرائی کھجور نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الْبُسْرِ فَصَارَ رُطْبًا فَأَكَلَهُ لَمْ يَخْتَبِثْ . وَكَذَا إِذَا حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الرُّطْبِ أَوْ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ فَصَارَ ثَمَرًا أَوْ صَارَ اللَّبَنُ شِيرَازًا لَمْ يَخْتَبِثْ)

لَآَنَّ صِفَةَ الْبُسُورَةِ وَالرُّطْبِيَّةِ دَاعِيَةٌ إِلَى الْيَمِينِ ، وَكَذَا كَوْنُهُ لَبَنًا فَيَتَقَيَّدُ بِهِ ، وَلَآَنَّ اللَّبَنَ مَا يُكُولُ فَلَا يَنْصَرِفُ الْيَمِينُ إِلَى مَا يَتَّخِذُ مِنْهُ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا حَلَفَ لَا يَكُلُّ هَذَا الصَّبِيَّ أَوْ هَذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهُ بَعْدَ مَا شَاخَ لِأَنَّ هَجْرَانَ الْمُسْلِمِ يَمْنَعُ الْكَلَامَ مِنْهُي عَنْهُ فَلَمْ يُعْتَبَرِ الدَّاعِي دَاعِيًا فِي الشَّرْعِ .

ترجمہ

اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس گدرائی کھجور سے نہ کھائے گا۔ پھر وہ کھجور رطب والی ہو گئی اور اس نے اس سے کھ لیا تو حاش نہ ہوگا اور اسی طرح جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس رطب اور اس لبن سے نہیں کھائے گا۔ اس کے بعد وہ رطب کھجور میں بن گئی یہ وہ دودھ ملائی والا لبن کر پک گیا تو وہ حاش نہ ہوگا کیونکہ کھجور کی صفت بسورت و رطوبت قسم کی طرف لے جانے والی ہے اور دودھ ہونے کا بھی حکم ہے پس یمن لبن کے ساتھ مقید ہوا جائے گی۔ کیونکہ دودھ بھی کھایا جاتا ہے لہذا قسم اس جانب سے پھرنے والی نہ ہوگی جو چیز دودھ سے بنائی جاتی ہے۔ البتہ یہ صورت اس مسئلہ کے خلاف ہے کہ جب کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ اس بچے یا اس جوان سے بات نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے اس کے بوڑھا ہو جانے کے بعد اس سے کلام کیا (تو قسم توڑنے والا ہوگا) کیونکہ کسی مسلمان کو ترک کلام کے سبب چھوڑنا منع ہے۔ پس شریعت میں اس داعی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاعدہ کامل وہ ہے جہاں قسم کا سبب بننے والی صفت کو قسم میں ذکر کیا گیا ہو اگر چہ وہ معرفہ کے طور پر مذکور ہو خواہ معرفہ اشارہ سے بنایا گیا ہو کیونکہ اشارہ حاضر چیز کی طرف ہوتا ہے باوجودیکہ حاضرین میں صفت کا ذکر لغو قرار پاتا ہے، اسی لئے اگر قسم کھائی کہ میں اس بچے سے بات نہ کروں گا تو اگر اس سے جوانی میں بات کی تو تب بھی حاش نہ ہوگا، تاہم وصف اگر قسم کا داعی ہوگا تو اس کے اعتبار کا بھی داعی ہوگا، جیسا کہ یہ سر اور یہ رطب وغیرہ میں اور یہ دودھ، وغیرہ میں یہ صفات قسم کا داعی ہونے کے ساتھ قسم میں بھی معتبر ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھر وصف داعی بھی ہو تو غیر معتبر ہونے کی صورت میں اس کی بقاء قسم کی بقاء کے لئے مدعا نہیں بن سکتی کیونکہ قسمیں الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتیں۔

فرمایا حال کی تخصیص کرنے کی صورت یوں ہے کہ ایک شخص کھڑا ہو تو کوئی اس کے بارے میں قسم کھائے کہ میں اس سے بات نہ کروں گا اور قسم میں اس کے کھڑے ہونے کی نیت کرے تو یہ نیت لغو ہوگی بخلاف جب یوں کہے کہ میں اس کھڑے شخص سے بات نہ کروں گا تو اس صورت میں قسم میں کھڑے ہونے کی نیت کا اعتبار عند اللہ ہو سکتا ہے اس سے واضح ہوا کہ دیا نے یعنی عند اللہ، میں وصف داعی اور غیر داعی دونوں یکساں ہیں اس لئے نیت تخصیص ضروری ہے لیکن وصف کو ذکر کے بغیر محض نیت کرنا دیانت میں بھی کارآمد نہیں ہے تو قضاء کیسے کارآمد ہو سکتی ہے، (فتح القدیر، کتاب الایمان)

حمل کا گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ خَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمَ هَذَا الْحَمَلِ فَأَكَلَ بَعْدَ مَا صَارَ كَبْشًا حَيْثُ) لِأَنَّ صِفَةَ الصَّغِيرِ فِي هَذَا لَيْسَتْ بِدَاعِيَةٍ إِلَى الْيَمِينِ لِإِنَّ الْمُتَمَتِّعَ عَنْهُ أَكْثَرُ امْتِنَاعًا عَنْ لَحْمِ الْكَبْشِ .

ترجمہ

اور جب کسی قسم اٹھائی کہ وہ اس حمل کا گوشت نہ کھائے گا۔ اس کے بعد اس نے اس کے مینڈھے ہونے کے بعد اس کا گوشت کھالیا تو وہ حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ صفت صغیر اس قسم کی داعیہ نہیں ہے۔ کیونکہ بچے کے گوشت سے رکنے والا مینڈھے کے گوشت سے زیادہ رکنے والا ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین خنی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس بچہ کا گوشت نہیں کھائے گا پھر جب وہ جوان ہوئی اُس وقت اُس کا گوشت کھایا تو قسم ٹوٹ گئی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

قسم کھانے والا کہ گوشت نہ کھائے گا پھل کھانے سے حائث نہ ہوگا اگرچہ حقیقت و شرعاً گوشت اس پر بھی صادق ہے۔

قال الله تعالى لنا كلوا منه لحما طرياً . الله تعالى نے فرمایا : تم دریا سے تازہ گوشت کھاؤ۔

نصف پکی کھجور نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ خَلَفَ لَا يَأْكُلُ بُسْرًا فَأَكَلَ رُطْبًا لَمْ يَحْنَثْ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِبُسْرٍ . (وَمَنْ خَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطْبًا أَوْ بُسْرًا أَوْ خَلَفَ لَا يَأْكُلُ رُطْبًا وَلَا بُسْرًا فَأَكَلَ مُذْبَا حَيْثُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَ لَا يَحْنَثُ فِي الرُّطْبِ) يَعْنِي بِالْبُسْرِ الْمَذْبُوبِ وَلَا فِي الْبُسْرِ بِالرُّطْبِ الْمَذْبُوبِ لِأَنَّ الرُّطْبَ الْمَذْبُوبَ يُسَمَّى رُطْبًا وَالْبُسْرَ الْمَذْبُوبَ يُسَمَّى بُسْرًا فَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ الْيَمِينُ عَلَى الشَّرَاءِ .

وَلَهُ أَنَّ الرُّطْبَ الْمَذْبُوبَ مَا يَكُونُ فِي ذَنْبِهِ قَلِيلُ بُسْرٍ ، وَالْبُسْرَ الْمَذْبُوبَ عَلَى عَكْسِهِ فَيَكُونُ أَكْلُهُ أَكْلَ الْبُسْرِ وَالرُّطْبِ ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مَقْصُودٌ فِي الْأَكْلِ بِخِلَافِ الشَّرَاءِ لِأَنَّهُ بِصَادِقِ الْحَمْلَةِ فَيَتَّبَعُ الْقَلِيلُ فِيهِ الْكَثِيرُ .

(وَلَوْ خَلَفَ لَا يَشْتَرِي رُطْبًا فَاشْتَرَى كِبَاسَةً بُسْرٍ فِيهَا رُطْبٌ لَا يَحْنَثُ) لِأَنَّ الشَّرَاءَ

بُصَادِقِ الْحَمْلَةِ وَالْمَغْلُوبِ تَابِعٌ (وَلَوْ كَانَتْ الْيَمِينُ عَلَى الْأَكْلِ يَحْنَثُ) لِأَنَّ الْأَكْلَ يُصَادِقُهُ شَيْئًا فَشَيْئًا فَكَانَ كُلُّ مِنْهُمَا مَقْصُودًا وَصَارَ كَمَا إِذَا خَلَفَ لَا يَشْتَرِي شَيْئًا أَوْ لَا يَأْكُلُهُ فَاشْتَرَى حِنْطَةً فِيهَا حَبَّاتُ شَعِيرٍ وَاتَّكَلَهَا يَحْنَثُ فِي الْأَكْلِ دُونَ الشَّرَاءِ لِمَا قُلْنَا .

ترجمہ

فریاد اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ آدھ پکی کھجور نہ کھائے گا اس کے بعد اس نے پکی ہوئی کھجور کھالی تو وہ حائث نہ ہوگا۔ کیونکہ رطب بسر نہیں ہے۔ اور جس نے قسم اٹھائی کہ وہ رطب یا بسر نہ کھائے گا یا اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ نہ تو رطب کھائے گا اور نہ بسر کھائے گا اس کے بعد اس نے مذنب یعنی دم کی جانب سے پکی ہوئی کھجور کھائی تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ حائث ہو جائے گا۔

صاحبین کے نزدیک وہ رطب کی صورت میں حائث نہ ہوگا اور جب اس نے بسر مذنب نہ کھانے کی قسم اٹھائی اور رطب مذنب کی قسم اٹھانے کی حالت میں بسر کھانے سے وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ رطب مذنب کو بھی رطب کہا جاتا ہے اور بسر مذنب کو بسر کہا جاتا ہے لہذا یہ اسی طرح ہو جائے گا جس شرا کے قسم منعقد ہو جاتی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک رطب مذنب ایسی کھجور کو کہتے ہیں جس کی ذمہ تھوڑی سی گدڑی ہو جائے اور بسر اس کے برعکس کو کہتے ہیں پس رطب مذنب اور بسر مذنب کو کھانے والا بسر اور رطب کو کھانے والا ہوگا اور ان میں سے ہر ایک کا مقصود کھانا ہے لہذا شرا میں اس طرح نہیں ہوتا کیونکہ شرا مکمل کچھ سے ملنے والا ہے پس اس میں قلیل کثیر کے تابع ہوگا۔

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ رطب کو نہیں خریدے گا اس کے بعد اس نے گدڑی کھجوروں کا خوشہ خرید لیا ہے جس میں رطب کھجوریں بھی ہیں تو وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ خریداری مکمل خوشے کی ہوا کرتی ہے اور مغلوب چیز ہمیشہ تابع ہوا کرتی ہے اور اگر ان کے کھانے کے قسم تھے تو وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ کھانے میں تھوڑا تھوڑا بھی رطب سے ملنے والا ہے اور بسر و رطب میں سے ہر ایک سے مقصود ہوگا اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ جو نہیں خریدے گا یا وہ جو نہیں کھائے گا پھر اس نے گیہوں کو خریدا جس میں جو کے کچھ دانے بھی تھے۔ اور انہیں کھالیا تو وہ کھانے کی صورت میں حائث ہو جائے گا اور خریدے کی صورت میں حائث نہ ہوگا۔

شرح

نصف پکی کھجور کا اطلاق پکی ہوئی کھجور پر نہ ہوگا کیونکہ دونوں میں فرق واضح ہے اور یہ فرق طبی نقصان و فوائد سے بھی واضح ہے

گوشت نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا فَأَكَلَ لَحْمَ السَّمَكِ لَا يَحْنُ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يَحْنَتْ لِأَنَّهُ يُسَمَّى لَحْمًا فِي الْقُرْآنِ .

وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ التَّسْمِيَةَ مَجَازِيَّةً لِأَنَّ اللَّحْمَ مُنْشَوُّهُ مِنَ الدَّمِ وَلَا دَمَ فِيهِ لِسُكُونِهِ فِي الْمَاءِ (وَإِنْ أَكَلَ لَحْمَ خَنَزِيرٍ أَوْ لَحْمَ إِنْسَانٍ يَحْنُ) لِأَنَّهُ لَحْمٌ حَقِيقِي إِلَّا أَنَّهُ حَرَامٌ وَالْيَمِينُ قَدْ تَعَقَّدَ لِلْمَنْعِ مِنَ الْحَرَامِ (وَكَذَا إِذَا أَكَلَ كَبِدًا أَوْ كَبْرَشًا) لِأَنَّهُ لَحْمٌ حَقِيقَةٌ فَإِنَّ نُمُوهُ مِنَ الدَّمِ وَيُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالُ اللَّحْمِ . وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا لَا يَحْنُ لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ لَحْمًا .

ترجمہ

اور جس شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا اس کے بعد اس نے مچھلی کا گوشت کھا یا تو وہ حائث نہ ہوگا جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ مچھلی کے گوشت کو قرآن میں لحم کہا گیا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ مچھلی کے گوشت کو مجازی طور پر گوشت کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا۔ اس کے کدو پانی میں رہتی ہے۔ اور جب انسان نے خنزیر یا کسی انسان کا گوشت کھا لیا تو وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ یہ حقیقی طور پر گوشت ہے۔ البتہ یہ حرام ہے۔ اور حرام سے منع کرنے کیلئے بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اسی طرح جب کسی قسم اٹھانے والے نے کبھی یا اونچھری کھائی تو بھی وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ ان میں سے بھی ہر ایک حقیقی طور پر گوشت ہے۔ کیونکہ اس کا بڑھنا خون سے ہے۔ اور اس کا استعمال بھی گوشت کی طرح ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہمارے عرف میں وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ ہمارے عرف میں اس کو گوشت نہیں شمار کیا جاتا۔

شرح

علامہ عداؤدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور اونٹ، گائے بھینس، بھیڑ، بکری اور پرند وغیرہ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اگر اون کا گوشت کھایا تو ٹوٹ جائے گی، خواہ شور بے دار ہو یا نہ ہو یا کوفتہ اور کچی گوشت یا صرف شور با کھیا تو نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح کبھی ہتلی، بھیڑ، بیل، گدہ، اونچھری، دُنِیہ کی چکی کے کھانے سے بھی نہیں ٹوٹے گی کہ ان چیزوں کو عرف میں گوشت نہیں کہتے اور اگر کسی جگہ ان چیزوں کا بھی گوشت میں شمار ہو تو وہاں ان کی کھانے سے بھی ٹوٹ جائے گی۔ قسم کھائی کہ تیل کا گوشت نہیں کھائے گا تو کھانے کے گوشت سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور گائے کے گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو تیل کا گوشت کھانے سے ٹوٹ جائے گی کہ تیل کے گوشت کو بھی گوگ گائے کا گوشت کہتے ہیں اور

بھینس کے گوشت سے نہیں ٹوٹے گی اور بھینس کے گوشت کی قسم کھائی تو گائے تیل کے گوشت سے نہیں ٹوٹے گی اور بڑا گوشت کہ تو ان سب کو شامل ہے اور بکری کا گوشت کہ تو بکرے کے گوشت سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی کہ دونوں کو بکری کا گوشت کہتے ہیں۔ اسی طرح بھیڑ کا گوشت کہ تو مینڈھے کو بھی شامل ہے اور دُنِیہ ان میں داخل نہیں، اگرچہ دُنِیہ اسی کی ایک قسم ہے اور چھوٹا گوشت ان سب کو شامل ہے۔ قسم کھائی کہ چربی نہیں کھائے گا تو پیٹ میں اور آنتوں پر جو چربی پٹی رہتی ہے اس کے کھانے سے قسم ٹوٹے گی پیٹ کی چربی جو گوشت کے ساتھ ہی ہوتی ہے اس کے کھانے سے یا دُنِیہ کی چکی کھانے سے نہیں ٹوٹے گی۔ (درمختار، کتاب الایمان)

علامہ بن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور کسی خاص گوشت کی نیت ہے تو اس کے سوا دوسرا گوشت کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح قسم کھائی کہ کھانا نہیں کھائے گا اور خاص کھانا مراد لیا تو دوسرا کھانا کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ قسم کھائی کہ تیل نہیں کھائے گا تو تیل کے تیل کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور گیہوں نہ کھانے کی قسم کھائی تو پیٹ سے قسم نہ ٹوٹے گی اور گیہوں کی روٹی یا آدیا ستویہ کچے گیہوں کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی مگر جبکہ اس کی یہ نیت ہو کہ گیہوں کی روٹی نہیں کھائے گا تو روٹی کھانے سے بھی ٹوٹ جائے گی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

چربی نہ کھانے یا نہ خریدنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ أَوْ لَا يَشْتَرِي شَحْمًا لَمْ يَحْنُ إِلَّا فِي شَحْمِ الْبُطْنِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَ لَا يَحْنُ فِي شَحْمِ الظَّهْرِ أَيْضًا) وَهُوَ اللَّحْمُ السَّمِينُ لَوْ جُودَ خَاصَّةً الشَّحْمِ فِيهِ وَهُوَ الذُّنُوبُ بِالنَّارِ .

وَلَهُ أَنَّهُ لَحْمٌ حَقِيقَةٌ ، أَلَا تَرَاهُ أَنَّهُ يَنْشَأُ مِنَ الدَّمِ وَيُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالَهُ وَتَحْصُلُ بِهِ قُوَّتُهُ وَلِهَذَا يَحْنُ بِأَكْلِهِ فِي الْيَمِينِ عَلَى أَكْلِ اللَّحْمِ ، وَلَا يَحْنُ بِبَيْعِهِ فِي الْيَمِينِ عَلَى بَيْعِ الشَّحْمِ ، وَقِيلَ هَذَا بِالْعَرَبِيَّةِ ، فَأَمَّا اسْمُ بَيْعٍ بِالْفَارِسِيَّةِ لَا يَقَعُ عَلَى شَحْمِ الظَّهْرِ بِحَالٍ . (وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْتَرِي أَوْ لَا يَأْكُلُ لَحْمًا أَوْ شَحْمًا فَاشْتَرَى أَلِيَّةً أَوْ أَكَلَهَا لَمْ يَحْنُ) لِأَنَّهُ نَوْعٌ قَالَتْ حَتَّى لَا يُسْتَعْمَلَ اسْتِعْمَالُ اللَّحْمِ وَالشُّحُومِ .

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ چربی نہ کھائے گا یا وہ چربی نہ خریدے گا۔ تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک وہ صرف پیٹ کی چربی سے حائث ہو جائے گا۔

صاحبین کے نزدیک کے پیٹ کی چربی سے تو حائث ہو جائے گا کیونکہ پیٹ کی چربی دنا گوشت ہوتی ہے۔ اور اس میں چربی

کا وصف پایا جاتا ہے۔ اور وہ آگ سے پکھل جاتا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دیکھیں یہ ہے کہ پیٹھ کی چربی صل میں گوشت ہے کیا سب غور و فکر نہیں کر سکتے کہ وہ خون سے پیدا ہونے والی ہے اور گوشت کی استعمال ہونے والی ہے۔ اور اس سے گوشت کی طرف حاکت حاصل کی جاتی ہے۔ سی دیکھیں کے پیش نظر گوشت کی قسم کھانے والا پیٹھ کی چربی کھانے سے حاکت ہو جائے گا۔

البتہ چربی پیچنے کی قسم پر پیٹھ کی چربی پیچنے سے حاکت نہ ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اختلاف عربی زبان میں ہے جبکہ فارسی کا لفظ ”پیش“ کسی طرح بھی پیٹھ کی چربی پر واقع نہیں ہوتا۔

در جب کسی قسم اٹھائی کہ وہ گوشت یا چربی نہیں کھائے گا یا نہیں خریدے گا اس کے بعد اس نے دینے کی چکتی کو خرید یا اسے کھایا تو وہ حاکت نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ”الیہ“ تیسری قسم ہے لہذا اس کو گوشت یا چربی کی طرح استعمال نہیں جائے گا۔

شرح

قسم کھائی کہ اس بچھیا کا گوشت نہیں کھائیگا پھر جب وہ جوان ہوگئی اس وقت اس کا گوشت کھایا تو قسم ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائیگا تو مچھلی کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور اونٹ، گائے، بھینس، بکری اور پرند وغیرہ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور ان کا گوشت کھایا تو ٹوٹ جائے گی، خواہ شوربے دار ہو یا ٹھنڈا ہو یا کوفتہ اور کچی گوشت یا صرف شوربہ کھایا تو نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح کبھی، تنی، بھینس، دل، گردہ، اوچھڑی، ذنبہ کی چکی کے کھانے سے بھی نہیں ٹوٹے گی کہ ان چیزوں کو عرف میں گوشت نہیں کہتے اور اگر کسی جگہ ان چیزوں کا بھی گوشت میں شمار ہو تو وہ ان کی کھانے سے بھی ٹوٹ جائے گی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

قسم کھائی کہ بیل کا گوشت نہیں کھائیگا تو گائے کے گوشت سے قسم نہیں ٹوٹے گی درگائے کے گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی تو بیل کا گوشت کھانے سے ٹوٹ جائیگی کہ بیل کے گوشت کو بھی گوگ گائے کا گوشت کہتے ہیں اور بھینس کے گوشت سے نہیں ٹوٹے گی اور بھینس کے گوشت کی قسم کھائی تو گائے بیل کے گوشت سے نہیں ٹوٹے گی اور بڑا گوشت کہہ تو ان سب کو شامل ہے در بکری کا گوشت کہہ تو بکرے کے گوشت سے بھی قسم ٹوٹ جائیگی کہ دونوں کو بکری کا گوشت کہتے ہیں۔ اسی طرح بھینس کا گوشت کہہ تو مینڈھے کو بھی شامل ہے در ذنبان میں داخل نہیں، اگرچہ ذنبہ اسی کی ایک قسم ہے اور چھوٹا گوشت ان سب کو شامل ہے۔ قسم کھائی کہ چربی نہیں کھائیگا تو بیٹ میں اور آنتوں پر جو چربی لپٹی رہتی ہے اس کے کھانے سے قسم ٹوٹے گی پیٹھ کی چربی جو گوشت کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اس کے کھانے سے یا ذنبہ کی چکی کے کھانے سے نہیں ٹوٹے گی۔ قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا اور کسی خاص گوشت کی نیت ہے تو اس کے سوا دوسرا گوشت کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اسی طرح قسم کھائی کہ کھانا نہیں کھائیگا اور خاص کھانا مراد لیا تو دوسرا کھانا کھانے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

گندم سے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذِهِ الْحِنْطَةِ لَمْ يَحْنَتْ حَتَّى يَقْضِمَهَا ، وَلَوْ أَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا

لَمْ يَحْنَتْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ . وَقَالَا : إِنْ أَكَلَ مِنْ خُبْزِهَا حِنْتٌ أَيْضًا) لِأَنَّهُ مَقْهُومٌ مِنْهُ عُرْفًا . وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ لَهُ حَقِيقَةً مُسْتَعْمَلَةً فَإِنَّهَا تَقْلَى وَتُغْلَى وَتُؤْكَلُ قَضْمًا وَهِيَ قَاضِيَةٌ عَلَى الْمَجَازِ الْمُتَعَارِفِ عَلَى مَا هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُ .

وَلَوْ قَضَمَهَا حِنْتٌ عِنْدَهُمَا هُوَ الصَّحِيحُ لِعُمُومِ الْمَجَازِ ، كَمَا إِذَا حَلَفَ لَا يَضَعُ قَدَمَهُ فِي دَارِ فُلَانٍ ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ فِي الْخُبْزِ حِنْتٌ أَيْضًا .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس گندم سے نہ کھائے گا تو وہ حاکت نہ ہوگا حتیٰ کہ وہ اس کو چبا کر کھائے۔ اور اگر اس نے اس گندم کی روٹی کھائی تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حاکت نہ ہوگا۔

صاحبین نے فرمایا: کہ وہ گندم کی روٹی کھانے سے حاکت ہو جائے گا۔ کیونکہ عرف کے مطابق روٹی کھانے سے گندم کھانے کا ملبوم سمجھا جاتا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ گندم کھانا یہ اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے کیونکہ گندم کو ابالا اور بھونا جاتا ہے اور پھر چبا کر کھایا جاتا ہے۔ اور آپ علیہ الرحمہ کے نزدیک اصل کے مطابق یعنی حقیقت مجاز متعارف پر حاکم ہوا کرتی ہے۔

صاحبین کے نزدیک عموم مجاز کے سبب وہ حاکت ہو جائے گا اور یہی صحیح ہے جس طرح اگر اس نے قسم کھائی کہ فلاں کے گھر میں اپنا قدم نہ رکھے گا اور صاحب کتاب یعنی قدوری میں اسی کی جانب اشارہ ہے کہ روٹی کھانے سے بھی حاکت ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ یہ گیہوں نہیں کھائے گا سر نہیں بویا، اب جو پیدا ہوئے ان کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کہ یہ وہ گیہوں نہیں ہیں۔ قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائیگا تو پراٹھے، پوریاں، سنبو سے، بکٹ، شیریں، کلچے، گلچے، نان پاؤ کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی کہ ان کو روٹی نہیں کہتے اور توری روٹی یا چپاتی یا مٹی روٹی یا بین سے بنائی ہوئی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

آٹے سے نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ مِنْ هَذَا الدَّقِيقِ فَأَكَلَ مِنْ خُبْزِهِ حِنْتٌ) لِأَنَّ عَيْنَهُ غَيْرُ مَا تُؤْكَلُ

فَانْتَصَرَ إِلَى مَا يَتَّخِذُ مِنْهُ (وَلَوْ اسْتَفْتَى كَمَا هُوَ لَا يَحْنَتْ) هُوَ الصَّحِيحُ لِعَيْنِ الْمَجَازِ مُرَادًا .

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ حُبْرًا فِيمِئْتَهُ عَلَى مَا يُعْتَادُ أَهْلُ الْمِصْرِ أَكْلَهُ حُبْرًا) وَذَلِكَ حُبْرُ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُعْتَادُ فِي غَالِبِ الْبَلَدَانِ (وَلَوْ أَكَلَ مِنْ حُبْرِ الْقَطَانِ لَا يَحْسَبُ) لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى حُبْرًا مُطْلَقًا إِلَّا إِذَا نَوَاهُ لِأَنَّهُ مُحْتَمَلٌ كَلَامِهِ (وَكَذَا لَوْ أَكَلَ حُبْرَ الْأَرَزِ بِالْعِرَاقِ لَمْ يَحْسَبْ) لِأَنَّهُ عِبْرُ مُعْتَادٍ عَنْهُمْ حَتَّى لَوْ كَانَ يَطْبَخُ سَتَانِ أَوْ فِي بَلَدَةٍ طَعَامُهُمْ ذَلِكَ يَحْسَبُ .

ترجمہ

اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اس آٹے سے نہ کھائے گا اور اس نے اس کی روٹی کھالی تو وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ اس میں غیرہ کول ہے۔ ہذا قسم تو اس جانب بھیجا جائے جو تھے سے بنتی ہے وہ روٹی ہے۔ اور اگر اس نے کسی حالت میں تھپا تک نہ کھا وہ حادث نہ ہوگا اور صحیح روایت یہی ہے کیونکہ نے میں مجزی معنی مراد بین معین ہو چکا ہے۔ اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ روٹی نہ کھائے گا تو اب اس کی قسم اس روٹی سے متعلق ہو جائے گی۔ جس کو اہل بلد بطور عادت کھاتے ہیں۔ اور وہ گندم اور جو کی روٹی ہے کیونکہ عرف کے مطابق شہروں میں انہی دو اشیاء سے روٹی کھائی جاتی ہے۔ اور اگر اس نے چار مغزیہ یا دام والی روٹی کھائی تو حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو محقق طور پر روٹی نہیں کہا جاتا۔ ہاں اب جب قسم اٹھانے والے نے اس کی نیت کی ہو۔ کیونکہ اس کی بات میں اس بات کا احتمال ہے، وراہی طرح جب اس نے عراق میں چاول کی روٹی کھالی تو وہ حادث نہ ہوگا کیونکہ اہل عراق کے نزدیک چاول کی روٹی کھانے کا عرف نہیں ہے یہاں تک کہ اگر قسم کھانے والا طبرستان یا کسی ایسے شہر میں ہو جن کا کھانا چاول کی روٹی ہو تو وہ حادث ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ یہ آٹا نہیں کھائے گا اور اس کی روٹی یا اور کوئی نہ کھائی تو قسم ٹوٹ گئی اور خود آٹا ہی کھا لیا تو نہیں۔ قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو اس جگہ جس چیز کی روٹی لوگ کھاتے ہیں اس کی روٹی سے قسم ٹوٹنے کی مثلاً پاکستان میں گیسوں، جو، جوار، باجرا، مکی کی روٹی پکائی جاتی ہے تو چاول کی روٹی سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور جہاں چاول کی روٹی لوگ کھاتے ہیں وہاں کے کسی شخص نے قسم کھائی تو چاول کی روٹی کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

بھنی ہوئی چیز نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الشَّوَاءَ فَهُوَ عَلَى اللَّحْمِ دُونَ الْبَازِزِ وَالْجَزْرِ) لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ اللَّحْمُ الْمَشْوِيُّ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ إِلَّا أَنْ يَتَوَيَّ مَا يُشْوَى مِنْ بَيْضٍ أَوْ غَيْرِهِ لِمَكَانِ الْحَقِيقَةِ

(وَإِنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الطَّيِّخَ فَهُوَ عَلَى مَا يُطْبَخُ مِنَ اللَّحْمِ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ اغْتِبَارًا لِلْعُرْفِ ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّغْمِيمَ مُتَعَدِّرٌ فَيَصْرَفُ إِلَى خَاصٍّ هُوَ مُتَعَارَفٌ وَهُوَ اللَّحْمُ الْمَطْبُوعُ بِالْمَاءِ إِلَّا إِذَا تَوَيَّ غَيْرَ ذَلِكَ لِأَنَّ فِيهِ تَشْدِيدًا ، وَإِنْ أَكَلَ مِنْ مَرَقِهِ يَحْسَبُ لِمَا فِيهِ مِنْ أَجْزَاءِ اللَّحْمِ وَلِأَنَّهُ يُسَمَّى طَبِيخًا .

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ بھنی ہوئی چیز نہ کھائے گا تو اس سے مراد گوشت ہوگا جبکہ اس کا اطلاق گاجر اور پیٹنگن پر نہ ہوگا کیونکہ شواء کے علی الطلاق ہونے کے سبب اس سے مراد بھنا ہوا گوشت ہوگا۔ ہاں جب حلف نے بھنے ہوئے انڈے کی نیت کی ہو کیونکہ شواء کا حقیقی معنی یہی ہے۔ اور اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ کچی ہوئی چیز نہ کھائے گا تو اس کی یہ قسم کچے ہوئے گوشت پر محمول ہوگی۔ جبکہ عرف کا اعتبار کرتے ہوئے استحسان یہ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر ہر کچے ہوئے گوشت کا شامل ہونا ناممکن ہے لہذا قسم کو ایسے کچے ہوئے کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ جو معروف ہو اور وہ پانی میں پکا ہوا گوشت ہے ہاں جب حلف اس کے سوا کی نیت کرے۔ کیونکہ اس میں زیادہ سختی ہے اور جب اس نے کچے ہوئے گوشت کا شور بہ کھالیا تو بھی وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ شور بہ میں گوشت کے اجزاء ہوتے ہیں کیونکہ وہ اس میں پکایا جاتا ہے۔

شرح

مصنف علیہ الرحمہ نے یہاں اس مسئلہ کی تفریع کو بیان کیا ہے کہ جب بھنی ہوئی چیز سے مراد گوشت ہے اس کی ایک دلیل عرف عام ہے کہ عرف میں جو بھن کر کھائی جاتی ہے وہ مراد ہوگی۔ اور دوسری دلیل استحسان کے طور پر بیان کی ہے۔ کہ معروف بھنا ہوا گوشت ہی کھایا جاتا ہے۔ لہذا اگر اس نے پکا ہوا شور بہ کھالیا تو وہ حادث ہو جائے گا۔

سبزیاں نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ الرُّءُوسَ فِيمِئْتَهُ عَلَى مَا يُكْنَسُ فِي التَّانِيرِ وَيَبَاعُ فِي الْمِصْرِ) وَيُقَالُ يُكْنَسُ (وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : لَوْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ رَأْسًا فَهُوَ عَلَى رُءُوسِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللَّهُ عَلَى الْغَنَمِ خَاصَّةً ، وَهَذَا اخْتِلَافٌ عَصْرٍ وَزَمَانٍ كَانَ الْعُرْفُ فِي زَمَنِهِمَا فِيهِمَا وَفِي زَمَنِهِمَا فِي الْغَنَمِ خَاصَّةً وَفِي زَمَانِنَا يُفْتَى عَلَى حَسَبِ الْعَادَةِ كَمَا هُوَ الْمَذْكُورُ فِي الْمُخْتَصَرِ .

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ سبزیاں نہیں کھائے گا۔ تو اس کی قسم سر اور مغزو وغیرہ محمول ہو جائے گی جس کو چھایوں میں ڈال شہروں میں بیچا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے "کنس" یا مع صغیر میں اس کا معنی داخل ہونے کے بھی ہیں۔ اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ سر نہیں کھائے گا۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ قسم کھانے اور بکری کے سروں پر محمول ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف بکری کے سر سے متعلق ہوگی۔ اور اس میں زہ نے کا اختلاف ہے۔ کیونکہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے زہ نے میں دونوں کا عرف تھا اور صاحبین کے زمانے میں صرف بکری کی سری کا عرف تھا اور ہمارے زہ نے میں عرف کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا جس طرح مختصر قدری میں ذکر کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر لفظ عام ہو تو عرف کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سری نہ کھاؤں گا، تو قسم میں اگرچہ سری عام اور مطلق مذکور ہے لیکن عرف میں وہی سری مراد ہوتی ہے جس کو بھونا جاسکے اور بازار میں فروخت کیا جائے اس لئے عرف میں سری سے مراد چڑیا وغیرہ کی سری مراد نہ ہوگی، تو یہاں عرف نے سری میں تخصیص کر دی تو جب مطلق سری ذکر کی جائے گی تو عرفاً خاص ہی مراد ہوگی اس کے برخلاف ایسی زیادتی جو لفظوں سے مذکور نہ ہو عرف کی وجہ سے وہ زیادتی پیدا نہیں ہو سکتی جیسے کوئی شخص اجنبی عورت کو کہے کہ "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے" تو یہاں اگر وہ یہ مراد لے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت میری منکوحہ ہو تو طلاق ہے، تو منکوحہ ہونا قسم کے الفاظ سے زائد چیز ہے، جس کو مراد نہیں لیا جاسکتا، اگرچہ عرف میں طلاق کے لئے منکوحہ ہونا ضروری ہے مگر عرف کلام میں غیر مذکور غلط کوزائد نہیں کر سکتا اس لئے اجنبی عورت کے لئے یہ قسم لغو قرار پائے گی، (در مختار، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۵۰، بیروت)

پھل نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَأْكُلُ لَأَكْهَةً فَأَكَلَ عِنَبًا أَوْ رُمَّانًا أَوْ رُطْبًا أَوْ قِنَاءً أَوْ خِيَارًا لَمْ يَحْثُ ،

وَإِنْ أَكَلَ تَفَاحًا أَوْ بَطِيخًا أَوْ مِشْمِشًا حَنِثَ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ : حَنِثَ فِي الْعِنَبِ وَالرُّطْبِ وَالرَّمَّانِ أَيْضًا) وَالْأَصْلُ أَنَّ

الْفَاكِهَةَ اسْمٌ لِمَا يُتَفَكَّهُ بِهِ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَهُ : أَيُّ يُسْنَعُمُ بِهِ زِيَادَةً عَلَى الْمُعْتَادِ ،

وَالرُّطْبُ وَالْيَابِسُ فِيهِ سَوَاءٌ بَعْدَ أَنْ يَكُونَ التَّفَكُّهُ بِهِ مُعْتَادًا حَتَّى لَا يَحْثُكُ يَابِسُ

الْبَطِيخِ ، وَهَذَا الْمَعْنَى مَوْجُودٌ فِي التَّفَاحِ وَأَخَوَاتِهِ فَيَحْثُكُ بِهَا وَغَيْرُ مَوْجُودٌ فِي الْقِنَاءِ

وَالْخِيَارِ لَأَنَّهُمَا مِنَ الْبُقُولِ بَيِّنًا وَأَكْلًا فَلَا يَحْثُكُ بِهِمَا .

وَأَمَّا الْعِنَبُ وَالرُّطْبُ وَالرَّمَّانُ فَهُمَا يَقُولَانِ إِنَّ مَعْنَى التَّفَكُّهِ مَوْجُودٌ فِيهَا فَإِنَّهَا أَعَزُّ

الْفَوَاكِهِ وَالتَّنَعُّمُ بِهَا يَقُوفُ التَّنَعُّمُ بِغَيْرِهَا ، وَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ : إِنَّ هَذِهِ

الْأَشْيَاءَ مِمَّا يُتَغَدَّى بِهَا وَيَتَدَاوَى بِهَا فَأَوْجَبَ قُصُورًا فِي مَعْنَى التَّفَكُّهِ لِلِاسْتِعْمَالِ فِي

حَاجَةِ الْبَقَاءِ وَلِهَذَا كَانَ الْيَابِسُ مِنْهَا مِنَ التَّوَابِلِ أَوْ مِنَ الْأَقْوَاتِ

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ پھل نہ کھائے گا اس کے بعد اس نے انجور یا انار یا رطب یا انگیزی یا کھیرا کھالیا تو وہ حائث نہ ہوگا اور اگر اس نے خر بوزہ یا سیب یا کشمش کھائی تو وہ حائث ہو جائے گا۔ یہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے مطابق ہے۔

صاحبین کے مطابق انجور، رطب اور انار کھانے سے بھی حائث ہو جائے گا اور انکی اصل یہ ہے پھل اس چیز کو کہتے ہیں کہ جس کو کھانے سے پہلے ورکھانے کے بعد لطف حاصل کیا جائے۔ اور اس کو لغت کے طور معمول سے زیادہ کھ لیا جائے اور اس چیز سے حلف اندوز ہونے کیلئے معمول کے بعد اس میں رطب و یابس دونوں برابر ہیں ہاں وہ خشک خر بوزہ کھانے سے وہ حائث نہ ہوگا اور یہی حکم شامی اور س کی مشلہ میں بھی موجود ہے۔ پس ان کے کھانے سے حلف حائث ہو جائے گا۔ جبکہ یہ معنی کھیرے اور انگیزی میں نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ دونوں کھانے کے اعتبار سے اور فروخت کے اعتبار سے سبزی ہیں پس ان کے کھانے سے حائث نہ ہوگا۔ البتہ انجور، رطب، و انار تو ان کے بارے میں صاحبین فرماتے ہیں کہ لطف اندوز ہونے کا معنی موجود ہے کیونکہ یہ سب سے عمدہ پھل ہیں اور ان سے لطف لینا ان کے سوا میں لطف لینے سے بہت ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ چیز غذا اور دواء دونوں مقاصد کیلئے استعمال ہوتی ہے پس ضرورت بقاء کے سبب ان کے استعمال میں پھل کی کمی ہوئی ہے اسی لئے ان میں سے خشک اشیاء بھی مصالحے کے طور یا غذا کے طور استعمال ہوتی ہیں۔

شرح

م وغیرہ کسی درخت کی نسبت کہہ کہ اس میں سے کچھ نہ کھاؤں گا تو اس کے پھل کھانے سے قسم ٹوٹ جائے گی کہ خود درخت کھانے کی چیز نہیں ہذا اس سے مراد اس کا پھل کھانا ہے۔ اسی طرح پھل کو نچوڑ کر جو نکلا وہ کھایا جب بھی قسم ٹوٹ گئی اور اگر پھل کو نچوڑ کر انکی کوئی چیز بنائی گئی ہو جیسے انجور سے سرکہ بناتے ہیں تو اس کے کھانے سے قسم نہیں ٹوٹی اور اگر صورت مذکورہ میں تکلف کر کے کسی نے اس درخت کا کچھ حصہ چھال وغیرہ کھالیا تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ یہ نیت بھی ہو کہ درخت کا کوئی جز نہ کھاؤں گا اور اگر وہ درخت ایسا ہو جس میں پھل ہوتا ہی نہ ہو یا ہوتا ہے مگر کھایا نہ جاتا ہو تو اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھانے سے قسم ٹوٹ جائیگی کہ کھانے سے مراد اس کی قیمت سے کوئی چیز خرید کر کھانا ہے۔ قسم کھائی کہ اس آم کے درخت کی کیری نہ کھاؤں گا اور پکے ہوئے

کھائے یا قسم کھائی کہ اس درخت کے انگوڑے کھاؤں گا اور منہ کھائے یا دودھ نہ پیوں گا اور منہ کھائی تو قسم نہیں ٹوٹی۔

سالن نہ کھانے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَأْتِدُمُ فِكْلُ شَيْءٍ أَصْطَبَ بِهِ فَهُوَ إِدَامٌ وَالشَّوَاءُ كَيْسَ بِإِدَامٍ وَالْمَلْحُ إِدَامٌ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ .

وَقَالَ مُحَمَّدٌ : كُلُّ مَا يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ غَالِبًا فَهُوَ إِدَامٌ) وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْإِدَامَ مِنَ الْمَوَادِّ وَهِيَ الْمَوَافَقَةُ وَكُلُّ مَا يُؤْكَلُ مَعَ الْخُبْزِ مُوَافِقٌ لَهُ كَاللَّحْمِ وَالْبَيْضِ وَنَحْوِهِ .

وَلَهُمَا أَنَّ الْإِدَامَ مَا يُؤْكَلُ تَبَعًا ، وَالتَّبَعَةُ فِي الْإِخْتِلَاطِ حَقِيقَةٌ لِيَكُونَ قَانِمًا بِهِ ، وَفِي الْأَلَا يُؤْكَلُ عَلَى الْإِنْفِرَادِ حُكْمًا ، وَتَمَامُ الْمَوَافَقَةِ فِي الْإِمْتِزَاجِ أَيْضًا ، وَالْحَلُّ وَغَيْرُهُ مِنَ الْمَمْلُوعَاتِ لَا يُؤْكَلُ وَحْدَهُ بَلْ يُشْرَبُ ، وَالْمَلْحُ لَا يُؤْكَلُ بِإِنْفِرَادِهِ عَادَةً وَلِأَنَّهُ يَذُوبُ فَيَكُونُ تَبَعًا ، بِخِلَافِ اللَّحْمِ وَمَا يُضَاهِيهِ لِأَنَّهُ يُؤْكَلُ وَحْدَهُ إِلَّا أَنْ يَتَوْبَهُ لِمَا لِيهِ مِنَ التَّشْدِيدِ ، وَالْعَنْبُ وَالْبَطِيخُ كَيْسًا بِإِدَامٍ هُوَ الصَّحِيحُ .

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ سالن نہیں کھائے گا تو اس سے ہر وہ چیز جس کو سالن لگایا جائے وہ بھی سالن کے حکم میں ہو گی۔ البتہ یعنی ہوئی چیز سالن نہ ہوگی اور نمک سالن ہے اور یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: سالن سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عام طور پر روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے۔ اور ایک روایت حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح بیان کی گئی ہے کیونکہ ادا م کا لفظ مدامت سے مشتق ہے جس کا معنی موافقت ہے لہذا جو چیز بھی روٹی کے ساتھ کھائی جاتی ہے وہ اس کے موافق ہوگی جس طرح گوشت اور انگوڑے وغیرہ ہیں۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ادا م اس چیز کو کہتے ہیں جو طبیعت کے طور پر کھائی جاتی ہو جبکہ ملائے میں بطور حقیقت وہ تابع ہے تاکہ اسی کے ساتھ ادا م پایا جائے اور دوسرا تابع ہونا حکمی طور پر ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تھوڑا بہت ملائے بغیر اکیلا نہ کھایا جائے جبکہ پوری موافقت مکمل مل جانے میں ہے اور سرکہ وغیرہ بھی مائع میں سے ہے جس کو اکیلا نہیں کھایا جاتا بلکہ اس کو پیا جاتا ہے اور اسی طرح نمک بھی عرف میں اکیلا نہیں کھایا جاتا کیونکہ وہ کھل جاتا ہے پس وہ تابع ہوگا اس گوشت اور انگوڑے کے کیونکہ یہ تہہ کھالے جاتے ہیں مگر یہ کہ حالف اس کی نیت کرے۔ کیونکہ یہ اکیلے کھائے جاتے ہیں۔ البتہ انگوڑے اور تربوز یہ سالن نہیں ہیں اور صحیح روایت بھی یہی

ہے۔

شرح

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سالن عموماً ہندوستان میں گوشت کو کہتے ہیں جس سے روٹی کھائی جائے اور بعض جگہ میں نے داں کو بھی سالن کہتے سنا اور عربی زبان میں تو سرکہ کو بھی ادا م (سالن) کہتے ہیں۔ آلو، رتالو، اروی، تری، بھنڈی، سارگ، کدو، شامبھ، گوبھی اور دیگر سبزیوں کو ترکاری کہتے ہیں جن کو گوشت میں ڈالتے ہیں یا تنہا پکاتے ہیں اور بعض گاؤں میں جہاں ہندو کثرت سے رہتے ہیں گوشت کو بھی لوگ ترکاری بولتے ہیں۔ قسم کھائی کہ کھانا نہیں کھایگا اور کوئی ایسی چیز کھائی جسے عرف میں کھانا نہیں کہتے ہیں مثلاً دودھ پی لیا یا مٹھائی کھائی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (بہار شریعت، کتاب الایمان)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ نمک نہیں کھایگا اور ایسی چیز کھائی جس میں نمک پڑا ہوا ہے تو قسم نہیں ٹوٹی اگرچہ نمک کا مزہ محسوس ہوتا ہو اور روٹی وغیرہ کو نمک لگا کر کھایا تو قسم ٹوٹ جائیگی ہاں اگر اس کے کلام سے یہ سمجھ جاتا ہو کہ نمکین کھانا مراد ہے تو پہلی صورت میں بھی قسم ٹوٹ جائیگی۔ قسم کھائی کہ مرجع نہیں کھایگا اور گوشت وغیرہ کوئی ایسی چیز کھائی جس میں مرجع ہے اور مرجع کا مزہ محسوس ہوتا ہے تو قسم ٹوٹ گئی، اس کی ضرورت نہیں کہ مرجع کھائے تو قسم ٹوٹے۔

(در مختار، کتاب الایمان)

قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھایگا تو پھل کھانے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور اونٹ، گائے، بھینس، بھیر، بکری اور پرند وغیرہ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اگر ان کا گوشت کھایا تو ٹوٹ جائے گی، خواہ شوربے دار ہو یا کھنا ہوا یا کوفتہ اور کپڑے گوشت یا صرف شوربا کھایا تو نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح کبھی، تلی، بھجپڑا، ول، گردہ، ادھڑی، ڈنہ کی چکی کے کھانے سے بھی نہیں ٹوٹے گی کہ ان چیزوں کو عرف میں گوشت نہیں کہتے اور اگر کسی جگہ ان چیزوں کا بھی گوشت میں شمار ہو تو وہاں ان کے کھانے سے بھی ٹوٹ جائے گی۔

(در مختار، کتاب الایمان)

غدا نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَإِذَا حَلَفَ لَا يَتَعَذَّى فَالْعَدَاءُ الْأَكْلُ مِنْ طُلُوعِ الْفَجْرِ إِلَى الظُّهْرِ وَالْعِشَاءِ مِنْ صَلَاحِ الظُّهْرِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ) لِأَنَّ مَا بَعْدَ الزَّوَالِ يُسَمَّى عِشَاءً وَلِهَذَا تُسَمَّى الظُّهْرُ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعِشَاءِ فِي الْحَدِيثِ (وَالسُّحُورُ مِنْ نِصْفِ اللَّيْلِ إِلَى طُلُوعِ الْفَجْرِ) لِأَنَّهُ مَا خُوذَ مِنَ السَّحَرِ وَيُطْلَقُ عَلَى مَا يَقْرُبُ مِنْهُ .

ثُمَّ الْغَدَاءُ وَالْعِشَاءُ مَا يُقْصَدُ بِهِ السَّبْعُ عَادَةً وَتُعْتَبَرُ عَادَةُ أَهْلِ كُلِّ بَلَدَةٍ فِي حَقِّهِمْ ، وَيُسْتَحَرُّ أَنْ يَكُونَ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِ السَّبْعِ .

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ غداء نہ کرے گا پس غداء طوع فجر سے لے کر ظہر تک ہوا کرتا ہے اور عشاء وہ کھانا ہے جو ظہر کی نماز کے بعد سے لیکر آدھی رات تک ہوتا ہے کیونکہ زوال کے بعد والے وقت کو عشاء کہتے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ظہر کی نماز کو عشاء کی دو نمازوں میں سے یکا کہا گیا ہے جبکہ حور آدھی رات سے لیکر طلوع فجر تک کو کہتے ہیں کیونکہ یہ بحر سے ماخوذ ہے اور جو کھانا بحر کے قریب ہو اس کو حور کہتے ہیں اور اس کے بعد غداء اور عشاء اس کھانے کو کہتے ہیں جن سے عرف کے مطابق پیٹ بھرنا ہوتا ہے اور ہر شہر والوں کیسے ان کے عرف کا اعتبار ہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ وہ آدھا سیر ہونے سے زیادہ کھائے۔

ہر اہل بلد میں ان کے عرف کا اعتبار

مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلہ میں اس مسئلہ کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ ہر شہر والوں کیسے ان کے کھانے پینے رواج کے مطابق قسم کا اعتبار کیا جائے گا اور جو چیز عرف میں معتبر ہوگی اس کا اعتبار کر لیا جائے گا اور جس کو عرف ترک کرنے والا ہے اس کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔

کھانے پینے یا پینے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ إِنْ لَيْسَتْ أَوْ أَكَلْتُ أَوْ شَرِبْتُ لَعَبْدِي حُرٌّ، وَقَالَ عَبَيْتَ شَيْئًا دُونَ شَيْءٍ لَمْ يُدْنِ فِي الْقَضَاءِ وَغَيْرِهِ) لِأَنَّ النِّيَّةَ إِنَّمَا تَصِحُّ فِي الْمَلْفُوطِ وَالتَّوْبُ وَمَا يُضَاهِيهِ غَيْرُ مَذْكُورٍ تَنْصِبًا وَالْمُقْتَضَى لَا عُمُومَ لَهُ فَلَعَلَّتْ نِيَّةُ التَّخْصِصِ فِيهِ (وَإِنْ قَالَ إِنْ لَيْسَتْ تَوْبًا أَوْ أَكَلْتُ طَعَامًا أَوْ شَرِبْتُ شَرَابًا لَمْ يُدْنِ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً) لِأَنَّهُ نِكْرَةٌ فِي مَحَلِّ الشَّرْطِ فَتَعَمُّ فَعَمِلَتْ نِيَّةُ التَّخْصِصِ فِيهِ إِلَّا أَنَّهُ خِلَافُ الظَّاهِرِ فَلَا يَدِينُ فِي الْقَضَاءِ.

ترجمہ

اور جس بندے نے کہا کہ اگر میں پہنوں یا کھاؤں یا پی لوں تو میرا غلام آزاد ہے اور اس کے بعد کہے کہ اس سے مراد فلاں فلاں میری اشیاء ہیں۔ اور فلاں فلاں اشیاء مراد نہ تھیں۔ تو بطور قضاء و دیانت دونوں طرح اس کی تصدیق کر دی جائے گی کیونکہ لفظوں میں اس کی نیت درست ہے اور توبہ میں اگرچہ صراحت کے مذکور نہیں ہے اور قاضی نے عموم نہیں ہوا کرتا پس اس میں خاص ہونے کی نیت کرنا بیکار ہے۔ اور جب اس نے کہا کہ "تو صرف فیصلے کے اعتبار سے اس کا اعتبار کر لیا جائے گا کیونکہ توبہ اور طعم دونوں محل نکرہ میں واقع ہیں لہذا عام ہوں گے اور ان میں تخصیص کی نیت مؤثر ہوگی لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے۔ لہذا بطور

قضاء اس شخص کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

شرح

عبد عداؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب آقا نے آزادی کو کسی شرط پر معق کیا مثلاً اگر تو فلاں کام کرے تو آزاد ہے اور وہ شرط پائی گئی تو غلام آزاد ہے جبکہ شرط پائی جانے کے وقت اس کی ملک میں ہو اور اگر ایسی شرط پر مطلق کیا جو فی الحال موجود ہے مثلاً اگر میں تیرا مالک ہو جاؤں تو آزاد ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا۔ لونڈی حاملہ تھی اسے آزاد کیا تو اس کے شکم میں جو بچہ ہے وہ بھی آزاد ہے ورنہ صرف پیٹ کے بچہ کو آزاد کیا تو وہی آزاد ہوگا ورنہ آزاد نہ ہوگی، مگر جب تک بچہ پیدا نہ ہو لے لوٹنی کو بیچ نہیں سکتا۔ (در مختار، کتاب حلق، ج ۵، ص ۴۰۰، بیروت)

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی مشروط آزادی کا بیان

حضرت سفینہ کہتے ہیں کہ (ابتداءً) میں حضرت ام سلمہ کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں، لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے رہو گے" میں نے عرض کیا (کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتیں تب بھی میں اپنے جیتے جی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتا "چنانچہ حضرت ام سلمہ نے مجھے آزاد کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی شرط مجھ پر عائد کر دی۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، جلد سوم، حدیث نمبر 583)

حضرت سفینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، لیکن بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ یہ حضرت ام سلمہ کے غلام تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں، پھر حضرت ام سلمہ نے ان کو مذکورہ بالا شرط کے ساتھ آزاد کر دیا تھا سفینہ کا اصل نام مہرث یا رومان اور یارباج تھا انکی کنیت ابو عبد الرحمن یا ابوالخیر تھی، سفینہ ان کا لقب تھا اور اسی نام کے ساتھ زیادہ مشہور تھے، اس غیب کا پس منظر یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کی خدمت کیا کرتے تھے جب غزوات میں جاتے تو لوگوں کا سامان اپنی پیٹھ پر لاد کر ادھر ادھر پہنچاتے تھے۔

"سفینہ" کشتی کو کہتے ہیں جس طرح کشتی بار برداری کے کام آتی ہے اس طرح یہ بھی لوگوں کے بوجھ ڈھوتے تھے، اسی اعتبار سے ان کا لقب "سفینہ" ہو گیا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سفینہ اسلامی لشکر کے ہمراہ تھے کہ قند سے بچھڑ گئے اور جنگل میں راستہ بھول گئے، وہ راستہ کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اتنے میں قریب کی جھاریوں سے ایک شیر نمودار ہوا اور ان کے سامنے آ گیا، انہوں نے شیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ابوالخارث! میں سفینہ ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام ہے ایہ سنتے ہی شیر دم ہلانے لگا اور پھر ان کے آگے بولیا اور ان کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔

دریائے دجلہ سے نہ پینے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ دَجَلَةٍ فَشَرِبَ مِنْهَا يَأْنَاءَ لَمْ يَحْنَتْ) حَتَّى يَكْرَعَ مِنْهَا كَرَعًا عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ وَقَالَا: إِذَا شَرِبَ مِنْهَا يَأْنَاءَ يَحْنَتْ لِأَنَّهُ مُتَعَارَفٌ الْمَفْهُومُ. وَلَهُ أَنَّ كَلِمَةَ مِنَ اللَّتَبْيِضِ وَحَقِيقَتُهُ فِي الْكَرْعِ وَهِيَ مُسْتَعْمَلَةٌ، وَلِهَذَا يَحْنَتْ بِالْكَرْعِ إِجْمَاعًا فَمُنِعَتْ الْمَصِيرَ إِلَى الْمَجَازِ وَإِنْ كَانَ مُتَعَارَفًا. (وَإِنْ حَلَفَ لَا يَشْرَبُ مِنْ مَاءِ دَجَلَةٍ فَشَرِبَ مِنْهَا يَأْنَاءَ حَيْثُ) لِأَنَّهُ بَعْدَ الْإِغْتِرَافِ بَقِيَ مُنْسُوبًا إِلَيْهِ وَهُوَ الشَّرْطُ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَرِبَ مِنْ مَاءِ نَهْرٍ يَأْخُذُ مِنْ دَجَلَةٍ.

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ دجلہ سے نہ پئے گا اس کے بعد اس نے برتن لیا اور اس میں سے پانی پیا تو انصاف صحت علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ حائث نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ اس سے منہ لگا کر پئے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ جب اس نے برتن بیکر دریا کے دجلہ سے پیا تو وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ عرف میں یہی معروف اور مفہوم رکھتا ہے۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک کلمہ ”من“ جمعیت کیسے آتا ہے اور اس کا حقیقی معنی منہ لگا کر پینا ہے۔ اور یہاں حقیقت مراد ہے کیونکہ منہ لگا پینے سے یہ اتفاق وہ حائث ہو جائے گا۔ لہذا حقیقت سے مجاز کی طرف جانا منع ہے اگرچہ چار متعارف ہے اور اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ دجلہ کے پانی سے نہ پئے گا اس کے بعد وہ برتن لیکر اس سے پیا تو حائث ہو جائے گا کیونکہ چلو میں پانی کے بعد بھی وہ دجلہ کی طرف منسوب ہے اور شرط بھی یہی ہے لہذا یہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح کسی حالف نے کسی ایسی نہر کا پانی لیا ہے جو دجلہ سے نکل آنے والی ہے۔

من تبعیضہ کا بیان

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِطَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْكُوا اللَّهَ كَمِ مَنْ فِتْنَةٍ قَبْلَهُ عَالَتْ فِتْنَةٌ كَثِيرَةٌ يَأْذِنُ اللَّهُ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ

جب ان لوگوں نے طالوت کی بادشاہت تسلیم کر لی اور وہ انہیں لے کر جہاں کو چلے، حضرت سدی کے قول کے مطابق ان کی تعداد اسی ہزار تھی، راستے میں طالوت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ساتھ آزمائے والا ہے، حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی اس کا نام نہر اشرع تھا، طالوت نے انہیں ہوشیار کروایا کہ کوئی اس نہر کا پانی نہ پیئے، اگر پی لے گا تو میرے ساتھ نہ چلے، ایک آدھ گھونٹ اگر کسی نے پی لی تو کچھ حرج نہیں، لیکن جب وہاں پہنچے پیاس کی شدت تھی، نہر پر جھک پڑے اور خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا مگر کچھ لوگ ایسے پختہ ایمان والے بھی تھے کہ جنہوں نے نہ پیا ایک چلو پی لیا، بقول ابن عباس کے ایک چلو پینے والوں کی تو پیاس بھی بجھ گئی اور وہ جہاد میں بھی شامل رہے لیکن پوری پیاس پینے والوں کی نہ تو پیاس بھی نہ وہ قتل جہاد رہے،

سدی فرماتے ہیں اسی ہزار میں سے چھ ہزار نے پانی پی لیا صرف چار ہزار آدمی حقیقی فرمانبردار نکلے۔ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بدر کی لڑائی والے دن ہماری تعداد اتنی ہی تھی جتنی تعداد حضرت طحوت بادشاہ کے اس فرمانبردار لشکر کی تھی، جو آپ کے ساتھ نہر سے پار ہوا تھا یعنی تین سو تیرہ یہاں سے پار ہوتے ہی نافرمانوں کے چھٹے چھوٹ گئے اور نہایت بزدلانہ پن سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور دشمنوں کی زیادتی نے ان کے حوصلے توڑ دیئے، صاف جواب دے بیٹھے کہ آج تو ہم جالوت کے لشکر سے لڑنے کی طاقت اپنے میں نہیں پاتے، گو سر فروش مجاہد علماء کرام نے انہیں ہر طرح ہمت بندھوائی، وعظ کہے، فرمایا کہ قلت و کثرت پر فتح موقوف نہیں صبر اور نیک نیتی پر ضرور اللہ کی امداد ہوتی ہے۔ بار بار ایسے ہوا ہے کہ مٹھی بھر لوگوں نے بڑی بڑی جماعتوں کو نیچا دکھا دیا ہے، تم صبر کرو، طبیعت میں استقلال اور عزم رکھو، اللہ کے وعدوں پر نظر نہ رکھو، اس صبر کے بدلے اللہ تمہارا ساتھ دے گا لیکن تاہم ان کے سر دیل نہ کرے اور ان کی بزدلی دور نہ ہوتی۔

پانی پینے سے طلاق کو حلال کرنے کا بیان

(مَنْ قَالَ إِنْ لَمْ أَشْرَبِ الْمَاءَ الَّذِي فِي هَذَا الْكُوزِ الْيَوْمَ فَأَمْرَاتُهُ طَالِقٌ وَلَيْسَ فِي الْكُوزِ مَاءٌ لَمْ يَحْنَتْ، فَإِنْ كَانَ فِيهِ مَاءٌ فَأَهْرِيقْ قَبْلَ اللَّيْلِ لَمْ يَحْنَتْ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَبِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ).

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَحْنَتْ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ إِذَا مَضَى الْيَوْمُ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا كَانَ الْيَمِينُ بِاللَّهِ تَعَالَى.

وَأَصْلُهُ أَنَّ مِنْ شَرْطِ انْعِقَادِ الْيَمِينِ وَبَقَائِهِ تَصَوُّرُ الْبَرِّ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْيَمِينَ إِنَّمَا تَعْقِدُ لِلْبَرِّ فَلَا بُدَّ مِنْ تَصَوُّرِ الْبَرِّ لِيُمْكِنَ إِجَابَتُهُ.

وَلَهُ أَنَّهُ أُمِّكِنَ الْقَوْلُ بِانْعِقَادِهِ مُوجِبًا لِلْبَرِّ عَلَى وَجْهِ يَظْهَرُ فِي حَقِّ الْخُلْفِ وَهُوَ الْكُفَّارَةُ.

قُلْنَا : لَا بُدَّ مِنْ تَصَوُّرِ الْأَصْلِ لِيَنْعَقِدَ فِي حَقِّ الْخُلْفِ وَلِهَذَا لَا يَنْعَقِدُ الْغَمُوسُ مُوجِبًا
لِلْكَفَارَةِ (وَلَوْ كَانَتْ الْيَمِينُ مُطْلَقَةً ، فَفِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ لَا يَحْتُ عِنْدَهُمَا ، وَعِنْدَ أَبِي
يُوسُفَ يَحْتُ فِي الْحَالِ ، وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي يَحْتُ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) فَأَبُو يُوسُفَ
فَرَّقَ بَيْنَ الْمُطْلَقِ وَالْمَوْقِفِ .

وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ التَّوَقُّفَ لِلتَّوَسُّعِ فَلَا يَجِبُ الْفِعْلُ إِلَّا فِي آخِرِ الْوَقْتِ فَلَا يَحْتُ قَلَّةً
، وَفِي الْمُطْلَقِ يَجِبُ الْبِرُّ كَمَا فُرِغَ وَقَدْ عَجَزَ فَيَحْتُ فِي الْحَالِ وَهُمَا فَرَقًا بَيْنَهُمَا .
وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ فِي الْمُطْلَقِ يَجِبُ الْبِرُّ كَمَا فُرِغَ ، فَإِذَا قَاتَ الْبِرُّ بِقَوَاتٍ مَا عَقِدَ عَلَيْهِ
الْيَمِينُ يَحْتُ فِي يَمِينِهِ كَمَا إِذَا مَاتَ الْحَالِفُ وَالْمَاءُ بَاقٍ ، أَمَا فِي الْمَوْقِفِ فَيَجِبُ
الْبِرُّ فِي الْجُزْءِ الْأَخِيرِ مِنَ الْوَقْتِ وَعِنْدَ ذَلِكَ لَمْ تَبْقَ مَحَلَّةُ الْبِرِّ لِعَدَمِ التَّصَوُّرِ فَلَا
يَجِبُ الْبِرُّ فِيهِ فَتَبْطُلُ الْيَمِينُ كَمَا إِذَا عَقَدَهُ ابْتِدَاءً فِي هَذِهِ الْحَالَةِ .

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ میں آج وہ پانی نہ پیوں گا جو اس پیالے میں ہے تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ اور اس پیالے
میں پانی ہی نہ ہو تو وہ حالف حائث نہ ہوگا مگر جب اس پیالے میں پانی تھا اور رات آنے سے قبل ہی اس کو گرا دیا گیا ہے تو وہ حالف
حائث نہ ہوگا اور یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں وہ حائث ہو جائے گا۔ یعنی جب دن گزر جائے گا۔ اور اسی
اختلاف پر یہ مسئلہ بھی ہے کہ جب قسم اللہ کی ہو۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ طرفین کے نزدیک قسم کے انعقاد اور اس کے باقی رہنے کی
شرط یہ ہے کہ قسم پوری کرنے کا خیال ہو۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ قسم کا انعقاد پوری کرنے کیلئے ہوتا ہے پس قسم پوری کرنے کا
تصور لازمی ہوتا کہ قسم واجب کرنا ممکن ہو جائے۔ اور آپ علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ انعقاد قسم کی بات کرنا ممکن ہے اور وہ اس
حالت میں ہو جو طریقہ شکی کا موجب ہوتا کہ شکی کے خلیفہ میں اس کا اثر ظاہر ہو اور شکی کا خلیفہ کفارہ ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اصل برکات تصور ضروری ہے تاکہ خلیفہ کے حق میں وہ منعقد ہو سکے اسی وجہ سے یمن غموس کفارے کا موجب بن
نہ منعقد نہیں ہوا کرتی۔

اور جب قسم مطلق ہو تو پہلی صورت میں طرفین کے نزدیک وہ حائث نہ ہوگا اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ حائث

ہو جائے گا۔ جبکہ دوسری صورت میں وہ سب کے نزدیک حائث ہو جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے مطلق اور موقت میں فرق کیا ہے اور اس فرق کی دلیل یہ ہے کہ توقیت وسعت کیے ہوتی
ہے۔ پس نفل آخری وقت میں ہی واجب ہوگا اور حالف اس سے قبل حائث نہ ہوگا اور قسم مطلق میں اس کو فارغ ہوتے ہی پورا کرنا
واجب ہے۔ جبکہ حالف عاجز ہے لہذا وہ فوری طور پر حائث ہو جائے گا۔

طرفین نے بھی مطلق اور موقت میں فرق کیا ہے اور فرق کی دلیل یہ ہے کہ مطلق قسم سے فارغ ہوتے ہی اس کو پورا کرنا
ضروری ہے بہت جب مخلوف علیہ کے فوت ہونے کے سبب قسم پوری کرنا فوت ہو جائے تو حالف اپنی قسم میں حائث ہو جائے گا اور
جب حالف فوت ہو جائے تو پانی باقی ہے۔ اور موت میں وقت کے آخری حصے میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے اور جزاء آخر کے وقت
قسم پوری کرنے کا تصور ختم ہونے کے سبب شکی کا محل باقی نہ رہا لہذا اس کو پورا کرنا واجب نہ ہوگا اور وہ قسم باطل ہو جائے گی جس طرح
حالت ابتداء میں اس نے قسم کا انعقاد کیا تھا۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں اس کوزہ کا پانی آج پیوں گا اور کوزہ میں پانی
نہیں ہے یا تھا مگر رات کے آنے سے پہلے اس میں کا پانی گر گیا یا اس نے گرا دیا تو قسم نہیں ٹوٹی کہ پہلی صورت میں قسم صحیح نہ ہوئی اور
دوسری میں صحیح تو ہوئی مگر باقی نہ رہی۔ اسی طرح اگر کہا میں اس کوزہ کا پانی پیوں گا اور اس میں پانی اس وقت نہیں ہے تو نہیں ٹوٹی مگر
جبکہ یہ معصوم ہے کہ پانی نہیں ہے اور پھر قسم کھائی تو گنہگار ہوا، اگرچہ کفارہ لازم نہیں اور اگر پانی تھا اور گر گیا یا گرا دیا تو قسم ٹوٹ گئی اور
کفارہ لازم۔ عورت سے کہا اگر تو نے کل نماز نہ پڑھی تو تجھ کو طلاق ہے اور صبح کو عورت کو حیض آ گیا تو طلاق نہ ہوئی۔ اسی طرح
عورت سے کہا کہ جو روپیہ تو نے میری جیب سے لیا ہے اگر اس میں نہ رکھے گی تو طلاق ہے اور دیکھا تو روپیہ جیب ہی میں موجود ہے
طلاق نہ ہوئی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

آسان پرچہ ہنے کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لِيُصْعِدَنَّ السَّمَاءَ أَوْ لِيَقْلِبَنَّ هَذَا الْحَجَرَ ذَهَبًا أُنْعَقِدَتْ يَمِينُهُ وَحِينَ
عَقِبَهَا) وَقَالَ زُفَرٌ : لَا تَنْعَقِدُ لِأَنَّهُ مُسْتَحِيلٌ عَادَةً فَأَشْبَهَ الْمُسْتَحِيلَ حَقِيقَةً فَلَا يَنْعَقِدُ .
وَلَنَا أَنَّ الْبِرَّ مُتَصَوِّرٌ حَقِيقَةً لِأَنَّ الصُّعُودَ إِلَى السَّمَاءِ مُمَكِّنٌ حَقِيقَةً ، أَلَا تَرَى أَنَّ
الْمَلَائِكَةَ يَصْعَدُونَ السَّمَاءَ وَكَذَا تَحَوَّلَ الْحَجَرُ ذَهَبًا بِتَحْوِيلِ اللَّهِ تَعَالَى ، وَإِذَا كَانَ
مُتَصَوِّرًا يَنْعَقِدُ الْيَمِينُ مُوجِبًا لِخُلْفِهِ ثُمَّ يَحْتُ بِحُكْمِ الْعَجْزِ الثَّابِتِ عَادَةً .
كَمَا إِذَا مَاتَ الْحَالِفُ فَإِنَّهُ يَحْتُ مَعَ احْتِمَالِ إِعَادَةِ الْحَيَاةِ بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الْكُوزِ ،

لَا أَنْ شَرِبَ الْمَاءَ الَّذِي فِي الْكُوزِ وَقْتُ الْحَلْفِ وَلَا مَاءَ فِيهِ لَا يُتَصَوَّرُ فَلَمْ يَنْعَقِدْ.

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ آسمان پر ضرور چڑھے گا یا وہ اس پتھر کو سونے میں بدل دے گا تو قسم منعقد ہو جائے گی اور اگر کے بعد حلف صحت ہو جائے گا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قسم منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ حکم عرف میں محال ہے لہذا یہاں حقیقت محال ہونے کے مشابہ ہو جائے گی پس قسم منعقد نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حقیقت کے اعتبار قسم پوری ہونا متصور ہے کیونکہ آسمان پر چڑھنا حقیقت کے اعتبار سے ممکن ہے کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے کہ فرشتے آسمان پر چڑھتے ہیں اور اللہ کے حکم سے پتھر بھی سونے میں بدل سکتا ہے۔ اور جب اس کا تصور ہے کہ قسم اپنے غلیفہ میں موجب بن کر منعقد ہو جائے گی۔ پھر عادت ثابت ہونے والے عجز کے پیش نظر وہ حکم سے حالف ہو جائے گا جس طرح اگر حالف فوت ہو جائے تو دوبارہ زندہ ہونے کے احتمال کے سبب دوبھی حلف ہو جائے گا۔ یہ خلاف مذکورہ مسئلہ کیونکہ حلف کے وقت پیالے میں موجود پانی کا پانی لینا (جب اس میں پانی نہ ہو) متصور نہیں ہے پس وہاں قسم منعقد نہ ہوگی۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قسم اس وقت صحیح ہوگی کہ جس چیز کی قسم کھائی ہو وہ زمانہ آئندہ میں پانی جاسکے عقد ممکن ہو اگرچہ عادت محال ہو مثلاً یہ قسم کھائی کہ میں آسمان پر چڑھوں گا یا اس مٹی کو سونا کر دوں گا تو قسم ہوگئی اور اسی وقت ٹوٹ ہوگئی۔ اسی طرح قسم کے باقی رہنے کی بھی یہ شرط ہے کہ وہ کام اب بھی ممکن ہو، لہذا اگر اب ممکن نہ رہا تو قسم جاتی رہی مثلاً قسم کھائی کہ میں تمہارا روپیہ کل ادا کروں گا اور کل کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تو اگرچہ قسم صحیح ہوگئی تھی مگر اب قسم نہ رہی کہ وہ رہا ہی نہیں، اس قاعدہ سے جاننے کے بعد اب یہ دیکھیے کہ اگر قسم کھائی کہ میں اس کوزہ کا پانی آج پیوں گا اور کوزہ میں پانی نہیں ہے یا تھم گمرات کے آنے سے پہلے اس میں پانی گر گیا یا اس نے مراد یا تو قسم نہیں ٹوٹی کہ پہلی صورت میں قسم صحیح نہ ہوئی اور دوسری میں صحیح تو ہوئی مگر باقی نہ رہی۔ اسی طرح اگر کہ میں اس کوزہ کا پانی پیوں گا اور اس میں پانی اس وقت نہیں ہے تو نہیں ٹوٹی مگر جبکہ یہ معصوم ہے کہ پانی نہیں ہے اور پھر قسم کھائی تو گنہگار ہوا، اگرچہ کفارہ لازم نہیں اور اگر پانی تھا اور گر گیا یا مراد یا تو قسم ٹوٹ گئی در کفارہ لازم۔

(بحر اراق، کتاب الایمان)

بَابُ الْيَمِينِ فِي الْكَلَامِ

یہ باب کلام میں قسم اٹھانے کے بیان میں ہے ﴿

باب کلام میں قسم اٹھانے کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ جب قسم کے بیان میں سکند، دخول، خروج، کھانے، پینے کے معانی والی قسموں سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس جامع فعل کو شروع کیا ہے جس سے کئی ابواب نکلتے ہیں اور وہ کلام ہے کیونکہ کلام سے، حق، طلاق، بیع، شراء اور حج میں قسم، نماز میں قسم، روزے میں قسم اٹھانے کی انواع ہیں۔ پس مصنف علیہ الرحمہ نے جنس کو نوع پر مقدم کر لیا ہے۔ (غنا یہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۴۰، بیروت)

قسموں کا درود اور الفاظ پر ہونے کا فقہی مفہوم

فقہ حنفی کا مشہور قاعدہ ہے: الْاِيْمَانُ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْاَلْفَاظِ لَا عَلَى الْاَعْرَاضِ اس سے قسم، منت اور تعلیقات (شرط وغیرہ پر متعلق باتوں) کے بے شمار مسائل مستنبط ہوتے ہیں، لیکن اس قاعدے میں مذکور دونوں قید (الآلفاظ اور الاغراض) کے ظاہر سے، یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ ایمان کی بنیاد صرف الفاظ پر ہے، نیت کا اس میں کوئی دخل نہیں، حالاں کہ ایسا نہیں۔

چوں کہ لفظ کے لغوی، اصطلاحی اور عرفی معنی ہوتے ہیں؛ اس لیے ائمہ اربعہ کے درمیان اس باب میں اختلاف ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی گفتگو میں یمنین (قسم، تعلق) استعمال کرتا ہے تو اس سے کونسا معنی مراد ہوگا، چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ لفظ کا لغوی معنی مراد ہوگا، امام مالک کا کہنا ہے کہ قرآن کریم نے جو معنی مراد لیا وہ معنی مراد ہوگا، امام احمد بن حنبل کے نزدیک ایمان کا مدنیہ پر ہے۔ (فتح القدیر، باب الیمن فی الدخول والسکون)

حنفی کے مسلک میں تفصیل ہے: نہ محض الفاظ پر مدار ہے اور نہ ہی محض نیت پر؛ بل کہ ان کے نزدیک ایمان کی بنیاد (اگر کوئی نیت نہیں ہے) حلف کے عرف پر ہے، اگر کوئی نیت ہو تو اس کی نیت کا اعتبار ہے بہ شرطے کہ لفظ کے اندر اس کی گنجائش ہو، شاریح شہادہ عامہ فرماتے ہیں: وَقِيَ الْفَتْحُ: الْاِيْمَانُ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْعُرْفِ اِذَا لَمْ تَكُنْ نِيَّةً فَاِنْ كَانَتْ نِيَّةً وَالْفَلْظُ خَصِيْمُهُ. اِنْعَقَدَتِ الْيَمِينُ بِاَعْتِبَارِهَا (نور کشور) اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے باب کا مشہور قاعدہ الْاِيْمَانُ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْاَلْفَاظِ لَا عَلَى الْاَعْرَاضِ اپنے عموم پر نہیں ہے۔ اس قاعدے کی تفصیل وضاحت درج ذیل ہے۔

نہ میں الاغاظ سے مراد الفاظ عرفیہ ہیں؛ چنانچہ علامہ شامی نے اس قاعدے کی شرح کرتے ہوئے لکھا قولہ الْاِيْمَانُ مَبْنِيَّةٌ عَلَى الْاَلْفَاظِ اَيُّ الْاَلْفَاظِ الْعُرْفِيَّةِ اس قید (علی الاغاظ) کا مقصد امام شافعی اور امام مالک کے مسلک سے احتراز ہے کہ یہ حضرات لغوی معنی مراد لیتے ہیں یا جو معنی قرآن نے مراد لیا، وہ معنی مراد لیتے ہیں اور دوسری قید یعنی لَا عَلَى

الأغراض سے امام احمد بن حنبل کے مسک سے احتراز ہے: اس لیے کہ وہ شخص نیت کو مدار مانتے ہیں، ان قیدوں کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ایمان کا مدار صرف الفاظ پر ہے، نیت اور مقصد کا اس میں کوئی دخل نہیں؛ علامہ ابن نجیم نے تو البحر الرائق میں اس قاعدے پر بحث کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ قیاس کا تقاضا اگرچہ اپنی برالفاظ ہوتا ہے؛ لیکن استحسان یہ ہے کہ ایمان کا مدار اغراض اور مقاصد پر ہے، قالہ خالص أن بناء الحكم على اللفاظ هو القياس والاستحسان بناؤه على الأغراض.

(البحر الرائق / باب اليمين في المدخول والخروج)

الغرض مذکورہ قاعدہ سے متعلق فقہی عبارات نیز ایمان، نذ اور تعلیق کے مباحث پر نظر ڈالنے سے درج ذیل باتیں مستفاد ہوتی ہیں

(۱) اگر حالف کی نیت نہیں ہے تو الفاظ یحیمن سے اس کا عرفی معنی مراد ہوگا اور عرفی معنی کی تعیین قرآن سے کی جائے گی، قرآن درج ذیل امور ہو سکتے ہیں:

(الف) متکلم کی حالت مثلاً اصول ہزدوی میں ہے وَمِمَّا لَهُ مَنْ دَعَى إِلَى عِدَاءٍ فَخَلَفَ لَا يَتَعَدَّى، اِنَّهُ يَتَعَدَّى لِمَا فِي عَرَضِ الْمُتَكَلِّمِ مِنْ بِنَاءِ الْجَوَابِ عَلَى ه (أصول الہزدوی: بیروت) یعنی اگر کسی شخص کو دہر کا کھانا کھانے کے لیے بدایا جائے اور وہ قسم کھائے کہ واللہ میں کھانا نہیں کھاؤں گا، تو اس سے مراد دہر کا کھانا ہی ہے، لہذا اگر اس کے عدو دوسرا کھانا کھاتا ہے تو اس سے حانث نہ ہوگا، یہاں دلالت من قبل المتکلم کی وجہ سے غلطی کے عام معنی کے بجائے متکلم کی غرض کا اہم کیا گیا۔

(ب) متکلم جس ماحول میں کلام کر رہا ہے وہ ماحول اور عرف بھی تعیین معنی کے لیے قرینہ بنے گا، جیسے غلط آزاد کر دیا ہے بعد عداوت میں کثرت سے طلاق کے سبب استعمال ہوتا ہے؛ اس لیے جب ان علاقوں میں کوئی شخص یہ لفظ استعمال کرتے ہوئے بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے آزاد کر دیا تو اس سے طلاق ہی مراد ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تمین طلاق، پھر چند دنوں کے بعد شوہر نے تذکرہ کرنے کی اجازت دے دی اور عورت نے تذکرہ کر بھی دیا تو عورت پر طلاق نہیں پڑے گی، اس لیے کہ عرفا اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ جب تک اخفا کی ضرورت ہے اس وقت تک اس کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے، اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کر دے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی (امداد، احکام، زکریا) اس کی تائید فتاویٰ عالمگیری کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے: وَرَجُلٌ حَرَّحَ مَعَ الْوَالِي وَخَلَفَ بِالطَّلَاقِ اَنْ لَا يَرْجِعَ اِلَّا بِاِذْنِهِ وَسَقَطَ مِنْهُ شَيْءٌ وَرَجَعَ لِذَلِكَ لَا تَطْلُقُ (الفتاویٰ الہندیہ، الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق) یعنی ایک شخص نے جہاد کے لیے نکلنے وقت یہ کہا کہ اگر وہ بلا اجازت میرے لوٹنے تو اس کی بیوی پر طلاق، پھر اس کی وفات چیز گر گئی جسے لینے کے لیے لوٹا تو اس کی بیوی پر طلاق نہ پڑے گی۔

(۱) دوسری بات یہ مستفاد ہوتی ہے کہ اگر متکلم اپنے کلام میں کوئی خاص لفظ استعمال کرتا ہے تو ضروری نہیں ہے کہ

بھی اسی خاص لفظ پر ہو، بل کہ قرآن سے عام معنی بھی مراد لیا جاسکتا ہے مثلاً شامی میں ہے وَلَوْ قَالَ لَا ضَرِيكَ بِالْيَسَايِطِ حَتَّى تُلْقِكَ فَهَذَا عَلَى الصَّرْبِ الْوَجِيعِ (شامی بیروت) یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں تجھے کوڑے سے پٹائی کروں گا تا آن کہ تجھے مار ڈالوں، تو اس سے مراد تکلیف دہ مار پیٹ ہے، خصوصیت کے ساتھ قتل (جان سے مار ڈالنا) مراد نہیں ہے، یہاں خاص لفظ متبادل کیے جانے کے باوجود علامہ شامی کی تصریح کے مطابق خاص معنی مراد نہیں؛ بل کہ معنی عام مراد ہے۔

(۲) اگر حالف الفاظ یحیمن سے کسی ایسے معنی کا ارادہ کرے جو ط ہر لفظ کے خلاف ہے؛ لیکن لفظ کے اندر اس کی گنجائش ہے تو وہی غوی معنی مراد ہوگا۔

عالم گیری کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ الفاظ یحیمن کی مراد کی تعیین کے بارے میں طرفین اور امام ابو یوسف کے درمیان اختلاف ہے، امام ابو یوسف غرض (مقصد) کا اعتبار کرتے ہیں؛ جب کہ طرفین عموم لفظ کا؛ چنانچہ عالم گیری میں ہے وَلَوْ قَالَ لَهَا اِغْرَسَ بِهَا كَيْسَ حَرَامٌ كُنِيَ طَائِقٌ ثَلَاثًا، فَأَبَانَهَا لِحَاثَتِهَا فِي الْعِدَّةِ طَلَّقَتْ عَنْهُمَا، لِأَنَّهَا بَعَثَتْ عَنْهُمُ اللَّفْظَ وَأَبُو يُوْسُفَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - يَغْتَبِرُ الْغَرَضَ لَعَلَى قِيَاسِ قَوْلِهِ لَا تَطْلُقُ وَعَلَيْهِ الْقُتُوبُ (از مولوی اسد اللہ)

کسی سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ خَلَفَ لَا يُكَلِّمُ فَلَانًا فَكَلَّمَهُ وَهُوَ بِحَيْثُ يَسْمَعُ إِلَّا أَنَّهُ نَائِمٌ حَيْثُ) لِأَنَّهُ قَدْ كَلَّمَهُ وَوَصَلَ إِلَى سَمْعِهِ لِكِنَّةٍ لَمْ يَقْهَمُ لِنَوْمِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا نَادَاهُ وَهُوَ بِحَيْثُ يَسْمَعُ لِكِنَّةٍ لَمْ يَقْهَمُ لِنَعَالِهِ.

وَفِي بَعْضِ رَوَايَاتِ الْمَبْسُوطِ شَرْطُ أَنْ يُوقِظَهُ، وَعَلَيْهِ عَامَّةُ مَشَايِخِنَا، لِأَنَّهُ إِذَا لَمْ يَتَبَيَّنْ كَانَ كَمَا إِذَا نَادَاهُ مِنْ بَعِيدٍ وَهُوَ بِحَيْثُ لَا يَسْمَعُ صَوْتَهُ.

ترجمہ

اور اگر جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں سے کلام نہ کرے گا اس کے بعد اس نے اسی حالت میں اسی سے کلام کیا کہ اگر فلاں بیدار ہوتا تو وہ سن لیتا مگر فلاں سویا ہوا تھا تو حالف حانث ہو جائے گا کیونکہ اس نے فلاں سے گفتگو کی ہے۔ اور اس کی گفتگو فلاں کے کانوں تک پہنچ چکی ہے مگر سونے کے سبب وہ بات کو سمجھ نہ سکا لہذا اس پر اس طرح ہو جائے گا کہ جس طرح حالف نہ پکارا کہ وہ ایسے مقام پر ہے کہ اس کو سن رہا ہے۔ البتہ اپنی غفلت کے سبب اس کو سمجھ نہ سکا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط کی بعض روایات میں یہ شرط بیان کی ہے کہ حالف فلاں شخص کو بیدار کر دے اور اسی پر ہمارے مشائخ فقہاء ہیں۔ کیونکہ جب فلاں شخص بیدار نہیں ہوا ہے تو اس سے بات کرنا اس طرح ہو جائے گا جس طرح حالف نے

اس کو دور بلایا ہوا اور وہ کسی ایسے مقام پر ہو جہاں سے اس کی واز نہ سن سکے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا، اور خاص نیت نہ کی، تو نماز پڑھنے میں قرأت کرتے تسبیح جمیل کرنے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور ابولیت فقیہ نے فرمایا اگر کسی نے فارسی زبان میں قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا، تو خارج از قرأت کرنے اور تسبیح پڑھنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس عمل والے کو عرف میں قاری اور تسبیح پڑھنے والا کہا جاتا ہے کلام کر۔ والائیں کہا جاتا، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ کافی میں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الایمان)

جھوٹی قسم کھانے والے کے بارے میں وعید کا بیان

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی چیز پر مقید ہو کر (یعنی حاکم کی مجلس میں) قسم کھائے اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو کہ اس کا مقصد قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا مال حاصل کرنا ہو تو وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔" چنانچہ اس ارشاد کی تصدیق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: (إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ) (آل عمران 77)۔ (بخاری) مشکوٰۃ شریف، صوم: حدیث نمبر 885

پوری آیت اور اس کا ترجمہ یہ ہے۔

(إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ)۔ (3) آل عمران (77)

"یقیناً جو لوگ معاوضہ حقیر لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو اللہ تعالیٰ سے (انہوں نے) کیا ہے اور (بمقابلہ اپنی قسموں کے، ان لوگوں کو کچھ حصہ آخرت میں (وہاں کی نعمت کا) نہیں ملے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نہ ان سے (الطف کا) کلام فرمائیں گے اور نہ ان کی طرف (نظر محبت سے دیکھیں گے۔ اور نہ (ان کے گناہوں کو معاف کر کے) ان کو پاک کریں گے۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔"

حدیث کی عبارت من حلف علی یمنین "مہر" کے لغوی معنی ہیں "جس، روکنا، بڑوم" اور "یمنین مہر" سے مراد یہ ہے کہ حاکم عدالت میں کسی شخص پر قسم کھانا لازم ہے گویا یمنین مہر میں "علی" حرف باکے معنی میں ہے اور اس سے مراد مخلوق علیہ ہے بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ "یمنین مہر" یہ ہے کہ کسی چیز پر قسم کھانے والا اس مقصد سے دیدہ و دانستہ غلط بیانی کرتا ہے کہ ایک مسلمان کا مال تلف کر دے یا اس کو ہڑپ کر لے، چنانچہ (وہو فیہا فاجر) اور وہ اپنی قسم میں جھوٹا ہو، کے الفاظ سے اس مفہوم پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنی (جھوٹی) قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا حق غصب کیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا اور اس پر بہشت کو حرام کر دیا۔ "ایک شخص نے (یہ سن کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اگرچہ وہ حق کوئی معمولی ہی چیز ہو۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) اگرچہ پیو کے درخت کا ایک ٹکڑا (یعنی سواک) ہی کیوں نہ ہو۔" (مسلم)

اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے آگ کو واجب کیا "اس جملہ کی دو تاویلیں ہیں ایک تو یہ کہ یہ حکم اس شخص پر معمول ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق غصب کرنا حلال جانے اور اسی عقیدہ پر اس کی موت ہو جائے دوسری تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اگرچہ دوزخ کی آگ کا یقیناً سزاوار ہوگا لیکن یہ بھی غیر بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو معاف کر دے! اسی طرح "بہشت کو اس پر حرام کر دیا۔" کی تاویل یہ ہے کہ ایسا شخص اول وہلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے سے محروم قرار دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جس طرح جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کے حق کو ہڑپ کرنے والے کے بارے میں مذکورہ وعید ہے اسی طرح وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی ذمی کا حق مارے۔

جھوٹی قسم کھانے والوں سے متعلق احادیث

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں کہ جھوٹی قسم کھانے والے یعنی جو اہل کتاب اللہ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ کی صفوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں نہ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس دلیل اور فانی دنیا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں نہ ان سے اللہ تعالیٰ کوئی پیار محبت کی بات کرے گا نہ ان پر رحمت کی نظر ڈالے گا نہ انہیں ان کے گناہوں سے پاک صاف کرے گا بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا اور وہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے، اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں جن میں سے کچھ یہاں بھی ہم بیان کرتے ہیں۔

(۱) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن سے تو نہ اللہ جل شانہ کلام کرے گا اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر رحمت سے دیکھے گا، اور نہ انہیں پاک کرے گا، حضرت ابوذر نے یہ سن کر کہا یہ کون لوگ ہیں یہ

رسول اللہ یہ تو بڑے گھائے اور نقصان میں پڑے جنہو صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ یہی فرمایا پھر جواب دیا کہ جنہوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا، جھوٹی قسم سے اپنا سودا بیچنے والا، دے کر احسان جتانے والا، مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔

(۲) مسند احمد میں ہے ابو جہش فرماتے ہیں میں حضرت ابوذر سے ملا اور ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بیان فرماتے ہیں تو فرمایا سنو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ تو بولی نہیں سکتا جبکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا ہو تو کہتے وہ حدیث کیا ہے؟ جواب دیا یہ کہ تین قسم کے لوگوں کو اللہ ذوالکرم دوست رکھتے ہیں اور تین قسم کے لوگوں کو دشمن تو فرمانے لگے ہاں یہ حدیث میں نے بیان کی ہے اور میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی بھی ہے میں نے پوچھا

کس کس کو دوست رکھتا ہے فرمایا ایک تو وہ جو مردانگی سے دشمنان اللہ سبحانہ کے مقابلے میں میدان جہاد میں کھڑا ہو جائے یا تو اپنا پیر چھٹی کروالے یا فتح کر کے لوٹے، دوسرا وہ شخص جو کسی قافلے کے ساتھ سفر میں ہے بہت رات گئے تک قافلہ چلتا رہا جب تھک کر چور ہو گئے پڑاؤ ڈالا تو سب سو گئے اور یہ جاگتا رہا اور نماز میں مشغول رہا یہاں تک کہ کوچ کے وقت سب کو جگا دیا۔ تیسرا وہ شخص جس کا پڑوسی اسے ایذا پہنچاتا ہو اور وہ اس پر صبر و ضبط کرے یہاں تک کہ موت یا سفران دونوں میں جدائی کرے، میں نے کہا اور وہ تین کون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہے فرمایا بہت قسمیں کھانے والا تاجر، اور تکبر کرنے والا فقیر اور وہ بخل جس سے کبھی احسان ہو گیا ہو تو جتانے بیٹھے، یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

(۳) مسند احمد میں ہے کندہ قیلے کے ایک شخص عمرو القیس بن عامر کا جھگڑا ایک حضری شخص سے زمین کے بارے میں تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضری اپنا ثبوت پیش کرے اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا تو آپ نے فرمایا اب کندی قسم کھالے تو حضری کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کی قسم پر ہی فیصلہ ٹھہرا تو رب کعبہ کی قسم یہ میری زمین لے جائے گا آپ نے فرمایا جو شخص جھوٹی قسم سے کسی کا مال اپنا کر لے گا تو جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اللہ اس سے ناخوش ہوگا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو عمرو القیس نے کہا یا رسول اللہ اگر تو کوئی چھوڑ دے تو اسے اجر کیا ملے گا؟ آپ نے فرمایا جنت تو کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ رہنے کے میں نے وہ ساری زمین اس کے نام چھوڑی، یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

(۴) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص جھوٹی قسم کھائے تاکہ اس سے کسی مسلمان کا مال چھین لے تو اللہ جل جلالہ سے جب ملے گا تو اللہ عز وجل اس پر سخت غضب نک ہوگا، حضرت اشعث فرماتے ہیں اللہ کی قسم میرے ہی بارے میں یہ ہے ایک یہودی اور میری شرکت میں ایک زمین تھی اس نے میرے حصہ کی زمین کا انکار کر دیا میں اسے خدمت نبوی میں لایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تیرے پاس کچھ ثبوت ہے میں نے کہا نہیں آپ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھالے میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قسم کھالے گا اور میرا مال لے جائے گا پس اللہ عز وجل نے یہ آیت نازل فرمائی، یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔

(۵) مسند احمد میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی مرد مسلم کا مال بغیر حق کے لے لے وہ اللہ ذوالجلال سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوگا، وہیں حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے آئے اور فرماتے گئے ابو عبد الرحمن آپ کوئی سی حدیث بیان کرتے ہیں؟ ہم نے دو ہرادی تو فرمایا یہ حدیث میرے ہی بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے، میرا اپنے چچا کے لڑکے سے ایک کنوئیں کے بارے میں جھگڑا تھا جو اس کے قبضے میں تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب ہم اپنا مقدمہ لے گئے تو آپ نے فرمایا تو اپنی دلیل اور ثبوت لا کہ یہ کنواں تیرا ہے ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہوگا میں نے کہا یا حضرت میرے پاس تو کوئی دلیل نہیں اور اگر اس قسم پر معاملہ رہا تو یہ تو

میرا کنواں لے جائے گا میرا مقابل تو فاجر شخص ہے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بھی بیان فرمائی اور اس آیت کی بھی تلاوت کی۔

(۶) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیمت کے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا، پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہیں؟ فرمایا اپنے ماں باپ سے بیزار ہونے والے اور ان سے بیرغبتی کرنے والی لڑکی اور اپنی اولاد سے بیزار اور الگ ہونے والا باپ اور وہ شخص کہ جس پر کسی قوم کا احسان ہے وہ اس سے انکار کر جائے اور آنکھیں پھیر لے اور ان سے یکسوئی کرے۔

(۷) ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنا سودا بازار میں رکھا اور قسم کھائی کہ وہ اتنا بھاؤ دیا جاتا تھا تاکہ کوئی مسلمان اس میں پھنس جائے، پس یہ آیت نازل ہوئی، صحیح بخاری میں بھی یہ روایت مروی ہے۔

(۸) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین شخصوں سے جناب باری تقدس و تعالیٰ قیامت والے دن بات نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دکھ درد کے عذاب ہیں ایک وہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہے پھر وہ کسی مسافر کو نہیں دیتا دوسرا وہ جو عصر کے بعد جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال فروخت کرتا ہے تیسرا وہ بادشاہ مسلمان سے بیعت کرتا ہے اس کے بعد اگر وہ اسے مال دے تو پوری کرتا ہے اگر نہیں دیتا تو نہیں کرتا ہے یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، آل عمران، ۷۷)

قسم کو اجازت کے ساتھ معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَأَذِنَ لَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ بِالْإِذْنِ حَتَّى كَلَّمَهُ حَيْثُ) لَأَنَّ الْإِذْنَ مُشْتَقٌّ مِنَ الْأَذَانِ الَّذِي هُوَ الْإِعْلَامُ، أَوْ مِنَ الْوُقُوعِ فِي الْإِذْنِ، وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا بِالسَّمَاعِ، وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يَحْتَسِبُ لَأَنَّ الْإِذْنَ هُوَ الْإِطْلَاقُ، وَأَنَّهُ يَتِمُّ بِالْإِذْنِ كَالرَّضَا. فَلَنَّا: الرِّضَا مِنْ أَعْمَالِ الْقَلْبِ، وَلَا كَذَلِكَ الْإِذْنُ عَلَى مَا مَرَّ.

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں شخص سے اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے اجازت دیدی اور حالانکہ اجازت کا پتہ نہ چلا حتیٰ کہ اس نے فلاں سے کلام کر لیا تو وہ حادث ہو جائے گا۔ کیونکہ اذن "اذن" سے مشتق ہے اور اس کا معنی خبر دینا ہے یا پھر یہ کان میں آواز پڑنے سے مشتق ہے اور یہ دونوں اشیاء سماع کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتیں۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ حادث نہ ہوگا کیونکہ اجازت مباح قرار دینے کے حکم میں ہے اور اجازت

دینے سے یہ حکم مکمل ہو جاتا ہے جبکہ ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ رضا مندی کا تعلق اعمال قلب کے ساتھ ہے لہذا اجازت کا یہ حال نہ ہوگا جس طرح پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا جب تک فلاں شخص اجازت نہ دے اور اس نے اجازت دی مگر اسے خبر نہیں اور کلام کر لیا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر اجازت دینے سے پہلے وہ شخص مر گیا تو قسم باطل ہوگئی یعنی اب کلام کرنے سے نہیں ٹوٹے گی کہ قسم ہی نہ رہی۔ اور اگر یوں کہا تھا کہ بغیر فلاں کی مرضی کے کلام نہ کروں گا اور اس کی مرضی تھی مگر اسے معلوم نہ تھا اور کلام کر لیا تو نہیں ٹوٹی۔ (در مختار، کتاب الایمان، ج ۵، ص ۶۳۴)

مہینہ بھر کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ حَلَفَ لَا يَتَكَلَّمُ شَهْرًا فَهُوَ مِنْ حِينَ حَلَفَ) لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّهْرَ لَتَنَابَذَ الْيَمِينَ فَذَكَرَ الشَّهْرَ لِإِخْرَاجِ مَا وَرَاءَهُ لِبَقَى الَّذِي يَلِي يَمِينَهُ دَحْلًا عَمَلًا بِدَلَالَةِ حَالِهِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ وَاللَّهِ لَا صُومَ شَهْرًا لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّهْرَ لَمْ تَنَابَذْ الْيَمِينَ فَكَانَ ذِكْرُهُ لِقُدِيرِ الصُّومِ بِهِ وَآلَهُ مُنْكَرٌ فَالتَّعْيِينُ إِلَيْهِ

ترجمہ

فرمایا: اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ مہینہ بھر کلام نہ کرے گا تو مہینے کی ابتداء قسم اٹھانے کے وقت سے ہوگی۔ کیونکہ اگر وہ مہینے کا ذکر نہ کرتا تو قسم مؤبد ہوتی جبکہ مہینے کا ذکر اس کے سوا کو خارج کرنے کیلئے ہے۔ لہذا جو زہ نہ اس کی قسم سے ملے ہوا ہے وہ قسم اٹھانے والے کی حالت کی دلالت عملی پر داخل قسم ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب حالف نے کہا ہو یہ خدا! میں مہینہ بھر روزہ رکھوں گا۔ کیونکہ اگر وہ مہینے کا ذکر نہ کرتا تو قسم بھی مؤبد نہ ہوتی۔ پس مہینے کا ذکر کرنے کے سبب روزے کا اندازہ کرنے کیلئے ہے۔ کیونکہ وہ معین نہیں ہے لہذا حالف کو تعین کا حق حاصل ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں سے ایک سال کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے ایک سال یعنی بارہ مہینے تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کہا کہ ایک مہینہ کلام نہ کرے گا تو جس وقت سے قسم کھائی ہے اس وقت سے ایک مہینہ یعنی تیس دن مراد ہیں۔ اور اگر دن میں قسم کھائی کہ ایک دن کلام نہ کروں گا تو جس وقت سے قسم کھائی ہے اس وقت سے دوسرے دن کے اسی وقت تک کلام سے قسم ٹوٹے گی۔ اور اگر رات میں قسم کھائی کہ ایک رات کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے دوسرے دن کے بعد والی رات کے اسی وقت تک مراد ہے لہذا درمیان کا دن بھی شامل ہے۔ اور اگر رات میں کہا کہ قسم خدا

کی فلاں سے ایک دن کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے غروب آفتاب تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اگر دن میں کہا کہ فلاں شخص سے ایک رات کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے طلوع فجر تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور ایک مہینہ یا ایک دن کے روزہ یا اعتکاف کی قسم کھائی تو اسے اختیار ہے جب چاہے ایک مہینہ یا ایک دن کا روزہ یا اعتکاف کر لے۔ اور اگر کہا اس سال کلام نہ کروں گا تو سال پورا ہونے میں جتنے دن باقی ہیں وہ لیے جائیں گے یعنی اس وقت سے ختم ذی الحجہ تک۔ اسی طرح اگر کہا کہ اس مہینہ میں کلام نہ کروں گا تو جتنے دن اس مہینے میں باقی ہیں وہ لیے جائیں گے اور اگر یوں کہا کہ آج دن میں کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے غروب آفتاب تک اور اگر رات میں کہا کہ آج رات میں کلام نہ کروں گا تو رات کا جتنا حصہ باقی ہے وہ مراد لیا جائے اور اگر کہا آج اور کل اور پرسوں کلام نہ کروں گا تو درمیان کی راتیں بھی داخل ہیں یعنی رات میں کلام کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائیگی۔ اور اگر کہا کہ نہ آج کلام کروں گا اور نہ کل اور نہ پرسوں تو راتوں میں کلام کر سکتا ہے کہ یہ ایک قسم نہیں ہے بلکہ تین قسمیں ہیں کہ تین دنوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

قسم کھائی کہ زید سے کلام نہ کرے گا اور زید سو رہا تھا، اس نے پکارا اگر پکارنے سے جاگ گیا تو قسم ٹوٹ گئی اور بیدار نہ ہوا تو نہیں اور اگر جاگ رہا تھا اور اس نے پکارا اگر اتنی آواز تھی کہ سن سکے اگر چہ بہرے ہونے یا کام میں مشغول ہونے یا شور کی وجہ سے نہ نہ تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر دور تھا اور اتنی آواز سے پکارا کہ سن نہیں سکتا تو نہیں ٹوٹی۔ اور اگر زید کسی مجمع میں تھا اس نے اس مجمع کو سلام کیا تو قسم ٹوٹ گئی ہاں اگر نیت یہ ہو کہ زید کے سوا اوروں کو سلام کرتا ہے تو نہیں ٹوٹی۔ اور نماز کا سلام کلام نہیں ہے، لہذا اس سے قسم نہیں ٹوٹے گی خواہ زید وہی طرف ہو یا بائیں طرف۔ اسی طرح اگر زید ام تھا اور یہ مقتدی، اس نے اس کی غلطی پر سبحان اللہ کہا یا لقمہ دیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اور اگر یہ نماز میں نہ تھا اور لقمہ دیا یا اس کی غلطی پر سبحان اللہ کہا تو قسم ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ زید سے بات نہ کروں گا اور کسی کام کو اس سے کہنا ہے اس نے کسی دوسرے کو مخاطب کر کے کہا اور مقصود زید کو سنانا ہے تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر عورت سے کہا کہ تُو نے اگر میری شکایت اپنے بھائی سے کی تو تجھ کو طلاق ہے، عورت کا بھائی آیا اور اس کے سامنے عورت نے بچے سے اپنے شوہر کی شکایت کی اور مقصود بھائی کو سنانا ہے تو طلاق نہ ہوئی۔ قسم کھائی کہ میں تجھ سے ابتداء کلام نہ کروں گا اور راستے میں دونوں کی ملاقات ہوئی دونوں نے ایک ساتھ سلام کیا تو قسم نہیں ٹوٹی بلکہ جاتی رہی کہ اب ابتداء کلام کرنے میں حرج نہیں۔ اسی طرح اگر عورت سے کہا اگر میں تجھ سے ابتداء کلام کروں تو تجھ کو طلاق ہے اور عورت نے بھی قسم کھائی کہ میں تجھ سے کلام کی پہل نہ کروں گی تو مرد کو چاہیے کہ عورت سے کلام کرے کہ اس کی قسم کے بعد جب عورت نے قسم کھائی تو اب مرد کا کلام کرنا ابتداء نہ ہوگا۔

(بحر الرائق، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۵۵۷)

کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے والے کا قرآن پڑھنا

(وَإِنْ حَلَفَ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَرَأَ الْقُرْآنَ فِي صَلَاتِهِ لَا يَنْحُتْ. وَإِنْ قَرَأَ فِي غَيْرِ صَلَاتِهِ حَنْتْ

(وَعَلَى هَذَا التَّسْبِيحِ وَالتَّهْلِيلِ وَالتَّكْبِيرِ، وَفِي الْقِيَاسِ يَحْتَفُ فِيهِمَا وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ كَلَامٌ حَقِيقَةٌ.

وَلَنَا أَنَّهُ فِي الصَّلَاةِ لَيْسَ بِكَلَامٍ عُرْفًا وَلَا شَرْعًا، قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (إِنْ صَلَّاتُنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ) وَقِيلَ فِي عُرْفًا لَا يَحْتَفُ فِي غَيْرِ الصَّلَاةِ أَيْضًا لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى مُتَكَلِّمًا بَلْ قَارِئًا وَمُسَبِّحًا.

ترجمہ

اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ بات نہیں کرے گا اس کے بعد اس نے نماز میں قرآن شریف پڑھا تو وہ حائث نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے نماز کے علاوہ قرآن شریف کو پڑھا تو وہ حائث ہو جائے گا۔ اور اسی حکم کے مطابق سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور قیاس کے مطابق دونوں صورتوں میں حائث ہو جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ یہ حقیقت میں کلام ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نماز میں قرآن شریف کو پڑھنا عرف وشرع کے اعتبار سے کلام نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہماری نماز میں لوگوں کے کلام کو اٹھانے کی گنجائش نہیں ہے۔ اور ایک قول کے مطابق ہمارے نزدیک غیر نماز میں بھی تلاوت قرآن سے وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ اس کو متکلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کو قاری یا قاری پڑھنے والا کہتے ہیں۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی بندے نے قسم کھائی کہ کلام نہ کریگا تو قرآن مجید پڑھنے یا تسبیح اللہ کہنے یا اور کوئی وظیفہ پڑھنے یا کتاب پڑھنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر قسم کھائی کہ قرآن مجید نہ پڑھے گا تو نماز میں یا بیرون نماز پڑھنے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر اس صورت میں بسم اللہ پڑھی اور نیت میں وہ بسم اللہ ہے جو سورہ نمل کی جز ہے تو ٹوٹ گئی ورنہ نہیں۔ (در مختار، کتاب الایمان)

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ قرآن کی فلاں سورت نہ پڑھے گا اور اسے اول سے آخر تک دیکھتا گیا اور جو کچھ لکھا ہے اسے سمجھا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کتاب نہ پڑھے گا اور اسی طرح کیا تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ٹوٹ جائے گی اور ہمارے یہاں کے عرف سے یہی مناسب۔ (در مختار، کتاب الایمان)

نماز خالص عبادت کا نام ہے اس میں تلاوت قرآن اذکار نماز کے علاوہ کسی قسم کی گفتگو مطلق جائز نہیں۔ سنن نسائی میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اِنْ صَلَّوْنَا هَذِهِ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ.

ہماری اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کسی چیز کی گنجائش نہیں رہتی یہ جو شخص تسبیح تکبیر اور قرآن کریم کی تلاوت سے عبارت ہے۔ (سنن نسائی کتاب السہو باب الکلام فی الصلوٰۃ حدیث نمبر 1226)

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ کلام نہ کریگا تو قرآن مجید پڑھنے یا تسبیح اللہ کہنے یا اور کوئی وظیفہ پڑھنے یا کتاب پڑھنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر قسم کھائی کہ قرآن مجید نہ پڑھے گا تو نماز میں یا بیرون نماز پڑھنے سے قسم ٹوٹ جائے گی اور اگر اس صورت میں بسم اللہ پڑھی اور نیت میں وہ بسم اللہ ہے جو سورہ نمل کی جز ہے تو ٹوٹ گئی ورنہ نہیں۔ قسم کھائی کہ قرآن کی فلاں سورت نہ پڑھے گا اور اسے اول سے آخر تک دیکھتا گیا اور جو کچھ لکھا ہے اسے سمجھا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کتاب نہ پڑھے گا اور اسی طرح کیا تو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ٹوٹ جائے گی اور ہمارے یہاں کے عرف سے یہی مناسب۔ قسم کھائی کہ کلام نہ کریگا جب تک فلاں جگہ پر ہے تو وہاں سے چلے جانے کے بعد قسم ختم ہوگی، لہذا اگر پھر واپس آیا اور کلام کیا تو کچھ حرج نہیں کہ قسم اب باقی نہ رہی۔ (در مختار، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۵۶۰)

وقال صلى الله تعالى عليه وسلم كلمتان خفيفتان على اللسان ثقيلتان في الميزان حبيبتان الى الرحمن سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم. رواه البخاري.

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: دو گھمے زبان پر خفیف، ترازوں میں بھاری، اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہیں سبحان اللہ وبحمده سبحان اللہ العظيم، اس کو بخاری نے روایت کیا۔

یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اگر قسم کھائی زید سے کلام نہ کروں گا اور زید نماز جماعت میں اس کے برابر کھڑا تھا سلام پھیرتے وقت اس کی طرف منہ کر کے السلام عرض کر دیا کہ حائث نہ ہوا اگرچہ اس سلام میں نیت حاضرین کا قطعاً حکم ہے اسی طرح اگر جس کی نسبت قسم کھائی تھی وہ امام ہوا اور نماز میں بھولا اس نے بتایا قرأت میں لقمہ دیا حائث نہ ہوگا حالانکہ یہ قطعاً اس سے خطاب ہے اور خاص بقصد خطاب صادر، ہند یہ میں ہے کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا، اور خاص نیت نہ کی، تو نماز پڑھنے میں قرأت کرنے، تسبیح و تہلیل کرنے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور ابوللیث فقیہ نے فرمایا اگر کسی نے فارسی زبان میں قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا، تو خارج از نماز قرأت کرنے اور تسبیح پڑھنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس عمل والے کو عرف میں قاری اور قاری پڑھنے والا کہا جاتا ہے کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، اور اسی پر فتویٰ ہے جیسا کہ کافی میں ہے۔

اذا حلف لا يكلم فلانا فاقتدى الحالف بالمحلف عليه فسها المحلف عليه فسبح

له الحالف لم يحث كذا في المحيط.

اگر قسم کھائی کہ وہ فلاں سے بات نہ کرے گا، تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے وہ بھول چائے تو قسم کھانے والے نے اسے سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا تو حائث نہ ہوگا، یعنی قسم نہ ٹوٹے گی جیسا کہ محیط میں ہے۔

اسی طرح جب نماز سے سلام پھیرے اور وہ فلاں اس کے پہلو میں ہو، جیسے کہ عتابیہ میں ہے۔ جس کے متعلق قسم کھائی اگر وہ امام ہو اور قسم کھانے والا مقتدی ہو تو امام کو لقمہ دینے پر وہ حائض نہ ہوگا، (الفتاویٰ الہندیۃ، الباب السادس فی الیمین علی الکلام، نورانی کتب خانہ پشاور)

طلاق زوجہ کو کلام یوم سے معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ يَوْمٌ أَكَلْتُمْ فَلَانًا فَأَمْرًا تَهُوَ عَلَى اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ) لِأَنَّ اسْمَ الْيَوْمِ إِذَا قُرِنَ بِفِعْلٍ لَا يَمْتَدُّ يَرَادُ بِهِ مُطْلَقُ الْوَقْتِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (وَمَنْ يُؤْلِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ) وَالْكَلَامُ لَا يَمْتَدُّ (وَإِنْ عَنِ النَّهَارِ خَاصَّةً دِينَ فِي الْقَضَاءِ) لِأَنَّهُ مُسْتَعْمَلٌ فِيهِ أَيْضًا . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَدِينُ فِي الْقَضَاءِ لِأَنَّهُ خِلَافُ الْمُتَعَارَفِ .

ترجمہ

اور اس نے کہا کہ جس دن میں فلاں سے گفتگو کروں تو میری بیوی کو طلاق ہے تو یہ دن اور رات دونوں پر محمول ہوگا کیونکہ لفظ یوم جب فعل غیر ممد کے ساتھ متصل ہو تو اس سے مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس دن کا فروں سے پیٹھ پھیرے گا۔ اور کلام صحیح نہیں ہوتا۔ اور جب حالف نے صرف دن کی نیت کی تو بطور قضاء اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ کیونکہ یہ لفظ اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ قضاء میں بھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی کیونکہ عرف کے خلاف ہے۔

شرح

لفظ یوم جب فعل غیر ممد کے ساتھ متصل ہو تو اس سے مطلق وقت مراد لیا جاتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ

امام ابو الحسن علی بن ابوبکر فرغانی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر شوہر نے بیوی سے کہا: أَتَسْرُكُ بِبَيْدِكَ الْيَوْمَ وَتَعِدُ عَبْدَ (جہمیں آج اور کل کے بعد اختیار ہے) تو اس حکم میں رات شامل نہیں ہوگی۔ اگر بیوی نے دن کا اختیار مسترد کر دیا تو اس دن کا اختیار ختم ہو جائے گا البتہ پرسوں کا اختیار عورت کے پاس رہے گا کیونکہ شوہر نے دو ایسے اوقات کی صراحت کی ہے جن کے درمیان ان ہی کی جنس کا وقت موجود ہے جس میں الامر بالید (کی صورت) شامل نہیں ہے۔ جب لفظ ”یوم“ کو انفرادی طور پر ذکر کیا جائے تو اس میں رات شامل نہیں ہوتی ہے کیونکہ الامر بالیوم اور الامر بعد الغد دونوں الگ الگ معانی ہیں۔ لہذا ایک کے مسترد کرنے سے دوسرا مسترد شمار نہیں ہوگا۔ امام زفر نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے: تقویض کی یہ دونوں صورتیں حقیقت کے اعتبار سے ایک ہی ”الامر بالید“ ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص صریح طلاق میں یہ کہے: ”تم کو آج طلاق ہے اور پرسوں طلاق ہے“ تو اس صورت میں آپ بھی یہ تسلیم کریں گے: اسی دن طلاق واقع ہوگی دو الگ الگ اوقات میں واقع نہیں ہوگی۔ ہم جواب میں یہ

کہتے ہیں۔ طلاق میں وقت مقرر کرنے کا احتمال نہیں ہوتا، لیکن الامر بالید میں یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ آج کا اختیار الگ ہو اور پرسوں کا اختیار الگ ہو لہذا دوسرے وقت میں نئے سرے سے الامر بالید کا مفہوم پایا جائے گا۔ (ہدایہ اربعین، کتاب طلاق)

قسم کورات پر محمول کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ لَيْلَةً أَكَلْتُمْ فَلَانًا فَهُوَ عَلَى اللَّيْلِ خَاصَّةً) لِأَنَّهُ حَقِيقَةٌ فِي سَوَادِ اللَّيْلِ كَالنَّهَارِ لِلْيَاضِ خَاصَّةً ، وَمَا جَاءَ اسْتِعْمَالُهُ فِي مُطْلَقِ الْوَقْتِ (وَلَوْ قَالَ إِنْ كَلَّمْتُ فَلَانًا إِلَّا أَنْ يَفْقَدَ فَلَانٌ أَوْ قَالَ حَتَّى يَقْدَمَ فَلَانٌ أَوْ قَالَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ فَلَانٌ أَوْ حَتَّى يَأْذَنَ فَلَانٌ فَأَمْرًا تَهُوَ طَالِقٌ فَكَلَّمَهُ قَبْلَ الْقُدُومِ وَالْبَازِنِ حَيْثُ ، وَلَوْ كَلَّمَهُ بَعْدَ الْقُدُومِ وَالْبَازِنِ لَمْ يَحْضَرْ) لِأَنَّهُ غَايَةٌ وَالْيَمِينُ بَاقِيَةٌ قَبْلَ الْغَايَةِ وَمُنْتَهَى بَعْدَهَا فَلَا يَحْضُرُ بِالْكَلَامِ بَعْدَ انْتِهَاءِ الْيَمِينِ (وَإِنْ مَاتَ فَلَانٌ سَقَطَتِ الْيَمِينُ) خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ لِأَنَّ الْمَنْعُوعَ عَنْهُ كَلَامٌ يَنْتَهِي بِالْبَازِنِ وَالْقُدُومِ وَلَمْ يَبْقَ بَعْدَ الْمَوْتِ مُتَصَوِّرُ الْوُجُودِ فَسَقَطَتِ الْيَمِينُ . وَعِنْدَهُ التَّصَوُّرُ لَيْسَ بِشَرْطٍ ، فَعِنْدَ سُقُوطِ الْغَايَةِ تَتَأَبَّدُ الْيَمِينُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کہا کہ وہ جس رات میں فلاں سے کلام کرے تو اس کا یہ قول صرف رات کے ساتھ خاص ہوگا۔ کیونکہ حقیقت میں رات شب کی تاریکی کا نام ہے۔ جس طرح نہار کا لفظ سفیدی کے ساتھ خاص ہے۔ جبکہ لیل کا لفظ مطلق وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اور جب اس نے کہا کہ اگر میں نے فلاں سے کلام کیا لیکن جب فلاں آجائے یا اس نے اس طرح کہا حتیٰ کہ وہ آجائے یا اس نے کہا کہ فلاں اجازت دیدے یا اس نے حتیٰ کہ فلاں اجازت دیدے تو اس کی بیوی کو طلاق ہے اور پھر حالف نے فلاں کی اجازت اور اس کے آنے سے قبل ہی بات کر ڈالی تو وہ حائض ہو جائے گا اور اگر اس نے آنے اور اجازت کے بعد کلام کیا تو وہ حائض نہ ہوگا۔ کیونکہ قدم اور اجازت یہ غایت ہے اور غایت سے قبل یمین باقی ہے اور غایت کے بعد یمین ختم ہو جاتی ہے۔ پس قسم کے ختم ہوجانے کے بعد وہ کلام کرنے سے حائض نہ ہوگا۔ اور اگر فلاں فوت ہو جائے تو قسم ساقط ہو جائے گی۔

حضرت ابو یوسف علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے کیونکہ حالف کیلئے ایسے کلام کی ممانعت تھی جو اذن و قدم پر مکمل ہو جاتا ہے لیکن فلاں کی موت کے بعد اس کے وجود تصور بھی باقی نہ رہا لہذا یمین ساقط ہو جائے گی۔ البتہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک برکا تصور شرط نہیں ہے تو اسقاط غایت کے سبب قسم مؤبد بن جائے گی۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی بندے نے دن میں قسم کھائی کہ ایک دن کلام نہ کرونگا تو جس وقت سے قسم کھائی ہے اس وقت سے دوسرے دن کے اسی وقت تک کلام سے قسم نہ لے گی۔ اور اگر رات میں قسم کھائی کہ ایک رات کلام نہ کرونگا تو اس وقت سے دوسرے دن کے بعد والی رات کے اسی وقت تک مراد ہے لہذا درمیان کا دن بھی شامل ہے۔ اور اگر رات میں کہا کہ قسم خدا کی فلاں سے ایک دن کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے غروب آفتاب تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اگر دن میں کہا کہ فلاں شخص سے ایک رات کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے طلوع فجر تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور ایک مہینہ یا ایک دن کے روزہ یا احکاف کی قسم کھائی تو اسے اختیار ہے جب چاہے ایک مہینہ یا ایک دن کا روزہ یا احکاف کر لے۔ اور اگر کہا اس سال کلام نہ کرونگا تو سال پورا ہونے میں جتنے دن باقی ہیں وہ لیے جائیں گے یعنی اس وقت سے ختم ذی الحجہ تک۔ اسی طرح اگر کہا کہ اس مہینہ میں کلام نہ کرونگا تو جتنے دن اس مہینے میں باقی ہیں وہ لیے جائیں گے اور اگر یوں کہا کہ آج دن میں کلام نہ کرونگا تو اس وقت سے غروب آفتاب تک اور اگر رات میں کہا کہ آج رات میں کلام نہ کروں گا تو رات کا جتنا حصہ باقی ہے وہ مراد لیا جائے اور اگر کہا آج اور کل اور پرسوں کلام نہ کروں گا تو درمیان کی راتیں بھی داخل ہیں۔ جتنی رات میں کلام کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائیگی۔ اور اگر کہا کہ آج کلام کرونگا اور نہ کل اور نہ پرسوں تو راتوں میں کلام کر سکتا ہے کہ یہ ایک قسم نہیں ہے بلکہ قسمیں ہیں کہ تین دنوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا اگر فلاں سے اس کی اجازت یا اس کی آمد کے بغیر بات کروں تو یہ ہو جائے، اس کے بعد وہ فلاں فوت ہو جائے تو قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ اس سے کلام کی ممانعت کا اختتام اس کی اجازت یا آمد پر موقوف تھا جبکہ اس کی موت سے اجازت اور آمد کا تصور ختم ہو گیا، کیونکہ جب قسم کسی چیز سے مشروط ہو تو اس شرط کا تصور ہونا اس قسم کی بقاء کے لئے امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضروری ہے چونکہ یہ قسم اس فلاں کی اجازت یا آمد سے مشروط ہے تو اس شرط کے وجود سے قسم پوری ہو سکے گی تو جب شرط کے وجود کے بغیر کلام کرنے پر حائل ہونے کا احتمال ختم ہو گیا تو قسم پورا ہونے کا احتمال بھی ختم ہو گیا لہذا یہ قسم باطل ہو جائے گی۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان)

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس فلاں کی موت سے شرط کے وجود کا احتمال ختم ہو جانا ناقابل تسلیم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ اس کو دوبارہ زندہ کر دے اور وہ زندہ ہو کر اجازت دے یا آجائے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے کی حیات اس حیات کا غیر ہے جس حیات سے اجازت یا آمد کی قسم کھائی تھی اور قسم والی یہ حیات وہ ہے جو قسم کے وقت تھی، کیونکہ حیات ایک ایسا عارضہ ہے جس کو اعمیہ واپس لانا ممکن نہیں اگرچہ روح واپس ہو جائے کہ روح اور حیات آپس میں ایک دوسرے کے مغایر ہیں کیونکہ حیات، روح والی چیز کی روح کا لازم ہے نہ کہ وہ روح ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان)

فلاں کے غلام سے کلام کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ خَلَفَ لَا يَكْلُمُ عَبْدًا فَلَانٌ وَلَمْ يَنْوِ عِبْدًا بِعَيْنِهِ أَوْ امْرَأَةً فَلَانٌ أَوْ صَدِيقًا فَلَانٌ فَبَاعَ فَلَانٌ عَبْدَهُ أَوْ بَايَعَتْ مِنْهُ امْرَأَتُهُ أَوْ عَادَى صَدِيقَهُ فَكَلَّمَهُمْ لَمْ يَحْنُثْ) لِأَنَّهُ عَقَدَ يَمِينَهُ عَلَى فِعْلٍ وَاقَعَ فِي مَحَلِّ مُضَافٍ إِلَى فَلَانٍ ، إِنَّمَا إِضَافَةُ مِلْكٍ أَوْ إِضَافَةُ نِسْبَةٍ وَلَمْ يُوجَدْ فَلَا يَحْنُثْ ، قَالَ هَذَا فِي إِضَافَةِ الْمِلْكِ بِالِاتِّفَاقِ . وَفِي إِضَافَةِ النِّسْبَةِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ يَحْنُثُ كَالْمَرْأَةِ وَالصَّدِيقِ .

قَالَ فِي الزِّيَادَاتِ : لِأَنَّ هَذِهِ الْإِضَافَةُ لِلتَّعْرِيفِ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ وَالصَّدِيقَ مَقْصُودَانِ بِالْهَجْرَانِ فَلَا يُشْتَرَطُ دَوَامُهَا فَيَتَعَلَّقُ الْحُكْمُ بِعَيْنِهِ كَمَا فِي الْإِشَارَةِ . وَوَجْهُ مَا ذَكَرَ هَاهُنَا وَهُوَ رِوَايَةُ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّهُ يُحْتَمَلُ أَنْ يَكُونَ غَرَضُهُ هَجْرَانَهُ لِأَجْلِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ وَلِهَذَا لَمْ يَعْينَهُ فَلَا يَحْنُثُ بَعْدَ زَوَالِ الْإِضَافَةِ بِالشَّكِّ (وَإِنْ كَانَتْ يَمِينُهُ عَلَى عَبْدٍ بِعَيْنِهِ بَانَ قَالَ عَبْدٌ فَلَانٌ هَذَا أَوْ امْرَأَةً فَلَانٌ بِعَيْنِهَا أَوْ صَدِيقًا فَلَانٌ بِعَيْنِهِ لَمْ يَحْنُثْ فِي الْعَبْدِ وَحْنُثٌ فِي الْمَرْأَةِ وَالصَّدِيقِ ، وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يَحْنُثُ فِي الْعَبْدِ أَيْضًا) وَهُوَ قَوْلُ زُهْرٍ (وَإِنْ خَلَفَ لَا يَدْخُلُ دَارَ فَلَانٍ هَذِهِ فَبَاعَهَا ثُمَّ دَخَلَهَا فَهُوَ عَلَى هَذَا الْإِخْتِلَافِ)

ترجمہ

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کے غلام سے کلام نہ کرے گا۔ اور اس نے کسی معین غلام کی نیت نہ کی ہو اور اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کی بیوی سے یا فلاں کے دوست سے کلام نہ کرے گا پھر اس فلاں نے اپنا غلام بیچ دیا یا اس کی بیوی اس سے باندھ ہو گئی یا اس نے اپنے دوست سے دشمنی کر لی اور حالف نے ان سے کلام کر لیا تو وہ حائل نہ ہوگا کیونکہ اس نے اپنی قسم کو ایسے کلام پر منعقد کیا ہے جس کی ایسے محل میں واقع ہوگا جو فلاں کی طرف مضاف ہوگا خواہ اس ملکیت کی اضافت ہو یا نسبت کی ہو۔ حالانکہ دونوں اضافتوں میں کوئی ایک اضافت بھی نہیں پائی جاتی لہذا وہ حائل نہ ہوگا۔

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ملکیت کی صورت میں اضافت کے ہونے کا حکم متفق علیہ ہے اور جب اضافت نسبت کی طرف ہو تو اس صورت میں امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی حائل ہو جائے گا۔ جس طرح بیوی اور دوست ہے کیونکہ ان سے کلام کرنے کی صورت میں حائل ہو جائے گا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے زیادت میں اس کی دلیل اس طرح بیان کی ہے کہ نسبت تعارف کرانے کیلئے ہوتی ہے کیونکہ عورت اور دوست دونوں سے ترک کلام کا تصور موجود ہے پس نسبت کا ہمیشہ باقی رہنا شرط نہیں ہے۔ اور حکم ان میں سے ہر ایک کی ذات سے متعلق ہوگا۔ جس طرح اشارے میں ہوتا ہے اور جو مسئلہ اس مقام پر بیان کیا گیا ہے یہ جامع صغیر کی روایت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے حالف کا مقصد یہ ہو ان دونوں کو فلاں کی جانب منسوب ہونے کے سبب چھوڑ دیں۔ اسی سبب کے پیش نظر اس نے مخلوف علیہ کو معین نہیں کیا ہے پس زوال اضافت کے سبب شک کی بناء پر حالف حائث نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی قسم کسی معین غلام پر ہے یا اس نے اس طرح کہا کہ فلاں کا یہ غلام یا فلاں کی فلاں بیوی یا فلاں کا فلاں دوست تو وہ غلام میں حائث نہ ہوگا اور عورت اور دوست میں حائث ہو جائے گا۔ یہ شیخین کا موقف ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ غلام میں بھی حائث ہو جائے گا اور امام زفر علیہ الرحمہ کا بھی یہی قول ہے۔ اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کے اس گھر میں داخل نہ ہوگا پھر فلاں نے وہ گھر بیچ دیا اس کے بعد حالف اس میں داخل ہوا تو یہ مسئلہ اسی اختلاف پر مبنی ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کے غلام یا اس کے دوست یا اس کی عورت سے کلام نہ کروں گا اور اس نے غلام کو بیچ ڈالا یا اور کسی طرح اس کی ملک سے نکل گیا اور دوست سے عداوت ہو گئی اور عورت کو طلاق دیدی تو اب کلام کرنے سے قسم نہیں ٹوٹے گی غلام میں چاہے یوں کہا کہ فلاں کے اس غلام سے یا فلاں کے غلام سے دونوں کا ایک حکم ہے اور اگر قسم کے وقت وہ اس کا غلام تھا اور کلام کرنے کے وقت بھی ہے یا قسم کے وقت یہ اس کا غلام نہ تھا اور اب ہے دونوں صورتوں میں ٹوٹ جائے گی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

علامہ محمد آمین آفندی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب اس نے کہا فلاں کی اس عورت سے یا فلاں کی فلاں عورت سے یا فلاں کے اس دوست سے یا فلاں کے فلاں دوست سے کلام نہ کروں گا اور طلاق یا عداوت کے بعد کلام کیا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر نہ اشارہ ہو نہ معین کیا ہو اور اس نے اب کسی عورت سے نکاح کیا یا کسی سے دوستی کی تو کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائیگی۔

(در مختار، کتاب الایمان)

اضافت کا تعارف کیلئے ہونے کا بیان

وَجْهٌ قَوْلِ مُحَمَّدٍ وَزُفَرٍ أَنَّ الْإِصَافَةَ لِلتَّعْرِيفِ وَالْإِشَارَةِ أَبْلَغُ مِنْهَا فِيهِ لِكُونِهَا قَاطِعَةً لِلشَّرِكَةِ ، بِخِلَافِ الْإِصَافَةِ فَاعْتَبِرَتْ الْإِشَارَةَ وَلَيْفَتْ الْإِصَافَةُ وَصَارَ كَالصَّدِيقِ وَالْمَرْأَةِ . وَلَهُمَا أَنَّ الدَّاعِيَ إِلَى الْيَمِينِ مَعْنَى فِي الْمُصَافِ إِلَيْهِ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَعْيَانَ لَا

تُهَجَّرُ وَلَا تُعَادَى لِلذَّوَاتِهَا ، وَكَذَا الْعَبْدُ لِسُقُوطِ مَنْزِلَتِهِ بَلْ لِمَعْنَى فِي مُلَاكَمَتِهَا فَتَقْيِدُ الْيَمِينُ بِحَالِ قِيَامِ الْمِلْكِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَتْ الْإِصَافَةُ إِصَافَةً نِسْبَةٍ كَالصَّدِيقِ وَالْمَرْأَةِ لِأَنَّهُ يُعَادَى لِذَاتِهِ فَكَانَتْ الْإِصَافَةُ لِلتَّعْرِيفِ وَالذَّاعِيَ الْمَعْنَى فِي الْمُصَافِ إِلَيْهِ غَيْرَ ظَاهِرٍ لَعَدَمِ التَّعْيِينِ ، بِخِلَافِ ، مَا تَقْلَمُ

ترجمہ

حضرت امام محمد اور امام زفر علیہ الرحمہ کے فرمان کی دلیل یہ ہے کہ اضافت تعارف کرانے کیلئے ہوتی ہے اور مشار الیہ اضافت سے زیادہ بلاغت والا ہے کیونکہ اشارہ شرکت کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ خلاف اضافت کے پس اشارے کا اعتبار کر لیا جائے گا۔ اور اضافت بیکار ہو جائے گی۔ تو غلام دوست اور عورت کی طرح ہو جائے گا۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ مضاف الیہ میں کوئی ایسا حکم ہے کہ قسم کی جانب داعی ہے۔ کیونکہ یہ ایسے اعیان نہیں ہیں کہ ان کو چھوڑ دیا جائے گا یا ان سے دشمنی کی جائے بلکہ بھی کم مرتبے کے سبب ہے اور وہ بہ ذات خود محادات اور ہجر کے قابل نہیں ہے۔ اور ان سب میں ہجران و عداوت کسی ایسے سبب کے پیش نظر ہوتی ہے جو ان کے مالکوں میں ہوتا ہے پس قسم قیام ملک کی حالت سے مقید ہوگی۔ یہ خلاف اس کے کہ جب اضافت کسی نسبت کی بنیاد پر ہو جس طرح دوست اور عورت ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک سے عداوت ان کی ذات سے ہوتی ہے۔ پس ان میں نسبت تعارف کیلئے ہوگی۔ جبکہ مضاف الیہ میں قسم کی طرف جانا کسی بھی سبب سے ناجائز نہیں ہے پس اس کو حالف نے متعین نہیں کیا ہے۔ یہ خلاف اس صورت کے جو پہلے بیان کر دی گئی ہے۔

شرح

شیخین کی دلیل کو صاحب ہدایہ نے ترجیح دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ذات نسبت سے قوی ہوا کرتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ اضافت تعارف یا کسی طرح ذات کے تعلق کو اجاگر کرنے کا سبب ضرور ہے لیکن اس کی قوت ذات کے برابر بھی نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی نسبت یا اس کی اضافت کو ذات سے بڑھا دیا جائے۔ لہذا حجت قوت میں وہی مضبوط جس کو شیخین نے بیان کیا ہے اور یہ فقہا بار یک ہیوں میں سے ایک مسئلہ ہے۔

چادر والے سے کلام نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ صَاحِبَ هَذَا الطِّلْسَانِ لِبَاعِهِ ثُمَّ كَلَّمَهُ حَيْثُ) لِأَنَّ هَذِهِ الْإِصَافَةَ لَا تَحْتَمِلُ إِلَّا التَّعْرِيفَ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يُعَادَى لِمَعْنَى فِي الطِّلْسَانِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَشَارَ إِلَيْهِ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يُكَلِّمُ هَذَا الشَّابَّ فَكَلَّمَهُ وَقَدْ صَارَ شَيْعًا حَيْثُ) لِأَنَّ

الْحُكْمَ تَعْلُقُ بِالْمُشَارِ إِلَيْهِ إِذِ الصَّفَةُ فِي الْحَاضِرِ لَفَوْ، وَهَذِهِ الصَّفَةُ لَيْسَتْ بِدَاعِيَةٍ إِلَى التَّيَمُّنِ عَلَى مَا مَرَّ مِنْ قَبْلُ.

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ چادر والے سے کلام نہ کرے گا۔ اس کے بعد اس نے چادر فروخت کر دی اور اس کے بعد حالف نے اس سے کلام کر لیا تو وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ میں صرف تعارف کا احتمال ہے کیونکہ انسان سے کسی ایسے سے دشمنی نہیں کی جاسکتی جو سبب اس کی چادر میں ہوتا ہے تو یہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح حالف نے چادر والے کی طرف اشارہ کیا۔ اور جب کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اس جوان سے کلام نہ کرے گا پھر اس کے بعد اس نے اس کے بوزھا ہونے کے بعد بات کی تو حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ حکم مشار الیہ سے متعلق ہوا۔ پس حاضر میں صفت لغو ہو جائے گی کیونکہ یہ صفت قسم کی طرف لے جانے والی بھی نہیں ہے جس طرح کہ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس کپڑے والے سے کلام نہ کرے گا اس نے کپڑے بیچ ڈالے پھر اس نے کلام کیا تو قسم ٹوٹ گئی اور جس نے کپڑے خریدے اس سے کلام کیا تو نہیں۔ اور اسی طرح جب اس نے یہ قسم کھائی کہ میں اس کے پاس نہیں پھکوں گا تو یہ وہی حکم رکھتا ہے جیسے یہ کہا کہ میں اس سے کلام نہ کروں گا۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الایمان)

فصل

﴿یہ فصل کلام میں قسم اٹھانے کے بیان میں ہے﴾

فصل یحییٰ کلام کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ یہ مسائل منثورہ ہیں یا مثنوی ہیں یا متفرقہ ہیں۔ علامہ کا کہنا ہے کہ ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ علامہ اکل نے کہا ہے مصنفین کی یہ عادت ہے کہ وہ ایسے مسائل کو کتابوں کے آخر میں ذکر کرتے ہیں۔ کیونکہ شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے یہ مسائل ابواب میں داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ ان کے فوائد کثیر ہوتے ہیں۔ اور ان مسائل کو منثورہ، متفرقہ یا مثنوی کہا جاتا ہے۔ (البنائے شرح الہدایہ، ص ۵، ۴۲۸، حقانیہ ملتان)

ایک لمحے یا زمانے کلام نہ کرنے کی قسم کا بیان

قَالَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَكْلُمُ حِينَئِذَا أَوْ زَمَانًا أَوْ الْحِينَ أَوْ الزَّمَانَ فَهُوَ عَلَى سِتَّةِ أَشْهُرٍ) لِأَنَّ الْحِينَ قَدْ يُرَادُ بِهِ الزَّمَانُ الْقَلِيلُ وَقَدْ يُرَادُ بِهِ أَرْبَعُونَ سَنَةً ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ) وَقَدْ يُرَادُ بِهِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (تَوْبَى لِمَنْ أَكَلَهَا كُلَّ حِينٍ) وَهَذَا هُوَ الْوَسْطُ فَيَنْصَرِفُ إِلَيْهِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْيَسِيرَ لَا يَقْصَدُ بِالْمَنْعِ لَوْجُودِ الْإِمْتِنَاعِ فِيهِ عَادَةً ، وَالْمُؤَبَّدُ لَا يَقْصَدُ غَالِبًا لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْأَبَدِ ، وَلَوْ سَكَتَ عَنْهُ يَتَأَبَّدُ فَيَتَعَيَّنُ مَا ذَكَرْنَا .

وَكَيْفَ الزَّمَانُ يُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالَ الْحِينِ ، يُقَالُ مَا رَأَيْتُكَ مُنْذُ حِينٍ وَمُنْذُ زَمَانٍ بِمَعْنَى وَهَذَا إِذَا لَمْ تَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ ، أَمَّا إِذَا نَوَى شَيْئًا فَهُوَ عَلَى مَا نَوَى لِأَنَّهُ نَوَى حَقِيقَةً كَلَامِيَّةً وَكَذَلِكَ الدَّهْرُ عِنْدَهُمَا .

وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : الدَّهْرُ لَا أَدْرِي مَا هُوَ (وَهَذَا الْإِخْتِلَافُ فِي الْمُنْكَرِ وَهُوَ الصَّحِيحُ ، أَمَّا الْمَعْرُوفُ بِالْأَلْفِ وَاللَّامِ يُرَادُ بِهِ الْأَبَدُ عَرَفًا .

لَهُمَا أَنَّ دَهْرًا يُسْتَعْمَلُ اسْتِعْمَالَ الْحِينِ وَالزَّمَانِ يُقَالُ مَا رَأَيْتُكَ مُنْذُ حِينٍ وَمُنْذُ دَهْرٍ بِمَعْنَى وَأَبُو حَنِيفَةَ تَوَقَّفَ فِي تَقْدِيرِهِ لِأَنَّ اللَّغَاتِ لَا تُدْرِكُ قِيَّاسًا وَالْعُرُوفُ لَمْ يُعْرَفْ

اَسْتَمْرَارُهُ لِاخْتِلَافٍ فِي الْاِسْتِعْمَالِ

ترجمہ

فرمایا: اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ ایک عین یا ایک زمانے تک یا ایک عین یا زمانے تک فلاں سے کلام نہ کرے گا تو اس کی یہ قسم چھ ماہ پر محیط ہوگی کیونکہ لفظ عین سے کبھی تھوڑا سا زمانہ مراد ہوتا ہے۔ اور کبھی اس سے چالیس سال مراد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے۔ "قُلْ اَتَى عَلَى الْاِنْسَانِ عِینٌ مِنَ الْغَیْرِ" اور کبھی اس سے چھ ماہ مراد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَا تُکَلِّمُ کُلَّ عِینٍ" اور یہی درمیانہ وقت ہے لہذا عین کو اس کی جانب لوٹایا جائے گا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تھوڑے سے وقت میں انکار کرنا مقصود نہیں ہوتا کیونکہ تھوڑی دیر کلام نہ کرنے کی عادت ہوتی ہے اور اس سے مؤبد یعنی چالیس سال کا ارادہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ابد کے درجے میں ہے۔ پس جو مدت ہم بیان کر چکے ہیں وہ عین ہے البتہ زمانے میں عین کی طرح استعمال کیا جاتا ہے جیسے "اور" "منذ عین" "دونوں کا معنی ایک ہی ہے اور اس کو چھ ماہ پر محمول کرنا اس صورت میں ہے کہ اگر حالف کی کوئی نیت نہ ہو جب اس نے کسی مدت کی نیت کی ہے تو اس کی قسم نیت کے مطابق ہوگی کیونکہ حالف نے اپنے کلام کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے۔ صاحبین کے نزدیک دہری بھی اتنی ہی مدت ہے (چھ ماہ) جبکہ امام صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ دہری مدت کیا ہے اور یہ اختلاف "دہرا" کمرہ میں ہے اور کبھی اسی طرح ہے۔

جب یہ معرف بہ الف و لام ہو تو اس سے یہ اتفاق عرف تکلفی مراد ہے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے دہرا عین اور زمان کی طرح استعمال ہونے والا ہے پس منذ عین اور منذ ہر دونوں کا ایک ہی معنی ہوگا۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے معنی کا اندازہ کرنے میں توقف کیا ہے کیونکہ قیاس سے لغات معلوم نہیں ہوا کرتی اور ہر عرف تو اس میں اس کی کوئی مدت معروف نہیں ہے پس اس کے استعمال میں اختلاف ہے۔

شرح

مُذٌّ وَمُنْذٌ:

یہ مدت بیان کرنے کیلئے آتے ہیں۔ جیسے مَا رَأَيْتُهُ، مُذٌّ وَمُنْذٌ مَنَیْۃً (میں نے اسے ایک سال سے نہیں دیکھا) یہ شجرہ ہرزمانہ میں حکم پروردگار سے پھل دیتا رہتا ہے اور خدا لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے کہ شاید اسی طرح ہوش میں آجائیں۔

۱ کلمہ طیبہ ایسا پاک درخت ہے کہ جس کی بڑ مضبوط اور تاباند اور یہ درخت پھل دیتے وقت پورا پورا پھل دیتا ہے۔ مثلاً کلمہ طیبہ کَشَجَرۃ طَیِّبۃ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفُرْعُهَا فِی السَّمَاءِ۔ تو توئی اکلھا کَلَّ حَیْنِ اَحْتِمَالِ ہے کہ جو توئی اکلھا کَلَّ حَیْنِ "مشہد بہ کا دوام ہو اور جو موضوع کی مناسبت سے اس سے مراد وہ وقت ہے کہ جب درخت پھل دیتا ہے۔

۲ حق پرستی اعتقادات اذن پروردگار سے دائمی طور پر شربش ہوتے ہیں اور کسی خاص زمانے میں محدود نہیں ہوتے۔

مثلاً کلمہ طیبہ... تو توئی اکلھا کَلَّ حَیْنِ باذن رہتا

احتمال ہے کہ "تو توئی اکلھا کَلَّ حَیْنِ" مشہد بہ کا دوام ہو اور جو موضوع کی مناسبت سے ہمیشہ شربش ہوتا ہوتا ہے اور کسی وقت سے مخصوص نہیں۔

۳ حق پرستی اعتقادات بہت زیادہ شربش ہوتے ہیں اور وہ سب کے سب مفید ہیں۔ مثلاً کلمہ طیبہ... تو توئی اکلھا

کَلَّ حَیْنِ

"نوا کہ" "اور" "شرات" کے بجائے، مشہد (کلمہ طیبہ) کی توصیف کے لئے، مضاف "اکل" (کھانے کی چیزوں) کو جمع لانا کہ جو عموم کا قائلہ دیتا ہے، ہو سکتا ہے مذکورہ کلمے کی جانب اشارہ ہو۔

نوٹ

لفظ متاع ال عین میں عین سے قیامت مراد ہے، عرب لوگ ایک گھڑی سے لے کر بے انتہا مدت تک کو عین کہتے ہیں۔

مطلق ایام سے تین دنوں کی مراد کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُهُ اَبَا مَا فَهُوَ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ) لِاَنَّهُ اسْمُ جَمْعٍ ذِکْرٌ مُنْکَرٌ اَلِتَّائُولِ اَقْلُ الْجَمْعِ وَهُوَ الثَّلَاثُ. وَلَوْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُهُ الْاَبَا مَا فَهُوَ عَلٰی عَشْرَةِ اَیَّامٍ عِنْدَ اَبِی حَبِیْفَةَ، وَقَالَ لَا: عَلٰی اَیَّامِ الْاَسْبُوعِ. وَلَوْ حَلَفَ لَا یُکَلِّمُهُ الشُّهُورَ فَهُوَ عَلٰی عَشْرَةِ اَشْهُرٍ عِنْدَهُ. وَعِنْدَهُمَا عَلٰی الثَّانِی عَشَرَ شَهْرًا لِاَنَّ اللَّامَ لِلْمَعْهُودِ وَهُوَ مَا ذَکَرْنَا، لِاَنَّهُ یَذْوُرُ عَلَیْهَا.

وَلَهُ اَنَّهُ جَمْعٌ مُعَرَّفٌ فِیَنْصَرِفُ اِلٰی اَقْصٰی مَا یُذْکَرُ بِلَفْظِ الْجَمْعِ وَذَٰلِکَ عَشْرَةٌ (وَكَذَا الْجَوَابُ عِنْدَ کَافِی الْجَمْعِ وَالسَّیْنِ) وَعِنْدَهُمَا یَنْصَرِفُ اِلٰی الْعُمْرِ لِاَنَّهُ لَا مَعْهُودَ ذُوْنَهُ

ترجمہ

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ چند دنوں تک کلام نہ کرے گا تو اس قسم کو تین دنوں پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ ایام اسم جمع ہے جس کو کمرہ ذکر کیا گیا ہے پس یہ کم از کم جمع کو شامل ہوگا اور وہ تین ہے۔ اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ لایکلمہ الا ایام تو حضرت امام صاحب علیہ الرحمہ کی قسم دس دنوں پر محمول ہوگی۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ ایک ہفتے تک باقی رہے گی۔ اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ لایکلمہ الشہود "تو امام اعظم علیہ الرحمہ

کے نزدیک یہ قسم دس ماہ پر مشتمل ہوگی جبکہ صاحبین کے نزدیک بارہ ماہ تک باقی رہے گی۔ کیونکہ الف لام معبود کیلئے آتا ہے اور معبود وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ ماہ کا دار و مدار اسی پر ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جمع معرف بہ الف و لام ہے پس جمع کے ذکر سے اس کا انتہائی عدد مراد ہوگا اور یہ اسی کی جانب راجع ہوگی اور وہ دس ہے۔ اور امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک ”الجمع“ اور ”السنن“ کا بھی اسی طرح حکم ہے۔ صاحبین کے نزدیک ان کی قسم تمام عمر کیلئے ہوگی کیونکہ اس سے قہور اتم معبود ہی نہیں ہے۔

شرح

جمع اور اسم جمع میں فرق یہ کہ جمع کے لیے مفرد ہونا ضروری ہے مِنْ لَفْظِہٖ ہو یا مِنْ غَیْرِ لَفْظِہٖ، جبکہ اسم جمع وہ ہے جو جمع کا معنی تو دے مگر اس کا کوئی مفرد نہ ہو۔ جیسے: قَوْمٌ، رَهْطٌ، وغیرہ۔

مقتضی عام ہونے پر گروہ بھی عام ہوتا ہے۔ جیسے: (وَنَفْسٍ وَّمَا سَوَّاهَا)

مفرد اور جمع کا عام ہونا: مفرد اسم، الف لام سے مزین ہو تو وہ بھی عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً: (إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفَنِ خُسِیٍّ) اور (وَمَسِیَعْلَمُ الْکُفَّارُ)

مفرد عام ہو اور مضاف ہو مثلاً: ((وَهَذَا كِتَابُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ))۔ اس سے مراد وہ تمام کتب ہیں جن میں ان کے اعمال درج ہیں۔

جمع اگر الف لام سے آراستہ ہو تو اس کا عام ہونا جیسے: (وَإِذَا الرُّسُلُ أَقْبَتْ) یا (وَإِذَا أَحَدُنَا مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِیثَاقَهُمْ) یا یہ ارشاد: (إِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ)۔

اسی طرح جمع مضاف ہو تو وہ بھی عموم کا فائدہ دیتی ہے جیسے: (كُلُّ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكِتٰبِهٖ وَرُسُلِهٖ)۔

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں سے ایک سال کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے ایک سال یعنی بارہ مہینے تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کہا کہ ایک مہینہ کلام نہ کریگا تو جس وقت سے قسم کھائی ہے اس وقت سے ایک مہینہ یعنی تیس دن مراد ہیں۔ اور اگر دن میں قسم کھائی کہ ایک دن کلام نہ کروں گا تو جس وقت سے قسم کھائی ہے اس وقت سے دوسرے دن کے اسی وقت تک کلام سے قسم ٹوٹے گی۔ اور اگر رات میں قسم کھائی کہ ایک رات کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے دوسرے دن کے بعد والی رات کے اسی وقت تک مراد ہے لہذا درمیان کا دن بھی شامل ہے۔ اور اگر رات میں کہا کہ قسم خدا کی فلاں سے ایک دن کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے غروب آفتاب تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔

اور اگر دن میں کہا کہ فلاں شخص سے ایک رات کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے طلوع فجر تک کلام کرنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور ایک مہینہ یا ایک دن کے روزہ یا اعتکاف کی قسم کھائی تو اسے اعتبار ہے جب چاہے ایک مہینہ یا ایک دن کا روزہ یا اعتکاف کر لے۔ اور اگر کہا اس سال کا ام نہ کروں گا تو سال پورا ہونے میں جتنے دن باقی ہیں وہ لیے جائیں گے یعنی اس وقت سے ختم ذی

الحج تک۔ اسی طرح اگر کہا کہ اس مہینہ میں کلام نہ کروں گا تو جتنے دن اس مہینے میں باقی ہیں وہ لیے جائیں گے اور اگر یوں کہا کہ آج دن میں کلام نہ کروں گا تو اس وقت سے غروب آفتاب تک اور اگر رات میں کہا کہ آج رات میں کلام نہ کروں گا تو رات کا جتنے حصہ باقی ہے وہ مراد لیا جائے اور اگر کہا آج اور کل اور پرسوں کلام نہ کروں گا تو درمیان کی راتیں بھی داخل ہیں یعنی رات میں کلام کرنے سے بھی قسم ٹوٹ جائے گی۔ اور اگر کہا کہ آج کلام کروں گا اور نہ کل اور نہ پرسوں تو راتوں میں کلام کر سکتا ہے کہ یہ ایک قسم نہیں ہے بلکہ تین قسمیں ہیں کہ تین دنوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان، ج ۴، ص ۵۶۱)

غلام کی آزادی کو خدمت سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِعَبْدِهِ اِنْ خَدَمْتَنِيْ اَيَّامًا كَثِيْرَةً فَلَنْتُ حُرًّا فَلَا اَيَّامَ الْكَثِيْرَةِ عِنْدَ اٰبِيْ حِسْفَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَشْرَةَ اَيَّامٍ) لِأَنَّهُ أَكْثَرَ مَا يَتَاوَلُهُ اسْمُ الْاَيَّامِ، وَقَالَا: سَبْعَةُ اَيَّامٍ لِأَنَّ مَا زَادَ عَلَيْهَا تَكَرَّرًا. وَقِيلَ لَوْ كَانَ الْيَمِيْنُ بِالْفَارِسِيَّةِ يَنْصَرِفُ اِلَى سَبْعَةِ اَيَّامٍ لِأَنَّهُ يُذَكَّرُ فِيْهَا بِنَفْظِ الْفَرْدِ دُونَ الْجَمْعِ.

ترجمہ

اور جس نے اپنے غلام سے کہا کہ اگر تم نے بہت دنوں تک میری خدمت کی تو تم آزاد ہو۔ تو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایام کی کثرت سے دس دن مراد ہیں کیونکہ وہ اکثر مقدار ہے جس کو ایام کا لفظ شامل ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اس سے سات دن مراد ہوں گے۔ کیونکہ زیادہ ایام سب سے زیادہ تکرار ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب قسم فارسی زبان میں ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی سات دنوں کی طرف لوٹنے والی ہے کیونکہ فارسی میں لفظ ”روز“ مفرد ہی ذکر کیا جاتا ہے یہ جمع کے طور پر نہ درج نہیں ہوا کرتا۔

شرح

ایم سے مراد یہ جمع ہے اور نحوی بحث کے مطابق جس طرح جمع قلت کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح جمع کثرت کا بیان کیا جائے گا۔ یعنی اگر وہ جمع قلت ہے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر وہ کثرت ہے تو اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ معنی کے اعتبار سے جمع کی دو قسمیں ہیں: جمع قلت۔ جمع کثرت۔

جمع قلت کی تعریف

وہ جمع جو تین سے لیکر دس تک افراد پر دلالت کرے۔ جیسے اَقْوَالٌ، اَنْفُسٌ وغیرہ۔ جمع قلت کے اوزان۔ اس کے مندرجہ ذیل چھ اوزان ہیں۔ یعنی ان اوزان میں سے کسی وزن پر آنے والی جمع ”جمع قلت“ کہلائے گی۔

(۱) اَفْعَالٌ۔ جیسے اَقْلَامٌ۔ (۲) فَعْلَةٌ۔ جیسے غِلْمَةٌ۔ (۳) اَفْعُلٌ۔ جیسے اَنْفُسٌ۔ (۴) اَفْعِلَةٌ۔ جیسے

السنۃ۔ (۵) مَفْعِلُونَ . جیسے: مُسْلِمُونَ . (۶) مَفْعِلَاتٌ . جیسے: مُسْلِمَاتٌ .

جمع کثرت کی تعریف

وہ جمع جو دس سے اوپر لامحدود افراد پر دلالت کرے۔ جیسے: عُلَمَاءُ، طَلَبَةٌ وغیرہ۔ جمع کثرت کے اوزان: اس کے کثیر اوزان ہیں چند مشہور اوزان درج ذیل ہیں۔

فَعَالٌ . جیسے: عِبَادٌ . فَعَلَاءٌ . جیسے: عُلَمَاءُ . أَفْعِلَاءٌ . جیسے: أَنْبِيَاءُ .
فُعْلٌ . جیسے: رُسُلٌ . فُعُولٌ . جیسے: نُجُومٌ . فُعَالٌ . جیسے: خُدَامٌ . فَعْلَى . جیسے: مَرْضَى . فَعْلَةٌ .
جیسے: طَلَبَةٌ . فَعْلٌ . جیسے: فِرَقٌ . فَعْلَانٌ . جیسے: عِلْمَانٌ .
تنبیہ: جمع کثرت کے بعض معنی ایسے ہیں کہ ان کی مزید جمع مکسر نہیں بن سکتی۔ جیسے:

سَوَارٌ کی جمع اَسُورَةٌ اور اَسُورَةٌ کی جمع اَسَاوِرُ ہے۔ اب آگے مزید اس کی جمع مکسر نہیں بن سکتی۔ ایسی جمع کو "جمع منتهی الجموع" کہتے ہیں۔

بَابُ الْيَمِينِ فِي الْعَتَقِ وَالطَّلَاقِ

﴿یہ باب آزادی اور طلاق میں قسم اٹھانے کے بیان میں ہے﴾

حق و طلاق کے باب کی قسم میں فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے یمن سے متعلق مختلف ابواب کو ذکر کرنے کے بعد آزادی اور طلاق میں قسم کھانے سے متعلق اس باب کو شروع کیا ہے کیونکہ یمن عرف میں آزادی اور طلاق سے متعلق ہے لہذا یہ بھی اس کتاب میں ایک منفرد نوع ہے پس اس کو ایک الگ باب میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کا وقوع بھی کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ کہ لوگ طلاق دینے میں قسم کھانے میں تاخیر نہیں کرتے بلکہ بعض اوقات جلد بازی کرتے ہیں اور طلاق میں طرح طرح کی قسمیں کھا جاتے ہیں۔

طلاق زوج کو بچے کی ولادت سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِامْرَأَتِهِ إِذَا وَلَدَتْ وَلَدًا فَأَنْتِ طَالِقٌ فَوَلَدَتْ وَلَدًا مَيْتًا طَلَّقَتْ ، وَكَذَلِكَ إِذَا قَالَ لِامْرَأَتِهِ إِذَا وَلَدَتْ وَلَدًا فَأَنْتِ حُرَّةٌ) لِأَنَّ الْمَوْجُودَ مَوْلُودٌ فَيَكُونُ وَلَدًا حَقِيقَةً وَيُسَمَّى بِهِ فِي الْعُرْفِ ، وَيُعْتَبَرُ وَلَدًا فِي الشَّرْعِ حَتَّى تَنْقَضِيَ بِهِ الْعِدَّةُ ، وَالذَّمُّ بَعْدَهُ نَفَاسٌ وَأَمَّا وَلَدٌ لَهْ فَتَحَقَّقَ الشَّرْطُ وَهُوَ وَلَادَةُ الْوَلَدِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو نے بچے کو جنم دیا تو تجھے طلاق ہے پھر اس نے مردہ بچہ جنا تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اسی طرح جب کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو بچہ جنے گی تو تو آزاد ہے کیونکہ پیدا ہونے والا بچہ حقیقت میں مولود ہے جس کو حقیقت میں ولد ہوگا اور عرف میں اس کو ولد کہا جائے گا اور شریعت میں بھی اس کو ولد ہی قرار دیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور اس کے بعد آنے والا خون نفاس کا خون نہ ہوگا اور اس کی ماں آقا کی ام ولد ہو جائے گی کیونکہ شرط ثابت ہو چکی اور بچے کی ولادت ہو چکی ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم معری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کہا کہ بچھلی عورت جو میرے نکاح میں آئے اسے طلاق ہے اور دو یا زیادہ نکاح کیے تو جس سے آخر میں نکاح ہوا نکاح ہوتے ہی اسے طلاق پڑ جائیگی مگر اس کا علم اس وقت ہوگا جب وہ شخص مرے کیونکہ جب تک زندہ ہے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ بچھلی ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد اور نکاح کر لے۔ لہذا اُس کے مرنے

کے بعد جب معلوم ہوا کہ یہ بچہ جسے تو نصف مہر بوجہ طلاق پائے گی۔ اور اگر وٹی ہوئی ہے تو پورا مہر بھی لے گی۔ اور اس کی عدت حیض سے شمار ہوگی۔ اور عدت میں سوگ نہ کرے گی اور شوہر کی میراث نہ پائے گی۔ اور اگر اس صورت مذکورہ میں اس نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر دوسری سے کیا پھر پہلی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کیا تو اگر چہ اس سے ایک بار نکاح آخر میں کیا ہے مگر اس کو طلاق نہ ہوگی بلکہ دوسری کو ہوگی کہ جب اس سے پہلے ایک بار نکاح کیا تو یہ پہلی ہو چکی سے بچہ نہیں کہہ سکتے، اگر چہ دوبارہ نکاح اس سے آخر میں ہوا ہے۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ جب اس نے یہ کہا کہ اگر میں گھر میں جاؤں تو میری عورت کو طلاق ہے پھر قسم کھائی کہ عورت کو طلاق نہیں دیگا اسکے بعد گھر میں گیا تو عورت کو طلاق ہو گئی مگر قسم نہیں ٹوٹی اور اگر پہلے طلاق نہ دینے کی قسم کھائی پھر یہ کہا کہ اگر میں جاؤں تو عورت کو طلاق ہے اور گھر میں گیا تو قسم بھی ٹوٹی اور طلاق بھی ہو گئی۔ کسی شخص کو اپنی عورت کو طلاق دینے کا وکیل بنایا پھر یہ قسم کھائی کہ عورت کو طلاق نہیں دیگا، اب اس قسم کے بعد وکیل نے اس کی عورت کو طلاق دی تو قسم ٹوٹ گئی۔ اسی طرح اگر عورت سے کہہ دیا تو اگر چاہے تو تجھے طلاق ہے، اس کے بعد قسم کھائی کہ طلاق نہ دے گا، قسم کھانے کے بعد عورت نے کہا میں نے طلاق چاہی تو طلاق بھی ہو گئی اور قسم بھی ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ نکاح نہ کرے گا اور دوسرے کو اپنے نکاح کا وکیل کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اگر چہ یہ کہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اپنی زبان سے ایجاب و قبول نہ کروں گا۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الایمان)

آزادی کو لڑکا جننے سے معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ إِذَا وَلَدْتُ وَلَدًا فَهُوَ حُرٌّ فَلَدْتُ وَلَدًا مَبْتَاثًا آخَرَ حَيًّا عَتَقَ الْحَيُّ وَحَدَهُ عَبْدُ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَ لَا يُعْتَقُ وَاحِدٌ مِنْهُمَا) لِأَنَّ الشَّرْطَ قَدْ تَحَقَّقَ بِوِلَادَةِ الْمَيِّتِ عَلَى مَا بَيَّنَّا فَتَحُلُّ الْيَمِينُ لَا إِلَى جَزَاءٍ لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِمَحَلٍّ لِلْحُرِّيَّةِ وَهِيَ الْجَزَاءُ وَالْأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ مُطْلَقَ اسْمِ الْوَلَدِ مُقَيَّدٌ بِوَصْفِ الْحَيَاةِ لِأَنَّهُ قَصْدُ اثْبَاتِ الْحُرِّيَّةِ جَزَاءً وَهِيَ قُوَّةٌ حُكْمِيَّةٌ تَطْهَرُ فِي دَفْعِ تَسْلُطِ الْغَيْرِ وَلَا تَثْبُتُ فِي الْمَيِّتِ فَيَتَقَيَّدُ بِوَصْفِ الْحَيَاةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِذَا وَلَدْتُ وَلَدًا حَيًّا ، بِخِلَافِ جَزَاءِ الطَّلَاقِ وَحُرِّيَّةِ الْأُمِّ لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ مُقَيَّدًا

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کہا کہ اگر تو نے لڑکے کو جنم دیا تو وہ لڑکا آزاد ہے۔ پھر اس نے مردہ لڑکے کو جنم دیا اور اس کے بعد دوسرے لڑکے کو جنم دیا تو وہ لڑکا صرف آزاد ہوگا۔ جبکہ صاحبین نے کہا کہ کوئی بھی آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ مردہ لڑکے کے پیدا ہونے کے سبب شرط ثابت ہو چکی ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ لہذا قسم بغیر جزاء کے واقع ہوگی کیونکہ مردہ لڑکا

آزادی کا اہل ہی نہیں ہے حالانکہ آزادی جزاء ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ مطلق اسم ولد وصف حیات کے ساتھ مقید ہے کیونکہ وصف نے جزاء کے سبب اس کی آزادی کا ارادہ کیا ہے اور حریت وہ قوت حکمیہ ہے جس تسلط غیر کو ختم کرنے کیلئے ظاہر ہوتی ہے جبکہ مردہ میں یہ قوت ثابت نہیں ہے لہذا اسم ولد وصف حیات کے ساتھ متصف ہوگا اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی حالف نے کہا کہ اگر تو نے زندہ لڑکے کو جنم دیا تو وہ آزاد ہے۔ بخلاف طلاق اور ام ولد کی آزادی کی جزاء کے کیونکہ ان کی جزاء قید کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ جو کچھ تیرے شکم میں ہے اگر لڑکا ہے تو تجھ کو ایک طلاق اور لڑکی ہے تو دو، اور لڑکا لڑکی دونوں پیدا ہوئے تو کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر کہا کہ بوری میں جو کچھ ہے اگر گیسوں ہیں تو تجھے طلاق یا آٹا ہے تو تجھے طلاق، اور بوری میں گیسوں اور آٹا دونوں ہیں تو کچھ نہیں اور یوں کہا کہ اگر تیرے پیٹ میں لڑکا ہے تو ایک طلاق اور لڑکی تو دو اور دونوں ہوئے تو تین طلاقیں ہوں گی۔ (در مختار، کتاب طلاق)

علامہ علی بن محمد زبیدی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا کہ اگر تیرے بچہ پیدا ہو تو تجھ کو طلاق، اب عورت کہتی ہے میرے بچہ پیدا ہوا اور شوہر تکذیب کرتا ہے اور حمل ظاہر نہ تھا نہ شوہر نے حمل کا اقرار کیا تھا تو صرف جنائی کی شہادت پر حکم طلاق نہ دینگے۔ اور اگر یہ کہا کہ اگر تو بچہ جنے تو طلاق ہے اور مردہ بچہ پیدا ہوا طلاق ہو گئی اور کچا بچہ جنی اور بعض اعضاء بن چکے تھے جب بھی طلاق ہو گئی ورنہ نہیں۔ (جوہرہ نیرہ، کتاب طلاق)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا کہ اگر تو بچہ جنے تو تجھ کو طلاق، پھر کہا اگر تو آٹے لڑکا جنے تو دو طلاقیں، اور لڑکا ہوا تو تین واقع ہو گئیں۔ اور اگر یوں کہا کہ تو اگر بچہ جنے تو تجھ کو دو طلاقیں، پھر کہا وہ بچہ کہ تیرے شکم میں ہے لڑکا ہو تو تجھ کو طلاق، اور لڑکا ہو تو ایک۔ ان طلاق ہوگی اور بچہ پیدا ہوتے ہی عدت بھی گزر جائے گی۔ (عالمگیری، کتاب طلاق)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ اگر تو جنے تو تجھے طلاق ہے اور مردہ یا کچا بچہ پیدا ہوا تو طلاق ہو گئی، ہاں اگر ایسا کچا بچہ پیدا ہوا جس کے اعضاء نہ بنے ہوں تو طلاق نہ ہوگی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

غلام کی آزادی کو خریدنے سے معلق کرنے کا بیان

(وَإِذَا قَالَ أَوْلُ عَبْدٍ اشْتَرِيَهُ فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَى عَبْدًا عَتَقَ) لِأَنَّ الْأَوَّلَ اسْمٌ لِفَرْدٍ سَابِقٍ فَإِنْ اشْتَرَى عَبْدَيْنِ مَعًا ثُمَّ آخَرَ لَمْ يُعْتَقْ وَاحِدٌ مِنْهُمَا) لِإِلْعَادِ التَّفَرُّدِ فِي الْأَوَّلَيْنِ وَالسَّبْقِ فِي الثَّالِثِ فَانْعَدَمَتِ الْأَوَّلِيَّةُ (وَإِنْ قَالَ أَوْلُ عَبْدٍ اشْتَرِيَهُ وَحَدَهُ فَهُوَ حُرٌّ عَتَقَ الثَّالِثُ) لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ التَّفَرُّدُ فِي حَالَةِ الشَّرَاءِ لِأَنَّ وَحْدَهُ لِلْحَالِ لَفَةً وَالثَّالِثُ سَابِقٌ فِي

هَذَا الْوَصْفِ (وَإِنْ قَالَ آخِرُ عَبْدٍ اشْتَرِيَهُ فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَى عَبْدًا ثُمَّ مَاتَ لَمْ يُعْتَقْ) لِأَنَّ
الْآخِرَ اسْمٌ لِفَرْدٍ لَا حَقَّ وَلَا سَابِقَ لَهُ فَلَا يَكُونُ لَا حَقًّا (وَلَوْ اشْتَرَى عَبْدًا ثُمَّ عَبْدًا ثُمَّ
مَاتَ عَتَقَ الْآخِرُ) لِأَنَّهُ فَرْدٌ لَا حَقَّ فَاتَّصَفَ بِالْآخِرِيَّةِ (وَيُعْتَقُ يَوْمَ اشْتَرَاهُ عِنْدَ أَبِي
حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنْ جَمِيعِ الْمَالِ ، وَقَالَ : يُعْتَقُ يَوْمَ مَاتَ) حَتَّى يُعْتَبَرَ مِنْ
الثَّلَاثِ لِأَنَّ الْآخِرِيَّةَ لَا تَنْبُتُ إِلَّا بَعْدَ شِرَاءٍ غَيْرِهِ بَعْدَهُ وَذَلِكَ يَتَحَقَّقُ بِالْمَوْتِ فَكَانَ
الشَّرْطُ مُتَحَقِّقًا عِنْدَ الْمَوْتِ فَيَقْتَصِرُ عَلَيْهِ .

وَلَأَبَى حَنِيفَةَ أَنَّ الْمَوْتَ مُعَرَّفٌ فَأَمَّا اتِّصَافُهُ بِالْآخِرِيَّةِ فَمِنْ وَقْتِ الشِّرَاءِ فَيَنْبُتُ
مُسْتَنِدًا ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ تَعْلِيْقُ الطَّلَاقِ الثَّلَاثِ بِهِ ، وَقَالِدَتْهُ تَطَهَّرُ فِي جَرَيَانِ
الْبَازِيَةِ وَعَدَمِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کہا کہ میرا وہ پہلا غلام جس کو میں خریدوں تو وہ آزاد ہے اس کے بعد اس نے ایک غلام خریدا تو وہ آزاد ہو
جائے گا۔ کیونکہ اول اس شخص کو کہتے ہیں جو پہلے آنے والا ہو۔ مگر جب اس شخص نے ایک ساتھ دو غلام خریدے اس کے بعد تیسرا
غلام خریدا تو ان میں سے کوئی غلام بھی آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلے دونوں میں مفرد ہوتا نہیں پایا گیا اور تیسرے میں پہلے ہونا مفقود ہے۔
لہذا اس میں اولیت معدوم ہوگئی۔ اور اگر اس نے اس طرح کہا کہ وہ پہلا غلام جس کو میں تبا خریدوں تو وہ آزاد ہے تو تیسرا غلام آزاد
ہو جائے گا۔ کیونکہ یہاں خریدنے کی حالت میں مفرد ہونا مراد ہے۔ کیونکہ لغت میں وحدہ حال کیلئے آتا ہے جبکہ تیسرا غلام اس
وصف میں آنے والا ہے۔ اور جب اس نے کہا کہ وہ آخری غلام جس کو میں خریدوں تو وہ آزاد ہے اس کے اس نے ایک غلام خریدا
اور شخص خود فوت ہو گیا تو اس کا وہ غلام آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ لفظ آخر کا استعمال فرد ماحق کیلئے ہوتا ہے۔ اور یہاں اس غلام سے پہلے
آنے والا کوئی غلام ہی نہیں ہے۔ پس یہ غلام لاحق نہ ہوگا اور جب قانے ایک غلام خریدا اس کے بعد دوسرا غلام خریدا اور اس کے
بعد وہ فوت ہو گیا تو دوسرا غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہاں پر دوسرا فرد لاحق ہے جس سے یہ وصف آخر ہونے سے متصف ہونے والا
ہے۔

حضرت امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک جس دن وہ غلام خریدا ہے اسی دن آزاد ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کی آزادی پورے
مال میں معتبر ہوگی۔ جبکہ صاحبین نے کہا کہ جس دن آقا فوت ہوا ہے اس دن آزاد ہوگا۔ اور اس کی آزادی تہائی مال سے اعتبار کی
جائے گی۔ کیونکہ اسکے حق میں آخریت کا وصف تب ثابت ہوگا جب اس کے بعد کوئی غلام نہ خریدا جائے۔ اور غلام کی عدم خرید آقا کی

موت سے ثابت ہوئی ہے۔ لہذا شرط آزادی بھی آقا کی موت کے وقت ثابت ہوگی اور آزادی کا انحصار اسی پر ہے۔
حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ موت یہ بتانے والی ہے کہ یہ اس کا خریدہ ہوا آخری غلام ہے۔ اور وصف آخر
سے متصف ہونے پر خریدنے کے وقت سے ثابت ہے۔ پس آزادی وقت خرید کی طرف منسوب کی جائے گی۔ اسی اختلاف کی بنیاد
پر وصف آخریت کے ساتھ طلاق خلاصہ کو معلق کرنے کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے۔ اور اس اختلاف کا فائدہ میراث کے جاری ہونے پر
نہ ہونے میں بھی ظاہر ہوگا۔

شرح

علامہ طحاوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر کہا کہ پہلا غلام کہ خریدوں آزاد ہے تو اس کے کہنے کے بعد جس کو پہلے
خریدے گا آزاد ہو جائیگا اور دو غلام ایک ساتھ خریدے تو کوئی آزاد نہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی پہلا نہیں۔ اور اگر کہا کہ پہلا غلام جس
کا میں نک بوں گا آزاد ہے اور ڈیڑھ غلام کا مالک ہوا تو جو پورا ہے آزاد ہے اور آدھا کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر کپڑے کی نسبت کہا
کہ پہلا تھان جو خریدوں صدقہ ہے اور ڈیڑھ تھان ایک ساتھ خریدا تو ایک پورے کو تصدق کرے۔ اگر کہا کہ پچھلا غلام جس کو میں
خریدوں آزاد ہے اور اس کے بعد چند غلام خریدے تو سب میں پچھلا آزاد ہے۔ (در مختار، کتاب الایمان)

آزادی کو خوشخبری سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ كُلُّ عَبْدٍ بَشَرِي بِيْلَادَةٍ فَلَانَةً فَهُوَ حُرٌّ فَبَشَرُهُ ثَلَاثَةٌ مُتَّفَقِينَ عَتَقَ الْأَوَّلُ)
لِأَنَّ الْبِشَارَةَ اسْمٌ لِخَيْرٍ يُغَيِّرُ بَشَرَةَ الْوَجْهِ ، وَيُشْتَرَطُ كَوْنُهُ سَارًّا بِالْعُرْفِ ، وَهَذَا إِنَّمَا
يَتَحَقَّقُ مِنَ الْأَوَّلِ (وَإِنْ بَشَرُوهُ مَعًا عَتَقُوا) لِأَنَّهَا تَحَقَّقَتْ مِنَ الْكُلِّ .

ترجمہ

اور جس نے کہا کہ ہر وہ غلام جس نے مجھے خدا کے ہاں وادیت کی خوشخبری دی تو وہ آزاد ہے اس کے بعد اس کو تین غلاموں
نے الگ الگ خوشخبری دی تو پہلا غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ خوشخبری وہ خبر ہے جو چہرے کا رنگ بدل ڈالے البتہ معاشرے میں اس
خبر کا خوش کرنے کا ہونا شرط ہے۔ جبکہ یہ بات صرف پہلے غلام سے ثابت ہوئی ہے۔ اور جب تینوں نے ایک ساتھ خوشخبری دی تو
تینوں آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ اب خوشخبری تینوں سے ثابت ہوئی ہے۔

شرح

شیخ شمس الدین ترمذی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے کہا کہ جو میرا غلام فلاں بات کی خوشخبری سنائے وہ آزاد
ہے اور متفرق طور پر کئی غلاموں نے آ کر خبر دی تو پہلے جس نے خبر دی ہے وہ آزاد ہوگا کہ خوشخبری سننے کے یہ معنی ہیں کہ خوشی کی
خبر دینا جس کو وہ نہ جانتا ہو تو دوسرے اور تیسرے نے جو خبر دی یہ جاننے کے بعد ہے، لہذا آزاد نہ ہونگے اور جھوٹی خبر دی تو کوئی

آزاد نہ ہوگا کہ چھوٹی خبر کو خوشخبری نہیں کہتے اور اگر سب نے ایک ساتھ خبر دی تو سب آزاد ہو جائیں گے۔

(تخویر الابصار کتاب الایمان)

حذف کے قرینے کا بیان

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ یہ مجزئی ایک معروف قسم ہے۔ بعض علماء نے اس کے مجز ہونے کا انکار کیا ہے کیونکہ مجزئی تعریف ہے کہ کسی لفظ کو اس کے موضوع لہ معنی (یعنی جس کے لیے وہ وضع کیا گیا ہے) کے عدوہ کسی اور معنی میں استعمال کرنا جبکہ حذف میں ایسا نہیں ہوتا۔

علامہ ابن عطیہ نے کہا ہے کہ مضاف کا حذف عین مجاز ہے جبکہ ہر ایک حذف مجاز نہیں ہوتا۔

اسی طرح فراء کا کہنا ہے کہ حذف کی چار قسم ہیں: پہلی قسم یہ کہ جس پر لفظ اور اس کے معنی کی صحت 'من حیث الایمان' موقوف ہو مثلاً: (وَسَبَلِ الْقَرْيَةِ) (یوسف: ۸۲) میں 'اضل' محذوف ہے کیونکہ 'قَرْيَةٍ' کی طرف سوال کی نسبت کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہاں پر سوال کی نسبت محذوف 'اهل' کی طرف ہوگی۔ حذف کی صرف اسی قسم کو ابن عطیہ مجاز کہتے ہیں۔

امام زنجانی نے لکھا ہے کہ حذف اس وقت مجاز ہوگا جب کہ اس سے کوئی حکم بدل گیا ہو 'ورنہ اگر کسی جگہ حذف سے حکم تبدیل نہ ہو تو یہ حذف مجاز نہ ہوگا۔

امام قزوینی نے لکھا ہے جب حذف کی وجہ سے کلمہ کا اعراب تبدیل ہو جائے تو وہ مجز ہوگا اور اگر حذف سے کلمہ کا اعراب تبدیل نہ ہو تو وہ مجاز نہ ہوگا۔ (الاتقان فی علوم القرآن، بتصرف)

غلام کی آزادی کو خرید سے معلق کرنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ إِنْ اشْتَرَيْتَ فَلَانًا فَهُوَ حُرٌّ فَأَشْتَرَاهُ بِنُؤْيٍ بِهِ كَفَّارَةٌ يَمِينِهِ لَمْ يَجْزِ) لِأَنَّ الشَّرْطَ قِرَانُ النِّيَّةِ بِعِلَّةِ الْعِتْقِ وَهِيَ الْيَمِينُ، فَأَمَّا الشَّرَاءُ فَشَرْطُهُ (وَإِنْ اشْتَرَى أَبَاهُ بِنُؤْيٍ عَنْ كَفَّارَةِ يَمِينِهِ أَجْزَأُهُ عِنْدَنَا) خِلَافًا لِرُفْرٍ وَالشَّافِعِيُّ.

لَهُمَا أَنَّ الشَّرَاءَ شَرْطُ الْعِتْقِ، فَأَمَّا الْعِلَّةُ فَهِيَ الْقَرَابَةُ وَهَذَا لِأَنَّ الشَّرَاءَ إِثْبَاتُ الْمِلْكِ وَالْإِعْتِاقُ إِزَالَتُهُ وَيَبْهَمَا مُنَافَاةً.

وَلَا أَنَّ شِرَاءَ الْقَرِيبِ إِعْتِاقٌ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "لَنْ يَجْزِيَ وَلَدٌ وَالِدَهُ إِلَّا أَنْ يَحْدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيهِ فَيُعْتِقَهُ" حَعَلَ نَفْسَ الشَّرَاءِ إِعْتِاقًا لِأَنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ غَيْرُهُ وَصَارَ تَطْيِيرُ قَوْلِهِ سَقَاهُ فَأَرَاهُ (وَلَوْ اشْتَرَى أُمَّ وَلَدِهِ لَمْ يَجْزِهِ) وَمَعْنَى هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ أَنَّ

يَقُولُ لِأَمَةٍ قَدْ اسْتَوْلَدَهَا بِالنِّكَاحِ: إِنْ اشْتَرَيْتَكَ فَأَنْتَ حُرٌّ عَنْ كَفَّارَةِ يَمِينِي ثُمَّ اشْتَرَاهَا فَلَانَهَا تَعْتَقُ لِرُجُودِ الشَّرْطِ وَلَا يَجْزِيهِ عَنْ الْكَفَّارَةِ لِأَنَّ حُرِّيَّتَهَا مُسْتَحَقَّةٌ بِالْإِسْلَامِ فَلَا تَنْضَافُ إِلَى الْيَمِينِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لِقَبْلِهِ إِنْ اشْتَرَيْتَكَ فَأَنْتَ حُرٌّ عَنْ كَفَّارَةِ يَمِينِي حَيْثُ يَجْزِيهِ عَنْهَا إِذَا اشْتَرَاهَا لِأَنَّ حُرِّيَّتَهَا غَيْرُ مُسْتَحَقَّةٍ بِجِهَةٍ أُخْرَى فَلَمْ تَحْتَثِ الْإِضَافَةُ إِلَى الْيَمِينِ وَقَدْ قَارَنْتَهُ النِّيَّةَ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں غلام کو خریدوں تو وہ آزاد ہے اس کے بعد اس نے اس کو اسی حالت میں خرید لیا اور وہ اس سے قسم کے کفارے کی نیت کیے ہوئے ہے تو اس کا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ کیونکہ نیت کیلئے شرط ہے کہ وہ آزادی کی علت ساتھ متصل ہو۔ اور خریداری کا معاملہ تو وہ آزادی کیلئے شرط ہے۔

اور جب کسی نے اپنے باپ کو قسم کا کفارہ ادا کرنے کی نیت سے خرید تو ہمارے نزدیک جائز ہے۔ حضرت امام شافعی اور امام زفر علیہما الرحمہ کا اختلاف ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ خرید آزادی کی شرط ہے البتہ علت کا حکم تو وہ قرابت ہے اور یہ اس وجہ سے ہے خرید اثبات ملکیت ہے جبکہ آزادی ملکیت کا ازالہ ہے اور اثبات و ازالہ میں فرق واضح ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ قرعہ آدمی کو خریدنا آزادی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کوئی بیٹا اپنے باپ کو اس سے بہتر اور کوئی بدلہ نہیں دے سکتا البتہ یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اس کو خرید کر آزاد کر دے۔ یہاں محض خریدنے کو آزادی قرار دیا گیا ہے کیونکہ خریدنے کے علاوہ اس میں دوسری کوئی شرط نہیں پائی جارہی لہذا یہ عربی میں "سقاہ فاراہ" اس کو پانی پلا کر سیراب کر دیا ہے کی مثال ہو جائے گی۔

اور جب کسی شخص نے اپنی ام ولد کا کفارے کی نیت سے خرید تو جائز نہیں ہے اور مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ وہ کسی ایسی باندی سے جس کو اس نے نکاح کے ذریعے ام ولد بنایا ہو اور پھر وہ کہے کہ اگر میں تجھے خریدوں تو میرے لئے قسم کے کفارے سے آزاد ہے۔ اس کے بعد اس نے دوبارہ وہی باندی خریدی تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ کیونکہ اس میں شرط پائی جارہی ہے لیکن کفارے سے کافی نہ ہوگی کیونکہ اس کی آزادی ام ولد بنانے سے ثابت ہوئی ہے۔ پس اس کو قسم کی طرف تمام اجانب سے منسوب نہیں کیا جائے گا۔ بہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب اس نے کسی خاص باندی سے کہا کہ اگر میں تجھے خریدوں تو کفارہ قسم میں تو آزاد ہے۔ تو وہ کفارے میں آزاد ہو جائے گی۔ جیسے ہی آدمی اس کو خریدے گا۔ کیونکہ اس کیلئے کوئی دوسری جانب حریت کو ثابت کرنے والی نہیں ہے۔ پس آزادی کو قسم کی طرف منسوب کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی کیونکہ نیت کفارہ خریدنے سے فی ہوئی ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر شخص نے کہا کہ پہلے غلام کہ خریدوں آزاد ہے تو اس کے کہنے کے بعد جس پہلے خریدے گا آزاد ہو جائیگا اور دو غلام ایک ساتھ خریدے تو کوئی آزاد نہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی پہلا نہیں۔ اور اگر کہا کہ پہلے غلام جس کا میں ملک ہوں گا آزاد ہے اور دوسرے غلام کا ملک ہوا تو جو پورا ہے آزاد ہے اور آدھا کچھ نہیں۔ اسی طرح اگر کہیں نسبت کہا کہ پہلا تھان جو خریدوں صدقہ ہے اور دوسرا تھان ایک ساتھ خریدتا تو ایک پورے کو تصدق کرے۔ اگر کہا کہ پچھلا غلام جس کو میں خریدوں آزاد ہے اور اس کے بعد چند غلام خریدے تو سب میں پچھلا آزاد ہے۔ اور اس کا پچھلا ہونا اس وقت معلوم ہوگا جب یہ شخص مرے اس واسطے کہ جب تک زندہ ہے کسی کو پچھلا نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ اب سے آزاد نہ ہوگا بلکہ جس وقت اس نے خرید ہے اسی وقت سے آزاد قرار دیا جائیگا ہذا اگر صحت میں خرید جب تو بالکل آزاد ہے اور مرض الموت میں خرید تو تہائی مال سے آزاد ہوگا۔ اور اگر اس کہنے کے بعد صرف ایک ہی غلام خریدا ہے تو آزاد نہ ہوگا کہ یہ پچھلا تو جب ہوگا جب اس سے پہلے اور بھی خرید ہوتا۔ (در مختار کتاب الایمان)

باندی کی آزادی کو جماع سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ) (قَالَ) (إِنْ تَسَرَّيْتُ جَارِيَةً فَهِيَ حُرَّةٌ) فَتَسَرَّى جَارِيَةً كَانَتْ فِي مِلْكِهِ عَتَقَتْ لِأَنَّ الْوَحْمِينَ انْعَقَدَتْ فِي حَقِّهَا لِمُصَادَفَتِهَا الْمِلْكَ وَهَذَا لِأَنَّ الْجَارِيَةَ مُنْكَرَةٌ فِي هَذَا الشَّرْطِ فَتَنْسَوِلُ كُلَّ جَارِيَةٍ عَلَى الْإِنْفِرَادِ (وَإِنْ اشْتَرَى جَارِيَةً فَتَسَرَّاهَا لَمْ تَعْتَقْ) خِلَافًا لِذَلِكَ فَإِنَّهُ يَقُولُ: التَّسَرَّى لَا يَصِحُّ إِلَّا فِي الْمِلْكِ فَكَانَ ذِكْرُهُ ذِكْرَ الْمِلْكِ وَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ لِأَجْنَبِيَّةٍ إِنْ طَلَقْتُكَ فَعَبْدِي حُرٌّ بِصِيرِ التَّرْوُجِ مَذْكُورًا.

وَلَنَا أَنَّ الْمِلْكَ بِصِيرِ مَذْكُورًا ضَرُورَةً صِحَّةُ التَّسَرَّى وَهُوَ شَرْطٌ فَيَقْدَرُ بِقَدْرِهِ وَلَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ صِحَّةِ الْجَزَاءِ وَهُوَ الْحُرِّيَّةُ، وَفِي مَسْأَلَةِ الطَّلَاقِ إِنَّمَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الشَّرْطِ دُونَ الْجَزَاءِ، حَتَّى لَوْ قَالَ لَهَا إِنْ طَلَقْتُكَ فَانْتِ طَالِقٌ ثَلَاثًا فَتَرْوُجُهَا وَطَلَقَهَا وَاحِدَةً لَا تَطْلُقُ ثَلَاثًا فَهَذِهِ وَرَأْنُ مَسْأَلَتِنَا.

ترجمہ

اور جس شخص نے کہا کہ اگر میں اپنی باندی سے جماع کروں تو وہ آزاد ہے اس کے بعد اس نے ایسی باندی سے جماع کیا جو اس کی ملکیت میں ہے تو وہ باندی آزاد ہو جائے گی کیونکہ قسم اس باندی کے حق میں پائی گئی ہے اور اس لئے کہ وہ آقا کی ملکیت سے علی

ہوئی ہے اور اس یہ حکم اس دلیل کے سبب بھی ہے کہ اس شرط میں باندی گمراہ ہے پس ایک ایک کر کے ہر باندی کو شامل ہوگا اور جب اس نے باندی کو خرید کر اس سے جماع کیا تو اس قسم سے وہ باندی آزاد نہ ہوگی۔

امام زفر علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے ان کے نزدیک تسری ملکیت میں صحیح ہے لہذا تسری کا ذکر ملکیت ہی کا ذکر ہے لہذا یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے کسی شخص نے اجنبی عورت سے کہا کہ اگر میں تجھے طلاق دوں میرا غلام آزاد ہے۔ اس قول کے مطابق نکاح کرنا مذکور ہو جائے گا۔ جبکہ ہماری دلیل یہ ہے کہ تسری کے صحیح ہونے کیلئے بطور ضرورت ملکیت مذکور ہوگی اور شرط بھی یہی چیز ہے پس ضرورت کے مطابق ملکیت مقدر ہوگی۔ لہذا جزاء کے حق میں اس کا اظہار نہ ہوگا جبکہ طلاق والے مسئلہ میں ملکیت صرف شرط کے حق میں ظاہر ہوگی۔ اور یہ جزاء کے حق میں ظاہر نہ ہوگی یہاں تک کہ جب اس نے کسی اجنبی عورت سے کہا کہ جب میں تجھے طلاق دوں تو تو مطلقہ ثلاثہ ہے اس کے بعد اس نے اس عورت سے نکاح کیا اور اس کو طلاق دی تو مطلقہ ثلاثہ نہ ہوگی یہی مسئلہ ہمارے مسئلے کی مثال ہے۔

وجود شرط و وجود جزاء کو تسلیم ہے

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شوہر نے طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا ہے لہذا شرط کے پائے جانے کے ساتھ جزاء بھی پائے جائے گی کیونکہ یہ تصرف یحییٰ ہے یعنی تصرف کو شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے لہذا اگر شرط کے موجود ہونے کے وقت ملکیت پائی جا رہی ہو تو یہ تصرف درست شمار ہوتا ہے اسی لئے یہاں یہ بات ضروری نہیں ہوگی جس وقت شوہر نے اس چیز کو شرط قرار دیا تھا اس وقت وہ طلاق کا مالک تھا یا نہیں تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے جس وقت شرط پائی گئی ہے اس وقت یعنی طور پر شوہر کو اس چیز کی ملکیت حاصل تھی کہ وہ عورت کو طلاق دے سکتا تھا۔ شرط کے پائے جانے سے پہلے اس کا اثر یہی ہونا چاہیے۔ اگر اس تصرف میں رکاوٹ ہو تو اس صورت میں یہ تصرف کرنے والے شخص تک محدود رہے گا۔ امام شافعی نے اپنے موقف کی تائید میں جو حدیث پیش کی تھی احناف یہ کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے جب تک نکاح موجود نہ ہو طلاق منجز (یعنی فوری زمانہ حال میں طلاق دینا) واقع نہیں ہو سکتی ہے۔ حدیث میں اس سے یہی مفہوم مراد ہے یہ مفہوم سلف سے بھی منقول ہے جن میں امام شافعی، امام زہری اور دیگر اہل علم شامل ہیں۔

آزادی میں لفظ کل کے احاطے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ كُلُّ مَمْلُوكٍ لِي حُرٌّ تَعْتَقُ امْتِهَابُ أَوْلَادِهِ وَمَذَبْرُوهُ وَعَبِيدُهُ) لَوْ جُودَ الْإِصَافَةُ الْمُطْلَقَةِ فِي هَؤُلَاءِ، إِذَا الْمِلْكَ ثَابِتٌ فِيهِمْ رَقَبَةً وَبَدًا (وَلَا يُعْتَقُ مُكَاتَّبُوهُ إِلَّا أَنْ يُنَوِّهَهُمْ) لِأَنَّ الْمِلْكَ غَيْرُ ثَابِتٍ بَدًا وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ ائْتِسَابُهُ وَلَا يَحِلُّ لَهُ وَطْءُ الْمُكَاتَّبَةِ، بِخِلَافِ أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمَذَبْرَةِ فَاخْتَلَتْ الْإِصَافَةُ فَلَا بُدَّ مِنَ النِّيَّةِ.

ترجمہ

اور جس شخص نے کہا کہ میرا بر مملوک آزاد ہے تو اس کے امہات اولاد، مدبر اور تمام غلام آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان تمام میں علی الاطلاق اضافت پائی جا رہی ہے کیونکہ ان میں رقبہ اور قبضہ دونوں کے اعتبار سے ملکیت ثابت ہے ہاں اس کے مکاتب آزاد نہ ہوں گے ہاں جب آقا ان کی نیت کرے کیونکہ قبضہ کے اعتبار سے مکاتب کی ملکیت ثابت نہیں ہے کیونکہ وہ مکاتب کی مکمل مالک نہ ہے اور مکاتب اس سے نہیں کہ اس سے اس کیلئے ولی کرتا حلال نہیں ہے جبکہ ام ولد اور مدبرہ میں ایسا نہیں ہے۔ اور مکاتب میں خلل ڈالنے والی چیز اضافت ہے لہذا اس کیلئے نیت کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔

لفظ ”کل“ کے الحاق شرط کا بیان

اس کے بعد مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے مذکورہ بالا الفاظ میں سے لفظ ”کل“ اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرط کے لئے استعمال نہیں ہوتا کیونکہ اس کے بعد ہمیشہ اسم استعمال ہوتا ہے جبکہ شرط کے لئے حرف شرط کے بعد فعل آیا کرتا ہے اور شرط اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ جزاء متعلق ہو اور جزاء کا تعلق فعل کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے جب یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے شرط کے لئے استعمال ہوتا نہیں ہے تو پھر آپ نے اسے یہاں کیوں ذکر کیا ہے۔ مصنف اس کا جواب دیتے ہوئے یہ بات بیان کرتے ہیں: اس کو شرط کے ساتھ اس لئے لاحق کیا گیا ہے کیونکہ فعل کا اسی اسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے جو اس لفظ کے بعد آ رہا ہوتا ہے۔ جیسے آپ یہ کہیں۔ ”ہر وہ غلام جسے میں خریدوں وہ آزاد ہوگا۔“

بیویوں کو مطلقہ کہنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِبِسْوَةٍ لَهُ هَذِهِ طَالِقٌ أَوْ هَذِهِ وَهَذِهِ طَلَّقْتُ الْأَخِيرَةَ وَلَهُ الْخِيَارُ فِي الْأَوَّلَيْنِ) لِأَنَّ كَلِمَةَ أَوْ لِإِثْبَاتِ أَحَدِ الْمَذْكُورَيْنِ وَقَدْ أَذْخَلَهَا بَيْنَ الْأَوَّلَيْنِ ثُمَّ عَطَفَ الثَّلَاثَةَ عَلَى الْمُطْلَقَةِ لِأَنَّ الْعَطْفَ لِلْمُشَارَكَةِ فِي الْحُكْمِ فَيَخْتَصُّ بِمَحَلِّهِ قَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ إِحْدَاكُمَا طَالِقٌ وَهَذِهِ (وَكَذَا إِذَا قَالَ لِعَبِيدِهِ هَذَا حُرٌّ أَوْ هَذَا وَهَذَا عَتَقَ الْأَخِيرُ وَلَهُ الْخِيَارُ فِي الْأَوَّلَيْنِ) لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی بیویوں سے کہا یہ یہ مطلقہ یا یہ اور یہ اور خدائی مطلقہ ہو جائے گی۔ اور پہلی دونوں میں اس کیلئے اختیار ہوگا کیونکہ کلمہ ”او“ مذکورین میں سے کسی ایک کے اثبات کیلئے ہے۔ اور حائف نے اس کو اپنی پہلی دونوں بیویوں کے درمیان میں داخل کیا ہے۔ اور اس کے بعد مطلقہ پر تیسری کا عطف ڈالا ہے۔ کیونکہ عطف حکم کی مشارکت کیلئے ہوتا ہے۔ پس وہ اپنے کل

کے ساتھ خاص ہوگا۔ یہ اسی طرح ہو جائے گا جیسے اس نے اس طرح کہا احد اکما طالق وحدہ اور اسی جب کسی نے اپنے غلاموں سے کہا کہ یہ آزاد ہے یا یہ اور یہ تو آخری غلام آزاد ہو جائے گا جبکہ پہلے دونوں میں اس کو اختیار دیا جائے گا۔ اور اس کی دلیل وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

عطف بہ حرف کا بیان

عطف بالحروف وہ تابع ہے کہ اس کی طرف وہی کچھ منسوب ہوتا ہے جس کی نسبت اس کے متبوع کی طرف ہوتی ہے اور اس نسبت سے یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں، اسے عطف نسق بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے قَامَ زَيْنٌ وَعَمْرُو وضاحت: اس مثال میں عَمْرُو معطوف بالحرف ہے۔ قَامَ نَصْل کی نسبت زَيْنٌ اور عَمْرُو دونوں کی طرف کی گئی ہے اور اس نسبت سے یہ دونوں ہی مقصود ہیں۔

معطوف کی تعریف

معطوف وہ تابع ہے جو حرف عطف کے بعد واقع ہو اور تابع و متبوع دونوں مقصود بالنسبہ ہوں۔ تابع کو معطوف اور متبوع کو معطوف علیہ کہتے ہیں، جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْنٌ وَعَمْرُو۔ میں زینہ معطوف علیہ اور عَمْرُو معطوف ہے۔

نوٹ:

تابع اور متبوع دونوں مقصود بالنسبہ تو ہونگے لیکن ضروری نہیں کہ دونوں کی طرف نسبت کی نوعیت بھی ایک ہو جیسے جَاءَ نَبِيٌّ زَيْنٌ لَا عَمْرُو، یہاں زینہ کی طرف آنے کی اور عَمْرُو کی طرف نہ آنے کی نسبت کی گئی ہے۔ اور یہاں یہ مقصود بھی تھا کہ زینہ کی طرف آنے کی نسبت کی جائے اور عَمْرُو سے انکی نفی کی جائے لہذا یہ دونوں مقصود بالنسبہ ہوئے اگرچہ نسبت کی نوعیت مختلف ہے۔

حرف عطف دس ہیں: واو۔ فاء۔ ثم۔ حتی۔ او۔ اما۔ ام۔ لا۔ بل۔ لکن۔

معطوف کے چند ضروری قواعد

☆ اسم کا عطف اسم پر فعل کا فعل، حرف کا حرف، مفرد کا مفرد، جمع کا جمع، نیز عامل کا عامل، اور معمول کا معمول پر ہوتا ہے۔

☆ جملہ اسمیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر اور فعلیہ کا فعلیہ پر مناسب ہوتا ہے لیکن برعکس بھی جائز ہے۔ جیسے جَاءَ زَيْنٌ وَعَلِيٌّ ذَقَبَ۔

☆ اسم ظاہر کا عطف اسم ظاہر یا اسم ضمیر پر اور اسم ضمیر کا عطف اسم ضمیر یا اسم ظاہر پر جائز ہے۔ جیسے جَاءَ زَيْنٌ وَعَمْرُو، جَاءَ زَيْنٌ وَأَنْتَ مَا جَاءَ نَبِيٌّ إِلَّا أَنْتَ وَعَلِيٌّ وَأَنَا وَأَنْتَ صَدِيقَانِ۔

☆ بسا اوقات جسے کے شروع میں واقع ہونے والی واو عطف کی غرض سے نہیں آتی بلکہ استیفاء کیلئے آتی ہے۔ جیسے وَقَالَ اَتَاخَذُ الرَّحْمَنُ وَلَدًا اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ وَاقْتُ اس وقت اسے واو متانفہ اور جملے کو جملہ مستانہ کہتے ہیں۔

☆ ضمیر مرفوع متصل بارز یا مستتر پر عطف کرنا ہو تو پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اسکی تاکید لانا ضروری ہے۔ جیسے نَحْنُ نُنْعِمُ وَ مَنْ مَعَكُمْ (تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے نجات پائی) اَسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۔

☆ ضمیر مجرور پر عطف کرنا ہو تو عموماً حرف جر کا اعادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے مَرَدْتُ بِهٖ وَ بَزَّيْتُهٖ اَوْ بَعْضُ اَوْ اَعَادَہٗ نَہِیْسَ کِیَا جَا تَا جِیْسَ قَرَأَن پَاک مِیْن وَ تَحْفَرُ بِهٖ وَ اَلْمَسْجِدِ اَلْحَرَامِ آ یَا ہ۔

فائدہ: بعض عبارتوں میں عطف کی یہ نشانیاں ہوتی ہیں۔ عط عط یا عطف عطف۔

عطف بیان کی تعریف

وہ تابع ہے جو صفت تو نہ ہو لیکن صفت کی طرح اپنے متبوع کو واضح کرے یہ اپنے متبوع سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔ جیسے اَقْسَمَ بِاللّٰهِ اَبُو حَفْصٍ عُمَرُو ۔ اس مثال میں عمر تابع ہے جس نے متبوع ابو حفص کو واضح کیا۔ اور قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ اَبُو هُرَيْرَةَ، تابع کو عطف بیان اور متبوع کو مبین کہتے ہیں۔

عطف بیان کے چند ضروری قواعد

☆ اگر کنیت اور علم ایک ساتھ آجائیں تو ان میں سے مشہور کو عطف بیان بنائیں جیسے مذکورہ بالا مثالوں میں پہلی میں عُمَرُو اور دوسری میں اَبُو هُرَيْرَةَ عطف بیان ہیں۔

☆ اگر متبوع معروف ہو تو عطف بیان اسکی وضاحت کرتا ہے جیسے مذکورہ مثالیں اور مکرہ ہو تو اسکی تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے وَ يُسْقٰی مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ۔ اس مثال میں صمدید عطف بیان نے ماء متبوع کی تخصیص کی۔

☆ عطف بیان تخصیص اور ازالہ وہم کیلئے بھی آتا ہے جیسے اَوْ كَفَّارَةً طَعَامٍ مَّسْكِيْنٍ اور اَمَّا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ رَبِّ مُؤَسٰی وَ هَارُوْنَ ۔

طعام مَسْكِيْنٍ نے کفارہ کی اقسام میں طعام کو خاص کر دیا ہے اور لفظ رَبِّ مُؤَسٰی وَ هَارُوْنَ نے فرعون پر ایمان لانے اور اسکے دعوائے ربوبیت کا ازالہ کیا ہے۔

بَابُ الْيَمِيْنِ فِي الْبَيْعِ وَالشَّرَاءِ وَالتَّزْوِجِ وَغَيْرِ ذَلِكَ

یہ باب خرید و فروخت اور تزویج وغیرہ میں قسم کھانے کے بیان میں ہے

باب بیع و شراہ کی قسم کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے غیر ذالک سے مراد طلاق، عتاق اور ضرب مراد لیا ہے کیونکہ ان چیزوں کا تصرف قسم کے کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ ان کے کثرت وقوع کے سبب ان کو مابعد سے مقدم ذکر کیا ہے۔

(عنایہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۹۰، بیروت)

خرید و فروخت میں قسم کا اطلاق عرف میں عام ہے بلکہ ہمارے لاہور اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں ابھی کئی بازاروں میں قسم کھانے کا رواج عام ہے بلکہ گاہک کو ذیل کرنے کے مختلف طریقے بنائے ہیں جن سے کلام کبھی صراحت کے ساتھ قسم کے الفاظ اور کبھی کنایہ کے ساتھ حلف و یقین دہانی کرانے کیلئے طرز کلام استعمال کیا جاتا ہے۔

خرید و فروخت نہ کرنے کی قسم کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَبِيعُ أَوْ لَا يَشْتَرِي أَوْ لَا يُوَاجِرُ فَوَكَّلَ مَنْ فَعَلَ ذَلِكَ لَمْ يَحْثُ) لِأَنَّ الْعَقْدَ وَجَدَ لَهُ مِنَ الْعَاقِدِ حَتَّى كَانَتْ الْحُقُوفُ عَلَيْهِ ، وَلِهَذَا لَوْ كَانَ الْعَاقِدُ هُوَ الْحَالِفُ يَحْثُ فِي يَمِيْنِهِ فَلَمْ يُوْجَدْ مَا هُوَ الشَّرْطُ وَهُوَ الْعَقْدُ مِنَ الْأَمْرِ ، وَإِنَّمَا الثَّابِتُ لَهُ حُكْمُ الْعَقْدِ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ ذَلِكَ لِأَنَّ فِيهِ تَشْدِيدًا أَوْ يَكُونُ الْحَالِفُ ذَا سُلْطَانٍ لَا يَتَوَلَّى الْعَقْدَ بِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ نَفْسَهُ عَمَّا يَعْتَادُهُ

ترجمہ

اور جس شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ نہ بیع کرے گا نہ خریدے گا اور نہ اجرت پر دے گا پھر اس نے ایسے بندے کو وکیل بنایا جس نے یہ قسم کام سرانجام دیدیے۔ تو حالف حاث نہ ہوگا کیونکہ یہاں عقد عائد کی جانب سے پایا جا رہا ہے حتی کہ عقد کے حقوق عقد سے متعلق ہیں۔ لہذا اگر حالف عائد ہوتا تو وہ حاث ہو جاتا پس جو اس میں شرط تھی وہ نہیں پائی گئی اور عقد کا آمر کی طرف پایا جاتا تھا بندہ آمر کیلئے عقد کا حکم تو ثابت ہو چکا ہے ہاں البتہ جب اس نے اسکی نیت کی ہو کیونکہ اس میں مشقت ہے یا حالف دہرے والا ہو اور بذات خود عقد نہ کرنا ہو کیونکہ اس نے خود ایسے کام سے روکا ہے جس کو نہ کرنا اس کی عادت ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بعض عقد اس قسم کے ہیں کہ ان کے حقوق انکی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے وہ عقد صادر ہو اور اس میں وکیل کو انکی حاجت نہیں کہ یہ کہے میں فلاں کی طرف سے یہ عقد کرتا ہوں جیسے خریدنا، بیچنا، کرایہ پر دینا، کرایہ پر لینا۔ اور بعض فعل ایسے ہیں جن میں وکیل کو موکل کی طرف سے حاجت ہوتی ہے جیسے مقدمہ لڑانا کہ وکیل کو کہنا پڑے گا کہ یہ دعویٰ میں اپنے فلاں موکل کی طرف سے کرتا ہوں اور بعض فعل ایسے ہوتے ہیں جن میں اصل فائدہ اسی کو ہوتا ہے جو اس فعل کا کاربہ ہے یعنی جس پر وہ فعل واقع ہے جیسے اولاد کو مارنا۔ ان تینوں قسموں میں اگر خود کرے تو قسم ٹوٹے گی اور اس کے حکم سے دوسرے نہ کیے تو نہیں مثلاً قسم کھائی کہ یہ چیز میں نہیں خریدوں گا اور دوسرے سے خریدوائی یہ قسم کھائی کہ گھوڑا کرایہ پر نہیں دوں گا اور دوسرے سے یہ کام لیا یہ دعویٰ نہ کروں گا اور وکیل سے دعویٰ کرایہ یا اپنے لڑکے کو نہیں ماروں گا اور دوسرے سے مارنے کو کہا تو ان سب صورتوں میں قسم نہیں ٹوٹی۔ اور جو عقد اس قسم کے ہیں کہ ان کے حقوق اسکے لیے نہیں جس سے وہ عقد صادر ہوں کہ یہ شخص محض متوسط ہوتا ہے برحق اس کے لیے ہوں جس نے حکم دیا ہے اور جو موکل ہے جیسے نکاح، غلام آزاد کرنا، بیہ صدقہ، وصیت، قرض لینا، امانت رکھنا، عاریت دینا، عاریت لینا، یا جو فعل ایسے ہوں کہ ان کا نفع اور مصرت قسم کرنے والے کے لیے ہے جیسے غلام کو مارنا، ذبح کرنا، ذبح کرنا، تقاضا، ذبح کا قبضہ کرنا، کپڑا پہننا، کپڑا سلوانا، مکان بنوانا تو ان سب میں خواہ خود کرے یا دوسرے سے کرائے بہر حال قسم ٹوٹ جائے گی مثلاً قسم کھائی کہ نکاح نہیں کریں گے اور کسی کو اپنے نکاح کا وکیل کر دیا اس وکیل نے نکاح کر دیا یا بہ صدقہ وصیت اور قرض لینے کے لیے دوسرے کو وکیل کیا اور وکیل نے یہ کام انجام دیے یا قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا اور دوسرے سے کہا اس نے پہنا دیا تو قسم کھائی کہ کپڑے نہیں سلوائے گا اس کے حکم سے دوسرے نے سلوائے یا مکان نہیں بنایا گا اور اسکے حکم سے دوسرے نے بنایا تو قسم ٹوٹ گئی۔ (فتح القدیر شرح ہدایہ کتاب الایمان)

شادی نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَنَفَ لَا يَتَرَوُجُ أَوْ لَا يُطَلِّقُ أَوْ لَا يُعْتَقُ فَوَكَّلَ بِذَلِكَ حَيْثُ) لَأَنَّ الْوَكِيلَ فِي هَذَا مَفْضِرٌ وَمُعَبَّرٌ وَلِهَذَا لَا يُضَيِّفُهُ إِلَى نَفْسِهِ نَلْ إِلَى الْأَمْرِ، وَحُقُوقُ الْعَقْدِ تَرْجِعُ إِلَى الْأَمْرِ لَا إِلَيْهِ (وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ أَنْ لَا أَتَكَلَّمَ بِهِ لَمْ يَدِينْ فِي الْقَضَاءِ خَاصَّةً) وَسَنْشِيرُ إِلَى الْمَعْنَى فِي الْفَرْقِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ

اور جس شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ شادی نہ کرے گا یا طلاق نہیں دے گا یا آزاد نہیں کرے گا پھر اس نے اس کا وکیل بنایا تو وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ اس حوالے سے وکیل ترجمان و سفیر ہے اسی سبب سے وہ عقد کو اپنی جانب مضاف کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ

وہ اس کو آمر کی طرف منسوب کرتا ہے اور عقد کے حقوق آمر کی طرف لوٹنے والے ہیں وکیل کی طرف نہ ہوں گے۔ اور جب حائث نے کہا کہ میری نیت یہ تھی کہ ان کاموں میں خود کلام نہ کروں گا تو صرف قضاء کے اعتبار سے اس کی تصدیق کر لی جائے۔ اور ہم ان شاء اللہ ان کا فرق بیان کریں گے۔

قاعدہ، وکالت ان چیزوں میں جائز ہے

وکالت ان چیزوں میں جائز ہے جہاں اصل موکل کے بغیر اس کام کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ (الفروق)

اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ کئی عبادات یا معاملات میں ایسے بھی احکام ہیں جہاں اصل آدمی کے سوا اگر اس کا وکیل اختیار کر اصل آدمی کی طرف سے عطا کردہ طاقت کے مطابق استعمال کرے، تو شریعت کے مطابق اس کیلئے جائز ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ ولا يضار كاتب ولا شهيد (الخ)

کسی کا تب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ جس سے کتابت کر رہے ہیں اس کو اپنی دستاویزات کا گواہ اور وکیل بنا رہے ہیں لہذا اُسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

جس طرح کسی کو دولہا کی طرف سے وکیل بنایا جاتا ہے اور وہ دولہا کی جگہ پر اقرار نکاح کرتا ہے تاہم اس کا اختیار صرف اقرار تک ہوتا ہے نہ کہ پورے دولہا کے احکام اسے پر دے دیتے جاتے ہیں۔

قاعدہ، ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص سے پورا نہ ہو

ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص یعنی موکل کے بغیر پورا نہ ہو سکے، اس میں وکالت جائز نہیں۔ (الفروق) اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح نماز میں کسی شخص کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اس طرح تو اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے کہ نماز کا مقصد بندگی اور کمال خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے، لیکن وکیل کے خشوع و خضوع سے موکل میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح قسم کھانے کا معاملہ ہے کیونکہ قسم کھانے کا اصل خشاء و مقصد یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کی صداقت کا اظہار کرے لیکن دوسرے شخص کی قسم کھانے سے پہلے شخص کی صداقت کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

اسی طرح اشد ضرورت کے بغیر شہادت کیلئے بھی کسی دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا، البتہ بعض خاص حالات و واقعات اور ضرورت کے موقع پر بعض علماء اس کیلئے بھی وکیل بنانے کے قائل ہیں اور انکی وجہ بھی یہ ہے کہ گواہ کی صداقت کا اعتبار نہیں ہو سکتا، گناہ اور معصیت کی بھی وکالت نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ شریعت ہمیں گناہوں سے روکتی ہے۔ اور جبکہ ان میں وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر انہیں ثابت کیا جائے۔ جو اس کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔ (الفروق)

انتباہ:

چوری، زنا اور کئی حدود و قصاص کے بہت زیادہ مسائل ہیں جہاں کسی کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اور نہ ہی حدود کا نفاذ وکیل کی وجہ

سے اصل پر جاری کیا جاسکتا ہے۔

مدرسہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ فلاں چیز نہیں خریدے گا یا نہیں بیچے گا اور نیت یہ ہے کہ نہ خود اپنے ہاتھ سے خریدے نہ بیچے گا نہ دوسرے سے یہ کام لے گا اور دوسرے سے خریدے والی یا بیچے والی تو قسم ٹوٹ گئی کہ ایسی نیت کر کے اس نے خود اپنے اوپر سختی کر لی۔ اسی طرح اگر ایسی نیت تو نہیں ہے مگر یہ قسم کھانے والا ان لوگوں میں ہے کہ ایسی چیز اپنے ہاتھ سے خریدتے بیچتے نہیں ہیں تو اب بھی دوسرے سے خریدے والے بیچنے سے قسم ٹوٹ جائیگی۔ اور اگر وہ شخص کبھی خود خریدے یا اور کبھی دوسرے سے خریدے یا داتا ہے تو اگر اکثر خود خریدے یا داتا ہے تو دکیل کے خریدنے سے نہیں ٹوٹے گی اور اگر اکثر خریدے یا داتا ہے تو ٹوٹ جائیگی۔ (بحر الرائق، کتاب الامایان)

قسم کھائی کہ فلاں چیز نہیں خریدے گا یا نہیں بیچے گا اور دوسرے کی طرف سے خریدی یا بیچی تو قسم ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ نہیں خریدے گا یا نہیں بیچے گا اور بیع فاسد کے ساتھ خریدی یا بیچی تو قسم ٹوٹ گئی اگرچہ بغیر نہ ہوا ہو۔ اسی طرح اگر بیع یا مشتری نے اختیار واپسی کا اپنے لیے رکھا ہو جب بھی قسم ٹوٹ گئی۔

ترک شادی پر وعید کا بیان

حضرت انسؓ کہتے ہیں، تین آدمی حضور ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کرنے کے لیے آپ کی بیویوں کے پاس معلوم کرنے گئے، جب انہیں بتایا گیا تو انہوں نے آپ ﷺ کی عبادت کی مقدار کو کم جانا، کہنے لگے نبی ﷺ سے ہمارا کیا مقابلہ؟ ان سے نہ تو پہلے گناہ ہوئے نہ بعد میں ہوئے۔ (اور ہم لوگ معصوم نہیں ہیں، پس ہمیں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہیے) چنانچہ ان میں ایک نے اپنے لیے یہ طے کیا کہ وہ ہمیشہ پوری رات نوافل میں گزارے گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ بلا تاخیر نفل روزے رکھوں گا اور تیسرے صاحب نے کہا میں زندگی بھر عورتوں سے الگ تھک رہوں گا۔ کبھی شادی نہ کروں گا، جب آپ ﷺ کو ان کے ان جو گیا نہ خیالات کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ تم ہی لوگ جو جنہوں نے اس طرح کا ارادہ کیا ہے؟ دیکھو میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں اور اس کی نافرمانی سے بچنے والا ہوں لیکن دیکھو میں روزے بھی رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا، نوافل بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور دیکھو میں بیویاں بھی رکھتا ہوں سو تمہارے لیے خیریت میرے طریقہ کی پیروی میں ہے اور جس کی نگاہ میں میری سنت کی وقعت نہیں، جو میری سنت سے بے رخی برتے وہ میرے گروہ میں سے نہیں، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (مسلم)

غلام کو نہ مارنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(لَوْ خَلَفَ لَا يَضْرِبُ عَبْدُهُ أَوْ لَا يَذْبَحُ شَاتَهُ فَأَمَرَ غَيْرَهُ فَفَعَلَ يَحْتَ فِي يَمِينِهِ) لِأَنَّ الْمَالِكَ لَمْ يُلَاحِظْ ضَرْبَ عَبْدِهِ وَذَبْحَ شَاتِهِ فَمِنْكَ تَوَلَّيْتَهُ غَيْرَهُ ثُمَّ مَنَعْتَهُ رَاجِعَةً إِلَى

الْأَمْرِ فَبَجَعَلُ هُوَ مُبَاشِرًا إِذْ لَا حُقُوقَ لَهُ تَرْجِعُ إِلَى الْمَأْمُورِ (وَلَوْ قَالَ عَنَيْتُ أَنْ لَا أَتَوَلَّى ذَلِكَ بِنَفْسِي دِينَ فِي الْقَضَاءِ) بِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الطَّلَاقِ وَغَيْرِهِ .
وَوَجْهُ الْفَرْقِ أَنَّ الطَّلَاقَ لَمْ يَسَّ إِلَّا تَكْلِمًا بِكَلَامٍ يُفْضَى إِلَى وَقُوعِ الطَّلَاقِ عَلَيْهَا ، وَالْأَمْرُ بِذَلِكَ مِثْلُ التَّكْلِيمِ بِهِ وَاللَّفْظُ يَنْتَظِمُهُمَا ، فَإِذَا نَوَى التَّكْلِيمَ بِهِ فَقَدْ نَوَى الْخُصُوصَ فِي الْعَامِّ فَيَدِينُ دِيَانَةً لِقَضَاءٍ ، أَمَّا الذَّبْحُ وَالضَّرْبُ فَيَفْعَلُ حِسِّي يُعَرَفُ بِأَثَرِهِ ، وَالنَّسْبَةُ إِلَى الْأَمْرِ بِالنَّسْبِ مَجَازٌ ، فَإِذَا نَوَى الْفِعْلَ بِنَفْسِهِ فَقَدْ نَوَى الْحَقِيقَةَ فَيَصْلُقُ دِيَانَةً وَقَضَاءً .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے غلام نہ مارے گا اور وہ اپنی بکری کو ذبح نہ کرے گا اس کے بعد اس نے کسی دوسرے شخص کو یہی کام کرنے کا حکم دیا اور اس نے یہ کام کر دیے تو حالف حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ حالف اپنے غلام اور اپنی بکری کا مالک ہے اور اس کو غلام کو مارنے اور بکری کو ذبح کرنے کی ولایت حاصل ہے پس اس کیلئے یہ حق ہوگا کہ وہ کسی دوسرے بندے کا اس کا مالک بنادے اور فقہ کا قاعدہ ہے۔ ”جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ دوسرے کو اس کا مالک بنانے کا حق رکھتا ہے۔ غلام کو مارنے اور بکری کو ذبح کرنے کا نفع خود آمر و حالف کی طرف لوٹنے والا ہے پس حالف کو ہی عائد و مباشر قرار دیں گے اور جب حالف ہی مباشر ہوگا (تو لازمی امر ہے کہ وہی حائث ہوگا) کیونکہ ان کاموں کے حقوق مأمور کی طرف لوٹنے والے نہیں ہیں۔ اور جب حالف نے یہ کہا کہ میری نیت یہ تھی کہ میں بذات خود یہ کام نہ کروں گا تو بطور قضاء اس کی تصدیق کر لی جائے گی۔ البتہ طلاق وحق کے مسائل میں ایسا نہیں ہے جو بیان کر دیے گئے ہیں۔

اور فرق کی دلیل یہ ہے طلاق صرف بولنے کا نام ہے جو بیوی پر وقوع طلاق کا حکم دینا کلام کی طرح ہے اور غلط قسم ان دونوں کو شامل ہے مگر جب حالف نے خود اس سے بولنے کی نیت کی۔ تو ”ا“ نے عام میں خاص کی نیت کی ہے۔ تو بطور دینیت اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن بطور قضاء اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ جبکہ مارنا اور ذبح کرنا یہ حسی فعل ہے۔ جو اپنے اثر سے جان لیا جاتا ہے۔ اور آمر کے سبب ہونے کی وجہ سے اس کی طرف ان کی نسبت مجازی طور پر ہوتی ہے۔ اور جب حالف نے خود اس کام کی نیت کی ہے تو اس یہ اس طرح ہوا جیسے اس نے حقیقت کی نیت کی ہے تو اب بطور دیانت و قضاء اس کی تصدیق کی جائے گی۔

جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ دوسرے کو اس کا مالک بنانے کا حق رکھتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ

جو شخص کسی چیز کا مالک ہوتا ہے وہ دوسرے کو اس کا مالک بنانے کا حق رکھتا ہے۔ قاعدہ فقہیہ، اس کی وضاحت یہ ہے کہ ملکیت ذات اختیار رکھنے والے ہے البتہ شرعی احکام کی رعایت کے مطابق اجازت و اختیار ہے۔

بیٹے کو نہ مارنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَضْرِبَ وَلَدَهُ فَإِمَّا نَأْتَيْنَا بِبُحْتٍ لَّهُ فِي بَيْتِهِ لَأَن نَنْفَعَهُ ضَرْبُ الْوَلَدِ عَائِدَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ التَّأْدِبُ وَالتَّقْطِفُ فَلَمْ يَنْسِبْ فَعَلَهُ إِلَى الْأَمْرِ ، بِخِلَافِ الْأَمْرِ بِضَرْبِ الْعَبْدِ لَأَن نَنْفَعَهُ الْإِنْتِمَارُ بِأَمْرِهِ عَائِدَةٌ إِلَى الْأَمْرِ فَيَصَافُ الْفِعْلُ إِلَيْهِ) وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ إِنْ بَعْتَ لَكَ هَذَا الثَّوْبَ فَأَمْرُهُ طَالِقٌ فَدَسَّ الْمَخْلُوفَ عَلَيْهِ ثَوْبَهُ فِي بَابِ الْحَالِفِ فَبَاعَهُ وَلَمْ يَعْلَمْ لَمْ يَحْنُثْ (لَأَنَّ حَرْفَ اللَّامِ دَخَلَ عَلَى الْبَيْعِ فَيَقْتَضِي اخْتِصَاصَهُ بِهِ ، وَذَلِكَ بِأَن يَفْعَلَهُ بِأَمْرِهِ إِذَا بَاعَ ثَوْبًا مَمْلُوكًا لَهُ ، مَوَاهِدٌ كَانَ بِأَمْرِهِ أَوْ بِغَيْرِ أَمْرِهِ عَلِيمٌ بِذَلِكَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ ، لِأَنَّ حَرْفَ اللَّامِ دَخَلَ عَلَى الْعَيْنِ لِأَنَّهُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ فَيَقْتَضِي الْإِخْتِصَاصَ بِهِ ، وَذَلِكَ بِأَن يَكُونَ مَمْلُوكًا لَهُ ، وَنَظِيرُهُ الصَّبَاغَةُ وَالْخِيَاطَةُ وَكُلُّ مَا تَجْرِي فِيهِ النِّيَابَةُ ، بِخِلَافِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَضَرْبِ الْعَلَامِ لِأَنَّهُ لَا يَحْتَمِلُ النِّيَابَةَ فَلَا يَقْتَرِنُ الْحُكْمُ فِيهِ فِي الْوُجْهِينِ .

ترجمہ

اور جب کسی نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے لڑکے کو نہ مارے گا پھر اس نے کسی دوسرے کا مارنے کا حکم دیا اور ما مور نے اس کو مارا تو حائف اپنی قسم میں حائن نہ ہوگا کیونکہ بچے کو مارنے کی منفعت بچے ہی کی طرف لوٹنے والی ہے اور وہ اس کو ادب سکھانا اور سمجھانا ہے پس اب ما مور کا عمل آمر کی طرف منسوب نہ ہوگا البتہ جب غلام کو مارنے کا حکم دیں تو یہ مسئلہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس کا فائدہ آمر کے حکم کو بجالانا ہے پس یہاں آمر کا آؤر ما مور کی منسوب ہوگا۔

اور جب کسی شخص نے دوسرے آدمی کو کہا کہ جب میں یہ تمہارے لئے کپڑا فروخت کروں تو اس کی بیوی کو طلاق ہے اس کے بعد مخلوف علیہ نے حائف کے کپڑوں میں ایک کپڑا چھپا دیا اور حائف نے اس کو بیچ دیا جبکہ اس کو چھپانے کا پتہ ہی نہیں ہے تو حائف نہ ہوگا کیونکہ حرف لام بیع داخل ہوا ہے اور بیع کو مخلوف علیہ پر ساتھ خاص کرنے کا تقاضہ کرنے والا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ حائف مخلوف علیہ کے حکم سے یہ کام کرے کیونکہ میں نیابت جاری ہوتی ہے۔ اور وہ یہاں نہیں پائی گئی۔ بہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے کہا کہ میں نے تمہارا کپڑا فروخت کیا تو (میری بیوی کو طلاق ہے) تو جب مخلوف علیہ کی ملکیت والا کپڑا فروخت کرے گا تو وہ حائن ہو جائے گا۔ اگرچہ وہ اس کے حکم سے کرے یا اس کے حکم کے بغیر کرے اور خواہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ حرف لام

میں پر داخل ہوا ہے اور وہی عین یعنی کپڑا حرف لام کے قریب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کپڑا مخلوف علیہ کا مملوک ہو اور اس کی مثال زرگری اور روزی ہے اور ہر وہ چیز جس میں نیابت جاری ہو۔ البتہ کھانے پینے اور غلام کو مارنے میں ایب نہیں ہے۔ کیونکہ ان میں سے کسی میں بھی نیابت کا احتمال ہی نہیں ہے پس دونوں صورتوں میں اس کا حکم ایک سا ہوگا۔

وکالت کے جواز کے مواقع کا بیان

وکالت ان چیزوں میں جائز ہے جہاں اصل موکل کے بغیر اس کام کا مقصد پورا ہو سکتا ہے۔ (الفروق) اس کی وضاحت یہ ہے۔ کہ کئی عبادات یا معاملات میں ایسے بھی احکام ہیں جہاں اصل آدمی کے سوا اگر اس کا وکیل اختیار کو اصل آدمی کی طرف سے عطا کردہ طاقت کے مطابق استعمال کرے تو شریعت کے مطابق اس کیلئے جائز ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ ولا یضار کتاب ولا شہید (الخ)

کسی کا تب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ جس سے کتابت کر رہے ہیں اس کو اپنی دستاویزات کا گواہ اور وکیل بنارہے ہیں لہذا اُسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔

جس طرح کسی کو دہا کی طرف سے وکیل بنایا جاتا ہے اور وہ دہا کی جگہ پر اقرار نکاح کرتا ہے تاہم اس کا اختیار صرف اقرار تک ہوتا ہے نہ کہ پورے دہا کے احکام اسے سپرد کئے جاتے ہیں۔

قاعدہ:

ہر وہ فعل جس کا مقصد اصل شخص یعنی موکل کے بغیر پورا نہ ہو سکے، اس میں وکالت جائز نہیں۔ (الفروق)

اس کی وضاحت یہ ہے کہ جس طرح نماز میں کسی شخص کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ اس طرح تو اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے کہ نماز کا مقصد بندگی اور کمال خشوع و خضوع کا اظہار کیا جائے، لیکن وکیل کے خشوع و خضوع سے موکل میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح قسم کھانے کا معاملہ ہے کیونکہ قسم کھانے کا اصل منشاء و مقصد یہ ہے کہ قسم کھانے والا اپنے دعوے کی صداقت کا اظہار کرے لیکن دوسرے شخص کی قسم کھانے سے پہلے شخص کی صداقت کا ثبوت نہیں مل سکتا۔

اسی طرح اشد ضرورت کے بغیر شہادت کیلئے بھی کسی دوسرے شخص کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا، البتہ بعض خاص حالات و واقعات اور ضرورت کے مواقع پر بعض علماء اس کیلئے بھی وکیل بنانے کے قائل ہیں اور انکی وجہ بھی یہ ہے کہ گواہ کی صداقت کا اعتبار نہیں ہو سکتا، گناہ اور معصیت کی بھی وکالت نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ شریعت ہمیں گناہوں سے روکتی ہے۔ اور جبکہ ان میں وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ شرعی طور پر انہیں ثابت کیا جائے۔ جو اس کے بنیادی مقصد کے خلاف ہے۔ (الفروق)

انتہاء:

چوری، زنا اور کئی حدود و قصاص کے بہت زیادہ مسائل ہیں جہاں کسی کو کیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اور نہ ہی حدود کا نفاذ و کیل کی وجہ سے اصل پر جاری کیا جاسکتا ہے۔

غلام کی آزادی کو فروخت سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ هَذَا الْعَبْدُ حُرٌّ إِنْ بَعْتَهُ فَبَاعَهُ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ عَتَقَ) لَوْ جُودَ الشَّرْطُ وَهُوَ الْبَيْعُ وَالْمِلْكُ فِيهِ قَائِمٌ لَقَبِلَ الْجَزَاءُ (وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ الْمُشْتَرِي إِنْ اشْتَرَيْتَهُ فَهُوَ حُرٌّ فَاشْتَرَاهُ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ عَتَقَ) أَيْضًا لِأَنَّ الشَّرْطَ قَدْ تَحَقَّقَ وَهُوَ الشِّرَاءُ وَالْمِلْكُ قَائِمٌ فِيهِ، وَهَذَا عَلَى أَصْلِهِمَا ظَاهِرٌ، وَكَذَلِكَ عَلَى أَصْلِهِ لِأَنَّ هَذَا الْعِتْقَ بِتَغْلِيْقِهِ وَالْمُعْلَقُ كَالْمُنْجَزِ، وَلَوْ نَجَزَ الْعِتْقَ يَثْبُتُ الْمِلْكُ سَابِقًا عَلَيْهِ فَكَذَلِكَ هَذَا (وَمَنْ قَالَ إِنْ لَمْ أَيْعْ هَذَا الْعَبْدُ أَوْ هَذِهِ الْأَمَةُ فَاْمُرَأَتُهُ طَالِقٌ فَاعْتَقَ أَوْ دَبَّرَ طَلَقْتُ أَمْرَأَتَهُ لِأَنَّ الشَّرْطَ قَدْ تَحَقَّقَ وَهُوَ عَدَمُ الْبَيْعِ لِفَوَاتِ مَحَلِّيَةِ الْبَيْعِ)

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کہا کہ میرا غلام آزاد ہے اگر میں اس کو بیچوں اس کے بعد اس نے خیار شرط کے ساتھ اس کو فروخت کر دیا تو وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے اور وہ شرط بیع ہے اور غلام میں ابھی تک مالک کی ملکیت باقی ہے پس جزاء بھی ثابت ہوگی اور اسی طرح جب کسی مشتری نے کہا کہ جب میں اس کو خریدوں تو یہ آزاد ہے اس کے بعد اس نے اس کو خیار شرط کے ساتھ خرید لیا۔ تب وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے اور وہ شرط بیع ہے۔ اور اس میں مشتری کی ملکیت موجود ہے۔ صاحبین کی دلیل ملکیت کی بقاء ہے جبکہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے دلیل پر بھی وہ باقی ہے کیونکہ یہ معلق آزاد ہے اور معلق آزادی مجر کی طرح ہوتی ہے اور جب مشتری کو منجز کر دیتا ہے تو آزادی سے سے پہلے اس کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے پس یہ بھی ایسے ہی ہو جائے گا۔ اور جس شخص نے کہا کہ میں نے یہ غلام یا باندی فروخت نہ کی تو میری بیوی کو طلاق ہے اس کے بعد اس نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور باندی کو بد برباد کر دیا تو اس کی بیوی مطلقہ ہو جائے گی کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے اور وہ شرط بیع ہے۔ اور بیع کا محل فوت ہو چکا ہے۔ (لہذا حکم ثابت ہو جائے گا)

شرح

قسم کھائی کہ بیچنے کے لیے غلام نہ خریدے گا اور اگر کے خرچ کے لیے خرید لیا مگر کسی وجہ سے بیچ ڈالا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ

مکان نہیں بیچے گا اور اسے عورت کے مہر میں دیا اس میں دوسو تیس ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مکان ہی مہر ہو کہ نکاح میں یہ کہا ہو کہ جو شخص اس مکان کے تیرے نکاح میں دی جب تو نہیں ٹوٹی اور اگر روپے کا مہر بندھا تھا مثلاً اتنے سو یا اتنے ہزار روپے دین مہر کے عوض تیرے نکاح میں دی اور روپے کے عوض اس نے مکان دیدیا تو قسم ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ فلاں سے نہیں خریدے گا اور اس سے بیع سم کے ذریعہ سے کوئی چیز خریدی تو قسم ٹوٹ گئی قسم کھائی کہ کپڑا نہیں خریدے گا اور کس یا ٹاٹ یا بھونٹا یا ٹوٹی یا قالین خریدی تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر قسم کھائی کہ کپڑا نہیں خریدے گا تو استعفیٰ کپڑا، بے ڈھلا ہوا بھی خریدنے سے قسم ٹوٹ جائے گی۔ (بحر)

قسم کھائی کہ بیچے گا اور کسی شخص نے بے اس کے حکم کے بیچ دی اور اس نے اس کو جائز کر دیا تو قسم نہیں ٹوٹی ہاں اگر وہ قسم کھانے والا ایسا ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ایسی چیز نہیں بیچتا ہے تو ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ یہ جانور بیچ ڈالے گا اور وہ چوری ہو گیا تو جب تک اس کے مرنے کا یقین نہ ہو قسم نہیں ٹوٹے گی۔ کسی چیز کا ہڈی کا بیع نے کہا میں بارہ روپے سے کم میں نہیں دوں گا اس نے کہا اگر میں بارہ روپے میں لوں تو میری عورت کو طلاق ہے پھر وہی چیز تیرہ میں یا بارہ روپے اور کوئی کپڑا وغیرہ روپے پر اضافہ کر کے خریدی یعنی بارہ سے زیادہ دیے تو طلاق ہوگی اور اگر گیارہ روپے اور ان کے ساتھ کچھ کپڑا وغیرہ دیا تو نہیں۔ (عالمگیری)

مگر بعض کپڑے اس زمانہ میں ایسے ہیں کہ ان کے ڈھننے کی نوبت نہیں آتی وہ اگر اتنے استعمالی ہیں کہ انھیں پرانا کہتے ہوں تو پرانے ہیں۔

بیوی کی طلاق کو معلق کرنے کا بیان

(وَإِذَا قَالَتِ الْمَرْأَةُ لِرَوْحِهَا تَرَوْنِي عَلَى فَقَالَ كُلُّ امْرَأَةٍ لِي طَالِقٌ ثَلَاثًا طَلَقْتُ هَذِهِ النِّسَى حَلْفَتُهُ فِي الْقَضَاءِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهَا لَا تَطْلُقُ لِأَنَّهُ أَخْرَجَهُ جَوَابًا فَيَنْطَبِقُ عَلَيْهِ، وَلِأَنَّ غَرَضَهُ إِرْضَاؤُهَا وَهُوَ بِطَلَاكِ غَيْرِهَا لَيَقْتَضِي بِهِ وَجْهُ الظَّاهِرِ عُمُومُ الْكَلَامِ وَقَدْ زَادَ عَلَى حَرْفِ الْجَوَابِ فَيَجْعَلُ مُبْتَدَأًا، وَقَدْ يَكُونُ غَرَضُهُ إِيحَاشُهَا حِينَ اغْتَرَضَتْ عَلَيْهِ فِيمَا أَحَلَّهُ الشَّرْعُ وَمَعَ التَّرَدُّدِ لَا يَصْلُحُ مُقْبِلًا، وَإِنْ نَوَى غَيْرَهَا يَصْدَقُ دِيَانَةً لَا قَضَاءً لِأَنَّهُ تَخْصِيصُ الْقَامِ.

ترجمہ

جب بیوی خاوند کو کہے تو نے مجھ پر دوسری بیوی کر رکھی ہے تو خاوند اس کو جواب میں یوں کہے کہ جو بھی میری بیوی ہے اس کو تمن طلاقیں۔ تو اس قسم دلانے والی بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ اور جب زوجہ نے قسم لیکر پوچھا حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ بیوی مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ خاوند کا مقصد بیوی کو راضی کرنا ہے۔ جبکہ رضائے طلاق کے سوا سے حاصل ہوگی نہ طلاق سے ثابت ہوتی ہے۔ لہذا خاوند کا قول وصف غیر کے ساتھ مقید ہوگا۔

قضاء بھی حکم ہوگا کیونکہ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قسم کے الفاظ کا عموم ہے جبکہ ایسے موقع پر خاندان کی غرض بھی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ بیوی کو اس کے اعتراض پر سزا دینا چاہتا ہے کہ اس نے شرعاً حلال کام پر اعتراض کیوں کیا ہے تو کلام کے عموم اور سزا دینے کی غرض کے احتمال کے باوجود کسی اور بیوی کی نیت کے احتمال کی وجہ سے یہ قسم دلائل حال سے مقید نہ بن سکے گی، ہاں اگر دوسری بیوی کی نیت کرے تو اگرچہ وہ دینا معتبر قرار دی جائیگی لیکن قضاء معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ عموم میں تخصیص ہے جبکہ دلائل حال تخصیص نہیں کر سکتی۔

شرح

اس مقصد کے لئے یہ مثال کافی ہے تاہم وضاحت اور فائدہ کو زائد بنانے کے لئے اس پر مزید چند مثالیں پیش کرتا ہوں مگر محض احتمال کی صورت میں دلائل حال معتبر نہیں ہوتا، ہدایہ کی مثال کے بعد دوسری مثال یہ ہے کہ جو پہلے گزرا کہ بیوی یا غلام باہر جانے کو تیار ہو تو اس موقع پر بیوی کو طلاق یا غلام کو آزادی کی علی الاطلاق قسم کھانا جو اجازت سے مشروط نہ ہو تو یہ قسم عام اور مطلق ہوگی اور ملک یا نکاح کی موجودگی سے مشروط نہ ہوگی، کیونکہ یہاں پر اگرچہ دلائل حال کی وجہ سے اس قسم کے مقید ہونے کا احتمال ہے لیکن یہ احتمال معتبر نہ ہوگا کیونکہ الفاظ میں عموم ہے،

امام احمد رضا بر بیوی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ قسم کھانے والے کا مقصد ہمیشہ کیلئے بیوی یا غلام کو باہر جانے سے روکنا ہو، کیونکہ ان کے پاس اس کا ایک ایسا راز ہے جو ان کے باہر جانے سے افشاء ہو جائے گا اور خفت اٹھانا پڑے گی یا بیوی کو ہمیشہ کیلئے باہر نکلنے سے روکنا مقصود ہو اگرچہ وہ نکاح سے باہر اور جدا بھی ہو جائے کیونکہ غیرت مند لوگ اپنی مطلقہ کی عورت کی کوچہ گردی پر بھی غیرت اور عار محسوس کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے اگرچہ اس کی بیوی سابقہ زمانے کے لحاظ سے کہتے ہوں بلکہ غیرت مند اپنی مباشرت شدہ عورت کو فراق اور طلاق کے بعد بھی دوسرے کی مباشرت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے، اس لئے طلاق مغلطہ کے بعد بھی وہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھتے ہوئے اس کے تمام اخراجات کی کفالت کرتے ہیں پھر اس مضمون کی تصدیق میں نے حدیث میں پائی ہے،

مصنف عبدالرزاق میں فرماتے ہیں ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا اور عرض کی ایک شخص ایک بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو قتل کر دے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنے آقا کی بات کو نہیں سنتے کہ وہ کیا فرما رہا ہے تو اس پر دیگر اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس شخص کو ملامت نہ فرمائیں کیونکہ یہ غیور شخص ہے خدا کی قسم یہ صرف باکرہ عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس کی طلاق دی ہوئی عورت کو دوسرا کوئی بھی ہم میں سے نکاح نہیں کر سکتا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قتل کی اجازت نہیں دیتا ماسوائے (قاضی کے ہاں اس کے خلاف) گواہ پیش کرنے کے، (مصنف عبدالرزاق، حدیث ۱۷۹۱۷)

وہ سائل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اور اسی غیرت کی وجہ سے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ شرعاً منجوز چیز کو شرعی حاجت سے زائد استعمال کرنے پر حلالہ کی شرط کو سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے حلالہ میں دوسرے شخص سے صرف نکاح کو کافی نہ قرار دیا گیا بلکہ جب تک ایک دوسرے کے مزے کو نہ چکھ لیں حلالہ مکمل نہیں ہو سکتا، یہ اس لئے تاکہ غیرت مند لوگ تین طلاقیں دینے سے باز رہیں اور خواہ مخواہ دوسرے شخص کے جماعت کو اپنے گلے میں نہ ڈالیں، والہیاذ باللہ، اس کے برخلاف اگر قسم کو اجازت سے مشروط کیا ہو تو پھر اجازت کی ولایت ختم ہو جانے یعنی نکاح ختم ہو جانے پر قسم ساقط ہو جائیگی (۱) وہ جو گزرا کہ خاندان نے بیوی سے کہا کہ تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت کو بیوی نہ بناؤں گا، تو یہ قسم موجودہ بیوی سے نکاح کی حالت سے مختص نہ ہوگی (بلکہ اس بیوی سے نکاح ختم ہونے کے بعد بھی اس کی اجازت ضروری ہوگی)

اس قسم کا مقصد بیوی کو پریشانی سے بچانا ہے۔ کیونکہ بیوی کی پریشانی صرف نکاح کی حالت سے مختص نہیں کیونکہ بارہا یہ ہوتا ہے کہ فرقت کے وقت بھی عورتیں سابقہ خاندان کی دوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں، اپنا وقت یاد کر کے اپنے بجائے دوسری کو رہتی دیکھ کر رنج پاتی ہیں، (غرضیکہ چونکہ بیوی کی پریشانی دوسری عورت کی وجہ سے صرف حلالہ نکاح سے مختص نہیں بلکہ جدائی کے بعد بھی اس چیز پر وہ پریشان ہوتی ہے لہذا اس پریشانی سے بچانا حلالہ نکاح کے بعد بھی ہو سکتا ہے لہذا یہ قسم بیوی سے فراق کے بعد قائم رہے گی) اس کے برخلاف اگر خاندان قسم کھائے کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گی تو یہ قسم حلالہ نکاح سے مقید ہوگی جیسا کہ اس کی وجہ پہلے ہم بیان کر چکے ہیں۔

(۱) بیوی کو غیر شخص سے بے تکلف باتیں کرتے ہوئے پائے تو اس وقت قسم کھائے کہ اس کے بعد اگر تو نے بیگانے مرد سے بات کی نکاح کی رسی تیرے گلے سے نکل جائے گی یعنی تجھے طلاق ہوگی، جبکہ گھر میں نوکر چاکر ہیں جو خاندان کی اجازت سے گھر میں آتے جاتے ہیں جن کو بیوی گھر کے کاموں کے متعلق ہدایات دیتی ہے یوں ہی بیوی کے چچا یا پھوپھی زاد یا خالہ زاد یا خاندان کے بھائی خاندان کی اجازت سے گھر آتے ہیں یا اسی گھر میں رہتے ہیں اور بیوی اپنے خاندان کی رضامندی سے ان تمام حضرات سے بات کرتی رہتی ہے، اس دلائل حال کے باوجود یہ لوگ اس قسم سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے بلکہ بیوی قسم کے بعد گھر کے نوکر یا ان مذکورہ قریبیوں سے بات کرے گی تو اس کو طلاق ہو جائے گی۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۳، کتاب الایمان)

بَابُ الْيَمِينِ فِي الْحَجِّ وَالصَّلَاةِ وَالصَّوْمِ

﴿یہ باب نماز، حج اور روزے میں قسم کے بیان میں ہے﴾

نماز، حج اور روزے کی قسم کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس باب کو باس کے باب سے مقدم ذکر کیا ہے کیونکہ اس کا تعلق عبادات سے ہے اور سابقہ ابواب یمن سے مؤخر ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کا وقوع کثرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس میں تین طرح کے مسائل کا بیان ہے۔ ایک نوع یہ ہے کہ جس قسم سے تمام فقہاء کے نزدیک حج و عمرہ لازم ہو جاتے ہیں اور دوسری نوع یہ ہے کہ جس سے کوئی چیز بھی لازم نہیں آتی اور تیسری نوع کے مطابق خدائی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(عناہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۱۲۰، بیروت)

پیدل حج کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ وَهُوَ فِي الْكُفَّةِ أَوْ فِي غَيْرِهَا عَلَى الْمَشْيِ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ تَعَالَى أَوْ إِلَى الْكُفَّةِ فَعَلَيْهِ حِجَّةٌ أَوْ عُمْرَةٌ مَا شَاءَ رَكِبَ وَأَهْرَاقَ دَمًا) وَلَوْ الْقِيَاسُ لَا يَنْزِمُهُ شَيْءٌ لِأَنَّهُ التَّزَمَ مَا لَيْسَ بِقُرْبَةٍ وَاجِبَةٍ وَلَا مَقْصُودَةٍ فِي الْأَصْلِ، مَا ثَوَّرَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. وَلَئِنْ النَّاسَ تَعَارَفُوا إِيْجَابَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ بِهَذَا اللَّفْظِ لَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ عَلَى زِيَارَةِ الْبَيْتِ مَا شَاءَ فَلَزِمَهُ مَا شَاءَ، وَإِنْ شَاءَ رَكِبَ وَأَهْرَاقَ دَمًا، وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ فِي الْمَنَاسِكِ (وَلَوْ قَالَ عَلَى الْخُرُوجِ أَوْ الدَّخَالِ إِلَى بَيْتِ اللَّهِ تَعَالَى فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِأَنَّ الْإِزَامَ الْحَجَّ أَوْ الْعُمْرَةَ بِهَذَا اللَّفْظِ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ (وَلَوْ قَالَ: عَلَى الْمَشْيِ إِلَى الْحَرَمِ أَوْ إِلَى الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ فِي قَوْلِهِ عَلَى الْمَشْيِ إِلَى الْحَرَمِ حِجَّةٌ أَوْ عُمْرَةٌ) وَلَوْ قَالَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَهُوَ عَلَى هَذَا الْإِخْلَافِ.

لَهُمَا أَنَّ الْحَرَمَ شَامِلٌ عَلَى الْبَيْتِ، وَكَذَا الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ لَصَارَ ذِكْرُهُ كَذِكْرِهِ، بِإِخْلَافِ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ لِأَنَّهُمَا مُنْفَصِلَانِ عَنْهُ.

وَلَهُ أَنَّ الْإِزَامَ الْإِخْرَامَ بِهَذِهِ الْعِبَارَةِ غَيْرُ مُتَعَارِفٍ وَلَا يُمَكِّنُ لِإِجَابَتِهِ بِإِعْتِبَارِ حَقِيقَةِ اللَّفْظِ فَانْتَبَهَ أَضَلًا

ترجمہ

فرمایا در جس شخص کعبہ میں ہو یا کسی اور مقام پر ہو اور اس نے یہ کہا کہ مجھ پر بیت اللہ تک یا کعبہ شریف تک پیدل چلنا واجب ہے۔ تو اس پر پیدل حج یا عمرہ کرنا واجب ہے اور جب وہ چاہے تو وہ سوار ہو جائے اور دم دے جبکہ قیاس کے مطابق اس پر چلنا کچھ واجب نہیں ہے کیونکہ اس نے ایسی چیز کو لازم کیا ہے جو قربت واجبہ میں سے نہیں ہے اور نہ مقصود بذات ہے اور ہمارا مذہب حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کیونکہ اس لفظ سے حج یا عمرہ کرنے کا وجوب لوگوں میں معروف ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے جیسے اس نے کہا کہ مجھ پر پیدل بیت اللہ کی زیارت کرنا واجب ہے تو اس پر پیدل ہی واجب ہوگا اور اگر وہ چاہے تو سوار ہو کر کرے اور دم دے اور اس کو ہم کتاب السناسک میں بیان کر چکے ہیں۔ اور جب کسی شخص نے کہ مجھ پر بیت اللہ کیلئے لکھنا یا جانا واجب ہے تو اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ اس لفظ سے حج یا عمرے کا لزوم معروف نہیں ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا کہ مجھ پر صفا اور مروہ تک چلنا واجب ہے تو اس پر بھی کچھ واجب نہ ہوگا اور یہ حکم امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔

صاحبین نے کہا کہ اس کے قول "علی المشی الی الحرم" کہنے میں اس پر حج یا عمرہ واجب ہوگا۔ اور اگر اس نے "الی المسجد الحرام" کہا تو بھی اسی اختلاف پر ہوگا اور صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ لفظ حرم بیت اللہ کو شامل ہے کیونکہ وہ دونوں ملے ہوئے ہیں البتہ مسجد حرام بھی بیت اللہ کو شامل ہے پس حرم کا ذکر بیت اللہ کے ذکر کے مشابہ ہو جائے گا۔ بخلاف صفا اور مروہ کے کیونکہ وہ دونوں بیت اللہ سے الگ ہیں۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس جملے سے احرام باندھنے کا لزوم معروف نہیں ہے اور لفظ کے معنی حقل کا اعتبار کرتے ہوئے احرام کو واجب کرنا بھی ممکن نہیں ہے لہذا یہ یقیناً منسوخ ہو جائے گا۔

شرح

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھڑا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں دریافت فرمایا (اس کا نام کیا ہے اور یہ اس وقت کیوں کھڑا ہے؟) تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابواسرائیل ہے اور اس نے یہ نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا، نہ بیٹھے گا، نہ سائے نہ آئے گا اور نہ (بالکل) بولے گا اور (ہمیشہ) روزے رکھے گا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اس سے کہو، بولے، سایہ میں آئے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔ (بخاری مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 604)

اس شخص نے جن باتوں کی نذر مانی تھی ان میں سے جس بات پر عمل کرنا اس کے لئے ممکن تھا اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا

اور جن باتوں پر عمل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ تھا ان کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزے کو پورا کرے یعنی اپنی نذر کے مطابق ہمیشہ روزے رکھ کرے، کیونکہ اطاعت و عبادت کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور ہر روزے رکھنا اس شخص کے لئے ایک بہتر عمل ہے جو اس پر قادر ہو، لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں وہ پانچ روزے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو شرعاً و عرفاً ممنوع ہیں اور اگر وہ ان پانچ روزوں کی بھی نیت کرے گا تو ان روزوں کو توڑنا اس پر واجب ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر واجب ہوگا۔

جن باتوں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا ان میں سے ایک تو "بولنا" تھا جو شرعی طور پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بالکل ہی نہ بولے کیونکہ بعض مواقع پر "بولنا" واجب ہے، جیسے نماز میں قربت، سلام کا جواب دینا اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بولنے کا حکم دیا، اسی طرح بالکل نہ بیٹھنا اور سایہ میں نہ آنا انسان کے بس سے باہر ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیٹھنے اور سایہ میں آنے کا حکم دیا۔

اور حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (بیت اللہ کے سفر کے دوران) ایک بوڑھے کو دیکھا جو (ضعف اور کمزوری کی وجہ سے) اپنے دو بیٹوں کے درمیان (ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے) راستہ چل رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ "اسے کیا ہوا؟" صحابہ نے عرض کیا کہ اس شخص نے (بیت اللہ کو) پیادہ پا جانے کی منت مان رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس طرح اپنے آپ کو عذاب (تکلیف) میں ڈالنے کی خدا کو پرواہ نہیں ہے" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سواری پر چنے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بوڑھے سے فرمایا کہ "بڑے میاں! سواری پر چلو کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور (تمہیں تکلیف میں ڈالنے والی) تمہاری اس منت سے بے نیاز ہے۔"

چونکہ وہ شخص اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پیادہ پا چلنے سے عاجز و معذور تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سواری پر چلنے کا حکم فرمایا۔

حضرت امام شافعی نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسی منت کی صورت میں سواری پر چلنے کی وجہ سے منت ماننے والے پر (بطور کفارہ) کوئی چیز واجب نہیں ہوتی لیکن امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس پر جانور (یعنی بکری یا اس کے مثل) ذبح کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنے سے قاصر رہنا ہے، حضرت امام شافعی کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔

مظہر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ نظر مانے کہ میں پیادہ پا بیت اللہ جاؤں گا تو اس کے بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ حضرت امام شافعی تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص بیت اللہ کا سفر پیادہ پا طے کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ پیادہ پا جائے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بطور کفارہ جانور ذبح کرے اور سواری پر سفر طے کرے۔ اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ

فصل خواہ پیادہ پا چلنے پر قادر ہو یا نہ قادر ہو، بہر صورت سواری کے ذریعہ سفر کرے اور جانور ذبح کرے۔

حنفی، فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ "میں پیادہ پا بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں" تو اس پر حج یا عمرہ واجب ہوتا ہے، اب وہ اپنی نیت کے مطابق ان دونوں میں سے جس کو چاہے پورا کرے۔ (یعنی اگر اس نے یہ کہتے وقت حج کی نیت کی تھی تو حج کرے اور اگر عمرہ کی نیت کی تھی تو عمرہ کرے) اور اگر یوں کہے کہ "میں پیادہ پا حرم جانا یا پیادہ پا مسجد حرام جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں۔" تو حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا مگر صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ "میں بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں" تو اس صورت میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا یعنی اس پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوگا۔

اگر کوئی شخص پیادہ پا حج کو جانے کی نذر مانے تو اس پر واجب ہے۔ کہ وہ گھر سے پیادہ پا روانہ ہو اور جب تک کہ طواف زیارت سے فارغ نہ ہو جائے کوئی سواری استعمال نہ کرے اور اگر پیادہ پا عمرے کو جانے کی نذر مانی ہو تو جب تک کہ سر نہ منڈا لے سواری پر نہ چڑھے۔ اور اگر نذر ماننے والے نے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر پورا راستہ یا آدھے سے زیادہ سواری پر طے کیا تو جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر آدھے راستہ سے کم سواری کا استعمال کیا تو اس کے بقدر ایک بکری کی قیمت میں سے صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

پیدل حج کرنے والے کیلئے جب مشقت ہو تو اباحت سواری:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو اپنے دو بیٹوں کا سہارا لئے چل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ان صاحب کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے کعبہ کو پیدل چلنے کی منت مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنے کو تکلیف میں ڈالیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سوار ہونے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے سوار ہونے کا حکم دیا کہ اس کو پیدل چلنے کی طاقت نہ تھی۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا میری بہن نے منت مانی تھی کہ بیت اللہ تک وہ پیدل جائیں گی، پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ تم اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پوچھ لو چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ پیدل چلیں اور سوار بھی ہو جائیں۔ (صحیح بخاری، کتاب العمرہ)

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا جنھوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ ننگے سر ننگے پاؤں پیدل حج کا سفر کریں گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان کو یہ حکم کرو کہ وہ اپنا سر لٹکانیں اور سوار ہوں اور تین روزے رکھ لیں۔

عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نذر ماننے کی ممانعت شروع کی تو فرمایا نذر ماننے سے

(تقدیری) کوئی چیز بدلی نہیں جاسکتی ہاں یہ فائدہ ضرور ہے کہ اس بہانے بغیر کا مال صرف ہو جاتا ہے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اطاعت کی نذر کرے تو اس کو جائز کہ اطاعت کرے اور جو شخص گناہ کی نذر مانے تو وہ گناہ نہ کرے۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا گناہ میں نذر کا پورا کرنا جائز نہیں اور اس کا کفار وہی ہے جو قسم کا ہے۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن شہویہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ابن مبارک نے فرمایا اس حدیث میں یعنی ابوسلمہ والی حدیث میں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ابوسلمہ نے زہری سے نہیں سنا۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اس حدیث کو ہمارے سامنے کر دیا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے نزدیک اس حدیث کا خراب ہو جانا صحیح ہے؟ اور کہا کہ ابن ابی اویس کے علاوہ کسی اور نے بھی اسے روایت کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا۔ ہاں ابوب بن سلیمان بن بلال نے اسے روایت کیا ہے۔

حج نہ کرنے کی قسم پر غلام کو آزاد کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ عَبْدِي حُرٌّ إِنْ لَمْ أَحْجِ الْعَامَ، وَقَالَ: حَجَجْتُ وَشَهِدْتُ شَاهِدَانِ أَنَّهُ صَحِيَ الْعَامَ بِالْكَوْفَةِ لَمْ يُعْتَقْ عَبْدُهُ)، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُعْتَقُ لِأَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ قَامَتْ عَلَى أَمْرٍ مَعْلُومٍ وَهُوَ التَّضَحِّيَّةُ، وَمِنْ ضَرُورَتِهِ انْتِفَاءُ الْحَجِّ فَيَتَحَقَّقُ الشَّرْطُ.

وَلَهُمَا أَنَّهَا قَامَتْ عَلَى النَّفْيِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهَا نَفْيُ الْحَجِّ لَا إِبْثَاتُ التَّضَحِّيَّةِ لِأَنَّهُ لَا مَطْلَبَ لَهَا فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدُوا أَنَّهُ لَمْ يَحْجِ الْعَامَ.

غَايَةُ الْأَمْرِ أَنَّ هَذَا النَّفْيَ مِمَّا يُحِيطُ عِلْمُ الشَّاهِدِ بِهِ وَلَكِنَّهُ لَا يُمَيِّزُ بَيْنَ نَفْيٍ وَنَفْيٍ تَبْسِيرًا

ترجمہ

اور جس شخص نے کہا یہ خدا! اگر میں اس سال حج نہ کروں تو میرا غلام آزاد ہے اس کے بعد اس نے کہا کہ میں نے حج کر لیا ہے اور دیگر لوگوں نے بھی گواہی دیدی کہ حالف نے اس سال کو فہ میں قربانی دی ہے تو اس کا غلام آزاد نہ ہوگا اور یہ شیخین کے نزدیک بھی حکم ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کا غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہ شہادت ایک معلوم حکم ہے یعنی قربانی واقع ہوئی ہے۔

اور اس کے لوازمات میں سے حج کا نہ ہونا ہے لہذا شرط پائی جائے گی۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ یہ شہادت نفی پر قائم ہے لہذا اس کا مقصود حج کی نفی ہے نہ قربانی کو ثابت کرنا ہے کیونکہ قربانی کے اثبات کوئی معنی نہیں رکھتا لہذا یہ اس طرح ہو جائے گا کہ چند لوگوں نے گواہی دی کہ اس نے حج نہیں کیا اور زیادہ سے زیادہ یہ لازم آئے گا کہ یہ نفی اس طرح ہو جائے گی جس طرح گواہی کا علم محیط ہو جائے گا لیکن آسانی کے سبب ایک نفی اور دوسری نفی میں فرق نہ کیا جائے گا۔

روزہ نہ رکھنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَصُومُ فَتَوَى الصَّوْمَ وَصَامَ سَاعَةً ثُمَّ أَفْطَرَ مِنْ يَوْمِهِ حَيْثُ) لَوْ جُودَ الشَّرْطُ إِذَا الصَّوْمُ هُوَ الْإِمْسَاكُ عَنِ الْمُفْطَرَاتِ عَلَى قَصْدِ التَّقَرُّبِ (وَلَوْ حَلَفَ لَا يَصُومُ يَوْمًا أَوْ صَوْمًا فَصَامَ سَاعَةً ثُمَّ أَفْطَرَ لَا يَحْتَسِبُ) لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ الصَّوْمُ النَّامُ الْمُغْتَبَرُ شَرْعًا وَذَلِكَ بِإِنْتِهَائِهِ إِلَى آخِرِ الْيَوْمِ، وَالْيَوْمُ صَرِيحٌ فِي تَقْدِيرِ الْمُدَّةِ بِهِ

ترجمہ

اور جس شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ روزہ نہ رکھے گا اس کے بعد اس نے روزے کی نیت کر لی اور تھوڑی دیر تک روزہ رہا اس کے بعد اسی دن میں افطار کر لیا تو وہ حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ شرط پائی جا رہی ہے۔ کیونکہ تقرب کی نیت سے مفطر میام سے بچنے کا نام روزہ ہے اور جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ ایک دن روزہ نہ رکھے گا یا ایک روزہ نہ رکھے گا اس کے بعد اس نے تھوڑی دیر کیلئے روزہ رکھا اور پھر اس نے افطار کر لیا تو وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ اس سے مراد مکمل روزہ ہے جو شرعی طور پر معتبر ہے اور دن کے آخر تک روزے کا پورا ہونا ہے اور روزے کی مدت کو پورا کرنے کیلئے یوم کا لفظ صراحت کے ساتھ موجود ہے۔

نہا نہ پڑھنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يُصَلِّيَ فَقَامَ وَقَرَأَ وَرَكَعَ لَمْ يَحْتَسِبْ، وَإِنْ سَجَدَ مَعَ ذَلِكَ ثُمَّ قَطَعَ حَيْثُ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يَحْتَسِبَ بِالِافْتِتَاحِ اعْتِبَارًا بِالشَّرُوعِ فِي الصَّوْمِ.

وَجَهُّ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الصَّلَاةَ عِمَارَةً عَنِ الْأَرْكَانِ الْمُتَخِلِّفَةِ، فَمَا لَمْ يَأْتِ بِجَمِيعِهَا لَا يُسَمَّى صَلَاةً، بِخِلَافِ الصَّوْمِ لِأَنَّهُ رُكْنٌ وَاحِدٌ وَهُوَ الْإِمْسَاكُ وَتَكَرَّرُ فِي الْجُزْءِ الثَّانِي (وَلَوْ حَلَفَ لَا يُصَلِّيَ صَلَاةً لَا يَحْتَسِبُ مَا لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ) لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ الصَّلَاةُ الْمُعْتَبَرَةُ شَرْعًا وَأَقْلَاهَا رَكْعَتَانِ لِلْنِّهْيِ عَنِ التَّبَيُّعِ.

ترجمہ

اور جس شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ نماز نہ پڑھے گا اس کے بعد وہ کھڑا ہوا اور اس نے قرأت کی اور رکوع کیا تو وہ حائث نہ ہوا کیونکہ اگر اس نے اس کے ساتھ سجدہ کیا پھر نیت توڑی تو وہ حائث ہو جائے گا اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ روزے پر قیاس کرتے ہوئے نماز شروع کرتے ہی وہ حائث ہو جائے گا۔ استحسان کی دلیل یہ ہے کہ نماز مختلف اراکین کے مجموعے کا نام ہے پس جب تک پورے اراکان کے ساتھ نماز ادا نہ کرے گا اسکو نماز نہ کہا جائے گا۔ جبکہ روزے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ ایک ہی رکن کا نام ہے اور رکنا ہے اور یہ اسماک دوسرے اجزاء میں مکرر ہوتا رہتا ہے۔ اور جس شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ کوئی نماز نہ پڑھے گا تو جب تک دو رکعت نہ پڑھے تو وہ حائث نہ ہوگا کیونکہ اس جملے سے اس طرح کی نماز مراد ہے اور نماز کی مقدار کم از کم بھی دو رکعت ہے کیونکہ ایک رکعت والی نماز سے منع کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے نماز نہ پڑھنے یا روزہ نہ رکھنے یا حج نہ کرنے کی قسم کھائی اور فاسد ادا کیا تو قسم نہیں ٹوٹی جبکہ شروع ہی سے فاسد ہو مثلاً بغیر طہارت نماز پڑھی یا طلوع فجر کے بعد کھانا کھایا اور روزہ کی نیت کی۔ اور اگر شروع صحت کے ساتھ کیا بعد کو فاسد کر دیا مثلاً ایک رکعت نماز پڑھ کر توڑ دی یا روزہ رکھ کر توڑ دیا اگرچہ نیت کرنے کے تھوڑے ہی بعد توڑ دیا تو قسم ٹوٹ گئی۔ نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی اور قیام و قراءت و رکوع کر کے توڑ دی تو قسم نہیں ٹوٹی اور سجدہ کر کے توڑی تو ٹوٹ گئی۔ قسم کھائی کہ ظہر کی نماز نہ پڑھے گا تو جب تک قعدہ اخیرہ میں انتہیات نہ پڑھ لے قسم نہ ٹوٹے گی یعنی اس سے قبل فاسد کرنے میں قسم نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ کسی کی امامت نہ کریگا اور تھا شروع کر دی پھر لوگوں نے اس کی اقتدا کر لی مگر اس نے امامت کی نیت نہ کی تو مقتدیوں کی نماز ہو جائیگی اگرچہ جمعہ کی نماز ہو اور اس کی قسم نہ ٹوٹی۔ اسی طرح اگر جنازہ یا سجدہ تلاوت میں لوگوں نے اسکی اقتدا کی جب بھی قسم نہ ٹوٹی اور اگر قسم کے یہ لفظ ہوں کہ نماز میں امامت نہ کرونگا تو نماز جنازہ میں امامت کی نیت سے بھی نہیں ٹوٹے گی۔ (رہنمائے کتاب الایمان)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ فلاں کے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا اور اس کی اقتدا کی مگر پیچھے کھڑا نہ ہوا بلکہ برابر دھننے یا باتیں کھڑے ہو کر نماز پڑھی یا قسم کھائی کہ فلاں کے ساتھ نماز نہ پڑھے گا اور اس کی اقتدا کی اگرچہ ساتھ نہ کھڑا ہوا بلکہ پیچھے کھڑا ہوا قسم ٹوٹ گئی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے قسم کھائی کہ نماز وقت گزار کر نہ پڑھے گا اور سو گیا یہاں تک کہ وقت ختم ہو گیا اگر وقت آنے سے پہلے سو یا اور وقت جانے کے بعد آنکھ کھلی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اور وقت ہو جانے کے بعد سو یا تو ٹوٹ گئی۔

علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ جب کسی نے قسم کھائی کہ فلاں نماز جماعت سے پڑھے گا اور آدھی سے کم جماعت

سے ملی یعنی چار یا تین رکعت والی میں ایک رکعت جماعت سے پائی یا قعدہ میں شریک ہوا تو قسم ٹوٹ گئی اگرچہ جماعت کا ثواب پائے گا۔ (شرح وقایہ، کتاب الایمان)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے عورت سے کہا، اگر تو نماز چھوڑے گی تو تجھ کو طلاق اور نماز قضا ہوگی مگر پڑھ لی تو طلاق نہ ہوگی کہ عرف میں نماز چھوڑنا اسے کہتے ہیں کہ بالکل نہ پڑھے اگرچہ شرعاً قصداً قضا کر دینے کو بھی چھوڑنا کہتے ہیں۔ قسم کھائی کہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھے گا اور مسجد بڑھائی گئی اس نے اس حصہ میں نماز پڑھی جواب زیادہ کیا گیا ہے تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر قسم میں یہ کہا فلاں محلہ کی مسجد یا فلاں شخص کی مسجد میں نماز نہ پڑھے گا اور مسجد میں کچھ اضافہ ہوا اس نے اس جگہ پڑھی جب بھی ٹوٹ گئی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

باب الثانی فی الباس والباس والباس

یہ باب کپڑے اور زیورات وغیرہ پہننے کی قسم کے بیان میں ہے ﴿

باب الباس ثوب و زیورات کی قسم میں فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے صوم و حج کے قسم کے بیان سے فارغ ہونے کے بعد زیورات اور کپڑوں کو پہننے سے متعلق قسم کے بیان کو شروع کیا ہے کیونکہ یہ عام معمول کی اشیاء ہیں لہذا کم اہمیت کے سبب ان کے باب کو مؤخر ذکر کیا ہے اور عبادات و احکام سے متعلق قسم کے بیان کو مقدم ذکر کیا ہے۔ کیونکہ ان کا مع مد معات سے بھی اخلاقیات کی طرف جانے والا ہے۔

بیوی کے کاتے ہوئے سوت پہننے سے قسم کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِمَرْأَتِهِ: إِنَّ لَيْسَ مِنْ غَزَلِكِ فَهُوَ هَذِي فَاشْتَرَى قُطْعًا فَعَزَلَتْهُ وَنَسَجَتْهُ فَلَبِسَهُ فَهُوَ هَذِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا: لَيْسَ عَلَيْهِ أَنْ يُهْدَى حَتَّى تَغْزَلَ مِنْ قُطْنٍ مَلَكَهُ يَوْمَ حَلَفَ) وَمَعْنَى الْهَدَى التَّصَدُّقُ بِهِ بِمَكَّةَ لِأَنَّهُ اسْمٌ لِمَا يُهْدَى إِلَيْهَا. لَهْمَا أَنَّ النَّذْرَ إِنَّمَا يَصِحُّ فِي الْمَلِكِ أَوْ مُضَافًا إِلَى سَبَبِ الْمَلِكِ وَلَمْ يُوجَدْ لِأَنَّ اللَّبْسَ وَغَزَلَ الْمَرْأَةِ لَيْسَا مِنْ أَسْبَابِ مَلَكَهِ.

وَلَهُ أَنْ غَزَلَ الْمَرْأَةُ عَادَةً يَكُونُ مِنْ قُطْنِ الزَّوْجِ وَالْمُعْتَادُ هُوَ الْمُرَادُ وَذَلِكَ سَبَبُ لِمَلَكَهِ، وَلِهَذَا يَحْتَثُّ إِذَا غَزَلَتْ مِنْ قُطْنٍ مَمْلُوكٍ لَهُ وَقَتَ النَّذْرِ لِأَنَّ الْقُطْنَ لَمْ يَصِرْ مَذْكُورًا.

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیرے کاتے ہوئے سوت کا کپڑا پہنوں تو وہ ہدی ہے۔ اس کے بعد اس نے روٹی خریدی اور اسکی بیوی نے اس کا سوت کر کپڑا بنادیا اور حالف نے وہ کپڑا پہن لیا تو اس صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ کپڑا ہدی ہے۔

صاحبین کے نزدیک شوہر پر ہدی کرنا واجب نہیں ہے حتیٰ کہ بیوی اس سوت سے کپڑا کاتے جس دن خاوند قسم کا مالک ہو۔ کیونکہ ہدی کا معنی یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں صدقہ کیا جائے اور ہدی اس کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ میں بطور صدقہ بھیجی گئی ہو۔ جبکہ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ نذریا ملکیت میں صحیح ہوتی ہے یہ پھر ملکیت کے سبب کی مضاف ہو کر صحیح ہوا کرتی ہے اور یہاں ان دونوں

میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے کیونکہ پہننا اور عورت کا سوت کا تیارہ دونوں خاوند کے اسباب ملکیت میں سے نہیں ہیں۔

حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر عورت خاوند ہی کی روٹی سے سوت کاتنے والی ہے اور اس کی بیوی حد ہے اور یہی خاوند کا مالک ہونے کا سبب ہے لہذا اگر عورت نذر کے وقت شوہر کی مملوکہ روٹی سے سوت کات لے تو شوہر حائث ہو جائے گا۔ کیونکہ قصن کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اپنی عورت کے کاتے ہوئے سوت کا کپڑا نہ پہنے گا اور عورت نے سوت کا تار اور وہ من کر کپڑا اٹھارہوا اگر وہ روٹی جس کا سوت بنا ہے قسم کھاتے وقت شوہر کی تھی تو پہننے سے قسم ٹوٹ گئی ورنہ نہیں۔ اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کے کاتے ہوئے سوت کا کپڑا نہ پہنے گا اور کچھ اس کا کاتا ہے اور کچھ دوسرے کا دونوں کو مل کر کپڑا بنوایا تو قسم نہ ٹوٹی اور اگر کل سوت اسی کا کاتا ہوا ہے دوسرے کے کاتے ہوئے دورے سے کپڑا سیا گیا ہے تو قسم ٹوٹ گئی۔ اگر کھ، اچکن، شیردانی تینوں میں فرق ہے لہذا اگر قسم کھائی کہ شیردانی نہ پہنے گا تو اگر کھ پہننے سے قسم نہ ٹوٹی۔ اسی طرح قیص اور کرتے میں بھی فرق ہے لہذا ایک کی قسم کھائی اور دوسرا پہنا تو قسم نہیں ٹوٹی اگر چہ عربی میں قیص کرتے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح چلتون اور پا جامہ میں بھی فرق ہے اگر چہ انگریزی میں چلتون پا جامہ ہی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح بوٹ نہ پہننے کی قسم کھائی اور ہندوستانی جو تار پہنا قسم نہ ٹوٹی کہ اس کو بوٹ نہیں کہتے۔ قسم کھائی کہ کپڑا نہیں پہنے گا یا نہیں خریدے گا تو مراد اتنا کپڑا ہے جس سے ستر چھپا سکیں اور اس کو پہن کر نماز جائز ہو سکے اس سے کم مثلاً ٹوپی پہننے میں نہیں ٹوٹے گی اور اگر عامہ باندھا اور وہ اتنا ہے کہ ستر اس سے چھپ سکے تو ٹوٹ گئی ورنہ نہیں۔ اسی طرح ٹاٹ یا دوری یا قالین پہن لینے یا خریدنے سے قسم نہ ٹوٹے گی اور پوتین سے ٹوٹ جائیگی۔ اور اگر قسم کھائی کہ کرتا نہ پہنے گا اور اس صورت میں کرتے کو تہبند کی طرح باندھ لیا یا چادر کی طرح اوڑھ لیا تو نہیں ٹوٹی اور اگر کہا کہ یہ کرتا نہیں پہنے گا تو کسی طرح پہنے قسم ٹوٹ جائیگی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

زیور نہ پہننے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَلْبَسُ حُلِيًّا فَلَيْسَ خَاتَمٌ فَضِيَّةٌ لَمْ يَحْتَثْ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِحُلِيٍّ عُرْفًا وَلَا شَرْعًا حَتَّى أُبَيِّحَ اسْتِعْمَالُهُ لِلرِّجَالِ وَالتَّخْتُمُ بِهِ لِقَصْدِ الْخَتَمِ) وَإِنْ كَانَ مِنْ ذَهَبٍ حَيْثُ (لَا أَنَّهُ حُلِيٌّ وَلِهَذَا لَا يَحِلُّ اسْتِعْمَالُهُ لِلرِّجَالِ). وَلَوْ لَيْسَ عَقْدَ لَوْلُو غَيْرِ مُرْصِعٍ لَمْ يَحْتَثْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَا يَحْتَثْ (لَا أَنَّهُ حُلِيٌّ حَقِيقَةً حَتَّى سُمِّيَ بِهِ فِي الْقُرْآنِ وَلَهُ أَنَّهُ لَا يَتَحَلَّى بِهِ عُرْفًا إِلَّا مُرْصَعًا، وَمَبْنَى الْإِيمَانِ عَلَى الْعُرْفِ. وَقِيلَ هَذَا اخْتِلَافٌ عَصْرٍ وَزَمَانٍ، وَبُقِيَ يَقُولُهُمَا لِأَنَّ التَّحَلِّيَ بِهِ عَلَى الْإِنْفِرَادِ مُعْتَادٌ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ وہ زیور نہ پہنے گا اس کے بعد اس نے چاندی کی انگٹھی پہن لی تو وہ حادثہ نہ ہوگا کیونکہ یہ عرفی اور شرعی طور پر زیور نہیں ہے کیونکہ مردوں کیلئے اس کا استعمال جائز ہے اور مہر کے مقصد کیلئے اس کو پہننا جائز ہے اور اگر اس نے سونے کی انگٹھی پہنی تو وہ حادثہ ہو جائے گا کیونکہ یہ زیور ہے اور مردوں کیلئے اس کا استعمال جائز نہیں ہے اور جب حالف نے جڑے ہوئے موتی کا ہار پہن لیا تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ حادثہ نہ ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ یہ حقیقت میں زیور ہے کیونکہ قرآن میں اسکو زیور کہا گیا ہے جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عرف میں بغیر جڑے موتیوں کا ہار زیور نہیں سمجھا جاتا اور قسموں کا دار و مدار عرف پر ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمانے اور عہد کا اختلاف ہے لہذا اس زمانے میں صاحبین کے قول پر فتویٰ دیا جائے گا کیونکہ صرف موتیوں کو بطور زیور پہننا معروف ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ زیور نہیں پہنے گا تو چاندی سونے کے ہر قسم کے کپے اور موتیوں یا جواہر کے ہار اور سونے کی انگوٹھی پہننے سے قسم ٹوٹ جائیگی اور چاندی کی انگوٹھی سے نہیں جبکہ ایک ٹک کی ہواور کئی ٹک کی ہو تو اس سے بھی ٹوٹ جائیگی۔ اسی طرح اگر اس پر سونے کا ملبع ہو تو ٹوٹ جائیگی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ قسم کھائی کہ سونا چاندی نہیں خریدو گا اور ان کے برتن یا زیور خریدے تو قسم ٹوٹ گئی اور روپیہ یا اشرفی خریدی تو نہیں کہ ان کے خریدنے کو عرف میں سونا چاندی خریدنا نہیں کہتے۔ اسی طرح قسم کھائی کہ تانا نہیں خریدیگا اور پیسے مول لیے تو نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ بھو نہ خریدے گا اور گیسو خریدے ان میں کچھ دانے بھوکے بھی ہیں تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اسی طرح اگر اینٹ، تختہ، کڑی وغیرہ کے نہ خریدنے کی قسم کھائی اور مکان خرید، جس میں یہ سب چیزیں ہیں تو نہیں ٹوٹی۔ قسم کھائی کہ گوشت نہیں خریدیگا اور زندہ بکری خریدی یا قسم کھائی کہ دودھ نہیں خریدیگا اور بکری وغیرہ کوئی جانور خریدا جس کے تھن میں دودھ ہے تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

بستر پر نہ سونے کی قسم کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَبْنَاهُ عَلَى فِرَاشٍ فَنَامَ عَلَيْهِ وَفَوْقَهُ لِرَامٍ حَيْثُ) لِأَنَّهُ تَبَعَ الْفِرَاشَ فَيَعُدُّ نَائِمًا عَلَيْهِ (وَإِنْ جَعَلَ فَوْقَهُ فِرَاشًا آخَرَ فَنَامَ عَلَيْهِ لَا يَحْتُسِبُ) لِأَنَّ مِثْلَ الشَّيْءِ لَا يَكُونُ تَبَعًا لَهُ فَقَطَعَ النُّسْبَةَ عَنِ الْأَوَّلِ .

تجزیہ

اور جس شخص نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ بستر پر نہ سوئے گا۔ اس کے بعد وہ ایسے بستر پر سو گیا جس پر چادر پڑی ہوئی تھی تو وہ حادث

ہو جائے گا کیونکہ چادر اس فراش کے تابع ہے پس اس کو فراش پر سویا ہوا سمجھا جائے گا اور اگر اس بستر پر کوئی دوسرا بستر ڈال دیا گیا ہے اور پھر مخالف اس پر جا کر سو گیا ہے تو وہ حادثہ نہ ہوگا کیونکہ کسی چیز کی مثل اس کے تابع نہیں ہوتی پس پہلے سے نسبت ختم ہو جائے گی۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جب کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ اس بچھونے پر نہیں سوئے گا اور اس پر دوسرا بچھونا اور بچھ دیا اور اس پر سو یا تو قسم نہیں ٹوٹی اور اگر صرف چادر بچھائی تو ٹوٹ گئی۔ اس چٹائی پر نہ سونے کی قسم کھائی تھی اس پر دوسری چٹائی بچھ کر سو یا تو نہیں ٹوٹی اور اگر یوں کہا تھا کہ بچھونے پر نہیں سوئے گا تو اگرچہ اس پر دوسرا بچھونا بچھ دیا ہو، ٹوٹ جائے گی، (بحر الرائق، کتاب الایمان)

زمین پر نہ بیٹھنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ خَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى الْأَرْضِ فَيَجْلِسَ عَلَى بَسَاطٍ أَوْ حَصِيرٍ لَمْ يَحْتِ) لِأَنَّهُ لَا يُسَمَّى جَالِسًا عَلَى الْأَرْضِ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا خَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَرْضِ لِبَاسُهُ لِأَنَّهُ تَبَعَ لَهُ فَلَا يُعْتَبَرُ حَائِلًا (وَإِنْ خَلَفَ لَا يَجْلِسُ عَلَى سَرِيرٍ فَيَجْلِسَ عَلَى سَرِيرٍ فَوْقَهُ بَسَاطٌ أَوْ حَصِيرٌ حَيْثُ) لِأَنَّهُ يُعَدُّ جَالِسًا عَلَيْهِ ، وَالْجُلُوسُ عَلَى السَّرِيرِ فِي الْعَادَةِ كَذَلِكَ ، بِخِلَافِ مَا إِذَا جَعَلَ فَوْقَهُ سَرِيرًا آخَرَ لِأَنَّهُ مِثْلُ الْأَوَّلِ لِقَطْعِ النِّسْبَةِ عَنْهُ .

زیر

اور اگر اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ زمین پر نہ بیٹھے گا اس کے بعد وہ ٹاٹ یا چٹائی پر بیٹھ گیا تو وہ حادثہ نہ ہوگا کیونکہ اس کو زمین پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے۔ بہ خلاف اس کے کہ جب اس حالف اور زمین کے درمیان لباس حائل ہو کیونکہ لباس اس کے تابع ہے پس اس کو حائل نہ سمجھا جائے گا اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ تخت پر نہ بیٹھے گا اس کے بعد وہ ایسے تخت پر بیٹھ گیا جس پر ٹاٹ یا چٹائی پڑی ہوئی تھی تو وہ حادثہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کو تخت پر بیٹھ ہوا سمجھا جائے گا اور تخت پر بیٹھنے کا یہی طریقہ ہے بہ خلاف اس کے کہ جب تخت پر کوئی دوسرا تخت ڈال دیں کیونکہ اب یہ پہلے ہی کی طرح ہو جائے گا اور پہلے تخت سے تعلق ختم ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ قسم کھائی کہ زمین پر نہیں بیٹھے گا اور زمین پر کوئی چیز بچھ کر بیٹھا مثلاً تختہ یا چڑایا کھوٹا یا چٹائی تو قسم نہیں ٹوٹی۔ اور اگر بطور بچھائے ہوئے بیٹھ گیا اگرچہ کپڑا پہنے ہوئے ہے جس کی وجہ سے اس کا بدن زمین سے نہ لگا تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر کپڑے اتار کر خود اس کپڑے پر بیٹھا تو نہیں ٹوٹی کہ اسے زمین پر بیٹھنا نہ کہیں گے اور اگر گھاس پر بیٹھا تو نہیں

ٹوٹی جبکہ زیادہ ہو۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

قسم کھائی کہ اس تخت پر نہیں بیٹھے گا اور اس پر دوسرا تخت بچھ لیا تو نہیں ٹوٹی اور بچھو نایا بوریا بچھا کر بیٹھ تو ٹوٹ گئی۔ ہاں اگر یوں کہا کہ اس تخت کے تختوں پر نہ بیٹھے گا تو اس پر بچھا کر بیٹھنے سے نہیں ٹوٹے گی۔ قسم کھائی کہ زمین پر نہیں چلے گا تو جوتے یا موزے پہن کر یا پتھر پر چلنے سے ٹوٹ جائیگی اور بچھو نے پر چلنے سے نہیں۔ قسم کھائی کہ فداں کے کپڑے یا بچھو نے پر نہیں سوئے گا اور بدن کا زیادہ حصہ اس پر کر کے سو گیا ٹوٹ گئی۔ (در مختار، کتاب الایمان)

بَابُ الْقَتْلِ فِي الضَّرْبِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِهِ

﴿یہ باب قتل و ضرب وغیرہ میں قسم کے بیان میں ہے﴾

باب قتل و ضرب کی قسم کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے الہاس ثوب وغیرہ کے باب کے بعد باب یحیی ضرب قتل کا بیان کیا ہے اس کا ایک سبب تاخیر یہ ہے کہ اس قسم کی یحیی کا وقوع بہت کم ہوتا ہے اور دوسرا سبب یہ ہے اس قسم کی یحیی کو عرف بھی پسند نہیں کرتا لہذا قلت وقوع کے سبب اور تاویریت کے سبب اس باب کو مؤخر کیا گیا ہے۔

مارنے سے متعلق قسم کا فقہی بیان

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ جو فعل ایسا ہے کہ اس میں مردہ و زندہ دونوں شریک ہیں یعنی دونوں کے ساتھ متعلق ہو سکتا ہے تو اس میں زندگی و موت دونوں حالتوں میں قسم کا اعتبار ہے جیسے نہلاتا کہ زندہ کو بھی نہلا سکتے ہیں اور مردہ کو بھی۔ اور جو فعل ایسا ہے کہ زندگی کے ساتھ خاص ہے اس میں خاص زندگی کی حالت کا اعتبار ہوگا مرنے کے بعد کرنے سے قسم ٹوٹ جائیگی یعنی جبکہ اس فعل کے کرنے کی قسم کھائی۔ اور اگر نہ کرنے کی قسم کھائی اور مرنے کے بعد وہ فعل کیا تو نہیں ٹوٹے گی۔ جیسے وہ فعل جس سے لذت یا رنج یا خوشی ہوتی ہے کہ ظاہر میں یہ زندگی کے ساتھ خاص ہیں اگرچہ شرعاً مردہ بھی بعض چیزوں سے لذت پاتا ہے اور اسے بھی رنج و خوشی ہوتی ہے مگر ظاہر میں نگاہیں اس کے ادراک سے قاصر ہیں اور قسم کا مدار حقیقت شرعیہ پر نہیں بلکہ عرف پر ہے لہذا ایسے افعال میں خاص زندگی کی حالت معتبر ہے۔ اس قاعدہ کے متعلق بعض مثالی سنو: مثلاً قسم کھائی کہ فداں کو نہیں نہلائے گا یا نہیں اٹھائے گا یا کپڑا نہیں پہنائے گا اور مرنے کے بعد اسے غسل دیا یا اس کا جنازہ اٹھایا یا اسے کفن پہنایا تو قسم ٹوٹ گئی کہ یہ فعل اس کی زندگی کے ساتھ خاص نہ تھے۔ اور اگر قسم کھائی کہ فلاں کو مار دوں گا یا اس سے کلام کروں گا یا اس کی ملاقات کو جاؤں گا یا اسے پیار کروں گا اور یہ افعال اس کے مرنے کے بعد کیے یعنی اُسے مارا یا اُس سے کلام کیا یا اُس کے جنازہ یا قبر پر گیا یا اُسے پیار کیا تو قسم ٹوٹ گئی کہ ب وہ ان افعال کا محل نہ رہا۔ قسم کھائی کہ اپنی عورت کو نہیں مارے گا اور اس کے بال کاٹ کر کھینچے یا اس کا گلا گھونٹ دیا یا دانت سے کاٹ لیا یا چنگلی لی اگر یہ افعال غصہ میں ہوئے تو قسم ٹوٹ گئی اور اگر ہنسی ہنسی میں ایسا ہوا تو نہیں۔ اسی طرح اگر دل لگی میں مرد کا سر عورت کے سر سے لگا اور عورت کا سر ٹوٹ گیا تو قسم نہیں ٹوٹی۔ (بحر الرائق، کتاب الایمان)

غلام کی آزادی کو مارنے سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ إِنَّ ضَرْبَتَكَ لَعَبْدِي حُرٌّ فَمَاتَ فَضَرْبَتُهُ قَهْوٌ عَلَى الْحَيَاةِ) لِأَنَّ الضَّرْبَ

اسْمُ لِغُلٍّ مُؤَلِّمٍ يَنْصِلُ بِالْبَدَنِ ، وَالْإِبْلَامُ لَا يَتَحَقَّقُ فِي الْمَيِّتِ ، وَمَنْ يُعَذِّبُ فِي الْقَبْرِ
تُوضَعُ فِيهِ الْحَيَاةُ فِي قَوْلِ الْعَامَّةِ وَكَذَلِكَ الْكُفْرَةُ لِأَنَّهُ يُرَادُ بِهِ التَّمْلِيكُ عِنْدَ الْإِطْلَاقِ ،
وَمِنْهُ الْكُفْرَةُ فِي الْكُفَّارَةِ وَهُوَ مِنَ الْمَيِّتِ لَا يَتَحَقَّقُ إِلَّا أَنْ يَنْوِيَ بِهِ السُّتْرَ ، وَفِيهِ
بِالْفَارِسِيَّةِ يَنْصَرِفُ إِلَى اللَّبْسِ (وَكَذَا الْكَلَامُ وَالْدُخُولُ) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْكَلَامِ
الْيَقِينُ وَالْمَوْتُ يَنْبَاطُهُ ، وَالْمُرَادُ مِنَ الدُّخُولِ عَلَيْهِ زِيَارَتُهُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ يُزَارُ قَبْرُهُ لَا
هُوَ ، وَلَوْ قَالَ : إِنْ غَسَلْتُكَ لَمَعْبُدِي حُرِّفَ فَعَسَلُهُ بَعْدَ مَا مَاتَ يَنْحُتُ) لِأَنَّ الْغُسْلَ هُوَ
الْإِسَالَةُ وَمَعْنَاهُ التَّطْهِيرُ وَيَتَحَقَّقُ ذَلِكَ فِي الْمَيِّتِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کہا کہ اگر میں تم کو ماروں تو میرا غلام آزاد ہے تو اس کی یہ قسم زندگی سے متعلق ہوگی کیونکہ ضرب اس تکلیف
والے عمل کا نام ہے جو جسم کو لگے جبکہ میت کے حق میں تکلیف ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اور اکثر فقہاء
کے نزدیک اس میں زندگی کا اعتبار کیا گیا ہے اور کپڑا پہنانے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ مطلق طور پر کسوہ سے مراد مانتا ہے اور
کفار سے والا کپڑا بھی اسی سے ہے اور کفار سے میں کپڑا دینا میت کے حق میں ثابت نہیں ہوتا البتہ جب حالف اس سے پردہ پوشی
کرنے کا ارادہ کرے اور یہ بھی کہا گیا ہے فارسی میں لہس کی طرف لوٹنے والا ہوگا اور کلام کرنے اور داخل ہونے کا بھی یہی حکم ہے۔
کیونکہ کلام سے سمجھنا مقصود ہے جبکہ موت اس کے خلاف ہے اور کسی پر داخل ہونے سے اس کا دیدار مقصود ہے اور موت کے بعد
اس کی قبر کی زیارت کی جاتی ہے اس شخص کی زیارت نہیں کی جاتی۔

اور جب حالف نے کہا کہ اگر میں تجھے غسل دوں تو میرا غلام آزاد ہے اس کے بعد حالف نے مخلوف علیہ کی موت کے بعد اس
کو غسل دیا تو وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ غسل کا معنی پانی بہانا اور پانی بہانے کا مطلب ہے پاک کرنا اور میت میں یہ معنی ثابت نہ ہوگا
شرح

امام محمد نے امام ابو یوسف سے اور انہوں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا کہ ایک شخص نے دوسرے کو کہا
اگر میں تجھے ماروں تو میرا غلام آزاد ہے، دوسرے کے فوت ہونے کے بعد اس نے اسے مارا (تو قسم نہ ٹوٹے گی) یوں ہی لہس،
کلام یا دخول دار کی قسم کھائی ہو تو وہ بھی فوت ہونے کے بعد کارروائی پر نہ ٹوٹے گی کہ ان قسموں کا تحقق زندہ سے ہوتا ہے۔

(جامع المصنوع، باب اليمين في القتل والضرب، مطبع يوسف لکھنؤ)

بعد اس کی یہ ہے کہ بنائے یمن عرف پر ہے اور عرف میں اس سے کلام بعد الموت مقصود و معلوم نہیں ہوتا، نہ بعد موت کلام و
سدام کو یہ کہتے ہیں کہ زائر میت سے باتیں کر رہا ہے اگرچہ وہیٹ و شرعاً کلام و سلام ہے جیسے قسم کھانے والا کہ گوشت نہ کھائے گا مہمل

کھانے سے حث نہ ہوگا اگرچہ ہیٹ و شرعاً گوشت اس پر بھی صادق، قال اللہ تعالیٰ لتأكلوا منه لحم طرياً، اللہ تعالیٰ نے
فرمایا: تم دریا سے تازہ گوشت کھاؤ۔ لہذا اگر قسم کھائی کہ کلام نہ کرے گا اور قرآن پڑھا، تسبیح و تہلیل کی، حث نہ ہوگا، حاراً کہہ ہیٹ و
شرعاً یہ بھی کلام ہے۔

کو نہ مارنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَضْرِبُ امْرَأَتَهُ فَمَدَّ شَعْرَهَا أَوْ خَنَقَهَا أَوْ عَصَفَهَا حَيْثُ) لِأَنَّهُ اسْمُ لِغُلٍّ
مُؤَلِّمٍ وَقَدْ تَحَقَّقَ الْإِبْلَامُ ، (وَفِيهِ لَا يَنْحُتُ فِي خَالِ الْمَلَاغَةِ) لِأَنَّهُ يُسَمَّى مُمَارَاةً لَا
ضَرْبًا

(وَمَنْ قَالَ : إِنْ لَمْ أَقْتُلْ فُلَانًا فَمَرَأَتُهُ طَالِقٌ وَفُلَانٌ مَيِّتٌ وَهُوَ عَالِمٌ بِهِ حَيْثُ) لِأَنَّهُ عَقْدٌ
يَعِينُهُ عَلَى حَيَاةٍ يُحْدِثُهَا اللَّهُ فِيهِ وَهُوَ مُتَصَوِّرٌ فَيَنْعَقِدُ لَمْ يَنْحُتْ لِلْعَصْرِ الْعَادِيِّ (فَإِنْ لَمْ
يَعْلَمْ بِهِ لَا يَنْحُتُ) لِأَنَّهُ عَقْدٌ يَمِينُهُ عَلَى حَيَاةٍ كَانَتْ فِيهِ وَلَا تُنْصَوِّرُ فَيَصِيرُ لِقَاسٍ
مَسْأَلَةِ الْكُفْرِ عَلَى الْإِخْتِلَافِ ، وَلَيْسَ فِي تِلْكَ الْمَسْأَلَةِ تَفْصِيلُ الْعِلْمِ وَهُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ

اور جب اس نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی بیوی نہ مارے گا اس کے بعد اس نے اس کے سر کے بال کھینچ لیے یا اس کا گلہ دیا یا اس کو
دانت سے دبایا تو وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ یہ کام تکلیف دینے والا ہے اور ان تمام میں درد پایا جاتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مذاق
کی حاست میں حالف حث نہ ہوگا کیونکہ اس کو دل لگی کہا جائے گا مارنا نہیں کہا جائے گا۔ اور جس شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں شخص کو
قتل نہ کروں تو میری بیوی مطلقہ ہے اور وہ فلاں یعنی مخلوف علیہ مردہ ہے اور حالف کو اس کا علم بھی ہے تو وہ حادث ہو جائے گا کیونکہ
حالف نے اپنی قسم کو ایسی زندگی پر منعقد کیا ہے جو اللہ تعالیٰ اس مردے میں پیدا کرے گا پس قسم منعقد ہو جائے گی۔ اس کے بعد
حالف فوری طور پر حادث ہو جائے گا کیونکہ عرف میں اس سے عجز ثابت ہے جو مخلوف طبع میں ہے حالانکہ وہ متصور نہیں ہے لہذا یہ بھی
بیانے والے عطف فی مسئلے پر قیاس کیا جائے گا اور اس مسئلہ میں علم کی عدم تفصیل کے سبب صحیح یہی ہے۔

شرح

اگر کسی نے مرنے پر قسم کھائی مثلاً کہا میں والدین سے بات نہ کروں گا یا فلاں کو قتل کروں گا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ حنیف کرے
(یعنی قسم توڑ دے) اور کفارہ دے دے کیونکہ یہ کفارہ اس گناہ کے مقابلہ میں کم تر ہے۔ (در مختار، کتاب الایمان)

ترجمہ

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ میں عنقریب اس کا قرض ادا کر دوں گا تو اس سے مراد ایک ماہ کم مدت ہوگی اور جب اس نے الی بعد کہ ہے تو اس سے مراد ایک ماہ سے زیادہ مدت ہوگی کیونکہ ایک ماہ سے کم مدت قریب کیلئے شمار کی جاتی ہے اور ایک ماہ یا اس سے زائد مدت بعید کیلئے شمار کی جاتی ہے۔ اس دلیل کے سبب کچھ عرصہ بعد کیلئے "ما لقیٰ من ذلک" بولا جاتا ہے۔ اور جس نے یہ قسم کھائی کہ میں آج فلاں کا قرض اتاروں گا اور اس نے ادا کر دیا پھر اس فلاں کو اس میں سے کچھ کھوٹے یا ردی دراہم ملے کسی حقدار کے دراہم ملے تو حالف حائن نہ ہوگا کیونکہ کھوٹا ہونا عیب ہے اور عیب جنس کو ختم کرنے والا نہیں ہے کیونکہ لینے والا چشم پوشی سے کام لے رہا ہے تو وہ وصول کرنے والا ہو جائے گا لہذا قسم پوری ہونے کی شرط پائی گئی ہے۔

البتہ مستحقہ دراہم پہ قبضہ کرنا درست ہوگا کیونکہ مستحق کو واپس دینے سے پوری ہونے والی قسم مسترد نہ ہو سکے گی۔ اور جب حالف نے ان دراہم کو رصاص یا ستوقہ پایا تو وہ حائن ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دونوں دراہم کی جنس سے نہ ہوئے حتیٰ کہ بیج صرف وسلم میں ان کو چشم پوشی کے ساتھ لینا جائز نہیں ہے اور جب حالف نے قرض خواہ سے قرض کے بدلے میں کوئی غلام فروخت کیا تو اس نے اپنی قسم پوری کر دی ہے۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی کا ایک طریقہ مقاصد ہے اور محض بیج سے مقاصد ثابت نہیں ہوتا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے شرط لگائی ہے تاکہ قبضہ بیج سے ثابت ہو جائے۔ اور جب قرض خواہ نے حالف کو اپنا قرض ہیہ کیا تو حالف اپنی قسم کو پورا کرنے والا نہ ہوگا کیونکہ مقاصد معدوم ہے اس لئے کہ ادائیگی مقروض کا کام ہے اور ہیہ قرض خواہ کی جانب اسقاط ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب قرض خواہ نے قسم کھائی کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کر کے تجھ سے قسم لادوں گا تو اس دھمکی پر مقروض نے قرض کا اقرار کر لیا یا اس کو گواہ مل گئے تو قسم ساقط ہو جائیگی کیونکہ قسم کھانے والے کی یہ قسم مقروض کے انکار کے ساتھ مفید قرار پائے گی اھ، اس پر علامہ شامی نے فرمایا کہ اس وجہ اور علت کا تعلق صرف مقروض کے انکار سے ہے، گواہوں کے دستیاب ہونے کی بات سے نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کے دستیابی کے باوجود انکار باقی رہ سکتا ہے، تو گواہوں کی دستیابی پر قسم کے ساقط ہونے کی علت یہ ہوگی کہ گواہوں کی موجودگی میں قاضی کے ہاں قسم دلا نا ممکن نہ رہے گا، اس میں غور چاہئے۔

(در مختار، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۳۰۴، بیروت)

قرض پر قبضہ نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَا يَقْبِضُ دَيْنَهُ دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ فَلَقَبُضَ بَعْضُهُ لَمْ يَحْنَثْ حَتَّى يَقْبِضَ

بَابُ النَّسِيءِ فِي مَقَاصِدِ الدَّارِ

﴿یہ باب قسم میں تقاضہ دراہم کے بیان میں ہے﴾

تقاضہ دراہم میں قسم کے باب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے اس باب میں دراہم کو ذکر کیا ہے کیونکہ ان کا تعلق وسائل سے ہوتا ہے معاملات میں مقاصد کے ساتھ نہیں ہوتا۔ لہذا وسائل کے سبب ان کے باب کو مؤخر ذکر کیا ہے اور دراہم کو مذکر کے ساتھ خاص کیا ہے کیونکہ ان کا کثرت استعمال ہی مذکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس باب کا نام تقاضی رکھا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کتاب میں تمام مسائل ہی تقاضی پر مبنی ہیں جن کی صراحت ہر مسئلہ کے بیان کے موقع پر کر دی گئی ہے۔ اور اس باب میں اصل قرض کو ادا کرنے کا بیان ہے۔ (عناویہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۱۹۵، بیروت)

قرض ادا کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ دَيْنَهُ إِلَى قَرِيبٍ فَهُوَ عَلَى مَا دُونَ الشَّهْرِ ، وَإِنْ قَالَ إِلَى بَعِيدٍ فَهُوَ أَكْثَرُ مِنَ الشَّهْرِ) لِأَنَّ مَا دُونَهُ يُعَدُّ قَرِيبًا ، وَالشَّهْرُ وَمَا زَادَ عَلَيْهِ يُعَدُّ بَعِيدًا ، وَلِهَذَا يُقَالُ عِنْدَ بُعْدِ الْعَهْدِ مَا لَقِيتُكَ مِنْذُ شَهْرٍ

(وَمَنْ حَلَفَ لَيَقْضِيَنَّ فَلَانًا دَيْنَهُ الْيَوْمَ فَقَضَاهُ ثُمَّ وَجَدَ فَلَانٌ بَعْضَهَا زُبُوفًا أَوْ نَبْهَرَجَةً أَوْ مُسْتَحَقَّةً لَمْ يَحْنَثِ الْحَالِفُ) لِأَنَّ الزُّبُوفَةَ عَيْبٌ وَالْعَيْبُ لَا يُغْدِمُ الْجِنْسَ ، وَلِهَذَا لَوْ تَجَوَّزَ بِهِ صَارَ مُسْتَوْفًا ، فَوَجَدَ شَرْطَ الْبَرِّ وَقَبْضَ الْمُسْتَحَقَّةِ صَحِيحٌ وَلَا يَرْتَفِعُ بِرَدِّهِ الْبَرُّ الْمُتَحَقِّقُ (وَإِنْ وَجَدَهَا رِصَاصًا أَوْ سَتَوْقَةً حَيْثُ) لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ جِنْسِ الدَّرَاهِمِ حَتَّى لَا يَجُوزَ التَّجَوُّزُ بِهِمَا فِي الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ (وَإِنْ بَاعَهُ بِهَا عَبْدًا وَقَبْضَهُ بَرٌّ فِي يَمِينِهِ) لِأَنَّ قَضَاءَ الَّذِينَ طَرِيقُهُ الْمُقَاصَّةُ وَقَدْ تَحَقَّقَتْ بِمَجَرَّدِ الْبَيْعِ فَكَانَتْ شَرْطَ الْقَبْضِ لِيَتَقَرَّرَ بِهِ (وَإِنْ وَهَبَهَا لَهُ) يَعْنِي الدَّيْنَ (لَمْ يَرَّ) لِإِعْدَمِ الْمُقَاصَّةِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ قَعْلَهُ ، وَالْهَبَةُ إِسْقَاطٌ مِنْ صَاحِبِ الدَّيْنِ

جَمِيعُهُ) لِأَنَّ الشَّرْطَ قَبْضُ الْكُلِّ وَلَكِنَّهُ يَوْضُفُ التَّفَرُّقَ، أَلَا يُرَى أَنَّهُ أَضَافَ الْقَبْضَ إِلَى دَيْنٍ مُعَرِّفٍ مُضَافٍ إِلَيْهِ فَيَنْصَرِفُ إِلَى كُلِّهِ فَلَا يَنْحُتُ إِلَّا بِهِ (فَإِنْ قَبْضَ دَيْنَهُ فِي وَرَثَتَيْنِ لَمْ يَنْشَاطِلْ بَيْنَهُمَا إِلَّا بِعَمَلِ الْوَرِثَةِ لَمْ يَنْحُتْ وَكَئِذَاكَ بِتَفَرُّقِهِ) لِأَنَّهُ لَقَدْ يَنْعَدُّ قَبْضُ الْكُلِّ ذُلْفَةً وَاحِدَةً عَادَةً فَيَصِيرُ هَذَا الْقَدْرُ مُسْتَنَى مِنْهُ

ترجمہ

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ اپنے قرض پر کچھ کچھ بقیہ نہ کرے گا اس کے بعد اس نے کچھ قرض پر قبضہ کر لیا تو وہ حادث نہ ہوا یہاں تک کہ جب وہ تھوڑے تھوڑے قرض پر قبضہ کر کے پورے قرض پر قبضہ کر لے۔ کیونکہ پورے قرض پر تھوڑا تھوڑا کر کے قبضہ کرنا شرط تھا۔ کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے کہ حالف نے ایسے قرض کی طرف قبضہ کو مضاف کیا ہے جو معروف ہے۔ اور وہ اسی طرف مضاف ہے پس یہ حکم پورے قرض کی طرف مضاف ہو جائے گا اور پورے قرض کو متفرق طور پر قبضہ کیے بغیر حالف حادث نہ ہوگا۔ اس کے بعد جب اس نے دو بار وزن کر کے اپنا قرض وصول کیا اور دونوں اوزان میں سے صرف پہلے وزن کے عمل میں معروف رہا تو وہ حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ اس طرح متفرق طور پر لینا نہیں پایا گیا کیونکہ عدت کے مطابق ایک بار مکمل قرض پر قبضہ کرنا ناممکن ہے پس تفریق کی یہ مقدار اس سے مستثنیٰ ہو جائے گی۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل سابقہ ابواب میں گزر چکی ہے کہ اضافت کل قرض کی جانب تھی کہ حالف نے بعض کے قبضہ سے حلف کا کفارہ کشی کی اور لہذا وہ حادث ہونے والا نہ ہوگا۔

طلاق زوجہ کو معین تعدا اور ہم سے معلق کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ : إِنْ كَانَ لِي إِلَّا مِائَةٌ دِرْهَمٍ فَأَمْرَاتُهُ طَائِلٌ فَلَا يَمْلِكُ إِلَّا خَمْسِينَ دِرْهَمًا لَمْ يَنْحُتْ) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ عُرْوًا نَفْسِيًّا مَا زَادَ عَلَى الْمِائَةِ وَلِأَنَّ اسْتِثْنَاءَ الْمِائَةِ اسْتِثْنَاءُهَا بِجَمْعِهِمْ أَجْزَاءُهَا (وَكَذَلِكَ لَوْ قَالَ غَيْرَ مِائَةٍ أَوْ سِوَى مِائَةٍ) لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ أَدَاءٌ لِاسْتِثْنَاءٍ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کہا کہ اگر میرے پاس سو درہم کے سوا کچھ بھی درہم ہوں تو میری بیوی کو طلاق ہے۔ اس کے بعد وہ ہزار درہم کا ہی مالک ظہر تو وہ حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ بطور عرف اس سے سو درہم سے زیادہ کی لٹی مقصود ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ حلف

استثناء سو کے سارے حصوں کا استثناء ہے اور یہ ایسے ہی ہو جائے گا جس طرح اس نے غیر ماۃ کہا یا سو ماۃ کہا ہے کیونکہ تمام حروف استثناء ہیں۔

استثناء کی تعریف

استثناء کا لغوی معنی کسی چیز کو الگ کرنا ہے، جبکہ اصطلاح میں حرف استثناء کے ساتھ کسی کو ماقبل کے حکم سے نکال دینا استثناء کہلاتا ہے۔ جیسے جَاءَ كَيْسَى الْقَوْمُ إِلَّا زَيْنًا (میرے پاس قوم آئی سوائے زید کے) اس مثال میں زید کو حرف استثناء الا کے ذریعے ماقبل کے حکم سے خارج کیا گیا ہے۔ جس کو خارج کیا جائے اس کو مستثنیٰ اور جس سے خارج کیا جائے اس کو مستثنیٰ منہ اور حرف جس کے ذریعے استثناء کیا جائے اس کو حرف استثناء کہتے ہیں۔ جیسے کہ مذکورہ بالا مثال میں الْقَوْمُ مستثنیٰ منہ اور زَيْنًا مستثنیٰ اور إِلَّا حرف استثناء ہے۔

حروف استثناء

حروف استثناء گیارہ ہیں۔ إِلَّا . غَيْرَ . سِوَى . سِوَاءَ . خِلَا . مَاخِلَا . عَدَا . مَا عَدَا . حَاشَا . كَيْسَ . لَا يَكُونُ .

مستثنیٰ کی اقسام: مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں ۔

(۱) . مستثنیٰ متصل . (۲) . مستثنیٰ منقطع

مستثنیٰ متصل کی تعریف

مستثنیٰ متصل اسے کہتے ہیں جو مستثنیٰ منہ کے حکم میں داخل ہو لیکن حرف استثناء کے ذریعے اسے نکال دیا گیا ہو۔ جیسے جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْنًا، زید قوم کے حکم میں داخل تھا لیکن إِلَّا حرف استثناء کے ذریعے اس کو نکال دیا گیا۔

مستثنیٰ منقطع کی تعریف

مستثنیٰ منقطع اسے کہتے ہیں جو مستثنیٰ منہ کے حکم میں داخل نہ ہو۔ جیسے جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا جَمَارًا، اس مثال میں جَمَارًا مستثنیٰ ہے جو کہ مستثنیٰ منہ الْقَوْمُ کے حکم میں داخل نہیں۔

جس کلام میں استثناء ہو اسکی دو قسمیں ہیں:

کلام موجب . کلام غیر موجب

کلام موجب

جس میں نفی، نفی یا استثناء نام نہایا جائے۔ جیسے جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْنًا .

کلام غیر موجب

جس میں نفی، نفی یا استفہام ہو۔ جیسے مَا جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا زَيْدًا ۔

مستثنیٰ کا اعراب

مستثنیٰ کے اعراب کی چار صورتیں ہیں۔ منصوب۔ یا ماقبل کے مطابق۔ عامل کے مطابق۔ مجرور منصوب۔ جب مستثنیٰ اللہ کے بعد کلام موجب میں واقع ہو، جیسے جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ إِلَّا زَيْدًا ۔ جب مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ سے پہلے اور کلام غیر موجب میں واقع ہو۔ جیسے مَا جَاءَ نَبِيَّ إِلَّا زَيْدًا أَخَذَ ۔ جب مستثنیٰ منقطع ہو۔ جیسے جَاءَ الْقَوْمُ إِلَّا حِمَارًا ۔ جب مستثنیٰ مَا خَلَا، مَا عَدَا، لَمْ يَسَّ یا لَا يَكُونُ کے بعد واقع ہو۔ جیسے جَاءَ الْقَوْمُ مَا خَلَا زَيْدًا ۔ جب مستثنیٰ خَلَا اور عَدَا کے بعد واقع ہو تو اکثر علماء کے مذہب پر منصوب ہوگا۔ جیسے جَاءَ الْقَوْمُ عَدَا زَيْدًا ۔

مستثنیٰ منصوب یا ماقبل کے مطابق

جب مستثنیٰ کلام غیر موجب میں اللہ کے بعد واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور اور مقدم ہو تو دو طرح سے پڑھنا درست ہے منصوب اور ماقبل کے مطابق، جیسے مَا أَتَمَرَتِ الْأَشْجَارُ إِلَّا شَجَرَةً، شَجَرَةً (درخت پھل نہیں لائے سوائے ایک درخت کے)۔ عامل کے مطابق:

جب مستثنیٰ مفرغ ہو (یعنی مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو) اور کلام غیر موجب میں واقع ہو تو اس صورت میں اس کا اعراب عامل کے مطابق ہوگا۔ جیسے مَا جَاءَ نَبِيَّ إِلَّا زَيْدًا ۔

مجرور:

جب مستثنیٰ لفظ غَيْرَ، سِوَى، سِوَا کے بعد واقع ہو تو مستثنیٰ کو مجرور پڑھیں گے۔ اور اکثر نحو یوں کے نزدیک حاشا کے بعد بھی مجرور پڑھیں گے۔ جیسے جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ غَيْرَ زَيْدٍ، جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ سِوَى زَيْدٍ، جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ سِوَا زَيْدٍ، جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ حَاشَا زَيْدٍ ۔

غیر کے اعراب

لفظ غَيْرَ کا اعراب اللہ کے بعد واقع ہونے والے مستثنیٰ کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ غَيْرَ زَيْدٍ ترکیب:

جَاءَ نَبِيَّ الْقَوْمِ إِلَّا زَيْدًا

جَاءَ - فعل، نون، وقایہ، ضمیر متکلم مفعول بہ، الْقَوْمُ مستثنیٰ منہ، إِلَّا حرف استثناء، زَيْدًا مستثنیٰ۔ مستثنیٰ

منہ اپنے مستثنیٰ سے ملکر جَاءَ فعل کو فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ۔

ایسا نہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَإِذَا حَلَفَ لَا يَفْعَلُ كَذَا تَرَكَهُ أَبَدًا) لِأَنَّهُ نَفَى الْفِعْلَ مُطْلَقًا فَعَمَّ الْإِمْتِنَاعُ ضَرُورَةً غُيُومِ النَّفْيِ (وَإِنْ حَلَفَ لَيَفْعَلَ كَذَا فَعَلَهُ مَرَّةً وَاحِدَةً بَرَفِي يَمِينِهِ) لِأَنَّ الْمُتَزَمَّ فِعْلًا وَاحِدًا غَيْرُ عَيْنٍ، إِذَا الْمَقَامُ مَقَامُ الْبَيِّنَاتِ فَيَبْرُ بَأَيِّ فِعْلٍ فَعَلَهُ، وَإِنَّمَا يَحْكُ بِوُقُوعِ الْيَأْسِ عَنْهُ وَذَلِكَ بِمَوْتِهِ أَوْ بِفُتْرِ مَحَلِّ الْفِعْلِ ۔

ترجمہ

اور جب کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کو ہمیشہ کیسے چھوڑ دے کیونکہ اس نے مطلق طور پر عام کی نفی کی ہے پس عموم نفی کی ضرورت میں ممانعت بھی عام ہوگی۔ اور جب اس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ ضرور اسی طرح کرے گا اور پھر اس نے ایک بار ایب کر لیا تو وہ اپنی قسم میں سچا ہے۔ کیونکہ جو چیز اس نے لازم کی ہے وہ غیر معین طور پر ایک مرتبہ کرنا ہے کیونکہ یہ مقام اثبات کا مقام ہے۔ پس وہ جو بھی کام کرے گا وہ سچا ہو جائے گا۔ اور وہ اس کام کے کرنے سے بے امید ہونے کے وقت حائل ہو جائے گا اور اس کی یہ ناامیدی یا موت سے ثابت ہوگی یا پھر محال کے فوت ہو جانے کے سبب ثابت ہو جائے گی۔

عموم نفی کی ضرورت میں ممانعت بھی عام ہوگی۔ قاعدہ فقہیہ

قسم قرض اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کیونکہ اجازت تب تصور ہو سکتی جبکہ اس کو روکنے کی ولایت حاصل ہو اور یہ ولایت قرض اور کفالت تک ہوتی ہے اور اسی طرح خاندان نے بیوی سے کہا کہ تو میری اجازت کے بغیر نہ نکلے گی تو یہ قسم اس زوجیت کے وجود سے مقید ہوگی، اس کے برخلاف اگر خاندان یوں کہے کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی، تو اس قسم میں اجازت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم زوجیت کی بقاء سے مقید نہ ہوگی کیونکہ زوجیت کی ضرورت اجازت کی ولایت کے لئے تھی، اور یوں ہی غلام کے بارے میں اجازت سے مقید قسم اور غیر مقید قسم کا حال ہے، اسی قاعدہ کی بناء پر، اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس عورت کو طلاق ہوگی، اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو بائند یا مغلطہ طلاق دے دی پھر کسی عورت سے پہلی مطلقہ بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس عورت کو طلاق ہو جائے گی اور یہ قسم بقاء زوجیت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ بیوی کو نکاح سے روکنے یا اجازت دینے کی ولایت نہیں ہوتی (لہذا قسم میں مذکور اجازت کیلئے ولایت اجازت ضروری نہ تھی۔ لہذا نکاح ختم ہونے سے اجازت کی شرط ختم ہوگی)۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان)

وال کا جاسوسی کیلئے قسم دینے کا بیان

(وَإِذَا اسْتَحْلَفَ الْوَالِي رَجُلًا لِيُعْلِمَنَّهُ بِكُلِّ دَاعِيٍ دَخَلَ الْبَلَدَ فَهَذَا عَلَى حَالٍ وَلَا يَتَّبِعُهُ

خَاصَّةً (لَاَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْهُ دَفْعُ شَرِّهِ أَوْ شَرِّ غَيْرِهِ بِزَجْرِهِ فَلَا يُفِيدُ فَإِلَذَنَهُ بَعْدَ زَوَالِ سَلْطَتِهِ، وَالزَّوَالُ بِالْمَوْتِ وَكَذَا بِالْعَزْلِ إِلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ

ترجمہ

جب والی نے ایک شخص کو قسم دی کہ تو مجھے شہر میں کسی فساد کی طرف سے محفوظ رکھ دے گا۔ تو یہ قسم اس والی کی ولایت کے زمانہ سے مختص ہوگی کیونکہ والی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر شریر کو سزا دے کہ شر کا خاتمہ کرے، لہذا ولایت کے خاتمہ کے بعد اس قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اور وہ زوال موت کے ساتھ ہوگا اور اسی طرح عزل کے ساتھ بھی ہوگا ظاہر الروایت کے مطابق اسی طرح ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی صلیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قسم کا زمانہ ولایت سے مختص ہونا ولایت کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ اس قسم دینے کا مقصد شریر کو سزا دے کر اس کے یا غیر کے شر کو ختم کرنا ہے جبکہ یہ مقصد اس والی کی ولایت سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ ولایت کی وجہ سے وہ اس مقصد پر قادر ہوتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب الایمان، ج ۳، ص ۴۶۸، بیروت)

اپنا غلام ہدیہ کرنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَمَنْ حَلَفَ أَنْ يَهَبَ عَبْدَهُ لِفُلَانٍ فَوَهَبَهُ وَلَمْ يَقْبَلْ بَرًّا فِي يَمِينِهِ) خِلَافًا لِزَكَرِيَّا فَإِنَّهُ يَجْعَلُهُ بِالْبَيْعِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكَ مِثْلُهُ. وَلَئِنْ أَنَّهُ عَقْدُ تَبَرُّعٍ فَحُكْمٌ بِالْمُتَبَرِّعِ وَلِهَذَا يُقَالُ وَهَبَ وَلَمْ يَقْبَلْ، وَلَئِنْ الْمَقْصُودُ إِظْهَارُ السَّمَاحَةِ وَذَلِكَ يَتِمُّ بِهِ، أَمَّا الْبَيْعُ فَمُعَاوَضَةٌ فَاقْتَضَى الْفِعْلُ مِنَ الْجَائِزِينَ (وَمَنْ حَلَفَ لَا يَشْتَرِي رَيْحَانًا فَشْتَمَ وَرَدًا أَوْ يَأْسِمُنَا لَا يَحْنُثُ) لِأَنَّهُ اسْمٌ لِمَا لَا سَاقَ لَهُ وَلَهُمَا سَاقٌ

ترجمہ

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو اپنا غلام ہبیہ کر دے گا تو اس نے وہ غلام فلاں کو ہدیہ کر دیا لیکن فلاں نے اس کو قبول نہ کیا تو حالف اپنی قسم میں سچا ہو جائے گا۔ امام زفر علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ وہ اس کو بیع پر قیاس کرتے ہیں۔ کیونکہ بیع کی طرح ہبیہ بھی تملیک ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ہبیہ عقد تبرع ہے لہذا یہ تبرع کی طرف سے تام ہو جائے گا اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ایک نے ہبیہ کیا لیکن دوسرے نے قبول نہ کیا۔ کیونکہ ہبیہ کا مقصد بخشش کا اظہار ہے اور یہ اظہار ہبیہ کرنے سے مکمل ہو جائے گا۔ البتہ بیع عقد معاوضہ ہے۔

پس یہ عقد جائزین سے فعل کا تقاضہ کرنے والا ہے۔

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ ریحان نہ سونگھے گا اس کے بعد اس نے گلاب یا یاسمین کا پھول سونگھا تو وہ حادث نہ ہوگا۔ کیونکہ ریحان اس چیز کا نام ہے جس میں حنہ نہ ہو جبکہ گلاب اور یاسمین میں حنہ ہوتا ہے۔

شرح

ہدیہ میں تملیک شرط نہیں ہوتی کیونکہ تملیک صرف فرائض و واجبات میں شرط ہوتی ہے جس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا مسئلہ ہے کہ جس میں تملیک کو رکن قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ صدقات نافلہ اور ہدایہ میں تملیک شرط نہیں ہوا کرتی پس ہدیہ قبول کرنے والا نہ بھی کرے جب حالف اپنی قسم میں سچا ہے۔

گل بہ نفعہ کو خریدنے کی قسم اٹھانے کا بیان

(وَلَوْ حَلَفَ لَا يَشْتَرِي بِنَفْسِجَا وَلَا نِيَّةَ لَهُ فَهُوَ عَلَى ذُنْبِهِ) اِعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ وَلِهَذَا يُسَمَّى بِالْبَيْعِ بِنَفْسِجَا وَالشَّرَاءُ يُنْبِئُ عَلَيْهِ وَقِيلَ فِي عُرْفِنَا يَقَعُ عَلَى الْوَرَقِ (وَإِنْ حَلَفَ عَلَى الْوَرْدِ فَلَا يَمِينُ عَلَى الْوَرَقِ) لِأَنَّهُ حَقِيقَةٌ فِيهِ وَالْعُرْفُ مُقَرَّرٌ لَهُ، وَفِي الْبِنْفَسِجِ قَاضٍ عَلَيْهِ.

ترجمہ

اور جس نے یہ قسم اٹھائی کہ وہ گل بہ نفعہ نہ خریدے گا اور اس نے اس کی نیت بھی نہ کی تو عرف کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی یہ قسم روغن بہ نفعہ سے متعلق ہو جائے گی کیونکہ روغن بہ نفعہ فروخت کرنے والے کو بالکے بنفج کہتے ہیں اور شراعت بیع پر ہی مبنی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ہمارے عرف میں یہ قسم بہ نفعہ کے پتوں سے متعلق ہوگی۔ اور جب کسی نے ورد کی قسم اٹھائی تو قسم کی پتی پر واقع ہو جائے گی کیونکہ ورد کا لفظ پتیوں کیلئے حقیقت ہے اور عرف بھی اسی معنی کو ثابت کرتا ہے اور بہ نفعہ میں عرف اسی فیصلہ کرنے والا ہے۔

شرح

اس میں عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ پھولوں کی خوشبو جہاں پتوں سے سونگھی جاتی ہے وہاں ان کے عرف کا اعتبار ہوگا اور جہاں ان کی اصل یعنی بیج کی خوشبو اور جہاں مہل سے سونگھی جاتی ہے وہاں اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھے، اور اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے، آپ نے فرمایا خبردار اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے منع فرماتا ہے کہ اپنے باپوں کی قسم کھاؤ جس شخص کو قسم کھانا ہے تو وہ اللہ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1567)

شریعت میں کسی جرم کی وہ سزا جو تہدیل نہ کی جاسکے۔ مثلاً زنا کی پاداش میں سنگساری، شراب پینے کے عوض درے سے مارنا یا چرہ ہاتھ کاٹ دینا۔ اسلام میں ان جرائم کا ارتکاب انسانی نہیں احکام خداوندی کی حدود سے تجاوز کرتا ہے اس لیے مجرم کو سزا بھی خدا کی مقرر کردہ ہی دی جاتی ہے۔ فسفاد اور منطلق کی اصطلاح میں حد کے معنی تعریف کے ہیں۔ تعریفات جرجانی میں حدود و صفات ہیں جو ایک چیز کو دوسرے سے تمیز کرتی ہیں۔ علم الافلاک میں حد برج کے ساتھ ملحقہ علاقے کے معنی میں آتا ہے۔ علم تصوف میں حد مراد انسان اور مخلوق ہے اور اس کے مقابلے میں خدا تعالیٰ کی ذات کو لامحدود کہا جاتا ہے۔

حد قائم کرنے کی برکت کا بیان

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا حدود اللہ میں سے کسی ایک حد کو نافذ کرنا اللہ کی زمین میں چاروں روز کی بارش سے زیادہ بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 695)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نقل فرمایا حد قائم کرنا ایک ملک میں بہتر ہے اس ملک والوں کیلئے چالیس رات تک بارش ہونے سے بہتر ہے۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1209)

اسلامی سزائوں کی حکمتوں کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں بعض معاصی کے ارتکاب پر شریعت نے حد مقرر کی ہیں۔ یہ وہی معاصی ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلتا ہے۔ نظام تمدن میں خلل پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کی طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہ معاصی کچھ اس قسم کی ہوتی ہیں کہ دو چار باران کا ارتکاب کرنے سے ان کی لت پڑ جاتی ہے اور پھر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کی معاصی میں محض آخرت کے عذاب کا خوف دلانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا۔ بلکہ ضروری ہے کہ ایسی عبرت قائم کر دی جائے کہ اس کا مرتکب ساری زندگی کے لیے معاشرے میں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے اور سوسائٹی کے دیگر افراد کے لیے سامان عبرت بنارہے۔ اور اسکے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرم کی جرات کریں۔ اسلام نے لت پڑ جانے والی برائیوں پر سزائیں مقرر کی ہیں جس میں معاشرہ کی خیر رکھی ہے۔

(حجۃ اللہ الباقیہ شاہ ولی اللہ دہلوی۔ ج 2 ص 158)

اسلامی سزائوں کا نفاذ عین فطرت کے مطابق ہے اور انہیں ظالمانہ کہنے والے انسانی عفت و عصمت کے دشمن ہیں۔ ہمیں اعتراف ہے کہ قرآن کریم اور سنت نبوی میں سخت سزائیں تجویز کی گئی ہیں لیکن جن لوگوں کی نظر ان سزائوں کی سنگینی پر جاتی ہے انہیں اس پر بھی نظر کرنی چاہیے کہ جس فعل پر یہ سزائیں مقرر کی گئیں ہیں وہ فعل کس قدر گھناؤنا اور کس قدر انسانیت سوز ہے۔ آج وہ لوگ جو اسلامی سزائوں کو غیر مہذب، وحشیانہ اور ظالمانہ بتا رہے ہیں اپنی بیوی کو مشتبه حالت میں غیر مرد کے پاس دیکھ میں تو یقیناً غیرت سے دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں (اگرچہ اس حالت میں دیکھنے کے

ہو جو شرعاً از خود سزا دینے یا قتل کرنے کی ممانعت ہے) اس لیے کہ یہ انسانی فطرت ہے، تعجب ہے جب شریعت زانی مرد اور زانیہ عورت کی وہی سزا تجویز کرتی ہے تو نا فہم لوگ ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اس سزا کو غیر مہذب اور وحشیانہ کہنے لگتے ہیں۔ جبکہ اسلام نے سزا کے جاری کرنے میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے اور جرم کے ثابت ہونے پر سخت سے سخت شرائط مقرر کی ہے اور پھر اس جرم کے ارتکاب کے بعد شبہ کی بنیاد پر حد کو ساقط کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا ہے۔

تعجب ہے کہ خود تو اپنی بیوی کو مشتبه حالت میں دیکھ کر قتل کرنے پر تل جائیں اور جب شریعت انتہائی واضح شہادتوں کے بعد وہی فیصلہ کرے تو وہ سزا انہیں وحشیانہ نظر آنے لگے۔

☆ زنا ایک خبیث ترین فعل ہونے کے ساتھ ایک بڑا گھناؤنا جرم ہے جو پوری انسانیت کے لیے تباہی کا باعث ہے۔ خاندانی ثرائف اور نسب کے لیے باعث ذلت ہے، لہذا اگر اسلام غیر شادی شدہ زانی مرد اور غیر شادی شدہ زانیہ عورت کو 100 کوڑے مارنے اور شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کو سنگسار کرنے کی سزا صادر کرے تو کیا یہ عین فطرت نہیں تاکہ معاشرہ اور پوری انسانیت فساد سے بچ جائے۔

☆ یہی حال چوری کا ہے، فرض کیجئے کہ ایک چور سارے گھر کو لوٹ لیتا ہے، اگر اسی اثناء، ملک مکان اسے دیکھ لے اور اسکے ہاتھ میں اسلحہ بھی ہو تو کیا وہ اسے چھوڑ دے گا؟ ظاہر ہے نہیں بلکہ فوراً اس پر گولی چلا دے گا ورنہ کم از کم اسکے پاؤں میں گولی مار کر اسے بیکار کر دے گا۔ یہی جرم ثابت ہونے کے بعد شریعت صرف ہاتھ کاٹنے کی سزا دے تو اسے وحشیانہ سزا قرار دینا کہاں کا انصاف ہے۔

☆ یہی حال حد قذف کا ہے اگر کوئی شخص کسی کی پاکدامن بیٹی پر زنا کی تہمت لگا دے تو ایک غیرت مند آدمی اپنی بیٹی کی عصمت و عفت پر داغ کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا بلکہ ممکن ہے پاکدامن بیٹی کا بدلہ چکانے کے لیے تہمت لگانے والے کا کام تمام کر دے۔ اگر یہی جرم ثابت ہونے کے بعد اسلام تہمت لگانے والے پر 80 ڈرے لگانے کا حکم صادر کرتا ہے تو یہ وحشیانہ سزا کیسے ہوئی۔

☆ یہی صورت حال شراب و خمر کی حد میں ہے جس سے پورے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں انسان جب نشے میں ہوتا ہے تو اول نول بکینے لگتا ہے۔ اول نول بکتے وقت عموماً وہ تہمتیں لگاتا ہے لہذا شراب نوشی کی حد بھی وہی ہونی چاہیے جو حد قذف کی ہے، جب صحابہ کرام اس بات پر متفق ہو گئے تو حضرت عمر نے تمام ممالک محروسہ میں یہ حکم نامہ لکھ کر بھیج دیا کہ شراب نوشی کی حد 80 کوڑے ہیں، اسی روایت کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد فرماتے ہیں کہ شراب نوشی کی حد 80 کوڑے ہیں اور اسی پر پوری امت کا اجماع ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج 10 ص 326)

اسلامی سزائیں عین فطرت کے مطابق ہیں، جرم کی تعلق اور اسکے ضرر کے مقابلہ میں وہ قطعاً سخت نہیں ہیں۔ جو لوگ انسانی حقوق کے نام پر اس فطرت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ انسانی فطرت کے خلاف آمادہ جنگ ہیں۔

شہادت و اقرار سے ثبوت زنا کا بیان

قَالَ (الزَّانَا تَبُكُّ بِالْبَيِّنَةِ وَالْإِفْرَادِ) وَالْمُسْرَادُ ثُبُوتُهُ عِنْدَ الْإِمَامِ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ قَلِيلٌ ظَاهِرٌ، وَكَذَا الْإِفْرَادُ لِأَنَّ الصَّدَقَ فِيهِ مُرَجَّحٌ لَا يَسْتَمَّا فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِثَبُوتِهِ مَضَرَّةٌ وَمَعْرُوفَةٌ، وَالْوُصُولُ إِلَى الْعِلْمِ الْقَطْعِيِّ مُتَعَدِّرٌ، فَيَكْتَفَى بِالظَّاهِرِ.

قَالَ (كَالْبَيِّنَةِ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَةٌ مِنَ الشُّهُودِ عَلَى رَجُلٍ أَوْ امْرَأَةٍ بِالزَّانَا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ) وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى : (لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ) وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَلَّذِي قَذَفَ امْرَأَتَهُ أَنْتَ بِأَرْبَعَةٍ يَشْهَدُونَ عَلَى صَدِيقٍ مَقَالَيْتُ) وَلَئِنْ لَمْ يَشْهَدْ إِلَّا اَرْبَعَةٌ يَتَحَقَّقُ مَعْنَى السَّخَرِ وَهُوَ مَنْذُوبٌ إِلَيْهِ وَالْإِشَاعَةُ ضِدُّهُ.

ترجمہ

فرمایا زنا گواہی اور اقرار سے ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اس کے ثبوت سے مراد یہ ہے کہ وہ امام کے سامنے ہو کیونکہ گواہی دلیل ظاہری ہے۔ اور اسی طرح اقرار بھی ہے۔ کیونکہ اس میں سچائی غالب طور پر پائی جاتی ہے۔ اور خاص طور پر ان چیزوں میں جن کے ثبوت میں نقصان اور ندامت ہو اور یقینی علم تک پہنچ جاتا مشکل ہو۔ لہذا ظاہر پر اکتفاء کیا جائے گا۔

فرمایا: پس گواہی یہ ہے کہ چار مرد کسی مرد یا عورت پر زنا کی گواہی دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ان پر خاص اپنے میں کے، چار مردوں کی گواہی لو۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: پس اگر وہ چار وہ پیش نہ کر سکیں، اور جس شخص نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تھی اس شخص سے آپ ﷺ نے فرمایا تم چار گواہی پیش کرو جو تمہاری بات کی سچائی کی گواہی دیں۔ کیونکہ چار کی شرط لگانے میں پردہ پوشی ثابت ہوتی ہے۔ اور اس میں مترشح ہے جبکہ اس کو پھیلانا یہ خلاف ستر ہے۔

شرح

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَكُونَنَّ فِي الْبَيِّنَاتِ حَتَّى يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (نساء، ۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں کے، چار مردوں کی گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھر میں بند رکھو، یہاں تک کہ انہیں موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے۔ (کنز الایمان)

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری

اہت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ لگنے دیا جائے گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جہنم قید یعنی موت سے پہلے اسے چھوڑا نہ جائے، اس پہلے کے بعد یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کر دے، پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ منسوخ ہو گئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہوا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں جب تک سورۃ نور کی آیت نہیں اتری تھی زنا کا عورت کے لئے یہی حکم رہا پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پھر مار مار کر مار ڈالنے اور پیشادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترتا،

حضرت عکرمہ، حضرت سعید بن جبیر، حضرت حسن، حضرت عطاء غرسائی، حضرت ابو صالح، حضرت قتادہ، حضرت زید بن اسلم اور حضرت شاک کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے،

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اتری تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی کیفیت وحی سے لگے تو آپ نے فرمایا مجھ سے حکم الہی ہوا اللہ تعالیٰ نے سیاہ کار عورتوں کے لئے راستہ نکال دیا ہے اگر شادی شدہ عورت یہ شادی شدہ مرد سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایک سو کوڑے اور پتھروں سے، مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی (مسلم وغیرہ)

ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کچھ تبدیلی کے ساتھ مروی ہے، امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں، اسی طرح ابوداؤد میں بھی، ابن مردودہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بچا ہے ہوئے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بوڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے لیکن یہ حدیث غریب ہے، طبرانی میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۃ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا یعنی عورتوں کو گھروں میں قاید رکھنے کا حکم نہیں رہا، امام احمد کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا اور جمہور کہتے ہیں کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور غامدہ یہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے، اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے بھی انہیں کوڑے نہیں لگوائے، پھر جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے واللہ اعلم۔

پھر فرمایا اس سچیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذا پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم وغیرہ دہا کر جو تیاں لگا کر، یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا، حضرت عکرمہ عطاء حسن عبداللہ بن کثیر فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد و عورت ہیں، سہمی فرماتے ہیں مراد وہ دو جوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں حضرت عی ہد فرماتے ہیں لواعت کے ہارے میں یہ آیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے تم لوطی فعل کرتے دیکھو تو فاعل مقول دونوں کو لگ کر ڈالو، ہاں اگر یہ دونوں باز آ جائیں اپنی بدکاری سے تو یہ کریں اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں اور ٹھیک شاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ، اس لئے کہ گنہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہ

قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے، بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کسی کی لوٹری ہدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے، یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلا یا کرے کیونکہ حد کا دار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، نساء ۱۵)

زنا کے لیے گواہیوں کا نصاب چار مردوں کی گواہی ہے اور یہ سب عاقل، بالغ اور قابل اعتماد ہونے چاہئیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو مرد اور چار عورتیں گواہی دے دیں۔ کیونکہ عورت کی گواہی صرف مال معاملات میں قابل قبول ہے، حدود میں نہیں۔ ایسے چار مسلمان، عاقل، بالغ اور قابل اعتماد اور معتبر آدمیوں کا اس طرح گواہی دینا کہ انہوں نے فلاں عورت کو کچشم خود دیکھا ہے بظاہر بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ان کڑی سزاؤں کے ساتھ چار گواہوں کا نصاب مقرر کرنے میں غالباً حکمت الہی یہ ہے کہ اگر کوئی ایک آدمہ شخص کسی کو زنا کرتے دیکھ بھی لے تو اس برائی کو ظاہر کرنے یا پھیلانے کی ہرگز کوشش نہ کرے۔ زنا کے گواہ دراصل خود مجرم کی حیثیت سے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ زنا کے گواہوں میں سے کسی ایک کی گواہی بھی نامکمل رہے یا مشکوک ہو جائے تو زانی بچ جائے گا اور گواہوں پر قذف کی حد پڑ جائے گی۔ اس لیے زنا کی گواہی کے لیے جانا اور گواہی دینا بذات خود بڑا خطرناک کام ہے۔

گواہوں سے احوال جاننے کا بیان

(وَإِذَا شَهِدُوا سَأَلَهُمُ الْإِمَامُ عَنِ الزَّانَا مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَأَيُّنَ زَنَى وَمَتَى زَنَى وَيَمَنَ زَنَى ؟) لِأَنَّ السَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اسْتَفْصَرَ مَا عَزَا عَنْ الْكُفْيَةِ وَعَنِ الْمَرْبِئَةِ ، وَلِأَنَّ الْإِخْتِصَاطَ فِي ذَلِكَ وَاجِبٌ لِأَنَّهُ عَسَاهُ غَيْرُ الْفِعْلِ فِي الْفَرْجِ عَنَاهُ أَوْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي الْمُتَقَادِمِ مِنَ الزَّمَانِ أَوْ كَانَتْ لَهُ شُبْهَةٌ لَا يَعْرِفُهَا هُوَ وَلَا الشُّهُودُ كَوَطْءِ جَارِيَةِ الْإِنِّ فَيَسْتَفْصِي فِي ذَلِكَ إِخْتِصَاطًا لِلذَّرْعِ (فَإِذَا بَيَّنَّا ذَلِكَ وَقَالُوا رَأَيْنَاهُ وَطَنَهَا فِي فَرْجِهَا كَأَلَمِيلٍ فِي السُّكْحَلَةِ وَسَأَلَ الْقَاضِي عَنْهُمْ فَعَدُّوا فِي السَّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ) وَلَمْ يَكْتَفِ بِظَاهِرِ الْعَدَالَةِ فِي الْمُحْذُودِ إِخْتِصَاطًا لِلذَّرْعِ ، (قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اذْرَوْا الْمُحْذُودَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) بِخِلَافِ سَائِرِ الْمُخْفُوقِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَتَعْدِيلِ السَّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَيْسَهُ فِي الشَّهَادَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

قَالَ فِي الْأَصْلِ : يَحْبِسُهُ حَتَّى يَسْأَلَ عَنِ الشُّهُودِ لِإِتِّهَامِ بِالْجَنَائَةِ وَقَدْ حَبَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا بِالشُّمَّةِ ، بِخِلَافِ الدُّيُونِ حَيْثُ لَا يُحْبَسُ فِيهَا قَبْلَ

ظُهُورِ الْعَدَالَةِ ، وَسَيَاتِيكَ الْفَرْقُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

اور جب گواہ گواہی دیں گے تو امام ان سے زنا کے بارے میں سوال کرے گا کہ زنا کس کو کہتے ہیں وہ کس طرح ہوتا ہے۔ اور مشہود علیہ نے کہاں زنا کیا ہے اور کب زنا کیا ہے اور اس نے زنا کس کے ساتھ کیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا کی کیفیت اور عرتہ عورت کے بارے میں پوچھا تھا کیونکہ اس میں احتیاط واجب ہے۔ اس لئے کہ ہو سکتا ہے زانی نے شرم میں عمل کے سوا سمجھ رکھا ہو یا اس نے دارالحرب میں زنا کیا ہو یا اس نے بہت پرانے زمانے میں کیا یا پھر وہاں کو اشتباہ ہو جس کو زانی اور گواہ سمجھ نہ سکا ہو، جس طرح اپنے بیٹے کی باندی سے دلی کرنے والا ہے۔ لہذا ان تمام احوال میں چھان بین کرنی ہوگی تاکہ حد کو دور کرنے کا کوئی سبب پیدا ہو جائے۔

اگر وہ گواہ یہ باتیں بیان کر دیں اور وہ یہ کہہ دیں کہ ہم نے فلاں شخص کو فلاں عورت سے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے جس طرح سرمدانی میں سدائی داخل کی جاتی ہے اور قاضی نے گواہوں سے احوال پوچھ لئے اور ان کے ظاہر و باطن میں عدل ثابت ہو گیا تو قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ دے گا اور حدود میں قاضی ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جہاں تک ممکن ہو حدود کو دور کرو۔ البتہ دیگر حقوق میں ایسا سمجھیں ہے اور یہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے۔ جبکہ ظاہر و باطن کی تعدیل کو ہم ان شاء اللہ کتاب الشہادات میں بیان کریں گے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ مشہود علیہ کو امام قید میں رکھے حتیٰ کہ گواہوں کا حال جان لے کیونکہ ان پر جنائیت کی تہمت ثابت ہے اور نبی کریم ﷺ نے تہمت کی وجہ سے ایک شخص کو مجبوس فرمایا تھا۔ البتہ دیون میں ظہور عدالت سے قبل مقروض کو قید میں نہ رکھا جائے گا اور ان شاء اللہ عنقریب ہم آپ کے سامنے اس کی وجہ فرق بیان کریں گے۔

شرح

حضرت سلیمان بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز بن مالک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ پاس آئے اور عرض کی اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے ہلاکت ہو واپس جا، اللہ سے معافی مانگ اور اس کی طرف رجوع کر۔ تو وہ تھوڑی دور ہی جا کر لوٹ آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہلاکت ہو تیرے لیے۔ لوٹ جا اللہ سے معافی مانگ اور اس کی طرف رجوع کر۔ وہ تھوڑی دور جا کر لوٹا پھر آ کر عرض کی اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح فرمایا یہاں تک کہ چوتھی دفعہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تجھے کس بارے میں پاک کروں؟ اس نے عرض کیا زنا سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا یہ دیوانہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دی گئی کہ وہ دیوانہ نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا اس نے شراب پی ہے؟ تو ایک آدمی نے اٹھ کر اسے سوگھا اور اس سے شرابہ کی بدبو نہ پائی

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے زنا کیا؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو اسے رجم کیا گیا اور لوگ اس کے ہارے میں دوگردہوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یہ ہلاک ہو گیا اور اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا اور دوسرے کہنے والے نے کہا کہ عز کی توبہ سے اللہ کوئی توبہ نہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا اس نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں رکھ کر عرض کیا مجھے پتھروں سے قتل کر دیں۔ پس صہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں یا تین دن اس بات پر ٹھہرے رہے یعنی اختلاف رہا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس حال میں کہ صہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام فرمایا اور بیٹھ گئے اور فرمایا باعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بخشش مانگو صہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اللہ نے باعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاف کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انہوں نے ایک خالص توبہ کی ہے کہ اگر اس کو امت میں تقسیم کر دیا جاتا تو ان سب کے لیے کافی ہو جاتی۔ پھر ایک عورت جو قبیلہ غمد سے تھی جو کہ ازد کی شاخ ہے آپ کے پاس حاضر ہوئی۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے لیے ہلاکت ہو واپس ہو چاہے اللہ سے معافی، نگ اور اس کی طرف رجوع کر اس نے عرض کیا کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے واپس کرنے ارادہ رکھتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس کیا آپ نے فرمایا یا تجھے کیا ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں آپ نے اس سے فرمایا وضع حمل تک جو تیرے پیٹ میں ہے ایک انصاریؓ دی نے اس کی کفالت کی ذمہ داری لی یہاں تک کہ وضع حمل ہو گیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ غامد یہ نے وضع حمل کر دیا ہے آپ نے فرمایا ہم اس وقت اسے رجم نہیں کریں گے کیونکہ ہم اسکے بچے کو چھو نہ چھوڑیں گے تو اسے دودھ کون پلائے گا؟ انصاریؓ سے ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی رضا عت میرے ذمہ ہے پھر اسے رجم کر دیا گیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1938، حدیث متواتر)

قاضی اہل شہادت احوال زنا معلوم کرے

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب گواہ گواہی دے لیں تو قاضی ان سے دریافت کریگا کہ زنا کس کو کہتے ہیں۔ جب گواہ اس کو بتائیں گے اور یہ کہیں کہ ہم نے دیکھا کہ س کے ساتھ وہی کی جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو ان سے دریافت کریگا کہ کس طرح زنا کیا یعنی اگر وہ مجبوری میں تو نہ ہوا۔ جب یہ بھی بتائیں گے تو پوچھے گا کہ کب کیا کہ زنا نہ دراز کر بتایا تو نہ ہوئی۔ پھر پوچھے گا کس عورت کے ساتھ کیا کہ ممکن ہے وہ عورت ایسی ہو جس سے وہی پر حد نہیں۔ پھر پوچھے گا کہ کب زنا کیا کہ شاید دارالحرب میں ہوا ہو تو حد نہ ہوگی۔ جب گواہ ان سب سوالوں کا جواب دے لیں گے تو اب اگر ان گواہوں کا دل ہونا قاضی کو معلوم ہے تو خیر ورنہ ان کی ہدالت کی تفتیش کریگا یعنی پوشیدہ و علانیہ اس کو دریافت کریگا۔ پوشیدہ ہوں کہ ان کے نام اور پورے پتے لکھ کر وہاں کے لوگوں سے دریافت کریگا اگر وہاں کے معتبر لوگ اس امر کو لکھ دیں کہ یہ عادل ہے اسکی گواہی قابل قبول ہے اس کے

بعد جس نے ایسا لکھا ہے قاضی اسے بلا کر گواہ کے سامنے دریافت کریگا جس شخص کی نسبت تم نے ایسا لکھا یہ بیان کیا ہے وہ یہی ہے جب وہ تصدیق کر لے گا تو اب گواہ کی عدالت ثابت ہوگی۔

اب اس کے بعد اس شخص سے جس کی نسبت زنا کی شہادت گزری قاضی یہ دریافت کریگا کہ تو محسن ہے یا نہیں (احسان کے معنی یہاں پر یہ ہیں کہ آزاد قتل بالغ ہو جس نے نکاح صحیح کے ساتھ دہلی کی ہو)۔ اگر وہ اپنے محسن ہونے کا اقرار کرے یا اس نے تو انکار کیا مگر گواہوں سے اس کا محسن ہونا ثابت ہوا تو احسان کے معنی دریافت کر چکے یعنی اگر خود اس نے محسن ہونے کا اقرار کیا ہے تو اس سے احسان کے معنی پوچھیں گے اور گواہوں سے احسان ثابت ہوا تو گواہوں سے دریافت کر چکے۔ اگر اس کے صحیح معنی بتا دیے تو رجم کا حکم دیا جائیگا اور اگر اس نے کہا میں محسن نہیں ہوں اور گواہوں سے بھی اس کا احسان ثابت نہ ہوا تو سوہ دُرے مارنے کا قاضی حکم دیگا۔ (قادی ہند یہ کتاب الحدود)

حد اور تعزیر میں فرق

حد اور تعزیر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ حد تو شریعت میں "عقوبت" ہے جو اللہ کا حق قرار دی گئی ہے اس لیے اس کو حق اللہ کہا جاتا ہے یا وجہ کہ اس میں کوئی بندہ تصرف نہیں کر سکتا، اور تعزیر کو حق اللہ کہا جاتا ہے یا وجہ کہ بندہ اس میں تصرف کر سکتا ہے یعنی اگر وہ کوئی مصلحت دیکھے تو قابل تعزیر مجرم کو معاف بھی کر سکتا ہے اور موقع محل اور جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزائیں کی زیادتی اور تخفیر و تبدل بھی کر سکتا ہے، حاصل یہ کہ حد تو اللہ کی طرف سے متعین ہے جس میں کوئی تصرف ممکن نہیں اور تعزیر قاضی یا حکومت کے ہر دے اسی عدم تقدیر و تحقیق کی بنا پر تعزیر کو حد نہیں کہا جاتا۔

چونکہ "قصاص" بھی بندہ کا حق ہے کہ وہ اپنے اختیار سے مجرم کو معاف کر سکتا ہے اس لیے اس کو بھی "حد" نہیں کہا جاتا۔ اور امام مالک نے امام زہری سے بیان کیا ہے: "یہ طریقہ اور سنت چل رہی ہے کہ حد و اور نکاح اور طلاق میں عورت کی گواہی جائز نہیں، اور جس میں مذکورہ شرط پائی جائے اسے بھی اس پر قیاس کرو۔

احناف کہتے ہیں: وہ معاملات جس میں دو مرد گواہ یا پھر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول ہوتی ہے وہ حد و اور قصاص کے معاملات کے علاوہ باقی معاملات ہیں، چاہے وہ مال ہو یا غیر مال، مثلاً نکاح، طلاق، آزادی، وکالت، وصیت اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: (اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو، اگر مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کر لو، تا کہ ایک بھول چوک کو دوسری یاد کرادے) البقرة: (282)

اور جمہور نے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کو صرف مال یا مال کے معنی والے معاملات میں ہی اقتصار کیا ہے، مثلاً بیع، ورجوع، ضمان، مالی حقوق، مثلاً اختیار، اور مدت وغیرہ۔

دار کچھ ایسے معاملات ہیں جس میں صرف عورتوں کی ہی گواہی قبول کی جاتی ہے، اور وہ ولادت اور رضاعت، اور پیدائش کے وقت بچے کا جنم، اور وہ چھپے محبوب جن پر انہیں مرد مطلع نہیں ہو سکتا، اس میں صرف عورت کی گواہی ہی قبول کی جائیگی۔

لیکن ان امور کے ثبوت میں گواہوں کی تعداد میں اختلاف پایا جاتا ہے، کہ ان امور میں کتنی عورتوں کی گواہی ہو تو وہ معطلہ پایا ثبوت تک پہنچے گا، اس میں پانچ قول ہیں۔

اور کچھ ایسے معاملات بھی ہیں جس میں صرف ایک گواہ کی گواہی قبول کی جاتی ہے، چنانچہ رمضان المبارک کا چاند دیکھنے میں ایک عادل شخص کی گواہی قبول کی جائیگی، اس کی دلیل ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی یہ حدیث ہے: "لوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش کی تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی اس دن کاروزہ رکھنے کا حکم دیا" اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ (الموسوعة الفقهية) (26 / (229 - 226)

دوسرا معاملہ: زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی گواہی میں شرط یہ ہے کہ: مسلمان اور آزاد اور عادل ہونے کے علاوہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور پوری وضاحت اور دقیق وصف کے ساتھ بیان کریں، اس میں مرد اور اجنبی عورت کا ایک جگہ جمع ہونے کو دیکھ کر بیان کرنا کافی نہیں، چاہے نہیں اس نے بے لباس بھی دیکھا ہو، اور اس گواہی کی خصوصیت میں یہ شامل ہے۔ ابن رشد رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اور گواہوں سے زنا کا ثبوت: علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ گواہوں سے زنا ثابت ہو جاتا ہے، اور باقی سارے حقوق کے برخلاف اس میں چار گواہوں کی شرط ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (پھر وہ چار گواہ پیش نہ کر سکیں)۔

اور وہ گواہ عادل ہوں، اور اس گواہی کی شرط یہ ہے کہ انہوں نے مرد کی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ میں دیکھا ہو، اور پھر یہ صراحت کے ساتھ بیان کیا جائے نہ کہ اشارہ کنایہ کے ساتھ (بدایۃ المجتہد (2 / (439)

اور امام الماوردی کہتے ہیں: "اور زنا میں گواہی کا طریقہ اور وصف یہ ہے کہ: اس میں گواہوں کا یہ کہنا کافی نہیں: ہم نے اسے زنا کرتے دیکھا، بلکہ انہیں وہ وصف بیان کرنا ہوگا جس زنا کا انہوں نے ہم کو دیکھا ہے، اور وہ اس طرح کہیں: ہم نے مرد کا عضو تناسل عورت کی شرمگاہ میں اس طرح داخل ہوتے دیکھا جس طرح سرمہ ڈالنے کی سدا کی سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے۔

ایسا تین امور کی بنا پر کیا جائیگا:

اول: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعرضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقرار کو ثابت کرنے کے لیے فرمایا: کیا تو نے اس طرح دغوں کیا جس طرح کہ سرمہ ڈالنے والی سدا کی سرمہ دانی میں داخل ہو جاتی ہے، اور پانی کا ڈول کنوئیں میں؟ تو اس نے کہا: جی ہاں، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا "تو یہ نیز قرار میں بطور ثبوت پوچھی گئی تو پھر کوئی میں ہاں دلی یہ طریقہ ہوگا۔ دوم: جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گواہوں نے سفیر بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف زنا کی گواہی دی اور وہ گواہ: ابوبکر، اور نافع، اور نافع، اور زیاد دیکھے تو ابوبکر اور نافع، اور نافع نے صراحت کے ساتھ بیان کیا، لیکن زیاد کو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ بیان کرو، اور مجھے امید ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تیرے زبان سے سچی بات کہے گی، تو زیاد نے کہا: میں نے ایک نفس کو اوپر ہوتے دیکھا، یا دوسرے اوپر دیکھے، اور میں نے اس عورت کی انگلیں اس کی گردن پر دیکھیں گویا کہ وہ

دونوں انگلیں گدھے کے کان ہوں۔ اسے امیر المومنین میں نے جانتا کہ اس کے پیچھے کیا تھا۔

تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نعرہ بکیر بلند کرتے ہوئے اللہ اکبر کہا، اور گواہی ساقط کر دی اور اسے مکمل نہ سمجھا۔

سوم: زنا لفظ مشترک ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: آنکھیں زنا کرتی ہیں، اور ان کا زنا دیکھنا ہے، اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں، اور ان کا زنا پکڑنا اور چھونا ہے، اور اس سب کی تصدیق یا تکذیب شرمگاہ کرتی ہے "اس لیے زنا کے ثبوت کی گواہی میں اس احتمال کی نفی کے لیے لازم ہے زہ انہوں نے جو کچھ دیکھا ہے وہ بیان کریں، کہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل تھی۔ (الحاوی) (13 / (227)

تیسرا معاملہ: زنا کے معاملہ میں اس شدت کے ساتھ گواہی کی تخصیص میں عزت و ناموس کی حفاظت میں مزید احتیاط ہے، تا کہ لوگ طعن اور تہمت لگانا آسان نہ سمجھیں۔

اور اس بار کی اور دقیق وصف کے ساتھ گواہی کی شرط ہونے کی بنا پر کسی شخص پر زنا کی حد کا جاری ہونا بہت مشکل ہے، الا یہ کہ وہ خود اعتراف کر لے، اور جس شخص پر اتنی دقیق اور ہار کی سے گواہی دیے جانے پر حد جاری ہو تو یہ اس جرات اور شجاعت کی دلیل ہے جس کی سزا میں وہ عبرت ناک سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

امام روادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "جس معاملے کی گواہی دی جا رہی ہے اس کے سخت ہونے اور شدید ہونے کے اعتبار سے گواہی بھی شدید ہوگی، جب زنا اور لواطت و بدکاری سب سے برے اور فحش کام میں شامل ہوتی ہے جس سے منع کیا گیا ہے تو اس کے آخر میں گواہی بھی اتنی ہی شدید رکھی گئی، تاکہ حرمت کی بے پردگی نہ ہو، اور اسے ختم کرنے کا باعث بنے۔

(الحاوی) (13 / (226)

ابن تیمیہ کہتے ہیں: "زنا پر گواہی کی وجہ سے کوئی حد نہیں لگائی جاسکتی، اور میرے علم کے مطابق تو گواہی کے ساتھ زنا کی حد لگائی ہی نہیں گئی، بلکہ یہ یا تو اعتراف یا پھر حیلہ کے ساتھ لگائی جاتی ہیں۔ (منہاج السنہ) (6 / (95)

اقرار سے ثبوت حد کا بیان

قَالَ (وَالْإِفْرَارُ أَنْ يَقْرَأَ الْبَالِغُ الْعَاقِلُ عَلَى نَفْسِهِ بِالزَّانَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِي أَرْبَعَةِ مَجَالِسٍ مِنْ مَجَالِسِ الْمُقَرَّرِ، كَمَا أَقَرَّ رَدَّ الْقَاضِي) فَاشْتَرَا طُ الْبُلُوغِ وَالْعَقْلُ لِأَنَّ قَوْلَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ غَيْرُ مُعْتَبَرٍ أَوْ غَيْرُ مُوجِبٍ لِلْحَدِّ .

وَاشْتَرَا طُ الْأَرْبَعِ مَذْهَبَنَا، وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَكْفِي بِالْإِفْرَارِ مَرَّةً وَاحِدَةً اعْتِبَارًا بِسَائِرِ الْحُقُوقِ، وَهَذَا لِأَنَّهُ مُظْهِرٌ، وَتَكَرُّرُ الْإِفْرَارِ لَا يُقِيدُ زِيَادَةَ الظُّهُورِ بِخِلَافِ زِيَادَةِ الْعُدَّةِ فِي الشَّهَادَةِ .

وَلَنَا حَدِيثٌ مَاعِزٌ (لَبَّائُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَخَّرَ الْإِقَامَةَ إِلَى أَنْ تَمَّ الْإِقْرَارُ مِنْهُ أَرْبَعُ مَرَّاتٍ فِي أَرْبَعَةِ مَجَالِسٍ) فَلَوْ ظَهَرَ بِمَا دُونَهَا لَمَّا أَخَّرَهَا لِبُتُ الْوُجُوبِ وَلِأَنَّ الشَّهَادَةَ اخْتَصَّتْ فِيهِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ، فَكَذَا الْإِقْرَارُ إِعْظَامًا لِأَمْرِ الزَّوْثَا وَتَحْقِيقًا لِمَعْنَى السَّخَرِ، وَلَا بُدَّ مِنْ اخْتِلَافِ الْمَجَالِسِ لِمَا زَوَيْنَا، وَلِأَنَّ لِاتِّحَادِ الْمَجْلِسِ أَثَرًا فِي جَمْعِ الْمُتَفَرِّقَاتِ، فَعِنْدَهُ يَتَحَقَّقُ شُبْهَةُ الْإِتِّحَادِ فِي الْإِقْرَارِ، وَالْإِقْرَارُ قَائِمٌ بِالْمُقَرَّرِ فَيُعْتَبَرُ اخْتِلَافُ مَجْلِسِيهِ دُونَ مَجْلِسِ الْقَاضِي.

وَالْإِخْتِلَافُ بِأَنْ يَرُدَّ الْقَاضِي كُلَّمَا أَقْرَأَ فَيَذْهَبَ حَيْثُ لَا يَرَاهُ ثُمَّ يَجِيءَ فَفَقِيرٌ، هُوَ الْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي حَبِيبَةَ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ طَرَدَ مَاعِزًا فِي كُلِّ مَرَّةٍ حَتَّى تَوَارَى بِحَيْطَانِ الْمَدِينَةِ.

ترجمہ

فرمایا۔ اقرار کا طریقہ یہ ہے کہ عاقل و بالغ شخص چار بار چار مجلس میں اپنی ذات پر زنا کا اقرار کرے اور جب بھی وہ اقرار کرے قاضی اس کی تردید کرے۔ اس میں عاقل و بالغ ہونے کی شرط اس لئے بیان کی گئی ہے کیونکہ بچے اور مجنون کے قول کا اعتبار نہیں ہے یا پھر وہ موجب حد ہی نہیں ہے جبکہ چار بار کی شرط ہمارے مذہب کے مطابق ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک دوسرے حقوق پر قیاس کرتے ہوئے ایک بار اقرار کرنا کافی ہوگا کیونکہ اقرار سے زنا کا ظاہر ہوتا ہے اور اقرار میں تکرار سے ظہور میں کسی قسم کی زیادتی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جبکہ شہادت میں عدد کی زیادتی فائدہ دینے والی ہے۔

ہماری دلیل حضرت اعجازی رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت تک حد جاری کرنے کو مؤخر رکھا جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی جانب سے چار مجلس میں چار بار اقرار مکمل نہ ہوا۔ کیونکہ اگر چار مرتبہ سے کم پر اقرار ثابت ہو جائے تو آپ ﷺ اقامت حد کو مؤخر نہ فرماتے۔ کیونکہ زنا کی حد عدد کی زیادتی کے ساتھ خاص ہے لہذا اقرار بھی زیادتی عدد کے ساتھ خاص ہوا۔ تاکہ زنا کے معاملہ کو زیادہ اہمیت دی جاسکے۔ اور ستر کے حکم کو ثابت کیا جاسکے اور اقرار کی مجلس کا بدن ضروری ہے اسی حدیث کے مطابق جس کو ہم روایت کر چکے ہیں۔ کیونکہ متفرقات کو جمع کرنے کیلئے اتحاد مجلس کا دخل ہوتا ہے پس اتحاد مجلس کے سبب وقت اقرار میں شبہ پیدا ہو جائے گا حالانکہ اقرار مقرر کے ساتھ قائم ہوتا ہے پس مقرر کی مجلس کو بدلنے کا اعتبار کیا جائے گا جبکہ قاضی کی مجلس کو بدلنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اور مجلس کا اختلاف یہ ہے کہ جب مقرر اقرار کرے تو قاضی اس کی تردید کرے اس کے بعد مقرر اتنا دور

چاہئے کہ قاضی اس کو نہ دیکھ سکے اور وہ پھر آکر اقرار کرے اسی طرح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ہر بار دو مرتبہ دیا تھا حتیٰ کہ وہ مدینہ منورہ کی دیواروں میں پوشیدہ ہو گئے تھے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین خلی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح گواہوں کی عدم موجودگی کی صورت میں اگر خود مجرم اقرار کرے تو ایسی صورت میں بھی اسلام نے احرامِ ہنریت کے پیش نظر اس قدر احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھا ہے کہ زانی اقبالِ جرم کرنے کی صورت میں جب گناہ کا اقرار کرے تو اس کے لیے یہ شرط ہے۔ کہ وہ قاضی کے سامنے چار بار چار مجلسوں میں ہوش کی حالت میں صریح لفظ میں زنا کا اقرار کرے اور تین بار تک قاضی اس کے اقرار کو رد کرے جب چوتھی بار وہ اقرار کرے تو اب قاضی اس سے پانچ سوال کرے کہ زنا کس کو کہتے ہیں، کس کے ساتھ کیا، کب کیا، کہاں کیا اور کس طرح کیا۔ تب چار قاضی حد کا نفاذ کرے اور باوجود حد کے نفاذ کے دوران ایسے شخص کے حق میں شریعت نے ایسے اقبالی زانی کو اس قدر اختیار دے رکھا ہے کہ اقرار کر چکنے کے باوجود اب اگر (یعنی زانی) انکار کرتا ہے تو حد قائم کرنے سے پہلے یا درمیان حد میں اثنائے حد میں بھگنے لگا یا کہتا ہے کہ میں نے اقرار ہی نہ کیا تھا تو اسے چھوڑ دیں حد قائم نہ کریں گے اور اگر شہادت سے زنا ثابت ہوا تو رجوع یا انکار یا بھاگنے سے حد موقوف نہ کریں گے اور اگر اپنے محسن (عاقل بالغ شادی شدہ) ہونے کا اقرار کیا تھا پھر اس سے رجوع کر گیا تو رجم (سنگسار) نہ کریں گے۔

(دورقار، کتاب حدود)

ثبوت حد میں اقرار کے حجت ہونے کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، زید بن خالد سے روایت کرتے ہیں ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں اور مجھے عرض کرنے کی اجازت دیں، آپ نے فرمایا بیان کر اس نے کہا کہ میرا بیٹا اس کے ہاں مزدوری پر تھا اس کی بیوی کے ساتھ میرے بیٹے نے زنا کر لیا، ایک سو بکریاں اور ایک خادم میں نے فدیہ میں دیا پھر میں نے اہل علم سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے بیٹے کو ایک سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے گا اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا، سو بکریاں اور خادم تو تمہیں واپس کئے جاتے ہیں اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے لگائے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن ہونا پڑے گا، اے شخص تو صبح اس کی بیوی کے پاس جا اگر اس نے اقرار کر لیا تو اس کو رجم کر دو، وہ صبح اس عورت کے پاس گیا تو اس نے اقرار کر لیا تو اسے رجم کیا گیا۔ بخاری کہتے ہیں میں نے سفیان سے کہا کہ کیا زہری نے یہ بیان نہیں کیا کہ، فَأَخْبَرُونِي أَنَّ عَلِيَّ بْنَ ابْنِ الرُّجْمِ (کہ انہوں نے کہا میرے بیٹے پر رجم ہے) سفیان نے کہا مجھے اس زہری سے سننے میں شک ہے کبھی میں اس کو کہتا ہوں اور کبھی میں خاموش رہتا ہوں۔ صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1743

ابن عباس سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ ایک روز لوگوں پر ایسا آئے گا کہ ایک کہنے والا کہے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے، چنانچہ وہ ایک فرض کو چھوڑ کر گمراہ ہوں گے جو اللہ نے نازل کیا ہے، خبردار رجم واجب ہے اس پر جس نے زنا کیا اور شادی شدہ ہو بشرطیکہ اس پر گواہی قائم ہو جائے یا حل ہو جائے یا اقرار ہو، شعبان نے کہا کہ اس طرح میں نے یاد کیا ہے سن اور رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا ہے، اور آپ کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1744)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے۔ بے شک اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا اس میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے اسے پڑھا، یاد رکھا اور اسے سمجھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (زانی کو) سنگسار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہم نے بھی سنگسار کیا۔ پس میں ڈرتا ہوں کہ لوگوں پر زمانہ دراز گزرے گا کہ کہنے والا کہے گا کہ ہم اللہ کی کتاب میں سنگسار کا حکم نہیں پاتے تو وہ ایک فریضہ کو چھوڑنے پر گمراہ ہوں گے جسے اللہ نے نازل کیا ہے حالانکہ جب شادی شدہ مرد، عورت زنا کریں جب ان پر گواہی قائم ہو جائے یا اعتراف کر لیں تو اللہ کی کتاب میں اسے سنگسار کرنا ثابت ہے۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1925، حدیث متواتر)

حاکم مقرر کے اقرار کی تردید کرے

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چھوٹے قد والا آدمی آیا گیا۔ اس پر ایک چادر تھی اس حال میں اس نے زنا کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دوسرے روز درمیان میں پھر حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ہماری جماعت اللہ کے راستہ میں جہاد کرتی ہے تم میں سے کوئی پیچھے رہ جاتا ہے مگر اسے کی آواز کی طرح آواز نکالتا ہے اور کسی عورت کو تھوڑا سا دودھ دیتا ہے بے شک اللہ مجھے انہیں سے کسی پر جب توت قبضہ دے گا تو میں اسے عبرت بنا دوں گا یا ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لئے عبرت ہوگی راوی کہتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے سعید بن جبیر سے بیان کی تو انہوں نے کہا کہ آپ نے اسے چار مرتبہ واپس کیا تھا۔ صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1932

ابن جعفر کی شبابہ نے دو مرتبہ کے لوٹنے میں موافقت کی ہے اور ابو عامر کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے دو یا تین مرتبہ واپس کیا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسلم میں سے ایک آدمی جسے عزن مالک کہا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں برائی کو پہنچا ہوں (زنا کیا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر حد قائم کر دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بار بار رد کیا۔ پھر آپ نے ان کی قوم سے پوچھا تو انہوں نے کہا ہمیں اس میں کوئی

پہری معلوم نہیں لیکن اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کوئی فطری سرزد ہو گئی ہے جس کے بارے میں اسے گمان ہے کہ سوائے حد قائم کیے کے اس سے نہ نکلے گی۔ راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کر دیں اسے بیچ غرقہ کی طرف لے چلے نہ ہم نے اسے باندھا اور نہ اس کے لیے گڑھا کھودا۔ ہم نے اسے ہڈیوں ڈھیلوں اور ٹھکریوں سے مارا وہ بھاگا اور ہم بھی اس کے پیچھے دوڑے۔ یہاں تک کہ وہ حرہ کے عرض میں آ گیا اور ہمارے لیے رکاوٹ بننے لگی۔ ہم نے اسے میدان حرہ کے پتھروں سے مارا۔ یہاں تک کہ اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا ہم جب بھی اللہ کے راستہ میں جہاد کے لیے نکلتے ہیں تو کوئی آدمی ہمارے اہل میں پیچھے رہ جاتا ہے۔ اس کی آواز مکرے کی آواز کی طرح ہوتی ہے مجھ پر یہ ضروری ہے کہ جو بھی آدمی جس نے ایسا عمل کیا ہو اور وہ میرے پاس آیا جائے تو میں اسے عبرت ناک سزا دوں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے نہ مغفرت مانگی اور نہ اسے برا بھلا کہا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1935)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اس سے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بالجزم یہ کہتے ہیں کہ: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو کوئی بھی گناہ کر بیٹھے اور اللہ نے اس کا پردہ رکھ لیا تو وہ اپنے آپ کو پردہ میں ہی رہنے دے اور اسے چاک مت کرے، انہوں نے ماعز اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ قصہ سے استدلال کیا ہے۔

اور اس میں یہ بھی ہے کہ: "جو کوئی برائی کر بیٹھے اور وہ اپنے کیے پر نادم ہو تو وہ جلد توبہ کر لے، اور کسی کو بھی اس کے متعلق مت بتائے اور اللہ کے پردہ کو چاک مت کرے، اور اگر اتفاق سے کسی کو اس کی خبر بھی ہو جائے تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ برائی کرنے والے کو توبہ کرنے کا حکم دے، اور لوگوں سے اسے چھپائے جیسا کہ ماعز رضی اللہ عنہ کا عمر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قصہ میں ہے۔ (فتح الباری) (12 / 124)

رجم کی سزا کا فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک لونڈی دیدی، پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ حصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اسی لئے اس کو سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلا وطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ

قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری موٹری تمہیں واپس مل جائے گی اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس کو فرمایا تم اس شخص کی عورت کے پاس جاؤ اگر وہ زنا کا اقرار کرے تو اس کو سنگ رکھ دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔" (بخاری و مسلم)

کتاب اللہ "سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم و سنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت رجم کے الفاظ قرآن کریم سے مسسوخ الصلوات نہیں ہوئے تھے۔ ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد میں داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زنا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ایک سال کی جلاوطنی کے حکم کو مصیحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلاوطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر اہم وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصیحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلاوطن بھی کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ الرایۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة حدۃ (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ فاعترفوا بجمہما چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے۔

جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم وی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحت ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

چار مجالس پر شہادت کی مستدل حدیث

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی تشریف فرما تھے، اس شخص نے آواز دی "یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا وہ شخص پھر اس سمت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا جدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہو گیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا، یہاں تک کہ جب اس نے اس طرح چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا

کہ کیا تو دیوانہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو محسن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو سنگسار کر دو۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن شہاب کا بیان ہے کہ جس شخص نے اس حدیث کو حضرت جابر بن عبد اللہ سے سنا تھا، اس نے مجھے بتایا کہ حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کے بعد اس شخص کو مدینہ میں سنگسار کیا چنانچہ جب ہم نے اس کو پتھر مارنے شروع کئے اور اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ ہم نے اس کو "حرہ" میں جا کر پکڑا لیا کہ وہ مضافاتی علاقہ جو کالے پتھروں والا تھا حرہ کہلاتا تھا اور پھر اس کو سنگسار کیا تا آنکہ وہ مر گیا۔" (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 717)

اور امام بخاری کی ایک اور روایت میں جو حضرت جابر سے منقول ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پوچھنے پر کہ کیا تو محسن ہے؟ اس شخص کے جواب "ہاں" کے بعد یہ الفاظ ہیں کہ اس کے بعد آپ نے اس شخص کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا جب اس کو پتھر لگنے لگے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا مگر پھر پکڑ لیا گیا اور سنگسار کیا گیا یہاں تک کہ مر گیا اس کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھلائی بیان کی یعنی اس کی تعریف و توصیف کی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی یا (صلی علیہ) کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی۔

اور اس نے چار مرتبہ اقرار کیا یعنی اس شخص نے چاروں طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر اپنے جرم کا اقرار کر کے، درگاہ بردفہ میں تبدیل مجلس کر کے اس طرح چار مجلسوں میں چار مرتبہ اپنے جرم کا اقرار کیا۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے چاروں طرف سے آ کر اقرار کرنے سے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا کے ثبوت جرم کے لئے ملزم کا چار مجلسوں میں چار بار اقرار کرنا شرط ہے۔

"کیا تو دیوانہ ہے؟" یعنی کیا تم پر دیوانگی طاری ہے کہ تم اپنے گناہ کا خود افشاء کر رہے ہو اور سنگساری کے ذریعہ خود اپنی بدکت کا باعث بن رہے ہو حالانکہ چاہئے تو یہ کہ تم خدا سے توبہ استغفار کرو اور آئندہ کے لئے ہر برائی سے بچنے کا پختہ عہد و عزم کرو۔ نووی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مقصد اس شخص کے حال کی تحقیق تھا کیونکہ عام طور پر کوئی بھی انسان اپنے کسی بھی ایسے جرم و گناہ کے اقرار پر مصر نہیں ہوتا جس کی سزا میں اس کو موت کا منہ دیکھنا پڑے بلکہ وہ اسی میں اپنی راہ نجات دیکھتا ہے کہ اپنے جرم و گناہ پر شرمسار و تادم ہو کر خدا سے توبہ استغفار کرے اور اس کے ذریعہ اپنے گناہ کو ختم کرائے۔

حاصل یہ کہ یہ ارشاد جہاں اس بات کو واضح کرتا ہے کہ ایسے معاملات میں مسلمان کی حالت کی تحقیق و تفتیش میں پوری پوری سعی کرنی چاہئے تاکہ فیصلہ میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہ رہے وہیں اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی جرم کی سزا میں ایک مسلمان کی جان بچانے کے لئے اس کو جو بھی قانونی فائدہ پہنچایا جاسکتا ہو اس سے صرف نظر نہ کیا جائے، نیز یہ جملہ اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر کوئی دیوانہ یہ کہے کہ میں نے زنا کیا ہے تو اس کا اقرار کا اعتبار نہیں ہوگا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی۔

"کیا تو محسن ہے؟" امام نووی فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ امام وقت یا قاضی پر لازم ہے کہ وہ ان

چیزوں کے بارے میں تحقیق کر لے جو سزائے رجم (سنگساری) کے نفاذ کے لئے شرط ہیں جیسے محسن ہونا وغیرہ، خواہ زنا کا جرم خود اس کے اقرار سے ثابت ہو چکا ہو یا گواہوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہو، نیز اس ارشاد سے کفایت یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا شخص اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کو معافی دے کر زنا کی حد سے قطع کر دی جائے۔ "وہ بھگ کھڑا ہوا۔"

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی مرد کو کسی بھی حد یا تعزیر میں مارا جائے تو کھڑا کر کے مارا جائے لٹکا کر نہ مارا جائے اور عورت کو بٹھا کر مارا جائے بلکہ اگر کسی عورت کو رجم کی سزا دی جا رہی ہو تو بہتر ہے کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو (بیہ تک) گاز کر سنگ رکھا جائے کیونکہ اس میں اس کے ستر (پردہ پوشی) کی زیادہ رعایت ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدہ کے لئے گڑھا کھدوایا تھا۔

"یہاں تک کہ ہم نے اس کو حرہ میں جا کر پکڑا" اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر سنگسار کیا جانے والا سنگساری کے دوران بھگ کھڑا ہو تو اس کا پیچھا نہ کیا جائے بشرطیکہ اس کے جرم زنا خود اس کے اقرار سے ثابت ہوا ہو اور اگر اس کا جرم زنا گواہوں کے ذریعہ ثابت ہوا ہو تو پھر اس کا پیچھا کیا جائے اور اس کو سنگ رکھا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ اس کا بھگنا دراصل اس کے رجوع (جرم سے انکار) کو ظاہر کرتا ہے اور یہ رجوع کارآمد نہیں ہوگا۔

علامہ نووی شافعی کہتے ہیں کہ علماء نے لکھا ہے کہ اس جملہ (فرجم بالمصلی) (چنانچہ اس کو عید گاہ میں سنگسار کیا گیا) میں مصلیٰ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں جنازے کی نماز پڑھی جاتی تھی، چنانچہ ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

بخاری وغیرہ کہتے ہیں کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس جگہ جنازے اور عیدین کی نماز پڑھی جاتی ہو اگر اس کو مسجد قرار نہ دیا گیا ہو تو وہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوتی کیونکہ جنازہ یا عیدین کی نماز پڑھنے کی جگہ کا وہی حکم ہوتا جو مسجد کا ہوتا ہے تو اس جگہ کو خون سے آلودہ ہونے سے بچانے کے لئے اور اس کی تقدیس و احترام کے پیش نظر وہاں زانی کو سنگسار نہ کیا جاتا۔

مساجد میں حد و تعزیر جاری نہ کی جائیں

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مسجد میں کسی پر کوئی حد جاری کی جائے اور نہ کسی کو کوئی تعزیر دی جائے کیونکہ اس پر تمام علماء کا اجماع و اتفاق ہے اور اس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

حدیث (قَالَ جَمَعُوا مَسَاجِدَ صِبَاكُمْ وَمَجَانِبَكُمْ وَرَفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ وَشَرَائِكُمْ وَبَيْعَ وَأَقَامَةَ حُدُودَكُمْ وَجَمْرُوهَا فَيُجْمَعُكُمْ وَضَعُوا عَلَىٰ أِبوابِهَا الْمَطَاهِرَ)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں سے، دیوانوں سے، شور مچانے سے، خرید و فروخت کرنے سے، اور حد قائم کرنے سے بچائے رکھو، اور جمعہ کے دن مسجدوں کو اگر بتی کی دھونی دو نیز مسجدوں کے دروازوں پر طہارت (وضو) کی جگہ بناؤ۔"

چار مرتبہ اقرار کے قیام حد کا بیان

قَالَ (فَإِذَا تَمَّ إِقْرَارُهُ أَرْبَعَ مَرَّاتٍ سَأَلَهُ عَنِ الزَّانَا مَا هُوَ وَكَيْفَ هُوَ وَآيِنَ زَنَى وَبِمَنْ زَنَى، فَإِذَا بَيَّنَّ ذَلِكَ لَزِمَهُ الْعَهْدُ) لِسَمَامِ الْحُجَّةِ، وَمَعْنَى السُّؤَالِ عَنِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ بَيِّنَاتٌ فِي الشَّهَادَةِ، وَلَمْ يَذْكُرِ السُّؤَالُ فِيهِ عَنِ الزَّامَانِ، وَذَكَرَهُ فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّ تَقَادُّمَ الْعَهْدِ يَمْنَعُ الشَّهَادَةَ ذَوْنَ الْإِقْرَارِ. وَقِيلَ لَوْ سَأَلَهُ جَارَ لَجَوَّازٍ أَنَّهُ زَنَى فِي صِبَاهٍ۔

ترجمہ

فرمایا: اور جب مقرر چار بار اقرار کر لے تو قاضی مقرر سے زنا کے بارے میں سوال کرے کہ زنا کیا ہے کیسے ہوتا ہے اس نے کہاں زنا کیا ہے اور کس کے ساتھ کیا ہے اور جب مقرر یہ سب بیان کر دے تو اس پر حد لازم ہو جائے گی کیونکہ اس کیلئے دلیل مکمل ہو چکی ہے اور ان چیزوں کے بارے میں سوال کرنے کا حکم ہم شہادت کے تحت بیان کر چکے ہیں اور اقرار میں امام قدوری علیہ الرحمہ وقت زنا سوال کو بیان نہیں کیا ہے حالانکہ گواہی میں اس کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ زمانے میں قدامت مانع شہادت ہے مانع اقرار نہیں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب قاضی مقرر سے زمانے کا سوال کرے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس نے اپنے بچپن میں زنا کیا ہو۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ زنا کے ثبوت کا اقرار حد ثابت ہونے کا دوسرا طریقہ ہے کہ قاضی کے سامنے چار بار چار مجلسوں میں ہوش کی حالت میں صاف اور صریح لفظ میں زنا کا اقرار کرے اور تین مرتبہ تک ہر بار چوتھی اُس کے اقرار کو رد کر دے جب چوتھی بار اس نے اقرار کیا اب وہی پانچ سو ال قاضی اس سے بھی کرے یعنی زنا کس کو کہتے ہیں اور کس کے ساتھ کیا اور کب کیا اور کہاں کیا اور کس طرح کیا اگر سب سوالوں کا جواب ٹھیک طور پر دیدے تو حد قائم کریں گے۔ اور اگر قاضی کے سوا کسی اور کے سامنے اقرار کیا یا نشہ کی حالت میں کیا یا جس عورت کے ساتھ بتاتا ہے وہ عورت انکار کرتی ہے یا عورت جس مرد کو بتاتی ہے وہ مرد انکار کرتا ہے یا وہ عورت گونگی یا مرد گونگا ہے یا وہ عورت کہتی ہے میرا اس کے ساتھ نکاح ہوا ہے یعنی جس وقت زنا کرنا بتاتا ہے اس وقت میں اس کی زوجہ تھی یا مرد کا عضو تاسل بالکل کٹا ہے یا عورت کا سوراخ بند ہے۔ غرض جس کے ساتھ زنا کا اقرار ہے وہ مگر ہے یا خود اقرار کرنے والے میں صلاحیت نہ ہو یا جس کے ساتھ بتاتا ہے اس سے زنا میں حد نہ ہو تو ان سب صورتوں میں حد نہیں۔

(در مختار، کتاب الحدود)

یہ خطاب حکام کو ہے کہ جس مرد یا عورت سے زنا سرزد ہو اس کی حد یہ ہے کہ اس کے سو کوڑے لگاؤ، یہ حد غیر محسن کی ہے کیونکہ غیر محسن کا حکم یہ ہے کہ اس کو زجم کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ابو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم نبی کریم صلی اللہ

عدیدہ آدمیوں نے جمع کیا گیا اور محسن وہ آزاد مسلمان ہے جو مکلف ہو اور نکاح صحیح کے ساتھ صحبت کر چکا ہو خواہ ایک ہی مرتبہ ایسے شخص سے زنا ثابت ہو تو رجم کیا جائے گا اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو مثلاً نہ ہو یا مسلمان نہ ہو یا عاقل بالغ نہ ہو یا اس نے کبھی اپنی بی بی کے ساتھ صحبت نہ کی ہو یا جس کے ساتھ کی ہو اس کے ساتھ نکاح فاسد ہوا ہو تو یہ سب غیر محسن میں داخل ہیں اور ان سب کا حکم کوڑے مارنا ہے۔ مسئلہ: مرد کو کوڑے لگانے کے وقت کھڑا کیا جائے اور اس کے تمام کپڑے اتار دیے جائیں سوا تہبند کے اور اس کے تمام بدن پر کوڑے لگائے جائیں سوائے سر چہرے اور شرم گاہ کے، کوڑے اس طرح لگائے جائیں کہ اہم گوشت تک نہ پہنچے اور کوڑا متوسط درجہ کا ہو اور عورت کو کوڑے لگانے کے وقت کھڑا نہ کیا جائے نہ اس کے کپڑے اتارے جائیں البتہ اگر پوسٹن یا روئی دار کپڑے پہنے ہوئے ہو تو اتار دیے جائیں، یہ حکم خرد اور خرد کا ہے جنی آزاد مرد اور عورت کا اور باندی غلام کی حد اس سے نصف یعنی پچاس کوڑے ہیں جیسا کہ سورہ نساء میں مذکور ہو چکا۔ ثبوت زنا یا تو چار مردوں کی گواہیوں سے ہوتا ہے یا زنا کرنے والے کے چار مرتبہ اقرار کر لینے سے پھر بھی اہم بار سوال کرے گا اور دریافت کرے گا کہ زنا سے کیا مراد ہے کہاں کیا، کس سے کیا، کب کیا؟ اگر ان سب کو بیان کر دیا تو زنا ثابت ہوگا ورنہ نہیں اور گواہوں کو صراحت اپنا معاذہ بیان کرنا ہوگا بغیر اس کے ثبوت نہ ہوگا۔

(تفسیر احمدی)

اقرار سے رجوع حد کے ساقط ہونے کا بیان

(لَمَّا رَجَعَ الْمُقِرُّ عَنْ إِقْرَارِهِ قَبْلَ إِقَامَةِ الْحَدِّ أَوْ فِي وَسْطِهِ قَبْلَ رُجُوعِهِ وَحَلَّى سَبِيلَهُ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ أَبِي لَيْلَى يُقِيمُ عَلَيْهِ الْحَدَّ لِأَنَّهُ وَجَبَ الْحَدُّ بِإِقْرَارِهِ فَلَا يَنْطَلُ بِرُجُوعِهِ وَإِنْ كَارِهِ كَمَا إِذَا وَجَبَ بِالشَّهَادَةِ وَصَارَ كَالْقَصَاصِ وَحَدُّ الْقَذْفِ . وَلَمَّا أَنَّ الرُّجُوعَ خَبَرٌ مُحْتَمِلٌ لِلصَّدَقِ كَالِإِقْرَارِ وَلَيْسَ أَحَدٌ يَكْذِبُهُ فِيهِ فَتَتَحَقَّقُ الشُّبْهَةُ فِي الْإِقْرَارِ . بِخِلَافِ مَا فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ الْقَصَاصُ وَحَدُّ الْقَذْفِ لَوْ جُودَ مَنْ يَكْذِبُهُ ، وَلَا كَذَلِكَ مَا هُوَ خَالِصٌ حَقُّ الشَّرْعِ .

(وَيُسْتَحَبُّ لِلْإِمَامِ أَنْ يُلَقِّنَ الْمُقِرَّ الرُّجُوعَ فَيَقُولَ لَهُ : لَعَلَّكَ لَمَسْتَ أَوْ قَبَّلْتَ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِمَا عَزَى لَعَلَّكَ لَمَسْتَهَا أَوْ قَبَّلْتَهَا) قَالَ فِي الْأَصْلِ : وَيَنْبَغِي أَنْ يَقُولَ لَهُ الْإِمَامُ : لَعَلَّكَ تَزَوَّجْتَهَا أَوْ وَطِنْتَهَا بِشُبْهَةٍ ، وَهَذَا قَرِيبٌ مِنَ الْأَوَّلِ فِي الْمَعْنَى .

ترجمہ

اس کے بعد اگر وہ حد قائم ہونے سے پہلے یا دوران حد مقرر اپنے اقرار سے رجوع کر لے تو اس کا رجوع مانتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا جائے گا جبکہ اہم شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد قائم کی جائے گی۔ ابن ابی لیلی کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ اس کے اقرار کے سبب حد واجب ہو چکی ہے پس رجوع کرنے یا انکار کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی جیسے وہ گویا شہادت سے واجب ہوئی ہے اور یہ مسئلہ قصاص اور حد قذف کی طرح ہو جائے گا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رجوع کرنا ایسی خبر ہے جس میں سچائی کا احتمال ہے جس طرح اقرار اور رجوع میں کوئی اس کو جھٹلنے والا بھی تو نہیں ہے پس اقرار میں شبہ ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ جس چیز میں بندے کا حق ہے اس میں ایسا نہیں ہے اور وہ قصاص اور حد قذف ہے کیونکہ ان میں جھٹلنے والا موجود ہے جبکہ جو حد خاص شریعت کا حق ہے اس میں ایسا نہیں ہے۔

اہم کہیں مستحب ہے کہ وہ مقرر رجوع کی تلقین کرے۔ لہذا امام اس سے کہے کہ ہو سکتا ہے تم نے اسکو ہاتھ لگایا ہو یا بوسہ لیا کیونکہ آپ ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ تم نے اس کو ہاتھ لگایا ہو یا بوسہ لیا ہو۔

حضرت اہم محمد علیہ الرحمہ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ امام اس سے یہ بھی کہے کہ ہو سکتا ہے تم نے اس سے نکاح کیا ہو یا دلی بہ شبہ کی ہو اور قول اول کے قریب حکم کے اعتبار یہی ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں جب ماعز بن مالک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور زنا کا اقرار کیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تو نے شاید چھو ہوا ہوگا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، یا دیکھا ہے، اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اس سے صحبت کی ہے؟ جنی بغیر کنایہ سے (صراحت) دریافت کیا، روای کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1741)

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ عزالسلی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ اس طرف سے پھیر لیا وہ دوسری جانب سے گھوم کر جنی تبدیل مجلس کر کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے گھوم کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس نے زنا کیا ہے آخر کار چوتھی مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سنگسار کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو حرہ میں لایا گیا جو وہ بندہ کا کالے پتھروں والا مضافاتی علاقہ ہے اور اس کو پتھر مارے جانے لگے جب اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھگ کھڑا دایاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گذرا جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جڑے کی ہڈی تھی اس شخص نے اسی جڑے کی ہڈی سے اس کو مارا اور دوسرے لوگوں نے بھی دوسری چیزوں سے اس کو مارا تا آنکہ وہ مر گیا۔ جب صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا

کہ وہ پتھروں کو چوت کھا کر اور موت کی سختی دیکھ کر بھگ کھڑا ہوا تھا لیکن ہم نے اس کا پیچھا کر کے سبک کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟" (ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 722)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر سن کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، بہت ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔

حدیث (یتوب فیتوب اللہ علیہ) کا مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے اس برے فعل سے رجوع کرتا (یعنی ندامت و ترمیم ساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرح متوجہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکابِ زنا کا خود اقرار کرے، اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر وہ حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

نصابِ شہادت اور ثبوتِ شہادت میں گواہوں کی کیفیت

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اسلامی قانون میں جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی سخت رکھی گئی ہیں۔ اور ان سزاؤں کے اجراء میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم ہے۔ چونکہ زنا کی سزا اسلام میں انتہائی سخت ہے چنانچہ ثبوتِ زنا کے لیے سخت ترین شرائط عائد کی گئی ہیں۔ اس لیے صرف معمولی سا شبہ پیدا ہونے کی بناء پر حد ساقط ہو جاتی ہے۔ صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے کیونکہ عام معاملات میں دوسروں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لیے کافی ہے لیکن اسلام نے حدِ زنا کے ثبوت کے لیے شہادت کا باقاعدہ نصاب مقرر کیا ہے اور حدِ زنا کے لیے چار مرد گواہوں کی یعنی شہادت کی شرط اس قدر ضروری ہے کہ جس میں کوئی التباس نہ ہو۔ چنانچہ فقہائے امت نے قرآن و سنت کی روشنی میں یعنی شہادت کے ضمن میں اس قدر سختی کی ہے کہ زنا پر گواہی دینے والے عادل چار ایسے شخص ہوں جو فاعل و مفعول کو اس حالت میں دیکھیں جیسے سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ چنانچہ شریعت محمد ﷺ میں زنا کے گواہوں میں گواہی کی کیفیت اور اس کے اظہار کے وقت بھی اس قدر احتیاط ہے کہ اگر چاروں گواہ یکے بعد دیگرے آکر مجلسِ قضا میں بیٹھیں اور ایک ایک نے اٹھ اٹھ کر قاضی کے سامنے شہادت دی تو گواہی قبول کر دی جائے گی اور اگر دارالقضہ کے باہر سب مجتمع تھے اور وہاں سے ایک ایک نے آکر گواہی دی تو گواہی مقبول نہیں ہوگی اور ان گواہوں پر قہمت کی حد لگائی جائے گی۔ (رہنما، کتاب الحدود)

فصل فی کیفیت الحد و اقامتہ

﴿یہ فصل حد کے طریقے اور قائم کرنے کے بیان میں ہے﴾

فصل کیفیت حد کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ وجوب حد کے بعد ذکر کیا گیا ہے کیونکہ حد کو قائم کرنا وجوب حد کے بعد ہی ہو سکتا ہے لہذا اقامہ حد کا وقوع مؤخر کیا جائے گا۔ اور اس کی فقہی مطابقت واضح ہے۔ یعنی حکم ہمیشہ نص یا کسی علت یا سبب کے بعد ہی ثابت ہوا کرتا ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ بترغیب، ج ۵، بیروت)

وجوب حد کے بعد رجم کرنے کا بیان

(وَإِذَا وَجَبَ الْحَدُّ وَكَانَ الزَّائِي مُخَصَّنًا رَجِمَهُ بِالْحِجَارَةِ حَتَّى يَمُوتَ) (لَأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَجِمَ مَا عِزًّا وَقَدْ أُخْصِنَ). وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ الْمَعْرُوفِ (وَرِثَانَا بَعْدَ إِخْصَانٍ) وَعَلَى هَذَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ.

قَالَ (وَيُخْرِجُهُ إِلَى أَرْضٍ قَصَاةٍ وَيَتَدَعُ الشُّهُودُ بِرَجْمِهِ ثُمَّ الْإِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ) كَذَا رَوَى عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَلَئِنْ الشَّاهِدَ قَدْ يَتَجَاسَرُ عَلَى الْإِدَّاءِ ثُمَّ يَسْتَعْظِمُ الْمُبَاشَرَةَ فَيُرْجَعُ فَكَانَ فِي بُدْءِ كَيْفِ الْخِيَالِ لِلدَّرْوِ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا تُشَرِّطُ بُدْءَهُ اغْتِبَارًا بِالْجَلْدِ.

قُلْنَا: كُلُّ أَحَدٍ لَا يُحْسِنُ الْجَلْدَ فَرُبَّمَا يَقَعُ مُهْلِكًا وَالْإِهْلَاكَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ، وَلَا كَذَلِكَ الرَّجْمُ لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ. (لَئِنْ اِمْتَنَعَ الشُّهُودُ مِنَ الْإِدَّاءِ سَقَطَ الْحَدُّ) لِأَنَّهُ دَلَالَةُ الرَّجُوعِ، وَكَذَا إِذَا مَاتُوا أَوْ غَابُوا إِلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِقَوَايِ الشَّرْطِ

ترجمہ

اور جب حد واجب ہو جائے اور زانی مخصن ہو تو قاضی اس کو پتھر سے رجم کرے۔ حتیٰ کہ وہ فوت ہو جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو رجم کیا تھا۔ کیونکہ وہ شادی شدہ تھے۔ اور ایک مشہور حدیث میں ہے "وزنا بعد الاحصان" یعنی مخصن ہونے کے بعد زنا رجم کو واجب کرنے والا ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع اسی پر ہے۔

فرمایا: مکران زانی کو کھلی زمین میں لے جائے اور گواہ اس کو رجم کرنا شروع کریں اس کے بعد امام رجم کرے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔ کیونکہ گواہی کبھی جھوٹی گواہی پر جسارت کر بیٹھتا ہے۔ اور اس کے بعد رجم کی مباحثت کو سخت سمجھ کر شہادت سے رجوع کر لیتا ہے۔ پس اس کے شروع کرنے سے حدود ہونے کا بہ نہ مل سکتا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ گواہ کا شروع کرنا شرط نہیں ہے کیونکہ یہ کوڑا مارنے پر قیاس ہے۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہر ہندہ اچھی طرح کوڑا نہیں مار سکتا اور کبھی کبھی کوڑا مارنا خطرناک بن جاتا ہے جبکہ ہلاک کرنے واجب نہیں ہے اور رجم کا یہ حکم نہیں ہے کیونکہ رجم میں ہلاک کرنا ہوتا ہے۔

اور اگر گواہ ابتداء کرنے سے رک جائیں تو حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ ان کا رکنا یہ رجوع کی عدم امت ہے اور اسی طرح جب گواہ فوت ہو جائیں یا غائب ہو جائیں تو بھی ظاہر الروایت کے مطابق حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ شرط ختم ہو چکی ہے۔

رجم کا فقہی مفہوم

رجم ایک عربی اصطلاح ہے جس کے معنی پتھر پھینکنے (stoning) کے تے ہیں اور اس اصطلاح سے مراد ایک ایسی سزا کی جاتی ہے کہ جس میں زنا کے مرتکب اشخاص کا دھڑ زمین میں گاڑ کر ان پر پتھر برسائے جائیں یہاں تک کہ موت واقع ہو جائے۔ رجم کے بارے میں عورت اور مرد کا حکم برابر ہے۔ ابتدا عورت کے کپڑے باندھ دیے جائیں تاکہ وہ بے پردہ نہ ہو۔ قرآن میں زنا کی سزا سو کوڑوں کے بیان کے ساتھ یہ بھی ہدایت ہے یہ اس کا روائی کو مومنوں کی ایک جماعت کے سامنے کیا جائے۔

امام محمد علیہ الرحمہ مؤطا میں لکھتے ہیں کہ خردی ہمیں، لک نے کہ ہم سے بیان کیا متحیی بن سعید نے کہ انہوں نے سنا سعید بن مسیب کو یہ کہتے ہوئے کہ جب عمر بن خطابؓ سنی میں سے اٹھ میں آئے تو آپؐ نے اپنے اونٹ کو بٹھایا۔ کنکریوں کا ڈھیر لگا کر اپنی چادر اس پر پھیلا دی اور اس پر لیٹ گئے۔ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر کہا، اے اللہ! میں بوزہ ہو گیا ہوں، میری قوت کمزور ہو گئی ہے۔ میری رعیت بہت زیادہ دور پھیل گئی ہے۔ مجھے اپنے پاس اس حال میں بولے کہ میں نے نہ زیادتی کی ہو یا کمی کی ہو۔ پھر آپؐ مدینہ تشریف لائے تو لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اے لوگو! تم پر سنتیں مسنون ہو چکی ہیں، فرائض مقرر ہو چکے ہیں۔ میں نے تمہیں ایک واضح راستے پر چھوڑا ہے۔ آپؐ نے اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارتے ہوئے کہا اب دائیں بائیں گمراہ نہ ہو جانا۔ پھر کہا خبردار، آیت رجم کے متعلق ہلاکت میں مبتلا نہ ہو جان کہ تم میں سے کوئی شخص یہ کہے کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کی آیت نہیں پاتے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے رجم کیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے کہ عمر بن خطابؓ نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا ہے تو میں اس میں لکھ دیتا (اشیخ و الشیخہ اذا زلیا فار جموہما)۔ ہم نے اس کو پڑھا ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا کہ ذوالحجہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ مرنے پہنچ کر دیئے گئے۔

(مؤطا امام محمد، حدیث 689)

رجم کرنے کی کیفیت کا بیان

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ رجم کی صورت یہ ہے کہ اسے میدان میں لیجا کر اس قدر پتھر ماریں کہ مرجائے اور رجم کے بے نوک نر کی طرح صفیں باندھ کر کھڑے ہوں جب ایک صف مار چکے تو یہ ہٹ جائے اب اور نوک ماریں۔ اگر رجم میں ہر شخص یہ قصد کرے کہ ایسا، رول کہ مرجائے تو اس میں بھی حرج نہیں۔ ہاں اگر یہ اس کا ذی رجم محرم ہے تو ایسا قصد کرنے کی اجازت نہیں اور گرایے شخص کو جس پر رجم کا حکم ہو چکا ہے کسی نے قتل کر ڈالا یا اس کی آنکھ پھوڑ دی تو اس پر نہ قصاص ہے نہ دیت مگر سزا دیئے گئے کہ اس نے کیوں پیش قدمی کی۔ ہاں اگر حکم رجم سے پہلے یہ کیا تو قصاص یا دیت واجب ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

سزا کی تفصیل

شرعی قانون نے "جرم و سزا" کا جواز مقرر کیا ہے اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں سزائیں تین طرح کی ہیں۔

(۱) وہ سزائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے متعین کر دیا ہے مگر ان کے اجزاء کو خود بندوں پر چھوڑ دیا ہے ان میں کسی خارجی طاقت جیسے حاکم یا حکومت کو دخل انداز ہونے کا حکم نہیں ہے، شریعت نے اس طرح کی سزا کا نام کفارہ رکھا ہے جیسے قسم کی خلاف ورزی یا رمضان میں بلا عذر شرعی روزہ توڑ دینے کا نام کفارہ ہے۔

(۲) وہ سزائیں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت ہیں اور ساتھ ہی متعین ہیں، ان سزاؤں کو جاری کرنے کا اختیار تو حاکم یا حکومت کو ہے مگر ان میں قانون سازی کا حق کسی کو حاصل نہیں ہے، اس طرح کی سزا کو شریعت میں حد کہتے ہیں جیسے چوری، زنا اور شراب نوشی کی سزائیں۔

(۳) وہ سزائیں جنہیں کتاب و سنت نے متعین تو نہیں کیا ہے مگر جن برے کاموں کی یہ سزائیں ہیں ان کو جرائم کی فہرست میں داخل کیا ہے اور سزا کے تعین کا مسئلہ حاکم یا حکومت کے سپرد کر دیا ہے کہ وہ موقع محل اور ضرورت کے مطابق سزا خود متعین کریں، تو اس قسم کی سزاؤں میں حکومت کو قانون سازی کا حق بھی حاصل ہے مگر اس دائرہ کے اندر رہ کر جو شریعت نے متعین کر رکھا ہے اس طرح کی سزا شریعت میں "تعزیر" کہلاتی ہے۔

قتل کی سزا کے اسباب و ذرائع کا فقہی بیان

قتل (سزائے موت) اس شخص کو کیا جاتا ہے جس میں درج ذیل اوصاف پائے جائیں:

1- مرتد: وہ شخص جو اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے؛ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو شخص اپنا دین بدل

سے قتل کر دو" صحیح بخاری حدیث نمبر (6524)

2- شادی شدہ زانی: اس کی سزا رجم ہے یعنی اسے موت تک پتھر مارنا۔ محسن یعنی شادی شدہ وہ شخص ہے جس نے صحیح نکاح

کے ساتھ اپنی بیوی سے جماع کیا ہو، اور وہ دونوں آزاد، قتل اور بالغ ہوں۔

چنانچہ جب شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو ان دونوں کو موت تک رجم کیا جائیگا، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمان ہے: "مجھ سے لے لو، مجھ سے لے لو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے راہ نکال دی ہے، کنوارہ کنواری (سے زنا کرے تو) اسے سو کوڑے اور ایک برس تک جلاوطن کیا جائیگا، اور شادی شدہ شادی شدہ عورت (کے ساتھ زنا کرے) تو کوڑے اور رجم ہوگا۔" (صحیح مسلم حدیث نمبر: 1690)

اور اس لیے کہ بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ اور زید بن خالد جھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ دونوں بیان کرتے ہیں کہ: "ایک اعرابی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کی: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ میرا فیصلہ کتاب اللہ کے مطابق کریں۔

تو دوسرا شخص کہنے لگا: وہ پہلے شخص سے زیادہ تیز اور سمجھ دار تھا، جی ہاں آپ ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے ساتھ کریں، اور مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیں۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ وہ شخص کہنے لگا: میرا بیٹا اس کا ملازم تھا (یعنی اس شخص نے میرا بیٹا مزدوری کے لیے رکھا) تو اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا، اور مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے پر رجم کی سزا ہے تو میں نے اسے بطور فدیہ سو بکریاں اور ایک اونٹ دی۔

جب میں نے اہل علم سے دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا میرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک برس جلاوطنی کی سزا ہے، اور اس عورت کو رجم کی سزا ہوگی۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا، اونٹنی اور بکریاں واپس ہوگی، اور آپ کے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک برس جلاوطنی کی سزا ہے۔ اے انیس (ایک صحابی کا نام ہے) تم اس عورت کے پاس جاؤ اگر تو وہ اعتراف کرتی ہے تو اسے رجم کر دو۔

راوی کہتے ہیں: تو وہ اس عورت کے پاس گئے اور اس نے اعتراف کر لیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا اور عورت کو رجم کر دیا گیا" صحیح بخاری حدیث نمبر (2725) صحیح مسلم حدیث نمبر: (1698)

3 قتل عمد: عمد قتل کرنے والے شخص کو قصاص میں قتل کیا جائیگا، لیکن اگر مقتول کے ورثاء اور ولی اسے معاف کر دیں، یا ہر دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائیگا؛ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے:

(اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے، آزاد و آزاد کے بدلے، اور غلام غلام کے بدلے، اور عورت عورت کے بدلے، ہاں جس کسی کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے اسے بھلائی کی اجازت کرنی چاہیے، اور آسانی کے ساتھ دیت ادا کرنی چاہیے، تمہارے رب کی طرف سے یہ تخفیف اور رحمت ہے، اس کے بعد جو کوئی بھی سرکشی کرے دردنک عذاب ہوگا) البقرہ: (178)

اور اس سے اگلی آیت میں فرمان باری تعالیٰ کچھ اس طرح ہے: (عقل مندو! قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے، اس؛

تم (قتل ناحق سے) روکے۔ البقرہ: (179)

اور اس لیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "جو شخص بھی گواہی دے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور میں اللہ کا رسول ہوں اس مسلمان شخص کا خون بہانا حلال نہیں، لیکن تین اشیاء کی بنا پر: یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو، اور قتل کے بدلے قتل کرنا، اور دین کو ترک کرنے اور جماعت سے علیحدہ ہونے والے شخص کو۔"

(صحیح بخاری حدیث نمبر (6484) صحیح مسلم حدیث نمبر: (1676)

4 ذاکو اور لیرے اور اسے محارب کہا جاتا ہے؛ کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: (جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں، یا سولی چڑھا دیے جائیں، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے) المائدہ: (33)

5 چار سوس: وہ شخص جو مسلمانوں کی جاسوسی کر کے ان کے دشمنوں کو خبریں پہنچائے۔ اس کی دلیل صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی درج ذیل حدیث ہے: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکہ کے مشرکوں میں کچھ کو خط لکھا جس میں انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ معاملات کی خبر دی، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے حاطب یہ کیا ہے؟

تو حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ میرے بارہ میں جدی نہ کریں، میں ایسا شخص تھا جو قریش کے ساتھ آکر ملا تھا، اور ان کے قبیلہ میں شامل نہیں تھا، اور آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کے مکہ میں رشتے تھے، وہ ان کے اہل و عیال اور اموال کی حفاظت کریں گے، میں نے چاہا کہ جب میں نسب میں قریشی نہیں، تو میں ان پر کوئی ایسا احسان کروں جس کی بنا پر وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ اور میں نے یہ کام کفر اور مرتد ہونے کی بنا پر نہیں کیا، اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کی بنا پر کیا ہے۔ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے تمہارے ساتھ سچ بولا ہے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے حکم دیں کہ میں اس منافق کی گردن اتار دوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ جنگ بدر میں شریک ہوا ہے، اور تجھے کیا علم کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر پر جہانکا اور فرمایا: تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے" صحیح بخاری حدیث نمبر (3007) صحیح مسلم حدیث نمبر: (2494)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس فعل کی بنا پر قتل کا مستحق ٹھہرنے کا اقرار کیا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بتایا کہ اس قتل میں ایک چیز مانع ہے اور وہ یہ کہ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر میں شریک تھے۔

ابن قیم حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے متعلق کہتے ہیں: "مسلمان جاسوس کو قتل نہ کرنے کی رائے رکھنے والوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے، مثلاً امام شافعی اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ، اور اس حدیث سے اس جاسوس کو قتل کرنے کی

رائے رکھنے والوں نے بھی استدلال کیا ہے مثلاً امام مالک اور امام احمد کے ساتھیوں میں سے ابن عقیل رحمہ اللہ وغیرہ۔

ان کا کہنا ہے: کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی سنت بیان کی جو قتل کرنے میں مانع تھی اور وہ حاطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنگ بدر میں شریک ہونا ہے، اور اگر اسد قتل میں مانع ہوتا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے زیادہ مخصوص چیز کے ساتھ صحت بیان نہ کرتے، اور وہ جنگ بدر میں شریک ہونا ہے "اھ کچھ کی دہشتی کے ساتھ۔ (زاد المعاد (2) / (115)

اور ایک دوسری جگہ میں کہتے ہیں: "اور صحیح یہ ہے کہ اس جاسوس کو قتل کرتا حکمران اور امام کی رائے پر منحصر ہے، اگر تو اس کے قتل میں مسلمانوں کی مصحت ہو تو اسے قتل کیا جائیگا، اور اگر اسے باقی رکھنے میں زیادہ مصحت رکھتا ہو تو اسے قتل نہیں کیا جائیگا۔

(زاد المعاد (3) / (422)

مقرر کے رحم کا آغاز حکمران کرے گا

(وَإِنْ كَانَ مُقَرَّرًا ابْتَدَأَ الْإِمَامُ ثُمَّ النَّاسُ) كَذَا رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ. (وَرَمَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَامِدِيَّةَ بِحَصَاةٍ مِثْلِ الْحِمَصَةِ وَكَانَتْ قَدْ اغْتَرَفَتْ بِالزُّنَا)

ترجمہ

اور جب زانی مقرر ہو تو امام ابتداء کرے گا اس کے بعد لوگ کریں گے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا گیا ہے اور غامد یہ کورسول اللہ ﷺ نے چنے کی مقدار کے برابر کنکریاں ماری تھیں۔ اور غامد یہ نے زنا کا اقرار کیا تھا۔

حد نافذ کرنے والے کی اہلیت کا بیان

کسی ایک کے لئے بھی یہ لائق نہیں کہ وہ حکمران کی اجازت کے بغیر ہی حدود نافذ کرے، اگر شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے کرنے والا حکمران اور سلطان نہ ہو تو عام لوگوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ حدود کا نفاذ کریں، کیونکہ حد نافذ کرنے کیسے اس کے ثبوت اور اسے نافذ کرنے کے لیے اجتہاد اور شرعی علم کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اسے علم ہو سکے کہ حد کب ثابت ہوگی اور کب نفی ہوگی اور اس کی شرط کیا ہیں۔

اور عام لوگ اس کا علم ہی نہیں رکھتے، اور پھر عام لوگ اگر حدود نافذ کرنا شروع کر دیں تو اس پر بہت ہی زیادہ فساد مرتب ہونگے، اور معاشرے کا امن تباہ ہو کر رہ جائے گا، اس طرح لوگ ایک دوسرے پر زیادتی کرنی شروع کر دیں گے اور ایک دوسرے پر الزام لگا کر حدود نافذ کرنے کی دلیل دیتے ہوئے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کر دیں گے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قتل کا قصاص اولی الامر کے عدوہ کوئی اور نہیں لے سکتا اولی الامر ہی ہیں جن پر قصاص اور حدود کا نفاذ کرنا واجب اور فرض ہے اس لیے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سب مومنوں کو قصاص کے ساتھ

قصاص کیا ہے، پھر سب مومنوں کے لیے یہ نہیں تیار کیا گیا ہے وہ قصاص پر اکٹھے ہو جائیں، بلکہ سلطان اور حکمران کو قصاص اور دوسری حدود نافذ کرنے میں ان کے قائم مقام بنایا۔ تفسیر القرطبی (2) / (245 - 246)

اور ابن رشد کہتے ہیں: اور اس حد (یعنی شراب نوشی کرنے والے کو کوڑے مارنے) کو نافذ کون کرے گا؟ علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ امام و حکمران اس حد کو نافذ کرے گا اور اسی طرح باقی ساری حدود کے نفاذ میں بھی۔ بدایۃ المجتہد لابن رشد (2) / (233)

ابو ازناد اپنے باپ اور وہ ابن فقہاء سے بیان کرتے ہیں جن کے اقوال اہل مدینہ تک جا کر ختم ہوتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ: کسی ایک کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ حکمران اور سلطان کے بغیر ہی حدود کا نفاذ کرے، لیکن مالک اپنے غلام اور بوٹری پر حد نافذ کر سکتا ہے۔ نیل الاوطار (7) / (295 - 296)

حد رحم کے بارے میں فقہی مذاہب اربعہ

اس بیان سے کہ ہم نے اس سورت کو نازل فرمایا ہے اس سورت کی بزرگی اور ضرورت کو ظاہر کرتا ہے، لیکن اس سے یہ مقصود نہیں کہ اور سورتیں ضروری اور بزرگی والی نہیں۔ فرضا ساہا کے معنی یہ دو قنادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ حلال و حرام، امر و نہی اور حدود وغیرہ کا اس میں بیان ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے ہم نے تم پر اور تمہارے بعد والوں پر مقرر کر دیا ہے۔ اس میں صاف صاف، کھلے کھلے، روشن احکام بیان فرمائے ہیں تاکہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو، احکام الہی کو یاد رکھو اور پھر ان پر عمل کرو۔ پھر زنا کاری کی شرعی سزا فرمائی۔ زنا کاری یا تو کنوارا ہوگا یا شادی شدہ ہوگا۔ یعنی وہ جو حریت و بوغت اور عقل کی حالت میں نکاح شرعی کے ساتھ کسی عورت سے ملا ہو۔

اور جمہور علماء کے نزدیک اسے ایک سال کی جلد و ظنی بھی دی جائے گی۔ ہاں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ یہ جلا و ظنی امام کی رائے پر ہے، اگر وہ چاہے دے چاہے نہ دے۔ جمہور کی دلیل تو بخاری مسلم کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ دو اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، ایک نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بیٹا اس کے ہاں ملازم تھا وہ اس کی بیوی سے زنا کر بیٹھا، میں نے اس کے قدموں میں ایک سو کھریاں اور ایک لوٹری دی۔

پھر میں نے علماء سے دریافت کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ میرے بیٹے پر شرعی سزا سو کوڑوں کی ہے اور ایک سال کی جلا و ظنی اور اس کی بیوی پر رحم یعنی سنگ ساری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! میں تم میں اللہ کی کتاب کا صحیح فیصلہ کرتا ہوں۔ لوٹری اور کھریاں تو تجھے واپس دلوادی جائیں گی اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلا و ظنی ہے اور اے انیس تو اس کی بیوی کا بیان لے۔ یہ حضرت انیس رضی اللہ عنہ قبیلہ اسلم کے ایک شخص تھے۔ اگر وہ اپنی سیاہ کاری کا اقرار کرے تو تو اسے سنگسار کر دینا۔ چنانچہ اس بیوی صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اقرار کیا اور انیس رحم کر دیا گیا رضی اللہ عنہا۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کنورے پر سو کوڑوں کے ساتھ ہی سال بھر تک کی جلا و ظنی بھی ہے اور اگر شادی شدہ ہے تو وہ رحم کر دیا جائے گا۔

چنانچہ موطا مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگو! اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اس کتاب اللہ میں جرم کرنے کے حکم کی آیت بھی تھی جسے ہم نے تلاوت کی، یا دیکھا، اس پر عمل بھی کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے، ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے اس فریضے کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا، چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔ کتاب اللہ میں رجم کا حکم مطلق حق ہے۔ اس پر جو زنا کرے اور شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو، خواہ عورت ہو۔ جب کہ اس کے زنا پر شرعی دلیل ہو یا حمل ہو یا اقرار ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں اس سے ہی مطول ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ رجم یعنی سنگساری کا مسئلہ ہم قرآن میں نہیں پاتے، قرآن میں صرف کوڑے مارنے کا حکم ہے۔ یاد رکھو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رجم کیا اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہیں گے، قرآن میں جو نہ تھا، عمر نے لکھ دیا تو میں آیت رجم کو اسی طرح لکھ دیتا، جس طرح نازل ہوئی تھی۔ یہ حدیث نسائی شریف میں بھی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنے خطبے میں رجم کا ذکر کیا اور فرمایا رجم ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد ہے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ اگر لوگوں کے اس کہنے کا کھٹکانہ ہوتا کہ عمر نے کتاب اللہ میں زیادتی کی جو اس میں نہ تھی تو میں کتاب اللہ کے ایک طرف آیت رجم لکھ دیتا۔ عمر بن خطاب عبد اللہ بن عوف اور فلاں اور فلاں کی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور ہم نے بھی رجم کیا۔ یاد رکھو تمہارے بعد ایسے لوگ آنے والے ہیں جو رجم کو اور شفاعت کو اور عذاب قبر کو جھٹلائیں گے۔ اور اس بات کو بھی کہ کچھ لوگ جہنم سے اس کے بعد نکالے جائیں گے کہ وہ کوئلے ہوں گے۔ مسند احمد میں ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، رجم کے حکم کے انکار کرنے کی ہلاکت سے بچنا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے لائے ہیں اور اسے صحیح کہا ہے۔ ابویعلیٰ موصلی میں ہے کہ لوگ مردان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، میں تمہاری تشفی کر دیتا ہوں۔ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی ذکر کیا اور رجم کا بیان کیا کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رجم کی آیت لکھ لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اب تو میں اسے لکھ نہیں سکتا۔ یا اسی کے مثل۔ یہ روایت نسائی میں بھی ہے، پس ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ رجم کی آیت پہلے لکھی ہوئی تھی پھر تلاوت میں منسوخ ہو گئی اور حکم باقی رہا۔ واللہ اعلم۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی بیوی کے رجم کا حکم دیا، جس نے اپنے ملازم سے بدکاری کرائی تھی۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ایک غامد یہ عورت کو رجم کرایا۔ ان سب واقعات میں یہ مذکور نہیں کہ رجم سے پہلے آپ نے انہیں کوڑے بھی لگوائے ہوں۔ بلکہ ان سب صحیح اور صاف احادیث میں صرف رجم کا ذکر ہے کسی میں بھی کوڑوں کا بیان نہیں۔ اسی لئے جمہور علماء اسلام کا یہی مذہب ہے۔

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، مالک رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں پہلے اسے کوڑے مارنے چاہئیں۔ پھر رجم کرنا چاہئے تاکہ قرآن وحدیث دونوں پر عمل ہو جائے جیسے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جب آپ کے پاس سر بعد لائی گئی جو شادی شدہ عورت تھی اور زنا کاری میں آئی تھی تو آپ نے جمعرات کے دن تو اسے کوڑے لگوائے اور جمعہ کے دن سنگسار کرا دیا۔ اور فرمایا کہ کتاب اللہ پر عمل کر کے میں نے کوڑے پٹوائے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر کے سنگسار کرایا۔

مسند احمد، سنن ابن ماجہ اور مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری بات لے لو، میری بات لے لو، اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے راستہ نکال دیا۔ کنوارا کنواری کے ساتھ زنا کر لے تو سو کوڑے اور سال بھر کی جلا وطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ کرے تو رجم۔ پھر فرمایا اللہ کے حکم کے ماتحت اس حد کے جاری کرنے میں تمہیں ان پر ترس اور رحم نہ کھانا چاہئے۔ دل کا رجم اور چیز ہے اور وہ تو ضرور ہو گا لیکن حد کے جاری کرنے میں امام کا سزا میں کمی کرنا اور سستی کرنا بری چیز ہے۔ جب امام یعنی سلطان کے پاس کوئی ایسا واقعہ جس میں حد ہو، پہنچ جائے تو اسے چاہئے کہ حد جاری کرے اور اسے نہ چھوڑے۔ حدیث میں ہے آپس میں حدود سے درگزر کرو، جو بات مجھ تک پہنچی اور اس میں حد ہو تو وہ واجب اور ضروری ہو گئی۔ اور حدیث میں ہے کہ حد کا زمین میں قائم ہونا، زمین والوں کیلئے چالیس دن کی بارش سے بہتر ہے۔ یہ بھی قول ہے کہ ترس کھا کر، مار کو نرم نہ کر دو بلکہ درمیانہ طور پر کوڑے لگاؤ، یہ بھی نہ ہو کہ ہڈی توڑ دو۔ تہمت لگانے والے کی حد کے جاری کرنے کے وقت اس کے جسم پر کپڑے ہونے چاہئیں۔ ہاں زانی پر حد کے جاری کرنے کے وقت کپڑے نہ ہوں۔ یہ قول حضرت حماد بن ابوسلیمان رحمۃ اللہ کا ہے۔ اسے بیان فرما کر آپ نے یہی جملہ آیت (ولا تخذ کم الخ)، پڑھا تو حضرت سعید بن ابی عروبہ نے پوچھا یہ حکم میں ہے۔ کہا ہاں حکم میں ہے اور کوڑوں میں یعنی حد کے قائم کرنے میں اور سخت چوٹ مارنے میں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لوطی نے جب زنا کیا تو آپ نے اس کے پیروں پر اور کمر پر کوڑے مارے تو حضرت نافع نے اسی آیت کا یہ جملہ تلاوت کیا کہ اللہ کی حد کے جاری کرنے میں تمہیں ترس نہ آتا چاہئے تو آپ نے فرمایا کیا تیرے نزدیک میں نے اس پر کوئی ترس کھایا ہے؟ سنو اللہ نے اس کے مار ڈالنے کا حکم نہیں دیا نہ یہ فرمایا ہے کہ اس کے سر پر کوڑے مارے جائیں۔ میں نے اسے طاقت سے کوڑے لگائے ہیں اور پوری سزا دی ہے۔ پھر فرمایا اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت پر ایمان ہے تو تمہیں اس حکم کی بجا آوری کرنی چاہئے اور زانیوں پر حدیں قائم کرنے میں پہلو تہی نہ کرنی چاہئے۔ اور انہیں ضرب بھی شدید مارنی چاہئے لیکن ہڈی توڑنے والی نہیں تاکہ وہ اپنے اس گناہ سے باز رہیں اور ان کی یہ سزا دوسروں کیلئے بھی عبرت بنے۔ رجم بری چیز نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بکری کو فوج کرتا ہوں لیکن میرا دل دکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس رجم پر بھی تجھے اجر ملے گا۔ پھر فرماتا ہے ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا مجمع ہونا چاہئے تاکہ سب کے دل میں ڈر بیٹھ جائے اور زانی کی رسوائی بھی ہوتا کہ اور لوگ اس سے رک جائیں۔ اسے علامہ سزا دی جائے، مخفی طور پر مار پیٹ کر نہ چھوڑا جائے۔ ایک شخص اور اس سے زیادہ بھی ہو جائیں تو جماعت ہو گئی اور آیت پر عمل ہو گیا اسی کو

لے کر امام محمد کا مذہب ہے کہ ایک شخص بھی طائفہ ہے۔

عطا رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دو ہونے چاہئیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں چار ہوں۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تین یا تین سے زیادہ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چار اور اس سے زیادہ کیونکہ زنا میں چار سے کم گواہ نہیں ہیں، چار ہوں یا اس سے زیادہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ربیعہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں پانچ ہوں۔ حسن بھری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دس۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک جماعت ہوتا کہ نصیحت، عبرت اور سزا ہو۔ نصرت بن علقمہ رحمۃ اللہ کے نزدیک جماعت کی موجودگی کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ ان لوگوں کیسے جن پر حد جاری کی جا رہی ہے دعاء مغفرت و رحمت کریں۔

مرجوم کے غسل و جنازے کا بیان

(وَيُغَسَّلُ وَيُكْفَنُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي مَاعِزٍ اصْنَعُوا بِهِ كَمَا تَصْنَعُونَ بِمَوْتَاكُمْ) وَلَآئِهٖ قِيلَ بِحَقِّ فَلَا يَسْقُطُ الْغُسْلُ كَالْمَقْتُولِ قِصَاصًا " وَصَلَّى النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الْغَامِدِيَّةِ بَعْدَ مَا رُجِمَتْ)

ترجمہ

اور مرجوم کو غسل دیا جائے گا اور کفن پہنایا جائے گا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ماعز کے ساتھ وہی ہی سلوک کرو جو تم اپنے فوت ہونے والوں کے ساتھ کرتے ہو۔ کیونکہ ان کو ایک حق کے سبب قتل کیا گیا ہے لہذا ان سے غسل ساقط نہ ہوگا لہذا وہ قصاص والے مقتول کی طرح ہو جائے گا۔ اور رجم کے بعد نبی کریم ﷺ نے غامدیہ کی نماز جنازہ پڑھی۔

شرح

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور زنا کا اقرار کیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منہ کو پھیر لیا یہاں تک کہ اس نے اپنے اوپر چار شہادتیں دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ کیا تو شادی شدہ ہے، اس نے کہا ہاں۔ آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا تو اسے عید گاہ میں سنگسار کیا گیا، جب اسے پتھر پڑے تو بھاگا لیکن پکڑا گیا اور رجم کیا گیا، یہاں تک کہ مر گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھلائی کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس پر نماز پڑھی، یونس اور ابن جریج نے زہری فصلی علیہ (اس پر نماز پڑھی) نقل نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1738)

حضرت بریدہ کہتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ماعز ابن مالک آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ

مجھے پاک کر دیجئے یعنی (مجھ سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس کی حد جاری کر کے میرے گناہ کی معافی کا سبب بن جائے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے واپس جا یعنی زبان کے ذریعہ استغفار کر اور دل سے توبہ کر راوی کہتے ہیں وہ چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر پھر واپس آ گیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی الفاظ فرمائے جو پہلے فرمائے تھے، چار مرتبہ اسی طرح ہوا اور (جب چوتھی بار ماعز نے کہا کہ یا رسول اللہ! مجھے پاک کر دیجئے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے کس چیز سے اور کس وجہ سے پاک کروں؟ اس نے کہا کہ (حد جاری کر کے) زنا کے گناہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا اس نے شراب پی رکھی ہے؟ (یہ سن کر ایک شخص نے کھڑے ہو کر اس کا منہ ہونگھ تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نے شراب پی رکھی ہے یا نہیں) لیکن شراب کی بو نہیں پائی گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ماعز سے پوچھا کہ کیا (واقعی) تو نے زنا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں! اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا دو یا تین روز اسی طرح گزر گئے یعنی مجلس نبوی میں ماعز کی سنگساری کے بارے میں دو تین دن تک کوئی ذکر نہیں ہوا پھر (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ تم لوگ ماعز کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کرو بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کے ثواب کو پوری امت پر تقسیم کیا جائے تو وہ سب کے لئے کافی ہو جائے، پھر اس کے بعد (ایک دن) ایک عورت جو قبیلہ ازد کے خاندان غامد میں سے تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے پاک کر دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر افسوس ہے، واپس جا اور اللہ تعالیٰ سے استغفار توبہ کر۔ اس عورت نے عرض کیا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز ابن مالک کو پہلی دفعہ واپس کر دیا تھا اسی طرح مجھ کو بھی واپس کر دیں؟

اور دراصل ایک (میں) وہ عورت (ہوں جو) زنا کے ذریعہ حاملہ ہے لہذا اس اقرار کے بعد میرے انکار کی گنجائش تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو! (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرح سے اپنے تعافل کو ظاہر کرنے اور اس کو اقرار زنا سے رجوع کرنے کا ایک اور موقع دینے کے لئے فرمایا کہ یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ کیا زنا کے ذریعہ حاملہ ہے!) اس عورت نے اس کے باوجود اپنے اقرار پر اصرار کیا اور کہا کہ "ہاں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو اس وقت تک انتظار کر جب تک تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ایک انصاری نے اس عورت کی خبر گیری اور کفالت کا اس وقت تک کے لئے ذمہ لے لیا جب تک کہ وہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ وہ غامدیہ عورت ولادت سے فارغ ہو گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم ابھی اس کو سنگسار نہیں کریں گے اور اس کمن بچے کو اس حالت میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اس کو دودھ پلانے والا نہ ہو۔ یعنی اگر ہم نے اس کو ابھی سنگسار کر دیا تو اس کا بچہ جو شیر خوار اور بہت چھوٹا ہے ہلاک ہو جائے گا، کیونکہ اس کی ماں کے بعد اس کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں ہے اس لئے ابھی اس کو سنگسار کرنا مناسب نہیں ہے) ایک اور

انصاری (یہ سن کر) کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! اس بچہ کے دودھ پلانے اور اس کی خبر گیری کا میں ذمہ دار ہوں" راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو سنگسار کئے جانے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کی گئی۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا کہ جا جب تک کہ تو دل دت سے فارغ نہ ہو جائے (انتظار کر)۔

پھر جب وہ ولادت سے فارغ ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جا اس بچہ کو دودھ پلاتا آ نکہ تو اس کا دودھ چھڑائے اور پھر جب اس نے بچہ کا دودھ بھی چھڑا دیا تو اس بچہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئی اس وقت اس کے بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے یہ اب روٹی کھانے لگا ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو ایک مسلمان کے حوالے کیا اور اس عورت کے لئے حکم فرمایا کہ ایک گڑھا کھودا جائے جو اس کے سینہ تک کھودا جائے جب اس کے سینہ تک گڑھا کھود دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کیا گیا اس کی سنگساری کے دوران جب حضرت خالد ابن ولید نے ایک پتھر اس کے سر پر مارا اور اس کے سر کا خون حضرت خالد کے منہ پر آ کر پڑا تو حضرت خالد اس کو برا بھلا کہنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد! اس کی بخشش ہو چکی ہے اس کو برا بھلا مت کہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر توبہ (تاروا) فیکس لینے والا کرے تو اس کی مغفرت و بخشش ہو جائے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا چنانچہ پڑھی گئی اور وہ دفن کی گئی۔" (مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 719)

بلاشبہ ماعز نے توبہ کی اس ارشاد کے ذریعہ اس ارشاد کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز کی سعادت اور اس کی توبہ کی فضیلت کو ظاہر فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے جو اس مغفرت اور رحمت کو لازم کرتی ہے جس کا دامن، مخلوق خدا کی ایک بہت بڑی جماعت پر سایہ فگن ہو سکتا ہے یہاں اقامت حد (حد کی قائم ہونے) کو توبہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ جس طرح توبہ کے ذریعہ گناہ مٹ جاتے ہیں اسی طرح حد جاری ہونے سے بھی گناہ مٹ جاتا ہے۔

جب تک کہ تو اپنے بچہ کی ولادت سے فارغ نہ ہو جائے "ابن مالک" کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے یہ معلوم ہوا کہ حاملہ جب تک کہ ولادت سے فارغ نہ ہو جائے اس پر حد قائم نہ کی جائے تاکہ ایک بے گناہ کو جو اس کے پیٹ میں ہے ہلاک کرنا لازم نہ آئے میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ زانیہ کو سنگسار کرنے میں اس وقت تک کی مہلت دی جائے جب تک کہ اس کا وہ بچہ جو اس کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے اس سے مستثنیٰ نہ ہو جائے بشرطیکہ اس کی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ ہو، چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔

اگر ایسی توبہ (تاروا) فیکس لینے والا کرے اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ غیر شرعی طور پر اور نامناسب طریقوں سے لوگوں سے محصول فیکس وصول کرتے ہیں وہ بڑے گناہگار ہیں کیونکہ اس طرح کے محصول و فیکس وصول کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا مال

زور زبردستی سے اور ظلم کر کے چھین لیا جائے۔

حدیث کے آخری جملہ میں لفظ صلی مسلم کے تمام راویوں سے صادر اور لام کے زیر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ منقول ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

جب کہ طبری کے نزدیک اور ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد کی روایت میں یہ لفظ صا کے پیش اور لام کے زیر یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ منقول ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کی نماز جنازہ دوسرے لوگوں نے پڑھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی چنانچہ ابو داؤد کی روایت میں تو صراحت کے ساتھ یہ منقول ہے کہ (لم یصل علیہا) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا، اسی وجہ سے ائمہ کے ہاں سنگسار کئے جانے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں اختلافی اقوال ہیں۔

مرجوم کی نماز جنازہ پڑھانے میں مذاہب اربعہ

امام مالک کے ہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنا مکروہ ہے اور حضرت امام احمد یہ فرماتے ہیں کہ امام وقت اور اہل فضل نہ پڑھیں دوسرے لوگ پڑھ سکتے ہیں لیکن حضرت امام شافعی اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے بلکہ ہر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے جو کلمہ کو اور اہل قبلہ ہوا اگرچہ وہ فاسق و فاجر ہو یا اس پر حد قائم کی گئی ہو نیز ایک روایت میں امام احمد سے بھی یہی منقول ہے۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ صحیح مسلم کے تمام راویوں نے لفظ "صلی" کو صا اور لام کے زیر یعنی صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ طبری کے نزدیک یہ لفظ صا کے پیش یعنی صیغہ مجہول کے ساتھ ہے نیز ابی شیبہ ابو داؤد اور امام نووی نے بھی اس طرح نقل کیا ہے لہذا اس بارے میں یہ بات کہنی زیادہ مناسب ہے کہ یہ لفظ اصل میں تو صیغہ معروف ہی کے ساتھ ہے البتہ ما قبل کے الفاظ (ثم امر بها) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس عورت کے جنازہ کو نہ ملانے کفنانے اور نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ لانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کی تائید اس عبارت سے ہوتی ہے جو مسلم کی روایت میں ہے کہ حدیث (امر بها النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرجعت ثم صلی علیہا فقال له عمر تصلی علیہا یا بی اللہ وقد زنت) یہ روایت صراحت کے ساتھ یہ ثابت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی تھی۔

اور ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حدیث (ثم امرهم یصلوا علیہا) (یعنی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے قاضی عیاض نے بھی وضاحت کی ہے کہ اگرچہ مسلم نے اپنی روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاذ ابن مالک کے جنازے کی نماز پڑھنا ذکر نہیں کیا ہے لیکن بخاری نے اس کو ذکر کیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ جب مسلم کے اکثر راویوں نے لفظ "صلی" صیغہ معروف کے ساتھ نقل کیا تو یہاں صاحب مشکوٰۃ نے

اس لفظ کو صیغہ مجہول کے ساتھ کیوں نقل کیا؟ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اگرچہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے اس اعتبار سے صاحب مشکوٰۃ کو یہ لفظ صیغہ معروف کے ساتھ کر کے اثبات کو ترجیح دینا چاہئے تھا لیکن جب انہوں نے معتد صحیح نسخوں میں دیکھا کہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے جنازے کی نماز پڑھی یا نہیں پڑھی تو انہوں نے لفظ صلی کو صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کرنے کو ترجیح دی تاکہ اس صورت میں دونوں ہی احتمال ملحوظ رہیں لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ صورت ابہام سے خالی نہیں ہے اس لئے اس بارے میں اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ جمہور کی متابعت اور نقل مشہور کی موافقت کے پیش نظر اس لفظ کو صیغہ معروف ہی کے ساتھ قبول کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی بہر کیف یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حد، اس گناہ کو ختم کر دیتی ہے جس کی سزا میں اس کا نفاذ اجراء ہوتا ہے مثلاً اگر زید زنا کا مرتکب ہوا اور اس کے اس جرم کی سزا میں اس پر حد جاری کی جائے تو وہ زنا کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور آخرت میں اس سے اس زنا پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ایک بات اور نووی کہتے ہیں کہ (یہاں اس عورت کے بارے میں دو روایتیں نقل کی گئی ہیں اور) بظاہر دوسری روایت پہلی روایت کے خلاف ہے کیونکہ دوسری روایت سے تو صراحت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کو اس وقت سنگسار کیا گیا جب اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا اور وہ روٹی کھانے لگا تھا لیکن پہلی روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی ولادت کے بعد ہی سنگسار کر دیا گیا تھا، لہذا دوسری روایت کے صریح مفہوم کے پیش نظر پہلی روایت کی تاویل کرنی ضروری ہوئی تاکہ دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہو جائے کیونکہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے اور دونوں ہی روایتیں صحیح ہیں، پس تاویل یہ ہے کہ پہلی روایت میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک انصاری نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں اس بچے کو دودھ پلانے کا ذمہ دار ہوں تو انہوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ اس عورت نے اپنے بچے کا دودھ چھڑا دیا تھا، اور دودھ پلانے کا ذمہ دار ہونے سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں اس بچے کی کفالت اور پرورش کی ذمہ داری دیتا ہوں اور اپنے اس مفہوم کو انہوں نے عجزاً دودھ پلانے سے تعبیر کیا غیر محسن زانی کی سزا کا بیان

(وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْصَنًا وَكَانَ حُرًّا فَحَدُّهُ مِائَةَ جَلْدَةٍ) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ) إِلَّا أَنَّهُ تَنَسَّخَ فِي حَقِّ الْمُحْصَنِ فَبَقِيَ فِي حَقِّ غَيْرِهِ مَعْمُولًا بِهِ. قَالَ (يَأْمُرُ الْإِمَامُ بِضَرْبِهِ بِسَوْطٍ لَا ثَمَرَةَ لَهُ ضَرْبًا مُتَوَسِّطًا) لِأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يُقِيمَ الْحَدَّ كَسَرَ ثَمَرَتَهُ.

وَالْمُتَوَسِّطُ بَيْنَ الْمُبْرَحِ وَغَيْرِ الْمُؤْلِمِ لِإِفْضَاءِ الْأَوَّلِ إِلَى الْهَلَاكِ وَخُلُوِّ الثَّانِي عَنِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ الْإِنْجَارُ (وَتَنَزَّعَ عَنْهُ يَتَابُهُ) مَعْنَاهُ دُونَ الْإِزَارِ لِأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

كَانَ يَأْمُرُ بِالتَّجْرِيدِ فِي الْحُدُودِ، وَلَآنَ التَّجْرِيدُ أَبْلَغُ فِي إِيصَالِ الْأَلَمِ إِلَيْهِ. وَهَذَا الْحَدُّ مَبْنَاهُ عَلَى الشَّدَةِ فِي الضَّرْبِ وَلِئِنْ نَزَعَ الْإِزَارَ كَشَفَ الْعَوْرَةَ فَيَتَوَقَّاهُ (وَيُفَرِّقُ الضَّرْبَ عَلَى أَعْضَائِهِ) لِأَنَّ الْجَمْعَ فِي غَضَبٍ وَاحِدٍ قَدْ يُفْضِي إِلَى التَّلَفِ وَالْحَدُّ زَاجِرٌ لَا مُتَلَفٌ.

ترجمہ

اور اگر وہ زانی شادی شدہ نہ ہو اور آزاد ہو تو اس کیلئے سزا سو کوڑے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”زانیہ اور زانی میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ البتہ محسن کے حق میں حکم منسوخ ہو چکا ہے اور غیر محسن کے حق میں اسی پر عمل باقی ہے۔ اور حاکم اس کو اس طرح کے کوڑے سے مارنے کا حکم دے گا جس میں گرہ نہ ہو اور درمیانی مارے مارے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب حد قائم فرماتے تھے تو اپنے کوڑے کی گرہ کو توڑ دیتے تھے۔ اور درمیانہ وہ ہے جو سخت اور نرم کے درمیان ہو۔ کیونکہ پہلا یعنی سخت ہلاکت کی طرف لے جانے والا ہے جبکہ دوسرا انزا چار یعنی سزا سے خالی ہے۔ مرجوم کے کپڑے اتار دیئے جائیں گے لیکن اس کی چادر نہ اتاری جائے گی۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حد میں کپڑے اتار دینے کا حکم دیتے تھے۔ کیونکہ مرجوم کو تکلیف دینے میں تجرید زیادہ نفع مند ہے اور اس سزا کا دار و مدار ہی نہایت سختی سے مارنے کا ہے اور چادر اتارنے سے کشف عورت ہے پس اس سے احتیاط کی جائے گی۔ اور اس کے مختلف اعضاء پر مارنے کی بجائے ایک ہی عضو پر مارنے ہلاکت کا خطرہ ہو جائے گا اور یہ حد زاجر ہے ہلاک کرنے والی نہیں ہے۔

غیر محسن کو درے مارنے کا بیان

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو سنگسار کیا تو کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق سنگسار کیا ہے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1729)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر وہ محسن جس کا زنا ثابت ہوا محسن نہ ہو تو اسے ڈڑے مارے جائیں، اگر آزاد ہے تو سو ڈڑے اور غلام یا باندی ہے تو پچاس ۵۰ اور ڈڑہ اس قسم کا ہو جس کے کنارہ پر گرہ نہ ہو نہ اس کا کنارہ سخت ہو اگر ایسا ہو تو اس کو کوٹ کر ملائم کر لیں اور متوسط طور پر ماریں، نہ آہستہ نہ بہت زور سے۔ نہ ڈڑے کو سر سے اُونچا اٹھا کر مارے نہ بدن پر پڑنے کے بعد اسے کھینچے بلکہ اُوپر کو اٹھا لے اور بدن پر ایک ہی جگہ نہ مارے، بلکہ مختلف جگہوں پر مگر چہرہ اور سر اور شرمگاہ پر نہ مارے۔ (در مختار کتاب الحدود)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ڈڑہ مارنے کے وقت مرد کے کپڑے اتار لیے جائیں مگر تہبند یا پاؤں نہ

اوتاریں کہ سر ضرور ہے اور عورت کے کپڑے نہ اوتارے جائیں ہاں پوتھن یا روئی بھرا ہوا کپڑا پہنے ہو تو اسے اوتروائیں مگر جبکہ اس کے نیچے کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو تو اسے بھی نہ اوتروائیں اور مرد کو کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر ڈڑے ماریں۔ زمین پر لٹا کر نہ ماریں اور اگر مرد کھڑا نہ ہو تو اسے ستون سے باندھ کر یا پکڑ کر کوڑے ماریں۔ اور عورت کے لیے اگر گڑھا کھودا جائے تو جائز ہے یعنی جبکہ زنا گواہوں سے ثابت ہوا ہو اور مرد کے لیے نہ کھودیں۔ (رہنما، کتاب الحدود)

محدود علیہ کے سر و چہرے پر مارنے کی ممانعت کا بیان

قَالَ (إِلَّا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَفَرْجَهُ) (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِلَّذِي أَمَرَهُ بِضَرْبِ الْحَدِّ اتَّقِ الْوَجْهَ وَالْمَذَاكِيرَ) وَلَآنَ الْفَرْجُ مَقْتَلُ الرَّأْسِ مَجْمَعُ الْحَوَاسِّ، وَكَذَا الْوَجْهُ وَهُوَ مَجْمَعُ الْمَحَاسِنِ أَيْضًا فَلَا يُؤْمَنُ فَوَاطٍ شَيْءٍ مِنْهَا بِالصُّرْبِ وَذَلِكَ إِهْلَاكٌ مَعْنَى فَلَا يُشْرَعُ حَدًّا. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: يَضْرِبُ الرَّأْسَ أَيْضًا رَجَعَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا يَضْرِبُ سَوْطًا لِقَوْلِ أَبِي بَكْرٍ: اضْرِبُوا الرَّأْسَ فَإِنَّ فِيهِ شَيْطَانًا.

قُلْنَا: تَأْوِيلُهُ أَنَّهُ قَالَ ذَلِكَ فِيمَنْ أُبِيحَ قَتْلُهُ. وَيُقَالُ: إِنَّهُ وَرَدَ فِي حَرْبِي كَأَنَّ مِنْ دُعَاةِ الْكُفْرَةِ وَالْإِهْلَاكِ فِيهِ مُسْتَحَقٌّ (وَيَضْرِبُ فِي الْحُدُودِ كُلَّهَا قَائِمًا غَيْرَ مَمْدُودٍ) لِقَوْلِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: يَضْرِبُ الرَّجُلُ فِي الْحُدُودِ قَائِمًا وَالنِّسَاءُ قُعُودًا، وَلَآنَ مَبْنَى إِقَامَةِ الْحَدِّ عَلَى التَّشْهِيرِ، وَالْقِيَامُ أَتْلُغُ فِيهِ. ثُمَّ قَوْلُهُ: غَيْرَ مَمْدُودٍ، فَقَدْ قِيلَ أَلَمْ تَدَّ أَنْ يُلْقَى عَلَى الْأَرْضِ وَيُمَدَّ كَمَا يُفْعَلُ فِي زَمَانِنَا، وَقِيلَ أَنْ يُمَدَّ السَّوْطُ فَيَرْفَعَهُ الضَّارِبُ فَوْقَ رَأْسِهِ، وَقِيلَ أَنْ يُمَدَّهُ بَعْدَ الصُّرْبِ، وَذَلِكَ كُلُّهُ لَا يُفْعَلُ لِأَنَّهُ زِيَادَةٌ عَلَى الْمُسْتَحَقِّ.

ترجمہ

فرمایا: زانی کے سر اور اس کے چہرے اور اس کی شرمگاہ پر نہ مارا جائے کیونکہ آپ ﷺ نے جس کو کوڑے مارنے کا حکم دیا تھا اس سے یہ فرمایا کہ چہرہ اور شرمگاہ پر نہ مارنا کیونکہ شرمگاہ سے قتل ہو سکتا ہے اور سر حواس کا مجموعہ ہے اور چہرہ محاسن کا مجموعہ ہے پس مارنے کے سبب ان میں سے کسی چیز کا فوت ہونا ناممکن ہے اور معنوی ہلاکت ہے اور یہ حد بن کو شروع نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ سر پر بھی مارا جائے گا اور کوڑے سے مارا جائے گا کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے سر پر مارو۔ کیونکہ اس میں شیطان ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کی تاویل یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بندے کے بارے میں فرمایا تھا جس کا قتل جائز تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ قول اس حربی کے بارے میں ہے جو کافروں کو بلانے والا تھا۔ اور اس کو ہلاک کرنا واجب تھا۔ تمام حدود میں زانی کو کھڑے کر کے ہاتھ باندھے بغیر ہی کوڑے مارے جائیں گے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مردوں کو کھڑے کر کے حد لگائی جائے اور عورتوں کو بیٹھا کر حد لگائی جائے۔ کیونکہ حد قائم کرنے کا دار و مدار شہرت پر ہے۔ اور اس میں قیام قائم ہے۔

اس کے بعد امام قدوری علیہ الرحمہ کا غیر محدود کہنا محتمل ہے ایک قول یہ ہے کہ مجرم کو زمین پر ڈال دیا جائے گا جس طرح ہمارے دور میں کھینچتے ہیں اسی طرح کھینچا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ مارنے والا اپنے کوڑے کو کھینچ کر اپنے سر تک اٹھائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ کوڑا مارنے کے بعد اس کو کھینچے۔ مگر ان میں سے کوئی کام تو کیا جائے گا کیونکہ یہ زانی کیلئے واجب مار سے زائد ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی کسی سے جھگڑا کرے تو چہرے (پر مارنے) سے پرہیز کرے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۲۵۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔ کہ مار پیٹ میں چہرے پر مارنے سے پرہیز صرف غلام کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہاں چونکہ غلاموں کا بیان ہو رہا تھا اس لیے عنوان میں اسی کا خصوصیت سے ذکر کیا۔ بلکہ چہرے پر مارنے سے پرہیز کا حکم تمام انسانوں بلکہ جانوروں تک کے لیے ہے۔

اسلم کی روایت میں صاف اذ اضرب ہے اور اس حدیث میں گو خادم کو مارنے کی صراحت نہیں ہے مگر امام بخاری نے اس طریق کی طرف اشارہ کیا جس کو انہوں نے ادب المفرد میں نکالا اس میں یوں ہے۔ اذ اضرب خادمہ یعنی جب کوئی تم میں سے اپنے خادم کو مارے۔ حافظ نے کہا یہ عام ہے خواہ کسی حد میں مارے یا تعزیر میں ہر حال میں منہ پر نہ مارنا چاہئے۔ اس کی وجہ مسلم کی روایت میں یوں مذکور ہے۔ کیوں کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا، ویسے چہرے پر مارنا ادب اور اخلاق کے بھی سراسر خلاف ہے۔ اگر مارنا ہی ہو تو جسم کے دیگر اعضاء موجود ہیں۔

علماء نے کہا ہے چہرے پر مارنے کی ممانعت اس لیے ہے کہ یہ عضولطیف ہے جو جملہ محاسن کا مجموعہ ہے اور اکثر اراک کا وقوع چہرے کے اعضاء ہی سے ہوتا ہے۔ پس اس پر مارنے سے خطرہ ہے کہ اس میں کئی ایک نقائص و عیوب پیدا ہو جائیں، پس یہ علت بہتر ہے جن کی بنا پر چہرے پر مارنا منع کیا گیا ہے۔ لیکن امام مسلم کے نزدیک ایک اور علت ہے۔ انہوں نے اس حدیث کو ابو ایوب مرانی کی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ جس میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ اللہ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے اگرچہ ضمیر کے مرجع میں اختلاف ہے مگر اکثر علماء کے نزدیک یہ ضمیر معزوب ہی کی طرف لڑتی ہے۔ اس لیے کہ پہلے چہرے کے اکرام کا حکم ہو چکا ہے۔ اگر یہ تعلیل مراد نہ لی جائے تو اس جملہ کا ماقبل سے کوئی ربط باقی نہیں رہ جاتا۔ قرطبی نے کہا کہ

بعض نے ضمیر کو اللہ کی طرف لوٹایا ہے۔ دلیل میں بعض طرق کی اس عبارت کو پیش کیا ہے جس میں ذکر ہے کہ اللہ نے آدم کو رخصت کی صورت پر پیدا کیا۔ (فتح الباری شرح بخاری، کتاب العتاق)

غلام پر نصف جاری ہونے کا بیان

(وَإِنْ كَانَ عَبْدًا جَلَدَهُ خَمْسِينَ جَلْدَةً) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ) نَزَلَتْ فِي الْإِمَاءِ، وَلَئِنْ الرِّقُّ مُنْقِصٌ لِلنَّعْمَةِ فَيَكُونُ مُنْقِصًا لِلْعُقُوبَةِ؛ لَإِنَّ الْجَنَائَةَ عِنْدَ تَوَافُرِ النِّعَمِ أَفْحَشُ فَيَكُونُ أَذْعَى إِلَى التَّغْلِيظِ

ترجمہ

اور اگر زنا کرنے والا غلام ہو تو اس کو پچاس کوڑے ماریں جائیں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: باندیوں پر آزاد عورتوں کی بہ نسبت نصف سزا ہے۔ یہ آیات باندیوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ رقیّت نعمت کو تھوڑا کرنے والی ہے۔ پس سزا کو بھی کم کر دے گی۔ کیونکہ نعمتوں کی کثرت کے باوجود جنایت کرنے زیادہ برا ہے لہذا یہ جنایت آزاد کے حق میں زیادہ سخت ہو گی۔

باندیوں کی حد میں فقہی تصریحات کا بیان

فَإِذَا أَحْصَنَ فَإِنَّ آتِينَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نساء ۲۵)

جب وہ قید میں آجائیں، پھر برا کام کریں تو ان پر اس سزا کی آدھی ہے جو آزاد عورتوں پر ہے یہ اس کے لئے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (کنز الایمان)

جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہوشادی شدہ یا غیر شادی شدہ ہو باوجود یہ کہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو، پس اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، جمہور کا قول ہے کہ بیشک ”جو بولا گیا“ مفہوم پر مقدم ہے اس لئے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا،

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علی نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو خواہ وہ محصنہ ہوں یا نہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا چونکہ وہ نفاس میں تھی اس لئے مجھے ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مرنے جائے چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک تھا کہ نہ ہو جائے حد نہ مارنا،

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے پھر اگر وہ بارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگر چہ ایک رسی کے ٹکڑے کے بدلے ہی ہو، اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے، عبد اللہ بن عیاش بن ابوربیعہ غروی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریشیوں کو جو انوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امارت کی لونڈیوں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا صرف بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے،

ابن عباس اسی طرف گئے ہیں طاؤس سعید ابوسعید وادخاہری کا مذہب بھی یہی ہے ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط ہے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ محض جنت ہے اس لئے ان کے نزدیک ایک ایک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے اور ابو ہریرہ اور زید بن خالد کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو یعنی اس کا نکاح نہ ہوا ہو تو کیا جائے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر بیچ ڈالو گو ایک رسی کے ٹکڑے کے قیمت پر ہی کیوں نہ بیچنا پڑے،

راوی حدیث ابن شہاب فرماتے ہیں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔ پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں کی حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے، پس آیت و حدیث میں اس طرح تطبیق دینا واجب ہوگئی واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباس نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے یعنی جب تک نکاح والی نہ ہو جائے پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے، یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اسے مرفوع کہنا خطا ہے یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس کا قول ہے،

تنبہاتی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر والی حدیں ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں، اور حضرت ابو ہریرہ والی حدیث دوسرے واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں غلط حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے، تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور ایک والی پر دو والی مقدم ہے، اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن حمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابی تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

آیت سے بہت دور ہے اس طرح کہ آدھی حد کی دیس صرف آیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے علاوہ میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے اس لوٹڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے بلکہ حکم ہے لیکن دونوں صورتوں میں حد آدھی ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لئے کہ آیت میں اس کی دالت بھی نہیں۔ اگر اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لوٹڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے،

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو اپنے ماتحتوں پر حدیں جاری کر د شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور در عام حد میں جو پہلے گزر چکی ہیں جن میں خاوندوں والی اور خاوندوں کے بغیر کوئی تفصیل نہیں، حضرت ابو ہریرہ کی روایت والی حد بیٹ جس سے جمہور نے دلیل) پکڑی ہے یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کوئی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے (مخلص)

محضہ وغیر محضہ باندیوں کی حد فقہی مذاہب

اغرض لوٹڈی کی زنا کاری کی حد میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہو جانے کے بعد بھی یہی حد رہے گی اور اسے جلا وطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلا وطنی ہوگی دوسرے یہ کہ نہ ہوگی تیسرے یہ کہ جلا وطنی میں آدھے سال کو طوطہ رکھا جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا پورے سال کا نہیں، پورا سال آزاد عورتوں کے لئے ہے، یہ تینوں قول امام شافعی کے مذہب میں ہیں،

لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک جلا وطنی تعزیر کے طور پر ہے وہ حد میں سے نہیں امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلا وطنی دے یا نہ دے مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں ہاں امام مالک کے مذہب میں ہے کہ جلا وطنی صرف مردوں کے لئے ہے عورتوں پر نہیں اس لئے کہ جلا وطنی صرف اس کی حفاظت کے لئے ہے اور اگر عورت کو جلا وطن کیا گیا تو حفاظت میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالنے کی حد بیٹ صرف حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہ سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا (بخاری)

اس سے معنی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکالے جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ لوٹڈی کو اس کی زنا کاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب دکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں پہلے گزر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا جیسے حضرت سعید

میں سب کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہئے تو یہ محض تاویل ہی ہوگی ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جاسکتا ہے جو یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کے داؤد کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بڑا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ پھر فرمان ہے کہ لوٹڈیوں سے نکاح کرنا ان شرائط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لئے جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجربہ داس پر بہت شاق گزر رہا ہو اور اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہو تو بیشک اسے پاکدامن لوٹڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے مالک کے لوٹڈی غلام ہوگی ہاں اگر خاندان غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعی کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔ پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے افضل ہے اور اللہ غفور رحیم ہے،

جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لوٹڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ اس وقت جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی رکے رہنے کی طاقت ہو، بلکہ زنا واقع ہو جانے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد نکاح میں جاتی ہے دوسرے ایک طرح ہے کہ آزاد عورت کو چھوڑ کر لوٹڈیوں کی طرف متوجہ ہوتا۔

ہاں جمہور کے مخالف امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لوٹڈی سے نکاح جائز ہے وہ لوٹڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو۔ چاہے اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو، اس کی بڑی دلیل یہ آیت والمحصنات من الذین اتوا الكتاب من نسلکم یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں یہ آیت عام ہے جس میں آزاد اور غیر آزاد سب ہی شامل ہیں اور محصنات سے مراد پاکدامن باعصمت عورتیں ہیں لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، ۲/۲۵۵)

جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہو اس کو لوٹڈی سے نکاح کرنا امام شافعی وغیرہ کے نزدیک حرام ہے اور امام ابو حنیفہ کے مذہب میں مکروہ تنزیہی ہے ایسے ہی صحت نکاح کے لئے لوٹڈی کا مسلمان ہونا اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک افضل ہے۔ اگر کتابیہ لوٹڈی سے نکاح کر لے گا تو وہ بھی امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگا۔ ہاں اگر کسی کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو اس کو لوٹڈی سے نکاح کرنا سب کے نزدیک حرام ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حدود میں مردوں اور عورتوں کے برابر ہونے کا بیان

(وَالرَّجُلُ وَالْمَرْأَةُ فِي ذَلِكَ سَوَاءٌ) لِأَنَّ النُّصُوصَ تَشْمَلُهُمَا (غَيْرَ أَنَّ الْمَرْأَةَ لَا تَنْزِعُ مِنْ بَيَّاتِهَا إِلَّا الْقُرْوَ وَالْحَشْوُ) لِأَنَّ فِي تَجْرِيدِهَا كَشْفُ الْقَوْرَةِ وَالْقُرْوَ وَالْحَشْوُ

يَمْنَعَانِ وَصُولَ الْآلَمِ إِلَى الْمَضْرُوبِ وَالسَّرُّ حَاصِلٌ بِذَوَيْهِمَا فَيَنْزَعَانِ (وَتَضْرِبُ جَالِسَةً) لِمَا رَوَيْنَا ، وَلَآئِنَّ أُسْتَرَ لَهَا (وَإِنْ حُفِرَ لَهَا فِي الرَّجْمِ جَارٌ) ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَفَرَ لِلْعَامِدِيَّةِ إِلَى تَنْذُوبِهَا ، وَحَفَرَ عَلَيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِشِرَاحَةِ الْهَمْدِ النَّبِيِّ وَإِنْ تَرَكَ لَا يَضُرُّهُ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَأْمُرْ بِذَلِكَ وَهِيَ مُسْتَوْرَةٌ بِثِيَابِهَا ، وَالْحَفَرُ أَحْسَنُ ، لِأَنَّهُ أُسْتَرَ وَبُحْفَرُ إِلَى الصَّدْرِ لِمَا رَوَيْنَا (وَلَا يُحْفَرُ لِلرَّجُلِ) ، لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا حَفَرَهُ لِمَاعِيزٍ ، وَلَآنَ مَبْنَى الْإِقَامَةِ عَلَى التَّشْهِيرِ لِلرَّجَالِ ، وَالرَّبْطُ وَالْإِمْسَاكُ غَيْرُ مَشْرُوعٍ

ترجمہ

اور مرد و عورت حد میں برابر ہیں۔ کیونکہ دونوں کو نص شامل ہے۔ البتہ عورت اپنے کپڑوں میں سے پوتین اور بھرے ہوئے کپڑے ہی اتارے گی کیونکہ عورت کے کپڑے اتارنے میں کشف عورت ہوگا جبکہ پوتین اور حشومارے ہوئے مقام پر تکلیف دینے کے مانع ہے۔ اور ان کے بغیر بھی ستر حاصل ہو جاتا ہے پس ان کو نکلوایا جائے گا اور عورت کو بیضا کر اس کو حد لگائی جائے گی۔ اسی روایت کے پیش نظر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ کیونکہ بیٹھنے میں عورت کیلئے زیادہ ستر ہے۔

اور اگر رجیم کیلئے گڑھا کھودا جائے تو یہ جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عامہ یہ عورت کیلئے اس کے سینے تک گڑھا کھودوایا تھا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شرائع ہدایہ کیلئے گڑھا کھودوایا تھا مگر جب گڑھا نہ کھودا گیا تو بھی نقصان نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم نہیں دیا تھا۔ اور عورت اپنے کپڑوں میں ناپردہ رہنے والی ہے البتہ گڑھا کھودنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اس کے سبب ستر زیادہ ہے اور سینے تک گڑھا کھودنا اسی حدیث کے سبب ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ جبکہ مرد کیلئے گڑھا نہ کھودا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معز رضی اللہ عنہ کیلئے گڑھا نہ کھودا تھا کیونکہ مردوں کیلئے حد قائم کرنے کا دار و مدار شہرت پر ہے۔ لہذا باندھنا یا روکنا جائز نہ ہوگا۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم میں سے کسی شخص کی لونڈی، زنا کی مرتکب ہو اور اس کا زنا ظاہر ہو جائے (یعنی اس کی زنا کاری ثابت ہو جائے) تو وہ اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اگر وہ پھر زنا کی مرتکب ہو تو اس پر حد جاری کرے اور اس کو عار نہ دلائے اور اگر وہ تیسری مرتبہ زنا کی مرتکب ہو اور اس کی زنا کاری ثابت ہو جائے تو اب اس کو چاہئے کہ وہ لونڈی کو کوچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی (یعنی حقیر ترین چیز) ہی کے

بدلے میں کیوں نہ بیچنا پڑے۔" (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 720)

تو ادھر اس پر حد جاری کرے، یعنی اس کو پچاس کوڑے مارے ایہ واضح رہے کہ لونڈی غلام کی حد، آزاد مرد و عورت کی بہ نسبت آدھی حد ہے اور لونڈی غلام کے لئے سنگاری کی سزا مشروع نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ آقا کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مملوک پر خود بخود حد جاری کرے جب کہ حنفی علماء کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے، ان کے نزدیک یہ حکم وہ اس پر حد جاری کرے دراصل سبب پر محمول ہے یعنی اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ آقا اپنی زنا کار لونڈی پر حد جاری ہونے کا سبب اور واسطہ بنے بایں طور کہ وہ اس لونڈی کو حاکم کے سامنے پیش کر دے تاکہ وہ اس پر حد جاری کرے۔

اور اس کو عار نہ دلائے کا مطلب یہ ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد اس لونڈی پر لعن طعن نہ کرے اور نہ اس کو حد جاری ہونے کی عار وغیرہ دلئے کیونکہ جب اس نے حد کی صورت میں اپنے گنہگار کفارہ بھر دیا اور وہ گنہگار پاک ہوگئی تو اب اس پر لعن طعن کیا دراصل اسے رکبوں دلائی جائے! اور یہ حکم خاص طور پر لونڈی ہی کے لئے نہیں ہے بلکہ آزاد کا بھی یہی حکم ہے لیکن لونڈیاں چونکہ توبخ و سرزنش کا محل ہوتی ہیں اس لئے خاص طور پر لونڈی کے بارے میں یہ حکم بیان کیا گیا۔

وہ اس لونڈی کو کوچ ڈالے کا مطلب یہ ہے کہ چاہئے تو حد جاری کرنے کے بعد اس کو بیچے اور چاہے حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دے لیکن حدیث کے ظاہری مفہوم سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حد جاری کرنے سے پہلے ہی بیچ دینا چاہئے۔

منووی کہتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق و فاجر اور اہل معاصی کے ساتھ رہن کن کو ترک کر دینا اور اس طرح کی لونڈی کو بیچ دینا مستحب ہے لیکن علماء ظواہر کے نزدیک واجب ہے۔

امام کے بغیر آقا کے حد جاری نہ کرنے کا بیان

(وَلَا يُقِيمُ الْمَوْلَى الْحَدَّ عَلَى عَبْدِهِ إِلَّا بِإِذْنِ الْإِمَامِ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَهُ أَنْ يُقِيمَهُ لِأَنَّ لَهُ وَلَايَةً مُطْلَقَةً عَلَيْهِ كَالْإِمَامِ ، تَلْ أَوْلَى لِأَنَّهُ يَمْلِكُ مِنَ التَّصَرُّفِ فِيهِ مَا لَا يَمْلِكُهُ الْإِمَامُ فَصَارَ كَالْتَّعْزِيرِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (أَرْبَعٌ إِلَى الْوَلَاةِ وَذَكَرَ مِنْهَا الْحُدُودَ) وَلَآنَ الْحَدَّ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى لِأَنَّ الْمَقْصِدَ مِنْهَا إِخْلَاءُ الْعَالَمِ عَنِ الْفَسَادِ ، وَلِهَذَا لَا يَسْقُطُ بِإِسْقَاطِ الْعَبْدِ فَيَسْتَوْفِيهِ مَنْ هُوَ نَائِبٌ عَنِ الشَّرْعِ وَهُوَ الْإِمَامُ أَوْ نَائِبُهُ ، بِخِلَافِ التَّعْزِيرِ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ وَلِهَذَا يُعْزَرُ الصَّبِيُّ ، وَحَقُّ الشَّرْعِ مَوْضُوعٌ عَنْهُ .

ترجمہ

اور آقا اپنے غلام پر حاکم کی اجازت کے بغیر حد قائم نہ کرے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس کو حد قائم کرنے کا

اختیار حاصل ہے کیونکہ آقا کو غلام پر امام کی طرح ولایت مطلق طور پر حاصل ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ولایت حاصل ہے کیونکہ آقا کو غلام میں تصرف کا مالک ہے جس کا امام مالک نہیں ہے لہذا یہ تعزیر کی ہو جائے گا۔

ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ چار چیزیں امام کے سپرد ہیں اور آپ ﷺ نے ان میں سے حدود کو بھی بیان کیا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور حد کا مقصد دنیا سے فساد کو ختم کرنا ہے لہذا بندے کے ساقط کرنے سے حد ساقط نہ ہوگی۔ پس حدود شخص قائم کرے گا جو شریعت کا نائب ہوگا اور وہ امام ہے یا اس کا خلیفہ ہے البتہ تعزیر میں ایب نہیں ہے کیونکہ تعزیر بندے کا حق ہے۔ اسی دلیل کے پیش نظر بچوں کو سزا دی جاتی ہے حالانکہ بچوں سے شریعت کا حق معاف ہے۔

حد جاری کرنے میں حاکم کے منصب کا بیان

حد قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اسکے نائب کا کام ہے یعنی باپ اپنے بیٹے پر یا آقا اپنے غلام پر نہیں قائم کر سکتا۔ اور شرط یہ ہے کہ جس پر قائم ہو اس کی عقل درست ہو اور بدن سدا مت ہو ہذا پگل اور نشہ والے اور مریض اور ضعیف الخلق پر قائم نہ کرینگے بلکہ پگل اور نشہ والا جب ہوش میں آئے اور بیمار جب تندرست ہو جائے اس وقت حد قائم کرینگے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

بچوں کی سزا کی فقہی حیثیت کا بیان

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا ترفع عنهم عصاك اذبا واخفهم فی اللہ (احمد)

اولاد کو دین سکھانے اور دیندار بنانے کے لئے ان پر لاٹھی برساتے رہو اور انہیں اللہ کے معاملے میں ڈراتے رہو۔ لا ترفع یعنی نہ اٹھاؤ و مت اذبا کے معنی ہیں دینی تربیت کے لئے ادب یہ ہے کہ دیندار بننے اپنی اولاد کو اللہ کے بندے بنائیں۔ دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوڑا ایسی جگہ لٹکاؤ کہ گھروالے دیکھتے رہیں (عبدالرزاق طبرانی کبیر سیوطی) اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اہل و عیال کی دینی تربیت کے لئے اپنے گھر میں کوڑا لٹکایا (ابن عدی متادی سیوطی)

جب بچے گھر میں داخل ہوں تو سب سے پہلے کوڑے پر نظر پڑے گھر میں آتے جاتے کھیت کو دتے کوڑا نظر آتا رہے یہ رسول اللہ ﷺ کے احکام بتا رہا ہوں۔

اللہ پر ایمان ہے تو احکام الہیہ سے غفلت کیوں؟ میں یہ تنبیہ کرتا رہتا ہوں کہ دن میں دو بار ایک بار صبح ایک بار شام سوچ کر کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہے یا نہیں۔ ویسے تو سب جدی سے کہہ دیں گے کہ ہاں ہاں ہمارا تو ایمان بہت پاک ہے ہم تو پکے مومن ہیں مگر اس کی کوئی کوئی معیار مقیاس الحراۃ (تھرمامیٹر) بھی تو ہو۔ اگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر پاک ایمان ہے تو پھر انہوں نے جو احکام صادر فرمائے ہیں ان کی طرف توجہ کیوں نہیں جاتی؟ ابھی جو دو حد پیش بتائی ہیں کیا ان کی طرف توجہ جاتی ہے؟ آج کے مسلمان کا خیال یہ ہے کہ حد پیش گو یا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے تھیں دوسروں کو ان پر عمل کرنے

کی ضرورت نہیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام کا ارشاد ہے: والد کی، راواد کے لئے ایسی ہے جیسا کہ کھیتی کے لئے پانی (درمنثور) آج کل تو لوگ یہی کہتے ہیں کہ نہیں نہیں مارومت مارومت اس طرح تو بچہ صحیح نہیں رہے گا بیٹا بیٹا کہتے رہو۔

تربیت میں اعتدال

اصلاح منکرات میں ایک بہت بڑی چیز اپنی اولاد کی اصلاح ہے۔ اس میں بھی اعتدال ہونا چاہئے اعتدال کا اصل ہے حکم شریعت کا اتباع اسی کا نام اعتدال ہے اگر کوئی اپنا اعتدال قائم کر لے کہ یہ ہمارے ہاں اعتدال ہے تو وہ قابل قبول نہیں۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ مک کا حکم کیا ہے اگر کوتاہی کرتا ہے اصلاح نہیں کرتا تو مجرم ہوگا اور اگر اصلاح کرتا ہے اور اس اصلاح میں ایسا جذبہ طاری ہو جاتا ہے ایسا غصہ آ جاتا ہے ایسی غیرت و حسیت محسوس ہوتی ہے کہ شرعی حدود کی پابندی نہیں کرتا تو بھی مجرم ٹھہرے گا۔ اس لئے کہ یہ اپنے کام نہیں کام تو مالک کا ہے۔ اپنی عزت کے خلاف کوئی چیز نظر آ رہی ہے اپنے مقام کے خلاف نظر آ رہی ہے اپنے دینی منصب اور مضبوطی کے خلاف کوئی چیز نظر آ رہی ہے یا یہ بھی خیال آ سکتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اس کی اولاد کیسی ہے اور کیوں ان کی اصلاح نہیں کرتا الغرض یہ باتیں سامنے آ جائیں تو سوچنا چاہئے کہ میری عزت کیا چیز ہے؟ اللہ کا حکم سامنے ہونا چاہئے کہ یہاں کیا حکم ہے۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں حکم پر عمل کرنے میں عزت رہے یا بے عزتی ہو کچھ بھی فرق نہیں پڑتا۔ صحیح دین یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کا تابع رہے یہی مد نظر رہے کہ ان کا حکم کیا ہے۔

اولاد کی تربیت والد کی ذمہ داری

اولاد کی تربیت کے بارے میں پہلے ایک مسئلہ سمجھ لیں جب تک اولاد نابالغ ہے شریعت نے ان پر والد کو حکم بنا دیا ہے ان کی تربیت اس پر لازم ہے کہ نرمی سختی سے حسب موقع کام لے پٹائی کی ضرورت ہو تو پٹائی کرے کسی ناجائز کام کی اجازت ہرگز نہ دے پورے طور پر ان کی نگرانی کرے شریعت نے اس کے ذمہ لگایا ہے پٹائی کیسی کرنی چاہئے یہ بحث الگ ہے مگر بہر حال تھک اے کہتے ہیں کہ شریعت نے والد کو اولاد پر مسطہ کر دیا ہے وہ جبراً ان کی اصلاح کرے جب تک اولاد نابالغ ہے۔ جب بالغ ہو گئی تو شریعت نے اس کا اختیار ختم کر دیا اب انہیں مارنا جائز نہیں زبانی تنبیہ اور دعاء پر اکتفا کرے۔

صحیح تربیت کا اثر: بچوں کو محبت سے سمجھایا جائے تو وہ بہت جلدی اثر قبول کرتے ہیں

جس صورت میں جسمانی سزا ضروری ہو (کہ اس کے بغیر اصلاح نہ ہو سکے) تو کوشش ہو کہ کم سے کم سزا سے مقصود حاصل ہو جائے، مثلاً: ابتداء صرف کان پکڑوائے جائیں وغیرہ، اگر اس سے بھی کام نہ ہو، تو صرف ہاتھ سے ایک یا دو یا زیادہ سے زیادہ تین تھپڑ مارے جائیں، لیکن چہرہ، سر، شرم گاہ اور پیٹ پر مارنے سے احتراز کیا جائے اور یہ تین تھپڑ مختلف مقامات پر ہوں، ایک ہی جگہ پر تین تھپڑ نہ ماریں، مارنے سے نڈل پر اثر پڑے، نہ ہڈی تک اثر پہنچے، نہ کھال چھلے اور نہ خون نکلے۔

خاتم الفقہاء علامہ امین الدین ابن عابدین المعروف شامی قدس سرہ السامی اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں

لايجوز ضرب ولد الحر بامرأه اما المعلمه فله ضربه لمصلحة التعليم وقيد الطرلوسی بان يكون بعير الة حارحة وبان لا يريد على ثلاث ضربات ورده الناظم بانه لا وجه له ويحتاج الى نقل واقرة الشارح قال الشربسناللى والقيل فى كتاب الصلوة يصرب الصغير باليد لا بالخشبة ولا يزيد على ثلث ضربات انتهى (رد المحتار مطبوع بيروت 276/5)

احکام الصغاص 16 مطبوعہ بیروت پر موجود ہے کہ نماز نہ پڑھنے والے دس سالہ بچے کو اور شاگرد کو استاد اور باپ چھڑی سے نہ ماریں بلکہ ہاتھ سے ماریں اور تین ضربوں سے زیادہ نہ لگائیں

مرقاۃ منہاج میں ہے کہ ستارے جبکہ بعد میں ظہر ہو کہ بچے کا قصور نہ تھا جو استاذ پر قصص نہیں لیکن اگر معذ اللہ بچہ مرگے تو دیت لازم ہے (مرقاۃ المناہج ج 5 ص 216-320)

مذکورہ کی عبارت سے بھی یہ ظاہر کہ ڈنڈے سے سخت مار نہ مارے بلکہ فقط ہاتھ استعمال کرے اور تین سے زیادہ ضربیں نہ لگائے (شامی جلد 376 مطبوعہ بیروت)

الحاصل ستارے اپنے شاگرد کو ادب سکھانے کے لئے نیت صریح کے ساتھ سزا تو دے سکتا ہے لیکن چھڑی استعمال نہ کرے بلکہ ہاتھ سے زیادہ سے زیادہ تین ضربیں لگائیں اور وہ بھی منہ پر نہ مارے کہ اس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی ہے۔ اذا ضرب احدکم فلیتق الوجه (مشکوۃ المصابیح باب التعزیر ص 316) جب تیرے سے کوئی مارے تو چہرے سے بچے۔ اس فرمانِ عدلی میں ہزار ہا حکمتیں ہیں ہم نے بعض متقی استادوں کو دیکھا کہ وہ شاگرد کی چپے پر چپت مارتے ہیں منہ پر تھپتھپ نہیں مارتے۔ (مرقاۃ المناہج ج 5 ص 326)

مرد کے احسان کی شرائط کا بیان

قَالَ (وَإِخْصَانُ الرَّجُلِ أَنْ يَكُونَ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُسِيماً قَدْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً بِنِكَاحٍ صَحِيحٍ وَدَخَلَ بِهَا وَهُمَا عَلَى صِفَةِ الْإِخْصَانِ) قَالَ الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ شَرْطَانِ لِهَيْئَةِ الْعُقُوبَةِ إِذْ لَا خِطَابَ دُونَهُمَا ، وَمَا وَرَاءَهُمَا يُشْتَرَطُ لِتَكَامُلِ الْجِنَايَةِ بِوَاسِطَةِ تَكَامُلِ النِّعْمَةِ إِذْ كُفْرَانُ النِّعْمَةِ يَتَغَلَّظُ عِنْدَ تَكَثُّرِهَا ، وَهَذِهِ الْأَشْيَاءُ مِنْ جَلَائِلِ النِّعَمِ . وَقَدْ شَرَعَ الرَّجْمُ بِالزُّنَا عِنْدَ اسْتِجْمَاعِهَا فَيُنَاطُ بِهِ .

بِخِلَافِ الشَّرَفِ وَالْعِلْمِ ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ مَا وَرَدَ بِاعْتِبَارِهِمَا وَنَصَبُ الشَّرْعِ بِالرَّأْيِ

مُنْعَذَرٌ ، وَلِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ مُمَكِّنَةٌ مِنَ النِّكَاحِ الصَّحِيحِ وَالنِّكَاحِ الصَّحِيحُ مُمَكِّنٌ مِنَ الرُّطَةِ الْحَلَالِ ، وَالْإِصَابَةُ شَبَعٌ بِالْحَلَالِ ، وَالْإِسْلَامُ يُمَكِّنُهُ مِنَ نِكَاحِ الْمُسْلِمَةِ وَيُؤَكِّدُ اعْتِقَادَ الْحُرْمَةِ فَيَكُونُ الْكُلُّ مَزْجَرَةً عَنِ الزُّنَا .

وَالْجِنَايَةُ بَعْدَ تَوْفِيرِ الزَّوْجِ أَغْلَظُ وَالشَّافِعِيُّ يُخَالِفُنَا فِي اشْتِرَاطِ الْإِسْلَامِ وَكَذَا أَبُو يُوسُفَ فِي رِوَايَةٍ لَهُمَا مَا رَوَى (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ رَجَمَ يَهُودِيَيْنِ قَدْ زَنَيَا) قُلْنَا : كَانَ ذَلِكَ بِحُكْمِ التَّوْرَةِ ثُمَّ نَسِخَ ، يُؤَيِّدُهُ (قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ أَشْرَكَ بِاللَّهِ فَلَيْسَ بِمُحَصَّنٍ) . وَالْمُعْتَبَرُ فِي الدُّخُولِ إِيْلَاجٌ فِي الْقُبْلِ عَلَى وَجْهِ يُوجِبُ الْغُسْلَ .

وَشَرَطُ صِفَةِ الْإِخْصَانِ فِيهِمَا عِنْدَ الدُّخُولِ ، حَتَّى لَوْ دَخَلَ بِالْمَنْكُوحَةِ الْكَافِرَةُ أَوْ الْمَمْنُوكَةِ أَوْ الْمَجْنُونَةِ أَوْ الصَّبِيَّةَ لَا يَكُونُ مُحَصَّنًا ، وَكَذَا إِذَا كَانَ الزَّوْجُ مَوْصُوفًا بِإِحْدَى هَذِهِ الصِّفَاتِ وَهِيَ حُرَّةٌ مُسْلِمَةٌ عَاقِلَةٌ بَالِغَةٌ ؛ لِأَنَّ النِّعْمَةَ بِذَلِكَ لَا تَتَكَامَلُ إِذِ الطَّبْعُ يَنْفِرُ عَنْ صُحْبَةِ الْمَجْنُونَةِ ، وَقَلَمًا يَرْغَبُ فِي الصَّبِيَّةِ لِقَلَّةِ رَغَبِهَا فِيهِ وَفِي الْمَمْلُوكَةِ حَدَرًا عَنْ رِقِّ الْوَلَدِ وَلَا ائْتِلَافَ مَعَ الْإِخْتِلَافِ فِي الدِّينِ .

وَأَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ يُخَالِفُهُمَا فِي الْكَافِرَةِ ، وَالْحُجَّةُ عَلَيْهِ مَا ذَكَرْنَاهُ ، قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا تُحْصِنُ الْمُسْلِمَ الْيَهُودِيَّةُ وَلَا النَّصْرَانِيَّةُ وَلَا الْحُرَّةُ الْأَمَةُ وَلَا الْحُرَّةُ الْعَبْدُ)

ترجمہ

فرمایا: رجم کیسے محسن ہونا شرط ہے اور شرط سے مراد یہ ہے کہ وہ مرجوم آزاد، عاقل، بالغ اور مسلمان ہو۔ جس نے کسی عورت سے نکاح صحیح کرتے ہوئے دخول کیا ہو۔ اور وہ دونوں صفت احسان پر قائم ہوں۔ پس عقل اور بوغت یہ دونوں سزا کی اہلیت میں شرط ہیں۔ کیونکہ ان دونوں کے بغیر شریعت کا خطاب ثابت ہی نہ ہوگا۔ اور ان دونوں کے سوا جو شرائط ہیں وہ نعمت کو مکمل کرنے کیلئے جنایت کو مکمل کرنے کیلئے ہیں۔ کیونکہ نعمت کی کثرت کے وقت نعمتوں کا انکار زیادہ سخت ہے۔ اور یہ اشیاء بڑی نعمتوں میں سے ہیں اور ان نعمتوں کے جمع ہونے پر زنا میں جانے کے سبب رجم مشروع ہوا ہے پس ان نعمتوں کے جمع پر حد کا دار و مدار ہوگا۔ جبکہ شرافت و علم میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کہنے ان کے اعتبار کو بیان نہیں کیا ہے اور رائے سے شریعت کو معین کرنا ناممکن ہے۔ اسی لئے

آزاد سے نکاح صحیح ممکن ہے۔ اور نکاح صحیح پر حلال وہی پر قدرت حاصل ہوگی اور دخول کے سبب اس حلال کام کو کرنے میں حرام حاصل ہوگا اور اسلام مسلمان کو مسلمان عورت سے نکاح کرنے کا حکم دیتا ہے اور حرمت زنا کے اعتقاد کو مضبوط کرنے والا ہے پس یہ تمام احکام مسلمان کو زنا سے روکنے والی ہیں اور اتنی کثرت کے موافق ہونے کے سبب زنا سخت جرم ہے۔

اسلام کی شرط لگانے میں امام شافعی علیہ الرحمہ نے ہم سے اختلاف کیا ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی ایک روایت ہمارے خلاف ہے۔ اور ان فقہاء کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے ایک یہودی اور ایک یہودیہ کو زنا کے سبب رجم کرنے کا حکم دیا تھا۔ جبکہ ہم سکا جو بیدیں گے کہ یہ حکم تو رات کے سبب سے تھا اور بعد میں منسوخ ہو گیا ہے جس کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محسن نہیں ہے۔

اور دخول معتبر ہے جس میں قبل اس طرح داخل کیا جائے وہ ایلا ج غسل کو واجب کر دے۔ امام قدوری علیہ الرحمہ نے دخول کے وقت مرد و عورت کیلئے احسان شرط قرار دی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے منکوحہ کا فرہ، مموکہ یا مجنونہ یا صبیہ سے دخول کیا تو وہ محسن نہ ہوگا اور اسی طرح جب شوہر ان صفات میں سے کسی ایک صفت سے متصف ہو۔ اور اس کی زوجہ آزاد مسلمان، عاقل اور بالغ ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ نفرت مکمل ہوتی ہے کیونکہ طبیعت پاگل عورت سے جماع کرنے سے نفرت کرنے والی ہے۔ اور بچی سے عدم رغبت کے سبب خواہش کم ہوگی اور مملوکہ منکوحہ میں بچے کی رقت سے بچنے کیلئے خواہش کم ہوگی اور اختلاف دین کے سبب باہمی نفرت ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے کافرہ میں ہم سے اختلاف کیا ہے لیکن ان کے خلاف حجت وہی حدیث ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ مسلمان شخص کو یہودیہ اور نصرانیہ عورت محسن نہیں بناتیں۔ اور نہ عورت کو کوئی غلام محسن نہیں بنا سکتا۔

احسان کی شرائط میں مذاہب اربعہ

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: "اہل علم کا اجماع ہے کہ رجم صرف محسن شادی شدہ کو ہی کیا جائیگا۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے: "جو شادی شدہ ہوا اور زنا کرے اس کو رجم کرنا حق ہے" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "کسی بھی مسلمان شخص کا خون بہانا جائز نہیں، مگر تین اسباب میں سے ایک کی بنا پر: یہ پھر وہ شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کرے"

احسان کی سات شرائط کا بیان

پہلی شرط: عورت کی شرمگاہ (قبل) میں وہی کرنا۔ اس شرط میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "شادی شدہ کو شادی شدہ کے بدلے سو کوڑے اور رجم ہے" اور ثیبہ: یعنی شادی شدہ ہونا قبل میں وہی سے حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کا معتبر ہونا ضروری ہے، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جماع کے بغیر نکاح سے محسن ہونا ثابت نہیں ہوتا، چاہے اس

میں غلط بھی ہوئی ہو، یا قبل کے بغیر وطء ہوئی ہو یا دبر میں وطئی ہوئی ہو یا پھر کچھ نہ ہوا ہو تو اسے محسن نہیں کہا جائیگا، کیونکہ اس سے عورت شیب نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ کنوارہ پن سے خارج ہوتی ہے، جن کی حد سو کوڑے اور ایک برس جلا وطنی ہے، اس لیے کہ حدیث میں یہی وارد ہے۔

اور وہی میں یہ ضروری ہے کہ حشوہ یعنی عضو تناسل کا اگلا حصہ عورت کی شرمگاہ میں غائب اور داخل ہو؛ کیونکہ یہ وہی کی حد ہے جس کے ساتھ وہی کے احکام کا تعلق ہے۔

دوسری شرط: وہ نکاح میں ہو؛ کیونکہ نکاح کو احسان کا نام دیا جاتا ہے، اس کی دلیل فرمان باری تعالیٰ ہے: (اور شادی شدہ عورت)۔

یہاں محسن کا غلط بولا گیا ہے، اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں کہ زنا اور وطء شبہ سے وطء کرنے والا محسن یعنی شادی شدہ شمار ہو، اور نہ ہی ہمارے علم میں ہے کہ لونڈی سیوطہ کرنے والا شادی شدہ کہلاتا ہو، اس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ یہ نکاح نہیں، اور نہ ہی اس سے نکاح کے احکام ثابت ہوتے ہیں۔

تیسری شرط: وہ نکاح صحیح ہو، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، جن میں عطاء، قنادرہ، لک، شافعی، اور اصحاب الرائے شامل ہیں۔ چونکہ شرط: آزادی، ابو ثور رحمہ اللہ کے علاوہ باقی سب اہل علم کے ہاں یہ شرط پائی جاتی ہے۔ پانچویں اور چھٹی شرط: بلوغت، اور عقل، اگر بچے اور مجنون نے وطء کر لی اور پھر بالغ یا عقلمند ہو گیا تو وہ محسن شمار نہیں ہوگا، اکثر اہل علم کا قول یہی ہے، اور امام شافعی کا مسلک بھی یہی ہے۔

ساتویں شرط: وہی کی حالت میں ان دونوں میں کمال پایا جائے، وہ اس طرح کہ عقلمند اور آزاد مرد عقلمند اور آزاد عورت سے وطء کرے، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول یہی ہے۔

اور امام مالک کہتے ہیں: اگر ان دونوں میں سے ایک کامل ہو تو وہ محسن ہوگا، لیکن بچہ نہیں جب وہ کسی بڑی عورت سے وطء کرے تو وہ اسے محسن نہیں کریگا۔ (المغنی ابن قدامہ) (9 / 41)

محسن کیلئے عدم شرط اسلام میں امام شافعی کی مستدل حدیث

حضرت عبدالرحمن بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یہودیہ کو پایا گیا ن دونوں نے زنا کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم تورات میں کیا پاتے ہو اس کے بارے میں جس نے زنا کیا؟ انہوں نے کہا ہم ان کے چہروں کو سیاہ کرتے ہیں اور سوار کرتے ہیں اس طرح کہ ہم ان کے چہروں کو ایک دوسرے کے مخالف کرتے ہیں اور ان کو چکر لگواتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ۔ وہ اسے لے آئے اور پڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ آیت رجم تک پہنچے تو اس نوجوان نے جو پڑھ رہا تھا اپنا ہاتھ آیت پر رکھ لیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھنا شروع کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عبداللہ

بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیں۔ اس نے ہنایا تو اس کے نیچے آیت رجم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا، انہیں رجم کر دیا گیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں بھی ان دونوں کو سنگسار کرنے والوں میں سے تھا۔ تحقیق میں نے اس مرد کو دیکھا کہ وہ اپنے آپ پر پتھر بردشت کر کے اس عورت کو بچا رہا تھا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1944، حدیث متواتر)

رجم کے ثبوت کا بیان

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا پھر ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور ان کے بعد میں نے رجم کیا اور اگر قرآن میں زیادتی کو ناپسند نہ کرتا تو مصحف میں لکھوا دیتا۔ اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ بعد میں کچھ ایسے لوگ نہ جائیں جو رجم کو قرآن کریم میں نہ پا کر اس کا انکار نہ کر دیں۔ اس باب میں حضرت علی سے حدیث منقول ہے حضرت عمر کی حدیث حسن صحیح ہے اور حضرت عمر ہی سے کئی سندوں کے ساتھ منقول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1470، حدیث متواتر)

حضرت عبداللہ بن عبداللہ حضرت ابو ہریرہ، زید بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ، زید بن خالد، اور سہیل سے سنا کہ یہ تینوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے آئے اور ان میں سے ایک آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور عرض کیا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ ہمارے درمیان اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔ اور مجھے اجازت دیں کہ میں عرض کروں میرا بیٹا اس کے پاس مزدوری کرتا تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کر لیا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے بیٹے پر رجم ہے تو میں نے سو بکریاں فدیے کے طور دیں اور ایک غلام آزاد کیا پھر میری اہل علم ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میرے بیٹے پر سو کوڑے ہیں اور ایک سال جلا وطنی کی سزا ہے اور اس شخص کی عورت پر رجم ہے آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ فرماؤں گا وہ سو بکریاں اور غلام واپس لے لو تمہارے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال جلا وطنی ہے پھر فرمایا اے انہیں کل صبح اس شخص کے اسکی بیوی کے پاس جاؤ اگر وہ اقرار کر لے تو اسے رجم کرو حضرت انہیں دوسرے دن گئے تو اس نے اعتراف کر لیا اس پر انہوں نے اسے سنگسار کر دیا۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1471، حدیث متواتر)

محسن کیلئے رجم و کوڑوں کا جمع نہ ہونے کا بیان

قَالَ (وَلَا يُجْمَعُ فِي الْمُحْصَنِ بَيْنَ الرَّجْمِ وَالْجَلْدِ) لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يَجْمَعْ، وَلَئِنَّ الْجَلْدَ يَغْرَى عَنِ الْمَقْصُودِ مَعَ الرَّجْمِ، لِأَنَّ زَجْرَ غَيْرِهِ يَحْصُلُ بِالرَّجْمِ إِذْ هُوَ فِي الْعُقُوبَةِ أَقْصَاهَا وَزَجْرُهُ لَا يَحْصُلُ بَعْدَ هَذَا كِه.

ترجمہ

فرمایا: اور محسن کیلئے رجم اور کوڑوں کو جمع نہ کیا جائے گا کیونکہ آپ ﷺ نے انہیں جمع نہ کیا۔ اور اس لئے کہ رجم کے ہوتے ہوئے کوڑے مارنے کا کوئی مقصد ہی نہیں بنتا۔ کیونکہ دوسرے کی سزا رجم سے حاصل ہونے والی ہے۔ اور رجم سزا کی آخری حد ہے اور زانی کی ہدایت کے بعد اس کی سزا حاصل نہ ہوگی۔ (یعنی ہلاکت کے بعد کوڑوں کی سزا کا عمل ہی ختم ہو جائے گا۔ اور رجم سے قبل سزا نہیں دی جاسکتی کیونکہ رجم بڑی سزا اس پر طاری ہے اور اس کو پورا کرنے کے بعد محل ختم ہو جائے گا۔)

رجم و کوڑوں کی سزا کو جمع نہ کرنے میں فقہی مذاہب

حضرت عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھ سے یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے لیے راستہ نکال دیا ہے پس اگر زانی شادی شدہ ہوں تو انہیں سو کوڑے مارنے کے بعد سنگسار کر دیا جائے اور اگر غیر شادی شدہ ہوں تو سو کوڑے اور ایک سال جلا وطن کرنا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ بعض علماء صحابہ، علی بن طالب، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود وغیرہ کا اسی پر عمل ہے وہ کہتے ہیں کہ محسن کو پہلے کوڑے مارے جائیں پھر سنگسار کیا جائے۔

بعض علماء اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء صحابہ، ابوبکر، عمرو، وغیرہ فرماتے ہیں کہ محسن کو صرف سنگسار کیا جائے تو کوڑے نہ مارے جائیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئی احادیث میں منقول ہے کہ آپ نے صرف رجم کا حکم دیا کوڑے مارنے کا حکم نہیں دیا جیسے کہ عز کا قصہ وغیرہ۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے، سفیان ثوری، ابن مبارک، شافعی، اور احمد کا بھی یہی قول ہے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1474)

ایک زانی کی دو سزائوں کا بیان

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے مارے جانے کا حکم دیا، چنانچہ اس کو بطور حد کوڑے مارے گئے، اس کے بعد جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ شخص محسن ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار کر دیا گیا۔ (ابوداؤد، کتاب المحرمات)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کوڑے مارے کا جو حکم دیا اس کے بارے میں یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو یہ بتایا گیا ہوگا کہ وہ شخص غیر محسن غیر شادی شدہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کو بتایا نہیں گیا ہوگا بلکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی گمان کیا ہوگا کہ یہ غیر محسن ہے اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کوڑے کی سزا دی، لیکن جب بعد میں یہ ثابت ہوا کہ یہ شخص محسن ہے اور محسن ہونے کی وجہ سے سنگساری کا سزاوار ہے تو اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اگر امام وقت (حاکم شرعی) کسی کو حد کی کوئی سزا دے اور پھر بعد میں اسے معلوم ہو کہ یہ مجرم حد کی اس سزا کا نہیں بلکہ حد کی کسی دوسری سزا کا مستوجب ہے مثلاً اس کو کوڑے مارنے کی سزا دی مگر بعد میں ثابت ہوا کہ حقیقت میں یہ سنگساری کا سزاوار ہے تو اس حاکم کے لئے ضروری ہے

کہ وہ دوبارہ اس سزا کو جاری کرے جس کا وہ مجرم شرعی طور پر مستوجب ہے۔

اس حدیث سے ابتدائی طور پر دونوں کو جمع کرنے کا ثبوت نہیں ہے کیونکہ ابتدائی طور پر دونوں کو جمع نہ کیا جائے گا۔

کوڑے مارنے اور شہر بدری کو جمع نہ کرنے کا بیان

قَالَ (وَلَا يُجْمَعُ فِي الْبُكَرِ بَيْنَ الْجَلْدِ وَالنَّفْيِ) وَالشَّافِعِيُّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا حَدًّا (لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الْبُكَرُ بِالْبُكَرِ جَلْدُ مِائَةٍ وَتَغْرِيبُ عَامٍ) وَلَآنَ فِيهِ حَسَمُ بَابِ الزَّنَا لِقَوْلِهِ الْمَعَارِفِ .

وَلَنَا قَوْلُهُ تَعَالَى (فَاجْلِدُوا) جَعَلَ الْجَلْدَ كُلَّ الْمُوجِبِ رُجُوعًا إِلَى حَرْفِ الْقَاءِ وَإِلَى كَوْنِهِ كُلُّ الْمَذْكُورِ ، وَلَآنَ فِي التَّغْرِيبِ فَتَحَ بَابِ الزَّنَا لِإِنْعَادِ الْإِسْتِحْيَاءِ مِنَ الْعَشِيرَةِ ثُمَّ فِيهِ قَطْعُ مَوَازِ الْقَاءِ ، فَرُبَّمَا تَتَّخِذُ زَنَاهَا مَكْسَبَةً وَهُوَ مِنْ أَفْحِجٍ وَجْهِهِ الزَّنَا ، وَهَذِهِ الْجِهَةُ مُرْجَحَةٌ لِقَوْلِ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ : كَفَى بِالنَّفْيِ فِتْنَةً ، وَالْحَدِيثُ مَنْسُوخٌ كَشَطْرِهِ ، وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (النَّيْبُ بِالنَّيْبِ جَلْدُ مِائَةٍ وَرَّجْمٌ بِالْحِجَارَةِ) وَقَدْ عُرِفَ طَرِيقُهُ فِي مَوْضِعِهِ .

قَالَ (إِلَّا أَنْ يَرَى الْإِمَامُ فِي ذَلِكَ مَضْلَحَةً فَيُغْرِبُهُ عَلَى قَدَرِ مَا يَوَى) وَذَلِكَ تَغْرِيبٌ وَسِيَاسَةٌ ، لِأَنَّهُ قَدْ يُفِيدُ فِي بَعْضِ الْأَحْوَالِ فَيَكُونُ الرَّأْيُ فِيهِ إِلَى الْإِمَامِ ، وَعَلَيْهِ يُحْمَلُ النَّفْيُ الْمَرْوِيُّ عَنْ بَعْضِ الصَّحَابَةِ

ترجمہ

اور غیر شادی شدہ میں کوڑوں کی سزا اور شہر بدری کو جمع نہ کیا جائے گا جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ دونوں کو حد کے طور پر جمع کرتے ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کنور کنواری (اگر زنا کریں) تو ان کو کوڑے مارو۔ اور ایک سال کیلئے جلاوطن کرو۔ کیونکہ جلاوطنی سے زنا کے دروازے کو بند کرتا ہے کیونکہ اس طرح تعلقات کم ہوتے ہیں۔

ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "فاجلدوا" اللہ تعالیٰ نے کوڑے مارنے کو مکمل سزا قرار دیا ہے جس کی دلیل حرف فاء ہے یا اس کی دلیل یہ ہے پوری سزا یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے جبکہ جلاوطنی سے زنا کے دروازے کو کھولت بھی پایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اہل خاندان والوں سے شرم ختم ہو جاتی ہے اور جلاوطنی سے بقاء کے اسباب کو ختم کرنا بھی لازم آئے گا۔ کیونکہ عام طور پر عورت زنا کو کمبائی کا بہانہ بنانے والی ہے۔ اور یہ زنا کی بدترین حالت ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے ترجیح دینے والی ہے کہ فتنہ کیلئے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا یہ جز منسوخ ہے کہ "النَّيْبُ بِالنَّيْبِ" اور اس کے نسخ کا حکم اس کے منسوخ ہو کر دیا گیا ہے۔ البتہ جب امام جلاوطنی کو مصلحت سمجھے تو وہ کر سکتا ہے اور یہ تعزیر کی بناء پر ہوگا اور سیاست کے طور پر ہوگا کیونکہ ان چیزوں کا فائدہ بھی ہوتا ہے پس اس میں ہم معاملہ امام کے سپرد کریں گے اور اسی پر وہ نفی بھی محمول کی جائے گی جس بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی گئی ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت زید ابن خالد کہتے ہیں ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو آدمی اپنا قضیہ لے کر آئے، ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے دوسرے نے بھی عرض کیا کہ ہاں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کتاب اللہ کے موافق حکم کیجئے اور مجھے اجازت دیجئے کہ میں بیان کروں کہ قضیہ کی صورت کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو اس شخص نے بیان کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تمہارے بیٹے کی سزا سنگساری ہے لیکن میں نے اس کو سنگسار کرنے کے بدلے میں سو بکریاں اور ایک اونٹ دی دی، پھر جب میں نے اس بارے میں علماء سے دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ تمہارا بیٹا چونکہ حصن یعنی شادی شدہ نہیں ہے اس لئے اس کو سزا سو کوڑے ہیں اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اس شخص کی عورت کی سزا سنگساری ہے کیونکہ وہ شادی شدہ ہے۔ میں نے اس کو سزا سو کوڑے دیے یہ قصہ سن کر فرمایا کہ آگاہ! قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ یعنی قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ ہی کے موافق فیصلہ کروں گا تو سنو کہ تمہاری بکریاں اور تمہاری اونٹنی تمہیں واپس مل جائے گا اور اگر خود ملزم کے اقرار یا چار گواہوں کی شہادت سے زنا کا جرم ثابت ہے تو تمہارے بیٹے کو سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور بیٹا کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انیس کو فرمایا کہ انیس تم اس شخص کی عورت کے پاس دو اگر وہ زنا کا اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا۔

(بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 713)

کتاب اللہ "سے مراد قرآن کریم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے کیونکہ قرآن کریم میں رجم و سنگساری کا حکم مذکور نہیں ہے، لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ کتاب اللہ سے قرآن کریم ہی مراد ہو اس صورت میں کہا جائے گا کہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آیت "لنکفرنک" قرآن کریم سے منسوخ التلاوت نہیں ہوئے تھے۔

شہر بدری کی سزا میں فقہی مذاہب اربعہ

ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا کے بارے میں حضرت امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ ایک سال کی جلاوطنی بھی حد مکمل داخل ہے یعنی ان کے نزدیک غیر شدہ زنا کا کار کی حد شرعی سزا یہ ہے کہ اس کو سو کوڑے بھی مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا

وطن بھی کر دیا جائے جب کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ ایک سال کی جلا وطنی کے حکم کو مصلحت پر محمول فرماتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایک سال کی جلا وطنی حد کے طور پر نہیں ہے بلکہ بطور مصلحت ہے کہ اگر اہم وقت اور حکومت کسی سیاسی اور حکومتی مصلحت کے پیش نظر ضروری سمجھے تو ایک سال کے لئے جلا وطن بھی کیا جاسکتا ہے، بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ امتدادِ اسلام میں یہی حکم نافذ جاری تھا مگر جب یہ آیت کریمہ (النِّزَانِيَّةُ وَالنِّزَانِي لِمَا جَلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةً جَلْدَةً 24 . النور 2) (یعنی زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارے جائیں) نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(لما عرفت لوجمها) چنانچہ اس عورت نے اقرار کیا اور حضرت انیس نے اس کو سنگسار کر دیا اس سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حد زنا کے جاری ہونے کے لئے ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہے جیسا کہ امام شافعی کا مسلک ہے لیکن امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چار گھسوں میں چار بار اقرار کرنا ضروری ہے، یہاں حدیث میں جس "اقرار" کا ذکر کیا گیا ہے اس سے امام اعظم دینی اقرار یعنی چار مرتبہ مراد لیتے ہیں جو اس سلسلہ میں معتبر و مقرر ہے چنانچہ دوسری احادیث سے یہ صراحت ثابت ہے کہ چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے۔

حضرت زید بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مہسن کے بارے میں یہ حکم دیتے ہوئے سنا ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لئے جلا وطن کیا جائے۔ (بخاری مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 714)

"مہسن" اس عاقل بالغ مسلمان کو کہتے ہیں جس کی شادی ہو چکی ہو اور اپنی بیوی سے ہم بستری کر چکا ہو غیر مہسن اگر زنا کا مرتکب ہو تو اس کی سزا اس حدیث کے مطابق سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے، جلا وطنی کے بارے میں جو تفصیل ہے وہ پہلے بیان ہو چکی۔ کوڑے مارنے کے سلسلہ میں یہ حکم ہے کہ سر، منہ، اور ستر پر کوڑے نہ مارے جائیں۔

حضرت ابوسعید، عبداللہ بن ادریس، ہم سے یہ حدیث ابوسعید انصاری نے بحوالہ عبداللہ بن ادریس نقل کی ہے پھر یہ حدیث ان کے علاوہ بھی اسی طرح منقول ہے محمد بن اسحاق بھی نافع ہے اور وہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے کوڑے مارے اور جلا وطن بھی کیا۔ حضرت عمر نے بھی کوڑے مارے اور جلا وطن کی سزا بھی دی لیکن اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوڑے مارنے اور جلا وطن کرنے کا ذکر نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جلا وطن کرنا ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ، زید بن خالد، عبادہ بن صامت اور دیگر صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا صحیحہ کرام جن میں ابوبکر، عمر، علی، ابی بن کعب، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر وغیرہ شامل ہیں کا اسی پر عمل ہے متعدد فقہاء تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے سفیان ثوری، مالک بن انس، عبداللہ بن مہرک، شافعی، احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1479، حدیث متواتر)

مریض کیلئے حد رجم کا بیان

(وَإِذَا زَلَى الْمَرِيضُ وَحْدَهُ الرَّجْمُ رَجْمًا) وَلَئِنْ الْبَتْلَافَ مُسْتَحَقٌّ فَلَا يَمْتَنِعُ بِسَبَبٍ

الْمَرِيضُ (وَإِنْ كَانَ حَدُّهُ الْجَلْدُ لَمْ يُجْلَدْ حَتَّى يَبْرَأَ) كَيْلَا يُفْضَى إِلَى الْهَلَاكِ وَلِهَذَا لَا يُقَامُ الْقَطْعُ عِنْدَ شِدَّةِ الْحَرِّ وَالْبَرْدِ

ترجمہ

اور جب کسی بیمار شخص کی حد رجم ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا کیونکہ وہ ہلاکت کا حقدار ہے لہذا بیماری کے سبب اس کا ہلاک ہونا منع نہ ہوگا اور جب اس کی سزا کوڑے مارنا ہو تو تندرست ہونے تک اس کو کوڑے نہیں مارے جائیں گے۔ کیونکہ یہ ہلاکت کی طرف لے جانے والا ہے پس سخت سردی اور سخت گرمی میں چور کا ہاتھ بھی نہ کاٹا جائے گا۔

شرح

حضرت علی کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا "لوگو! اپنے غلام لونڈیوں پر حد جاری کرو یعنی اگر وہ زنا کے مرتکب ہوں تو پچاس کوڑے، مرد خواہ وہ مہسن یعنی شادی شدہ ہوں یا غیر مہسن۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے زنا کا ارتکاب کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس پر حد جاری کروں مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ ابھی حال ہی میں اس کی وراثت ہوئی ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے پچاس کوڑے مارتا ہوں تو وہ مر جائے گی چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس حالت میں اس پر حد جاری نہیں کی۔" (مسلم مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 721)

ورابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (جب حضرت علی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک کہ اس کا نفاس کا خون بند نہ ہو جائے اس وقت تک کے لئے اسے چھوڑ دو اس کے بعد اس پر حد جاری کرو اور اپنے پردوں غلام لونڈیوں پر حد جاری کیا کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد کی سزا اور عورت اگر نفاس کی حالت میں ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے جب تک کہ وہ نفاس سے فارغ نہ ہو جائے کیونکہ نفاس ایک طرح کا مرض ہے اور مریض کو اس کے اچھا ہونے تک مہلت دینی چاہئے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مریض، زنا کا مرتکب ہو اور اس کے مہسن شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو رجم سنگساری کا سزا اور گردانا چکا ہو تو اس کو اسی مرض کی حالت میں رجم کیا جائے اور اگر اس کے غیر مہسن غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اس کو کوڑے مارے جانے کا سزا اور گردانا گیا ہو تو پھر اس کو اس وقت تک کوڑے نہ مارے جائیں جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے ہاں اگر وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے بچنے کی امید نہ کی جاتی ہو جیسے دق و غیرہ یا وہ ناقص و ضعیف الخلق ہو تو اس صورت میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام شافعی کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ سزا پوری کرنے کے لئے اس کو کھجور کی کسی ایسی بڑی شاخ سے مارا جائے جس میں چھوٹی چھوٹی سونہنیاں ہوں اور وہ شاخ اس کو ایک دفعہ اس طرح ماری جائے کہ اس کی ایک ایک ٹہنی اس

کے بدن پر لگ جائے اسی لئے کہا گیا ہے کہ اس مقصد کے لئے پھلی ہوئی شاخ استعمال کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ تلف کے خوف سے کوڑے مارنے کی حد نہ تو شدید گرمی میں جاری کی جائے اور نہ سخت چارے میں لگ کر کے لئے معتدل موسم کا انتظار کیا جائے۔

زنا کی حد میں رعایت کا بیان

عن ابی امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذہ اخبرہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الانصار انہ اشتکی رجل منهم حتی اصابی قعاد حلدۃ علی عظم فدخلت علیہ جاروا لبعضہم فہش لہا فوقع علیہا ، فلما دخل علیہ رجال قومہ یعدوہ اخبرہم بذلك فقال استعوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانی قد وقعت علی جاریۃ دخلت علی ، فذکروا ذلك لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقالوا : ما رأینا باحد من الناس من المصر مثل الذی ہو بہ لو حملنا البنت لتسفت عظامہ ، ما هو الا جلد علی عظم فامر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان یاخذوا لہ ماں شمر اخ فیضربوہ بها ضربة واحدة .

حضرت ابو امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انکو ایک انصاری صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتایا کہ ایک انصاری ایسے سخت بیمار ہوئے کہ انکا چہرہ ہڈیوں سے چپک گیا۔ اسی درمیان ایک انصاری صحابی کی باندی کا شرانگے پاس سے ہوا تو یہ اس سے زنا کر بیٹھے، جب کچھ لوگ انکے خاندانی انکی عیادت کے لئے آئے تو انہوں نے خود یہ واقعہ بتا دیا اور کہا : میرے لئے سرکار سے یہ مسئلہ معلوم کرو۔ لہذا سرکار سے تذکرہ کیا گیا اور یہ بھی کہا : اس جیسا کمزور شخص ہم نے نہیں دیکھا کہ آپ کی خدمت میں انکولا یا جائے تو انکی ہڈیاں ٹوٹ جائیں، وہ تو ایک بڑی کا ڈھنچہ ہیں۔ یہ سکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ سوشاخوں والی ایک ٹہنی لیکر ایک بار مارو۔ (السنن لابن داؤد، باب فی اقامۃ الحد و علی المریض)

عن سعید بن سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قال : کان بین ابیانا رجلا مخدج ضعیف ، فلم یبرح الا وهو علی امۃ من اماء الدار یحب بہا ، فرفع شانہ سعد بن عبادۃ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال : اخلدوہ ضربۃ مائۃ سوط ! قالوا : یا نبی اللہ ! ہوا صعب من ذلك ، لو ضربناہ مائۃ سوط مات ، قال : فخذوا لہ عشا کلا فیہ مائۃ شمر اخ فاضربوہا ضربة واحدة .

حضرت سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ ہماری بہتی میں نہایت کمزور شخص رہتے تھے۔ وہ اپنے خاندان کے کسی شخص کی باندی سے زنا کر بیٹھے۔ حضرت سعد نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا۔ سرکار نے فرمایا : سو کوڑے لگاؤ۔ صحابہ نے عرض کیا : یا نبی اللہ ﷺ ! وہ نہایت کمزور ہیں۔ اگر سو کوڑے مارے گئے تو مر جائیں گے۔ فرمایا : اچھا سوشاخوں والی ایک کھجور کی ٹہنی لو اور ایک مرتبہ مارو۔ (السنن لابن ماجہ، باب الکبیر والمریض سب علیہ اللہ)

عن سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : ان ولیدۃ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حملت من الزنا فسلنت من احبلک فقاتل احبلی المقعد ، فسل فاعترف ، فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : زانۃ لضعیف حتی الجلد ، فامر بمائۃ عسکول و ضربہ بها ضربة واحدة .

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک باندی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں زنا سے حاملہ ہو گئی۔ اس سے جب پوچھا گیا تو اس نے مقعد نامی ایک شخص کے بارے میں بتایا۔ اس شخص نے اس فعل کا اعتراف کر لیا۔ تو سرکار نے اسکی کمزور حالت دیکھ کر فرمایا : سوشاخوں والا ایک گچھا لیکر ایک مرتبہ مارو۔ (کنز العمال، حدیث ۱۳۶۰۶)

حاملہ پر حد جاری کرنے کا بیان

(وَإِنْ زَنَّتِ الْحَامِلُ لَمْ تُحَدَّ حَتَّى تَضَعَ حَمْلَهَا) كَيْلًا يُؤَدَّى إِلَى هَلَاكِ الْوَلَدِ وَهُوَ نَفْسٌ مُحْتَرَمَةٌ (وَإِنْ كَانَ حَدُّهَا الْجِلْدَ لَمْ تُجْلَدْ حَتَّى تَتَعَالَى مِنْ نَفْسِهَا) أَيْ تَرْتَفِعَ يُرِيدُ بِهِ تَخْرُجُ مِنْهُ ؛ لِأَنَّ النَّفَّاسَ نَوْعٌ مَرَضٍ فَيُؤَخَّرُ إِلَى زَمَانِ الْبُرْعِ بِخِلَافِ الرَّجْمِ ؛ لِأَنَّ التَّأْخِيرَ لِأَجْلِ الْوَلَدِ وَقَدْ انْفَصَلَ .

وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يُؤَخَّرُ إِلَى أَنْ يَسْتَفْنَى وَلَدُهَا عَنْهَا إِذَا لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ يَقُومُ بِتَرْبِيَّتِهِ ؛ لِأَنَّ فِي التَّأْخِيرِ صِيَانَةَ الْوَلَدِ عَنِ الضَّيَاعِ ، وَقَدْ رُوِيَ (أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ لِلْعَامِدِيَّةِ بَعْدَ مَا وَضَعَتْ أَرْجَمِي حَتَّى يَسْتَفْنَى وَلَدُكَ) ثُمَّ الْجُبْلَى تُجَبَسُ إِلَى أَنْ تَلِدَ إِنْ كَانَ الْحَدُّ ثَابِتًا بِالنِّسَةِ كَمَا لَا تَهْرُبُ ، بِخِلَافِ الْإِفْرَارِ ؛ لِأَنَّ الرُّجُوعَ عَنْهُ عَامِلٌ فَلَا يُفِيدُ الْحَبْسَ .

ترجمہ

اور کسی حاملہ عورت نے زنا کیا تو وضع حمل تک اس پر حد جاری نہ ہوگی تاکہ یہ بچے کی ہلاکت کا سبب نہ بنے اور بچے کی جان قائل احترام ہے اور جب اس کی سزا اسی کوڑے ہو تو اس کو نفاس سے پاک ہونے تک کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ نفاس ایک قسم کا مرض ہے پس اچھا ہونے تک سزا کو مؤخر کیا جائے گا البتہ رجم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کو صرف بچے کے سبب مؤخر کیا جائے گا۔ اور اب وہ بچہ زانیہ سے الگ ہو چکا ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رجم کو بھی اس وقت تک مؤخر کیا جائے گا کہ اس کا بچہ اس سے عورت سے

بے پردہ ہو جائے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی پردہ کرنے والی کوئی ہو۔ کیونکہ رجم کی تاخیر بچے کو محفوظ کرنے کیسے تھی اور یقیناً روایت بیان کی گئی ہے کہ غامد یہ کے وضع حمل کے بعد آپ ﷺ نے اس سے فرمایا تھا کہ واپس جا یہاں تک کہ تیرا بچہ تھکے۔ بے پردہ ہو جائے۔ اور اگر حد شہادت سے ثابت ہو تو حاملہ کو بچہ جننے تک قید میں رکھا جائے گا تا کہ وہ بھاگ نہ سکے۔ جبکہ اقرار میں یہ نہیں ہے کیونکہ اقرار سے رجوع کرنا عامل یعنی حد کے سقوط کا سبب ہے پس اس میں قید کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت جہنیہ قبیلہ کی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اس حال میں کہ وہ زنا سے حاملہ تھی اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں حد کے جرم کو پہنچی ہوں پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ پر (حد) قائم کریں تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ولی کو بلایا اور فرمایا کہ اسے انجمی حرم رکھنا۔ جب حمل وضع ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا۔ پس اس نے ایسا ہی کیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے بارے میں حکم دیا تو اس پر اس کے کپڑے مضبوطی سے باندھ دیے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تو اسے سنگسار کر دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جنازہ پڑھایا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا اے اللہ کے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکا جنازہ پڑھاتے ہیں حالانکہ اس نے زنا کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تحقیق! اس نے ایسی توبہ کی ہے اگر مدینہ والوں میں ستر آدمیوں کے درمیان تقسیم کی جائے تو انہیں کافی ہو جائے گا۔ کیا تم نے اس سے افضل توبہ پائی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے پیش کر دیا ہے۔

(صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1940، حدیث متواتر)

حضرت ابو عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خطبہ دیا تو فرمایا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد قائم کرو خواہ وہ ان میں سے شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک باندی نے زنا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے کوڑے لگاؤں لیکن اس نے ابھی قریب ہی زمانہ میں بچہ جنا تھا۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر میں نے اسے کوڑے مارے تو میں اسے مار دوں گا۔ لہذا میں نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو نے اچھا کیا۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر 1957، حدیث متواتر)

عورت کی وطی عورت ساتھ ہونے میں تعزیر کا بیان

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: اور اگر دو عورتیں ایک دوسرے سے غلط کام کریں تو وہ دونوں زانیہ اور لعنتی ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (جب عورت عورت سے غلط کام کرے تو وہ دونوں زانیہ ہیں)۔ اور ان دونوں پر حد نہیں اس لیے کہ اس میں دخول نہیں (یعنی جماع) تو اس طرح یہ شرمگاہ کی عیلا وہ مبشرت کے مشابہ ہے اور ان دونوں عورتوں پر تعزیر ہوگی۔

اور تحفۃ المکنن میں ہے کہ عورت کا عورت سے غلط کاری کرنے میں حد نہیں بلکہ انہیں تعزیر لگائی جائیگی۔ تحفۃ المکنن ج (9)۔

105)

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو حدیث بیان کی ہے اس کی بنا پر کسی کو یہ داہمہ ہو سکتا ہے کہ عورت کا عورت سے برائی کرنا کی سزا زانی کی سزا ہی ہے یہ حدیث امام بیہقی رحمہ اللہ نیا بوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مرد مرد سے حرام کاری کرے تو وہ دونوں زانی ہیں اور جب عورت عورت سے حرام کاری کرے تو وہ دونوں زانیہ ہیں۔ اور اگر حدیث صحیح بھی ہو تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ دونوں گناہ میں زانیہ ہیں نہ کہ حد میں۔ امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے

"المسوط" میں یہی کہا ہے۔ (المسوط (9) ر (78))

جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بنی آدم کا زنا میں ایک حصہ ہے لہذا آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا دیکھنے ہے، اور ہاتھ بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا پکڑنا ہے، اور پاؤں بھی زنا کرتے ہیں ان کا زنا چلنا ہے، اور منہ بھی زنا کرتا ہے اس کا زنا چومنا اور بوسہ لینا ہے، اور دل اس کی طرف مائل ہوتا اور اس کی تمنا کرتا ہے اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور مسند احمد یہ الفاظ مستند احمد کے ہیں (8321)

بَابُ الْوَطْئِ الَّذِي يُوجِبُ الْحَدَّ وَالَّذِي لَا يُوجِبُهُ

﴿یہ باب موجب حد وغیر موجب حد کی وطی کے بیان میں ہے﴾

باب وطی موجب حد کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بابرئی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ اقامت حد کی شرعی حیثیت کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس سبب کو بیان کرنا شروع کیا ہے جس کے سبب حد واجب ہوتی ہے اور وہ اسباب جن کے ذریعہ حد واجب ہونے والی نہیں ہے۔ مصنف علیہ الرحمہ نے باب دونوں کا نام وطی بیان کیا ہے کیونکہ جو وطی موجب حد ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے وطی ہے اور عدم وجوب حد والی وطی مشابہہ وطی حقیقی ہے۔ جبکہ زنا کی تعریف مصنف کتاب الحدود کے شروع میں بیان کر چکے ہیں اور یہاں اسی تصریحات مختلفہ کو بیان کریں گے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۷، ص ۱۸۳، بیروت)

زنا سے وجوب حد کا بیان

قَالَ (الْوَطْئُ الْمُوجِبُ لِلْحَدِّ هُوَ الزَّانَا) وَإِنَّهُ فِي عُرْفِ الشَّرْعِ وَاللِّسَانِ: وَطْءُ الرَّجُلِ الْمَرْأَةَ فِي الْقُبْلِ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ، وَشُبْهَةُ الْمِلْكِ لِأَنَّهُ فِعْلٌ مَحْظُورٌ، وَالْحُرْمَةُ عَلَى الْإِطْلَاقِ عِنْدَ التَّعَرُّيِّ عَنِ الْمِلْكِ وَشُبْهَتِهِ، يُؤَيِّدُ ذَلِكَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (اذْرَأُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ)

ترجمہ

فرمایا زنا حد واجب کرنے والی وطی ہے۔ لغت و عرف میں زنا اس کو کہتے ہیں کہ مرد عورت کی شرگاہ میں اس سے وطی کرے اور یہ وطی ملک اور شہ ملک کے سوا ہو کیونکہ زنا ایک منع کردہ عمل ہے۔ اور مطلق طور پر حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب وہ وطی ملک اور شہ ملک سے خالی ہوگی۔ اس کی تائید نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے کہ تم شبہات سے حدود کو دور کرو۔

شرح

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو، مگر غلطی سے معاف کر دینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1461)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی مسلمان سے دنیاوی مصائب میں

سے کوئی مصیبت دور کرے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن مصیبت دور فرمائے گا اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی کریں گے۔ اللہ بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں رہے اس بات میں حضرت عقبہ بن عامر اور ابن عمر سے بھی روایات منقول ہیں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث کو کئی راوی اعمش سے اسی طرح نقل کرتے ہیں۔ اعمش، ابوصالح سے وہ ابو ہریرہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابو عوانہ ہی کی حدیث کی طرح نقل کرتے ہیں۔ اسباط بن محمد، اعمش سے وہ ابو ہریرہ سے اور وہ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں ہم سے یہ حدیث عبید بن اسباط بن محمد اپنے والد کے واسطے سے اعمش سے نقل کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1463)

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظم کرے اور نہ اسے ہلاکت میں ڈالے جس نے اپنے مسلمان بھائی کی حاجت پوری کی اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی مصیبتوں کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ یہ حدیث ابن عمر کی روایت سے حسن صحیح غریب ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1464)

شبہ کی تعریفات و اقسام کا بیان

"ثُمَّ الشُّبْهَةُ نَوْعَانِ: شُبْهَةٌ فِي الْفِعْلِ وَتُسَمَّى شُبْهَةً اشْتِبَاهٍ، وَشُبْهَةٌ فِي الْمَحَلِّ وَتُسَمَّى شُبْهَةً حُكْمِيَّةً.

فَالْأُولَى تَتَحَقَّقُ فِي حَقِّ مَنْ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ؛ لِأَنَّ مَعْنَاهُ أَنْ يُظَنَّ غَيْرُ الدَّلِيلِ دَلِيلًا وَلَا بُدَّ مِنَ الظَّنِّ لِيَتَحَقَّقَ الْاشْتِبَاهُ. وَالثَّانِيَةُ تَتَحَقَّقُ بِقِيَامِ الدَّلِيلِ النَّافِي لِلْحُرْمَةِ فِي ذَاتِهِ وَلَا تَتَوَقَّفُ عَلَى ظَنِّ الْجَانِبِ وَاعْتِقَادِهِ. وَالْحَدُّ يَسْقُطُ بِالنَّوَاعِينِ لِإِطْلَاقِ الْحَدِيثِ.

وَالنَّسَبُ يَنْبُتُ فِي الثَّانِيَةِ إِذَا ادَّعَى الْوَلَدَ، وَلَا يَنْبُتُ فِي الْأُولَى وَإِنْ ادَّعَاهُ لِأَنَّ الْفِعْلَ تَمَحَّضَ زِنًا فِي الْأُولَى؛ وَإِنْ سَقَطَ الْحَدُّ لِأَمْرِ رَاجِعٍ إِلَيْهِ وَهُوَ اشْتِبَاهُ الْأَمْرِ عَلَيْهِ وَلَمْ يَتَمَحَّضْ فِي الثَّانِيَةِ فَشُبْهَةُ الْفِعْلِ فِي ثَمَانِيَةِ مَوَاضِعَ: جَارِيَةُ أَبِيهِ وَأُمُّهُ وَزَوْجَتُهُ، وَالْمُطَلَّاقَةُ ثَلَاثًا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَبَائِنًا بِالطَّلَاقِ عَلَى مَالٍ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَأُمُّ وَلَدٍ أَغْتَنَقَهَا مَوْلَاهَا وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ، وَجَارِيَةُ الْمَوْلَى فِي حَقِّ الْعَبْدِ، وَالْجَارِيَةُ الْمَرْهُونَةُ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ فِي رِوَايَةِ كِتَابِ الْحُدُودِ. فَفِي هَذِهِ الْمَوَاضِعِ لَا حَدَّ عَلَيْهِ إِذَا قَالَ:

طَلَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي. وَلَوْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ وَجَبَ الْحَدُّ.

ترجمہ

شبہہ کی دو اقسام ہیں۔ (۱) فعل میں شبہہ ہونا، اس کو اشتباہ بھی کہا جاتا ہے۔ (۲) محل میں شبہہ ہونا، اس کو شبہہ حکمی کہا جاتا ہے۔ پہلی قسم اس شخص کے حق میں ثابت ہوگی جس کا مدشتبہ ہو۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نہ اس کی چیز کو، نہ اس کو سمجھ بیٹھے جو دلیل نہ ہو اور ثبوت اشتباہ کیسے ظن اور وہم کا ہونا ضروری ہے۔

دوسری قسم ایسی دلیل کے پائے جانے سے بھی ثابت ہو جائے گی جو خود بہ خود حرمت کی نفی کرنے والی ہو اور یہ قسم مجرموں کے ظن اور ان کے خیال پر موقوف نہیں ہے۔ جبکہ حدان دونوں اقسام سے ساقط ہو جاتی ہے۔

کیونکہ حدیث مبارکہ میں مطلق طور حکم بیان ہوا ہے۔ اور جب زانی لڑکے کا دعویٰ کرے تو دوسری قسم کی صورت میں اس نسب ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ پہلی قسم میں دعویٰ کرنے کے باوجود نسب ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ قسم اول میں فعل محض زنا ہے جس کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایسی چیز کا دعویٰ کیا ہے جو اس کی طرف سے نہ ہونے والی ہے۔ در اس فعل پر مستتبہ ہونا ہے جبکہ دوسری قسم میں فعل محض زنا نہیں ہے۔ فعل میں شبہہ ہونے کے آٹھ مقام ہیں۔

(۱) اپنے باپ کی باندی سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۲) اپنی ماں کی باندی سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۳) اپنی بیوی کی باندی سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۴) بیوی کو طلاق شدہ دینے کے بعد اس کی عدت میں اس سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا (۵) مال کے بدلے بیوی کو طلاق یا باندی دے کر اس کی عدت میں اس سے وطی کرنے میں شبہہ ہونا (۶) اپنی ام ولد کو آزاد کر کے اس کی عدت میں اس سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا (۷) غلام کا اپنے آقا کی باندی سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا (۸) مرتکب کا مہونہ باندی سے جماع کرنے میں شبہہ ہونا ہے۔ کتاب الحدود کی روایت کے مطابق ان تمام مواقع پر جب واطی یہ کہہ دے کہ میں نے اس لئے وطی کی تھی یہ عورت میرے لئے حلال تھی تو حد ساقط ہو جائے گی۔ اور اگر اس نے کہا کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام تھی تو حد واجب ہو جائے گی۔

شبہہ کے فائدہ سے ملزم کو بچانے کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں کو حد کی سزا سے بچاؤ اگر مسلمان (ملزم) کے لئے بچاؤ کا ذرا بھی کوئی موقع نکل آئے تو اس کی راہ چھوڑ دو یعنی اس کو بری کر دو کیونکہ امام یعنی حاکم و منصف کا معاف کرنے میں خطا کرنے سے بہتر ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے اور اس کا سلسلہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچایا گیا ہے اور یہی قول زیادہ صحیح ہے کہ یہ حدیث حضرت عائشہ کا اپنا ارشاد ہے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے کیونکہ جس سلسلہ سند سے یہ حدیث

موقوف ثابت ہوتی ہے وہ اس سلسلہ سند سے زیادہ صحیح اور قوی ہے جس سے اس کا حدیث مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود)

اس ارشاد کے مخاطب دراصل حکام ہیں جنہیں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کسی مسلمان کے بارے میں کوئی ایسا قضیہ ان کے پاس آئے جس کی سزا حد ہے مثلاً زنا کا قضیہ، تو انہیں چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اس مسلمان کو حد سے بچانے کی کوشش کریں اور شبہہ کا جو بھی موقع نکلتا ہو اس کا فائدہ ملزم کو پہنچائیں، یہی نہیں بلکہ وہ ملزم کو عذر کی تلقین کریں یعنی اس سے پوچھیں کہ کیا تم دیوانے ہو؟

کیا تم نے شراب پی رکھی ہے؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ تم نے اس عورت سے زنا کے ارتکاب کے بجائے اس کا بوسہ لے لیا ہو یا شہوت کے ساتھ اس کو چھو لیا ہو۔ اور اب تم اس کو اپنے اقرار میں زنا سے تعبیر کر رہے ہو غرضیکہ اس سے اس قسم کے سوالات کئے جائیں تاکہ وہ اس تلقین عذر کی بنا پر کوئی عذر بیان کر دے جس سے حد کا اجراء نہ ہو سکے اور وہ بری ہو جائے، چنانچہ عز وغیرہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس قسم کے سوالات کئے ان کا مقصد بھی تلقین عذر تھا۔

آخر میں نے جو یہ فرمایا کہ امام کے معاف کرنے میں خطا، سزا دینے میں خطا کرنے سے بہتر ہے تو اس کا منشاء بھی مذکورہ بالا بات کو مبالغہ و تاکید کے ساتھ بیان کرنا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ اگر کوئی حاکم کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوئے ملزم کو بری کر دے اور اس کے اس فیصلہ میں کوئی غلطی ہو جائے یا وہ ملزم کو سزا دینے کا فیصلہ کرے اور اس میں کوئی غلطی ہو جائے تو اگر غلطی کے اعتبار سے دونوں ہی فیصلے محل نظر ہوں گے اور انصاف کے معیار پر پورے نہیں اتریں گے لیکن چونکہ ملزم کی برات میں بہر حال ایک مسلمان کی جان و عزت بچ جائے گی۔ اس لئے یہ غلطی اس غلطی سے بہتر ہوگی جو سزا کے فیصلہ میں سرزد ہو اور جس کے نتیجے میں ایک مسلمان کو اپنی جان اور عزت سے ہاتھ دھونا پڑے۔

شبہہ سے سقوط حدود پر اجماع کا بیان

علامہ ابن ہمام خفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ فقہائے امصار و بلاد کا اس پر اجماع ہے کہ حدود شہت سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ شبہہ ہے جو ثابت تو نہ ہو لیکن ثابت کے مشابہ ہو، علمائے احناف نے شبہہ کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

(۱) شُبْهَةٌ فِی الْفِعْلِ اس کو شُبْهَةُ الْإِشْتِبَاحِ بھی کہتے ہیں۔ (۲) شُبْهَةٌ فِی الْمَحَلِّ (۳) شُبْهَةٌ فِی الْعَقْدِ

پہلی قسم شُبْهَةُ الْإِشْتِبَاحِ کی صورت یہ ہے کہ جیسے کسی پر اس شے کی حلت و حرمت مشتبہ ہو جائے جیسے وہ یہ بگمائی کرے

اس کی بیوی کی لونڈی سے جماعت و وطی کرنا حلال ہے یا اپنے باپ یا دادا کی باندی سے وطی کرنا اس کے لیے جائز ہے یا یہ گمان کرے کہ اسے اپنی مطلقہ غلط سے دوران عدت و طلاق کرنا جائز ہے۔ ان صورتوں میں اگر اس نے وطی کر لی تو اس پر حد قائم نہ ہوگی لیکن اگر اس نے یہ کہا کہ مجھے اس کا علم تھا کہ یہ حرام ہیں تو اس پر حد قائم کر دی جائے گی۔

دوسری قسم شُبْهَةُ فِي الْمَحَلِّ کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے بیٹے کی باندی، طلاق یا لکنا یہ سے مطلقہ، فروخت کردہ باندی جس کو ابھی خریدار کے قبضہ میں نہیں دیا ہے اور وہ باندی جو اپنی بیوی کے مہر میں دی لیکن ابھی اس کو بیوی کے قبضہ میں نہیں دیا ہے وغیرہ ان تمام صورتوں میں اگر وہ ان کے ساتھ وطی کریگا تو اس پر حد قائم نہ ہوگی اگرچہ وہ یہ اقرار کرے کہ میں ان کے حرام ہونے کو جانتا تھا۔

تیسری قسم شُبْهَةُ فِي الْعَقْدِ کی صورتیں یہ ہیں کہ کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا بعد عقد نکاح اس سے وطی کی اگر وہ یہ کہے کہ مجھے اس کے حرام ہونے کا علم تھا تو فتویٰ اس پر ہے کہ اس پر حد قائم کی جائے گی اور اگر اسے علم نہ تھا حد قائم نہ ہوگی۔ ایسے ہی اس عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ نکاح صحیح ہونے میں اختلاف ہے۔ اسی طرح شراب کو دوا کے طور پر پیا (بشرطیکہ معالج نے ضروری قرار دیا ہو) ان تمام صورتوں میں حد قائم نہ کی جائے گی۔ چونکہ حدود شہد سے ساقط ہو جاتی ہیں اسی سے حدود عورتوں کی شہادت سے ثابت نہیں ہوتیں نہ کتاب القاضی الی القاضی سے اور نہ شہادت علی الشہادت سے نہ حالت نشہ میں حدود خالصہ کے اقرار سے کہ ان تمام صورتوں میں شہادت ہیں ان کے علاوہ شہادت کی اور صورتیں بھی ہیں۔

(الاشباہ والنظائر، ص ۱۰۹، کج ایم سعید کراچی)

محل شہ کے چھ مواقع کا بیان

وَالشُّبْهَةُ فِي الْمَحَلِّ فِي سِتَّةِ مَوَاضِعَ: جَارِيَةِ ابْنِهِ، وَالْمُطَلَّقَةُ طَلَاقًا بَاطِلًا بِالْكِتَابَاتِ، وَالْجَارِيَةُ الْمَبِيعَةُ فِي حَقِّ الْبَائِعِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَالْمَمْهُورَةُ فِي حَقِّ الزَّوْجِ قَبْلَ الْقَبْضِ، وَالْمُشْتَرَكَةُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ غَيْرِهِ، وَالْمَرْهُونَةُ فِي حَقِّ الْمُرْتَهِنِ فِي رِوَايَةِ كِتَابِ الرَّهْنِ.

فَفِي هَذِهِ الْمَوَاضِعَ لَا يَجِبُ الْحَدُّ وَإِنْ قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ. ثُمَّ الشُّبْهَةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَثْبُتُ بِالْعَقْدِ وَإِنْ كَانَ مُتَّفَقًا عَلَى تَحْرِيمِهِ وَهُوَ عَالِمٌ بِهِ، وَعِنْدَ الْبَاقِينَ لَا تَثْبُتُ إِذَا عَلِمَ بِتَحْرِيمِهِ، وَيُظْهَرُ ذَلِكَ فِي نِكَاحِ الْمُحَارِمِ عَلَى مَا يَأْتِيكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى،

ترجمہ

اور محل میں شہد ہونے کے چھ مواقع ہیں۔ (۱) اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کرنے میں شہد ہونا (۲) کن یہ الفاظ سے طلاق یا بند دینے کے بعد اپنی مطلقہ سے جماع کرنے میں شہد ہونا (۳) فروخت کردہ باندی سے اس کو مشتری کے سپرد کرنے سے قبل اس سے جماع کرنے میں شہد ہونا (۴) بیوی کو کوئی باندی مہر کے طور دینے کے بعد اور بیوی کا قبضہ کرنے سے پہلے اسی باندی سے شوہر کے وطی کرنے میں شہد ہونا (۵) مشترکہ باندی سے کسی ایک کے وطی کرنے میں شہد ہونا (۶) کتاب الرهن کے مطابق

مروند باندی سے مرتہن کے وطی کرنے میں شہد ہونا ہے۔ یہ تمام مواقع پر حد واجب نہ ہوگی۔ اگرچہ جماع کرنے والا یہ کہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام تھی۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک عقد سے شہد ثابت ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عقد کی حرمت متفق علیہ ہے۔ جبکہ واطی حرمت کو چاہنے والے ہو۔ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اگر واطی عقد کی حرمت کو جاننے والا ہے تو شہد ثابت نہ ہوگا اور محارم سے نکاح میں اس اختلاف کا شہد ظاہر ہوگا۔ جس طرح اس کی وضاحت ان شاء اللہ آئے گی۔

مطلقہ ثلاثہ سے جماع پر حد کا بیان

إِذَا عَرَفْنَا هَذَا وَمَنْ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا ثُمَّ وَطَّئَهَا فِي الْعِدَّةِ وَقَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ (حَدٌّ) لِزَوَالِ الْمِلْكِ الْمُحَلِّ مِنْ كُلِّ وَجْهِ فَتَكُونُ الشُّبْهَةُ مُتَّفِقَةً وَقَدْ نَطَقَ الْكِتَابُ بِانْتِفَاءِ الْحِلِّ وَعَلَى ذَلِكَ الْإِجْمَاعُ، وَلَا يُعْتَبَرُ قَوْلُ الْمُخَالِفِ فِيهِ؛ لِأَنَّهُ خِلَافٌ لَا اخْتِلَافَ، وَلَوْ قَالَ: ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي لَا يُحَدُّ لِأَنَّ الظَّنَّ فِي مَوْضِعِهِ لِأَنَّ أَكْثَرَ الْمِلْكِ قَائِمٌ فِي حَقِّ النَّسَبِ وَالْحَبْسِ وَالنَّفَقَةِ فَاعْتَبَرَ ظَنُّهُ فِي اسْقَاطِ الْحَدِّ، وَأَمَّا الْوَلَدُ إِذَا أَعْتَقَهَا مَوْلَاَهَا وَالْمُخْتَلَعَةُ وَالْمُطَلَّقَةُ عَلَى مَالٍ بِمَنْزِلَةِ الْمُطَلَّاقَةِ الثَّلَاثِ لِثُبُوتِ الْحُرْمَةِ بِالْإِجْمَاعِ وَقِيَامِ بَعْضِ الْأَثَارِ فِي الْعِدَّةِ.

ترجمہ

جب ہم یہ سمجھ چکے ہیں تو اب یہ جاننا چاہیے کہ جس بندے نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور اسے بعد عدت میں اس سے وطی کر لی۔ اور یہ بھی کہے کہ معلوم تھا کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو اس کو حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ ملکیت کو ختم کرنے والے چیز ہر طرح سے معدوم ہو چکی ہے پس شہد ختم ہو جائے گا۔ اور قرآن مجید نے بھی حلت کے ختم ہونے کو بیان کیا ہے اور اسی پر اجماع منعقد ہوا ہے اور اس مسئلہ میں ہمارے مخالف کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ خلاف ہے اختلاف نہیں ہے۔ اور جب اس نے کہا کہ میں نے سمجھا کہ حلال تھی تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ اس کا وہم اپنے مقام پر ہے کیونکہ ملکیت کا اثر نسب، حبس اور نفقہ کے حق میں قائم ہے پس اسقاط حد اس کے حق میں معتبر ہوگا اور جب ام ولد کو آقا نے آزاد کر دیا تو اختلاف والی اور وہ طلاق والی جو مال کے بدلے میں ہو طلاق ثلاثہ والی کے حکم میں ہوگی۔ کیونکہ اس کی حرمت بہ اتفاق ثابت ہے اور اس کی عدت میں کچھ آثار باقی ہیں۔ (یعنی ملکیت نکاح کے حوالے کچھ اثر باقی ہے)۔

شرح

شہد فعل اس کو شہد اشتہاء کہتے ہیں کہ محل تو مشتبہ نہیں، مگر اس نے اس وطی کو حلال گمان کر لیا تو جب ایسا دعویٰ کریگا تو دونوں

میں کسی پر حد قائم نہ ہوگی اگرچہ دوسرے کو اشتباہ نہ ہو، مثلاً (۱) ماں باپ کی لونڈی سے وطی کی یہ (۲) عورت کو صریح لفظوں میں تین طلاقیں دیں اور زمانہ عدت میں اس سے وطی کی خواہ ایک لفظ سے تین طلاقیں دیں یا تین لفظوں سے۔ ایک مجلس میں یا متعدد مجلسوں میں۔ (۳) یا اپنی عورت کی باندی یہ (۴) مولیٰ کی باندی سے وطی کی یا (۵) مرتبہ نے اُس لونڈی سے وطی کی جو اس کے پاس گروی ہے یا (۶) دوسرے کی لونڈی اس لیے عریضہ دیا یا تھا کہ اس کو گروی رکھے گا اور اس سے وطی کی یہ (۷) عورت کو مال کے بدلے میں طلاق دی یہ مال کے عوض ضعیف کیا، اُس سے عدت میں وطی کی یہ (۸) ام ولد کو آزاد کر دیا اور زمانہ عدت میں اس سے وطی کی، ان سب میں حد نہیں جبکہ دعویٰ کرے کہ میرے گمان میں وطی حلال تھی اور اگر اس قسم کی وطی ہوئی اور وہ کہتا ہے کہ میں حرام جانتا تھا اور دوسرا موجود نہیں کہ اس کا گمان معلوم ہو سکے تو جو موجود ہے، اس پر حد قائم کی جائے گی۔ (در مختار، کتاب الحدود)

خلاف اختلاف کے لغوی معنی کا بیان

مغت میں خلاف کے معنی تناقض، عدم اتفاق، مخفی گشت کرنا، بیان کئے گئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سے معنی دیکھے جاسکتے ہیں۔ خلاف اعم از ضد ہے کیونکہ ضدین ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں جبکہ دو خلاف ضرورتاً ضد نہیں ہوتے۔ اختلاف، اختلاف کا مصدر ہے اور دو آرائیں اتفاق و تقابل کی نقیض کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب دو امر مختلف ہوں تو اسکے معنی ان کے عدم اتفاق کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی اقوال و احوال میں الگ راہ اختیار کرے تو اسکے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اختلاف رکھتا ہے۔ خلاف اور اختلاف کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب کسی ایک امر کے بارے میں آراء و حوالہ میں تباہی پایا جائے تو اسے خلاف کہا جاتا ہے اور اختلاف تعدد آراء، نقطہ ہائے نظر اور رجحانات کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے خواہ یہ آراء متضاد ہوں یا نہ ہوں یا نزاع کا سبب ہوں یا نہ ہوں۔

خلاف اور اختلاف میں فرق

اگرچہ اغلب علماء اصول اور فقہاء کی زبان میں خلاف اور اختلاف ایک ہی معنی میں استعمال ہوئے ہیں لیکن بعض علماء ان الفاظ کے معنی میں فرق کے قائل ہیں وہ اس طرح کے بعض علماء نے خلاف کو خلاف حقیقی اور خلاف لفظی میں تقسیم کیا ہے۔ ان علماء کے نزدیک خلاف حقیقی کے معنی یہ ہیں کہ اگر طریق و هدف میں اختلاف پایا جائے تو اسے خلاف حقیقی کہتے ہیں۔ خلاف لفظی کے معنی یہ ہیں کہ جس میں طریق مختلف ہیں لیکن هدف ایک ہی ہے۔

شطی اور بعض علماء اصول و فقہ نے خلاف و اختلاف کے الگ معنی بیان کئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خلاف وہ امر ہے جو ہو ہی ہوں کے زیر اثر وجود میں آئے۔ اس طرح کا اجتہاد شریعت میں کوئی اعتبار و مقام نہیں رکھتا بلکہ قول بلا دلیل ہے۔ ایسا نظریہ وہ شخص ہی دے سکتا ہے جو اجتہاد کے مقدمات سے نا آگاہ ہو، اور اگر آگاہ ہو تو اس نے اپنے اجتہاد میں اس کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ ان علماء کی نظر میں اختلاف اس امر کو کہتے ہیں جو اصل فن اور مجتہدین کی آراء سے حاصل ہوتا ہے جو مسئلہ کا حکم واقعی جاننے کی کوشش کر رہے

ہیں۔ یہ آراء ان کی نظر میں متعارض ہیں اور جو اجتہاد کیا گیا ہے ایسے استنباط کے حکم میں ہے جو ائمہ شرعی پر مشتمل ہے۔ اسی طرح خلاف و اختلاف کی بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ کسی ایک امر کی بارے میں آراء و اقوال میں تباہی کو خلاف کہا جاتا ہے جبکہ اختلاف تعدد آراء و نقطہ ہائے نظر اور رجحانات کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔

علم الخلاف کے اصطلاحی معنی

علم الخلاف کے اصطلاحی معنی خلاف اور اختلاف کے لغوی معنی سے ان لوگوں کے مطابق جو ان الفاظ میں فرق کے قائل ہیں بہت بعید نہیں ہیں۔ علم الخلاف کی بہت سی اصطلاحی تعریفیں بیان کی گئی ہیں۔ یہاں پر اختصار کی بنا پر عبدالقادر بدران کی تعریف پر اتفاق کرتے ہیں جو کہ دیگر تعریفوں پر ارجحیت رکھتی ہے اور امر خلاف سے زیادہ سازگار ہے۔ عبدالقادر بدران کہتے ہیں کہ علم الخلاف یہ علم ہے جو ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم کس طرح دلیل شرعی قائم کر کے قطعی براہین و ادلہ کے ذریعے خلاف دلیلوں کو نقض کر سکتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ علم الخلاف وہی جدل ہے جو علم منطق کی صناعت میں سے ایک ہے صرف فرق اتنا ہے کہ یہاں پر علم الخلاف دینی مقاصد سے مختص ہے۔ یہاں قائل ذکر کرتے ہیں کہ کہ جناب جباران نے فقہ مقارن کے بارے میں اپنے مقالے میں کہا ہے کہ یہ تعریف حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں پیش کی ہے۔ ہماری غرض یہ نہیں ہے کہ ہم اپنے اس مقالے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ یہ تعریف کس سے منسوب ہے بلکہ ہم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ فقہ نے اپنی گرانقدر کتابوں میں علم الخلاف کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے اور مختلف تعریفیں پیش کی ہیں۔

ابن خلدون اس علم کی تعریف میں کہتے ہیں کہ مذاہب کے پیروؤں میں مناظرات ہوا کرتے تھے جن میں ماضی کے فقہاء کے نظریات اور اختلافات کے اسباب نیز طرز اجتہاد بیان کئے جاتے تھے۔ انہوں نے اس علم کا نام خلافت رکھا تھا۔

زوجہ کو خلیہ بر یہ کہنے کا بیان

(وَلَوْ قَالَ لَهَا. اَنْتِ خَلِيَّةٌ اَوْ بَرِّيَّةٌ اَوْ اَمْرُكِ بِيَدِكَ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا ثُمَّ وَطَنَهَا فِي الْعِدَّةِ وَقَالَ: عَلِمْتُ اَنَّهَا عَلَيَّ حَرَامٌ لَمْ يُحْدَدْ) لَا خِيَلَا فِي الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فِيهِ؛ فَمِنْ مَذْهَبٍ عَمَرَ اَنَّهَا تَطْلِيقَةٌ رَجْعِيَّةٌ، وَكَذَا الْجَوَابُ لِي سَائِرِ الْجَنَابَاتِ وَكَذَا اِذَا لَوِيَ ثَلَاثًا لِقِيَامِ الْاِخْتِلَافِ مَعَ ذَلِكَ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تو خالی ہے یا بری ہے یا معاملہ تیرے ہاتھ ہے اس کے بعد اس عورت نے اپنے آپ کا انتخاب کر لیا اس کے بعد شوہر نے عدت میں اس عورت سے وطی کر لی اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد نہ لگائی جائے گی۔ کیونکہ کنایہ کی طلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ کنایات طلاق رجعی ہوتے ہیں اور تمام کنایات کا حکم اسی طرح ہے اور اسی طرح جب اس نے تین کی نیت کی ہو کیونکہ اس میں بھی اختلاف ہے۔

خلیہ بریہ کے مشابہات سے طلاق کا بیان

حضرت عمر بن خطاب کے پاس خط لکھا ہوا آیا کہ ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا جسلک علی غار بک حضرت عمر خطاب نے لکھا اس شخص سے کہہ دینا کہ حج کے موسم میں مکہ میں مجھ سے ملے حضرت عمر کعبہ کا طواف کر رہے تھے ایک شخص ملا اور سلام کیا پوچھا تم کون ہے آپ نے فرمایا میں وہی شخص ہوں جس نے تم نے حکم کیا تھا مکہ میں منے کا حضرت عمر نے کہا تم ہے تجھ کو اس گھر کے رب کی جسلک علی غار بک سے تیری کیا مراد تھی وہ بولا اے امیر المومنین اگر تم مجھ کو کسی اور جگہ کی قسم دیتے تو میں حج نہ کہتا اب سچ کہتے ہوں کہ میری نیت چھوڑ دینے کی تھی حضرت عمر نے فرمایا جیسے تو نے نیت کی وہی ہی ہوا۔

(موطا امام مک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1034)

قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک لونڈی تھی اس نے لونڈی کے مالکوں سے کہہ دیا تم جانو تمہارا کام جانے لوگوں نے اس کو ایک طلاق سمجھا۔ ابن شہاب کہتے تھے اگر مرد عورت سے کہے میں تجھ سے بری ہوا اور تو مجھ سے بری ہوئی تو تین طلاقیں پڑیں گی مثل بتہ کے کہا مالک نے اگر کوئی شخص اپنی عورت کو کہے تو خلیہ ہے یا بریہ ہے یا باندہ ہے تو اگر اس عورت سے صحبت کر چکا ہے تین طلاق پڑیں گی اور اگر صحبت نہیں کی تو اس کی نیت کے موافق پڑے گی اگر اس نے کہا میں نے ایک کی نیت کی تھی تو حلف کرے کہ اس کو سچی سمجھیں گے مگر وہ عورت ایک ہی طلاق میں بائن ہو جائے گی اب رجعت نہیں کر سکتا اہل نکاح نئے سرے سے کر سکتا ہے کیونکہ جس عورت سے صحبت نہ کی ہو وہ ایک ہی طلاق میں بائن ہو جاتی ہے جس سے صحبت کر چکا اور وہ تین طلاق میں بائن ہوتی ہے۔ کہا مالک نے یہ روایت مجھے بہت پسند ہے۔ (موطا امام مک علیہ الرحمہ: جلد اول: حدیث نمبر 1037)

بیٹے کی باندی سے جماع پر عدم حد کا بیان

(وَلَا حُدَّ عَلَى مَنْ وَطِئَ جَارِيَةً وَلَدِهِ وَلَدٌ وَإِنْ قَالَ: عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَى حَرَامٍ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ حُكْمِيَّةٌ لِأَنَّهَا نَشَأَتْ عَنْ دَلِيلٍ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "وَمَا لَكَ لِأَبِيكَ" وَالْأُتُوَّةُ قَائِمَةٌ لِمِ حَقِّ الْجَدِّ. قَالَ) وَيَبْتُ النَّسَبُ مِنْهُ وَعَلَيْهِ قِيمَةُ الْجَارِيَةِ وَقَدْ ذَكَرْنَاهُ

ترجمہ

اور جس شخص نے اپنے بیٹے کی باندی یا پوتے کی باندی سے جماع کیا تو اس پر حد نہیں ہے اور اس اگرچہ یہ کہہ ہو کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے کیونکہ اس میں حکمی شبہ پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ شبہ ایک دلیل سے پیدا ہونے والا ہے اور وہ نبی کریم ﷺ کا

ارشاد گرامی ہے۔ کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اور دادا کے حق میں باپ ہونے کا حکم قائم ہے۔ اور واطی سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور اس پر موطوہ باندی کی قیمت واجب ہو جائے گی۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب بھائی یا بہن یا بچے کی لونڈی یا خدمت کے لیے کسی کی لونڈی عریضہ لایا تھا یا نوکر رکھا یا تھا یا اس کے پاس ایسی تھی اس سے وطی کی تو حد ہے اگرچہ حلال ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود) عدا مدد اولدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شخص نے کسی کی لونڈی غصب کر لی اور اس سے وطی کی پھر اس کی قیمت کا ہون دیا تو حد نہیں اور اگر زنا کے بعد غصب کی اور تاوان دیا تو حد ہے۔ اسی طرح اگر زنا کے بعد عورت سے نکاح کر لیا تو حد ساقط نہ ہوگی۔ (در مختار، کتاب الحدود)

مرد اپنی بیوی کی باندی سے زنا کرے تو کیا حکم ہے؟

امام ابوودود علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ حبیب بن سالم کہتے ہیں کہ ایک شخص نے جسے عبدالرحمن بن حنین کہا تھا اپنی بیوی کی باندی سے جماع کر لیا تو اسے حضرت نعمان بن بشیر کے سامنے پیش کیا گیا وہ اس وقت کوفہ کے امیر تھے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلہ کے مطابق فیصلہ کروں گا اگر تیری بیوی نے اس باندی کو تیرے لیے حلال کیا تھا تو تجھے سو کوڑے ماروں گا اور اگر اس نے اسے تیرے لیے حلال نہیں کیا تھا تو پھر اس سے رجیم کروں گا تو انہوں نے اسے پتا کہ اس کی بیوی نے اس باندی کو اس کے لیے حلال کر دیا تھا تو نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے کوڑے مارے تو وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بارے میں حبیب بن سالم کو لکھا تو انہوں نے میری طرف سے یہ حدیث بیان کی۔

حضرت نعمان بن بشیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس شخص کے بارے میں جو اپنی بیوی کی باندی سے جماع کر لے، فرمایا کہ اگر اس کی بیوی نے اس باندی کو اس کیلئے حلال کیا تھا تو سو کوڑے۔ اگر حلال نہیں کیا تھا تو اس کو رجیم کروں گا۔

حضرت سلمہ بن محقق سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کے بارے میں جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے بدکاری کی تھی فیصلہ فرمایا کہ اگر اس نے زنا بالجبر کیا ہے تو وہ لونڈی آزاد ہے اور مرد کو ویسی ہی لونڈی مالک اپنی بیوی کو دینا ہوگی اور اگر لونڈی کی رضا و رغبت سے بدکاری ہوئی تو وہ اسی کی ہو جائے گی اور زانی کے لیے مالک کو اس جیسی ایک لونڈی دینا ضروری ہوگا امام ابووداد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو یونس بن عبید نے اور عمرو بن دینار نے، منصور بن ذاذان نے اور سلام نے حسن سے روایت کیا ہے اس معنی میں یونس اور منصور نے قبضہ بن حریث کا ذکر نہیں کیا۔

منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لونڈی نے اپنی خوشی سے بدکاری کی تو وہ زانی کی ملک میں آ جائے گی اور زانی کے مال میں سے اس جیسی لونڈی (یا اس کی قیمت) مالک کو ملے گی۔ (سنن ابوودود، کتاب الحدود)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ عدم اشتہاء کی صورت میں حد جاری کی جائے گی اور اشتہاء کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی

باپ کی باندی سے جماع پر عدم حد کا بیان

(وَإِذَا وَطِئَ جَارِيَةٌ أَبَاهُ أَوْ أُمُّهُ أَوْ زَوْجَتُهُ وَقَالَ ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا عَلَى قَادِحِهِ، وَإِنْ قَالَ: عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَى حَرَامٍ حُدَّ، وَكَذَا الْعَبْدُ إِذَا وَطِئَ جَارِيَةَ مَوْلَاهُ) (لَا بَيْنَ مَوْلَاةٍ أَنْبَسَاطٍ فِي الْإِسْتِمْتَاعِ فَكَأَنَّ شُبُهَةَ اشْتِبَاهٍ إِلَّا أَنَّهُ زِنًا حَقِيقَةً فَلَا يُحَدُّ قَادِحُهُ، وَكَذَا إِذَا قَالَتِ الْجَارِيَةُ: ظَنَنْتُ أَنَّهُ يَحِلُّ لِي وَالْفَحْلُ لَمْ يَدْخَعْ فِي الظَّاهِرِ لِأَنَّ الْفِعْلَ وَاحِدًا)

(وَإِنْ وَطِئَ جَارِيَةَ أَخِيهِ أَوْ عَمِّهِ وَقَالَ: ظَنَنْتُ أَنَّهَا تَحِلُّ لِي حُدَّ) (لِأَنَّهُ لَا أَنْبَسَاطَ فِي الْمَالِ فِيمَا بَيْنَهُمَا وَكَذَا سَائِرُ الْمَحَارِمِ سِوَى الْوِلَادَةِ لِمَا بَيَّنَّا)

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنے باپ یا اپنی ماں یا اپنی بیوی کی باندی سے جماع کیا اور اس کے بعد یہ کہہ کر میرے گمن میں وہ مجھ پر حلال ہے۔ تو اس پر بھی حد واجب نہ ہوگی اور اس پر زنا کی تہمت لگانے والے پر بھی حد نہ ہوگی مگر جب اس نے یہ کہہ کر مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے تو اس پر حد جاری ہو جائے گی۔ اور اسی طرح جب غلام نے اپنے مالک کی باندی سے جماع کیا۔ کیونکہ ان لوگوں میں عمومی فائدہ اٹھانا جاری ہے پس فائدہ اٹھانے میں اس کے گمان کا اعتبار کر لیا جائے گا اور یہ شبہ اشتہاء والا شبہ بن جائے گا البتہ یہ حقیقت کے اعتبار سے زنا ہے اس لئے اس کے قاذف پر حد جاری نہ ہوگی۔

اسی طرح جب باندی نے یہ کہہ کر میں نے سمجھا کہ یہ میرے لئے حلال ہے حالانکہ غلام نے کوئی دعویٰ نہ کیا تھا تب بھی ظاہر الروایت کے مطابق اس پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ عمل ایک ہی ہے اور جب کسی نے اپنے بھائی یا اپنے چچ کی باندی سے جماع کیا اور کہنے لگا کہ میں نے گمان کیا کہ یہ میرے لئے حلال ہے۔ تو اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ ان کے درمیان بے تکلفی نہیں پائی جارہی اور اولاد کے سوا تمام محارم کا بھی اسی طرح ہے اور اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان چکے ہیں۔

شرح

زنا کے مقدمات میں اس اصول کے اطلاق کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقدمے میں، جس میں شوہر نے اپنی بیوی کی لونڈی سے جماع کیا تھا، یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر تو خاوند نے بیوی کی اجازت کے بغیر ایسا کیا ہے تو اسے رجم کیا جائے گا، لیکن اگر اس میں بیوی کی رضامندی شامل تھی تو خاوند کو صرف سوکڑے لگائے جائیں گے۔ اسی نوعیت کے ایک دوسرے مقدمے میں آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر شوہر نے لونڈی کے ساتھ زبردستی جماع کیا ہے تو لونڈی آزاد ہے، لیکن اگر لونڈی رضامند

تھی تو پھر وہ شوہر کی ملکیت قرار پائے گی اور دونوں صورتوں میں شوہر کے لیے لزم ہوگا کہ وہ اپنی بیوی کو اس جیسی کوئی دوسری لونڈی خرید کر دے۔ (نسائی، رقم ۳۳۱۰۔ ابوداؤد، رقم ۳۸۶۸)

امام ابن ابی شیبہ علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سیدنا عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو جس نے اپنی بیوی کی لونڈی سے زبردستی زنا کیا تھا، رجم نہیں کیا، بلکہ اسے سو سے کم کوڑے لگانے کی سزا دی۔ اس صورت میں سوکڑے لگانے یا رجم کرنے کے بجائے تعزیری سزا دینے کا فتویٰ سفیان ثوری سے بھی مروی ہے۔

مسعود بن امسیب اور مدینہ کے بعض دیگر فقہاء کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی اور کسی دوسرے شخص کی مشترکہ لونڈی سے وطی کرے تو اسے ننانوے کوڑے لگائے جائیں۔

ابن امسیب نے ایک مقدمے میں جس میں دو لکوں نے اپنی مشترکہ لونڈی سے جماعت کی تھی، فتویٰ دیا کہ دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے جائیں۔

ابن امسیب ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص مال غنیمت کے تقسیم ہونے سے پہلے ہی کسی لونڈی سے استمتاع کر لے تو اسے ننانوے کوڑے لگائے جائیں گے۔

ایک عورت نے اپنے غلام سے نکاح کر لیا اور اس کے جواز پر یہ استدلال پیش کیا کہ قرآن مجید میں اَمَّا مَدَنُكَتْ اَيْنَا نَكْحُمْ کو حلال کہا گیا ہے اور میرا غلام بھی میری ملک میں ہے۔ سیدنا علی کے مشورے پر سیدنا عمر نے اسے محض سوکڑوں کی سزا دی۔ اسی طرح ایک خاتون نے گواہوں اور سرپرست کے بغیر نکاح کر لیا اور کہا کہ میں شیب ہوں اور اپنے معاملے میں خود بخوبی ہوں تو سیدنا عمر نے اسے بھی صرف سوکڑے لگائے۔ (مصنف عبدالرزاق، رقم ۱۳۵۳۶، ۱۳۵۳۳، ۱۳۵۳۲، ۱۳۵۲۹، ۲۲، ۱۳۵۲۸، ۲۳۔ ۱۳۵۳۷، ۲۴۔ ۲۸)

حضرت ابو ہریرہ اور زید بن خالد اور شبل فرماتے ہیں کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک مرد نے پوچھا کہ باندی محسن ہونے سے قبل بدکاری کرے تو اس کا کیا حکم ہے فرمایا اسے کوڑے لگاؤ پھر اگر بدکاری کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر تیسری چوتھی مرتبہ کے بارے میں فرمایا کہ اسے فروخت کر دو گواہوں کی ایک دہی کے عوض۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 723)

شب زفاف میں غیر زوجہ سے جماع پر عدم حد کا بیان

(وَمَنْ رَفِئَتْ إِلَيْهِ غَيْرُ امْرَأَتِهِ وَقَالَتْ النِّسَاءُ: إِنَّهَا زَوَّجَتْكَ فَوَطِئَهَا لَا حَدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ) قَضَى بِذَلِكَ عَلَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَبِالْعِدَّةِ، وَلِأَنَّهُ اعْتَمَدَ دَلِيلًا وَهُوَ الْإِخْبَارُ فِي مَوْضِعِ الْإِشْتِبَاهِ، إِذِ الْإِنْسَانُ لَا يُمَيِّزُ بَيْنَ امْرَأَتِهِ وَبَيْنَ غَيْرِهَا فِي أَوَّلِ الْوَهْلَةِ فَصَارَ

كَالْمَغْرُورِ ، وَلَا يُحَدِّ قَادِفُهُ إِلَّا فِي رِوَايَةٍ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّ الْمَلَكَ مُنْعَدِمٌ حَقِيقَةٌ .

ترجمہ

اور جس شخص کے پاس شب زفاف میں اس کی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کو بھیج دیا اور عورتوں نے کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہے لہذا اس نے اس سے جماع کر لیا تو اس پر حد نہ ہوگی اور شوہر پر مہر واجب ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلہ میں مہر اور عدت کا فیصلہ کیا تھا۔ کیونکہ شوہر نے ایک دیل کے پیش نظر ایسا کیا ہے لہذا وہ دیل شبہہ کے قائم مقام ہو جائے گی اس سے انسان پہلی بار اپنی بیوی اور دوسری میں فرق نہیں کر سکتا۔ پس یہ دھوکہ کھانے شخص کی طرح ہو جائے گا اور اس کے قاذف پر بھی حد واجب نہ ہوگی جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی ایک روایت مطابق اس پر حد ہوگی کیونکہ حقیقت کے مطابق ملکیت نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نکاح کے بعد پہلی شب میں جو عورت رخصت کر کے اس کے یہاں لائی گئی اور عورتوں نے بیان کیا کہ یہ تیری بی بی ہے اس نے وطی کی بعد کو معلوم ہوا کہ بی بی نہ تھی تو حد نہیں۔ (در مختار، کتاب الحدود)

علامہ امجد علی اعظمی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں جی جگہ بیشتر سے یہ اس عورت کو نہ پہچانتا ہو جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے اور اگر پہچانتا ہے اور دوسری عورت اس کے پاس لائی گئی تو ان عورتوں کا قول کس طرح اعتبار کریگا۔ اسی طرح اگر عورتیں نہ کہیں مگر سرسرا والوں نے جس عورت کو اس کے یہاں بھیج دیا ہے اس میں شک ہی گمان ہوگا کہ اسی کے ساتھ نکاح ہوا ہے جبکہ بیشتر سے دیکھ نہ ہو اور بعض وقتے یسے ہوئے بھی ہیں کہ ایک گھر میں دو برائیں آئیں اور رخصت کے وقت دونوں بہنیں بدل گئیں اس کی اس کے یہاں اسکی اس کے یہاں آگئی ہذا یہ اشتباہ ضرور معتبر ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔ (بہار شریعت، حصہ ۱، حدود کا بیان)

بستر پر ملنے والی عورت سے جماع کرنے پر حد کا بیان

(وَمَنْ وَجَدَ امْرَأَةً عَلَى فِرَاشِهِ فَوَطِنَهَا فَعَلَيْهِ الْحَدُّ) لِأَنَّهُ لَا اسْتِثْنَاءَ بَعْدَ طَوْلِ الصُّحْبَةِ فَلَمْ يَكُنْ الظَّنُّ مُسْتَبَدًّا إِلَى دَلِيلٍ ، وَهَذَا لِأَنَّهُ قَدْ يَنَامُ عَلَى فِرَاشِهَا غَيْرُهَا مِنَ الْمَحَارِمِ الَّتِي فِي بَيْتِهَا ، وَكَذَا إِذَا كَانَ أَعْمَى لِأَنَّهُ يُمْكِنُهُ التَّمْيِيزُ بِالسُّؤَالِ وَغَيْرِهِ ، إِلَّا إِنْ كَانَ دَعَاَهَا فَاجَابَتْهُ أَجْنَبِيَّةٌ وَقَالَتْ : أَنَا زَوْجَتُكَ فَوَاقَعَهَا لِأَنَّ الْإِخْبَارَ دَلِيلٌ .

ترجمہ

ایک بندے کو اس کے اپنے بستر پر کوئی عورت مل گئی اور اس نے اس سے جماع کر لیا تو اس پر ہوگی۔ اس سے زیادہ دلوں

تک ساتھ رہنے کے سبب اشتباہ نہیں بن سکتا۔ پس اس کے گمان کو کسی دیل کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ اور عدم اشتباہ کی دیل یہ بھی ہے کہ کبھی اس کی بیوی کے علاوہ اس کی گھر بیو محارم میں سے بھی سو جاتیں ہیں۔ لہذا شوہر اگر چہ ناپا بھی ہے تو پھر بھی یہی حکم ہے کیونکہ باتیں کرنے اور پوچھ کر فرق کرنا ممکن ہے۔ لہذا اگر ناپا شخص نے اس عورت کو پکارا اور اس نے جواب دیا اور یہ کہا کہ میں آپ کی بیوی ہوں اس پر ناپا ملنے اس پر جماع کر لیا (تو اب حد نہ ہوگی) کیونکہ خبر ایک دیل ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شامی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اندھیری رات میں اپنے بستر پر کسی عورت کو پایا اور اسے زوج گمان کر کے وطی کی حالانکہ وہ کوئی دوسری عورت تھی تو حد نہیں۔ اسی طرح اگر وہ شخص اندھا ہے اور اپنے بستر پر دوسری کو پایا اور زوج گمان کر کے وطی کی اگرچہ دن کا وقت ہے تو حد نہیں۔ (در مختار، کتاب الحدود)

حرمت نکاح والی سے جماع کرنے کا بیان

(وَمَنْ تَزَوَّجَ امْرَأَةً لَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا فَوَطِنَهَا لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الْحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَلَكِنْ يُوجَعُ عُقُوبَةٌ إِذَا كَانَ عَلِيمًا بِذَلِكَ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ عَلَيْهِ الْحَدُّ إِذَا كَانَ عَالِمًا بِذَلِكَ ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ لَمْ يُصَادَفْ مَحَلَّهُ فَيَلْفُو كَمَا إِذَا أُضِيفَ إِلَى الذُّكُورِ ، وَهَذَا لِأَنَّ مَحَلَّ التَّصْرِيفِ مَا يَكُونُ مَحَلًّا لِحُكْمِهِ ، وَحُكْمُهُ الْحِلُّ وَهِيَ مِنَ الْمُحَرَّمَاتِ .

وَلِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْعَقْدَ صَادَقَ مَحَلَّهُ لِأَنَّ مَحَلَّ التَّصْرِيفِ مَا يَقْبَلُ مَقْصُودَهُ ، وَالْإِنْسَى مِنْ بَنَاتِ آدَمَ قَابِلَةٌ لِلتَّوَالِدِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ ، وَكَانَ يَنْبَغِي أَنْ يَنْعَقِدَ فِي جَمِيعِ الْأَحْكَامِ إِلَّا أَنَّهُ تَقَاعَدَ عَنْ إِفَادَةِ حَقِيقَةِ الْحِلِّ فَيُورِثُ الشُّبْهَةَ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ مَا يُشْبِهُ الثَّابِتَ لَا نَفْسَ الثَّابِتِ ، إِلَّا أَنَّهُ إِذَا تَكَبَّ جَرِيْمَةً وَلَيْسَ لَهَا حَدٌّ مُقَدَّرٌ فَيُعْزَرُ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ایسی عورت کے ساتھ جماع کیا کہ جس سے نکاح کرنا اس کا حلال نہیں ہے۔ تو حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد نہ ہوگی۔ البتہ اس کو سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔ ہاں اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کو اس کا علم ہو۔

صاحبین اور امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک اگر اس کو علم ہے تو اس پر حد واجب ہوگی کیونکہ یہ اس طرح کا عقد ہے جو اپنے محل سے مل ہوا نہیں ہے۔ لہذا یہ بیکار نہ ہوگا۔ یعنی جس طرح جب یہ عقد مردوں کی طرف منسوب کر دیا جائے گا۔ اور حکم اس دیل کی وجہ سے مل ہوا نہیں ہے۔

سے ہے کہ محل تصرف وہ ہے جو تصرف کے حکم کا محل ہو اور تصرف کا حکم حلت ہے جبکہ یہاں بیوی محرمات میں سے ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے عقدا اپنے محل سے مد ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ محل تصرف اس کو کہتے ہیں جو تصرف کے مقصد کو قبول کرنے والا ہو اور بنی آدم کی لڑکیاں تو والد کے اہل ہیں اور تصرف سے مقصود بھی یہی ہے پس تمام احکام کے حق میں تصرف منعقد ہو جانا چاہئے تھا البتہ حلت کی حقیقت کا فائدہ نہ ہوگا کیونکہ یہ عقد شہہ پیدا کرنے والا ہے۔ اور شہہ اس کو کہتے ہیں جو ثابت شدہ کے مشابہ ہو جبکہ ثابت کی طرح نہ ہو۔ لہذا اس نے اب ایک گناہ کیا ہے اور اس میں کوئی حد معین نہیں ہے لہذا اس کو برا دی جائے گی۔

غیر مقلدین کی فقہ حنفی پر جاہلانہ وہم پرستیاں

فقہ حنفی کی معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے: ومن تزوج امرأة لا يحل له نكاحها فوطئها، لا حد عليه عند أبي حنيفة۔ "جو شخص ایسی عورت سے شادی کرے جس سے نکاح کرنا اس کے لیے جائز نہیں، پھر وہ اس سے جماع کر لے تو اس پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی شرعی سزا نہیں۔" (الہدایہ: ۵۱۶/۱، اقدوری: ص ۱۸۶، واللفظ لہ)

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: لکنہ یوجع عقوبة إذا كان علم بذلك۔ "اگر اسے اس (کام کے حرم ہونے کے) بارے میں علم تھا تو اسے بطور سزا مار پیٹ کی جائے گی۔" یہ بات صاحب ہدایہ کی پٹی ہے، فقہ حنفی کچھ اور ہی کہتی ہے۔ یہاں ایک اور معروف فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں:

و كذلك لو تزوج بذات رحم محرم نحو البنت والأخت والأُم والعمة والحالة، وحامعها، لا حد عليه في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وإن قال: علمت أنها على حرام۔

"اسی طرح اگر کوئی آدمی اپنی محرم عورتوں مثلاً بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی، خاندہ سے شادی کرے، پھر ان کے ساتھ جماع کر لے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر کوئی شرعی سزا نہیں ہوگی اگرچہ وہ کہہ بھی دے کہ مجھے ان کا اپنے اوپر حرام ہونا معلوم ہے۔" (فتاویٰ عالمگیری: ۳/۶۸)

یہ کیسی فقہ ہے جو ماں، بہن، بیٹی اور دیگر محرمات کے ساتھ بدکاری کرنے پر شرعی سزا کو ختم کر رہی ہے؟ ان کے پاس نہ عقلی حجت ہے نہ نقلی برہان۔ یہ لوگ اپنے مزعومہ قیاس و تحقیق سے بے دلیل بات کر کے اجماع مسلمین اور احادیث صحیحہ کی نفی لفت کر رہے ہیں۔ ویسے تو اس حوالے سے دلائل ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ زنا کے بارے میں قرآن و سنت کے عمومی ارشادات محرمات سے زنا پر بالاولیٰ لاگو ہوتے ہیں۔

فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک محارم سے نکاح کی اباحت و آزادی کا بیان

دلی محارم بعد نکاح پر حد نہیں: دور برطانیہ میں جب یہ فرقہ پیدا ہوا تو شہوت پرستی میں انتہا کو پہنچ گیا چنانچہ انہوں نے فتویٰ دیا

کہ "بہتر عورت وہ ہے جس کی فرج تنگ ہو اور جو شہوت کے بارے دانت رگڑ رہی ہو اور جو جماع کراتے وقت کروٹ سے لپٹی ہو (لغات اللہ: وحید الزماں غیر مقلد پ 6 ص 56)

اور شہوت میں یہاں تک بڑھے کہ اگر کسی عورت سے زنا کیا اور اسی زنا سے لڑکی پیدا ہوئی تو زید خود اپنی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے (عرف الجاوی ص 109)

فرقہ غیر مقلدین کے نزدیک لا تعداد بیویاں نکاح میں رکھ سکتا ہے

اور اگرچہ قرآن کی نص موجود تھی ایک مرد ایک وقت میں چار سے زائد عورتیں نکاح میں نہیں رکھ سکتا مگر نواب صدیق حسن اور نور الحسن نے فتویٰ دیا کہ چار کی کوئی حد نہیں جتنی عورتیں چاہے نکاح میں رکھ سکتا ہے۔ (ظفر نامانی ص 141، عرف الجاوی ص 111)

اور نکاح اور زنا میں یہی فرق تھا کہ زنا کے گواہ نہیں ہوتے نکاح میں گواہ شرط ہیں۔ میر نور الحسن صاحب نے اس حدیث کو بھی ضعیف کہا اور کہا کہ یہ ناقابل استدلال ہے۔ (عرف الجاوی ص 107)

اور شہوت میں ایسے اندھے ہو گئے کہ فطری مقام کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کا غیر فطری مقام استعمال کرے تو بھی (حدیث تقریر کی) اس پر انکار تک جائز نہیں (ہدیۃ المہدی ج 1 ص 118)

بلکہ یہاں تک فتویٰ دیا کہ در آدمی میں صحبت کرنے والے پر غسل بھی واجب نہیں کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں۔ (ہدیۃ المہدی ج 1 ص 28) بلکہ ایک اور نسخہ بھی بتا دیا کہ اگر کوئی شخص اپنا آلہ تناسل اپنی در میں داخل کرے تو غسل واجب نہیں۔ (نزل الابراج ج 1 ص 41)

بلکہ نظر بازی سے بچنے کا یہ وہابی نسخہ بھی بتا دیا کہ مشیت زنی کر لو اور نظر بازی کے اس گناہ سے بچنا ممکن نہ ہو تو مشیت زنی واجب ہے اور بتایا کہ (معاذ اللہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مشیت زنی کیا کرتے تھے۔ (عرف الجاوی ص 207)

اس قسم کے اور بھی کئی فتوے دیئے گئے تو اہل سنت نے مطالبہ کیا کہ اپنے اصولی کے مطابق ان میں سے ہر مسئلے کی دلیل میں کوئی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث بیان کریں اور لوگوں نے کہا کہ یہ کیسا فرقہ پیدا ہوا ہے جس سے بیٹی تک محفوظ نہیں اور یہ اپنی بیوی کی در کو معاف کریں نہ اپنی در کو تو یہ فرقہ کبھی اپنے مسائل کو قرآن و حدیث سے ثابت نہیں کر سکتا اس لئے بجائے قرآن و حدیث پیش کرنے کے دوسروں پر کچھڑا اچھالتا ہے چنانچہ علماء سے تو یہ منہ چھپائے گئے کہ وہ قرآن و حدیث کا مطالبہ کرتے تھے، اپنے ساری عناصر کے ذریعے عوام میں یہ بات پھیلا دی کہ حنفی مذہب میں بھی بیٹی اور دیگر محرمات سے نکاح جائز ہے اس کا جواب میں احناف نے جو بیان کیا ہے اس کو ہم آئندہ سطور میں لکھ رہے ہیں۔

محرمات ابدیہ سے نکاح کی حرمت میں غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر اعتراض

ابوطلوہ صاحب نے اپنے اعتراض پر یہ دلیل لگایا تھا: محرمات ابدیہ سے نکاح کی حرمت صریح و قطعی نصوص سے ثابت ہے مگر اس

کے خلاف امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ملاحظہ فرمائیے اس کے بعد ابوطلحہ صاحب نے یہ فتویٰ پیش کیا۔

اسی طرح اگر محرمات ابدیہ سے نکاح کر لے مثلاً بیٹی، بہن، ماں چھوٹھی اور خالہ سے نکاح کرے اور پھر ان سے جماع بھی کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس پر کوئی حد نہیں ہے چاہے وہ یہ جانتا بھی ہو یہ کام مجھ پر حرام ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان جلد ص 468)

آئیے دیکھتے ہیں اس الزام کی حقیقت؟ اس سے پہلے کہ ہم اس فتویٰ کی وضاحت کریں آپ حضرات ایک بات یہ سمجھ لیں کہ یہ مسئلہ فقہی نوعیت کا ہے۔۔۔ جس کے لئے توجہ سے ہر ہر پہلو پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ اس لئے ہم کوشش کریں گے کہ آسان الفاظ میں اس کی وضاحت کریں لیکن اس کے باوجود بھی اگر کسی بھائی یا بہن کو کوئی سمجھ نہ آئے تو اپنی رائے قائم کرنے سے بہتر ہے کہ وہ سوال کر کے سمجھ لے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ معترض کے ذمہ فرض تھا کہ اعتراض نقل کرنے کے بعد اس کی حد نص صریح کے حوالہ سے نقل کرتا۔ لیکن معترض نے حد نقل نہیں کی۔

محرمات ابدیہ سے نکاح میں فقہ حنفی کے مطابق سزا کا بیان

شاید غیر مقلدین کے علم میں نہیں ہے کہ طحاوی جلد 2 ص 73 میں واضح طور پر یہ فتویٰ موجود ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے۔ کیوں کہ اس نے حرم کو حلال سمجھ لیا اس پر رتہ ادکی سزا نافذ ہوگی اور یہ صرف عقد نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی اس کے لئے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرم سمجھ کر کیا تو مباشرت و وطی کی صورت میں حد نافذ ہوگی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہوگی۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ غور فرمائیے کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں۔

(اول) محرمات میں سے کسی کے ساتھ نکاح کیا گیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا ہے۔ لہذا اس پر رتہ ادکی شرعی سزا نافذ ہوگی (اور یہ صرف عقد نکاح ہی سے نافذ ہو جائیگی، مباشرت شرط نہیں)۔ اور اگر حرام دنا جائز سمجھ کر (صرف نکاح کیا و طی یا مباشرت نہ کی) کیا تو اس کے لئے شرعاً کوئی حد اور سزا مقرر نہیں ہے (البتہ گنہگار ہوگا)

(دوم) نکاح کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو یہ زنا ہے۔ لہذا اس پر زنا کی حد جاری ہوگی۔ (سوم) بغیر نکاح کے اگر کسی محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد جاری ہوگی۔

باقی رہا یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے شخص کے لئے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں (غیر مقلدین کے امام) قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں سے ہے اس لئے قتل کیا گیا (مثل الاوطار ج 7 ص 122) گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ ارتداد کی سزا تھی۔

امام حافظ ابن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سب سے تعزیری تھی (فتح القدیر ص 148) اس سے

صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے بلکہ اس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیری؟

لیکن مذکورہ مسئلہ معترض نے اس طرح پیش کیا۔ جس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ محرمات ابدیہ سے نکاح کے قبیح فعل کی حرمت سے انکاری ہیں اور قرآن و حدیث سے صریح نصوص کے مخالف ہیں (معاذ اللہ)؟

ذرا غور فرمائیں کہ غیر مقلدین کا یہ فعل اور عامی مسلمان کے سامنے ایسے مسائل کو یوں پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے سوائے اس کے کہ مقلدین حضرات کے دلوں میں سے ائمہ کرام کا اعتماد ختم کر دیا جائے؟

مزید ملاحظہ فرمائیں فقہ حنفی کی کتابوں سے محرمات ابدیہ سے نکاح پر فتویٰ جات: درمختار (جلد 3 ص 179) میں ہے اسے تعزیراً قتل کیا جائے گا عالمگیری (جلد 2 ص 148) میں ہے کہ اسے عبرتاً تک سزا دی جائے گی۔

طحاوی (جلد 2 ص 97) میں ہے کہ یہ زنا سے بڑا گنہگار ہے و لکن یجب فیہ التعزیر والعقوبة البلیغة اس پر تعزیر سخت ترین سزا واجب ہے۔

حافظ ابن امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا کہ ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب اقتل ہے (فتح القدیر ج 5 ص 42) طحاوی ج 2 ص (96)

ہم اسے مذاق یا بطور استہزاء نہیں کہہ رہے بلکہ حقیقت یہی ہے کہ غیر مقلد جو موجودہ دور کے ہیں ان کی تعریف یہی ہے کہ جس میں عقل نہ ہو وہ غیر مقلد ہے۔

قارئین یہاں تک آپ نے غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر حملہ دیکھ لیا ہے۔ غیر مقلدین یتیم ہیں کیونکہ جس طرح کسی شخص و مدین بچپن میں فوت ہو جائیں تو والدین کی شفقت و تعلیم و تربیت سے یتیم ہو جاتا ہے اسی طرح یہ نام نہاد فرقہ عم و عقل کے والدین سے یتیم ہے۔ جہاں کہیں جہالت دیکھنا شروع کریں تو فقہ حنفی ان کو یاد آ جاتی ہے لیکن فقہ ان کو سمجھ نہیں آتی کیونکہ فقہ سمجھنا یہ اہل فقہ کا کام ہے جانوروں کا کام نہیں ہے۔ دیکھئے بخاری شریف جس میں اہل فقہ کن لوگوں کو کہا گیا ہے۔

اہل فقہ سے مراد فقہاء مدینہ کی عظمت کا اظہار

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں مہاجرین کے کچھ لوگوں کو پڑھاتا تھا جن میں عبدالرحمن بن عوف بھی تھے۔ ایک دن میں ان کے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اور وہ حضرت عمر بن خطاب کے پاس تھے اس حج میں (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) آخری بار کیا تھا، عبدالرحمن میرے پاس لوٹ کر آئے اور کہا کہ کاش، تم اس شخص کو دیکھتے جو آج امیر المومنین کے پاس آیا اور کہا کہ اے امیر المومنین آپ کو فلاں کے متعلق خبر ہے جو کہتا ہے کہ اگر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مر جائیں تو میں فلاں کی بیعت کر لوں، خدا کی قسم ابو بکر کی بیعت اتفاق تھی جو پوری ہو گئی، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آ گیا اور کہا کہ انشاء اللہ میں شام کے وقت لوگوں میں کھڑا ہوں گا اور ان کو ذراؤں گا جو مسلمانوں کے امور کو غصب کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین ایسا نہ سمجھئے اس لئے کہ موسم حج میں جبکہ عام اور پست قسم کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں جس

وقت آپ کھڑے ہوں گے تو اس قسم کے لوگ کی اکثریت آپ کے پاس ہوگی اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کھڑے ہو کر جو بات کہیں گے اس کو اگر دوسری طرف لے جائیں گے اور اس کی حفاظت نہیں کریں گے اور اس کو اس کے (مناسب) مقام پر نہیں رکھیں گے، اس لئے آپ انتظار کریں یہاں تک کہ مدینہ پہنچیں

اس لئے کہ وہ دارالہجرت والستنت ہے وہ اہل فقہ اور سربراہان و دروہ لوگوں کے سامنے آپ جو کہنا چاہیں کہیں تاکہ اہل علم آپ کی گفتگو کو محفوظ رکھیں۔ اور اس کو اس کے من سب مقام پر رکھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم، اگر اللہ نے چاہا تو مدینہ میں سب سے پہلے میں ہی بیان کر دے گا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ذی الحجہ کے آخر میں مدینہ پہنچے، جب جمعہ کا دن آیا تو آفتاب کے ڈھلنے ہی ہم مسجد کی طرف جلدی سے روانہ ہوئے۔

یہاں تک کہ میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل کو منبر کے پتوں کے پاس بیٹھا ہوا پایا، میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا میرا مکان ان کے گھٹنے سے مل ہوا تھا، فوراً ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب آئے جب میں نے ان کو آتے ہوئے دیکھا تو میں نے سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے کہا کہ آج حضرت عمر ایک ایسی بات کہیں گے جو انہوں نے کبھی نہیں کہی ہوگی، جب سے ظیفہ ہوئے ہیں،

سعید نے میری بات سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے امید نہیں ہے کہ ایسی بات کہیں گے جو اس سے پہلے نہ کہی ہو، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ گئے، جب لوگ خاموش ہو گئے تو کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد بیان کی جس کا وہ مستحق ہے پھر کہا اما بعد، میں تم سے ایسی بات کہنے والا ہوں جس کا کہنا میرے مقدر میں نہ تھا، میں یہ نہیں جانتا کہ شاید یہ میری موت کے آگے ہو جس نے اسکو سمجھ اور یاد کیا تو وہ جہاں بھی پہنچے دوسروں سے بیان کرے اور جس شخص کو خطرہ ہو کہ وہ اس کو نہیں سمجھے گا تو میں کسی کے لئے حلال نہیں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے متعلق جھوٹ بولے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے اور ان پر اللہ نے اپنی کتاب نازل کی ہے اللہ نے جو آیت نازل کی اس میں رجم کی بھی آیت تھی، ہم نے اس کو پڑھا اور سمجھا اور محفوظ کیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی ان کے بعد سنگسار کیا، مجھے اندیشہ ہے کہ مدت دراز کے بعد ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک کہنے والا کہے گا کہ خدا کی قسم ہم آیت رجم کتاب اللہ میں نہیں پاتے وہ اس فرض کو چھوڑ کر گمراہ ہوگا جو اللہ نے نازل کیا ہے اور رجم کتاب اللہ میں زنا کرنے والے مرد و عورت پر جبکہ شادی شدہ ہوں واجب ہے بشرطیکہ گواہ قائم ہو جائیں یا حمل قرار پا جائے یا اقرار کرے، پھر ہم کتاب اللہ میں جو پڑھتے تھے اس میں یہ بھی تھا کہ تم اپنے باپوں سے نفرت نہ کرو کیونکہ تمہارا اپنے باپوں سے نفرت کرنا تمہارے لئے کفر ہے یا یہ فرمایا کہ بے شک تمہارے لئے یہ کفر ہے کہ تم اپنے باپوں سے نفرت کرو، پھر سن لو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں مبالغہ نہ کرو، جس طرح عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا گیا ہے اور تم صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہو پھر کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم میں سے کوئی کہتا ہے کہ خدا کی قسم اگر عمر مرجائیں تو میں فلاں کی بیعت کر لوں تمہیں کوئی شخص یہ کہہ کر دھوکہ نہ دے کہ ابوبکر کی بیعت اتفاقاً تھی اور پھر پوری ہوگئی، سن لو کہ وہ ایسی ہی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

اور تم میں سے کوئی شخص نہیں ہے جس میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی فضیلت ہو،

جس شخص نے کسی کے ہاتھ پر مسلمانوں سے مشورہ کئے بغیر بیعت کر لی تو اس کی بیعت نہ کی جائے۔ اس خوف سے کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے جس وقت اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وفات دے دی تو اس وقت وہ ہم سب سے بہتر ہے۔ مگر انصار نے ہماری مخالفت کی اور سارے لوگ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور حضرت علی دزپیر نے بھی ہماری مخالفت کی اور ہاجرین ابوبکر کے پاس جمع ہوئے تو میں نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اے ابوبکر ہم لوگ اپنے انصار بھائیوں کے پاس ہیں، ہم لوگ انصار کے پاس جانے کے ارادے سے چلے جب ہم ان کے قریب پہنچے تو ان میں سے دو نیک بخت آدمی ہم سے ملے، ان دونوں نے وہ بیان کیا جس کی طرف وہ لوگ مائل تھے پھر انہوں نے پوچھا اے جماعت مہاجرین کہاں کا قصد ہے ہم نے کہا کہ اپنے انصار بھائیوں کے پاس جانا چاہتے ہیں انہوں نے کہا ہم تمہارے لئے مناسب نہیں کہ ان کے قریب جاؤ تم اپنے امر کا فیصلہ کر دو میں نے کہا کہ خدا کی قسم ہم ان کے پاس جائیں گے چنانچہ ہم چلے یہاں تک کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہم ان کے پاس پہنچے تو ایک آدمی کو ان کے درمیان دیکھا کہ مکمل میں لپٹا ہوا ہے میں نے کہا یہ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ سعد بن عبادہ، میں نے کہا کہ ان کو کیا ہوا لوگوں نے عرض کیا کہ ان کو بخار ہے ہم تھوڑی دیر بیٹھے تھے کہ ان کا خضیب گلہ شہادت پڑھنے لگا اور اللہ کی حمد و ثناء کرنے لگا جس کا وہ سر اوار ہے۔

پھر کہا اما بعد، ہم اللہ کے انصار اور اسام کے لشکر ہیں اور تم اے مہاجرین وہ مردہ ہو کہ تمہاری قوم کے کچھ آدمی فقر کی حالت میں اس راہ سے نکلے کہ ہمیں ہماری جماعت کو جڑ سے جدا کر دیں اور ہماری حکومت ہم سے لے لیں۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے بولنا چاہا، میں نے ایک بات سوچی رکھی کہ جس کو میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیان کرنا چاہتا تھا۔ اور میں ان کا ایک حد تک حاذق کرتا تھا، جب میں نے بولنا چاہا تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گفتگو وہ مجھ سے زیادہ بردبار اور باوقار تھے۔ خدا کی قسم جو بات میری سمجھ میں اچھی معلوم ہوتی تھی اسی طرح یا اس سے بہتر چیز یہ میں فی البدیہہ بیان کی یہاں تک کہ وہ چپ ہو گئے انہوں نے کہا کہ تم لوگوں نے جو خوبیاں بیان کی ہیں تم ان کے اہل ہو لیکن یہ امر (خلافت) صرف قریش کے لئے مخصوص ہے یہ لوگ عرب میں نسب اور گھر کے لحاظ سے اسط ہیں میں تمہارے لئے ان دو آدمیوں میں ایک سے راضی ہوں ان دونوں میں کسی سے بیعت کر لو،

چنانچہ انہوں نے میرا اور ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا اور وہ ہمارے درمیان بیٹھے ہوئے تھے (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں) مجھے اس کے علاوہ انکی کوئی بات ناگوار نہ ہوئی، خدا کی قسم میں اس جماعت کی سرداری پر جس میں ابوبکر ہوں اپنی گردن اڑائے جانے کو ترجیح دیتا تھا، یا اللہ مگر میرا یہ نفس موت کے وقت مجھے اس چیز کو اچھا کر دکھائے جس کو میں اب نہیں پاتا ہوں انصار میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ ہم اس کی جزا اور اس کے بڑے ستون ہیں اے قریش ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے شور و غل زیادہ ہو اور آوازیں بلند ہوئیں یہاں تک کہ مجھے اختلاف کا خوف ہو میں نے کہا اے ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھائیے، انہوں نے

اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان سے بیعت کی اور وہ جبرین نے بھی بیعت کی پھر انصار نے ان سے بیعت کی اور ہم سعد بن عبادہ پر غائب آ گئے،

کسی کہنے والے نے کہا کہ تم نے سعد بن عبادہ کو قتل کر ڈالا، میں نے کہا اللہ نے سعد بن عبادہ کو قتل کیا، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جو معاملہ ہوا تھا ہمیں اندیشہ ہوا کہ اگر ہم قوم سے جدا ہوئے اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہ کی تو یہ لوگ ہمارے پیچھے کسی کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے اس صورت میں یا تو ہم کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں جو ہماری مرضی کے خلاف ہو یا ہم اس کی مخالفت کرتے اور نفاذ ہوتا، جس نے مسلمانوں کے مشورے کے بغیر کسی سے بیعت کی اسکی ہیروئی نہ کی جائے نہ اور اسکی جس نے بیعت کی اس خوف کو وہ قتل کئے جائیں گے۔

غیر مقلدین میں اگر کچھ سمجھ بوجھ ہے بخاری شریف اس حدیث پر غور کریں اور اگر ان کو سمجھ نہ آئے تو پھر دین میں تفرقہ بازی کرنے سے ان کو باز رہنا چاہیے۔ جبکہ ان کے اعتراضات و خرافات کا تحقیقی جواب ہم شرح ہدایہ کے پانچویں جلد کتاب النکاح میں ذکر آئے ہیں۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1745، حدیث متواتر حدیث مرفوع)

فرج کے سوا الجبیہ سے جماع کرنے کا بیان

(وَمَنْ وَطِئَ أَجْنَبِيَّةً فِيمَا دُونَ الْفَرْجِ يُعْزَرُ) لِأَنَّهُ مُنْكَرٌ لَيْسَ فِيهِ شَيْءٌ مُّقَدَّرٌ وَمَنْ أَتَى امْرَأَةً فِي الْمَوْضِعِ الْمَكْرُوهِ أَوْ عَمِلَ عَمَلٌ لَوْطٍ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَيُعْزَرُ، وَزَادَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ: وَيُؤَدَّعُ فِي السَّجْنِ، وَقَالَ: هُوَ كَالزَّانَا فَيَحْدُ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلَيْ الشَّافِعِيِّ، وَقَالَ فِي قَوْلٍ يُقْتَلَانِ بِكُلِّ حَالٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "أَقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ" وَيُرْوَى "فَارْجُمُوا الْأَعْلَى وَالْأَسْفَلَ" وَلَهُمَا أَنَّهُ فِي مَعْنَى الزَّانَا لِأَنَّهُ قِضَاءُ الشَّهْوَةِ فِي مَحَلٍّ مُشْتَهَى عَلَى سَبِيلِ الْكَمَالِ عَلَى وَجْهِ تَمَحُّصٍ خَرَامًا لِقَصْدِ سَفْحِ الْمَاءِ.

وَلَهُ أَنَّهُ لَيْسَ بِزَنًا لِاخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فِي مُوجِبِهِ مِنَ الْإِحْرَاقِ بِالنَّارِ وَهَذَا الْجِدَارِ وَالتَّنْكِيسِ مِنْ مَكَانٍ مُرْتَفِعٍ بِاتِّبَاعِ الْأَخْبَارِ وَغَيْرِ ذَلِكَ، وَلَا هُوَ فِي مَعْنَى الزَّانَا لِأَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ إِصَاعَةُ الْوَلَدِ وَاشْتِبَاهُ الْأَنْسَابِ، وَكَذَا هُوَ أَدْرُ وَفَوْعًا لِإِنْعِدَامِ الدَّاعِي مِنْ أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ وَالدَّاعِي إِلَى الزَّانَا مِنَ الْجَانِبَيْنِ. وَمَا رَوَاهُ مَحْمُودٌ عَلَى السَّيَاسَةِ أَوْ عَلَى الْمُسْتَحِلِّ إِلَّا أَنَّهُ يُعْزَرُ عِنْدَهُ لِمَا بَيَّنَّاهُ

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی اجنبی عورت سے اس کی فرج کے علاوہ جماع کیا تو اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ فرج کے سوا میں جماع کرنا منع ہے لیکن اس کیلئے کوئی سزا معین نہیں ہے۔ اور جس شخص اپنی بیوی کی مقعد میں جماع کیا یا قوم لوط کا عمل کیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر کوئی حد نہیں ہے مگر اس کو سزا دی جائے گی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ اس کو قید میں رکھا جائے گا اور صاحبین نے کہا ہے کہ لواطت زنا کی طرح ہے ہذا لوطی پر حد واجب ہوگی۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے دونوں اقوال میں سے ایک قول اسی طرح ہے۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ہر حالت میں دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کرو۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اوپر والے اور نیچے والے دونوں کو جرم کر دو۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے لواطت زنا کے حکم میں ہے کیونکہ لواطت میں پورے طور مقام شہوت سے شہوت پوری کی جاتی ہے اور منی بہانے کا طریقہ صرف اور صرف حرام ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ لواطت زنا نہیں ہے کیونکہ اس کی سزا کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے کہ اس کو آگ میں جھرایا جائے یا پھر اس پر دیوار گرائی جائے یا کسی بلند جگہ سے اوندھے منہ گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں۔ اور لواطت زنا کے حکم میں بھی نہیں ہے کیونکہ اس میں بچے کو ضائع ہونا بھی نہیں ہے اور نسب میں اشتباہ بھی نہیں ہے اور یہ عمل تنہائی نادر ہے کیونکہ اس میں داعی ایک جانب سے معدوم ہوتا ہے جبکہ زنا میں داعی دونوں اجانب سے ہوتا ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث سیاست مدنیہ پر محمول کی جائے گی۔ یا پھر وہ روایت اس فعل کو حلال سمجھ کر کرنے والے کے بارے میں ہوگی۔ البتہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس شخص کو سخت سے سخت سزا دی جائے گی اس کی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

لوطی کی حد میں مذاہب اربعہ

لواطت کرنے والے کی حد کے متعلق اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک لواطت پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہاں امام المسلمین جس قسم پر اور جس قدر مصلحت سمجھے بطور تعزیر سزا جاری کر سکتا ہے۔

امام شافعی کا طہر قول ہے کہ فاعل پر حد زنا جاری ہوگی اور مفعول پر سو کوڑے ہیں۔ امام شافعی کا دوسرا قول یہ ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کیا جائے گا، جیسا کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس شخص کو قوم لوط کا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو۔ (ترمذی، ابن ماجہ، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک لواطت کرنے والے کو سنگسار کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس کو قوم لوط جیسا عمل کرتے پاؤ تو فاعل اور

مفعول دونوں کو قتل کر دو اس باب میں حضرت جابر اور ابو ہریرہ سے بھی احادیث منقول ہیں اس حدیث کو ہم ابن عباس کی روایت سے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے اس حدیث کو عمرو بن ابی عمر سے روایت کیا ہے اور فرمایا قوم لوط کا معاملہ کرنے والا ملعون ہے قتل کا ذکر نہیں کیا اور یہ بھی مذکور ہے کہ چوپائے سے بد فعلی کرنے والا بھی ملعون ہے۔ عاصم بن عمرو بن سہیل بن ابی صالح سے وہ اپنے والد سے اور وہ ابو ہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔

اس حدیث کی سند میں کلام ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اس حدیث کو عاصم کے علاوہ کسی اور نے بھی سہیل بن ابی صالح سے روایت کیا ہو عاصم بن عمر حفظ کے اعتبار سے حدیث میں ضعیف ہیں لوطی عمل کرنے والے کی سزا کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اسے سنگ رکی جائے خواہ وہ شادی شدہ یا غیر شادی شدہ۔ امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا بھی یہی قول ہے بعض علماء و فقہاء تابعین، حسن، بھری، ابراہیم نخعی اور عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ لواطت کرنے والے پر اسی طرح حد جاری کی جائے جس طرح زانی پر حد جاری کی جاتی ہے۔ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے۔

(جامع ترمذی: جداول۔ حدیث نمبر 1498)

لواطت کا جرم سب جرائم سے بڑا، اور سب گنہوں سے سب سے زیادہ قبیح گناہ ہے، اور افعال میں سے غلط ہے، اس کے مرتکب افراد کو اللہ تعالیٰ نے وہ سزا دی ہے جو کسی اور امت کو نہیں دی، اور یہ جرم فطرتی گراوٹ، اور بصیرت کے اندھے پن، اور عقلی کمزوری، قلت دین پر دلالت کرتا ہے، اور ذمت و پستی کی علامت، اور محرومی کا زینہ ہے، اللہ تعالیٰ سے ہم عافیت و معافی طلب کرتے ہیں۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: اور جب لوط (عبید اسلام) نے اپنی قوم کو کہا کیا تم ایسی فحاشی کرتے ہو جو تم سے قبل کسی نے بھی نہیں کی، یقیناً تم عورتوں کی بجائے مردوں سے شہوت والے کام کرتے ہو، بلکہ تم تو حد سے بڑھی ہوئی قوم ہو، اس کی قوم کا جواب تھا کہ اسے تم اپنی ہستی سے نکال باہر کرو یہ پاکباز لوگ بنے پھرتے ہیں، تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی، مگر اس کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی، اور ہم نے ان پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی، تو آپ دیکھیں کہ مجرموں کا انجام کیا ہوا۔ (الأعراف: 84 - 80)

اور ایک دوسرے مقام پر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان کچھ اس طرح ہے۔ تیری عمر کی قسم یقیناً یہ تو اپنی مدہوشی میں حیران پھرتے ہیں تو انہیں صبح کے وقت ایک چنگاڑنے پکڑو، اور ہم نے ان کی بستی کا اوپر والا حصہ نیچے کر دیا، اور ہم نے ان پر آسمان سے سنگروں کی بارش برسائی، یقیناً اس میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں، اور یہ باقی رہنے والی راہ ہے۔ (الحجر: 76 - 72)

اس کے علاوہ کئی ایک آیات اور بھی ہیں۔ ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے

کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم جسے قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو"

سنن ترمذی حدیث نمبر (1456) سنن ابوداؤد حدیث نمبر (4462) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2561) علامہ ابی نے صحیح ترمذی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اور مسند احمد میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی یہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قوم لوط جیسا عمل کرنے والے پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے، اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت فرمائے جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، یہ تین بار فرمایا"

مسند احمد حدیث نمبر (2915) مسند احمد کی تحقیق میں شیخ شعیب ادارنا و لوط نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ اور صحابہ کرام کا لوطی عمل کرنے والے کو قتل کرنے پر اجماع ہے، لیکن اسے قتل کرنے کے طریقہ میں اختلاف کیا ہے۔

ان میں سے بعض صحابہ کرام تو اسے جلا کر قتل کرنے کے قائل ہیں مثلاً علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی یہی قول ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

اور ان میں سے بعض کی رائے ہے کہ اسے اونچی جگہ سے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں مثلاً ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہی ہے۔

اور بعض صحابہ کرام اسے پتھروں سے رجم کرنے کے قائل ہیں حتیٰ کہ وہ ہلاک ہو جائے، یہ بھی ابن عباس اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

اور ان میں سے بعض کا قول ہے کہ اسے قتل کیا جائیگا چاہے وہ کسی بھی حالت میں ہو، شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔ اور کچھ کا قول ہے کہ: بلکہ زانی جیسی سزا دی جائیگی، اگر تو شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائیگا، اور اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے کوڑے مارے جائیگے۔

اور بعض کا قول ہے کہ: اسے شدید قسم کی وہ تعزیر لگائی جائیگی جسے حکمران مناسب سمجھے۔ اس مسئلہ میں ابن قیم رحمہ اللہ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے فقہاء کرام کے دلائل بیان کرنے کے بعد اس کا مناقشہ بھی کیا ہے، اور پہلے قول کی تائید کی ہے، انہوں نے اس فاحش اور مفکر کام کا علاج اپنی کتاب "الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الثانی" میں تفصیلاً بیان کیا ہے، یہاں ہم ان کی کلام کا کچھ حصہ ذکر کرتے ہیں: "اور جب لواطت سب فساد اور خرابیوں سے زیادہ بڑی تھی تو دنیا و آخرت میں اس کی سزا بھی سب سزائوں سے بڑی ہوئی۔ اس کی سزا میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ آیا اس کی سزا تاس سے بڑی ہے یا کہ زنا کی سزا بڑی ہے، یا دونوں کی سزا برابر ہے؟

اس میں تین قول پائے جاتے ہیں: ابو بکر صدیق اور علی بن ابی طالب، اور خالد بن ولید، اور عبد اللہ بن زبیر، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اور امام مالک، اسحاق بن راہویہ، اور امام احمد اصح ترین روایت میں، اور امام شافعی اپنے ایک قول میں اس طرف گئے ہیں کہ اس کی سزا تاس سے زیادہ سخت ہے، اور ہر حالت میں اس کی سزا قتل ہے، چاہے شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ۔

لوٹی کی حد میں فقہی مذاہب کی تفصیل کا بیان

اور امام شافعی ظاہر مذہب، اور امام احمد دوسری روایت میں یہ کہتے ہیں کہ اس کی سزا اور زنی کی سزا برابر ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے کہ اس کی سزا زانی کی سزا سے کم ہے اور وہ تعزیر ہے۔

خراہیوں اور فساد میں لواطت سے بڑھ کر کوئی خراہی اور فساد نہیں جو کفر کی خراہی سے ملتی ہے، اور بعض اوقات تو اس قتل سے بھی بڑھ کر ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ بیان بھی کرینگے۔

ان کا کہنا ہے: اللہ تعالیٰ نے قوم لوط سے قبل کسی بھی قوم کو اس میں مبتلا نہیں کیا، ورنہ ہی انہیں یہی سزا دی جو کسی وراثت کو نہیں دی گئی، اور ان کو کوئی قسم کی سزا دی گئی، جن میں ان کی بدست کے ساتھ ساتھ ان کے گھروں کو ان پر انڈ کر گران، اور انہیں زمین میں دھنسنے کے ساتھ ساتھ آسمان سے پتھروں کی بارش کرنا، اور انہیں کی گتھوں کو پھوڑ کر رکھ دینا، اور ان کا عذاب مستقل کرنا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کا انجام ایسا کیا اور انہیں وہ سزا دی جو کسی اور کو نہیں دی۔

یہ اس عظیم جرم کی بنا پر تھی جس کی بنا پر قریب تھا کہ زمین پر اس عمل کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے زمین ہٹے لگتی، اور جب فرشتے اس کا مشاہدہ کرتے تو اہل زمین پر عذاب نازل ہونے کی ذرہ سے وہ آسمان کی طرف بھاگ نکلتے کہ کہیں وہ بھی عذاب سے دوچار نہ ہو جائیں، اور زمین اپنے پروردگار کے سامنے احتجاج کرتے لگتی، اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہل پڑتے۔

بدفعی کیے جانے والے شخص کے لیے بہتر ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے، کیونکہ جب کوئی شخص اس کے ساتھ بدفعی کرتا ہے تو اسے وہ یہ قتل کرتا ہے جس کے ساتھ زندگی کی امید ہی نہیں کی جاسکتی، بخلاف اس شخص کے جسے وہ قتل کر دے تو وہ مظلوم اور شہید ہوتا ہے، اس کی دلیل (یعنی لواطت قتل سے بھی بڑی خراہی اور فساد ہے) یہ ہے کہ اللہ ہی نہ تعالیٰ نے قتل کی حد کو مقتول کے ولی کے اختیار میں رکھا ہے چاہے تو وہ اسے معاف کر دے، اور چاہے تو اس سے قصاص لے، لیکن لواطت کی حد کو حتی طور پر قتل ہی قرار دیا ہے، جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے، اور سنت نبویہ بھی اس کی صراحت کرتی ہے، اور اس کا کوئی مخالف نہیں، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام، دوران کے خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرب کے ایک علاقے میں دیکھا کہ ایک مرد کے ساتھ وہی کچھ کیا جاتا ہے جس طرح عورت کے ساتھ تو انہوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا، چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، تو اس کے متعلق ان سب میں زیادہ شدید قول علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا، وہ کہنے لگے: ایسا فعل تو صرف ایک امت نے کیا تھا، اور تمہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا، میری رائے ہے کہ انہیں آگ میں جلا کر رکھ دیا جائے، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انہیں جلا کر رکھ کر دینے کا لکھا۔

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے: ہستی اور شہر میں سب سے اونچی عمارت دیکھ کر لواطت کرنے والے شخص کو اس سے گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائینگے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس حد کو قوم لوط کے عذاب سے اخذ کیا ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہیں کہ: "جسے تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو"

اسے اہل سنن نے روایت کیا ہے، اور ابن حبان وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس حدیث سے جہت اور دلیل پکڑی ہے، اور اس کی سند بخاری کی شرط پر ہے۔ وہ کہتے ہیں: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ: "اللہ تعالیٰ قوم لوط والا عمل کرنے والے پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ قوم لوط والا عمل کرنے والے پر لعنت کرے، اللہ تعالیٰ قوم لوط والا عمل کرنے والے پر لعنت کرے" (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایک ہی حدیث میں زانی پر تین بار لعنت نہیں آئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبیرہ گناہوں کے مرتکب افراد پر لعنت تو کی ہے، لیکن ایک بار سے زیادہ سے تجاوز نہیں کیا، اور لواطت کے متعلق تین بار تکرار کے ساتھ لعنت کی ہے۔

اور پھر صحابہ کرام نے اس کے قتل پر عمل بھی کیا ہے، اور اس میں کسی بھی دو صحابیوں کا اختلاف نہیں، بلکہ اسے قتل کرنے کے طریقہ کار میں ان کا اختلاف پایا جاتا ہے، جسے بعض افراد نے اسے قتل کرنے میں اختلاف سمجھا ہے، تو اسے صحابہ کرام کے مابین نزاعی مسئلہ بیان کیا ہے، حالانکہ یہ تو ان کے مابین مسئلہ اجماع ہے نہ کہ مسئلہ نزاع۔

ان کا کہنا ہے: "اور جو کوئی بھی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے درج ذیل فرمان ۷: اور تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، کیونکہ یہ فحاشی اور غضب کا باعث ہے، اور برار اسے ہے۔

اور لواطت کے متعلق فرمان باری تعالیٰ ۷: تو کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو جو تم سے قبل جہان والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔

پر غور و فکر اور تامل کیا تو اس کے سامنے ان دونوں کے مابین فرق واضح ہو جائیگا، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے زنا کو کفر و ذکر کیا ہے، یعنی وہ فحش کاموں میں سے ایک فحش کام ہے، اور اسے لواطت میں معرّفہ ذکر کیا ہے، جو فحاشی کے تمام معانی کو اپنے اندر جمع کرنے کا فائدہ دے رہا ہے، جیسے آپ کہیں کہ: نذید الرجل، اور نعم الرجل زید۔

یعنی: تم اس خصلت کا ارتکاب کر رہے ہو جس کی فحاشی ہر شخص کے ہاں مقرر ہے، جس میں اس کی فحاشی اور کمال بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہتی، اس لیے کہ اسم کسی اور کی طرف منصرف نہیں ہو سکتا۔ الجواب الکافی (۲۶۳ - ۲۶۰) اور شیخ الاسلام کہتے ہیں: "لواطت کے بارہ میں بعض علماء کرام کا قول ہے کہ اس کی حد زنا کی حد جیسی ہی ہے، اور اس کے علاوہ اور قول بھی کہا گیا ہے۔

لیکن صحیح بات اور جس پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ: اوپر اور نیچے والے دونوں کو ہی قتل کر دیا جائیگا، چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، کیونکہ اہل سنن نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے بھی تم قوم لوط والا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو" اور ابو داؤد نے کنوارے

لواطت کرنے والے شخص کے متعلق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "اسے رجم کیا جائیگا"

اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس جیسی روایت بیان کی جاتی ہے، لواطت کرنے والے شخص کو قتل کرنے میں صحابہ کرام کے مابین کوئی اختلاف نہیں، لیکن اسے قتل کرنے کے کئی ایک طریقے بیان کیے ہیں۔

چنانچہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے جلانے کا حکم دیا تھا، اور ان کے علاوہ دوسروں سے قتل کرنے کا بیان کیا جاتا ہے۔ اور بعض سے بیان کیا جاتا ہے کہ: اس پر دیوار گرا دی جائے گی حتیٰ کہ وہ ہدک ہو جائے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ: انہیں گندی اور بد بودار جگہ پر قید کیا جائیگا حتیٰ کہ وہ مر جائیں۔

اور بعض کہتے ہیں: اسے بہتی میں سب سے اونچی دیوار پر چڑھا کر اسے نیچے گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیگا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے ساتھ کیا تھا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت یہی ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ اسے رجم کیا جائیگا، اکثر سلف کا مسلک یہی ہے۔

ان کا کہنا ہے: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کو رجم کیا تھا، اور قوم موہ سے مثلاً بہت میں زانی کو رجم کرنا مشروع کیا ہے، تو اس لیے دونوں کو رجم کیا جائیگا، چاہے وہ آزاد ہو یا غلام، یا ان میں سے ایک غلام اور دوسرا آزاد ہو، جب دونوں بالغ ہوں تو انہیں رجم کیا جائیگا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک نابالغ ہو تو اسے قتل سے کم سزا دی جائے گی، اور صرف بالغ کو ہی رجم کیا جائیگا۔

(السیاسة الشرعية صفحہ ۱۳۸)

دوم: جس کے ساتھ لواطت کی جائے وہ بھی فاعل کی طرح ہی ہے، کیونکہ وہ دونوں فحش کام میں شریک ہیں، تو اس لیے ان کی سزا قتل ہے جیسا کہ حدیث میں بھی وارد ہے، لیکن اس سے دو صورتیں مشتق ہوگی:

پہلی صورت: جسے زدکوب کر کے یا قتل وغیرہ کی دھمکی دے کر لواطت کرنے پر مجبور کیا گیا ہو، تو اس پر کوئی حد نہیں۔

شرح منتهی الارادات میں درج ہے: "جس شخص کے ساتھ لواطت کی گئی ہے اگر وہ مکرمہ ہو اور اسے قتل کر دینے دھمکی دے کر یا زدکوب کر کے مجبور کیا گیا ہو یا لواطت کرنے والا شخص اس پر غائب آگیا ہو تو اس پر کوئی حد نہیں۔ شرح منتهی الارادات (۳/ 348)۔

دوسری صورت: جس کے ساتھ لواطت کی گئی ہے اگر وہ چھوٹا بچہ ہو یا بھی بالغ نہیں ہو تو اس پر کوئی حد نہیں، لیکن اسے تعزیر لگائی جائے گی ادب سکھایا جائیگا جس سے اس عمل کو روکنے میں مدد ملے،

اور ابن قدامہ رحمہ اللہ نے "المغنی" میں نقل کیا ہے کہ: "مجنون اور بچہ جو بالغ نہیں ہوا اسے حد نہ لگانے میں علماء کرام کا کوئی اختلاف نہیں۔ (المغنی ابن قدامہ ۹/ 62)

جانور سے وطی کا زنا کے حکم میں نہ ہونے کا بیان

(وَمَنْ وَطِئَ بِبَيْمَةٍ لَا حَدَّ عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الزَّانَا فِي كَوْنِهِ جَنَائَةً وَفِي وُجُودِ الدَّاعِي لِأَنَّ الطَّنْعَ السَّلِيمَ يَنْفِرُ عَنْهُ وَالْحَامِلُ عَلَيْهِ نِهَایَةَ السَّقْفِ أَوْ قَرَطُ الشَّيْبِ وَلِهَذَا لَا يَجِبُ سَتْرُهُ إِلَّا أَنَّهُ يُعْزَرُ لِمَا بَيَّنَّاهُ، وَالَّذِي يُرَوَّى أَنَّهُ تَذَبَّعَ الْبَيْمَةُ وَتُحَرِّقُ فَلَوْلِكَ لِقَطْعِ التَّحَدُّثِ بِهِ وَلَيْسَ بِوَاجِبٍ

ترجمہ

اور جس نے کسی جانور سے وطی کی تو اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس میں جنائیت کے ہونے اور داعی کے موجود ہونے میں زنا کا حکم نہیں پایا جا رہا۔ کیونکہ فطرت سلیمہ اس سے نفرت کرنے والی ہے۔ اور اس کام پر تیار کرنے والی یا تو انتہائی بے وقوفی ہے یا پھر شہوت کی شدت ہے۔ اور اسی دلیل یعنی عدم رغبت کے سبب ان کی شرمگاہوں کو چھپانا واجب نہیں ہے۔ جبکہ وطی کرنے والے کو سزا دی جائے گی اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور یہی وہ روایت کہ اس جانور کو ذبح کر کے جلا دیا جائے تو اس کا معاملہ ختم کرنے کے سبب سے ہے اور یہ واجب نہیں ہے۔

جانور سے وطی کرنے والے پر عدم حد میں مذاہب اربعہ

جس چوپائے کے ساتھ لواطت کی گئی ہو اس جانور کو قتل کر دیا جائیگا، اور اس کا گوشت نہیں کھایا جائیگا، اور اگر وہ جنسی زیادتی کرنے والے شخص کی ملکیت ہو تو اس کی کوئی ضمان نہیں، لیکن اگر کسی دوسرے کی ملکیت ہو تو اسے اس جانور کی ضمان اور قیمت بھی ادا کرنا ہوگی۔ اور بد فعلی کرنے والے شخص کو تعزیر لگائی جائے گی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائیگا، کیونکہ اس میں درج ذیل حدیث وارد ہے، لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

عمرہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے تم کسی چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے پاؤ تو اسے قتل کر دو، اور چوپایا بھی قتل کر دو" ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا گیا: چوپائے کو قتل کیوں کیا جائیگا؟ تو انہوں نے فرمایا: اس سلسلہ میں میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہیں سنا، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند کیا کہ اس کا گوشت کھایا جائے، یا اس سے نفع اٹھایا جائے، اور اس سے ایسی بد فعلی کی گئی ہو۔ سنن ترمذی حدیث نمبر (1455) سنن ابوداؤد حدیث نمبر (4464) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر (2564) اس حدیث کو ابو داؤد اور طحاوی نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کے بعد کہا ہے: اور سفیان ثوری نے عاصم سے اور انہوں نے ابو یزید سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کیا ہے کہ: "جو چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں

ہیں یہ محمد بن بشار نے عبدالرحمن بن مہدی سے اور وہ سفیان ثوری سے بیان کیا ہے، اور پہلی حدیث سے یہ زیادہ صحیح ہے، اور اہل علم کے ہاں عمل بھی اسی پر ہے، اور امام احمد اور اسحاق کا قول بھی یہی ہے۔

"جمہور فقہاء کا مسک ہے کہ چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرنے والے پر کوئی حد نہیں، لیکن اس پر تعزیر لگائی جائیگی، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ: جو چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرے اس پر کوئی حد نہیں"

اور اس طرح کا قول توقیف سے ہی کہا جاسکتا ہے، اور اس لیے کہ سلیم الطبع اس کا انکار کرتی ہیں، تو حد گانے کی دلیل نہیں مل سکتی، اور شافعیہ کا قول ہے: اسے زنا کی حد لگائی جائیگی، اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

اور شافعیہ کا ایک دوسرا قول یہ ہے: اسے مطلقاً قتل کیا جائیگا، چاہے وہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ ہو۔ اور جمہور فقہاء (احناف، مالکیہ، شافعیہ) کا مسک ہے کہ: چوپایہ قتل نہیں کیا جائیگا، اور اگر قتل کر دیا جائے تو بغیر کسی کراہت کے کھانا جائز ہے، مالکیہ اور شافعیہ کے ہاں اگر وہ کھائے جانے والے چانور میں سے ہو، اور ابو یوسف اور محمد نے اسے کھانے سے منع کیا ہے، ان کا کہنا ہے: اسے ذبح کر کے جلادیا جائیگا۔

اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس کی اجازت دی ہے، اور احناف نے اس سے زندہ یا مردہ نفع لینے کی کراہت بیان کی ہے۔ اور حنابلہ کا مسک یہ ہے کہ: چوپایہ قتل کیا جائیگا چاہے وہ اس کی اپنی ملکیت ہو یا کسی دوسرے کی، اور چاہے کھایا جانے والا ہو یا نہ کھایا جانے والا۔

شافعیہ کے ہاں بھی یہی قول ہے، کیونکہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے: "جو چوپائے سے بد فعلی کرے اسے قتل کر دو، اور چوپایہ بھی قتل کر دو"

اور شافعیہ کے ہاں ایک اور قول بھی ہے: اگر کھایا جانے والا ہو تو اسے ذبح کیا جائیگا، اور اگر کھائے جانے والی جنس میں سے ہو تو انہوں نے اسے کھانے کی حرمت صراحت سے بیان کی ہے۔ (الموسوعة الفقهية (24) / 33)

"اور اگر انسان کسی چوپائے سے بد فعلی کرے تو اسے تعزیر لگائی جائیگی، اور جانور قتل کر دیا جائیگا کیونکہ وہ حرام اور مردار ہے، اور اگر وہ جانور اس کی اپنی ملکیت ہو تو اس کا نقصان ہوگا، اور اگر کسی دوسرے کا ہو تو بد فعلی کرنے والا مالک کو اس کی قیمت ادا کرے گا اور ایک قول یہ بھی ہے: جو چوپائے سے بد فعلی کرے اسے قتل کر دیا جائیگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: تم مجھے چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کر دو، اور چوپایہ بھی قتل کر دو"

اور اس عموم سے اہل علم نے یہ اخذ کرتے ہوئے کہا ہے: چوپائے کی فرج کسی بھی حالت میں حلال نہیں تو یہ لواطت کی طرح ہوگا۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہے، اس لیے جب اہل علم کے ہاں یہ حدیث ضعیف تھی تو وہ دو چیزوں میں سے ہلکی اور خفیف کی طرف مائل ہوئے، اور وہ چوپائے کا قتل ہے، لیکن آدمی کو قتل نہیں کیا جائیگا؛ کیونکہ اس کی حرمت زیادہ عظیم ہے، لیکن آدمی کو اس

معصیت کی وجہ سے تعزیر لگائی جائیگی۔

اور عاقل عذرہ اور اصول ہے کہ: ہر اس معصیت و نافرمانی میں تعزیر واجب ہے جس میں حد نہ ہو، اور نہ ہی کفر رہ ہو۔

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: چوپائے کو قتل کرنے کی عت میں فقہاء کا اختلاف ہے اس لیے قتل کیا جائے گا کہ وہ ذی عقل ہے یا نہیں، اور جب اسے دیکھے گا تو اسے قتل یا آئے گا۔

ابن بطہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جسے تم چوپائے کے ساتھ بد فعلی کرتے ہوئے پاؤ اسے قتل کر دو، اور چوپائے کو قتل کر دو، لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چوپائے کا کیا قصور ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ اور یہ نہ کہا جائے" اور یہ بھی کہا گیا ہے: تاکہ وہ بد صورت مخلوق نہ بنے، اور ایک قول یہ بھی ہے: تاکہ

کھانا نہ جائے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی علت بیان کرتے ہوئے اسی طرح اشارہ کیا ہے۔

(المغنی ابن قدامہ (9) / 60)

جانور سے جماع کرنے پر حد نہیں آتی

درمختار جلد 2 ص 414، الغیری ج 2 ص 673، ہدایہ ج 2 ص 458، شرح وقایہ ص 331، کنز ص 192، (حدیث میں ہے کہ اس شخص اور جانور کو قتل کر دیا جائے) (حقیقۃ الفقہ ص 169)

الجواب

جانور کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے مگر اس کو زنا نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ زنا انسانی جنس سے ہوتا ہے اگر شادی شدہ انسان زنا کر ارتکاب کرے تو اسے رجم (سنگ سار) کیا جائے اگر غیر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سو کوڑے مارا جائیں گے لیکن اگر کوئی بد فطرت اور بد بخت انسان جانور کے ساتھ بد فعلی کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے گی، اور فقہ کی کتابوں میں جس طرح یہ مسئلہ موجود ہے یہ عینہ یہی مسئلہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف میں ص 313، و ترمذی

شریف ص 270، (ابواب الحدود) ابوداؤد و شریف ج 2 ص 265 (ابواب الحدود) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جانور کے ساتھ بد فعلی کرے تو اس پر حد نہیں باقی اس کا یہ مطلب لینا کہ زنا کی حد نہیں تو یہ فعل جائز ہوا۔

یہ زنی حماقت ہے دیکھیے گندگی کھانا اور خنزیر کھانا حرام ہے مگر کھانے والے پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اور فقہ کی کتابوں میں صریحاً موجود ہے کہ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے گی یعنی سخت سزا دی جائے جس کا ذکر مولف حقیقۃ الفقہ نے چھوڑ دیا ہے۔ اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور ان لوگوں کی ساری زندگی ہی جھوٹ بولنے میں صرف ہو جاتی ہے اور تعزیر کے طور پر

جانور کے ساتھ بد فعلی والے بد فطرت انسان کو حاکم وقت قتل کر دے جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بد فعلی کرنے والے انسان اور جانور جس کے ساتھ بد فعلی کی گئی ہے دونوں کو قتل کر دیا جائے معلوم ہوا کہ یہ قتل تعزیراً ہے۔

جانور سے طلی پر عدم حد میں غیر مقلدین کا موقف

غیر مقلدین حضرات کیا مام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: ويعزر من نكح بهيمة (الدور البهيمه) (ترجمہ) اور تعزیر لگائی جائے اس شخص کو جو جانور کے ساتھ بد فعلی کرتا ہے اس کی شرح میں غیر مقلدین حضرات کے مجدد نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں وقد وقع الاجماع على تحريم ايان البهيمه. (الروضة الندية شرح الدار البهيمه ص 361) اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جانور کے ساتھ بد فعلی کرنا حرام ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

ووجه ما ذكرنا من التعزير انه فعل محرماً مجمعاً عليه فاستحق العقوبة بالتعزير وهذا اقل ما يفعل به (الروضة الندية ص 261)

اور جو تعزیر کی ہم نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ باجماع مسلمین یہ فعل حرام ہے پس ایسا شخص مستحق تعزیر ہے اور گت درجہ سزا ہے جو اس شخص کو دی جائے گی۔

اور غیر مقلدین حضرات کے علاوہ وحید الزمان نے بھی نزل الابرار میں تعزیر کا ذکر کیا ہے کہ اس کا یہ مطلب سمجھا جاسکتا ہے کہ قاضی شوکانی، نواب صدیق خان، علامہ وحید الزمان غیر مقلدین جانور کے ساتھ بد فعلی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں؟؟؟؟ نہیں۔ اسی طرح فقہ وحدیث کی کتابوں میں حد کی نفی سے اس فعل کا جائز سمجھ لینا بہت بڑی خیانت وجہاقت ہے۔

ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی کر کھلا

دارالحرب کے زنا میں عدم حد کا بیان

(وَمَنْ زَنَى فِي دَارِ الْحَرْبِ أَوْ فِي دَارِ الْبَغْيِ ثُمَّ خَرَجَ إِلَيْنَا لَا يُقَامُ عَلَيْهِ الْحَدُّ) . وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ يُحَدُّ لِأَنَّهُ التَّزَمَ بِإِسْلَامِهِ أَحْكَامَهُ أَيْتَمَّا كَانَ مَقَامُهُ . وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ " (لَا تُقَامُ الْحُدُودُ فِي دَارِ الْحَرْبِ) " وَلَأنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْإِنْرَجَارُ وَوِلَايَةُ الْإِمَامِ مُنْقَطِعَةٌ فِيهِمَا فَيَعْرَى الْوُجُوبُ عَنْ الْفَالِدَةِ ، وَلَا تُقَامُ بَعْدَ مَا خَرَجَ لِأَنَّهَا لَمْ تَنْقَضْ مُوجِبَةً فَلَا تَنْقَلِبُ مُوجِبَةً .

وَلَوْ غَزَا مَنْ لَهُ وَلَايَةُ الْإِقَامَةِ بِنَفْسِهِ كَالْخَلِيفَةِ وَآمِيرٍ مَضْرُوعٍ عَلَى مَنْ زَنَى فِي مَعْسَكِهِ لِأَنَّهُ تَحْتَ يَدِهِ ، بِخِلَافِ آمِيرِ الْعُسْكَرِ وَالسَّرِيَّةِ لِأَنَّهُ لَمْ تَفَوْضْ إِلَيْهِمَا الْإِقَامَةُ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے دارالحرب میں زنا کیا یہ پھر وہ بغیوں کے دارالحرب سے نکل کر ہری جانب آگیا تو اس پر حد کو قائم نہ کیا جائے گا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد کو قائم کیا جائے گا۔ کیونکہ اسلام کے سبب اس نے اسلام کے احکام کو لازم کر لیا ہے اگرچہ وہ کہیں بھی ہو۔

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، دارالحرب میں حد کو قائم نہ کیا جائے۔ کیونکہ حد کو قائم کرنے کا مقصد رکن ہے اور مذکورہ دونوں داریں میں ولایت امام بھی نہیں ہے۔ پس حد کا وجوب مقصد سے خالی ہوگا۔ اور دارالحرب سے چلے جانے کے بعد اس پر حد کو قائم نہ کیا جائے گی۔ کیونکہ اس کا یہ عمل موجب حد بن کر منعقد نہیں ہوئی لہذا موجب بن کر تبدیل بھی نہ ہوگی۔ اور جب غزوہ میں کوئی ایسا بندہ ہے جس کو خود بہ خود حد قائم کرنے کی ولایت حاصل ہے جس طرح خلیفہ یا کسی شہر کا امیر ہو تو وہ شخص اس پر حد قائم کر سکتا ہے جو اس کے لشکر میں سے زنا کا ارتکاب کر بیٹھے۔ کیونکہ عسکری زنا کرنے والا اس کے ماتحت ہے جبکہ سر یہ اور لشکر میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان کی طرف حد کو قائم کرنے کا حکم سپرد نہیں کیا گیا ہے۔

شرح

حضرت سراج ابن ارحطہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ "غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہیں ہوگی۔" (اس روایت کو ترمذی، درامی، ابوداؤد، اور نسائی نے نقل کیا ہے لیکن ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں "غزوہ" کی بجائے "سفر" کا لفظ ہے۔

ابن مالک کہتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ جب اسلامی لشکر دارالحرب میں کفار سے برسر جہاد ہو اور امام وقت ان میں موجود نہ ہو بلکہ امیر لشکر ان کا کارپرداز ہو اور اس وقت (جہاد میں) کوئی شخص چوری کا مرتکب ہو جائے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، اس طرح دوسری حدود بھی جاری نہ کی جائیں۔ چنانچہ بعض فقہاء نے اس پر عمل کیا ہے اور اس کی بنیاد یہ احتمال ہے کہ مبادا وہ شخص (اس سزا کے خوف سے) دارالحرب ہی کو اپنا مستقل مسکن بنالے اور اس طرح وہ قتل و گمراہی میں مبتلا ہو جائے یا یہ خوف بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے مجاہدین میں بددلی اور تفرقہ نہ پیدا ہو جائے۔ طبری نے وضاحت کی ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کا یہ مسلک ہے۔ بعض حضرات نے یہ فرماتے ہیں کہ "غزوہ میں قطع ید کی سزا نافذ نہ ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسلامی لشکر کا کوئی فرد مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے اس میں سے کچھ چرائے تو اس کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں کیونکہ اس مال غنیمت میں اس کا بھی حق ہے۔ طبری کہتے ہیں ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں "سفر" کا جو لفظ مطلق نقل کیا گیا ہے اس کو مقید پر محمول کیا جائے یعنی "سفر" سے "سفر جہاد" مراد لیا جائے

مستأمن حربی کے زنا کرنے پر حد کا بیان

(وَإِذَا دَخَلَ حَرْبِي دَارَنَا بِأَمَانٍ فَرَزْنِي بِذِمَّتِي أَوْ زَنَى ذِمَّتِي بِحَرْبِيَّةٍ يُحَدُّ الدِّمَى وَالذِّمَّةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَلَا يُحَدُّ الْحَرْبِيُّ وَالْحَرْبِيَّةُ وَهُوَ قَوْلُ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ فِي الدِّمَى) يَعْنِي إِذَا زَنَى بِحَرْبِيَّةٍ ، فَأَمَّا إِذَا زَنَى الْحَرْبِيُّ بِذِمِّيَّةٍ لَا يُحَدُّانِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوَّلًا (وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ : يُحَدُّونَ كُلَّهُمْ) وَهُوَ قَوْلُهُ الْآخِرُ .

لَأَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْمُسْتَأْمِنَ التَّزَمَ أَحْكَامَنَا مُدَّةَ مُقَامِهِ فِي دَارِنَا فِي الْمَعَامَلَاتِ ، كَمَا أَنَّ الدِّمَى التَّزَمَهَا مُدَّةَ عُمُرِهِ وَلِهَذَا يُحَدُّ حَدَّ الْقَذْفِ وَيُقْتَلُ قِصَاصًا ، بِخِلَافِ حَدِّ الشُّرْبِ لِأَنَّهُ يَنْتَقِذُ بِبَاحَتِهِ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ مَا دَخَلَ لِلْقَرَارِ بَلْ لِحَاجَةٍ كَالْتِّجَارَةِ وَنَحْوِهَا فَلَمْ يَصِرْ مِنْ أَهْلِ دَارِنَا وَلِهَذَا يُمَكِّنُ مِنَ الرَّجُوعِ إِلَى دَارِ الْحَرْبِ وَلَا يُقْتَلُ الْمُسْلِمُ وَلَا الدِّمِيُّ بِهِ ، وَإِنَّمَا التَّزَمَ مِنَ الْحُكْمِ مَا يَرْجِعُ إِلَى تَحْصِيلِ مَقْصُودِهِ وَهُوَ حُقُوقُ الْعِبَادِ ؛ لِأَنَّهُ كَمَا طَمِعَ فِي الْإِنصَافِ يَلْتَزِمُ الْإِنصَافَ ، وَالْقِصَاصُ وَحَدُّ الْقَذْفِ مِنْ حُقُوقِهِمْ ، أَمَّا حَدُّ الزَّنا فَمَحْضُ حَقِّ الشَّرْعِ .

وَلِمُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ وَهُوَ الْفَرَقُ أَنَّ الْأَصْلَ فِي بَابِ الزَّنا فِعْلُ الرَّجُلِ وَالْمَرْأَةِ تَابِعَةٌ لَهُ عَلَى مَا نَذَرْنَاهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

فَأَمْتِنَاعُ الْحَدِّ فِي حَقِّ الْأَصْلِ يُوجِبُ امْتِنَاعَهُ فِي حَقِّ التَّبَعِ ، أَمَّا الْإِمْتِنَاعُ فِي حَقِّ التَّبَعِ لَا يُوجِبُ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْأَصْلِ .

نَظِيرُهُ إِذَا زَنَى الْبَالِغُ بِصَبِيَّةٍ أَوْ مَجْنُونَةٍ وَتَمَكَّنَ الْبَالِغَةُ مِنَ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ وَلَا بِأَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ فِيهِ أَنَّ فِعْلَ الْحَرْبِيِّ الْمُسْتَأْمِنِ زِنًا لِأَنَّهُ مُخَاطَبٌ بِالْحُرْمَاتِ عَلَى مَا هُوَ الصَّحِيحُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُخَاطَبًا بِالشَّرَائِعِ عَلَى أَصْلِنَا وَتَمَكَّنَ مِنَ فِعْلِهِ هُوَ زِنًا مُوجِبٌ لِلْحَدِّ عَلَيْهَا ، بِخِلَافِ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ لِأَنَّهُمَا لَا يُخَاطَبَانِ ، وَنَظِيرُ هَذَا

الْإِخْتِلَافِ إِذَا زَنَى الْمَكْرُوهَ بِالْمُطَاوِعَةِ تُحَدُّ الْمُطَاوِعَةُ عِنْدَهُ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ لَا تُحَدُّ .

ترجمہ

اور جب کوئی حربی امان لیکر دارالاسلام میں آگیا اور اس نے کسی ذمی عورت سے زنا کیا یا کسی ذمی مرد سے زنا کیا تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک ذمی اور ذمیہ پر حد جاری کی جائے گی۔ جبکہ حربی اور حربیہ پر حد جاری نہ ہوگی۔ اور ذمی آدمی کے بارے میں امام محمد علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے یعنی اس نے جب کسی حربیہ سے زنا کیا ہو۔ مگر جب کسی حربی نے کسی ذمیہ عورت سے زنا کیا ہے تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اس کے بعد فرمایا۔ کہ ان تمام پر حد جاری کی جائے گی۔ اور ان کا آخری قول یہی ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے مستأمن دارالاسلام میں آکر دوران مدت قیام میں اپنے اوپر اسلام کے احکام کو لازم کرنے والا ہے جس طرح ذمی زندگی بھر ان کو لازم کرتا ہے اسی دلیل کے سبب جب کوئی ذمی کسی پر بہتان لگائے تو اس پر حد نافذ جاری ہوتی ہے اور قصاص میں اس کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ شراب کی حد میں اس کیلئے ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ شراب کو حلال سمجھتا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حربی دارالاسلام میں مستقل طور پر رہنے والا کیلئے نہیں آنے والا بلکہ وہ تو کسی حاجت کیلئے آیا ہے جس طرح تجارت وغیرہ کے کام ہوتے ہیں پس وہ دارالاسلام کے رہنے والوں کی طرح نہ ہوگا کیونکہ اس میں واپس دارالحرب میں جانے کی قدرت ہے۔ اور اس کو قتل کرنے کے سبب کسی مسلمان یا ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا۔ پس اسی قدر اسلام کے احکام کو اپنے اوپر لازم کرنے والا ہے جس قدر اس کا مقصد حاصل ہو جائے۔ اور وہ بھی حقوق العباد ہیں کیونکہ جب اس نے انصاف کا لالچ دیکھایا ہے تو وہ انصاف دینے کیلئے بھی پابندی کرے گا اور قصاص اور حد قذف یہ حقوق العباد میں سے ہیں۔ جبکہ حد زنا شریعت کا حق ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ زنا کے باب میں اصل فعل مرد کا ہوتا ہے۔ جبکہ عورت کا عمل اس کے تابع ہوتا ہے جس کو ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔ لہذا اصل کے حق میں حد کو روکنا یہ تابع کے حق میں بھی حد کو روکنے کا حکم لازم کرنے والا ہے۔ جبکہ تابع کے حق میں حد کو روکنا یہ اصل کے حق میں حد کو روکنے والا نہیں ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

جس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی بالغ مرد نے کسی بچی یا پاگل عورت سے زنا کیا تو حد صرف بالغ پر ہوگی۔ اور بالغہ عورت کا بچہ یا مجنون کو اپنے آپ قدرت یعنی جماع کروانا بھی اسی مثال کے حکم میں ہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ حربی مستأمن کا عمل زنا ہے کیونکہ صحیح قول کے مطابق حربی بھی محرمات کا

مخاطب ہے۔ اگرچہ ہماری دلیل کے سبب وہ شرائع اسلام کا مخاطب نہیں ہے اور زنا کے عمل پر قدرت دینا ہی اس پر حد کو واجب کرنے والا ہے۔ جبکہ بچے اور مجنون میں ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ احکام شریعت کے مخاطب نہیں ہیں۔ اور اس اختلاف کی مثال یہ ہے کہ جب کسی مجبور شخص نے کسی ایسی عورت سے زنا کیا جو اس پر راضی تھی تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک اس عورت پر حد جاری کی جائے گی جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہ ہوگی۔

شرح

قاعدہ فقہیہ

اصل کے حق میں حد کو روکنے کا حکم لازم کرنے والا ہے۔ جبکہ تاج کے حق میں حد کو روکنے کا حکم لازم کرنے والا نہیں ہے۔

قاعدہ فقہیہ

فرع کیلئے یہ اہیت نہیں کہ اس سے اصل ثابت ہو جبکہ اصل میں یہ اہیت ہوتی ہے کہ اس سے فرع ثابت ہو جائے۔ (اصول شاشی)

اسکی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی باندی سے کہا کہ تجھے طلاق ہو اور اس نے اس سے آزادی کا ارادہ کیا تو یہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ آزادی اصل ہے اور طلاق اسکی فرع ہے اور فرع میں یہ صدحیت نہیں ہوتی کہ وہ اصل کو ثابت کرے، جبکہ اصل میں یہ صلاحیت ضرور ہوتی ہے کہ وہ فرع کو ثابت کرے۔

اصل اور خلیفہ کے مقاصد میں عموم متحد ہوتا ہے قاعدہ فقہیہ

اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہر وہ عمل جس کی اباحت کسی اصل پر موقوف ہو جیسے نماز اور مس قرآن کیسے وضو ہے اور وضو کا خلیفہ تیمم ہے ہذا جس طرح وضو کی طہارت عام ہے کہ ایک وضو سے ہر قسم کی نمازیں اور مس قرآن کی اباحت ثابت ہوتی ہے اسی طرح تیمم سے بھی طہارت عام حاصل ہے لہذا ایک تیمم سے ہر طرح کی نمازیں اور قرآن پاک کو چھونا جائز ہے۔ اس قاعدہ کا ثبوت یہ حکم ہے۔

ترجمہ: اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاکیزہ مٹی سے تیمم کر لو۔ (النساء)

اس حکم سے معلوم ہوا کہ اگر پانی نہ ہو، تو پاکیزہ مٹی کے ساتھ تیمم کرنے کا حکم اسی طرح طہارت کیلئے عام ہوگا جس طرح پانی طہارت کیلئے عام ہوتا ہے۔

قصاص و دیت کے مقاصد:

اگر مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کرتے ہوئے اس سے دیت لیں تو یہ ان کیلئے جائز ہے کیونکہ قصاص و دیت دونوں کے

مقاصد یہ ہیں کہ ورثاء کے سینوں میں موجود غصے کی آگ یا انتقام کے جذبے کو ٹھنڈا کیا جائے۔

مسافر مالک و غلام کے مقاصد:

اگر مسافر مالک کے ساتھ غلام گیا تو غلام اپنے آقا کی نیت کے تابع ہوگا حتیٰ غلام کو بھی سفر میں احکام سفر و اقامت میں اپنے مالک کی اتباع کرنی پڑے گی، کیونکہ وہ ان کے مقاصد متحد ہیں۔

بچے اور پاگل زانی پر عدم حد کا بیان

قَالَ (وَإِذَا زَنَى الصَّبِيُّ أَوْ الْمَجْنُونُ بِامْرَأَةٍ طَاوَعَتْهُ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَلَا عَلَيْهَا) . وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى : يَجِبُ الْحَدُّ عَلَيْهَا ، وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ .

(وَإِنْ زَنَى صَبِيحٌ بِمَجْنُونَةٍ أَوْ صَغِيرَةٍ يُجَامَعُ مِثْلَهَا حَدُّ الرَّجُلِ خَاصَّةً) وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ . لِهَذَا أَنَّ الْعُدْرَ مِنْ جَانِبِهَا لَا يُوجِبُ سَقُوطَ الْحَدِّ مِنْ جَانِبِهِ فَكَذَا الْعُدْرُ مِنْ جَانِبِهِ ، وَهَذَا لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا مُوَاعِدٌ بِفِعْلِهِ .

وَلَنَا أَنَّ فِعْلَ الزَّانَا يَتَحَقَّقُ مِنْهُ ، وَإِنَّمَا هِيَ مَحَلُّ الْفِعْلِ وَلِهَذَا يُسَمَّى هُوَ وَاطْنًا وَزَانِيًا وَالْمَرْأَةُ مُوَطَّوءَةً وَمَزْنِيًّا بِهَا ، إِلَّا أَنَّهَا سُمِّيَتْ زَانِيَةً مَجَازًا تَسْمِيَةً لِلْمَفْعُولِ بِاسْمِ الْفَاعِلِ كَالرَّاضِيَةِ فِي مَعْنَى الْمَرْضِيَّةِ ، أَوْ لِكُونِهَا مُسَبَّبةً بِالتَّمْكِينِ لَفَعْلَانِ الْحَدِّ فِي حَقِّهَا بِالتَّمْكِينِ مِنْ قَبِيحِ الزَّانَا وَهُوَ فِعْلٌ مَنْ هُوَ مُخَاطَبٌ بِالْكَفِّ عَنْهُ وَمُؤْتَمٌّ عَلَى مُبَاشَرَتِهِ ، وَفِعْلُ الصَّبِيِّ لَيْسَ بِهِذِهِ الصَّفَةِ فَلَا يُنَاطُ بِهِ الْحَدُّ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب کسی بچے یا مجنون نے ایسی عورت کے ساتھ زنا کیا جس نے ان کو موقع دیا تو زانی و مزنیہ دونوں پر حد واجب نہ ہوگی۔ جبکہ امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ کے نزدیک مزنیہ پر حد واجب ہوگی۔ اور حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح ایک روایت ہے اور جب کسی تندرست صحیح و سالم آدمی نے کسی مجنون یا ایسی چھوٹی بچی سے جماع کیا کہ ایسی عورت سے جماع ہو سکتا ہے تو صرف مرد پر حد جاری کی جائے گی اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔

حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ عورت کا عذر مرد سے سقوط حد کو لازم نہیں ہے لہذا مرد کا عذر بھی عورت کیلئے سقوط حد کو لازم نہ ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا عمل اپنے ماخذ سے ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ زنا کا فعل مرد سے ثابت ہوا ہے جبکہ عورت محل ہی نہیں ہے کیونکہ مرد کو وحلی کرنے والا اور زنا کرنے والا کہلاتا ہے اور عورت کو وحلی شدہ یا زنا کی ہوئی کہا جاتا ہے اہلۃ مفعول کو اسم فاعل کا نام دیکر اس کو مجبوری طور پر مہر نہیہ کہا گیا ہے جس طرح راضیہ کو مرضیہ کے معنی میں بولتے ہیں یا پھر اس سبب سے کہ موقع دینے کے سبب عورت زنا کا سبب پیدا کرنے والی ہے۔ پس بدترین کام پر قدرت دینے کے سبب اس پر حد ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ اس شخص کا کام ہے جس کو اس کام سے رکے کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کام کو سرانجام دینے کی وجہ سے وہ گناہگار ہوگا اور بچے کا فعل اس طرح نہ ہوگا پس اس پر حد مرتب نہ ہوگی۔

شرح

اجزائے حد یعنی حد کے جاری ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جس پر حد واقع ہو رہی ہے وہ صاحب عقل ہو دیوانہ، مجنون اور پگنل نہ ہو۔ کیونکہ یہ سزا حصول عبرت کے لیے ہے اس لیے اس مجرم کے پاس عقل، احساس اور ادراک کا ہونا شرط ہے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی پاک ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے رخ مبارک پھیر دیا۔ وہ اعتراف کرتا رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخ انور پھیرتے رہے یہاں تک کہ اس نے اپنے گناہ پر چار مرتبہ شہادت دی۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تو پگنل ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری۔ ج 2 حدیث نمبر 1007)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا جس پر حد جاری کی جا رہی ہو وہ صحیح العقل ہونا چاہیے۔ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد جاری کرنے سے پہلے تحقیق فرمائی۔

زبردستی والے زنا پر عدم حد کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَكْرَهَهُ السُّلْطَانُ حَتَّى زَنَى فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ) وَكَانَ أَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ أَوْلَا يُحَدُّ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ لِأَنَّ الزَّانَا مِنَ الرَّحْلِ لَا يَتَصَوَّرُ إِلَّا بَعْدَ انْتِشَارِ الْآلَةِ وَذَلِكَ دَلِيلُ الطَّوَائِعِ.

ثُمَّ رَجَعَ عَنْهُ فَقَالَ: لَا حَدَّ عَلَيْهِ لِأَنَّ سَبَبَهُ الْمُلْجِءَ قَائِمٌ ظَاهِرًا، وَإِلَا انْتِشَارُ دَلِيلٌ مُتَرَدِّدٌ لِأَنَّهُ قَدْ يَكُونُ غَيْرَ قَصْدٍ لِأَنَّ الْإِنْتِشَارَ قَدْ يَكُونُ طَبْعًا لَا طَوْعًا كَمَا فِي النَّائِمِ فَأَوْرَثَ شُبُهَةً، وَإِنْ أَكْرَهَهُ غَيْرُ السُّلْطَانِ حَدٌّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَالَا: لَا يُحَدُّ لِأَنَّ الْبَاكِرَةَ عِنْدَهُمَا قَدْ يَتَحَقَّقُ مِنْ غَيْرِ السُّلْطَانِ، لِأَنَّ الْمُؤْتَرَّ خَوْفُ الْهَلَاكِ وَأَنَّهُ يَتَحَقَّقُ مِنْ غَيْرِهِ.

وَلَهُ أَنَّ الْبَاكِرَةَ مِنْ غَيْرِهِ لَا يَدْرُومُ إِلَّا نَادِرًا لِمَكْنِيهِ مِنَ الْإِسْتِعَانَةِ بِالسُّلْطَانِ أَوْ بِجَمَاعَةٍ الْمُسْلِمِينَ، وَبِمَكْنِيهِ دَفْعُهُ بِنَفْسِهِ بِالسَّلَاحِ، وَالنَّادِرُ لَا حُكْمَ لَهُ فَلَا يَسْقُطُ بِهِ الْحَدُّ، بِخِلَافِ السُّلْطَانِ لِأَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ الْإِسْتِعَانَةُ بِغَيْرِهِ وَلَا الْخُرُوجُ بِالسَّلَاحِ عَلَيْهِ فَافْتَرَقَا

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی حکمران نے کسی کو زنا پر مجبور کیا اور اس نے زنا کر لیا تو اس پر حد واجب نہ ہوگی۔ جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا پہلا موقف یہ تھا کہ اس پر حد لگائی جائے گی۔ اور یہی امام زفر کا قول بھی ہے کیونکہ مرد کی طرف سے آہ منتشر ہو جانے کے بعد ہی زنا ثابت ہو سکتا ہے اور آہ تامل کا کھڑا ہونا رضا مندی کی دلیل ہے۔ لیکن اسکے بعد امام صاحب علیہ الرحمہ نے اس موقف سے رجوع کر لیا کہ مجبور شخص پر حد نہیں ہے۔ کیونکہ زنا کیسے مجبور کرنے والا ظاہری طور سبب موجود ہے جبکہ آہ تامل کا کھڑا ہونا شک والی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ کبھی بغیر ارادے کے بھی کھڑا ہو جاتا ہے اور کبھی طبعی طور پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جبکہ زبردستی کھڑا نہیں ہوتا جس طرح سونے والے شخص میں ہے لہذا اسی نے شبہ پیدا کر دیا ہے۔

اور جب زانی کو حاکم وقت کے سوال کسی دوسرے نے مجبور کیا تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد جاری کی جائے گی جبکہ صحابین کے نزدیک اس پر حد قائم نہ کی جائے گی کیونکہ صحابین کے نزدیک حکمران کے سوا میں مجبوری ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں اثر تو ہلاکت کا ڈر ہے اور یہ خوف بادشاہ کے سوا میں بھی ثابت ہو سکتا ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ بادشاہ کے سوا مجبوری نادر ہے کیونکہ اس حالت میں مجبور بادشاہ یا مسلمانوں کی جماعت سے مدد طلب کر سکتا ہے۔ ہاں وہ ہتھیار کے سبب اپنا دفاع کرنے پر بھی قادر ہے اور نادر کا حکم نہیں ہوا کرتا۔ پس اس شخص سے حد ساقط نہ ہوگی۔ جبکہ بادشاہ کا اکراہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ مجبور شخص بادشاہ کے خلاف نہ تو کسی دوسرے مدد طلب کر سکتا ہے اور ہی خود اسکے خلاف ہتھیار اٹھا سکتا ہے پس یہ دونوں الگ الگ ہو گئے۔

زنا بالجبر میں صرف مرد پر حد جاری ہوگی

اور حضرت وائل ابن حجر سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کے ساتھ زبردستی کی گئی یعنی ایک مرد نے اس سے زبردستی زنا کیا اس عورت کو تو حد سے برات دی گئی لیکن اس زنا کرنے والے پر حد جاری کی گئی۔ راوی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو زنا کرنے والے سے مہر بھی دلوا دیا۔ (ترمذی)

راوی کے ذکر نہ کرنے سے لازم نہیں آتا کہ ایسی صورت میں مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ دوسری احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جس عورت سے زنا بالجبر کیا گیا ہو اس کے لئے مہر واجب ہوتا ہے اور یہاں مہر سے مراد عقر حبت حرام اور صحبت تہہ کے مابین (عوض اور بدلہ) کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق ایک ایسی مقدار پر ہوتا ہے کہ اگر حرام صحبت کی اجرت یعنی حلال ہوتی تو وہ مقدار

واجب ہوتی۔ برجنڈی فتاویٰ عالمگیری میں یہ لکھا ہے کہ عقر مہر مثل کو کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زنا بالجبر کی صورت میں زنا کرنے والے مرد سے عورت کو جو رقم دلوائی جائے گی اس کی مقدار اس عورت کے مہر کے مثل کے برابر ہونی چاہئے۔

حضرت وائل ابن حجر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دن ایک عورت نماز کے لئے گھر سے نکلی تو راستہ میں اس کو ایک شخص ملا جس نے اس پر کپڑا ڈال کر اس سے اپنی حاجت پوری کر لی یعنی اس کے ساتھ زبردستی زنا کیا وہ عورت چلائی اور وہ مرد اس کو وہیں چھوڑ کر چلا گیا، جب کچھ مہاجر صحابہ ادھر سے گزرے تو اس عورت نے ان کو بتایا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا کیا ہے یعنی میرے اوپر کپڑا ڈال کر مجھے بے بس کر دیا اور پھر مجھ سے بدکاری کی لوگوں نے اس شخص کو پکڑ لیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور سارا واقعہ بیان کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے تو یہ فرمایا کہ جاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے بخشش دیا ہے۔ (کیونکہ اس بدکاری میں نہ صرف یہ کہ تمہاری خواہش و رضا کا داخل نہیں تھا بلکہ تمہیں مجبور دے بے بس بھی کر دیا گیا تھا) اور جس شخص نے اس عورت سے بدکاری کی تھی اس کے حق میں یہ فیصلہ دیا کہ اس کو سنگسار کر دیا جائے یعنی اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور چونکہ وہ محسن تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو چنانچہ اس کو سنگسار کر دیا گیا۔ اس سنگسار کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے اوپر حد جاری کر کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس طرح کی توبہ مدینہ والے کرتے تو ان کی توبہ قبول کی جاتی۔ (ترمذی، ابوداؤد، کتاب الحدود)

حدیث کے آخر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص نے اپنے جرم کی سزا بھگت کر ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو اہل مدینہ کے درمیان تقسیم کیا جاتا تو نہ صرف یہ کہ ان سب کی توبہ قبول کی جاتی بلکہ اس کا ثواب سارے مدینے والوں کے لئے کافی ہو جاتا۔ گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے یہ واضح کیا کہ اس شخص نے اگرچہ شروع میں ایک بڑی بے حیائی کا ارتکاب کیا اور سخت برا کام کیا مگر جب اس پر حد جاری کر دی گئی تو وہ اپنے جرم سے پاک ہو گیا اور بخش دیا گیا۔

اسی طرح حضرت عرفہ روق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کا اقرار کیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جرم کرنے کا حکم دیا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شاید وہ کوئی عذر پیش کر سکے۔ پھر انہوں نے اس سے پوچھا؟ تمہیں بدکاری پر کس چیز نے مجبور کیا۔ اس عورت نے کہا میرا ایک پڑوسی تھا جس کے اونٹوں کے ہاں پانی اور دودھ تھا اور میرے اونٹ کے ہاں پانی اور دودھ نہ تھا۔ اسی وجہ سے میں پیاسی رہتی تھی، میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے پانی دینا اس شرط پر منظور کیا کہ میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں اس پر میں نے تین دفعہ انکار کیا مگر جب میری پیاس اس قدر بڑھ گئی کہ جان نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو میں نے اس کی خواہش پوری کر دی، تب اس نے مجھے پانی پلایا۔ اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ اکبر! ایسے جس کو مجبور کیا جائے اور اس کا ارادہ سرکشی اور زیادتی کا نہ ہو، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔ (الطریق الحکمیہ، ص ۵۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

اضطرار کی کیفیت کا فقہی مفہوم

باغ اور عادی تفسیر میں حضرت مجاہد فرماتے ہیں، ڈاکو راہزن مسلمان بادشاہ پر چڑھائی کرنے والا سلطنت اسلام کا مخالف اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سفر کرنے والا سبھی کے لئے اس اضطرار کے وقت بھی حرام چیزیں حرام ہی رہتی ہیں، غیر باغ کی تفسیر حضرت مقاتل بن حبان یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اسے حلال سمجھنے والا نہ ہو اور اس میں لذت اور مزہ کا خواہشمند نہ ہو، اسے بھون بھان کر لذت بنا کر اچھا پکا کر نہ کھائے بلکہ جیسا تیسرا صرف جان بچانے کے لئے کھالے اور اگر ساتھ لے لے تو اتنا کہ زندگی کے ساتھ حلال چیز کے منہ تک باقی رہ جائے جب حلال چیز مل گئی اسے پھینک دے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں اسے خوب پیٹ بھر کر نہ کھائے، حضرت مجاہد فرماتے ہیں جو شخص اس کے کھانے کے لئے مجبور کر دیا جائے اور بے اختیار ہو جائے اس کا بھی یہی حکم ہے، ایک شخص بھوک کے مارے بھس ہو گیا ہے اسے ایک مردار جانور نظر پڑا اور کسی دوسرے کی حلال چیز بھی دکھائی دی جس میں نہ رشتہ کا ٹوٹا ہے نہ ایذا دہی ہے تو اسے اس دوسرے کی چیز کو کھا لینا چاہئے مردار نہ کھائے، پھر آیا اس چیز کی قیمت یا دینی چیز اس کے ذمہ ہے گی یا نہیں اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ نہ ہے گی دوسرے یہ کہ نہ ہے گی۔ نہ رہنے والے قول کی تائید میں یہ حدیث ہے جو ابن ماجہ میں ہے، حضرت عباد بن شریح غزی کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک سال قحط سالی پڑی میں مدینہ گیا اور ایک کھیت میں سے کچھ پالیں تو زکریا جلیل کر دانے چبانے لگا اور تھوڑی سی پالیں اپنی چادر میں باندھ کر چلا کھیت والے نے دیکھ لیا اور مجھے پکڑ کر مارا مینا اور میری چادر چھین لی، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے واقعہ عرض کیا تو آپ نے اس شخص کو کہا اس بھوکے کو نہ تو تونے کھانا کھلایا نہ اس کے لئے کوئی اور کوشش کی نہ اسے کچھ سمجھایا سکھایا یہ بیچارہ بھوکا تھا نادان تھا جاؤ اس کا کپڑا واپس کر دو اور ایک وسق یا آدھا وسق غنہ اسے دے دو، (ایک وسق چار من کے قریب ہوتا ہے) ایک اور حدیث میں ہے کہ درختوں میں گئے ہوئے پھلوں کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جو حاجت مند شخص ان سے میں کچھ کھالے لیکن نہ جائے اس پر کچھ جرم نہیں۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں مطلب آیت کا یہ ہے کہ اضطرار اور بے بسی کے وقت اتنا کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں جس سے بے بسی اور اضطرار ہٹ جائے، یہ بھی مروی ہے کہ تین تقوں سے زیادہ نہ کھائے غرض ایسے وقت میں اللہ کی مہربانی اور نوازش ہے یہ حرام اس کے لئے حلال ہے حضرت مسروق فرماتے ہیں اضطرار کے وقت بھی جو شخص حرام چیز نہ کھائے اور مر جائے وہ جہنمی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایسے وقت ایسی چیز کے کھانی ضروری ہے نہ کہ صرف رخصت ہی ہو، یہی بات زیادہ صحیح ہے جیسے کہ بیمار کا روزہ چھوڑ دینا وغیرہ۔

اغتنصاب کا معنی

کسی چیز کو ظلم اور زبردستی لینے کو عربی میں اغتنصاب کا نام دیا جاتا ہے، اور اس وقت یہ اصطلاح عورتوں کی زبردستی عزت لوٹنے میں استعمال ہوتی ہے۔

یہ ایک ایسا جرم ہے جو سب شریعتوں میں قبیح اور حرام ہے، اور سب عقل و دانش اور فطرت سلیمہ رکھنے والے اسے حرام اور قبیح گردانتے ہیں، اور اسی طرح سب ذہنی قوانین اور فہموں میں بھی یہ جرم قبیح اور شنیع شمار ہوتا ہے، اور اس کے نتیجہ میں سخت سے سخت سزا دی جاتی ہے، لیکن کچھ ملکوں میں یہ سزا اس صورت میں معاف ہو جاتی ہے جب دست درازی کی قربانی بننے والی عورت سے شادی کر لی جائے اور یہ نظام اور قانون اللہ تعالیٰ کے قوانین اور نظام کے مخالف قانون اور نظام بنانے والوں میں قلت دین دین بالکل نہ ہونے اور فطرت کے خلاف فطرت کے الٹاپن، اور غلط عقل کی دلیل ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ جلا اور اس کی قربانی بننے والی عورت کے مابین کوئی محبت و مودت ہوگی، اور خاص کر اس دست درازی اور عزت لوٹنے کے عمل کو نہ تو ایام و ماہ اور سال بخو کرینگے، اور نہ ہی اسے زمانہ اور وقت مٹینگا جیسا کہ کہا جاتا ہے اس لیے جن عورتوں کی عزت لوٹی گئی اور دست درازی کر کے ان کی عزت کو تار تار کیا گیا ان میں سے بہت ساری خودکشی کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اور بہت ساری تو اس میں کامیاب بھی ہو جاتی ہیں، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس طرح کی شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں، اور دست درازی کرنے والا شخص اس عورت کو ذلیل و رسوائی کر کے رہی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔

اور اس شریعت مطہرہ کے لائق تھا کہ اس شنیع اور قبیح فعل کی حرمت میں، اور اس کی مرتکب افراد کے لیے قابل عبرت سزا کے متعلق اس کا واضح اور صاف موقف ہو۔

اور پھر اسلام نے تو وہ دروازے بھی بند کر دیے ہیں جس کے ذریعہ مجرم اپنے جرم کا ارتکاب کرتا ہے، یورپی سرچ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ عورتوں پر دست درازی کرنے اور ان کی عزت تار تار کرنے والے اکثر افراد مجرم ہوگے ہوتے ہیں، اور وہ اپنا یہ شنیع فعل شراب نوشی اور دوسری نشہ آور اشیاء کے نشہ میں دھت ہو کر ہی کرتے ہیں، اور وہ اپنے شکار کو الگ جگہ اکیلا جانے کو فرمت سمجھتے ہیں، یا پھر عورت کا اپنے گھر میں اکیلا رہنا انہیں فرصت اور موقع دیتا ہے۔

اور اسی طرح اس ریسرچ اور سروے سے یہ بھی واضح ہوا ہے کہ یہ مجرم قسم کے لوگ جو کچھ ٹی وی چینلوں اور انٹرنیٹ پر دیکھتے ہیں کہ عورت بن سنور کر اور تقریباً بے لباس ہو کر باہر نکلتی ہے، تو یہ سب کچھ انہیں اس جرم کے ارتکاب کا حوصلہ اور جرات دیتا ہے۔

شریعت اسلام نے ایسے قوانین بنائے ہیں جن کی بنا پر عورت کی عزت و عصمت اور حیاء محفوظ رہتی ہے، اور وہ قوانین اسے اس کے منافی لباس زیب تن کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اور اسے اکیلا اور بغیر محرم سفر کرنے سے بھی منع کرتے ہیں، اور انہیں اور غیر محرم مرد سے مصافحہ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ اور پھر شریعت اسلام نے نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکی کی شادی جلد کرنے پر ابھارا ہے، یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ باقی اسلامی قوانین مجرموں کے لیے اپنا شکار چال میں پھنسانے کے دروازے بند کرتا ہے، اسی لیے جب ہم یہ سنتے یا پڑھتے ہیں کہ اس طرح کے اکثر جرائم فحش معاشرے میں ہوتے ہیں، اور اس معاشرے کے لوگ مسلمان عورتوں سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ ترقی میں ان کی طرح ہو جائیں!

چنانچہ مثال کے طور پر امریکہ میں انٹرنیشنل معافی کمیٹی نے (2004 میلادی) کی اپنی سالانہ رپورٹ "عورت کے

خدا سازش بند کرو" کے عنوان میں یہ بیان کیا ہے کہ ہر نوے (90) سیکنڈ یعنی ڈیڑھ منٹ میں یہاں ایک عورت کی عزت لوٹی جاتی ہے! تو یہ لوگ کوئی حیا کی زندگی بسر کر رہے ہیں؟ اور یہ کوئی ترقی حضارت ہے جسے وہ مسلمان عورتوں میں داخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟

دوم۔ اور شریعت اسلام میں عزت لوٹنے کی سزا یہ ہے کہ غاصب اور عزت لوٹنے والے شخص پر زنا کی حد جاری ہوتی ہے، اگر وہ شادی شدہ ہے تو اسے رجم کیا جائیگا، اور اگر وہ شادی شدہ نہیں تو پھر اسے سو کوڑے لگا کر ایک برس کے لیے جلاوطن کیا جائیگا۔ اور بعض علماء کرام تو اس پر یہ بھی واجب کرتے ہیں کہ وہ عورت کو مہر بھی ادا کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں: ہمارے ہاں تو عزت لوٹنے والے شخص کے بارہ میں حکم یہ ہے اگر عورت آزاد ہے تو پھر وہ مہر مثل دیگا، چاہے عورت کنواری ہو یا شادی شدہ، اور اگر وہ لونڈی ہے تو اس کی جتنی قیمت کم ہوئی وہ ادا کرنا ہوگی، اور عزت لوٹنے والے پر ہی حد جاری ہوگی، اور اس سارے مسئلہ میں جس عورت کی عزت لوٹی گئی اس کو کوئی سزا نہیں۔ (الموطا) 2/734۔ شیخ سلیمان الباجی رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس عورت پر زبردستی کی گئی ہو اگر وہ آزاد ہے تو جس نے اس کی عزت لوٹی اسے اس کا مہر مثل ادا کرنا ہوگا، اور عزت لوٹنے والے پر حد لگائی جائیگی، امام شافعی رحمہ اللہ کو قول اور لیث رحمہ اللہ یہی مسلک ہے، اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ اور امام ثوری رحمہما اللہ کہتے ہیں: اس پر حد جاری ہوگی، لیکن مہر نہیں ہے۔ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ: حد اور مہر یہ دونوں حق ہیں، ایک حق تو اللہ تعالیٰ ہے، اور دوسرا حق مخلوق کا ہے، تو اس طرح جائز یہ ہوا کہ یہ دونوں جمع ہوں، جس طرح کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا اور چوری کا سامان واپس کرنا ہوتا ہے۔

(المنتقى شرح الموطا) 5/269 - 268۔ اور ابن عبد البر کہتے ہیں: "اور علماء کرام اس پر متفق ہیں کہ دست درازی کر کے عزت لوٹنے والے شخص پر حد جاری ہوگی اگر اس پر حد واجب ہونے کی گواہی مل جائے، یا وہ خود اقبال جرم کر لے، اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کو سزا دی جائیگی، (یعنی جب چار گواہ نہ ہوں، اور اقبال جرم نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد ثابت نہ ہوتی ہو، تو حکمران اور قاضی اسے اتنی سزا ضرور دیگا جس سے اس طرح کے جرم کا سد باب ہو اور آئندہ کوئی اور نہ کرے) اور اگر یہ صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ عورت کی عزت زبردستی لوٹی گئی ہے، اور اس کی چیخ و پکار اور مدد طلب کرنے کے باوجود مرد اس پر غالب آ گیا تھا تو عورت پر سزا نہیں ہوگی۔ (الاستاذ کار) 7/146۔ سوم: اور زبردستی عزت لوٹنے والے شخص کو زنا کی حد کا لگانا اس وقت ہے جب اس نے اسلحہ کے زور پر عزت نہ لوٹی ہو، لیکن اگر اس نے اسلحہ کے زور پر عورت کی عزت لوٹی تو پھر وہ محارب شمار ہوگا، اور اس پر درج ذیل آیت میں مذکور حد لگائی جائیگی:

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فرمان ہے: 7: نہیں سوائے اس بات کے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں انہیں یا تو قتل کر دیا جائے، یا پھر انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے، یا پھر ان کے اہل ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ ان کے لیے دنیا میں ذلت ہے، اور انہیں آخرت میں بہت زیادہ

چنانچہ حکمران اور قاضی اس آیت میں مذکور ان چار سزاؤں میں سے جسے من سب سمجھے اور جس میں مصلحت ہو جس کی بنا پر معاشرے میں امن و سلامتی پھیل سکتی ہو، اور ظالموں اور فاسقوں کو ان کے جرائم سے روک سکتی ہو اختیار کر سکتا ہے۔

اقرار زنا اور اقرار نکاح کے سبب اشتباہ کا بیان

(وَمَنْ أَقْرَأَرْبَعَ مَرَّاتٍ فِي مَجَالِسٍ مُّحْتَمِلَةٍ أَنَّهُ زَنَى بِمَلَأَةٍ وَقَالَتْ هِيَ : تَزَوَّجْنِي أَوْ أَقْرَأْتُ بِالرَّثْنَا وَقَالَ الرَّجُلُ تَزَوَّجْتَهَا فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الْمَهْرُ فِي ذَلِكَ) لِأَنَّ دَعْوَى النِّكَاحِ يَحْتَمِلُ الصَّدَقَ وَهُوَ يَقُومُ بِالطَّرْقَيْنِ فَأُورَثَ شُبْهَةً ، وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ وَجَبَ الْمَهْرُ تَعْظِيمًا لِخَطَرِ الْبُضْعِ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے چار مختلف مجالس میں زنا کا اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اور وہ فلاں عورت کہتی ہے کہ اس نے مجھ سے نکاح کیا یا پھر اس عورت نے بھی زنا کا اقرار کر لیا اور مرد نے کہا کہ میں نے اس سے نکاح کیا تو اس پر حد نہ ہوگی اور دونوں صورتوں میں اس پر مہر ہوگا کیونکہ دعویٰ نکاح صدق کا احتمال رکھنے والا ہے۔ اور نکاح دونوں اطراف سے قائم ہوتا ہے لہذا اس قرار نے شبہ پیدا کر دیا اور جب اس سے حد ساقط ہوگئی تو احترام بضع کے سبب مہر واجب ہو جائے گا۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شبہ عقد یعنی جس عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا اس سے نکاح کر کے وہی کی مشا... کی عورت سے نکاح کیا یا دوسرے کی عورت ابھی عدت میں تھی اس سے نکاح کیا تو اگرچہ یہ نکاح نکاح نہیں مگر حد ساقط ہوگئی، مگر سے سزا دی جائے گی۔ اسی طرح اگر اس عورت کے ساتھ نکاح تو ہو سکتا ہے مگر جس طرح نکاح کیا وہ صحیح نہ ہوا لہذا بغیر گواہوں کے نکاح کیا کہ یہ نکاح صحیح نہیں مگر ایسے نکاح کے بعد وہی کی تو حد ساقط ہوگئی۔ (در مختار، کتاب اہل واد)

باندی سے زنا کرنے والے پر حد کا بیان

(وَمَنْ زَنَى بِجَارِيَةٍ فَقَتَلَهَا فَإِنَّهُ يُحَدُّ وَعَلَيْهِ الْقِيَمَةُ) مَعْنَاهُ : قَتَلَهَا بِفِعْلِ الزَّوْنِ لِأَنَّهُ جَنَى جَنَائَتَيْنِ فَيُوقَرُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حُكْمُهُ . وَعَنْ أَبِي يُونُسَ رَجِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ لَا يُحَدُّ لِأَنَّهُ تَقَرَّرَ ضَمَانُ الْقِيَمَةِ سَبَبَ لِمِلْكِ الْأَمَةِ فَصَارَ كَمَا إِذَا اشْتَرَاهَا بَعْدَ مَا زَنَى بِهَا وَهُوَ عَلَى هَذَا الْاِخْتِلَافِ ، وَاعْتِرَاضُ سَبَبِ الْمِلْكِ قَبْلَ إِقَامَةِ الْحَدِّ يُوجِبُ سَقُوطَهُ ، كَمَا

إِذَا مَلَكَ الْمَسْرُوقُ قَبْلَ الْقَطْعِ .

وَلَهُمَا أَنَّهُ ضَمَانٌ قَتْلٍ فَلَا يُوجِبُ الْمِلْكَ لِأَنَّهُ ضَمَانٌ دَمٍ ، وَلَوْ كَانَ يُوجِبُهُ فَإِنَّمَا يُوجِبُهُ فِي الْعَيْنِ كَمَا فِي هَبَةِ الْمَسْرُوقِ لَا فِي مَنَافِعِ الْبُضْعِ لِأَنَّهُا أُسْتُوفِيَتْ وَالْمِلْكُ يَنْبُتُ مُسْتَنِدًا فَلَا يَظْهَرُ فِي الْمُسْتَوْفَى لِكُونِهَا مَعْدُومَةً ، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا زَنَى بِهَا فَأَذْهَبَ عَيْنَهَا حَيْثُ تَجِبُ عَلَيْهِ قِيَمَتُهَا ، وَيَسْقُطُ الْحَدُّ لِأَنَّ الْمِلْكَ هُنَا لِكَ يَنْبُتُ فِي الْجَنَّةِ الْعُمِيَاءِ وَهِيَ عَيْنٌ فَأُورَثَ شُبْهَةً .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی باندی سے زنا کیا اور پھر اس کو قتل کر دیا تو اس پر حد ہوگی اور اس پر قیمت بھی واجب ہوگی۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اس نے فعل زنا سے اس کو قتل کیا ہے۔ کیونکہ اس نے دو جنائت کا ارتکاب کیا ہے۔ لہذا ان میں سے ہر ایک کو پورا کرنے ان کے ذمہ پر ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ کیونکہ ضمانت کا ثبوت اس باندی کے مالک ہونے کا سبب ہے لہذا یہ اس طرح ہو جائے گا جیسے اس نے باندی کو زنا کرنے کے بعد اس کو فرید یہ ہو۔ اور اختلاف کا سبب یہ ہے کہ حد قائم ہونے سے قبل سبب ملکیت کا پیش آنا موجب سقوط حد ہے جس طرح کوئی قطعید سے پہلے چیز کا چور مسروق کا مالک بن جائے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ضمان قتل ہے پس اس میں ملکیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس کی قیمت ضمان دم ہے اور اگر ضمان قتل موجب ملکیت ہوتا تو عین میں ملکیت ثابت کرنے والا ہوتا جس طرح چوری کا مال ہیہ کرنے میں ہے۔ لہذا بضع کے منافع میں ملکیت کو ثابت کرنے والا نہیں ہے کیونکہ وہ تو وصول ہو چکی ہے جبکہ ملکیت منسوب ہو کر ثابت ہو کر تھی ہے لہذا مستوفی میں ظاہر نہیں ہے کیونکہ مستوفی معدوم ہو چکا ہے۔ جبکہ اس جزی کے خلاف ہے جب کسی نے باندی سے زنا کیا اور اسکی ایک آنکھ نکال ڈالی تو اس پر باندی کی قیمت واجب ہوگئی ہے اور حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ یہاں اندھی آنکھ میں ملکیت ثابت ہو چکی ہے اور وہ آنکھ ہے پس اس میں شبہ پیدا ہو گیا ہے۔

شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کی باندی زنا کرے تو اس پر حد لگانی چاہیے اور اسے صرف عیب لگا کر نہ چھوڑا جائے اور تین مرتبہ کرنے تک حد لگانی جائے۔ پھر اگر چوتھی مرتبہ بھی وہ زنا کاری کا اعادہ کرے تو اسے چاہیے کہ اسے کوڑے لگائے یا اسے ایک رسی یا بالوں کی رسی ہی کے عوض فروخت کر

۱۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الحدود)

امام پر عدم حد کا بیان

قَالَ (وَكُلُّ شَيْءٍ صَنَعَهُ الْإِمَامُ الَّذِي لَيْسَ قُوَّةُ إِمَامٍ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ إِلَّا الْقِصَاصُ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ بِهِ وَبِالْأَمْوَالِ) لِأَنَّ الْحُدُودَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَإِقَامَتُهَا إِلَيْهِ لَا إِلَى غَيْرِهِ وَلَا يُمَكِّنُهُ أَنْ يُقِيمَ عَلَى نَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ ، بِخِلَافِ حُقُوقِ الْعِبَادِ لِأَنَّهُ يَسْتَوْفِيهِ وَلِيُّ الْحَقِّ إِمَّا بِتَمَكِّنِهِ أَوْ بِالْإِسْتِعَانَةِ بِمَنْعَةِ الْمُسْلِمِينَ وَالْقِصَاصُ وَالْأَمْوَالُ مِنْهَا . وَأَمَّا حَدُّ الْقَذْفِ فَالْمُغْلَبُ فِيهِ حَقُّ الشَّرْعِ فَحُكْمُهُ حُكْمُ سَائِرِ الْحُدُودِ الَّتِي هِيَ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

برودہ چیز جس کو ایسا امام بجلائے کہ اس امام کے اوپر کوئی امام نہ ہو تو اس قصاص کے علاوہ اس پر کوئی حد نہ ہوگی۔ البتہ قصاص دمالوں میں اس کا احتساب کیا جائے گا۔ کیونکہ حدود اللہ کا حق ہیں اور ان کے نفاذ کا اختیار اسی امام اعلیٰ کو ہے۔ اس کے سوا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ اور اس کیلئے اپنی جان پر حد قائم کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ اقامت حد کا فائدہ نہیں ہے جبکہ حقوق العباد میں ای نہیں ہے کیونکہ اس کو حق وصول کرنے والا ہے یا تو وہ امام کی قدرت کے سبب یا پھر مسلمانوں سے مدد طلب کر کے وصول کر سکتا ہے۔ اور قصاص اور اموال یہ حقوق العباد میں سے ہیں۔ البتہ حد قذف کے بارے میں مشائخ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ان تمام حدود میں اس کا حکم اسی طرح ہوگا جس طرح حق اللہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب زیادہ حق جاننے والا ہے۔

ثبوت زنا کیلئے دخول کی شرط کا بیان

زنا کی حد لگنے میں دخول شرط ہے، اور وہ مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہونا ہے، تو اس وقت دونوں ختنے مل جاتے ہیں، یعنی مرد کے ختنے کی جگہ عورت کے ختنے کی جگہ سے مل جاتی ہے، تو جب دخول ہو جائے تو وہ زنا کا مرتکب ہوگا جس سے حد لگے ہے، چاہے مرد کا انزال ہو یا نہ ہو، یا اس نے دخول کرنے کے بعد باہری انزال کر دیا ہو، چاہے، چاہے مرد کا عضو متاثر نہ ہو اور ثبوت ہو یا ایسا نہ ہو۔

فقہاء کے ہاں زنا کی حد کے متعلق متفقہ شروط کے بارے میں الموسوعة الفقهية میں درج ہے: "فقہاء کے مابین زنا کی حد میں یہ متفقہ شرط ہے کہ عضو متاثر کا اگلا حصہ، یا اس کے کٹے ہوئے میں سے کچھ حصہ عورت کی فرج میں داخل ہو تو حد جاری ہوگی، اور اگر اس نے بالکل داخل ہی نہ کیا، یا پھر اس میں سے کچھ حصہ داخل کیا تو اس پر حد نہیں کیونکہ اس نے دھڑکی، اور اس میں انزال کی شرط نہیں، اور نہ ہی داخل کرنے کے وقت انتشار اور کھڑا ہونے کی شرط ہے، چاہے انزال ہو یا نہ ہو حد واجب ہوگی، اس کا عضو متاثر نہ ہو یا منتشر ہو یا نہ ہو۔ (الموسوعة الفقهية (24 / 23)

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الزَّانَا وَالرَّجُوعِ عَنْهَا

یہ شہادت زنا دینے اور اس سے رجوع کے بیان میں ہے ﴿

ب شہادت زنا و انصراف شہادت کی فقہی مطابقت کا بیان

اس باب کی سابقہ ابواب سے فقہی مطابقت واضح ہے کیونکہ رجوع ہمیشہ صدور فعل یا صدور قول کے بعد ہوا کرتا ہے مصنف علیہ الرحمہ نے زنا کی شہادت اور اس کا نصاب بیان کرنے اور حدود کو نافذ کرنے کے طرق بیان کرنے بعد اب شہادت سے رجوع کرنے کے فقہی احکام بیان کر رہے ہیں۔ اور اس سے ما قبل باب سے مطابقت یہ ہے کہ جس طرح شہد سے حد ساقط ہو جاتی ہے اسی طرح رجوع شہادت کے سبب بھی حد ساقط ہو جاتی ہے۔

گز رہے ہوئے جرم پر گواہی دینے کا بیان

(وَإِذَا شَهِدَ الشُّهُودُ بِحَدِّ مُتَقَادِمٍ لَمْ يَمْنَعَهُمْ عَنْ إِقَامَتِهِ بَعْدَهُمْ عَنْ الْإِمَامِ لَمْ يَقْبَلْ شَهَادَتُهُمْ إِلَّا فِي حَدِّ الْقَذْفِ خَاصَّةً) وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ : (وَإِذَا شَهِدَ عَلَيْهِ الشُّهُودُ بِسَرِقَةٍ أَوْ بِشُرْبِ خَمْرٍ أَوْ بِزَنَّا بَعْدَ حِينَ لَمْ يُؤْخَذْ بِهِ وَضُمِنَ السَّرِقَةُ) وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْحُدُودَ الْخَالِصَةَ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى تَبْطُلُ بِالتَّقَادُمِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، هُوَ يَتَعَبَّرُ بِمَا يَحْقُوقُ الْعِبَادَ وَبِالْإِقْرَارِ الَّذِي هُوَ إِحْدَى الْحُجَّتَيْنِ .

وَلَنَا أَنَّ الشَّاهِدَ مُخَيَّرٌ بَيْنَ حُسْبَيْنِ أَدَاءِ الشَّهَادَةِ وَالسَّتْرِ ، فَالتَّأخيرُ إِنْ كَانَ لَا اخْتِيَارَ السَّتْرِ فَإِلَّا قَدَامَ عَلَى الْأَدَاءِ بَعْدَ ذَلِكَ لِضَعْفِ هَيْبَتِهِ أَوْ لِعَدَاوَةِ حَرَكَةِ قِيَّتِهِمْ لَهَا وَإِنْ كَانَ التَّأخيرُ لَا لِلسَّتْرِ بَصِيرٍ فَاسْقًا آثِمًا فَتَبَقْنَا بِالْمَانِعِ ، بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ لَا يُعَادِي نَفْسَهُ ، فَحَدُّ الزَّانَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسَّرِقَةِ خَالِصٌ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى حَتَّى يَصِحَّ الرَّجُوعُ عَنْهَا بَعْدَ الْإِقْرَارِ فَيَكُونَ التَّقَادُمُ فِيهِ مَانِعًا ، وَحَدُّ الْقَذْفِ فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ لِمَا فِيهِ مِنْ دَفْعِ الْعَارِ عَنْهُ ، وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ رُجُوعُهُ بَعْدَ الْإِقْرَارِ ، وَالتَّقَادُمُ غَيْرُ مَانِعٍ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ ، وَلِأَنَّ الدَّعْوَى فِيهِ شَرْطٌ فَيَحْتَمِلُ تَأخيرَهُمْ عَلَى انْعِدَامِ الدَّعْوَى فَلَا يُوجِبُ تَفْسِيْقَهُمْ ، بِخِلَافِ حَدِّ السَّرِقَةِ لِأَنَّ الدَّعْوَى لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِلْحَدِّ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقُّ

اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی مَا مَرَّ ، وَاِنَّمَا شُرِطَتْ لِلْمَالِ ، وَلَآئِنْ الْحُكْمُ يَدَارُ عَلٰی كَوْنِ الْحَدِّ حَقًّا
لِّلّٰهِ تَعَالٰی فَلَا يُعْتَبَرُ وُجُودُ التَّهْمَةِ فِي كُلِّ قَرِيْبٍ ، وَلَآئِنْ السَّرِيقَةُ تَقَامُ عَلٰی الْاِسْتِسْرَارِ
عَلٰی غُرْبَةٍ مِّنَ الْمَالِكِ فَيَجِبُ عَلٰی الشَّاهِدِ اِغْلَامُهُ فَيَاكْتُمَانِ بِصِيْرٍ فَاِسْقَا اَيْنَمَا نُمُّ
النَّقَادُ كَمَا يَمْنَعُ قَبُولُ الشَّهَادَةِ فِي الْاِبْتِدَاءِ يَمْنَعُ الْاِقَامَةَ بَعْدَ الْقَضَاءِ عِنْدَنَا خِلَافًا
لِّوَقَرٍ حَتّٰی لَوْ هَرَبَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ بَعْضُ الْحَدِّ ثُمَّ أُخِذَ بَعْدَ مَا تَقَادَمَ الزَّمَانُ لَا يُقَامُ عَلَيْهِ
الْحَدُّ لِأَنَّ الْاِمْتِصَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي بَابِ الْحُدُودِ .

ترجمہ

فرمایا: اور جب گواہوں نے کسی پرانی حد پر شہادت دی اور شہادت دینے میں امام سے ان کی کچھ دوری نہیں ہے تو ان لوگوں کی شہادت حد قذف کے سوا کسی حد میں قبول نہ کی جائے گی۔

جبکہ جامع صغیر میں ہے جب گواہوں نے کسی خلاف چوری کرنے یا شراب پینے یا زنا کرنے کی شہادت ایک مدت کے بعد دی تو ان حدود میں اس کا مواخذہ نہ ہوگا البتہ وہ چوری کا ضامن ہوگا۔ اور قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ وہ حدود جو خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں وہ قدیم ہونے سے باطل نہیں ہوتیں۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اختلاف کیا ہے وہ اس کو بندوں کے حقوق پر قیاس کرتے ہیں اور اقرار پر قیاس کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں دلائل میں سے ایک ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ گواہ دو قسم (۱) شہادت دینے کا اختیار (۲) ستر پوشی کرنے کا اختیار۔ اور اس کا تاخیر کرنا یہ پردہ پوشی کے سبب سے ہے اور اب جا کر اس کا شہادت دینا یہ کہنے کے سبب سے ہے یا کسی دشمنی کے سبب سے ہے۔ جو اس کو اس بات پر تیار کرے گا۔ کیونکہ شہادت میں گواہ تہمت زدہ ہے۔ اور جب تاخیر پردہ پوشی کے سبب نہ ہو تو پھر گواہ فاسق اور گناہگار ہوگا پس ہم نے مانع کا یقین کر لیا ہے۔

جبکہ اقرار میں ایسا نہیں ہے کیونکہ انسان اپنے آپ سے دشمنی کرنے والا نہیں ہے۔ جبکہ زنا، شراب اور چوری کی حد خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ حتیٰ کہ اقرار کے بعد ان سے رجوع کرنا صحیح ہے۔ پس اس میں تقادم شہادت کو قبول کرنے سے روکنے والا ہے جبکہ حد قذف بندے کا حق ہے۔ کیونکہ اس میں بندے سے شرمندگی کو ختم کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لہذا اقرار کے بعد اس میں رجوع صحیح نہیں ہے۔ جبکہ حقوق العباد میں تقادم روکنے والا نہیں ہے۔ کیونکہ بندے کے حق میں دعویٰ شرط ہے۔ پس دعویٰ میں تاخیر کو معدوم پر محمول کیا جائے گا اور یہ تاخیر ان کے فسق کو واجب کرنے والی نہیں ہے۔ بخلاف حد سرقہ کے کیونکہ وہ اس حد کیلئے دعویٰ شرط نہیں ہے اس لئے کہ یہ دعویٰ خاص اللہ کا حق ہے۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ ہاں البتہ دعویٰ مالی کیلئے شرط ہے کیونکہ حکم کا دار و مدار حد کے حق اللہ ہونے پر ہے۔ پس گواہ پر مالک کو مطلع کرنا ضروری ہے اور چھپانے سے وہ فاسق اور گناہگار ہو جائے گا۔ اس کے بعد تقادم جس

طرح ابتداء میں قبول شہادت سے مانع ہے۔ اسی طرح قضاء کے بعد حد قائم کرنے سے مانع ہے۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ کا خلاف ہے۔ یہاں تک جس پر حد لگی ہے وہ کچھ مار کھانے کے بعد بھاگ جائے تو پھر ایک مدت گزرنے کے بعد وہ پکڑا جائے تو اس پر حد قائم نہ ہوگی۔ کیونکہ حدود کا نفاذ کرنا یہ حدود کے باب میں قضاء کہلاتا ہے۔

شرح

قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ وہ حدود جو خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں وہ قدیم ہونے سے باطل نہیں ہوتیں۔

رجوع سے سقوط کا حد کا فقہی بیان

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ ماعز اسلمی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اس نے (یعنی میں نے) زنا کیا ہے، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ اس طرف سے پھیر لیا وہ دوسری جانب سے گھوم کر یعنی تبدیل مجلس کر کے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا کہ اس نے زنا کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف منہ پھیر لیا اور وہ بھی پھر دوسری جانب سے گھوم کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا اور کہا کہ یا رسول اللہ! اس نے زنا کیا ہے آخر کار چوتھی مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سنگسار کا حکم صادر فرمایا، چنانچہ اس کو حجرہ میں لایا گیا جو مدینہ کا کالے پتھروں والا مضائقہ علاقہ ہے اور اس کو پتھر، رے جانے لگے جب اسے پتھروں کی چوٹ لگنے لگی تو بھاگ کھڑا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک شخص کے پاس سے گزرا جس کے ہاتھ میں اونٹ کے جبرے کی ہڈی تھی اس شخص نے اسی جبرے کی ہڈی سے اس کو مارا اور دوسرے لوگوں نے بھی دوسری چیزوں سے اس کا مارنا آنا نکدہ مر گیا۔ جب صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کیا کہ وہ پتھروں کو چوٹ کھا کر اور موت کی سختی دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا لیکن ہم نے اس کا پیچھا کر کے سنگسار کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا؟ (ترمذی، ابن ماجہ، کتاب الحدود)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ذکر سن کر فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا، بہت ممکن تھا کہ وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔

حدیث (یستوب فیستوب اللہ عیبہ) کا مطلب یہ ہے کہ وہ توبہ اپنے اس برے فعل سے رجوع کرنا (یعنی ندامت و شرمساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہتا اور اللہ تعالیٰ قبولیت توبہ کے ساتھ اس پر رجوع کرتا یعنی بنظر رحمت اس کی طرح متوجہ ہوتا اور اس کے گناہ کو معاف کر دیتا۔)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص پہلے اپنے ارتکاب زنا کا خود اقرار کرے، اور پھر بعد میں یہ کہے کہ میں نے زنا کا ارتکاب نہیں کیا ہے یا میں جھوٹ بولا ہے یا میں اب اپنے اقرار سے رجوع کرتا ہوں تو اس صورت میں اس سے حد ساقط ہو جائے گی اسی طرح اگر وہ حد قائم ہونے کے درمیان اپنے اقرار سے رجوع کرے تو حد کا جو حصہ باقی رہ گیا ہے وہ ساقط ہو جائے گا جب کہ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے حد ساقط نہیں ہوگی۔

دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرو

حضرت یزید ابن نعیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ماعز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے (چار محسوس) چار مرتبہ (اپنے زنا) کا اقرار کیا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگ رکرنے کا حکم دیا اور اس کو سنگسار کر دیا گیا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال سے فرمایا کہ اگر تم ماعز کو اپنے کپڑے سے چھپا لیتے یعنی اس کے زنا کے واقعہ پر پردہ ڈال دیتے اور اس کو طہر نہ کرتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا ابن منکدر جو تابعی اور اس حدیث کے راوی ہیں کہتے ہیں کہ ہزال ہی نے ماعز سے کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے واقعہ سے آگاہ کر دو۔ (ابوداؤد)

ہزال کی ایک نوٹنی تھی جس کا نام فاطمہ تھا اس کو نبیوں نے آزاد کر دیا تھا اسی فاطمہ سے ماعز نے زنا کا ارتکاب کیا اور جب ہزال کو اس کا علم ہو گیا تو نبیوں نے ماعز کو آواز دہرایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر واقعہ کی اطلاع دے اور اپنے جرم کا اعتراف کر لے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزال سے فرمایا کہ اگر تم اس کے گنہ کا انشاء نہ کرتے بلکہ اس پر پردہ ڈال دیتے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہوتا کہ اس کے سبب اللہ تعالیٰ تمہیں خیر و بھلائی سے نوازتا اور تمہارے گنہوں کی پردہ پوشی کرتا۔

تقادم کی حد میں فقہاء کے اختلاف کا بیان

وَاخْتَلَفُوا فِي حَدِّ التَّقَادُمِ ، وَأَشَارَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ إِلَى بَيْتَةِ أَشْهُرٍ ، فَإِنَّهُ قَالَ بَعْدَ حِينَ ، وَهَكَذَا أَشَارَ الطَّحَاوِيُّ ، وَأَبُو حَنِيفَةَ لَمْ يَقْدَرُ فِي ذَلِكَ وَقَوَّضَهُ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي فِي كُلِّ عَصْرِ . وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَدَّرَهُ بِشَهْرٍ ، لِأَنَّ مَا دُونَهُ عَاجِلٌ ، وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَهُوَ الْأَصَحُّ . وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْقَاضِي وَبَيْنَهُمْ مَسِيرَةٌ شَهْرٍ ، أَمَّا إِذَا كَانَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ ؛ لِأَنَّ الْمَانِعَ بَعْدَهُمْ عَنِ الْإِمَامِ فَلَا تَتَحَقَّقُ التَّهْمَةُ . وَالتَّقَادُمُ فِي حَدِّ الشَّرْبِ كَذَلِكَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ ، وَعِنْدَهُمَا يَقْدَرُ بِزَوَالِ الرَّائِحَةِ عَلَى مَا يَأْتِي فِي بَابِهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ

تقادم کی حد میں مشائخ فقہاء کا اختلاف ہے۔ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے جامع صغیر میں چھ ماہ کی طرف اشارہ کیا ہے لہذا انہوں نے بعد میں کہا ہے اسی طرح امام عیسیٰ وی نے بھی اشارہ کیا ہے جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ نے اس بارے میں کوئی اندازہ مقرر نہیں فرمایا۔ اور اس کو ہر زمانے کے قاضی کے حوالے کر دیا ہے۔ امام محمد علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے ایک ماہ سے تقادم کا اندازہ کیا ہے۔ کیونکہ ایک ماہ سے تھوڑی مدت عاجل ہے۔

شخص سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔ اور یہی صحیح ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب قاضی کے اور گواہوں کے درمیان ایک ماہ مسافت نہ ہو لیکن جب ایک ماہ مسافت نہ ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ اور شراب کی حد میں اسی طرح تقادم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ طرفین کے مطابق یہاں بو ختم ہونے سے اس کا اندازہ کیا جائے گا جس طرح اس کے باب میں اس کا بیان ان شاء اللہ آئے گا۔

شرح

زمانہ گزرنے کی وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا

الحق لا يسقط بالتقادم . (رد المحتار)

زمانہ گزرنے کی وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا۔

بہت سے احکام شرعیہ ایسے ہیں کہ وقت گزرنے سے وہ ساقط نہیں ہوتے، جس طرح عبادت فرضیہ یا وہ قرض جس کی ادائیگی واجب ہو وہ کبھی بھی ادائیگی کے بغیر ساقط نہ ہوں گے اگرچہ ان پر ایک زمانہ گزر جائے۔ جبکہ بعض احکام امضائے زمانہ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح بیع خیاری میں مشتری کو تین دن کے بعد فسخ بیع کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کثیر مسائل ہیں جو اس قاعدہ کو دونوں طرف سے لاحق ہیں کہ کہیں ان کا سقوط معتبر اور کہیں ان کا عدم سقوط معتبر ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے سوا تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (مسلم ج ۲ ص ۳۵) اللہ ہی کتب خانہ کراچی

قرض کی ادائیگی جس کا تحقق حقوق العباد سے ہے وہ زمانہ تو کیا گزرتا حتیٰ کہ مقام شہادت والے سے بعد از موت بھی ساقط نہ ہوگا۔ اسی طرح حقوق اللہ کے بارے میں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بندے کی قیامت کے دن اس کے اعمال میں سے سب سے پہلے اسکی نماز کا حساب ہوگا، پس اگر وہ صحیح ہوگی تو وہ کامیاب ہو اور نجات پا گیا اور وہ فاسد ہوگی تو وہ ناکام ہو اور نقصان اٹھانے والا ہوگا۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۵۵، فاروقی کتب خانہ کراچی)

اسی طرح روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر فرائض کا حکم ہے کہ وہ بغیر ادائیگی کے بندے کے حق سے ساقط نہیں ہوتے حتیٰ کہ اسے آخرت میں ان کا حساب دینا پڑے گا۔

حقوق العباد میں سے ساقط ہونے والے احکام:

۱۔ حق رجعت:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو وہ عدت کے اندر اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے جبکہ وقت گزرنے کے

ساتھ اس کا یہ حق ساقط ہو جائے گا یعنی بعد از عدت اسے حق رجوع نہ ہوگا۔

۲۔ بیع کا اختیار:

اگر کسی نے بیع اختیار کیا تو ان میں سے ہر ایک کو یا کسی ایک کو تین دن کے اندر رائد یہ اختیار ہے کہ وہ بیع کو فسخ قرار دیں۔ ورنہ یہ مدت گزرنے کے یہ حق خود بخود ساقط ہو جائے گا۔

۳۔ حق شفعہ:

امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اگر شفعہ نے شہادت کے بعد ایک ماہ تک بغیر کسی عذر کے تاخیر کی تو اس حق شفعہ ساقط ہو جائے گا۔ (المختصر قدوری ص ۹۶، مکتبہ قدسیہ ملتان)

اور اگر کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہوئی تو پھر حق شفعہ ساقط نہ ہوگا کیونکہ اس کے حق میں تفریط نہیں ہے۔ (جوہر دنیہ ج ۱ ص ۶۰۳، مکتبہ رحیمیہ لاہور)

عدت میں وصال شوہر:

اگر کسی شخص کا وصال اس حالت میں ہو کہ اس کی بیوی ابھی طلاق یا ہند یا طلاق معطل کی عدت میں ہے تو وہ بیوی اس کی وراثت سے حصہ دار ہوگی، کیونکہ اس کا حق وراثت تو مدت عدت گزرنے کے بعد ساقط ہونا تھا اور ابھی جبکہ وہ مدت نہیں گزری ہے اس کا حق ساقط نہ ہوگا۔

محض لوگوں کی شہادت پر حد زنا کا بیان

(وَإِذَا شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ وَفُلَانَةٌ غَائِبَةٌ فَإِنَّهُ يُحَدُّ ، وَإِنْ شَهِدُوا أَنَّهُ سَرَقَ مِنْ فُلَانٍ وَهُوَ غَائِبٌ لَمْ يَقْطَعْ) وَالْفَرْقُ أَنَّ بِالْغَيْبَةِ تَنْعِدُ الدَّعْوَى وَهِيَ شَرْطٌ فِي السَّرِقَةِ دُونَ الزَّوْنِ ، وَبِالْحُضُورِ يُتَوَقَّعُ دَعْوَى الشُّبْهَةِ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالْمَوْهُومِ (وَإِنْ شَهِدُوا أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ لَا يَتَرَفَعُونَهَا لَمْ يُحَدِّ) لِاحْتِمَالِ أَنَّ امْرَأَتَهُ أَوْ أَمْتَهُ بَلَّ هُوَ الظَّاهِرُ (وَإِنْ أَقَرَّ بِذَلِكَ حَدًّا) ؛ لِأَنَّهُ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ أَمْتُهُ أَوْ امْرَأَتُهُ .

ترجمہ

اور جب کچھ لوگوں نے کسی شخص کے خلاف گواہی دی کہ اس بندے نے فلاں عورت زنا کیا ہے جبکہ وہ عورت غائب ہے تب بھی اس بندے پر حد جاری کی جائے گی۔ اور جب یہ گواہی دی کہ اس نے فلاں کا مال چوری کیا ہے اور فلاں غائب ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور دونوں مسائل میں فرق یہ ہے کہ غائب ہونے کی حالت میں دعویٰ معدوم ہو جاتا ہے کیونکہ چوری میں

دعویٰ شرط ہے۔ جبکہ زنا میں شرط نہیں ہے۔ اور حاضر ہونے کی حالت میں شہدہ کے دعوے کا وہم ہے اور موهوم کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور جب گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں نے ایسی عورت سے زنا کیا ہے جس کو گواہ پہچانتے ہی نہیں ہیں۔ تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ اس کی بیوی ہو یا باندی ہو بلکہ ظاہر تو یہی ہے اور جب زانی نے اس کا اقرار کیا ہو تو اس پر حد لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس پر یہ معاملہ پوشیدہ نہیں ہے کہ وہ اس کی بیوی ہے یا باندی ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور وہ عورت کہیں چلی گئی ہے تو مرد پر حد قائم کریں گے۔ اسی طرح اگر زانی خود اقرار کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے معلوم نہیں وہ کون عورت تھی تو حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر گواہوں نے کہا معلوم نہیں وہ کون عورت تھی تو نہیں۔ اور اگر گواہوں نے بیان کیا کہ اس نے چوری کی مگر جس کی چوری کی وہ غائب ہے تو حد نہیں۔ (در مختار، کتاب الحدود)

اختلاف شہادت سے سقوط حد کا بیان

(وَإِنْ شَهِدَ اثنَانِ أَنَّهُ زَنَى بِفُلَانَةٍ فَاسْتَكْرَهَتْهَا وَآخَرَايَ أَنَّهَا طَوَّعَتْهُ ذُرَّاءَ الْحَدِّ عَنْهُمَا خَمِيْعًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ (وَقَالَا : يُحَدُّ الرَّجُلُ خَاصَّةً) لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَى الْمَوْجِبِ وَتَقَرُّدَ أَحَدِهِمَا بِزِيَادَةِ جِنَايَةٍ وَهُوَ الْإِكْرَاهُ ، بِخِلَافِ جَانِبِهَا ؛ لِأَنَّ طَوَّاعِيَّتَهَا شَرْطُ تَحَقُّقِ الْمَوْجِبِ فِي حَقِّهَا وَلَمْ يَتَّبَتْ لِاخْتِلَافِهِمَا . وَلَهُ أَنَّهُ اخْتَلَفَ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الزَّوْنِا فِعْلٌ وَاحِدٌ يَقُومُ بِهِمَا ، وَلِأَنَّ شَاهِدِي الطَّوَاعِيَةِ صَارَا قَاضِيَيْنِ لَهَا .

وَإِنَّمَا يَسْقُطُ الْحَدُّ عَنْهُمَا بِشَهَادَةِ شَاهِدِي الْإِكْرَاهِ ؛ لِأَنَّ زَوْنَهَا مُكْرَهَةٌ يُسْقُطُ إِخْصَانَهَا قَصَارًا خَصْمَيْنِ فِي ذَلِكَ .

ترجمہ

اور جب گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں شخص نے فلاں عورت سے زبردستی زنا کیا ہے اور دوسرے دو بندوں نے یہ گواہی دی کہ نہیں بلکہ یہ رضا مندی زنا کیا ہے تو امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں سے حد ساقط ہو جائے گی۔ امام زفر کا بھی یہی قول ہے۔

صاحبین فرماتے ہیں کہ صرف مرد کو حد لگائی جائے گی کیونکہ دونوں فریق وجوب حد متفق ہیں جبکہ ان میں سے ایک فریق

رَأَوِيهِ أُخْرَى بِإِلَاضِطْرَابٍ ، أَوْ لَأَنَّ الْوَاقِعَ فِي وَسْطِ الْبَيْتِ فَيَحْسِبُهُ مَنْ فِي الْمَقْدَمِ فِي الْمَقْدَمِ وَمَنْ فِي الْمُؤَخَّرِ فِي الْمُؤَخَّرِ فَيَشْهَدُ بِحَسَبِ مَا عِنْدَهُ

ترجمہ

اور جب گواہوں نے دونوں کے ایک کمرہ میں ہونے کے باوجود اختلاف کیا ہے تو مرد و عورت دونوں پر حد جاری ہوگی اور اس کا حکم یہ ہے کہ ہر ایک فریق ایک ایک کو نے میں زنا کی شہادت اور یہ استحسان ہے جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ ان پر حد جاری نہ کی جائے کیونکہ حقیقت میں جگہ میں اختلاف ہے۔ اور دلیل استحسان یہ ہے کہ ان دونوں میں مطابقت پیدا کرنا ممکن ہے کیونکہ جب کام کسی ایک کو نے میں اور کسی پریشانی کے سبب اس کی انتہاء دوسرے کو نے میں ہو یا کمرہ زنا کے درمیان میں ہوئی ہو البتہ جو کمرے کے سامنے والے حصے میں ہو اس نے کو اس کو سامنے والا حصہ ہی سمجھ رکھا ہے اور پچھلی جانب تھا اس نے اس کو پچھلی جانب سمجھ رکھا ہے اور ہر شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق شہادت دی ہے۔

شرح

چرا گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے فلاں دن تاریخ وقت میں فلاں شہر میں فلاں عورت سے زنا کیا اور چہرے ہیں کہ یہ دن تاریخ وقت میں اس نے فلاں شخص کو (دوسرے شہر کا نام نیکر) فلاں شہر میں قتل کیا تو نہ زنا کی حد قائم ہوگی نہ قصاص۔ یہ اس وقت ہے کہ دونوں شہادتیں ایک ساتھ گزریں اور اگر ایک شہادت گزری اور دوسری گزری تو دوسری باطل ہے۔ (عالمگیری)

شہادت میں اختلاف وقت سبب سقوط حد کا بیان

(وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ أَنَّهُ زَنَى بِامْرَأَةٍ بِالْخَيْلَةِ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ ، وَأَرْبَعَةٌ أَنَّهُ زَنَى بِهَا عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ بِدَيْرِ هِنْدٍ ذِرَاءَ الْحَدِّ عَنْهُمْ جَمِيعًا) أَمَّا عَنْهُمَا فَلَا نَأْتِيَنَّ بِكَذِبٍ أَحَدِ الْفَرِيقَيْنِ غَيْرَ عَيْنٍ ، وَأَمَّا عَنِ الشُّهُودِ فَلَا خِيَمَالٍ صِدْقٍ كُلِّ فَرِيقٍ (وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى امْرَأَةٍ بِالزَّوْنَا وَهِيَ بِكُرِّ ذِرَاءَ الْحَدِّ عَنْهُمْ وَعَنْهُمْ) : لِأَنَّ الزَّوْنَا لَا يَتَحَقَّقُ مَعَ بَقَاءِ الْبُكَارَةِ ، وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ أَنَّ النِّسَاءَ نَظَرْنَ إِلَيْهَا فَقُلْنَا إِنَّهَا بِكُرٍّ ، وَشَهِدَتْهُنَّ حُجَّةٌ فِي إسْقَاطِ الْحَدِّ وَلَيْسَتْ بِحُجَّةٍ فِي إِبْجَابِهِ فَلِهَذَا سَقَطَ الْحَدُّ عَنْهُمَا وَلَا يَجِبُ عَلَيْهِمْ .

ترجمہ

اور جب چار گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں نے مقام خیلہ میں سورج طلوع کے وقت ایک عورت سے زنا کیا ہے۔ جبکہ دوسرے چار گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس نے سورج طلوع ہونے کے وقت دیر ہند میں اس عورت سے زنا کیا ہے تو ان سب سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ مرد و عورت سے سقوط زنا اس سبب سے ہے کہ ہمیں گواہوں میں سے ہر ایک کے کاذب ہونے یقین ہو چکا ہے اور گواہوں سے اس لئے حد ساقط ہو جائے گی کہ ہر فریق کے سچا ہونے کا احتمال ہے۔

اور جب چار مردوں نے عورت پر زنا کی گواہی دی حالانکہ وہ باکرہ ہے تو ان سب سے حد ساقط ہو جائے گی کیونکہ بکارت کے ہوتے ہوئے زنا ثابت نہ ہوگا۔ اور اس مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ خواتین اس کی شرمگاہ کو دیکھ کر کہیں گی یہ باکرہ ہے اور اسقاط حد میں عورتوں کی شہادت حجت ہے۔ جبکہ وجوب حد میں حجت نہیں ہے لہذا مرد و عورت سے حد ساقط ہو جائے گی اور گواہوں پر بھی واجب نہ ہوگی۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل گزر چکی ہے کہ حدود شہادت سے ساقط ہو جاتی ہیں لہذا اختلاف مقام یا اختلاف وقت کے سبب جب شہادت میں اشتباہ پیدا ہو گیا تو اس کے سبب حد ساقط ہو جائے گی۔

داڑھی مونڈھنا حرام اور اہل تشیع کا موقف و عمل

جواب: داڑھی مونڈھنا حرام اس لئے ہے کہ امام سید علیہ السلام نے امیر المؤمنین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **حَقُّ الْمَحْجَةِ مِنَ الْمَشْأَلَةِ وَ مِنْ مِثْلِ لَعْنَةِ اللَّهِ** (مشترک، ج 1، ص 59، از کتاب بغیریت)۔

ترجمہ: داڑھی مونڈھنا مثلاً (یعنی چہرے کو بگاڑنے، ناک، کان اور ہونٹ کو قطع کرنے) کے زمرے میں آتا ہے اور خدا کی لعنت ہے اس پر جو مثلاً کا ارتکاب کرے۔

اس روایت میں داڑھی مونڈھنا مثلاً کے زمرے میں آتا ہے اور اس کی پاداش اللہ کی لعنت اور غضب ہے۔

یاد رہے کہ پاکستان میں طہان کہوانے والے دہائی دہشت گرد شیعہ افراد کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں اور نئے شیعہ مسافروں کو پکڑ کر ان کا مشل کرتے اور ان کے بدن کے کٹڑے کٹڑے کر دیتے ہیں اور ان کا عمل مثلاً کا معنی مصداق ہے اور رسول اللہ فرماتے ہیں کہ مثلاً کرنے والے پر اللہ کی لعنت اور نیز رسول اللہ (ﷺ) فرماتے ہیں کہ داڑھی مونڈھنا بھی مثلاً کے زمرے میں آتا ہے۔

مراجع: مراجع تقلید اور علماء نے بھی داڑھی مونڈھنا حرام قرار دیا ہے یہ کم از کم فرمایا ہے کہ "احتیاط واجب" یہ ہے کہ داڑھی

رکھی جائے اور احتیاط واجب ترک نہیں کی جاسکتی۔ سورس: (محمد رضا طبعی، تراش ریش از نظر اسلام)
مسلمانوں کا قطعی رویہ

رسول اللہ (ﷺ) کے دور سے اب تک دیدار لوگ دائمی رکھنے کے پابند ہیں اور جو دائمی مؤبد ہوتا ہے اس کی مذمت کرتے آئے ہیں اور اس کو فاسق سمجھتے ہیں اور اسماء عداوت میں بھی گواہی دینے کے لئے دائمی رکھنے ضروری ہے کیونکہ دائمی مؤبد ہونے والے شخص کو فاسق سمجھا جاتا ہے اور اس کی گواہی قابل قبول نہیں سمجھی جاتی۔ یعنی عادل ہونے کی ایک شرط دائمی رکھنا ہے اور گواہی کے لئے عدالت شرط ہے۔ (آیت اللہ العظمی سید ابوالقاسم خوئی، مصباح الفقہیہ، ج 1، ص 264)
حیرت کہ اہل تشیع کا موقف کیا ہے اور ان کا عمل کیا ہے ان کے بڑے بڑے اور علماء و دائمی مؤبد ہیں لہذا اپنے قول کے مطابق وہ سارے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کے حقدار ہوئے۔

ناپیدا گواہوں کی شہادت کا بیان

وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنِ وَهُمْ غَمِيَانٌ أَوْ مَحْذُودُونَ فِي قَدَفٍ أَوْ أَخَذَهُمْ عَيْدٌ أَوْ مَحْذُودٌ فِي قَدَفٍ فَإِنَّهُمْ يُحْذَرُونَ) وَلَا يُحْذَرُ الْمَنْهُودُ عَلَيْهِ . لِأَنَّهُ لَا يَتَسَبَّ بِشَهَادَتِهِمُ الْمَالُ فَكَيْفَ يَتَبُّنَ الْحَذَرُ وَهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ أَدَاءِ الشَّهَادَةِ . وَالْعَيْدُ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلتَّحْمِيلِ وَالْأَدَاءُ فَلَمْ تَتَبُّنْ شُبْهَةَ الزَّوْنِ ، لِأَنَّ الزَّوْنَ يُتَبُّنُ بِالْأَدَاءِ) وَإِنْ شَهِدُوا بِذَلِكَ وَهُمْ فُسَاقٌ أَوْ ظَهَرَ أَنَّهُمْ فُسَاقٌ لَمْ يُحْذَرُوا) . لِأَنَّ الْفَاسِقَ مِنْ أَهْلِ الْأَدَاءِ وَالتَّحْمِيلِ وَإِنْ كَانَ فِي أَذَانِهِ نَوْعٌ فَصُورَ لِتُهْمَةِ الْفُسْقِ .

وَلِهَذَا لَوْ قَضَى الْقَاضِي بِشَهَادَةِ فَاسِقٍ بِنَفْذِ عِدَّتِنَا ، وَتَبَّتْ بِشَهَادَتِهِمْ شُبْهَةُ الزَّوْنِ ، وَبَاعْتَبَارِ قُصُورٍ فِي الْأَدَاءِ لِتُهْمَةِ الْفُسْقِ يَتَبُّنْ شُبْهَةَ عَدَمِ الزَّوْنِ فَلِهَذَا امْتَنَعَ الْحَدَّانِ ، وَسَيَّأَتَى فِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ بِنَاءً عَلَى أَصْلِهِ أَنَّ الْفَاسِقَ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ فَهَوَّ كَأَنْعَبِدَ عِنْدَهُ

(وَإِنْ لَقِصَ عِدَّةَ الشُّهُودِ عَنْ أَرْبَعَةٍ حُدُّوا) لِأَنَّهُمْ قَدْ ذُفَّ إِذْ لَا حِسْبَةَ عِنْدَ نَقْصَانِ الْعِدَّةِ وَخُرُوجِ الشَّهَادَةِ عَنِ الْقَذْفِ بِإِعْتِبَارِهَا

ترجمہ

اور جب چار گواہوں نے کسی پر زنا کی شہادت گواہی دی حالانکہ وہ سارے اندھے ہیں یا محدودی اعتداف والے ہیں۔ یا باہر

ن میں سے ایک غلام ہے یا محدودی اعتداف ہے تو انہیں ہی حد لگائی جائے گی جبکہ مشہود علیہ پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ ایسے گواہوں کی گواہی سے مال ثابت نہیں ہو سکتا تو حد کیسے ثابت ہو جائے۔ اور وہ سلسلے تو ادائے شہادت کے اہل ہی نہیں ہیں۔ اور اسی طرح غلام بھی قتل اور اداء کا اہل نہیں ہوا کرتا لہذا مشہود زنا ثابت نہ ہو سکا کیونکہ زنا اداء سے ثابت ہوتا ہے۔

اور جب چار گواہوں نے کسی خلاف زنا کی گواہی دی جبکہ وہ سب فاسق ہیں۔ یا گواہی دینے کے بعد پتہ چلا کہ وہ سارے ساق ہیں تو انہیں حد نہ لگائی جائے گی۔ کیونکہ فاسق اہل قتل اور اہل اداء میں سے ہے اگرچہ تہمت فاسق کے سبب ایک طرح اس میں نقص ہے اسی سبب کے پیش نظر اگر قاضی کسی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کر دے تو ہمارے نزدیک وہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ اور ان کی گواہی سے زنا کا شبہ ثابت ہو جائے گا۔ اور تہمت فاسق کے سبب اداء میں نقص کی بناء پر عدم حد کا شبہ ثابت ہو جائے گا۔ لہذا دونوں حد میں متمتع ہو جائیں گے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف بھی اس مسئلہ میں بیان کیا جائے جو ان کی دلیل کی بنیاد پر ہے کہ فاسق اہل شہادت میں سے نہیں ہے لہذا امام شافعی کے نزدیک وہ غلام کی طرح ہو جائے گا۔

اور جب گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان کو حد لگائی جائے گی اس لئے کہ وہ سب قاذف ہو گئے کیونکہ عدم کم ہونے سبب انہیں اجر نہیں مل سکتا۔ اور حد سے خروج قذف کے اعتبار (ان پر حد قذف کے لازم ہونے کا سبب بن جائے گا)۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی تھی اور ان میں ایک شخص غلام یا اندھ یا نابالغ یا مجنون ہے یا اس پر تہمت زنا کی حد قائم ہوئی ہے یا کافر ہے تو اس شخص پر حد نہیں مگر گواہوں پر تہمت زنا کی حد قائم ہوگی۔ اور ان کی شہادت کے بناء پر حد قائم کی گئی بعد کو معلوم ہوا کہ ان میں کوئی غلام یا محدودی اعتداف وغیرہ ہے جب بھی گواہوں پر حد قائم کی جائے گی اور اس شخص پر جو کوڑے مارنے سے چوٹ آئی بلکہ مر بھی گیا اس کا کچھ معاوضہ نہیں اور اگر رجم کیا بعد کو معلوم ہوا کہ گواہوں میں کوئی شخص ناقابل شہادت تھا تو بیت المال سے دیت دیئے گئے۔ (بحر الرائق، کتاب الحدود)

فتق کالغوی وفتقی مفہوم

فتق کالغوی معنی ہے کسی چیز سے ٹکنا یا ارادہ کرنا اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے ٹکنا۔ اور فتق کا معنی ہے گناہ۔ اور جب کج گور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہو جائے تو عرب لوگ کہتے ہیں: قد فسقت الرطبہ من فترھا۔ کہ کج گور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہو گئی۔

اور کہا جاتا ہے: فسق للان فی الدنیا لفسقا۔ اور کہا جاتا ہے: رجل فاسق۔ وفسق وفسق۔ ہمیشہ گناہ کرنے والا۔

اور کہا جاتا ہے: فوسقہ جو یہاں اور یہاں کی تعمیر ہے۔ اس لئے کہ اس کا اپنے دل سے ٹکنا لوگوں کی طرف اور فساد برپا کرنا (اس کا کام ہے)۔ اور فسق کا معنی عدل و انصاف کے الٹ ہے۔

فسق کا اصطلاحی معنی 1:- علماء نے اس کے بارے میں کئی اقوال بیان کئے ہیں۔ امام ابن عطیہ کہتے ہیں 155/1 فسق عام طور پر شریعت میں جس بارے میں استہکام کیا گیا ہے وہ ہے اللہ رب العالمین کی اطاعت سے نکلنا (روگردانی کرنا) تحقیق یہ (فسق) واقع ہوتا ہے اس پر جو کفر کر کے نکلے اور جو نافرمانی کر کے نکلے۔

2- اور اسی طرح امام قرطبی کا قول ہے: (تفسیر قرطبی) (245/1)

3- شوکانی نے کہا تعریف کے بارے میں اور یہ جو اس نے کی ہے یہ لغوی معنی کے اعتبار سے کی ہے اور وہ نہیں اس نے اکتفا کیا۔ بعض خارجیوں پر جو کہ بعض سے زیادہ ہیں (فتح القدیر) (57/1)

4- امام بیضاوی نے کہا: فاسق آدمی کبیرہ گناہ کی وجہ سے اللہ کے دین سے نکل جانے والا ہوتا ہے۔ (تفسیر بیضاوی) 41/1، تفسیر ابی سعود (131/1)

5- علامہ آلوسی نے کہا شریعت میں فسق کا معنی ہے سمجھدار لوگوں کا (اللہ رب العالمین اور اس کے رسول کی) اطاعت سے نکلنا۔ پس اس کا اطلاق کفر اور جو اس سے کم ہے گناہ پر کبیرہ و صغیرہ میں سے سب پر ہوتا ہے۔ اور اس نے خاص کیا ہے عرف عام میں کبیرہ گناہ کے مرتکب ہونے کو۔ پس اس نے اس کا اطلاق باقی تمام چیزوں کے ارتکاب پر نہیں کیا ہے مگر کچھ قرینہ کے کچھ جگہوں پر۔

ان تمام بیچ میں گزرنے والی تعریفات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ عام طور پر فسق کی اصطلاح یہ ہے کہ فسق کفر سے زیادہ عام ہے۔ (مفردات الراعی ص 572، کلیات لکھنوی ص 693، نزہۃ العین النواظر ابن جوزی (72/2)) اس وجہ سے کہ فسق، کفر اور جو گناہ اس سے کمتر ہے سب کو شامل ہے لیکن اس کو خاص کیا ہے عرف عام میں گناہ کبیرہ کرنے والے کے ساتھ اسی وجہ سے۔

امام راغب الاصفہانی کہتے ہیں (آدمی پر) فسق واقع ہو جاتا ہے کم اور زیادہ گناہوں کی وجہ سے لیکن عرف عام میں زیادہ گناہ کرنے والے پر فسق کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔ (المفردات 572)

جن لوگوں کی شہادت کی عدم معتبر ہے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان لوگوں کی گواہی جائز و معتبر نہیں۔ (1) خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت (2) جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو (3) دشمن جو اپنے (مسلمان) بھائی کے خلاف ہو (4) وہ شخص جو ولہ کے بارے میں متہم ہو (5) وہ شخص جو قرابت کے بارے میں متہم ہو۔ (6) وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو۔" امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیاد دمشقی مکر الحدیث ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 904)

اسلام کی رو سے گواہ کا عادل ہونا اتنا ہی ضروری ہے جس قدر حاکم کا عادل ہونا کیونکہ گواہی ایک ایسا اہم درمیانی وسیعہ ہے جو

عدالت کو حد تک پہنچنے میں فیصلہ کن مدد دیتا ہے، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حدیث میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ چونکہ عدل کے معیار پر پورے نہیں اترتے اس لئے ان کی گواہی کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے خیانت کرنے والے مرد و عورتوں میں "دلوں کی امانتوں میں خیانت مراد ہے، یعنی ان مردوں، در عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جو لوگوں کی امانتوں میں خیانت کرنے والے مشہور ہوں اور ان کا جرم خیانت بار بار سرزد ہونے کی وجہ سے لوگوں پر عیاں ہو۔ ورنہ تو ظاہر ہے کہ (خیانت) ایک ایسا عقلی جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے مگر عام طور سے بندوں پر عیاں نہیں ہوتا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ یہاں "خیانت" سے مراد فسق ہے خواہ وہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اسے رتی صورت میں ہو یا احکام دین اور فرائض دین کی عدم بجا آوری کی شکل میں ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین کے احکام کو بھی "امانت" فرمایا ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

(أَمَّا غَرَضُنَا الْآمَانَةُ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ) 33. الاحزاب 72:

"تحقیق ہم نے امانت (یعنی اپنے دین کے بار کو) آسمانوں اور زمین پر پیش کیا اور دین کے احکام کو بجا نہ لانے کو "خیانت" فرمایا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

اور دین کے احکام کو بجا نہ لانے کو "خیانت" فرمایا جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

(لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمَانَاتِكُمْ) (الانفال ۸: ۲۷)

"نہ تو خدا اور اس کے رسول کی امانت (یعنی دین کے امور) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو۔" اس صورت میں اول تو حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو مرد و عورت احکام شرع اور فرائض دین کی بجا آوری نہ کرتے ہوں یا گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرتے ہوں ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔ دوسرے یہ کہ آگے آنے والی حدیث میں "خیانت کے بعد" زنا "کا جو ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں کہا جائے گا کہ یہ تخصیص بتدعیہ "کے طور پر ہے علماء لکھتے ہیں کہ یہ تاویل (یعنی خیانت سے فسق مراد لینا اولیٰ ہے ورنہ دوسری صورت میں تمام برائیوں اور گناہوں کا ذکر باقی رہ جائے گا۔ جن کا ارتکاب قبول گواہی سے مانع ہے اور ان سب کو چھوڑ کر صرف خیانت کا ذکر کرنا سمجھ میں نہیں آئے گا۔

جس شخص پر تہمت کی حد جاری کی گئی ہو "کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے کسی پاکدامن پر زنا کی تہمت لگائی ہو اور اس کی سزا میں اس پر حد قذف جاری کی گئی ہو تو اس شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہوگی اگرچہ وہ اس سے توبہ بھی کر لے۔

اس بارے میں فقہی مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ حد قذف کے علاوہ اور دوسرے تمام حدود میں یہ رعایت حاصل ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہو اگر وہ توبہ کرے تو اس کی گواہی قبول ہوگی، توبہ سے پہلے تو اس کی گواہی ناقابل اعتبار قرار پائے گی جب کہ حد قذف میں یہ سزا ہے کہ جس شخص پر یہ حد جاری ہوئی اگر وہ توبہ بھی کرے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی لیکن دوسرے آئمہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ تمام ہی حدود سے متعلق ہے کہ اگر کسی شخص پر حد جاری ہوگئی تو اس کے توبہ کر لینے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی خواہ وہ حد تہمت کے جرم میں جاری ہوئی ہو یا کسی اور گناہ (جیسے زنا) کی وجہ

۔۔۔

"دشمن جو اپنے خلاف ہو" کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی و عداوت رکھتے ہوں ان کی ایک دوسرے کے بارے میں گواہی معتبر نہیں ہوگی خواہ وہ دونوں آپس میں نسبی بھائی ہوں یا اجنبی "یعنی دینی بھائی" ہوں۔

"وہ شخص جو دلاء کے بارے میں متہم ہو۔" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص زید ایک دوسرے بکر کا غلام تھا اور بکر نے اس کو آزاد کر دیا تھا اب زید اپنی آزادی کو ایک تیسرے شخص کی طرف منسوب کرتا یعنی یوں کہتا ہے کہ میں عمر کو آزاد کیا ہوا ہوں، حالانکہ وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے اور وہ اپنے اس جھوٹ میں مشہور ہے کہ لوگ عام طور پر اس کے جھوٹے انساب پر اس کو متہم کرتے ہیں اور اس کی تکذیب کرتے ہیں ایسے شخص کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ وہ اپنے اس کہنے کی وجہ سے "فاسق" ہے چنانچہ آزاد کرنے والے کی ولاء (یعنی آزاد کرنے پر حاصل ہونے والے حق کو قطع کرنا اور اس کی ولاء کی نسبت کسی ایسے شخص کی طرف کرنا جس نے حقیقت میں اس کو آزاد نہیں کیا ہے گنہ کبیرہ ہے اور اس کے مرتکب کے بارے میں سخت وعید و تنبیہ وارد ہے۔ یہ حکم قرابت کے بارے میں بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی قرابت میں غلط بیانی کرے یعنی یوں کہے کہ میں فدا شخص مثلاً زید کا بیٹا ہوں لیکن اس کی غلط بیانی پر لوگ اس کو متہم کرتے ہوں اور اس کی تکذیب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ زید کا بیٹا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں بکر کا بیٹا ہے تو اس کی گواہی بھی قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس کا یہ جھوٹ بھی "فسق" ہے اور اپنے باپ کے عدوہ کسی دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرنے والے کے بارے میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

وہ شخص جو کسی ایک گھر پر قانع ہو۔ "ایسا شخص وہ سائل ہے جو کم سے کم پیٹ بھرنے پر قناعت کر لیتا ہو یا جس کی روزی کسی ایک گھر سے متعلق ہو اور یہ جو کسی ایک گھر کا ہو رہا ہو۔ لیکن یہاں وہ شخص مراد ہے جو کسی کے زیرِ نفقہ ہو یعنی جس کا زر کسی کے دینے پر ہوتا ہو جیسے خادم و تابع۔ ایسے شخص کی گواہی اس کے مخدوم و متبوع کے حق میں قبول نہیں ہوگی کیونکہ اس تو یہ احتمال ہے کہ وہ اپنی محتاجی کی وجہ سے اپنے مخدوم و متبوع کی ناروا طرف داری کرے اور سچی بات نہ کہے اور دوسرے یہ کہ اپنے مخدوم و متبوع کے حق میں گواہی دینے کا مطلب یہ ہے کہ گویا وہ اپنی گواہی کے ذریعہ اس چیز کے منافع کو اپنی ذات سے متعلق کرتا ہے جو اس کی گواہی کے نتیجہ میں اس کے مخدوم و متبوع کو حاصل ہوگی یا بایں طور کہ جب اس کا کھانا پینا اس کے مخدوم و متبوع کے ذمہ ہے جس کے حق میں وہ گواہی دے رہا ہے تو اس مخدوم و متبوع کو اس کی گواہی کا وہی حکم ہوگا جو باپ اور بیٹے یا شوہر اور بیوی کی گواہی کا حکم ہے کہ جس طرح اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے حق میں یا بیٹا اپنے باپ کے حق میں گواہی دے یا شوہر اپنی بیوی کے حق میں یا بیوی شوہر کے حق میں گواہی دے تو اس کی گواہی درست نہیں ہوگی اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کا آپس میں ایک دوسرے کے حق میں گواہی دینا گویا اپنی ذات کے فائدے کے لئے گواہی دینا ہے اسی طرح مخدوم و متبوع کے حق میں تابع و خادم کی گواہی بھی درست نہیں ہے اور اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا! البتہ یہ واضح رہے کہ بھائی کے حق میں بھائی کی گواہی درست رہے گی اور اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

"نیز اس حدیث کا ایک راوی یزید ابن زیاد دمشقی منکر الحدیث ہے" میں "منکر الحدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدیث منکر ہے شرح نخبہ میں لکھا ہے کہ جس راوی سے کوئی شخص غلطی صادر ہوئی ہو یا اس پر غفلت و لسان کا غلبہ ہو اور یا اس کا فسق ظاہر ہو تو اس صورت میں اس کی روایت کردہ حدیث "منکر" کہلائے گی۔"

ور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور ان کے والد اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو خیانت کرنے والے مرد اور خیانت کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اور نہ زنا کرنے والے مرد و زنا کرنے والی عورت کی گواہی درست ہے اسی طرح دشمن کی گواہی (اپنے) دشمن کے خلاف مقبول نہیں۔ "نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مقدمہ میں) اس شخص کی گواہی کو رد کر دیا جو ایک گھر کی کفالت پرورش میں تھا اور اس نے وہ گواہی اس کے گھروالوں کے حق میں دی تھی۔" (الہوداؤد)

حد جاری ہونے کے بعد گواہ کے غلام ثابت ہونے کا بیان

(وَأِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالسَّرْنَا فَضْرِبَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ وَجَدَ أَحَدَهُمْ عَبْدًا أَوْ مَخْدُودًا فِي قَدْفٍ فَإِنَّهُمْ يُحَدِّثُونَ) ؛ لَا تَنْهَمُ قَدْفَةً إِذْ الشُّهُودُ ثَلَاثَةٌ (وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَلَى بَيْتِ الْمَالِ أَرْضُ الضَّرْبِ ، وَإِنْ رُجِمَ قَدَيْتُهُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : أَرْضُ الضَّرْبِ أَيْضًا عَلَى بَيْتِ الْمَالِ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ عَصَمَهُ اللَّهُ مَعْنَاهُ إِذَا كَانَ جَرَحَهُ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا مَاتَ مِنَ الضَّرْبِ ، وَعَلَى هَذَا إِذَا رَجَعَ الشُّهُودُ لَا يَضْمَنُونَ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا يَضْمَنُونَ .

لَهُمَا أَنَّ الْوَاجِبَ بِشَهَادَتِهِمْ مُطْلَقُ الضَّرْبِ ، إِذَا اخْتَرَا زُ عَنْ الْجَرَحِ خَارِجَ عَنْ الْوُسْعِ فَيَنْتَظِمُ الْجَارِحُ وَغَيْرُهُ فَيُضَافُ إِلَى شَهَادَتِهِمْ فَيَضْمَنُونَ بِالرُّجُوعِ ، وَعِنْدَ عَدَمِ الرُّجُوعِ تَجِبُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ ؛ لِأَنَّهُ يَنْتَقِلُ فِعْلُ الْجَلَادِ إِلَى الْقَاضِي وَهُوَ عَامِلٌ لِلْمُسْلِمِينَ فَتَجِبُ الْغَرَامَةُ فِي مَالِهِمْ فَصَارَ كَالرَّجْمِ وَالْقَصَاصِ .

وَلَا بِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْوَاجِبَ هُوَ الْجَلْدُ وَهُوَ ضَرْبٌ مُؤَلَّمٌ غَيْرُ جَارِحٍ وَلَا مُهْلِكٍ ، فَلَا يَقَعُ جَارِحًا ظَاهِرًا إِلَّا لِمَعْنَى فِي الضَّارِبِ وَهُوَ قَلَّةُ هِدَايَتِهِ فَاقْتَصَرَ عَلَيْهِ ، إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ الضَّمَانُ فِي الصَّحِيحِ كَمَا لَا يَمْتَنِعُ النَّاسُ عَنِ الْإِقَامَةِ مَخَافَةَ الْغَرَامَةِ

ترجمہ

اور جب چار گواہوں نے کسی شخص کے خلاف زنا کی شہادت اور ان کی شہادت کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو کوڑے مار دیا گئے اس کے بعد پتہ چلا کہ ان چار گواہوں میں سے ایک گواہ غلام یا پھر وہ محدود فی القذف ہے تو ان سب کو حد قذف لگائی جائے گی کیونکہ وہ سارے کے سارے قاذف ہیں۔ کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے تین گواہ ہیں البتہ ضرب کا تاوان کسی پر نہ ہوگا یعنی ان پر بھی نہ ہوگا اور بیت امال پر بھی نہ ہوگا۔ اور جب مشہود علیہ کو جرح کیا گیا ہے تو اس کی دیت بیت امال پر ہوگی یہ حکم حضرت امام صاحب علیہ الرحمہ کے مطابق ہے۔

صاحبین کے نزدیک مادر نے کارش بھی بیت المال پر ہے۔ بندہ ضعیف (رضی اللہ عنہ) کہتا ہے۔ صاحبین کے قول کی علت یہ ہے کہ جب ضرب نے مضروب کو زخمی کیا تو اس کا ارش بھی بیت المال کے ذمہ پر ہے اور اسی اختلاف پر مبنی یہ مسئلہ ہے کہ جب وہ شخص فوت ہو گیا ہے اور اسی اختلاف کے مطابق ہے کہ جب گواہ شہادت سے پھر جائیں۔ اور امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ ضامن نہ ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک وہ ضامن ہوں گے۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ گواہوں کی شہادت سے علی الاطلاق ضرب واجب ہے کیونکہ زخمی ہونے سے بچنے کا امکان نادر ہے پس یہ زنا زخمی ہونے یا نہ ہونے دونوں کو شامل ہوگی۔ اور زخمی ہونا ہلاک ہونا ان کی گواہی کی طرف منسوب ہے۔ پس رجوع کرنے کے سبب گواہ ضامن ہوں گے۔ اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں بیت امال ضامن ہوگا کیونکہ جلد کا عمل قاضی کی طرف منسوب ہے اور قاضی تمام اہل اسلام کا عمل ہوتا ہے پس مسلمانوں کے مال میں ضمان واجب ہوگا۔ جبکہ حد تکلیف وہ ہے مگر وہ جارح یا مہلک نہیں ہے اور یہ زنا بظاہر جارح نہیں ہے کیونکہ ضرب میں کسی وجہ سے یعنی قلت رہنمائی کے پیش نظر جارح ہونا پایا جائے گا اور یہ زخم اسی پر منحصر ہوگا لیکن صحیح قول کے مطابق اس پر ضمان واجب نہ ہوگا تاکہ ضمان کے ذریعے لوگ حد قائم کرنے سے پرہیز کریں۔

شرح

علامہ ابن حزم کے نزدیک تین مرد اور دو عورتوں کی یا دو مرد اور چار عورتوں کی، حتیٰ کہ آٹھ عورتوں کی شہادت بھی قبول کی جائے گی۔ اگر چار گواہوں میں سے تین زنا کی بالصرحت شہادت دیں اور چوتھ مشتبه بات کہے تو تینوں گواہوں پر حد قذف لگائی جائے گی۔ مثلاً اگر تین گواہوں نے زنا کی مشرورہ شہادت دی لیکن چوتھے نے کہا کہ میں نے صرف اٹا دیکھا کہ مزم اور ملزم ایک بستر پر ایک لحاف میں بیٹے ہوئے تھے تو ملزموں پر حد نہیں جاری ہوگی اور تین گواہوں پر حد قذف جاری ہوگی۔ زنا کے گواہوں میں ان تمام خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے جو عام گواہوں میں ازروئے شرع ہونا ضروری ہیں ان کے علاوہ بھی چند شرائط اور خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً گواہوں نے اصلی واقعہ زنا کا اس کی تمام شرعی تفصیلات کے ساتھ مشاہدہ کیا ہو۔

شدت پر شہادت دینے سے سقوط حد کا بیان

(وَإِنْ شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَنَى شَهَادَةٍ أَرْبَعَةٍ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنَا لَمْ يُحَدَّ) لَمَّا فِيهَا مِنْ زِيَادَةِ الشُّبْهَةِ وَلَا ضَرُورَةَ إِلَى تَحْمِيلِهَا (فَإِنْ جَاءَ الْوَلُونَ فَشَهِدُوا عَلَى الْمُعَايَةِ فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ لَمْ يُحَدَّ أَيْضًا) مَعْنَاهُ شَهِدُوا عَلَى ذَلِكَ الزَّوْنَا بِعَيْنِهِ؛ لِأَنَّ شَهَادَتَهُمْ قَدْ رُدَّتْ مِنْ وَجْهِ بَرْدِ شَهَادَةِ الْفُرُوعِ فِي عَيْنِ هَذِهِ الْحَادِثَةِ إِذْ هُمْ قَائِمُونَ مَقَامَهُمْ بِالْأَمْرِ وَالْتَحْمِيلِ، وَلَا يُحَدُّ الشُّهُودُ؛ لِأَنَّ عَدَدَهُمْ مُتَكَامِلٌ وَامْتِنَاعُ الْحَدِّ عَلَى الشُّهُودِ عَيْنِي لِنَوْعِ شُبْهَةٍ. وَهِيَ كَافِيَةٌ لِلدَّرْعِ الْحَدِّ لَا لِإِبْجَاحِهِ

ترجمہ

اور جب گواہوں نے دوسرے چار گواہوں کی شہادت پر کسی شخص کے خلاف زنا کی شہادت دی تو مشہود علیہ پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ اس گواہی میں شہادت واقع ہوئے ہیں اور اس کو قبول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر پہلے یعنی اصلی گواہ آجائیں اور نہ جبکہ زنا دیکھنے کی گواہی دیں تب بھی مشہود علیہ پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ اسی مسئلہ کی فرعی شہادت کے رد کرنے کے سبب اصلی شہادت بھی رد ہو جائے گی کیونکہ فروع اداء میں اصول کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ) اور گواہوں پر حد جاری نہ ہونے کی کیونکہ ان کی تعداد پوری ہے اور ایک شبہ کے سبب مشہود علیہ سے حد ختم ہو جائے گی۔ اور یہ شبہ حد و رد کرنے کیلئے کافی ہے جبکہ حد کو واجب کرنے کیلئے اہل نہیں ہے۔

شرح

فروع اداء میں اصول کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ (قاعدہ فقہیہ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک شہادۃ علی الشہادۃ اور سماعی شہادت قابل قبول نہیں۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ضروری ہے کہ چار گواہ ایک ہی مجلس میں حاکم مجاز کے سامنے حاضر ہو کر گواہی دیں۔ اسی طرح شہادت میں تمام گواہوں کے بیان یکساں ہوں اگر ان کے بیانات میں اختلاف ہو تو قاضی ان کو رد کر سکتا ہے۔ ہر طرح کے مقدمات میں قاضی کو چاہیے کہ وہ گواہوں کا تزکیہ کرے خاص طور پر حدود کے مقدمات میں جب گواہ شہادت دے چکیں تب ان کا تزکیہ کرایا جائے گا۔ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ شہادت کے بعد گواہوں کا تزکیہ کرایا تھا۔ جب چار افراد زنا کی شہادت قاضی کے رو بردیں تو قاضی کو چاہیے کہ ان سے یہ پوچھے کہ زنا کیا ہے؟ کس طرح ہوا؟ کب کیا گیا اور کہاں کیا گیا؟ ماہیت زنا کا سوال اس لیے ضروری ہے کہ بعض لوگ ہر قسم کی حرام محبت کو زنا سمجھتے ہیں۔ صحبت کرنے کے علاوہ دیگر چیزوں کو بھی شرع میں زنا کہا گیا ہے مثلاً العینان تو نسیان (آنکھیں زنا کرتی ہیں)، والیدان تو نسیان (اور ہاتھ زنا کرتے ہیں)، والیرجلان تو نسیان (اور پیر زنا کرتے ہیں)۔ لیکن اس کے بعد ارشاد ہے

اور شرم گاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ حد صرف شرم گاہ میں جماع کے سبب واجب ہوتی ہے۔

رجوع کرنے والے پر حد قذف کا بیان

(وَإِذَا شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّنا فَرَجِمَ فَلَئِمَّا رَجَعَ وَاحِدٌ حُدَّ الرَّاجِعُ وَحْدَهُ وَغَيْرُهُ رُبْعَ الدَّيَّةِ) أَمَّا الْغَرَامَةُ فَلِأَنَّهُ بَقِيَ مِنْ يَتَّقَى بِشَهَادَتِهِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْحَقِّ فَيَكُونُ التَّالِفُ بِشَهَادَةِ الرَّاجِعِ رُبْعَ الْحَقِّ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَجِبُ الْقَتْلُ ذَوْنَ الْمَالِ بِنَاءً عَلَى أَصْلِهِ فِي شُهُودِ الْقِصَاصِ، وَسَبِّئُهُ فِي الدِّيَّاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى، وَأَمَّا الْحَدُّ فَمَذْهَبُ عُلَمَائِنَا الثَّلَاثَةِ. وَقَالَ زُفَرُ لَا يُحَدُّ لِأَنَّهُ إِنْ كَانَ الرَّاجِعُ قَاضٍ حَتَّى لَقِيَ بَطْلًا بِالْمَوْتِ، وَإِنْ كَانَ قَاضٍ مَيِّتٌ فَهُوَ مَرْجُومٌ بِحُكْمِ الْقَاضِي فَيُورِثُ ذَلِكَ شُبْهَةً.

وَلَمَّا أَنَّ الشَّهَادَةَ إِنَّمَا تَنْقَلِبُ قَذْفًا بِالرُّجُوعِ؛ لِأَنَّ بِهِ تَفْسِيخَ شَهَادَتِهِ فَجُعِلَ لِلْحَالِ قَذْفًا لِمَيِّتٍ وَقَدْ انْفَسَخَتْ الْحُجَّةُ فَيَنْفَسِخُ مَا يَتَّبِعِي عَلَيْهِ وَهُوَ الْقَضَاءُ فِي حَقِّهِ فَلَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَذَفَهُ غَيْرُهُ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُحْصَنٍ فِي حَقِّ غَيْرِهِ لِقِيَامِ الْقَضَاءِ فِي حَقِّهِ

ترجمہ

اور جب بندوں نے زنا کی شہادت دی اور اس شخص کو رجم کر دیا گیا تو اس کے بعد ان میں سے کسی ایک گواہ نے گواہی سے رجوع کر لیا تو ایک گواہ پر حد جاری کی جائے گی۔ اور چوتھائی دیت کا ضامن ہوگا جبکہ ضمان اس وجہ سے قائم ہے کہ جتنے گواہ شہادت پر قائم ہیں ان کی شہادت میں سے تین چوتھائی حق باقی ہے پس رجوع کرنے والے سے شہادت کا چوتھائی کا حق ختم ہوا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ گواہی سے رجوع کرنے والے کو قتل واجب ہے اور مال واجب نہیں ہے اور ان یہ قول کہ اس گواہ پر قصاص واجب ہے یہ ان کی دلیل کے مطابق ہے جس ہم ان شاء اللہ کتاب الدیات میں بیان کریں گے۔

ہمارے فقہاء مثلاً کے نزدیک حد واجب ہے جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ گواہی سے رجوع کرنے پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ اگر وہ زندہ پر تہمت لگانے والا ہوتا تو اس کے مارنے سے قاذف سے حد قذف باطل ہو جاتی اور جب وہ مردہ پر تہمت لگانے والا ہے تو مقلد قاضی کے حکم سے رجم کیا گیا ہے اس لئے اس میں شبہ پیدا ہو چکا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ رجوع کرنے کے سبب اس کی شہادت تہمت میں بدل چکی ہے اور رجوع کرنے سے راجع کی شہادت

باطل ہو جائے گی اور بہر حال اس کو میت کے حق میں قاذف مانا جائے گا اور رجوع کے سبب حجت ختم ہو جائے گی لہذا جو چیز اس حجت پر قائم تھی وہ بھی ختم ہو جائے گی اور اس کے حق میں قاضی کا فیصلہ ہے پس اس میں شبہ پیدا نہ ہوگا یہ خلاف اس صورت کے کہ جب مرجوم پر کسی دوسرے نے تہمت لگائی کیونکہ مرجوم غیر راجع کے حق میں محسن نہیں ہے۔ کیونکہ راجع کے حق میں قاضی کا فیصلہ موجود ہے۔

اجرائے حد سے قبل رجوع کرنے کا بیان

(فَإِنْ لَمْ يُحَدَّ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ حَتَّى رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ حُدُّوا جَمِيعًا وَسَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ: حُدَّ الرَّاجِعُ خَاصَّةً؛ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ تَأْكُذُّ بِالْقَضَاءِ فَلَا يَنْفَسِخُ إِلَّا فِي حَقِّ الرَّاجِعِ، كَمَا إِذَا رَجَعَ بَعْدَ الْإِمَاضَاءِ.

وَلَهُمَا أَنْ الْإِمَاضَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فَصَارَ كَمَا إِذَا رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَلِلْهَذَا سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْمَشْهُودِ عَلَيْهِ. وَلَوْ رَجَعَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ قَبْلَ الْقَضَاءِ حُدُّوا جَمِيعًا. وَقَالَ زُفَرُ: يُحَدُّ الرَّاجِعُ خَاصَّةً؛ لِأَنَّهُ لَا يُصَدَّقُ عَلَى غَيْرِهِ.

وَلَمَّا أَنَّ كَلَامَهُمْ قَذْفٌ فِي الْأَصْلِ وَإِنَّمَا يَصِيرُ شَهَادَةً بِاتِّصَالِ الْقَضَاءِ بِهِ، فَإِذَا لَمْ يَتَّصِلْ بِهِ بَقِيَ قَذْفًا فَيَحْدُون (فَإِنْ كَانُوا خَمْسَةً فَرَجَعَ أَحَدُهُمْ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ)؛ لِأَنَّهُ بَقِيَ مِنْ يَتَّقَى بِشَهَادَتِهِ كُلِّ الْحَقِّ وَهُوَ شَهَادَةُ الْأَرْبَعَةِ (فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ حُدَّ وَغَيْرُ مَا رُبْعَ الدَّيَّةِ) أَمَّا الْحَدُّ فَلِمَّا ذَكَرْنَا وَأَمَّا الْغَرَامَةُ فَلِأَنَّهُ بَقِيَ مِنْ يَتَّقَى بِشَهَادَتِهِ ثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْحَقِّ، وَالْمُعْتَبَرُ بَقَاءُ مَنْ بَقِيَ لَا رُجُوعُ مَنْ رَجَعَ عَلَى مَا عُرِفَ

ترجمہ

اور جب مشہود علیہ پر حد جاری نہ ہوئی تھی کہ گواہوں میں سے ایک نے رجوع کر لیا تو ان سب پر حد جاری کی جائے گی۔ اور مشہود علیہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ صرف رجوع کرنے والے پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ وہ قاضی کے فیصلے سے مؤکد ہو چکی ہے۔ پس وہ رجوع کرنے والے حق میں ختم ہو جائے گی۔ جس طرح کوئی اجرائے حد کے بعد رجوع کرتا ہے۔

شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حد جاری کرنا بھی قضاء ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح قضاء کے بعد گواہوں میں سے کوئی پھر جائے تو اسی سبب سے مشہود علیہ سے حد ساقط ہو جائے گی۔ اور جب فیصلے سے پہلے ہی کوئی گواہ بدل جائے تو سب کو حد لگائی

مجموعی امت کے سوا اعظم کا متفق ہو جانا ہے۔ اپنی ذاتی عقل کے گھوڑے دوڑانے کا عمل سب سے آخر میں آتا ہے۔ جبکہ آپ اس بنیادی اصول سے متفق ہی نہیں۔ ہر معاملے میں اگر ناقص عقل کے گھوڑے پہنچتے ہوئے آئیں اور سنت رسول اور صحابہ کے عمل، 1400 سال کے غور و فکر، علماء و فقہاء کی سب علمی تحقیقات کو بیک وقت دوشی رسید کر کے منصب اجتہاد و تفسیر پر براجمان ہو جائیں۔ تو پھر دین کا تو اللہ ہی حافظ۔ ہر ایک کی ذی ذہانت کی مسجد علیحدہ 72 فقرے کی بجائے کئی ہین فرتے ہو جائیں کیونکہ ہر فرد اپنی ذاتی فہم کو ہی حرف آخر سمجھنے لگے گا۔

بھائی قرآن نہیں اور خصوصی طور پر اس سے اسلامی احکامات و فقہ کا استنباط، آپ ایک دیکھ میں بیٹھ کر نہیں حاصل کر سکتے۔ صحابہ کرام بھی ایسا نہیں کرتے تھے جب وہ اپنی ذاتی قرآن نہیں کر رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ کے کسی عمل یا ارشاد سے متصادم دیکھتے تھے تو اس ذاتی فہم کو خیر آباد کہہ کر رسول اللہ ﷺ کی سنت کی روشنی میں قرآن کو سمجھتے تھے۔

اب آپ خود ہی بتائیے کہ اگر کسی صحابی بذات خود دیکھ لے کہ رسول کریم نے کچھ مقدمات میں رجم کا فیصلہ صادر کیا تو پھر اس صحابی کا کیا طرز عمل ہوگا؟۔ یقیناً وہی کہ قرآن کی آیت کی jurisdiction میں رسول نے وضاحت کر دی کہ اس آیت کا اطلاق زنا کے ہر معاملے میں نہیں ہے، وہ آیت غیر شادی شدہ افراد کے حق میں نازل ہوئی۔ کیونکہ شادی شدہ افراد کے لئے رسول نے رجم کا حکم نافذ فرمایا۔ اب یہ بات ایک صحابی نے نہیں بلکہ کئی اور صحابہ نے رپورٹ کی۔ صحابہ کا فہم قرآن تو رسول کے عمل کے تابع ہے۔ وہ تو آیت کے عموم یا خصوص کا فیصلہ رسول کی سنت کی روشنی میں ہی کریں گے۔ باقی رہ گئی یہ بات کہ یہ سب روایات کہیں جھوٹی تو نہیں، تو اس سلسلے میں یہ عرض کروں گا کہ ہم اہلسنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ "یہ اللہ علی الجماعہ" یعنی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اور یہ کہ یہ امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی۔ اب حالت یہ ہے کہ اس مسئلے پر 1400 سال سے اگر سب فقہاء و محدثین متفق ہیں تو ضرور یہ بات صحابہ اور رسول سے منقول ہے کیونکہ عقل اس بات کو بھی تسلیم نہیں کرتی کہ وہ سب لوگ معاذ اللہ اجتماعی طور پر ہی گمراہی کا شکار ہو گئے۔

حد لگانے والوں میں کسی کا گردن اڑا دینے کا بیان

(وَإِذَا شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنَا فَأَمَرَ الْقَاضِي بِرَجْمِهِ فَضْرَبَ رَجُلٌ عُقْبَهُ ثُمَّ وَجَدَ الشُّهُودَ عَيْدًا فَعَلَى الْقَاتِلِ الدِّيَةُ) وَلِى الْقِيَاسِ يَجِبُ الْقِصَاصُ ؛ لِأَنَّهُ قَتَلَ نَفْسًا مَعْصُومَةً بِغَيْرِ حَقٍّ .

وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْقَضَاءَ صَحِيحٌ ظَاهِرًا وَقَتَّ الْقَتْلُ فَأَوْرَثَ شُبُهَةً ، بِخِلَافِ مَا إِذَا قَسَلَهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ ؛ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ لَمْ تَصِرْ حُجَّةً بَعْدُ ، وَلِأَنَّهُ ظَنَّهُ مَبَاحَ الدَّمِ مُعْتَمِدًا عَلَى دَلِيلٍ مُبِيحٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا ظَنَّهُ حَرَبِيًّا وَعَلَيْهِ عِلَامَتُهُمْ ، وَتَجِبُ الدِّيَةُ فِي مَالِهِ ؛ لِأَنَّهُ

عَمْدٌ ، وَالْعَوَاقِلُ لَا تَعْقِلُ الْعَمْدَ ، وَيَجِبُ ذَلِكَ فِي ثَلَاثِ سَبَبِينَ ؛ لِأَنَّهُ وَجِبَ بِنَفْسِ الْقَتْلِ (وَإِنْ رُجِمَ ثُمَّ وَجِدُوا عَيْدًا فَالْدِّيَةُ عَلَى بَيْتِ الْمَالِ) ؛ لِأَنَّهُ امْتَثَلَ أَمْرَ الْإِمَامِ فَنَقَلَ فِعْلَهُ إِلَيْهِ ، وَلَوْ بَاشَرَهُ بِنَفْسِهِ تَجِبُ الدِّيَةُ فِي بَيْتِ الْمَالِ لِمَا ذَكَرْنَا كَذَا هَذَا ، بِخِلَافِ مَا إِذَا ضَرَبَ عُقْبَهُ ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَأْتِمْرْ أَمْرُهُ (وَإِذَا شَهِدُوا عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنَا وَقَالُوا تَعَمَّدْنَا النَّظَرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمْ) ؛ لِأَنَّهُ يُبَاحُ النَّظَرُ لَهُمْ ضَرُورَةً تَحْمِلُ الشَّهَادَةَ فَأَشْبَهَ الطَّبِيبَ وَالْقَابِلَةَ

ترجمہ

اور جب کسی بندے کے خلاف چار گواہوں نے زنا کی شہادت دی اور قاضی نے مشہود علیہ کو رجم کرنے کا حکم دیدیا ہے اور ایک بندے نے اس کی گردن اڑا دی ہے پھر ان میں سے ایک غلام نکلا تو قاتل پر دیت واجب ہوگی جبکہ قیاس کے مطابق اس پر قصاص واجب ہے۔ کیونکہ اس نے بغیر حق کے ایک معصوم جان کو قتل کیا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ قتل کرنے کے وقت ظاہری فیصلہ صحیح تھا پس اس نے شہید پیدا کر دیا یہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس نے فیصلے سے پہلے ہی قتل کر دیا ہو۔ کیونکہ ابھی تو شہادت بطور حجت نہیں ہے اور اس دلیل کے سبب سے کہ قاتل نے اس کو ایک مباح دلیل کی وجہ سے مباح الدم سمجھا ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی نے اس کو حربی سمجھا ہو اور اس پر حربیوں کی عدت بھی ہو۔ اور اس کی یہ دیت قاتل کے مال میں واجب ہوگی کیونکہ یہ قتل عمد ہے اور عمد کی دیت عاقبت نہیں دیتی اور یہ دیت تین سالوں میں واجب ہوگی کیونکہ نفس قتل کے سبب واجب ہوئی ہے۔

اور جب مشہود علیہ کو رجم کرنے کے بعد ایک گواہ کو ظلام پائے تو دیت بیت المال پر واجب ہوگی کیونکہ قاتل نے امام کے حکم کی اطاعت کی ہے پس اس کا فعل امام کی طرف مضاف ہو جائے گا اگر امام اس کو بہ ذات خود رجم کرنے والا ہوتا تو بیت المال پر دیت واجب ہوتی۔ پس اس صورت میں بھی دیت بیت المال پر واجب ہوگی یہ خلاف اس صورت کے کہ جب اس کی گردن اڑا دی گئی ہو کیونکہ مارنے والے نے امام کے حکم کی اطاعت نہیں کی ہے۔ اور جب لوگوں نے کسی شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی اور اس طرح کہا کہ ہم نے بطور ارادہ مرد و عورت کی شرمگاہوں کو دیکھا ہے تو ان کی شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قتل کی شہادت کی ضرورت ان کیلئے دیکھنا مباح ہے پس یہ حکیم اور دانیہ کے مشابہ ہو جائیں گے۔

مشہود علیہ کا محسن ہونے سے انکار کرنے کا بیان

(وَإِذَا شَهِدَ أَرْبَعَةٌ عَلَى رَجُلٍ بِالزَّوْنَا فَأَنْكَرَ الْإِحْصَانَ وَلَهُ امْرَأَةٌ قَدْ وَلَدَتْ مِنْهُ فَإِنَّهُ يُرْجَمُ

(مَعْنَاهُ أَنْ يُكْرَ الدُّخُولَ بَعْدَ وُجُودِ سَائِرِ الشَّرَاطِطِ ، لِأَنَّ الْحُكْمَ بِثَبَاتِ النَّسَبِ مِنْهُ حُكْمٌ بِالْدُّخُولِ عَلَيْهِ ، وَلِهَذَا لَوْ طَلَّقَهَا يُعْقِبُ الرَّجْعَةَ وَالْإِحْصَانَ يَثْبُتُ بِمِثْلِهِ) (فَإِنْ لَمْ تَكُنْ وَلَدَتْ مِنْهُ وَشَهِدَ عَلَيْهِ بِالْإِحْصَانِ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ رُجِمَ) خِلَافًا لِزُفَرٍ وَالشَّافِعِيِّ ، فَالْشَّافِعِيُّ مَرَّ عَلَى أَصْلِهِ أَنَّ شَهَادَتَهُنَّ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ فِي غَيْرِ الْأَمْوَالِ ، وَزُفَرٌ يَقُولُ إِنَّهُ شَرْطٌ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ ، لِأَنَّ الْجَنَابَةَ تَغْلُظُ عِنْدَهُ فَيُضَافُ الْحُكْمُ إِلَيْهِ فَالْأَشْبَهُ حَقِيقَةُ الْعِلَّةِ فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِيهِ اخْتِيَالًا لِلذَّرْعِ ، فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدَ ذِمِّيَانِ عَلَى ذِمِّيٍّ زَنَى عِنْدَهُ الْمُسْلِمُ أَنَّهُ أَغْفَقَهُ قَبْلَ الزَّوْنِ لَا تُقْبَلُ لِمَا ذَكَرْنَا .

وَلَمَّا أَنَّ الْإِحْصَانَ عِبَارَةٌ عَنِ الْخِصَالِ الْحَمِيدَةِ ، وَأَنَّهَا مَانِعَةٌ مِنَ الزَّوْنِ عَلَى مَا ذَكَرْنَا فَلَا يَكُونُ فِي مَعْنَى الْعِلَّةِ وَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدُوا بِهِ فِي غَيْرِ هَذِهِ الْحَالَةِ ، بِخِلَافِ مَا ذُكِرَ ، لِأَنَّ الْعِتْقَ يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهِمَا ، وَإِنَّمَا لَا يَثْبُتُ سَبْقُ التَّارِيخِ ، لِأَنَّهُ يُنْكَرُ الْمُسْلِمُ أَوْ يَنْتَضَرُّ بِهِ الْمُسْلِمُ (فَإِنْ رَجَعَ شُهُودُ الْإِحْصَانِ لَا يَضْمَنُونَ) عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرٍ وَهُوَ قَرْنُ مَا تَقَدَّمَ .

ترجمہ

اور جب چار بندوں نے کسی شخص کے خلاف زنا کی گواہی دی لیکن مشہود علیہ نے اپنے محسن ہونے کا انکار کر دیا ہے حالانکہ اس شخص کی بیوی بھی ہے اور اس سے ایک بچہ بھی ہے تو اس کو رجم کیا جائے گا اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں احسان کی تمام شرائط پائی جانے کے بعد اس نے دخول کرنے سے انکار کیا ہے۔ اور ثبوت نسب کا حکم بھی اس کے دخول کے حکم کو ثابت کرنے والا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ اگر وہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو اس کے رجوع کا حق رکھتا ہے اور اسی طرح کی دلیل سے احسان ثابت ہو جائے گا مگر جب اس کا بچہ نہ ہو اور ایک مرد اور دو عورتوں نے اس کے خلاف احسان کی شہادت دی تو اس کو رجم کیا جائے گا۔ اس میں امام زفر اور امام شافعی علیہما رحمہما نے اختلاف کیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل تو یہ ہے کہ اموال کے علاوہ کسی معاملہ میں بھی عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ احسان شرط ہے اور عدت کے حکم میں ہے کیونکہ احسان کی صورت میں جنابیت سخت ہو جاتی ہے اور حکم احسان کی طرف مضاف ہوتا ہے تو احسان حقیقی عدت کے مثلاً ہو جائے گا پس اس میں عورتوں کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں ہے تو یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح دو آدمیوں نے کسی ایسے آدمی کے خلاف یہ گواہی دی۔ یعنی جس کے مسلم عدم نے زنا کیا ہو، کہ اس

نے زنا سے پہلے اس عدم کو آزاد کر دیا تھا۔ تو اس کی یہ شہادت قابل قبول نہ ہوگی۔ اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ احسان ایک اچھی عادت کا نام ہے اور یہ زنا سے روکنے والی ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں پس احسان عدت کے حکم میں نہ ہوگا اور یہ اس طرح ہو جائے گا کہ جب گواہوں نے اس حالت کے سوا میں احسان کی گواہی دی۔ بہ خلاف امام زفر کی بیان کردہ مثال کے کیونکہ انہی دونوں کے حق میں آزادی ثابت ہو جائے گی۔ جبکہ زنا سے قبل اس کیلئے آزادی ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر مسلمان اس سے انکار کرے تو مسلمان کو نقصان لاحق ہونے والا ہے اس کے بعد اگر احسان کا گواہ اپنی عادت سے بدل جائے تو ہمارے نزدیک ضامن نہ ہوگا اور اس میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور ان یہ اختلاف گزشتہ اختلاف کی فرع ہے۔

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے ، قاعدہ فقہیہ

اذا ظهر كذبه بيقين فبطل الاقرار ، (ماخوذ من الهدایہ ج ۲ ص ۴۱۱)

جب کسی کا کذب یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ بہت سے احکام ہیں جہاں اقرار کو شرعاً قبول کر لیا جاتا ہے لیکن جب کسی اقرار کا جھوٹا ہونا یقین کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو اس وقت وہ سابقہ اقرار باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہر ہونے والا یقینی ثبوت اقرار سے قوی ہوتا ہے۔

اس کا ثبوت اس حکم سے مستند ہے۔ ترجمہ: حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے۔ (الختاف، ۱۵) اس آیت مبارکہ میں حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت کو بیان کیا گیا ہے جواز حاکم اس سے ہے جبکہ دوسری آیت میں دودھ پلانے کی مدت 'حولین کاملین' یعنی دو سال بیان کی گئی ہے۔

ترجمہ: اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ (البقرہ، ۲۳۳) اس سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ حمل کی مدت کم از کم چھ ماہ ہے۔

اگر کسی عدت والی عورت نے یہ اقرار کیا کہ اس کی عدت شتم ہو چکی ہے پھر چھ ماہ سے پہلے ہی اس نے بچے کو جنم دیا، تو نسب ثابت ہوگا (ہدایہ، ۳۱۱) اس مسئلہ کی دلیل یہی قاعدہ ہے کہ جب اس کا اقرار ظاہری یقین و دلیل کی وجہ سے باطل ہوا تو اشیاء نسب کا حکم بھی ثابت ہو جائے گا۔

اس طرح ولادت بچہ کی وجہ سے عورت پر حد بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ یہ اس قدر قوی قرینہ ہے کہ دلیل نقلی سے بھی بے نیاز کر دیتا ہے۔

بَابُ حَدِّ الشَّرْبِ

﴿یہ باب شراب کی حد کے بیان میں ہے﴾

باب حد شراب کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حد شراب کو حد زنا کے سے مؤخر ذکر کیا ہے کیونکہ زنا شراب کی بیماری سے بڑھ بیماری و معصیت ہے۔ یہاں تک کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جان کے قتل کے ساتھ اس کو ذکر کیا ہے گویا زنا کرنا قتل نفس کی طرح ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ

اور یہ زنا ایسا جرم ہے جو کسی دین میں بھی حلال نہیں ہے۔ یعنی اس کی حرمت اتنی عام ہے جس طرح فطرت بن گئی ہے۔ یونکہ اسام دین فطرت ہے۔ لہذا اسی سبب کے پیش نظر حد زنا کو مقدم اور حد شراب کو اس پر مؤخر ذکر کیا ہے۔

(عنا یہ شرح الہدایہ بتصرف، ج ۷، ص ۲۵۲، بیروت)

نہ (شراب) کا فقہی مفہوم

قاموس میں لکھا ہے کہ خمر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے استعمال (یعنی جس کو پینے) سے نشہ و مستی پیدا ہو جائے۔ اور وہ انگور سے شیرے کی صورت میں ہو یا عام کہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی چیز کا عرق و کاڑھا وغیرہ ہو، زیادہ صحیح یہی ہے کہ اس کا عام مفہوم مراد ہوا جائے (یعنی نشہ لانے والی چیز خواہ وہ انگور کا شیرہ ہو یا کسی دوسری چیز کا شیرہ وغیرہ کیونکہ شراب مدینہ میں حرام ہوئی ہے اور اس زمانہ میں انگور کی شراب کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ وہ سبجور سے بنائی جاتی تھی خمر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ غفلت میں خمر کے معنی ہیں ڈھانپنا چھپانا، خلط کرنا اور چونکہ شراب انسان کی عقل کو ڈھانپ دیتی ہے اور اس کے فہم و شعور کی قوتوں کو خلط و خلط کر دیتی ہے اس لئے اس کو خمر کہا گیا۔

قرآن کے مطابق حرمت شراب کا بیان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ (سورة مائدہ: ۹۱)

”اے ایمان والو! یہ شراب اور جو کہ اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیوں ہیں سو بچو ان سے کہ تم فلاح پاؤ کی تو چاہتا ہے شیطان کے ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض اور شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تم کو یاد اللہ سے اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو؟“

شراب اور جو اطمینان پر حرام کام ہیں۔ چونکہ یہ شیطانی عمل ہیں شیطان یہ چاہتا ہے۔ کہ بندے کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر انسانی کے راستوں پر ڈال دے اسی شراب کی وجہ سے عزت، غیرت، گھریار، اولاد، پیسہ، کاروبار، وغیرہ سب برباد ہو جاتے ہیں سب سے بڑھ نقصان اس کے ایمان کا ہوتا ہے کیونکہ شراب اور ایمان کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”ایمان اور دائمی شراب نوشی کبھی جمع نہیں ہو سکتے ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے ایک دوسری کو نکال دے۔“ (سنن نسائی)

یہ دین تو چند روزہ ہے اور اس کے مقابلے میں چند لمحوں کے مقابلے میں اور چند لمحوں کی لذت کے لئے ہمیشہ کی زندگی برباد کرنا نہایت ہی گھائے کا اور خسارے کا سودہ ہے۔ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو شراب جیسی لعنت سے بچائیے۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں بھی حرام کیں ہیں تو ان کے عوض ان سے بہتر عطا بھی کیں ہیں شراب حرام کی تو لذت بڑی مشروبات اور روح اور جسم کو فائدہ دینے والی چیزیں حلال کیں۔ کھانے کی گندی چیزیں حرام کیں تو پاکیزہ کھانے حلال کیے۔

شراب سے متعلق حکم نزول کا بیان

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ”جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا“ اے اللہ ہمارے لئے شراب کے بارے میں واضح اور بین (روشن) حکم نازل فرما تو اس وقت سورۃ بقرہ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی ”وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ ﷺ فرمادیجئے“ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے“ بس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان پر یہ آیت مبارکہ پڑھی گئی تو انہوں نے پھر یہ کہا اے اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لئے واضح حکم نازل فرما تب سورۃ نساء کی آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ”اے ایمان والو! تم نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں ہو“ جب نماز کھڑی ہوئی تو آپ ﷺ کا منادی اعلان کرتا تھا خبردار کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔“

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا اور ان کو یہ آیت مبارکہ سنائی گئی انہوں نے پھر یہی کہا ”اے اللہ ہمارے لئے شراب کا واضح اور بین حکم نازل فرما پھر سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۹۱ نازل ہوئی۔ ”کیا تم باز آؤ گے یا نہیں؟“ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم باز آ گئے۔ (سنن نسائی جلد سوم ص ۵۷۳ حدیث نمبر ۵۳۴۳) (سنن ابی داؤد جلد سوم ص ۵۴ حدیث نمبر ۳۱۸۵) (مسلم شریف)

احادیث کے مطابق حرمت شراب کا بیان

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب نوشی کی حد (سزا میں کھجور کی ٹہنیوں (چھڑیوں) اور جوتوں سے مارا (یعنی مارنے کا حکم دیا) اور حضرت ابو بکر نے (اپنے دور خلافت میں شراب پینے والے کو چاقو سے کوڑے مارے۔ "بخاری مسم") اور روایت میں حضرت انس ہی سے یوں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب نوشی کی حد (سزا) میں چاقو سے کھجور ٹہنیوں اور جوتوں سے مارتے تھے یعنی مارنے کا حکم دیتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 763)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زانی زانیوں کو اس حال میں کہ وہ مومن ہو اور نہ شراب پینے والے شراب پیتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ چوری کرنے والا چوری کرتا ہے اس حال میں کہ وہ مومن ہو، اور نہ اچکا اچکنے کے وقت جب لوگ اس کی طرف آنکھ اٹھاتے ہیں مومن رہتے ہیں، اور ابن شہاب سے بواسطہ سعید بن مسیب و ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح منقول ہے مگر اس میں نہہ کا لفظ نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1690 حدیث متواتر)

شراب کی حرمت نازل ہونے پر صحابہ کرام کا عمل:

حضرت عبداللہ یعنی ابن مہارک حضرت سلیمان بنی سے وہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس دوران میں بنے قبیلے کے لوگوں یعنی اپنے چچاؤں کے پاس کھڑا تھا اور میں لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا آدمی آیا اور اس نے کہا کہ شراب کو حرام کر دیا گیا ہے جبکہ میں اگلی خدمت کر رہا تھا میں انہیں ترکجوڑوں سے بنائی گئی شراب پلا رہا تھا انہوں نے کہا: اسے لے دو تو میں نے اس کو الٹا دیا۔ (نسائی جلد سوم ص ۵۸۰ حدیث نمبر ۵۳۳۵)

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے اپنی زیر نگینی چیموں کے لئے کچھ شراب خریدی تھی۔ (اور ابھی یہ حرام نہیں ہوئی تھی) آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے بہاد اور منکے توڑ دو۔"

(ترمذی شریف ص ۶۵۶ حدیث نمبر ۳۰۲)

شراب کی حرمت کا سبب و علت

شراب جس کو ام النہایت "کہا گیا ہے، بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی جزو زندگی کا درجہ رکھتی تھی اس لئے بعثت نبوی کے بعد ابتداء اسلام میں بھی اس کا رواج برقرار رہا، اور عام طور پر لوگ اس کو پینے پلانے میں مبتلا رہے لیکن اس کی برائی اور اس کے نقصان کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں کھٹک بھی پیدا ہوتی تھی، اور حضرت عمر کے قول (انہا نلہب المال و النہب العقل) (یہ شراب مال کو بھی برہ و کرتی اور عقل کو بھی مسم کرتی ہے) کے پیش نظر لوگوں میں یہ احساس تنہا بھی روز بروز بڑھتا چلا گیا کہ اس کی مباحث جتنی جلد مسم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے، ادھر چونکہ پوری سوسائٹی اس سخت میں گرفتار تھی اور ایک ایسی عادت تھی

ان چیزیں پورے معاشرے میں بہت دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے مصدق شریعت یہ تھیں کہ اس کی حرمت کا نفاذ دلتا ہے نہ بجائے بتدریج رو بہ عمل میں دیا جائے کہ شریعت کا مقصد بھی پورا ہو جائے اور لوگ اس سخت سے بھی نجات پا جائیں۔ یہی وجہ کچھ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کے بارے میں دریافت کیا تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَسَا لَوْلَاكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْ اَعْتَدَ لِلنَّاسِ وِاْثًا مِّمَّا اَكْتَرٰ مِنْ نَفْعِهِمَا (البقرہ، ۲۱۹)

"اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمادیتے ہیں کہ ان دونوں میں گناہ ہے اور (بخاری) ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدہ ہے لیکن ان کا گناہ ان کے فائدوں سے بہت بڑھا ہوا ہے۔"

جو سعید بن مسیب سے یہی ہے شراب کے مضرات کا احساں رکھتی تھیں اور جو لوگ اس کی برائی سے طبعاً بیزار تھے ان کے لئے اس آیت کا کافی تھا کہ قرآن کریم نے "شراب" کو گناہ کہہ دیا ہذا انہوں نے شراب نوشی قطع ترک کر دی، لیکن چونکہ اس آیت میں شراب کی حرمت کا کوئی واضح اور قطعی حکم نہیں ہے اس لئے لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے شراب نوشی کا مشغلہ بدستور جاری رکھا۔ اور اس سلسلہ میں یہ دوسری آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ۚ ۴ . النساء 43 :

"اے مومن والو! تم ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ کہ تم نشہ کی حالت میں مت ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔"

اس آیت نے شراب نوشی کے جاری مشغلہ پر ایک ضرب لگائی، اور نماز کے اوقات میں شراب نوشی بالکل ترک کر دی گئی البتہ ان کے علاوہ اوقات میں بعض لوگوں کے یہاں اب بھی شراب نوشی کا مشغلہ بند نہیں ہوا اور آخر کار ۳۳ھ میں یہ تیسری آیت نازل ہوئی جس میں حرمت شراب کو واضح کر دیا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوا لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ .

نبی پر اجرائے حد کی شرائط کا بیان

علامہ عدو الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مسلمان، عاقل، بالغ، ناطق، غیر مضطر، بلا اکراہ شرعی، خمر کا ایک قطرہ بھی پیے تو اس کا عقاب قائم کی جائے گی جبکہ اسے اس کا حرام ہونا معلوم ہو۔ کافر یا مجنون یا نابالغ یا گونگے نے پی تو حد نہیں۔ اسی طرح اگر پیاس سے لاپرواہ ہو اور پانی نہ تھا کہ پی کر جان بچاتا اور اتنی پی کر جان بچا جائے تو حد نہیں اور اگر ضرورت سے زیادہ پی تو حد ہے۔ اسی طرح

اگر کسی نے شراب پینے پر مجبور کیا یعنی اکراہ شرعی پایا گیا تو حد نہیں۔ شراب کی حرمت کو جاننا ہوا اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ واقعہ میں اسے معلوم ہو کہ یہ حرام ہے دوسرے یہ کہ دارالاسلام میں رہتا ہو تو اگرچہ نہ جانتا ہو حکم یہی دیا جائیگا کہ اسے معصوم ہے کیونکہ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں ہے ہذا اگر کوئی حربی دارالحرب سے کر مشرف باسلام ہوا ہے۔ اور شراب پی اور کہتا ہے مجھے معصوم نہ تھا کہ یہ حرام ہے تو حد نہیں ہے۔ (در مختار، کتاب المردود)

شراب کی حد کا بیان

(وَمَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَأُخِذَ وَرَبِحَهَا مَوْجُودَةً أَوْ جَاءَ وَابِيَهُ سَكْرَانٌ فَشَهِدَ الشَّهَادَةَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ، وَكَذَلِكَ إِذَا أَقَرَّ وَرَبِحَهَا مَوْجُودَةً) لَأَنَّ جِنَايَةَ الشَّرْبِ قَدْ ظَهَرَتْ وَلَمْ يَتَقَادَمِ الْعَهْدُ. وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ فَاجْلِدُوهُ، فَإِنْ عَادَ فَاجْلِدُوهُ). (وَإِنْ أَقَرَّ بَعْدَ ذَهَابِ رَائِحَتِهَا لَمْ يُحَدَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُحَدُّ) وَكَذَلِكَ إِذَا شَهِدُوا عَلَيْهِ بَعْدَ مَا ذَهَبَ رِبِحُهَا وَالشُّكْرُ لَمْ يُحَدَّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ.

وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُحَدُّ، فَالتَّحْدِثُ يَمْنَعُ قَبُولَ الشَّهَادَةِ بِالتَّفَاقُقِ، غَيْرَ أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِالزَّمَانِ عِنْدَهُ اِعْتِبَارًا بِحَدِّ الزَّمَانِ، وَهَذَا لِأَنَّ التَّأَخِيرَ يَتَحَقَّقُ بِمُضِيِّ الزَّمَانِ وَالرَّائِحَةُ قَدْ تَكُونُ مِنْ غَيْرِهِ، كَمَا قِيلَ: يَقُولُونَ لِي إِنَّكَ شَرِبْتَ مُدَامَةً فَقُلْتَ لَهُمْ لَا بَلْ أَكَلْتُ السَّقَرُ جَلًّا وَعِنْدَهُمَا يَقْدَرُ بِزَوَالِ الرَّائِحَةِ لِقَوْلِ ابْنِ مَسْعُودٍ: فَإِنْ وَجَدْتُمْ رَائِحَةَ الْخَمْرِ فَاجْلِدُوهُ.

وَلَا نَقِيَامَ الْأَثَرِ مِنْ أَقْوَى دَلَالَةٍ عَلَى الْقُرْبِ، وَإِنَّمَا يُصَارُ إِلَى التَّقْدِيرِ بِالزَّمَانِ عِنْدَ تَعَدُّرِ اِعْتِبَارِهِ، وَالتَّمْيِيزُ بَيْنَ الرُّوَاحِ مُمَكِّنٌ لِلْمُسْتَدِلِّ، وَإِنَّمَا تَشْتَبِهُ عَلَى الْجَهْلِ وَأَمَّا الْبَاقِرُ فَالتَّحْدِثُ لَا يُبْطِلُهُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ كَمَا فِي حَدِّ الزَّمَانِ عَلَى مَا مَرَّ تَقْرِيرُهُ وَعِنْدَهُمَا لَا يُقَامُ الْحَدُّ إِلَّا عِنْدَ قِيَامِ الرَّائِحَةِ، لِأَنَّ حَدَّ الشَّرْبِ ثَبَتَ بِاجْتِمَاعِ الصَّحَابَةِ، وَلَا إِجْمَاعَ إِلَّا بِرَأْيِ ابْنِ مَسْعُودٍ وَقَدْ شَرَطَ قِيَامَ الرَّائِحَةِ عَلَى مَا رَوَيْنَا.

ترجمہ

اور جس شخص نے شراب پی اور وہ پکڑا گیا ہے اور اس کے منہ میں بو بھی موجود ہے۔ یا پھر لوگ اس کو نشے کی حالت میں پکڑا

آئے اور گواہوں نے اس کے شراب پینے کو ابی دی تو اس پر حد لازم ہے۔ اور اسی طرح جب اس نے شراب پینے کا اقرار کیا اور اس کی بو موجود ہے کیونکہ شراب کی پینے کی جنایت واضح ہو چکی ہے اور مدت کچھ گزری نہیں ہے اور اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارکہ اصل ہے جس نے شراب اس کو کوڑے مارا اگر وہ دوبارہ پی لے تو پھر کوڑے مارو۔

شیخین کے نزدیک اگر اس نے شراب کی بو ختم ہو جانے کے بعد اقرار کیا ہے تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں اس پر حد جاری کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے تقدیم بہ اتفاق قبول شہادت کو روکنے والا ہے۔ جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس تقادم کو حد زنا پر قیاس کیا جائے گا اور یہ زمانے کے ساتھ مقدر ہوگا کیونکہ زمانے کے گزرنے سے تاخیر ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ بو بھی شراب کے سوا کسی اور چیز کی بھی آسکتی ہے جس طرح اس شعر میں ہے وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اپنا منہ سوگھ لے تو نے شراب پی ہے جبکہ میں ان سے کہتا ہوں کہ میں نے سفر جل یعنی سب کھایا ہوا ہے۔ اور شیخین کے نزدیک تقادم بو کے ختم ہو جانے سے مقدر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا: جب تم شرابی میں شراب کی بو پاؤ تو اس کو کوڑے مارو۔ کیونکہ شراب کی بو پایا جانا شراب پینے کی مضبوط دلیل ہے اور بو کا اعتبار ناممکن ہونے کی صورت میں زبان کے مقدر ہونے کا سہارا لیا جاتا ہے اور پہنچنے کیلئے بو کے درمیان فرق کرنا بھی ممکن ہے جبکہ اشتباہ تاواقف لوگوں کو ہوتا ہے۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اقرار تقادم کو باطل کرنے والا نہیں ہے جس طرح حد زنا میں ہے اور اس کی دلیل وہاں بیان کی جا چکی ہے جبکہ شیخین کے نزدیک بو پائے جانے کی صورت میں حد قائم کی جائے گی کیونکہ شراب کی حد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قیاس کے بغیر انعقاد اجماع ممکن نہیں۔ اور انہوں نے بو کے پائے جانے کو شرط قرار دیا ہے۔ جس طرح ہم روایت بیان کر چکے ہیں۔

شراب نوشی کی سزا

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن و سنت کے حکم اور اجماع امت کے مطابق شراب حرام ہے اور جو شخص شراب پئے وہ "حد" (شرعی سزا) کا مستوجب ہے جو مجہور علماء کے قول کے مطابق "۸۰ کوڑے مارنا" ہے، امام ابو حنیفہ کا بھی یہی مسلک ہے اور حضرت امام شافعی اور کچھ دوسرے علماء کے قول کے مطابق "چالیس کوڑے مارنا" ہے۔

شراب کی سزا کے نفاذ کا بیان

اگر کوئی شخص شراب پئے اگرچہ اس نے ایک ہی قطرہ پی ہو اور پھر اس کو حاکم و قاضی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس وقت شراب کی بو موجود ہو یا اس کو نشے کی حالت میں پیش کیا گیا ہو اگرچہ وہ نشہ بینہ پینے کی وجہ سے ہو اور وہ شخص اس کی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب نوشی کی گواہی دیں یا وہ خود اپنی شراب کا ایک مرتبہ اور امام ابو یوسف کے قول کے مطابق دوسرے مرتبہ اقرار

کرے نیز یہ معصوم ہو جائے کہ اس نے اپنی خوشی سے شراب پی ہے کسی کی زبردستی سے نہیں پی ہے تو اس پر حد جاری کی جائے یعنی اگر وہ شخص آزاد ہو تو اس کو سی ۸۰ کوڑے مارے جائیں اور اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں اور یہ کوڑے اس وقت مارے جائیں جب کہ اس کا نشہ ختم ہو جائے نیز زنا کی حد اور اس حد میں بھی اس طرح کوڑے مارے جائیں کہ بدن کے مختلف حصوں پر چوٹ آئے یعنی پورے کوڑے بدن کے کسی ایک ہی حصہ پر نہ مارے جائیں بلکہ مختلف حصوں پر مارے جائیں۔

اگر کسی شخص نے اپنی شراب نوشی کا اقرار اس وقت کیا جب کہ شراب کی بو ختم ہوگئی ہو یا دو آدمیوں نے کسی کی شراب نوشی کی گواہی اس وقت دی جب کہ بو ختم ہوگئی تو اس پر حد جاری نہ کی جائے اس طرح اگر کسی شخص میں صرف شراب کی بو پائی گئی یہ اس نے صرف شراب کی قے کی، یا اس نے پہلے تو اپنی شراب نوشی کا اقرار کیا مگر بعد میں مکر گیا۔ اور یا اس نے نشے کی حالت میں، قرار کیا تو ان صورتوں میں بھی اس پر حد جاری نہ کی جائے۔

واضح رہے کہ جو نشہ حد کو واجب کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شخص مرد و عورت اور زمین و آسمان کے درمیان امتیاز نہ کر سکے۔ لیکن صاحبین جنی حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ "نشہ" سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص بزمین اور وادی تباہی باتیں بکنے لگے۔ حنفی مسلک میں فتویٰ اسی قول پر ہے۔

مسافت میں حد شراب کو حد زنا پر قیاس کرنے کا بیان

(وَإِنْ أَخَذَهُ الشُّهُودُ وَرِيحُهَا تَوَجَّدُ مِنْهُ أَوْ سَكَّرَانُ فَذَهَبُوا بِهِ مِنْ مِصْرٍ إِلَى مِصْرٍ فِيهِ الْإِمَامُ فَاسْقَطَعَ ذَلِكَ قَبْلَ أَنْ يَنْتَهُوا بِهِ حُدَّ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا) لِأَنَّ هَذَا عَذْرٌ كَبُعْدِ الْمَسَافَةِ فِي حِلِّ الزَّنا وَالشَّاهِدُ لَا يَتَّبِعُهُ فِي مِثْلِهِ.

ترجمہ

اور جب گواہوں نے اس کو پکڑا اور اس میں شراب کی بو پائی جاتی ہے یا اس پر نشہ طاری ہے پس وہ اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی جانب لے گئے جس میں امام ہے اور ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے بو یا نشہ ختم ہو گیا تو ان سب کے قول کے مطابق اس کو حد گائی جائے گی۔ کیونکہ یہ عذر ہے جس طرح حد زنا میں مسافت کا حکم ہے اور اس صورت میں گواہ کو متہم نہ کیا جائے گا۔

شرح

حضرت علامہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم محض میں کہ (جو اک شہر کا نام ہے) مقیم تھے وہیں ایک مرتبہ ابن مسعود نے سورت یوسف کی قرات کی تو ایک شخص نے ان کی قرات سن کر کہا کہ یہ سورت اس طرح نازل نہیں کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں یہ سورۃ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پڑھی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سن کر فرمایا کہ تم نے خوب پڑھا۔ وہ شخص جب حضرت ابن مسعود سے گفتگو کر رہا تھا تو اچانک حضرت ابن مسعود نے اس کے منہ

آئی ہوئی شراب کی بو محسوس کی حضرت ابن مسعود نے اس سے فرمایا تم شراب پیتے ہو؟ یعنی قرآن کے خلاف عمل کرتے ہو اور اس پر عرہ یہ کہ قرآن کریم کو یعنی اس کی قرات کو یا قرات کے لہجہ و طرز ادائیگی کو جھٹلاتے بھی ہو۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس پر حد جاری کی یعنی شراب پینے کی سزا کے طور پر اسے کوڑے مارے۔ (بخاری و مسلم)

اگر حضرت ابن مسعود کی قرات، قرات مشہورہ (یعنی متواترہ) تھی تو اس شخص نے اس قرات کی تکذیب کر کے کتاب اللہ کی تکذیب کی ہذا اس کے اس انکار اور تکذیب نے یقیناً اسے کفر کی حد میں داخل کر دیا تھا اور اگر ابن مسعود کی قرات قرأت شاذ تھی تو نہ کی اس قرات کی تکذیب کتاب اللہ کی تکذیب کو مستلزم نہیں تھی اس لئے کہا جائے گا کہ اس صورت میں ابن مسعود کا اس شخص سے یہ کہنا کہ تم کتاب اللہ کی تکذیب کرتے ہو۔ تغلیظ اور تہدید اور بظاہر یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اس موقع پر حضرت ابن مسعود کسی قرات شاذ کے متعلق سورت یوسف پڑھ رہے تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص کے مرتد ہونے کا حکم نہیں لگایا تھا بلکہ صرف شراب کی حد جاری کر دینے ہی پر اکتفا کیا۔

عذر مذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود نے اس شخص سے یہ بات تغلیظ ہی کہی کیونکہ قرات و قرآن کے اصل کلمہ کا انکار اور جھٹلانا کفر ہے نہ کہ لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کفر کو مستلزم ہے۔ حاصل یہ کہ اس شخص نے لہجہ اور ادائیگی کلمات کا انکار کیا تھا اصل قرآن یا اصل قرات کا انکار نہیں کیا تھا اسی لئے حضرت ابن مسعود نے اس پر صرف شراب کی حد جاری کی مرتد ہونے کی حد جاری نہیں کی۔ حدیث کے ظاہر ہی مفہوم سے اک اور مسئلہ پر روشنی پڑی رہی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس شخص کو شراب پینے کی سزا دی یعنی اس پر حد جاری کر دی جب کہ شراب نوشی کا بظاہر واحد ثبوت اس کے منہ سے آنے والی بو تھی چنانچہ چنانچہ علماء کی ایک جماعت کا یہی مسلک ہے یعنی ان کے نزدیک شراب نوشی کا جرم منہ سے شراب کی بو آنے سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لیکن حنفیہ اور شوافع دونوں کا مسلک یہ ہے کہ شراب نوشی کا جرم محض منہ سے شراب کی بو آنے سے ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی ایسے شخص شراب کی حد جاری کی جاسکتی ہے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہو اور اس کے علاوہ اس کی شراب نوشی کا اور کوئی ثبوت نہ ہو کیونکہ بسا اوقات ترش سیب اور امرود کی بو بعض شراب کی بو کے مشابہ ہوتی ہے۔ جہاں تک حضرت ابن مسعود کے اس واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارہ میں ان حضرات کی طرف سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس شخص نے شراب نوشی کا اقرار کیا ہوگا یا اس کی شراب نوشی پر گواہ قائم ہو گئے ہوں گے اس وجہ سے انہوں نے حد جاری کی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نشہ و راشیہ، حشیش، افیون، کوکین، مورفین وغیرہ کا استعمال کئی ایک وجوہات کی بنا پر حرام ہے، جن میں سے چند ایک ذیل میں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ یہ اشیاء عقل میں فتنہ پیدا کرتی ہیں، اور جو چیز عقل میں فتنہ پیدا کرے وہ حرام ہے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "بہر نشہ اور چیز خمر ہے، اور بہر نشہ اور چیز حرام ہے، اور جس کسی نے بھی دنیا میں شراب نوشی کی اور وہ شراب نوشی کرتے ہوئے تو یہ کیے بغیر ہی مر گیا تو وہ آخرت میں شراب نہیں پئے گا۔" (صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۰۰۳)

اور بخاری و مسلم شریف میں یوموی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں: "مجھے اور معاذ بن جبل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے علاقے میں جو کی شراب تیار کی جاتی ہے جسے مزد کا نام دیا جاتا ہے، اور شہد سے تیار کردہ شراب کو البتغ کہہ جاتا ہے، تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر مسکر اور نشہ آور چیز حرام ہے۔" (صحیح بخاری حدیث نمبر (4087) صحیح مسلم حدیث نمبر (1733))

اور بخاری و مسلم میں ہی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر یہ یہ فرما رہے تھے کہ: "ابا جعد، جو گو شراب کی حرمت نازل ہو چکی ہے، اور یہ شراب پانچ اشیاء یعنی نگور، کھجور، اور شہد، اور گندم، اور جو سے تیار ہوتی ہے، اور خروہ ہے جو عقل میں فوری پیدا کر دے" (صحیح بخاری حدیث نمبر (4343) صحیح مسلم حدیث نمبر (3032))

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ نشہ آور شیا عقل میں فوری پیدا کرتی اور اس پر پردہ ڈالتی ہے، اور اسے غائب کر دیتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ وسلم کے اس مطلق فرمان: (ہر مسکر اور نشہ آور چیز حرام ہے) سے ہر نشہ آور چیز کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے، چاہے وہ شراب نہ بھی ہو، تو اس میں حشیش وغیرہ بھی شامل ہوگی۔

امام نووی وغیرہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بالجزم اور یقین کے ساتھ کہا ہے کہ یہ مسکر یعنی نشہ آور ہے، اور دوسرے نے یقین کے ساتھ اسے مخدر یعنی پسندہ کر دینے و نقر دیا ہے، کیونکہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ جو کچھ شراب نوشی سے ٹکھڑ ہٹ اور مدہوشی وغیرہ ہوتی ہے وہ اس سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ نشہ آور نہیں تو ابوداؤد میں "ہر مسکر اور مفتر چیز کی ممانعت کی روایت موجود ہے، (فتح الباری) 10 ر (45)

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں: "ہر وہ شراب مفتر ہے جو اعضاء میں فوری اور ڈھیرا پن پیدا کر دے اور کنارے بن کر دے، اور یہ چیز نشہ آور ہوتی ہے، اور اسے پینے کی ممانعت اس لیے ہے تاکہ یہ نشہ کا ذریعہ نہ بن جائے۔

نبیز پینے والے پر حد شراب کا بیان

(وَمَنْ سَكَرَ مِنَ النَّبِيدِ حَدٌّ) لِمَا رَوَى أَنَّ عُمَرَ أَقَامَ الْحَدَّ عَلَى أَغْرَابِيٍّ سَكَرَ مِنَ النَّبِيدِ وَتَسْنِيْنُ الْكَلَامِ فِي حَدِّ الشُّكْرِ وَمَقْدَارِ حَدِّهِ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى .

(وَلَا حَدَّ عَلَى مَنْ وَجَدَ مِنْهُ رَائِحَةَ الْحَمْرِ أَوْ تَقَيَّأَهَا) لِأَنَّ الرَّائِحَةَ مُحْتَمَلَةٌ، وَكَذَا الشُّرْبُ قَدْ يَقَعُ عَنْ إِكْرَاهٍ أَوْ اضْطِرَّارٍ (وَلَا يُحَدُّ السُّكْرَانُ حَتَّى يُعْلَمَ أَنَّهُ سَكَرَ مِنَ النَّبِيدِ وَشَرِبَهُ طَوْعًا) لِأَنَّ السُّكْرَ مِنَ الْمُبَاحِ لَا يُوجِبُ الْحَدَّ كَالْبَنْجِ وَلَكِنَّ الرَّمَاكَ،

وَكَذَا شُرْبُ الْمُكْرَهَةِ لَا يُوجِبُ الْحَدَّ (وَلَا يُحَدُّ حَتَّى يَزُولَ عَنْهُ السُّكْرُ) تَحْصِيْلًا لِمَقْصُودِ الْإِنِّزِخَارِ .

ترجمہ

اور جس شخص نے نبیز پی اور نشہ میں آ گیا تو اس پر حد ہوگی۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی اعرابی پر حد قائم فرمائی جس نے نبیز پینے کے سبب نشہ میں مست ہو تھا۔ اور نشہ کی حد اور اس حد سے استحقاق مزاکو کم ان شاء اللہ بیان کریں گے جس کے منہ سے شراب کی بو آ رہی ہے یا اس نے شراب کی قے کی ہے تو اس پر حد نہ ہوگی کیونکہ اس کی بومیں کئی احتمال ہیں نیز چنانچہ بھی زبردستی یا مجبوری کے سبب سے ہوتا ہے پس نشہ میں مست آدمی کو اس وقت حد نہ لگائی جائے گی۔ جب تک اس سے یہ معمول نہ ہو کہ اس نے نبیز پی کر نشہ کیا ہے یا اس نے خوشی سے پیا ہے کیونکہ مباح چیز سے پیدا ہونا و انشہ حد کو واجب کرنے والا نہیں ہوتا جس طرح کوئی شخص جو ان اور گھوڑی کے دودھ سے پیدا ہونے والا نشہ موجب حد نہیں ہے۔ اور اسی طرح مجبور شخص کا نشہ بھی موجب حد نہیں ہوگا۔ اور جب تک نشہ اتر نہ جائے اس وقت تک حد نہ لگائی جائے گی۔ تاکہ ڈرانے کا مقصد حاصل ہو جائے۔

کل مسکر حرام ہونے کا بیان

اخبرنا ابو بکر بن علی قال حدثنا نصر بن عینی قال أخبرني أبي قال حدثنا إبراهيم بن دافع عن ابن طاس عن أبيه عن ابن عمر قال خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر آية الخمر فقال وجعل يا رسول الله أرايت المزدر قال وما المزدر قال حبة تصنع باليمن فقال تسكو قال نعم قال كل مسكو حرام (شرح سنن النسائي للسندی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان پر کھانا کھانے سے منع فرمایا جس پر شراب پی جا رہی ہو۔ ابتداء آپ نے ان برتنوں کے استعمال کو منع فرما دیا تھا جس میں شراب بنائی اور پی جاتی تھی۔ بعد میں جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہو گیا تب آپ نے برتنوں پر سے یہ قید اٹھا دی۔

(نمر کا لفظ عرب میں انگوری شراب کے لیے استعمال ہوتا تھا اور مجازاً گیہوں، جو، کشمش، کھجور اور شہد کی شرابوں کے لیے بھی یہ غلط بولتے تھے، مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرمت کے اس حکم کو تمام ان چیزوں پر عام قرار دیا جو نشہ پیدا کرنے والی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں حضور کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ کل مسکو خمر و کل مسکو حرام۔ ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ کل شراب اسکو فہو حرام۔ ہر وہ مشروب جو نشہ پیدا کرے وہ حرام ہے۔ وانا ابھی عن کل مسکو۔ اور میں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فقہ کے خطبہ میں شراب کی یہ تعریف بیان کی تھی کہ الحمر ما خامر العقل۔ خمر سے مراد ہر وہ چیز ہے جو عقل کو ڈھانک لے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا کہ ما اسکر کثیرہ لقلبہ حرام۔ جس چیز کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔ اور ما اسکر الفرق منہ معل الکف منہ حرام۔ جس چیز کا ایک پُر اتر اپنا نشہ پیدا کرنا ہو اس کا ایک پُلٹو پینا بھی حرام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شراب پینے والے کے لیے کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی۔ جو شخص اس جرم میں گرفتار ہو کر آتا تھا اسے ہوتے، رات، ٹکے، بل دی ہوئی چادروں کے سونٹے اور کھجور کے سٹپے مارے جاتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ ۵ ضربیں آپ ﷺ کے زمانہ میں اس جرم پر لگائی گئی ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی ابتداءً ۴۰ کوڑوں ہی کی سزا رہی۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ اس جرم سے باز نہیں آتے تو انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے سے ۸۰ کوڑے سزا مقرر کی۔ اسی سزا کو امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ اور ایک روایت کے بموجب امام شافعیؒ بھی شراب کی حد قرار دیتے ہیں۔ مگر امام احمد ابن حنبل اور ایک دوسری روایت کے مطابق امام شافعیؒ ۴۰ کوڑوں کو قائل ہیں، اور حضرت علیؓ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

شریعت کی رو سے یہ بات حکومت اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزورِ وقت نافذ کرے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بنی ثقیف کے ایک شخص زوفہد نامی کی دوکان اس بنا پر جوا دی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پُر راگاؤں حضرت عمرؓ کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔

شرابی کی سزا اسی کوڑوں پر اجماع کا بیان

(وَحَدَّ الْخَمْرِ وَالسَّكْرِ فِي الْحَرِّ ثَمَانُونَ سَوْطًا) لِإِجْمَاعِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ)

يُفَرَّقُ عَلَى بَدَنِهِ كَمَا فِي حَدِّ الرِّثَا عَلَى مَا مَرَّ (ثُمَّ يُجَرَّدُ فِي الْمَشْهُودِ مِنَ الرِّوَايَةِ .

وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ لَا يُجَرَّدُ إِظْهَارًا لِلتَّخْفِيفِ لِأَنَّهُ لَمْ يَرِدْ بِهِ نَصٌّ .

وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ أَنَّا أَظْهَرْنَا التَّخْفِيفَ مَرَّةً فَلَا يُعْتَبَرُ ثَانِيًا) (وَإِنْ كَانَ عَبْدًا فَحَدُّهُ أَرْبَعُونَ

سَوْطًا) لِأَنَّ الرِّقَّ مُتَصِفٌ عَلَى مَا عُرِفَ . (وَمَنْ أَقْرَبَ بِشُرْبِ الْخَمْرِ وَالسَّكْرِ ثُمَّ رَجَعَ

لَمْ يُحَدِّ) لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقَّ اللَّهُ تَعَالَى .

ترجمہ

اور آزاد شخص کیسے شراب اور اس کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے۔ اور حد ذاتی طرح یہ کوڑے بھی اس کے جسم کے مختلف حصوں پر لگائے جائیں گے۔ اور مشہور روایت کے مطابق اس کے بدن سے کپڑے اتار

دیئے جائیں گے جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک آسانی کے اظہار کے پیش نظر اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں کیونکہ اس میں کوئی نص بیان نہیں ہوئی اور روایت مشہورہ کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے ایک مرتبہ تخفیف کر دی ہے پس دوبارہ تخفیف کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

اور اگر شراب پینے والا غلام ہے تو اس کی حد چالیس (۴۰) کوڑے ہے۔ کیونکہ غلامی سزا کو نصف کرنے والی ہے۔ جس طرح پہلے بتا دیا گیا ہے اور جس نے شراب پینے یا نشہ کرنے کا اقرار کیا اور اس کے بعد حد قائم ہونے سے پہلے ہی اس سے رجوع کر لیا تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ یہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

شرابی کی سزا کے اجماع پر دلائل کا بیان

(۱) حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کو دیا گیا اس نے شراب پی تھی آپ نے اسے کھجور کی دو چھڑیاں چالیس کے قریب ماریں ابو بکرؓ نے بھی اسی پر عمل کیا پھر حضرت عمرؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا تو عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا سب سے ٹھکی حد اسی کوڑے ہیں۔ پس حضرت عمرؓ نے اسی کا حکم دیا یہ حدیث حسن صحیح ہے صحابہ کرام اور انھیں اہل علم کے نزدیک اس پر عمل ہے کہ شرابی کی حد اسی کوڑے ہیں۔ (جامع ترمذی، جلد اول، حدیث نمبر 1484)

(۲) حضرت ثور بن زید دیمی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ فرما روق نے شراب کی حد سزا کے تعین کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ شرابی کو اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جب وہ شراب پیتا ہے تو بدست ہو جاتا ہے اور ہڈیاں بکتا ہے اور جب ہڈیاں بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حکم جاری کیا کہ شراب پینے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں۔ ("موطا امام مالک، مشکوٰۃ شریف، جلد سوم، حدیث نمبر 770)

(۳) حضرت علیؓ نے اپنی رائے کی دلیل میں بڑی جاندار بات فرمائی کہ شراب پینے والے کی عقل، وف ہو جاتی ہے اور وہ نشہ کی حالت میں اول قول بکتا ہے اور خواہ خواہ کسی پر الزام لگاتا پھرتا ہے یہاں تک کہ نیک پارسا اور پاکدامن عورتوں پر زنا کا بہتان لگانے سے بھی باز نہیں رہتا، اس اعتبار سے اس کا نشہ گویا قذف پر قیاس کرتے ہوئے شرابی کی سزا بھی زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتی ہے گویا حضرت علیؓ نے یہ بات اغلب کا اعتبار کرتے ہوئے فرمائی کہ زیادہ تر شرابی اپنے نشہ کی حالت میں اول قول بکتے ہیں اور دوسروں پر الزام لگاتے ہیں اور چونکہ حکم کا انحصار اغلب پر ہوتا ہے اس لئے ہر شرابی کے لئے یہ ایک ہی سزا مقرر ہو گئی خواہ نشہ کی حالت میں اول قول بکے یا نہ بکے اور کسی پر الزام لگائے یا نہ لگائے بہر حال حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی اس رائے کو تسلیم کیا اور شراب پینے کی سزا اسی کوڑے متعین فرمائی جس پر تمام صحابہ نے اجماع و اتفاق کیا۔

(۴) سائب بن یزید سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ابتدائی خلافت کے زمانہ میں ہم لوگ شراب پینے والوں کو لاتے تو ہم لوگ ہاتھوں، جوتیوں، اور چادروں سے اسے مارتے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا آخری زمانہ آیا تو انہوں نے چالیس کوڑے مارے

اور جب ن شرابیوں نے زیادہ سرکشی کی اور لٹک کرنا شروع کیا تو انہوں نے اسی کوڑے لگوائے۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1697)

(۵) حضرت عبداللہ بن فیروز وانا ج، حضرت حصین بن منذر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا گواہوں نے اس پر گواہی دی تھی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا اپنے بھتیجے کو پکڑو اور اس پر حد جاری کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کر دی اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ۴۰ کوڑے مارے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ۴۰ کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مارے یہ سب سنت ہیں۔ (ابن ماجہ جلد ۲ ص ۱۵۳ حدیث نمبر ۲۵۶۰)

شرابی کی حد میں اسی کوڑوں پر اجماع صحیح کرام

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں نشے کی حالت میں پائے جانے والے شخص کو جسے کسی بھی چیز سے نشہ ہوا ہو اسے چار بیس کوڑے مارتے تھے، لیکن اپنی خدمت کے آخری ایام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خاص واقعہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے اس جرم کی سزا اسی کوڑے جاری کر دی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے ابوالفرہ کلبی کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تھے اور ان کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ ابوالفرہ کلبی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ بکثرت مے نوشی اختیار کرتے جا رہے ہیں اور سزا کو کم سمجھ رہے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب بیٹھے ہیں ان سے دریافت کر لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ شراب نوشی کی سزا اسی ۸۰ کوڑے مقرر کر دیں کیونکہ جب کوئی آدمی شراب پیتا ہے تو اسے نشہ ہوتا ہے اور نشہ میں ہدایت بکھتا ہے اور لوگوں پر تہمت لگاتا ہے۔ لیکن تہمت کی سزا اسی شراب نوشی کی سزا مقرر کر دیں جو کہ ۸۰ کوڑے ہے۔ چنانچہ اس رائے کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے بھی ۸۰ کوڑے مقرر کیے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شراب نوش کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوتیوں کے چالیس جوڑے مروائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر جوتی کی جگہ ایک کوڑا مقرر کیا۔ شراب نوشی کے ساتھ اگر کوئی اور جرم بھی جمع ہو جاتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی سزا بھی حد کے ساتھ جمع کر دیتے، جیسے انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمن پر حد کے ساتھ تعزیر بھی جمع کی۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان کے دوران مے نوشی پر ایک شخص کو اسی درجے شراب نوشی کے اور بیس کوڑے رمضان کی بے حرمتی کے بھی لگائے۔ جو شخص جتنی مرتبہ شراب پئے گا اتنی مرتبہ ہی اس پر حد جاری کی جائے گی۔ چنانچہ ابوجحن ثعلبی

نے آٹھ مرتبہ شراب پی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر آٹھ مرتبہ ہی حد جاری فرمائی۔

شرابی پر اس وقت حد جاری ہوگی جب اس کا نشہ اتر جائے گا اور کوڑے جو مارے جائیں گے وہ زیادہ شدید نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ہلکے لیکن درد پہنچانے والے ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس نے شراب چڑھا دی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے ایک ایسے شخص کے پاس بھیجتا ہوں جو تیرے ساتھ کوئی نرمی نہیں کرے گا۔ چنانچہ اسے مطح بن اسود عدوی کے پاس بھیج دیا گیا اور ان سے کہا کہ اگلے دن صبح اس پر مے نوشی کی حد جاری کر دینا۔ چنانچہ اگلے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود گئے تو دیکھا کہ وہ اس مے نوش کو سخت قسم کے کوڑے مارے جا رہے ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کتنے مارے جا چکے ہیں جواب دیا کہ ستر، حضرت عمر نے حکم دیا اس کوڑے کی شدت کے سبب باقی بیس چھوڑ دو۔ شراب نوشی کی حد میں چالیس کی بجائے اسی کوڑوں کا تقرر چونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ہو اس لیے بعض فقہاء ان اضافی چالیس دروں کو تعزیر کا مقام دیتے ہیں تاہم جمہور علمائے امت کل اسی کی تعداد کو ہی حد گردانتے ہیں کیونکہ اس تعداد پر صحابہ کرام کا اجماع واقع ہوا ہے اور جس مقدس گروہ سے جمع و تدوین قرآن میں کسی غلطی کا احتمال نہیں ہوا تو کیا اس گروہ سے دیگر معاملات میں غلطی کے احتمال کے امکان سے قرآن مجید کی صحت مشکوک ہو سکتی ہے۔

اجماع کی تعریف و مفہوم

کسی مسئلے پر اتفاق رائے کو گفت میں اجماع کہا جاتا ہے۔ اتفاق مومن الحیط، ج ۱ ص ۱۳۵، المعجم الوسیط، ص ۹۱۷ اور القاموس الوجید ص ۲۸۰

علامہ محمد تقی زبیدی حنفی نے لکھا ہے: والاجماع ای اجماع لامة: الاتفاق. اور اجماع یعنی امت کا اجماع اتفاق (تاج العروس، ج ۱۱ ص ۵۷) اسی طرح اجماع کا مطلب: اتفاق کرنا، اکٹھا کرنا اور پختہ ارادہ کرنا ہے۔

اجماع کی تین اقسام ہیں: جو نص صریح سے ثابت ہو، مثلاً رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مے نوشی سے استنباط ہو، مثلاً ضعیف راوی کی منفر دورایت ضعیف وغیرہ مقبول ہے۔

: جو علماء کے اجتہاد سے ثابت ہو، مثلاً: (۱) صحیح حدیث کی پانچ شرطیں ہیں اور ان میں ایک یہ ہے کہ شاذ نہ ہو۔ (۲) نماز میں ہنسی آواز سے ہنسنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (۳) نومولود کے کان میں اذان دینا۔ (۴) امام کا جہری تکبیریں کہنا اور مقتدیوں کا سری تکبیریں کہنا، الا یہ کہ کبیر ہو۔

یہ تینوں اقسام حجت ہیں اور اس تمہید کے بعد اجماع امت کے حجت ہونے کے بعض دلائل اور آثار سلف صالحین پیش خدمت ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَمَنْ يُتَّبِعِ الْبَاسِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ ثَمَّ مَصِيرًا .

اور جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے اور مؤمنین کے راستے کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر چلے تو جہنم وہ پھرتا ہے ہم اُسے اُسی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ (جہنم) برا ٹھکانہ ہے۔ (النہر)

اس آیت کی تفسیر میں ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر فرج القرطبی نے فرمایا: قال العلماء فی قوله دلیل علی صحۃ القول بالاجماع علماء نے فرمایا کہ اس میں اجماع کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ (تفسیر قرطبی) اجماع احکام القرآن

ابو ائیم بن موسیٰ بن محمد الشاطبی نے لکھا ہے: ثم ان عامة العلماء استدلو با بها علی كون الاجماع وار مخالفه عاصی وعلی أن الابتداء فی الدین مذموم

پھر عام علماء نے اس آیت سے استدلال کیا کہ اجماع حجت ہے اور اس کا مخالف گنہگار ہے اور یہ استدلال بھی کیا ہے کہ دین میں بدعت نکالنا مذموم ہے۔ (الموافقات، الفصل الرابع فی العموم والخصوص)

برہان الدین ابراہیم بن عمر البقائی (متوفی ۷۰۰ھ) نے اس آیت کی تشریح وغیر میں لکھا: وهذه الآية دالة علی أن الاجماع حجة اور یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ اجماع حجت ہے۔ (نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور ج ۲، ص ۳۱۸)

اجماع کے لغوی معانی کا بیان

لغت میں اجماع کے دو معنی ہیں: (۱) عزم اور پختہ ارادہ کرنا، جب کوئی شخص کسی کام کا عزم اور پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے "اِخْتَمَعَ قُلُوبُ عَلَی كَذَا"۔ (ارشاد دُغُول (قلاں نے اس کام کا عزم کر لیا۔ باری تعالیٰ کا قول: فَاجْتَمِعُوا أَمْرًا)۔ (یونس) تم سب مل کر اپنے کام کا عزم کر لو۔

اسی معنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "مَنْ لَمْ يُجْمَعْ الصِّيَامَ قَبْلَ

الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ"۔ (ترمذی، کتاب الصوم عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

بَاب مَا جَاءَ لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَعْزَمْ مِنَ اللَّيْلِ، حديث نمبر،

ترجمہ: جس شخص نے فجر سے پہلے روزے کا عزم اور پختہ ارادہ نہیں کیا اس کا روزہ درست نہیں ہوگا۔

(۲) اجماع کا دوسرا معنی "اتفاق کرنا" ہے، اسی کا اعتبار کرتے ہوئے کہا جاتا ہے۔ "اِخْتَمَعَ الْقَوْمُ عَلَی كَذَا"۔ (احکام

فی اصول الاحکام للآمدی)

قوم نے اس کام پر اتفاق کر لیا، مذکورہ دونوں معنی کے درمیان فرق یہ ہے کہ اجماع بمعنی عزم ایک شخص کی طرف سے متصور ہو جاتا ہے، لیکن دوسرے معنی کے لیے کم از کم دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے، اس لغوی معنی کے اعتبار سے بنی نوع انسان کے ہر طبقہ اور ہر قوم میں کسی امر پر اتفاق ہو سکتا ہے، خواہ وہ دنیوی ہو یا دینی؛ لیکن فقہ اسلامی میں ہر قوم کا اور ہر امر پر اتفاق مراد نہیں ہے؛ بلکہ

لغوی معنی کی بہ نسبت اسلامی فقہ اور اس کے دائرے میں اجماع کا مفہوم اور اس کی مراد خاص ہے۔

اجماع کی اصطلاحی تعریف

علامہ آمدی نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"الاجماع عبارة عن اتفاق جملة أهل الحل والعقد من أمة محمد في عصر من الأعصار علی حکم

واقعة من الوقائع"۔ (الأحكام فی اصول الاحکام للآمدی)

اجماع نام ہے امت محمدیہ میں سے اہل حل والعقد کا کسی زمانہ میں کسی نئے واقعہ پر اتفاق کرنے کا۔ تعریف کا حاصل یہ ہے۔

اجماع بھی حضرات کا معتبر ہے جو مجتہد اور صالح ہوں، شرافت و کرامت اور تقویٰ و تدبیر کی صفت سے متصف ہوں اور فسق و فجور

سے دور ہوں اور اجماع کا محض اصدا شریعت کے فروغ یعنی عملی احکام ہیں نیز اس سے ان احکام کا بھی ثبوت ہوتا ہے جو ایمان و کفر کا

موضوع نہیں ہوتے ہیں، لیکن وہ سنت بدعت میں امتیاز پیدا کرتے ہیں، جیسے تم صبیہ کرام کا حضرت ابو بکر صدیق کی، فضیلت پر

اتفاق کہ اس کے خلاف رائے بدعت ہے۔ (اصول المیز دوی: نور الانوار: اصول الفقہ لاسعدی)

حنفی فقہ ابو الیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھا ہے: وفي الآية دليل: أن الاجماع

حجة لأن من خالف الاجماع فقد خالف سبيل المؤمنين۔ اور اس آیت میں (اس پر) دلیل ہے کہ اجماع حجت

ہے، کیونکہ جس نے اجماع کی مخالفت کی تو اس نے سبیل المؤمنین کی مخالفت کی۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱، ص ۳۸۷ بحر العلوم)

قاضی عبد اللہ بن عمر البیضاوی نے اس آیت کی تشریح میں کہا: والآية تدل علی حرمة مخالفة الاجماع۔ اور آیت

اس پر دلالت کرتی ہے کہ اجماع کی مخالفت حرام ہے۔ (انوار التنزیل و اسرار التنزیل تفسیر بیضاوی، ج ۱، ص ۲۳۳)

وقوع اجماع کا بیان

عہد رسالت ﷺ کے بعد دو برصاحب کے صدر اول میں اجماع کا انعقاد و حصول آسان تھا، اس لیے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی

خلافت میں اہل حل والعقد صبیہ کرام کو مدینہ سے باہر جا کر دوسرے شہروں میں رہنے بسنے سے روک دیا تھا، تاکہ امور سیاست اور

علمی مسائل میں ان سے مشورت کا موقع ہر وقت حاصل رہے، لیکن اس کے بعد حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور میں صحابہ

کرام مدینہ سے باہر دور دراز مقامات میں پھیل گئے اور ان کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں حجاز، عراق، شام اور مصر وغیرہ ملک میں

بڑے بڑے علماء و فقہاء کی ایک عظیم تعداد پیدا ہو گئی تو پھر اب مجتہدین کا کسی حکم پر اجماع ممکن نہیں رہا، کیونکہ علم و عقلی مشورت کا

مکان منقطع ہو گیا اور ظاہر ہے کہ کسی ایک شہر کے مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہو جانے کا اصطلاح میں اجماع نہیں کہتے، بلکہ قابل حجت

اجماع وہ ہے جو ایک زمانہ کے سارے مجتہدین کا کسی حکم پر متفق ہونا، چاہے وہ جہاں کہیں بھی رہتے بستے ہوں، یہی وجہ ہے کہ نظری

و علمی حیثیت سے تو اجماع ایک حجت ضرور ہے، مگر واقعی عملی اور تاریخی حیثیت سے اجماع کا وقوع اور انعقاد صرف خلافت راشدہ کے

عصر ازل تک محدود رہا اور وہ بھی محض معدود سے چند مسائل ہیں۔ (چراغ راہ کا اسدی قانون)

حقیقت اجماع

اجماع اصل میں محض رائے ہے؛ جیسا کہ قیاس رائے ہے، البتہ اجماع و قیاس کے درمیان فرق یہ ہے کہ قیاس کے تحت جو رائے ہوتی ہے وہ انفرادی یا زیادہ سے زیادہ چند افراد کی ہوتی ہے اور "اجماع" ایک زمانے کے تمام مجتہدین کی متفقہ رائے کا نام ہے اسی اجتماعیت کی وجہ سے اس کو قیاس پر فوقیت حاصل ہے۔ (امدغل: اصول الفقہ عبید اللہ السعدی)

بدعتی اور فاسق مجتہد کا اجماع

اجماع میں تقویٰ اور تدبیر بھی ضروری ہے؛ کیونکہ ایسے شخص کی رائے اجماع میں قابل اعتبار نہ ہوگی جو دین کا پابند نہ ہو یا دین کی قطعی اور اصولی باتوں کی کوئی پرواہ نہ کرتا ہو اور فسق و فجور اور بدعت میں مبتلا ہو؛ کیونکہ ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں رفق مذمت ہے، امام، مالک، امام اوزاعی، محمد بن حسن وغیرہ ایسے شخص کو اہل ہوئی و ضلال کہتے ہیں اور اس کے اجماع کو معتبر نہیں مانتے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم، المستصفی للغزالی)

ابتدع علامہ صیرفی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ ایسے شخص کا اجماع بھی معتبر ہے؛ یہی قول امام غزالی، علامہ آمدی اور دیگر اصولی حضرات کا ہے؛ کیونکہ فاسق اور اہل بدعت بھی اگر باب حل و عقد میں سے ہوتے ہیں اور لفظ "امت" کے مصداق میں شامل ہیں اور یہ بات بھی سنی ہے کہ تقویٰ و تدبیر جب ہوگا تو لوگوں کو اس کی رائے پر عہد ہوگا، جب تقویٰ کی شرط صرف رائے پر اعتماد کی خاطر ہے تو ظاہر ہے کہ تقویٰ اگر نہ بھی ہو تب بھی استنباط کی صلاحیت و صحت پر فی نفسہ کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

(ارشاد الفحول: المستصفی من علم الاصول الغزالی، البحر المحیط، الاحکام فی

اصول الاحکام للآمدی)

عامی کی مخالفت یا موافقت کا حکم

جمہور کے نزدیک عوام کے قول کا اجماع میں اعتبار نہ ہوگا چاہے وہ قوں موافق ہو یا مخالف؛ کیونکہ اس کے لیے اجتہاد و فکر و فکر کی صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے اور عامی میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی ہے؛ لہذا ان کا قول انعقاد اجماع میں مسوع نہ ہوگا۔

(ارشاد الفحول: المستصفی من علم الاصول الغزالی: الاحکام فی اصول

الاحکام للآمدی)

اجماع میں اکثریت و اقلیت کی بحث

اجماع کے انعقاد کے لیے پوری امت کے مجتہدین کا متفق رائے ہونا ضروری ہے، محض اکثریت کی رائے کو اجماع کے لیے

جمہور کافی نہیں سمجھتے، لیکن ابو بکر، ازی، بواسطہ خلیفہ مقتدر اور ابن عمر کی کانسیس ہے کہ محض ایک دو کی مخالفت کریں تو اجماع کے انعقاد پر اس سے کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واقعے کے مقابلہ میں اگر پہلی شخص کی تعداد کم ہو لیکن مدت و ترتیب ٹہنی ہوگی، تو اجماع منعقد نہیں ہوگا، مگر تو ترتیب ٹہنی ہوگی، تو اجماع منعقد ہو جائے گا۔

لواع الرحموت، المستصفی للغزالی

قدیت و کثرت کی اس بحث میں یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ غلط اگر اخصاص و جنہادگی، باہر ہو تو وہ اجماع کے انعقاد و عدم انعقاد میں ملحوظ ہوگی؛ اور نہ اگر اخصاص و اجتہاد کے بجائے جب چاہیں کوئی دوسرا جذبہ مخالفت کے پیچھے کارفرما ہو تو کسی مخالفت کا بالکل سبب نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اوس کے انتخاب کے موقع پر حضرت سعد بن عبد اللہ نے مخالفت کی تھی، لیکن وہ معتبر نہیں مانی گئی، حضرت ابو بکر صدیق کی خلافت بالاجماع منعقد ہوئی۔ (اصول الفقہ الاسلامی)

یہ اجماع کی خطہ کے ساتھ مخصوص ہے، جس کا "لا یمنع جمیع قاضی" میں حقائق ثابت ہیں، عامی کی صورت میں یہ مت دشار ہے اور اجماع کا دور پوری امت محیط ہے، اس لیے نہ تو محض اہل مدینہ کا اجماع کافی ہے اور نہ صرف اہل مدینہ کا، نہ تنہا اہل بصرہ و کوفہ کا اور نہ صرف اہل بیت کا۔ (المستصفی للغزالی)

ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے یہ لکھا ہے کہ کسی مخصوص خطہ کا اجماع معتبر نہ ہوگا؛ کیونکہ یہ پوری امت کا اجماع نہیں ہے اجماع وہی معتبر ہے جو پوری امت کا ہو، علامہ قرطبی اور ابن حزم نے بھی یہی موقف لیا ہے، جب تک کہ اجماع کسی بدو و خطہ سے متعلق نہیں ہے۔

(فواتح الرحموت، المستصفی للغزالی)

اجماع کے اعتبار کے لیے کیا مجتہدین کی موت ضروری ہے، چونکہ ان کی موت بدعتی رہتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اجماع بدعتی مجتہدین کے لیے تبدیل ہو جائے، جس کی وجہ سے اتفاق باقی نہ رہ سکے، اس لیے اصولی حضرات نے یہ بحث بھی کی ہے کہ کیا اس احتمال سے کہ کسی مجتہد کی رائے بدل سکتی ہے، اجماع غیر معتبر ہوگا؟ اس مسئلہ میں اصولی حضرات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ (الاحکام آمدی، اصول الفقہ الاسلامی)

امام اعظم ابو حنیفہ، اشعرہ، معتزلہ اور اکثر شوافع کا مسلک یہ ہے کہ اجماع کرنے والے مجتہدین کی وفات اجماع کے اعتبار کے لیے ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ جس محل میں اتفاق وجود میں آتا ہے، اس محل میں اجماع منعقد ہو جاتا ہے، اتفاق ہو جانے کے بعد مسئلہ نزاع سے خارج ہو جاتا ہے اور سب کے لیے لازم ہو جاتا ہے اس لیے بعد میں رائے کی تبدیلی کا کوئی اثر اجماع کے انعقاد پر نہیں پڑے گا؛ یہاں تک کہ اجماع کے مصلحتاً بعد اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت سے مجتہد بن جائے تو اس کی بھی رائے کا اجماع کے لیے اعتبار نہیں ہوگا اور یہی موقف صحیح معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ جن نصوص سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے ان میں اتفاق ہے، مجتہدین کی وفات کی قید نہیں ہے، اس لیے مدح اللہ بہار نے یہی لکھا ہے۔

"الانقراض لا مدخل له فی الاصلیة ضرورة"۔ وفات کا اجماع کی حجت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی عبارت اس موقع پر کافی وضاحت سے روشنی ڈالتی ہے، فرماتے ہیں: "الحجة على انفاقهم لاني موتهم وقد حصل قبل الموت"۔ اجماع تو ان کے اتفاق سے حجت بن جاتا ہے، موت سے اس کا کیا سروکار ہے۔ (نفاہن الاصول فی شرح المحصول، المستصفی للغزالی)

اجماع کے حجت ہونے کا بیان

جس پر مسبین اجماع کی حجت کے قائل ہیں، اجماع کی حجت کتب و سنت سے ثابت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُسْلِمِينَ نُؤْتِهِ مَا يَكُونُ لَهُ مِنْ جَهَنَّمَ نَسَاءً تَنْصِلُهُ جَهَنَّمُ وَسَاءَ تَبَصِيرًا"۔ (النساء)

ترجمہ: جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی ہو اور اہل ایمان کے راستے کے علاوہ دوسرے راستہ کی پیروی کرے گا تو ہم اس کو اس طرف چلائیں گے جو وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں داخل کریں گے۔

آیت بالا میں باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور سبیل المؤمنین کے علاوہ دوسروں کے سبیل کی اتباع پر وعید بیان فرمائی ہے اور جس چیز پر وعید بیان کی جائے وہ حرام ہوتی ہے، لہذا رسول کی مخالفت اور غیر سبیل المؤمنین کی اتباع دونوں حرام ہوں گی۔ سب یہ دونوں حرام ہیں تو ان کی ضد یعنی رسول کی موافقت و سبیل المؤمنین کی اتباع واجب ہوگی اور مؤمنین کی سبیل اور اختیار کردہ راستہ کا نام ہی اجماع ہے، لہذا اجماع کی اتباع کا واجب ہونا ثابت ہو گیا اور جب اجماع کا اتباع واجب ہے تو اس کا حجت ہونا بھی ثابت ہو گیا، قاضی ابویعلیٰ (متوفی: ۵۰۰ھ) اور علامہ آمدی نے اس آیت سے اجماع کی حجت کے ثبوت پر بڑی نفیس بحث کی ہے جو اپنی مطابقت ہے۔ (الاحکام آمدی، اصول الفقہ ابو زہرہ: ارشاد الفحول)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "عَنْ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي أَوْ قَالَ أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ضَلَالَةٍ"۔ (ترمذی، باب مَا جَاءَ فِي لُزُومِ الْجَمَاعَةِ، كِتَابُ الْفَتَنِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ میری امت کو (یا راوی نے کہا: کہ محمد ﷺ کی امت کو) ضلالت و گمراہی پر جمع نہیں کریگا۔

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: "فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ وَمَا رَأَوْا سَيِّئًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ سَيِّئٌ"۔ (مسند احمد)

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے اور جس چیز کو مسلمان بُرا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بُری ہے۔

ایک اور موقع سے آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ" (مشکوۃ):

جو شخص جماعت سے ہالٹ برابر جدا ہوا تو اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے الگ کر دی۔

ایک جگہ ارشاد ہے: "مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً"۔ (مصنف عبدالرزاق،

کتاب الصلاة، باب الأمراء يؤخرون الصلاة)

جو جمعیت سے الگ ہو جائے تو اس کی موت جاہلیت کے طرز پر ہوگی۔ یہ تمام احادیث قدرے مشترک اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ امت اجتماعی طور پر خطا سے محفوظ ہے، یعنی پوری امت خطا اور ضلالت پر اتفاق کرے، یہ نہیں ہو سکتا ہے اور جب ایسا ہو تو اجماع امت کے ماننے اور اس کے حجت شرعی ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے، اختصار کی غرض سے اجماع کی حجت پر صرف ایک آیت اور چند احادیث پیش کی گئی ہیں: ورنہ اور بھی بہت سی روایات ایسی ہیں جن سے اجماع کی حجت پر روشنی پڑتی ہے۔

اجماع کی اساس کا فقہی مفہوم

اجماع کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد کسی نہ کسی اصل شرعی پر ہو، کیونکہ اجماع اور قیاس خود کوئی مستقل دلیل نہیں ہیں، اجماع کے لیے ضروری ہے کہ اس کی اصل کتب و سنت یا پھر قیاس میں موجود ہو، اجماع کی اصل کی ضرورت اس لیے ہے کہ اہل جماعت نفس نفیس احکام کو بیان نہیں کر سکتے، کیونکہ انشاء شریعت کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے: یہی وجہ ہے کہ جن مسائل پر صحابہ کرامؓ نے اجماع کیا ہے ان سب میں وہ کسی نہ کسی اصل پر بحث کرتے ہوئے یا اپنی آراء کی بنیاد رکھتے اور اس طرح اجماع کا انعقاد ہو جاتا ہے، میراث جہدہ کے بارے میں صحابہ کرامؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی خبر پر اعتماد کیا اور جمع بین المحارم کی حرمت کے سلسلہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پر اعتماد کیا، اسی طرح حقیقی بھائیوں کی عدم موجودگی میں عدنی بھائیوں کا وراثت میں اعتبار کیا گیا، اس مسئلہ میں صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی اس تعبیر پر اعتماد کیا جس میں یہ بیان کیا گیا ہے:

"وَدَخُولُهُمْ فِي عَمُومِ الْآخِرَةِ"۔

اور جمہور علماء کرام کا کتاب و سنت کو اجماع کی اصل قرار دینے پر اتفاق ہے، جیسا کہ طور بالا میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے، ان میں اجماع کی اساس سنت ہے۔ (اصول الفقہ اسماعیلی: اصول الفقہ ابو زہرہ، البحر المحیط، الکوکب المیر)

اجماع کی بنیاد قیاس پر

فقہاء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ قیاس و اجتہاد بھی اجماع کی اصل بن سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلے میں تین اقوال ملتے ہیں، لیکن دلیل کے اعتبار سے وزنی وہ بات معلوم ہوتی ہے جو علامہ آمدیؒ نے بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اجتہاد دو قیاس و بھی

اجماع کی اصل قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کی کئی مثالیں صحابہ کرامؓ کی زندگی سے ملتی ہیں، مثلاً صی بہ کرام کا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت پر اتفاق کرنا یہ محض اجتہاد اور رائے کی وجہ سے تھا، حتیٰ کہ کرام نے یہ الفاظ تک کہے۔

"رضیہ رسول اللہ لدیننا اھلنا رضاه لدینانا" ترجمہ: اور بعض صحابہ کرامؓ نے یہ جملہ کہا "ان تو لوھا ابا بکر تجددہ قویانی امر اللہ تعالیٰ بدہ"۔ (الحکام آمدی)

اسی طرح ناحین زکاة سے قتال کرنے پر ان حضرات کا اجماع ہوا وہ بھی قیاس و رائے کی بناء پر تھا، فخری کی جہل کی حرمت پر اجماع سے گوشت پر قیاس سے ذریعہ یہ تھا۔ حضرت نہ کے دور خلافت میں شراب پینے والے کی حد سی (۸۰) کوڑے والا اجماع مقرر کی گئی یہ بھی اجتہاد کی روشنی میں تھا، چنانچہ حضرت علیؓ نے اس پر حد قذف جاری کرنی چاہیے، کیونکہ شرب خمر کے بعد عام طور پر تہمت زنی کی باتیں سرزد ہوتی ہیں، حضرت عبدالرحمنؓ نے کہا کہ اس پر حد جاری کرنی چاہیے ورنہ حد اسی کوڑے ہیں، ان کے عداوہ جنہیت کا تاوان قریبی رشتہ داروں کی خلاف ورزیوں کی بنا پر تھا، جو اجماع یہاں تک کہ فقہاء نے اس کی ضرورت کی ہے۔ (الاحکام آمدی، اصول الفقہ اسعدی: نفائس الاسرار)

اجماع کی اقسام کا بیان

اجماع کی دو صورتیں ہیں "اجماع صریحی اور اجماع سکوتی" اجماع صریحی یہ ہے کہ سب کے سب مجتہدین اپنی رائے کا صراحتہ اظہار کر کے اتفاق کریں اور اجماع سکوتی یہ ہے کہ ایک مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرے اور بقیہ حضرات انکار نہ کریں، بلکہ خاموش رہیں، اجماع صریحی باطل ہے، لیکن سکوتی حجت ہے یا نہیں اس سلسلہ میں اصولی حضرات کے درمیان اختلاف پیدا جاتا ہے؛ لیکن اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ اجماع سکوتی نہ تو برصورت میں معتبر ہے نہ ہر حالت میں قابل رد، بلکہ رضی کی علامت کی شکل میں "السکوت فی معرض البیان بیان"۔ کے اصول کے مطابق معتبر ہونا چاہیے اور اگر رضی کی علامت نہ ہو یا انکار کی صراحت ہو تو قابل رد ہونا چاہیے۔

(ارشاد الفحول، حیات امام احمد بن حنبل، اصول الفقہ اسعدی)

اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم

اجماع صحابہ بلا اختلاف حجت ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ

لِلنَّاسِ"۔ (آل عمران)

تم لوگ اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے۔

ایک جگہ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

الناس"۔ (البقرة)

اور ہم نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بنادی ہے جو (ہر پہلو سے) اعتدال پر ہے، تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے متابہ میں گواہ ہو۔

ان آیات کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں اور "خیر امت" اور "امت وسط" کا اجماع شرعی معتبر ہونا ہی چاہیے، نیز بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی تعریف کی ہے مثلاً ایک حدیث میں فرمایا:

"وَأَصْحَابِي أُمَّةٌ لَا تُمَيِّزُ"۔ (مسلم، باب بَيَانِ أَنَّ بَقَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَانٌ لِأَصْحَابِهِ وَبَقَاءُ أَصْحَابِهِ أَمَانٌ لِلْأُمَّةِ)

اور میرے صحابہ میری امت کے نگہداشت ہیں۔

ایک حدیث میں ہے: "أَصْحَابِي كَالنَّجْمِ بَاتِيهِمْ أَفْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ"۔ (كشف الخفاء)

میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی اقتداء کرو گے راہ یاب ہو جاؤ گے۔ ان کے عداوہ اور بہت سی احادیث ہیں جو صحابہ کرامؓ کے صدق اور حق پر ہونے کو ظاہر کرتی ہیں؛ پس آنحضرت ﷺ کا حضرات صحابہ کرام کے عادل اور صدق ہونے کی شہادت دینا اس بات کی بین دلیل ہے کہ ان حضرات کا اجماع معتبر ہوگا۔

اہل مدینہ کے اجماع کا بیان

جمہور کے نزدیک صرف اہل مدینہ کا اجماع حجت نہیں ہے؛ البتہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ صرف اہل مدینہ کا اجماع معتبر ہے امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے بارے میں مدنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

"الْمَدِينَةُ كَالْكَبِيرِ تَنْفِي حَبْثُهَا، كَمَا يَنْفِي الْكَبِيرُ حَبْثَ الْحَدِيدِ"۔ (ترمذی، کتاب

الْمَنَاقِبِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ الْمَدِينَةِ، حَدِيثٌ، كِتَابُ الْحَجِّ

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بَابُ مَا جَاءَ فِي ثَوَابِ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ)

مدینہ طیبہ بڑھاپہ کی طرح ہے، مدینہ اپنے حبث کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے کے زنگ اور میل پھیل کو دور کر دیتی ہے۔ لہذا خطاء بھی ایک قسم کا حبث ہے؛ پس جب مدینہ اور اہل مدینہ سے حبث منٹگی ہے تو ان سے خطاء بھی منٹگی ہوگی اور جب اہل مدینہ سے خطاء منٹگی ہے تو ان کا قول صواب اور ان کی متابعت واجب ہوگی؛ لہذا اہل مدینہ کسی دینی امر پر اتفاق کریں گے تو وہ سب کے لیے حجت ہوگا اور ان کا اجماع اور اتفاق معتبر ہوگا؛ نیز مدینہ طیبہ دار الحجرت ہے صحابہ کرامؓ کا سب سے بڑا مرکز علم ہے، مدفن نبی ﷺ ہے، رسول اکرم ﷺ کے احوال سے سب سے زیادہ اہل مدینہ واقف ہیں؛ پس جب مدینہ طیبہ اس قدر خصوصیات پر مشتمل ہے تو حق اہل مدینہ کے اجماع سے باہر نہ ہوگا اور ان کے اجماع سے متجاوز نہ ہوگا۔

(المستصفی للغزالی، حیات امام مالک)

کن چیزوں میں اجماع کا اعتبار ہے؟

اجماع کا تعلق خاص دینی اور شرعی امور سے ہے الفاظ کے لغوی معنی کے سلسلے میں اجماع کا اعتبار نہیں، نقلی اور دنیوی امور و تدابیر میں بھی اجماع کا اعتبار نہیں؛ کیونکہ ایک مکلف کے افعال سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں۔

(اصول الفقہ للحضری: فوائد الرحموت)

اجماع کے حکم کا بیان

اجماع کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی اجماع قطعی کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائیگا، بعض اصولیین نے یہ تفریق کی ہے کہ اگر ضروریات دین پر اجماع ہوا ہو اور وہ عوام و خواص کے درمیان متعارف ہو تو ان کا منکر کافر ہوگا، لیکن جو اجماع اس قبیل سے نہ ہو تو اس کے منکر کو کافر نہیں دیا جائیگا، جیسا کہ بعض مسائل وراثت پر اجماع ہوا ہے اور فخر الاسلام بزدلی کا کہنا ہے کہ صحابہ کا جس مسئلہ پر اجماع ہوا ہو اس کا کوئی انکار جیسے ناعین زکاة سے قتل وغیرہ تو اس کو کافر شمار کریں گے اور صحابہ کرام کے بعد کے لوگوں کا اجماع کا کوئی منکر ہو تو، گمراہ اور ضال ہوگا۔ (الموسمۃ الفقہیہ: م۔ اصول المیز دوی: البحر المحیط)

غیر مقلدین اور اجماع

غیر مقلدین کی ایک گروہ یہ ہے کہ وہ اجماع کے منکر ہیں، ان کے نزدیک اسلامی عقیدہ کے اصول صرف کتب و سنت ہیں حتیٰ کہ وہ اجماع صحابہ کے بھی منکر ہیں ان کا یہ عقیدہ بھی شیعوں کے ساتھ توافقی اور مسلکی موافقت کا مظہر ہے، شیعہ، معتزلہ اور غیر مقلدین کے علاوہ کوئی فرقہ ہمارے علم میں ایسا نہیں کہ جس نے اجماع کا انکار کیا ہو وہ اجماع کہ جس کے اصول دین ہونے پر حضرات صحابہ خلفاء راشدین اور پوری امت کا اتفاق ہے، علامہ ابن تیمیہ روافض پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اجماع روافض کے نزدیک حجت نہیں ہے" (منہاج السنۃ) بہر حال انکار اجماع روافض کا مذہب ہے اہل سنت کا مذہب نہیں، غیر مقلدین بھی اس مسئلہ میں شیعوں کے ساتھ ہیں، ان کے عقیدوں کی تفصیل نواب نور الحسن صاحب نے "عرف الجاوی" میں کی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: "دین اسلام کی اصل صرف دو ہیں: کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اجماع کوئی چیز نہیں ہے اور فرماتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اجماع کی اس ہیئت کو دلوں سے نکال دیں جو دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے جو اجماع کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بہت بڑا ہے؛ کیونکہ وہ اس کو ثابت نہیں کر سکتا۔ (عرف الجاوی)

ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: "حق بات یہ ہے کہ اجماع ممنوع ہے"۔ (عرف الجاوی)

یہ تو تھا غیر مقلدین کا عقیدہ؛ لیکن اس بارے میں سلفیوں کا عقیدہ غیر مقلدین کے بالکل برخلاف ہے، سلفی حضرات اجماع کو ایک دینی شرعی سمجھتے ہیں۔ (الاحکام فی اصول الاحکام لآمدی، الاصل الثانی، فی الاجماع)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتابیں پڑھنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اجماع کی نظر کا بیان

(۱) رسول اللہ ﷺ نے صرف دو رات تراویح باجماعت پڑھیں، اس کے بعد یہ فرما کر تراویح پڑھنی چھوڑ دی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں یہ تمہارے اوپر فرض نہ کر دی جائے (بخاری شریف) پھر صحابہ کرام کے، بین عمل و قول اختلاف رہا؛ پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پورے رمضان مواظبت کے ساتھ بیس رکعات باجماعت تراویح پر صحابہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا۔ (نصب الرایت)

(۲) ایک مجلس کی تین طلاق سے ایک طلاق واقع ہو یا تین ہی واقع ہوں، یہ مسئلہ بھی صحابہ کرامؓ میں مختلف فیہ رہا؛ پھر حضرت عمرؓ کے دور میں اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا اور اس کے بعد سے جہور اس پر متفق چلے آ رہے ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاق تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ (مسلم شریف)

(۳) رسول اللہ ﷺ سے نماز جنازہ کی تکبیرات پانچ بھی منقول ہیں اور سات، نو اور چار بھی؛ اسی لیے صحابہ کرامؓ کے، بین اس میں اختلاف رہا ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ تم صحابہ کی جماعت ہو کر اختلاف کر رہے ہو تو تمہارے بعد آنے والوں میں کتنی شدید اختلاف ہوگا؛ پس غور و خوض کر کے چار تکبیرات پر صحابہ کرامؓ کا اجماع منعقد ہو گیا۔ (بدائع الصنائع)

(۴) اگر کوئی شخص متعدد بار چوری کرے اور ایک مرتبہ میں اس کا دایاں ہاتھ اور دوسری مرتبہ میں اس کا بائیں ہاتھ چکا ہو اور پھر تیسری اور چوتھی بار چوری کرے تو اس کے ہاتھ دہیر کاٹ کر سزا دی جائے یا قطع کے علاوہ دیگر کوئی سزا دی جائے اس سلسلہ میں اختلاف رہا ہے، اس کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ایک صورت متعین فرمادی کہ تیسری چوتھی مرتبہ میں قطع نہ ہوگا اور صحابہ کرامؓ نے اس پر سکوت اختیار کیا، پس یہی توارث ہو گیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں بھی صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔

(بدائع الصنائع، دارقطنی، السنن الکبریٰ)

(۵) اجماع بدون الانزال کے موجب غسل ہونے میں ابتدا صحابہ کرامؓ میں اختلاف تھا، چنانچہ انصار و جوب غسل کے قائل نہیں تھے اور مہاجرین و جوب غسل کے قائل تھے، لیکن جب حضرت عمرؓ نے انصار و مہاجرین دونوں کو جمع کر کے پوری صورت حال ان کے سامنے رکھی اور ان کو وجوب غسل پر آمادہ کیا تو حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سب متفق ہو گئے اور کسی نے کوئی تکمیر نہیں کی۔ (طحاوی شریف)

(۶) امام طحاویؒ اور امام بیہقیؒ نے علقمہ بن ابی وقاصؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی ایک زمین جو بصرہ میں تھی حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کے ہاتھ فروخت کی، کسی نے حضرت طلحہؓ سے کہا کہ آپ کو اس معاملہ میں خسارہ ہو گیا ہے، یہ سن کر حضرت طلحہؓ نے فرمایا: مجھے اختیار ہے؛ کیونکہ میں نے بغیر دیکھے زمین خریدی ہے، حضرت عثمانؓ سے کہا گیا کہ آپ کو خسارہ ہو گیا؛ انھوں نے فرمایا کہ مجھے اختیار ہے؛ کیونکہ میں اپنی زمین بغیر دیکھے فروخت کی ہے، دونوں حضرات نے جبیر بن مطعمؓ کو حکم مقرر کیا، حضرت جبیر بن مطعمؓ نے فیصلہ کیا کہ طلحہ کو خسارہ رویت حاصل ہے، عثمان کو حاصل نہیں ہے، یہ واقعہ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں پیش آیا؛ مگر کسی نے

تکیر نہیں کی، گویا اس پر صبیحہ کرام کا اجماع منعقد ہو گیا کہ خیر رویت مشتری کو حاصل ہوگا یا نفع کو حاصل نہ ہوگا۔ (ہدایہ)

کیا اجماع کی اطلاع ممکن ہے؟

اکثر علماء کرام کا مسلک یہ ہے کہ اجماع کی اطلاع ممکن ہے، ہر بلد و خطہ کا والی اپنے یہاں کے مجتہدین کو جمع کر کے ان کی رائے یا امر اسدت کے ذریعہ ان سے رابطہ قائم کر کے ان کی آراء حاصل کر لے، اس طرح اجماع کی اطلاع مل سکتی ہے، ماضی میں جو اجماع ہوئے کتابوں کے ذریعہ ان کی اطلاع تو ہے ہی، اس زمانہ میں ذرائع ابداع کی بہت ترقی ہے اور اس کی سہولتیں ہیں، ان سے فائدہ اٹھایا جائے تو حال میں ہونے والے اجماع کی بھی اطلاع آسانی مل سکتی ہے۔ (فقہ اسلامی خدمت و تقاضے، البحر المحیط)

رسول ﷺ نے فرمایا: (لَا يَجْمَعُ اللَّهُ أُمَّتِي عَلَى ضَلَالَةٍ أَبَدًا، وَيُذِلُّ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ)

اللہ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے۔ (المستدرک الحکم وسندہ صحیح)

حافظ ابن تیمیہ نے بھی اسے باب فی الاجماع میں ذکر کیا ہے۔ (مجموع الزوائد) ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب اللہ کے مطابق فیصد کرنا چاہیے اور اگر کتاب اللہ میں نہ ملے تو پھر نبی ﷺ کی سنت کے مطابق فیصد کرنا چاہیے اور اگر کتاب اللہ اور سنت، نبی ﷺ میں نہ ملے تو پھر صالحین کے فیصد کے مطابق فیصد کرنا چاہیے اور اگر تینوں میں نہ ملے تو پھر جہتہاں دکرنا چاہیے۔ (سنن نسائی)

اس روایت میں ابو معاویہ منفرد نہیں اور اعمش مدلس ہیں، لہذا سند ضعیف ہے، لیکن سنن داری (۱) اور المعجم الکبیر للطبرانی (۲۰۰ سند حسن) وغیرہ میں اس کے شواہد ہیں، جن کے ساتھ یہ روایت حسن ہے۔ امام نسائی نے اس روایت کے بارے میں فرمایا: هذه الحديث جيد جدا اور اس پر الحکم باتفاق اہل العلم کا باب ہاتھ کر یہ ثابت کر دیا کہ اجماع حجت ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین خصلتوں میں مسلم کا دل کبھی خیانت نہیں کرتا (۱) خاص اللہ کے لیے غل (۲) حکمرانوں کے لیے خیر خواہی (۳) اور جماعت کو لازم پکڑنا، کیونکہ انکی دعوت (دعا) دُور والوں کو بھی گھیر لیتی ہے۔ (مسند احمد عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ وسندہ صحیح)

حد شراب کی شہادت کے نصاب کا بیان

(وَيَنْبُتُ الشَّرْبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَ) يَنْبُتُ (بِالْإِقْرَارِ مَرَّةً وَاحِدَةً) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَشْتَرِطُ الْإِقْرَارَ مَرَّتَيْنِ وَهُوَ نَظِيرُ الْإِخْتِلَافِ فِي السَّرِقَةِ، وَسَبَّيْنَهَا هُنَاكَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ (وَلَا تُقْبَلُ فِيهِ شَهَادَةُ السَّاءِ مَعَ الرِّجَالِ) لِأَنَّ فِيهَا شُبْهَةَ الْبَدَلِيَّةِ وَتُهْمَةُ الضَّلَالِ وَالنَّسْيَانِ.

ترجمہ

دو گواہوں کی گواہی دینے یا ایک مرتبہ اقرار کر لینے سے شراب کا پینا ثابت ہو جائے گا۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک دو مرتبہ اقرار شرط ہے۔ اور حد سرقہ میں اسی اختلاف کی نظیر موجود ہے اور اس کو ہم ان شاء اللہ حد سرقہ کے باب میں بیان کریں گے۔ اور شراب کی حد میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ عورتوں کی شہادت میں بدایت کا شبہ ہے اور ان میں بھول جانے یا بھٹک جانے کی تہمت بھی موجود ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ گواہوں نے جب بیان کیا، اس نے شراب پی اور کسی نے مجبور نہ کیا تھا تو اس کا یہ کہنا کہ مجھے مجبور کیا گیا، سنا نہ جائیگا۔ (بحر الرائق، کتاب الحدود)

گواہوں میں اگر باہم اختلاف ہو ایک صبح کا وقت بتاتا ہے دوسرا شام کا یا ایک نے کہا شراب پی دوسرا کہتا ہے شراب کی تے کی یا ایک پینے کی گواہی دیتا ہے اور دوسرا اس کی کہ میرے سامنے اقرار کیا ہے تو ثبوت نہ ہوا اور حد قائم نہ ہوگی۔ مگر ان سب صورتوں میں مزادین گئے۔ اگر خود اقرار کرتا ہو تو ایک بار اقرار کافی ہے حد قائم کر دیں گے جبکہ اقرار ہوش میں کرتا ہو اور نشہ میں اقرار کیا تو کافی نہیں۔ (در مختار، کتاب الحدود)

شرابی پر نشہ کے اطلاق کا بیان

(وَالسَّكَرَانُ الَّذِي يُحَدُّهُ هُوَ الَّذِي لَا يَعْقِلُ مَنْطِقًا لَا قَلِيلًا وَلَا كَثِيرًا وَلَا يَعْقِلُ الرَّجُلُ مِنَ الْمَرَأَةِ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ (وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ: هُوَ الَّذِي يَهْذِي وَيَخْتَلِطُ كَلَامُهُ) لِأَنَّهُ هُوَ السَّكَرَانُ فِي الْعُرْفِ، وَإِلَيْهِ مَالُ أَكْثَرِ الْمَشَائِخِ. وَلَهُ أَنَّهُ يُؤْخَذُ فِي أَصْنَافِ الْحُدُودِ بِإِقْصَاهَا قَرَأَ اللَّحْدُ.

وَنَهَايَةُ السَّكَرَانِ يَغْلِبُ السُّرُورُ عَلَى الْعَقْلِ فَيَسْلُبُهُ التَّمْيِيزَ بَيْنَ شَيْءٍ وَشَيْءٍ، وَمَا دُونَ ذَلِكَ لَا يَعْزَى عَنْ شُبْهَةِ الصَّخْرِ، وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْقَدْحِ الْمُسْكِرُ فِي حَقِّ الْحُرْمَةِ مَا قَالَاهُ بِالْإِجْمَاعِ أَخْذًا بِالْإِحْتِيَاظِ وَالشَّافِعِيُّ يُعْتَبِرُ ظُهُورَ أَثَرِهِ فِي مَشْيِهِ وَحَرَكَاتِهِ وَأَطْرَافِهِ وَهَذَا مِمَّا يَتَفَاوَتْ فَلَا مَعْنَى لِإِغْتِيَابِهِ.

ترجمہ

جبکہ نشہ میں مست آدمی جس کو حد لگائی جانی ہے وہ ایسا شخص ہے جو تھوڑی بہتی بات بھی سمجھتا نہ ہو اور مرد و عورت کے درمیان

فرق بھی نہ کر سکتا ہو۔ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ امام صاحب علیہ الرحمہ کا قول ہے۔ جبکہ صاحبین نے کہا کہ وہ شخص واپس کی طرح کلام کرے اور کلام میں حادث کرے کیونکہ عرف میں اسی کو سکران کہتے ہیں اور اکثر مشائخ فقہاء اسی تعریف کی طرف گئے ہیں۔ جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حد قائم کرنے کیسے آخری درجے کے اسباب کا اعتبار کیا جائے گا۔ تاکہ حد کو دور کیا جائے۔

اور نشے کی انتہاء یہ ہے کہ مرد اس کی عقل پر اس طرح غائب آجائے کہ اس سے دو اشیا کے درمیان فرق کرنے کی سمجھ تو چھین لے۔ اور مقدار اس سے تھوڑی ہو وہ شبہ سے خالی نہیں ہے۔ اور نشے والے پیالے میں حرمت کے حق میں اعتبار کیا جائے گا۔ جو علت صاحبین نے بیان کی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ اس کے چھنے پھرنے، اس کے حرکت کرنے اور اس کے اطراف میں نشے کے اثر ظاہر ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ لیکن یہ احوال تو تبدیل ہوتے رہتے ہیں بہذاں کا اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

شرح

علامہ ابن عابدین شافعی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ نشہ کی حالت میں تمام وہ احکام جاری ہوں گے جو ہوش میں ہوتے ہیں مثلاً اپنی زوجہ کو طلاق دیدی تو طلاق ہوگی یا اپنا کوئی، بیچ ڈال تو بیچ ہوگی۔ صرف چند باتوں میں اس کے احکام عینہ ہیں۔ (۱) اگر کوئی کلمہ کفر کا تو اسے مرتد کا حکم نہ دیں گے یعنی اس کی عورت بائن نہ ہوگی رہا یہ کہ عند اللہ بھی کافر ہو گیا نہیں اگر قصداً کفر کا ہے تو عند اللہ کافر ہے، ورنہ نہیں۔ (۲) جو حدود داخل حق اللہ ہیں اون کا اقرار کیا تو اقرار صحیح نہیں اسی وجہ سے اگر شراب پینے کا نشہ کی حالت میں اقرار کیا تو حد نہیں۔ (۳) اپنی شہادت پر دوسرے کو گواہ نہیں بنا سکتا۔ (۴) اپنے چھوٹے بچہ کا مہر مثل سے زیادہ پر نکاح نہیں کر سکتا۔ (۵) اپنی نابالغ لڑکی کا مہر مثل سے کم پر نکاح نہیں کر سکتا۔ (۶) کسی نے ہوش کے وقت اسے وکیل کیا تھا کہ یہ میرا سامان بیچ دے، اور نشہ میں بیچا تو بیچ نہ ہوئی۔ (۷) کسی نے ہوش میں وکیل کیا تھا کہ تو میری عورت کو طلاق دیدے اور نشہ میں اس کی عورت کو طلاق دی تو طلاق نہ ہوئی۔ (رہنما، کتاب الحدود)

نشے کا اپنی ذات کیسے اقرار کرنے کا بیان

(وَلَا يُحَدُّ السَّكَرَانُ بِإِقْرَارِهِ عَلَى نَفْسِهِ) لِزِيَادَةِ اَحْتِمَالِ الْكُذِبِ فِي اِقْرَارِهِ فَيَحْتَالُ لِدَرْجَتِهِ لِأَنَّهُ خَالِصٌ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى .

بِحِلَافِ حَدِّ الْقَذْفِ لِأَنَّ فِيهِ حَقَّ الْعَبْدِ وَالسَّكَرَانُ فِيهِ كَالصَّاحِي عُقُوبَةً عَلَيْهِ كَمَا فِي سَائِرِ تَصَرُّفَاتِهِ ، وَلَوْ ارْتَدَّ السَّكَرَانُ لَا تَبَيَّنُ مِنْهُ اَمْرَاتُهُ لِأَنَّ الْكُفْرَ مِنْ بَابِ الْاِعْتِقَادِ فَلَا يَتَحَقَّقُ مَعَ السَّكَرِ ، وَاللَّهُ اَعْلَمُ .

ترجمہ

در جب نشے نے اپنی ذات کا اقرار کیا تو اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے اقرار میں جھوٹ کا احتمال زیادہ ہے پس وہ حد کو دور کرنے کا بہت معتبر ہوگا کیونکہ یہ حد خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے یہ خلاف حد قذف کے کیونکہ اس میں بندے کا حق ہے اور بندے کے حق والی سزا میں مکمل نشے میں مست اور بعض ہوش والوں برابر ہیں جس طرح اس کے تمام تصرفات کا حکم ہے اور نشے والا مرتد ہو جائے تو اس کی بیوی اس سے بائند نہ ہوگی کیونکہ کفر کا تعلق اعتقاد سے ہوتا ہے جبکہ نشے کے ساتھ کفر ثابت نہیں ہوتا اور طرفین کا قول ہے۔ اور طبرانی روایت کے مطابق وہ شخص مرتد ہو جائے گا۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ شراب پی اور کہتا ہے میں نے دودھ یا شربت اسے تصور کیا تھا یا کہتے ہیں کہ مجھے معصوم نہ تھا کہ یہ شراب ہے تو حد ہے اور اگر کہتا ہے میں نے اسے بنید سمجھا تھا تو حد نہیں ہے۔ (بحر الرائق، کتاب الحدود)

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ انگوڑا کچا پی جب خود جوش کھانے لگے اور اس میں جھاگ پیدا ہو جائے اسے غر کہتے ہیں۔ اسکے ساتھ پانی ملا دیا ہو اور پانی کم ہو جب بھی خاص کے حکم میں ہے کہ ایک قطرہ پینے پر بھی حد قائم ہوگی اور پانی زیادہ ہے تو جب تک نشہ نہ ہو حد نہیں اور اگر انگوڑا کچا پی پکایا گیا تو جب تک اسکے پینے سے نشہ نہ ہو حد نہیں۔ اور اگر خر کا عرق کھینچا تو اس عرق کا بھی وہی حکم ہے کہ ایک قطرہ پر بھی حد ہے۔ (رہنما، کتاب الحدود)

ہر نشہ آور چیز حرام ہے

کل مسکر حرام۔ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہے آپ نے فرمایا ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔ (ترمذی ج ۲ ص ۸، قاری کتب خانہ ملتان)

حرام شرابیں اور ان کی علت:

۱۔ خمر ۲۔ طلاء باذنق ۳۔ سکر ۴۔ نفع الزبيب

احناف کے نزدیک یہ چار شرابیں فی نفسہ حرام ہیں یعنی اگر چنان کا استعمال قلیل ہو یا کثیر ہر طرح حرام ہیں اور شراب کی حرمت کی علت نشہ ہے اور باقی تمام شرابوں میں علت کا اعتبار کیا جائے گا جہاں جہاں علت نشہ پائی جائے گی وہاں اس کی حرمت ثابت ہو جائے گی اور اس قاعدہ سے مستفاد بھی یہی ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

شراب کی حرمت کا حکم:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابوعبیدہ، حضرت ابوطالبہ اور حضرت ابی بن کعب کو شراب پلا

رہا تھا اس وقت ایک آنے والا آیا اور اس نے کہا کہ اب شراب حرام کر دی گئی ہے حضرت ابو طلحہ نے کہا اے انس: اس گھڑے کو تو زور میں نے پتھر کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس گھڑے کو نیچے سے مارا حتیٰ کہ وہ ٹوٹ گیا۔

(بخاری ج ۲ ص ۸۳۶ مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

ابتداءً اسلام میں شراب مباح تھی اور جب انکی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جس حال میں حکم پہنچا تو انہوں نے اسی حال میں شراب کے مشکوک کو بہادیا، گھڑوں کو توڑ دیا اور ایسے ہی انہوں نے اپنے ہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے شراب کو ختم کر دیا اور وہی نفرت ان کے دلوں میں پیدا ہوئی جو حرام کام کیلئے ان کے دلوں میں موجود ہوتی تھی

حالت نشہ میں طلاق کا حکم:

مجبور اور نشی کی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (القدوری)

حالت نشہ میں تمام تصرفات نافذ ہوں گے کیونکہ اس کی عقل اس کے عس کی وجہ سے زائل ہوتی ہے جو کہ گناہ ہے اس لئے زجر اس کے زوال کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور وہ اس دلیل کے ساتھ بھی مکلف ہوگا جس سے اس پر حد قذف لازم ہو جاتی ہے اور قتل کا جرم اور وہ احکام شرعیہ کا مکلف ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔

لا تقربوا الصلوة وانتم سکرى (النساء ۴۳)

جب تم حالت نشہ میں ہو تو نماز کے قریب تک نہ جاؤ۔ (الجوہرہ النیرہ ج ۲ ص ۱۷۶، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

بَابُ حَدِّ الْقَذْفِ

یہ باب حد قذف کے بیان میں ہے ﴿

باب حد قذف کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود باری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مصنف علیہ الرحمہ نے حد قذف کو حد شراب سے مؤخر ذکر کیا ہے کیونکہ حد شراب میں جرم کا ثبوت یقینی ہے کہ گواہوں نے شہادت دیدی ہے۔ جبکہ حد قذف میں دونوں احتمال ہوتے ہیں۔ اور یقین کو احتمال سے تقدم حاصل ہے۔ کیونکہ قذف ایک خبر ہے جس میں سچائی و جھوٹ دونوں کا احتمال ہے۔ اور اسی طرح حد قذف کے جرم سے حد شراب کا جرم بڑا ہے۔ البتہ کوڑوں کی سزا کی موافقت واضح ہے۔ (عنا یہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۷ ص ۲۵۲، بیروت)

قذف کا فقہی مفہوم

عربی لغت میں قذف کا مطلب تیر پھینکنا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں قذف سے مراد ہے کسی پاک دامن مومن مرد یا مومن عورت پر واضح الفاظ میں زنا کی تہمت لگانا یا اسکے بارے میں ایسی بات کہنا جس کا مطلب یہ ہو کہ وہ زنا کار ہے۔ حد اس سزا کو کہتے ہیں جو بطور حق اللہ تعالیٰ مقرر کی گئی ہو یا پھر وہ سزا جو کسی انسان کی حق تلفی یا ایذا دہی کی پاداش میں مجرم کو دی جائے۔ ایسی سزاؤں کو حد یا حدود اس لیے بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود سے ایسے جرائم اور انکی سزائیں متعین کر دیں ہیں اور کسی کو ان میں کمی بیشی یا تجاوز کا اختیار حاصل نہیں، چنانچہ یہ حدود اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہیں اور ان کو عبور کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ قرآن و سنت میں کم و بیش دس ایسے جرائم گنوائے گئے ہیں جو حدود اللہ کے زمرے میں آتے ہیں اور شریعت اسلامیہ نے انکی سخت سزائیں سفر کی ہیں۔

قرآن مجید کے لیے قذف کے لیے رمی کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ قذف کے مترادفات میں سے ہے۔ لفظ رمی کا مطلب نشانہ لگانا یا تیر چلانا ہے۔ حج کے موقع پر شیطان کو کنکریاں مارنے کے لیے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ان آیات سے پہلے حد زنا کا حکم ہے اور بعد میں قانون لعان کی وضاحت کی گئی ہے۔ قانون لعان سے مراد میاں اور بیوی کا ایک دوسرے پر زنا کا الزام دھرنا ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے یہ پختہ وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہاں تہمت سے مراد زنا کاری کی تہمت مراد ہے۔

محسن یا محسنہ پر تہمت لگانے والے پر حد کا بیان

(وَإِذَا قَالَتِ الرَّجُلُ رَجُلًا مُّحْصَنًا أَوْ امْرَأَةً مُّحْصَنَةً بِصُرِيحِ الزَّوْنِ، وَطَالَبَ الْمَقْدُوفِ بِأَلْحَدِ حَدِّهِ الْحَاكِمُ ثَمَانِينَ سَوْطًا إِنْ كَانَ حُرًّا) لِقَوْلِهِ تَعَالَى (وَالَّذِينَ يَزْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ) إِلَى أَنْ قَالَتْ (فَأَجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً) الْآيَةِ، وَالْمُرَادُ الرَّمْيُ بِالزَّوْنِ

بِالْإِجْمَاعِ ، وَلَفِي النَّصِّ إِشَارَةٌ إِلَيْهِ وَهُوَ اشْتِرَاطُ أَرْبَعَةٍ مِنَ الشَّهَدَاءِ إِذْ هُوَ مُخْتَصَرٌّ
بِالزَّنَا ، وَيُشْتَرَطُ مُطَابَقَةُ الْمَقْدُوفِ لِأَنَّ فِيهِ حَقُّهُ مِنْ حَيْثُ دَفَعَ الْعَارَ وَإِحْصَانُ
الْمَقْدُوفِ لِمَا تَلَوْنَا .

قَالَ (وَيُقَرَّقُ عَلَى أَعْضَائِهِ) لِمَا مَرَّ فِي حَدِّ الزَّنَا (وَلَا يَجْرُدُ مِنْ نِيَابِهِ) لِأَنَّ سَبَبَهُ غَيْرُ
مَقْطُوعٍ فَلَا يُقَامُ عَلَى الشَّدَةِ ، بِخِلَافِ حَدِّ الزَّنَا (غَيْرَ أَنَّهُ يُنَزَعُ عَنْهُ الْقُرُوءُ وَالْحَشْوُ)
لِأَنَّ ذَلِكَ يَمْنَعُ إِيصَالَ الْأَلَمِ بِهِ (وَإِنْ كَانَ الْقَادِفُ عَبْدًا جُلِدَ أَرْبَعِينَ سَوْطًا لِمَكَانِ
الرَّقِّ) .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے شادی شدہ مرد یا شادی شدہ عورت پر زنا کی تہمت صراحت کے ساتھ لگائی اور مقذوف نے حد کا مطالبہ
کر دیا تو حاکم حد کے طور قاذف کو اسی کوڑے مارے گا جب قاذف آزاد ہو۔ کیونکہ قرآن مجید نے (وَالْأَيْدِينَ بِرُمُومٍ
الْمُخَصَّصَاتِ) اِلٰی اُنْ قَالَ (فَاجْبِدُوهُمْ ثَمَانِينَ خَلْدَةً) کے بعد اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اور آیت میں رمی سے
مراد یہ تفاق زنا کی تہمت ہے اور نص میں اسی حکم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ چار گواہوں کی شرط بھی لگائی گئی ہے اور چار گواہ زنا کے
ساتھ خاص ہیں۔ اور مقذوف کا مطالبہ کرنا شرط ہے کیونکہ اس میں مار کو دور کرنے کیسے مقذوف کا حق ہے اور مقذوف کا بھگنا ہونا
شرط ہے اسی آیت مبارکہ کے سبب جو ہم نے تلاوت کر چکے ہیں۔

فرمایا: قاذف کے جسم کے مختلف حصوں میں کوڑے مارے جائیں گے۔ اسی دلیل کے سبب جو زنا کے باب میں گزر چکی ہے
اور اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں گے۔ کیونکہ حد قاذف کا سبب یقینی نہیں ہوتا لہذا اتنی سختی کے ساتھ اس حد کو قائم نہیں کیا جائے گا
جبکہ حد زنا میں ایسا نہیں ہے البتہ امام اس سے پوچھیں اور مومن نے کپڑے اترا والے۔ کیونکہ ان کے سبب ہر ایک کا تکلیف پہنچنا نا
ہے۔ اور جب مقذوف غلام ہو تو رقیق کے سبب اس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ کسی پر زنا کی تہمت لگانے کو قاذف کہتے ہیں اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح
بواحد کی تہمت بھی کبیرہ گناہ ہے مگر لواحد کی تہمت لگائی تو حد نہیں بلکہ تعزیر ہے اور زنا کی تہمت لگانے والے پر حد ہے۔ حد قاذف
آزاد پر اسی کوڑے ہے اور غلام پر چالیس ہے۔ زنا کے علاوہ اور کسی گناہ کے بہتان کو قاذف نہ کہیں گے نہ اس پر حد ہے البتہ بعض
صورتوں میں تعزیر ہے جس کا بیان انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ (بحر الرائق، کتاب الحدود)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قاذف کا ثبوت دوسروں کی گواہی سے ہوگا یا اس تہمت لگانے والے کے اقرار

ہے۔ اور اس جگہ عورتوں کی گواہی یا شہادۃ علی الشہادۃ کافی نہیں بلکہ ایک قاضی نے اگر دوسرے قاضی کے پاس لکھ بھیجا کہ میرے
بزرگ قاذف کا ثبوت ہو چکا ہے اور کتاب القاضی کے شرائط بھی پائے جائیں جب بھی یہ دوسرا قاضی حد قاذف قائم نہیں
کر سکتا۔ اصل گواہ قاضی کے پاس حاضر نہ ہو سکے وہ کسی دوسرے سے کہے کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں تم میری طرف سے
قاضی کے دربار میں یہ گواہی دے دینا۔ اسی طرح اگر قاذف نے قاذف سے انکار کیا اور گواہوں سے ثبوت نہ ہوا تو اس سے حلف نہ
لیں گے اور اگر اس پر حلف رکھا گیا اور اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو حد قائم نہ کریں گے اور اگر گواہوں میں باہم اختلاف ہوا،
ایک گواہ قاذف کا کچھ وقت بتاتا ہے اور دوسرا گواہ دوسرا وقت کہتا ہے تو یہ اختلاف معتبر نہیں یعنی حد جاری کریں گے۔ اور اگر ایک نے
قاذف کی شہادت دی اور دوسرے نے اقرار کیا یا ایک کہتا ہے مثلاً فارسی زبان میں تہمت لگائی اور دوسرا یہ بیان کرتا ہے کہ اردو میں تو
حد نہیں۔ جب اس قسم کا دعویٰ قاضی کے یہاں ہو اور گواہ ابھی نہیں لیا ہے تو تین دن تک قاذف کو مجبوس رکھیں گے اور اس شخص سے
گواہوں کا مطالبہ ہوگا اگر تین دن کے اندر گواہ لایا نہیں اور نہ اسے رہا کر دیں گے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

مقذوف کی شرائط کا بیان

وَالْإِحْصَانُ أَنْ يَكُونَ الْمَقْدُوفُ حُرًّا عَاقِلًا بَالِغًا مُسْلِمًا عَفِيفًا عَنْ فِعْلِ الزَّنَا (أَمَّا
الْحُرِّيَّةُ فَلِأَنَّهُ يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الْإِحْصَانِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى
الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ) أَيْ الْحَرَائِرُ ، وَالْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ لِأَنَّ الْعَارَ لَا يَلْحَقُ بِالصَّبِيِّ
وَالْمَجْنُونِ لِعَدَمِ تَحَقُّقِ فِعْلِ الزَّنَا مِنْهُمَا ، وَالْإِسْلَامُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ
أَشْرَكَ بِاللَّهِ فَلَيْسَ بِمُحْصَنٍ) وَالْعِفَّةُ لِأَنَّ غَيْرَ الْعَفِيفِ لَا يَلْحَقُهُ الْعَارُ ، وَكَذَا الْقَادِفُ
صَادِقٌ فِيهِ .

ترجمہ

اور احصان کا معنی یہ ہے کہ مقذوف آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو، مسلمان ہو اور زنا کے فعل سے پاک ہو۔ حریت کی شرط اس
لئے ہے کہ اس پر احصان کا لفظ بولا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ”فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ
الْعَذَابِ“ اس میں محصنات سے مراد آزاد مرد ہیں اور عقل و بلوغ کی شرط اس لئے ہے کیونکہ بچے اور مجنون میں شرمندگی نہیں ہوتی
۔ اور ان سے زنا صادر نہیں ہوتا اور مسلمان ہونے کی شرط اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے ساتھ شرک
کی وہ محسن نہیں ہے اور عفت اس سبب سے ہے کیونکہ غیر عقیف کو شرم محسوس نہیں ہوتی البتہ غیر عقیف تہمت میں قاذف قرار دیا
جائے گا کیونکہ اس میں وہ سچا ہے۔

قذف کے ہونے یا نہ ہونے میں فقہی مذاہب

یہ حکم صرف اسی صورت میں نافذ ہوگا جب کہ الزام لگانے والے نے محصنین یا محصنات پر الزام لگایا ہو کسی غیر محصن پر الزام لگانے کی صورت میں اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ غیر محصن اگر بدکاری میں معروف ہو تب تو اس پر الزام لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن اگر وہ ایسا نہ ہو تو اس کے خلاف بلا ثبوت الزام لگانے والے کے لیے قاضی خود سزا تجویز کر سکتا ہے، یا ایسی صورتوں کے لیے محسشوری حسب ضرورت قانون بنا سکتی ہے۔

کسی فعل قذف کے مستلزم سزا ہونے کے لیے صرف یہ بات کافی نہیں ہے کہ کسی نے کسی پر بدکاری کا بلا ثبوت الزام لگایا ہے، بلکہ اس کے لیے کچھ شرطیں قذف (الزام لگانے والے) میں در کچھ مقذوف (الزام کے ہدف بنائے جانے والے) میں، اور کچھ خود فعل قذف میں پائی جانی ضروری ہیں۔

قاذف میں جو شرطیں پائی جانی چاہئیں وہ یہ ہیں: اور یہ کہ وہ باغ ہو۔ پھر اگر قذف کا مرتکب ہو تو اسے تعزیری دی جاسکتی ہے مگر اس پر حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

دوم یہ کہ وہ عاقل ہو۔ مجنون پر حد قذف جاری نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حرام نشے کے سو کسی دوسری نوعیت کے نشے کی حالت میں، مثلاً کلوروفارم کے زیر اثر الزام لگانے والے کو بھی مجرم نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

سوم یہ کہ اس نے اپنے آزاد ارادے سے (فقہاء کی اصطلاح میں طاعاً) یہ حرکت کی ہو۔ کسی کے جبر سے قذف کا ارتکاب کرنے والا مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔

چہرہ یہ کہ وہ مقذوف کا اپنا باپ یا دادا نہ ہو، کیونکہ ان پر حد قذف جاری نہیں کی جاسکتی۔ ان کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ ناطق ہو، گونگا اگر اشاروں میں الزام لگائے تو وہ حد قذف کا مستوجب نہ ہوگا، لیکن امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر گونگے کا اشارہ بالکل صاف اور صریح ہو جسے دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے تو وہ قاذف ہے، کیونکہ اس کا اشارہ ایک شخص کو بدنام و رسوا کر دینے میں تصریح بالقول سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس کے برعکس حنفیہ کے نزدیک محض اشارے کی صراحت اتنی قوی نہیں ہے کہ اس کی بنا پر ایک آدمی کو 80 کوٹوں کی سزا دے ڈالی جائے۔ وہ اس پر صرف تعزیر دیتے ہیں۔

مقذوف میں جو شرطیں پائی جانی چاہئیں وہ یہ ہیں: پہلی شرط یہ کہ وہ عاقل ہو، یعنی اس پر بحالت عقل زنا کرنے کا الزام لگایا گیا ہو۔ مجنون پر (خواہ وہ بعد میں عاقل ہو گیا ہو یا نہ ہو) الزام لگانے والا حد قذف کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ مجنون اپنی عصمت کے تحفظ کا اہتمام نہیں کر سکتا، اور اس پر اگر زنا کی شہادت قائم بھی ہو جائے تو نہ وہ حد زنا کا مستحق ہوتا ہے نہ اس کی عزت پر حرف آتا ہے۔ لہذا اس پر الزام لگانے والا بھی حد قذف کا مستحق نہ ہونا چاہیے۔ لیکن امام مالک اور امام سیف بن سعد کہتے ہیں کہ مجنون کا قاذف حد کا مستحق ہے کیونکہ ہر حال وہ ایک بے ثبوت الزام لگا رہا ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ بالغ ہو۔ یعنی اس پر بحالت بلوغ زنا کے ارتکاب کا الزام لگایا گیا ہو بچے پر الزام لگانا، یا جواب پر اس امر کا الزام لگانا کہ وہ بچپن میں اس فعل کا مرتکب ہوا تھا، حد قذف کا موجب نہیں ہے، کیونکہ مجنون کی طرح بچہ بھی اپنی عصمت کے تحفظ کا اہتمام نہیں کر سکتا، نہ وہ حد زنا کا مستوجب ہوتا ہے، اور نہ اس کی عزت مجروح ہوتی ہے۔

لیکن امام مالک کہتے ہیں کہ سن بلوغ کے قریب عمر کے لڑکے پر اگر زنا کے ارتکاب کا الزام لگایا جائے تب تو قاذف حد کا مستحق نہیں ہے، لیکن اگر ایسی عمر کی لڑکی پر زنا کرانے کا الزام لگایا جائے جس کے ساتھ مباشرت ممکن ہو، تو اس کا قذف حد کا مستحق ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف لڑکی بلکہ اس کے خاندان تک کی عزت مجروح ہو جاتی ہے اور لڑکی کا مستقبل خراب ہو جاتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو، یعنی اس پر بحالت اسلام زنا کرنے کا الزام لگایا گیا ہو، کافر پر الزام، یا مسلم پر یہ الزام کہ وہ بحالت غلامی اس کا مرتکب ہوا تھا، موجب حد نہیں ہے، کیونکہ غلام کی بے بسی اور کمزوری یہ امکان پیدا کر دیتی ہے کہ وہ اپنی عصمت کا اہتمام نہ کر سکے۔ خود قرآن میں بھی غلامی کی حالت کو احسان کی حالت قرار نہیں دیا گیا ہے، چنانچہ سورہ نساء میں محصنات کا لفظ ونڈی کے بالمقابل استعمال ہوا ہے۔ لیکن داؤد ظاہری اس دلیل کو نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ لونڈی اور غلام کا قاذف بھی حد کا مستحق ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ عقیف ہو، یعنی اس کا دامن زنا اور شبہ زنا سے پاک ہو۔ زنا سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر پہلے کبھی جرم زنا ثابت نہ ہو چکا ہو۔ شبہ زنا سے پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ نکاح فاسد، یا خفیہ نکاح، یا مشتبہ ملکیت، یا شبہ نکاح میں مباشرت نہ کر چکا ہو، نہ اس کے حالات زندگی ایسے ہوں جن میں اس پر بد چلتی اور آبرو باختگی کا الزام چسپاں ہو سکتا ہو، اور نہ زنا سے کم تر درجہ کی بد اخلاقیوں کا الزام اس پر پہلے کبھی ثابت ہو چکا ہو، کیونکہ ان سب صورتوں میں اس کی عفت مجروح ہو جاتی ہے، اور ایسی مجروح عفت پر الزام لگانے والا 80 کوٹوں کی سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ اگر حد قذف جاری ہونے سے پہلے مقذوف کے خلاف کسی جرم زنا کی شہادت قائم ہو جائے، تب بھی قاذف چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ وہ شخص پاک دامن نہ رہا جس پر اس نے الزام لگایا تھا۔

مگر ان پانچوں صورتوں میں حد نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مجنون، یا بچے، یا کافر، یا غلام، یا غیر عقیف آدمی پر بلا ثبوت الزام زنا لگا دینے والا مستحق تعزیر بھی نہیں ہے۔

اب وہ شرطیں لیجیے جو خود فعل قذف میں پائی جانی چاہئیں۔ ایک الزام کو دو چیزوں میں سے کوئی ایک چیز قذف بنا سکتی ہے۔ یا تو قاذف نے مقذوف پر ایسی دلیلی کا الزام لگایا ہو جو اگر شہادتوں سے ثابت ہو جائے تو مقذوف پر حد واجب ہو جائے۔ یا پھر اس نے مقذوف کو ولد الزنا قرار دیا ہو۔ لیکن دونوں صورتوں میں الزام صاف اور صریح ہونا چاہیے۔ کنایات کا اعتبار نہیں ہے جن سے زنا یا طعن فی النسب مراد ہونے کا انحصار قاذف کی نیت پر ہے۔ مثلاً کسی کو فاسق ناجر، بدکار، بد چلن وغیرہ الفاظ سے یاد کرنا۔ یا کسی عورت کو رنڈی، کسین، یا چھٹال کہنا، یا کسی سید کو چھٹان کہہ دینا۔ کنایہ ہے جس سے صریح قذف نہیں قرار دیا جاسکتا۔ البتہ تعریض

کے معنی میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی قذف ہے یا نہیں۔ مثلاً کہنے والا کسی کو نفی ص ب کر کے یوں کہے کہ ہاں مگر میں تو زانی نہیں ہوں، یا میری ماں نے تو زنا کر کے مجھے نہیں جنا ہے۔ امام مالک کہتے ہیں کہ اس طرح کی تعریض جس سے صاف سمجھ میں آجائے کہ قتل کی مراد قاتل کو زانی یا ولد الزنا قرار دینا ہے، قذف ہے جس پر حد واجب ہو جاتی ہے۔

لیکن امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، اور امام شافعی، سفیان ثوری، ابن شبرمہ، اور حسن بن صالح اس بات کی قائل ہیں کہ تعریض میں بہر حال شک کی گنجائش ہے، اور شک کے ساتھ حد جاری نہیں کی جاسکتی۔

امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ تعریض اگر لڑائی جھگڑے میں ہو تو قذف ہے اور ہنسی مذاق میں ہو تو قذف نہیں ہے۔ خلفاء میں سے حضرت عمر اور حضرت علی نے تعریض پر حد جاری کی ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں دو آدمیوں کے درمیان گام گلوچ ہو گئی۔ ایک نے دوسرے سے کہا نہ میرا باپ زانی تھا نہ میری ماں زانیہ تھی۔ معاہدہ حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا آپ لوگ اس سے کیا سمجھتے ہیں؟ کچھ لوگوں نے کہا اس نے اپنے باپ اور ماں کی تعریف کی ہے، اس کے ماں باپ پر تو حملہ نہیں کیا۔ کچھ دوسرے لوگوں نے کہا اس کے لیے اپنے ماں باپ کی تعریف کرنے کے لیے یہی الفاظ رکھ گئے تھے؟ ان خاص الفاظ کو اس موقع پر استعمال کرنے سے صاف مراد یہی ہے کہ اس کے ماں باپ زانی تھے۔ حضرت عمرؓ نے دوسرے گروہ سے اتفاق کیا اور حد جاری کر دی (بص ص 3 ج 3)۔

اس امر میں بھی اختلاف ہے کہ کسی پر عمل قوم لوط کے ارتکاب کا الزام لگانا قذف ہے یا نہیں۔ امام ابو حنیفہ اس کو قذف نہیں مانتے۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام مالک اور امام شافعی اسے قذف قرار دیتے ہیں اور حد کا حکم لگاتے ہیں۔

دوسرے کے نسب میں نفی کے سبب حد کا بیان

(وَمَنْ نَفَى نَسَبَ غَيْرِهِ فَقَالَ لَسْتُ لِأَبِيكَ فَإِنَّهُ يُحَدُّ) وَهَذَا إِذَا كَانَتْ أُمُّهُ حُرَّةً مُسْلِمَةً، لِأَنَّهُ فِي الْحَقِيقَةِ قَذْفٌ لِأُمِّهِ لِأَنَّ النِّسَبَ إِنَّمَا يُنْفَى عَنِ الزَّانِي لَا عَنْ غَيْرِهِ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے دوسرے سے کہا کہ تیرا باپ کوئی نہیں ہے پس اسکو حد لگائی جائے گی۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب اس کی ماں آزاد ہو اور مسلمان ہو کیونکہ درحقیقت یہ اس کی ماں پر تہمت ہے اس نے زانی سے نسب کی نفی کی جاتی ہے جبکہ اس کے سوا کسی نفی کی جاتی۔

نفی نسب کی حرمت میں احادیث کا بیان

(۱) عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِقَبْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ إِلَّا كَفَرَ. وَمَنْ ادَّعَى مَا لَيْسَ لَهُ فَلَيْسَ مِنَّا وَلَيْتَبَوَّأُ

مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ. وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكَفْرِ أَوْ قَالَ: عَدُوُّ اللَّهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَّ عَلَيْهِ. "حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی آدمی ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کرے، در اس حالیکہ وہ (اصل حقیقت) جانتا تھا، مگر یہ کہ اس نے کفر کیا۔ جو کسی ایسی چیز کا مدعی ہو جو اس کی نہیں تھی تو وہ ہم میں سے نہیں اور وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔ اور جس نے کسی آدمی کو کفر کی نسبت سے بلایا یا یہ کہا کہ تم اللہ کے دشمن ہو اور وہ ایسا نہ ہوا تو یہ اسی کی طرف پٹنے گا۔"

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا تَرَعَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَعِبَ عَنْ أَبِيهِ فَهُوَ كُفْرٌ. "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آبا سے انحراف نہ کرو۔ جس نے اپنے باپ سے انحراف کیا، وہ کفر ہے۔"

(۳) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ كِلَاهُمَا يَقُولُ: سَمِعْتُ أُذُنَايَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ مَنِ ادَّعَى أَبَا فِي الْإِسْلَامِ غَيْرَ أَبِيهِ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ. "حضرت سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ ان کے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، آپ فرما رہے تھے: جس نے اسلام میں اپنے آپ کو کسی اور باپ سے منسوب کیا، جبکہ وہ جانتا تھا کہ یہ اس کا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے۔"

(۴) عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ كِلَاهُمَا يَقُولُ: سَمِعْتُ أُذُنَايَ وَوَعَاهُ قَلْبِي مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرُ أَبِيهِ فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ. "حضرت سعد اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہما، دونوں نے بیان کیا ہے کہ میرے ان کانوں نے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: جس نے اپنے آپ کو کسی اور کا بیٹا قرار دیا، جبکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔" (بخاری، رقم ۶۳۸۵، ۶۳۸۶، مسلم، رقم ۶۱-۶۳؛ ابن حبان، رقم ۳۱۵-۳۱۷، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷؛ ابوداؤد، رقم ۵۱۱۵؛ ابن ماجہ، رقم ۲۶۰۹-۲۶۱۱؛ سنن بیہقی، رقم ۱۵۱۱۲-۱۵۱۱۳؛ سنن داری، رقم ۲۵۳۰، ۲۸۶۰؛ مسند احمد بن حنبل، رقم ۱۳۵۳، ۱۳۹۹، ۶۵۹۲، ۶۸۳۳، ۲۱۵۰۳، ۱۷۲۵۱، ۱۰۸۲۵، ۶۸۳۳)

'حَارَّ عَلَيْهِ': 'حار'، 'رجح' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس روایت میں یہ اس معنی میں آیا ہے۔ 'ادَّعَى': 'ادَّعى' کا لفظ بالعموم دعویٰ کرنے کے معنی میں آتا ہے، لیکن اس روایت میں یہ 'النَّسَبُ' کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی اپنے آپ کو کسی شخص کی طرف منسوب کرنا۔ روایت میں چونکہ باپ کے بارے میں غلط نسبت کا معاملہ زیر بحث ہے۔

چنانچہ ہم نے ترجمہ کرنے میں یہی پہلو ملحوظ رکھا ہے۔ یہ واضح ہے کہ اس معنی میں بھی دعوے کا پہلو موجود ہے۔

فَالْيَتَّبِعُوا مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ : جملہ فعل امر سے شروع ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا ترجمہ کرتے ہوئے اس اسلوب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے، لیکن یہاں یہ بات واضح رہتی ہے کہ امر کا صیغہ جہاں حکم یا اظہارِ تمنہ وغیرہ کے لیے آتا ہے، وہاں بددعا یا کسی امر کے نفی نتیجے کو بیان کرنے کے لیے بھی آتا ہے۔ ہمارے خیال میں یہاں یہ اسلوب آخری معنی کے لیے اختیار کیا گیا ہے، یعنی پھر ایہ شخص اپنے آپ کو آگ کا مستحق بناے گا۔

حد قذف کے مطالبہ کے حقداروں کا بیان

حنفیہ کے نزدیک حد قذف کا مطالبہ یا تو خود مقدمہ کر سکتا ہے، یا پھر وہ جس کے نسب پر اس سے حرف آتا ہو اور مطالبہ کرنے کے لیے خود مقدمہ موجود نہ ہو، مثلاً باپ، ماں، اور دادا اور اولاد کی ولد۔ مگر امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ حق قابلِ توریت ہے۔ مقدمہ مر جائے تو اس کا ہر شرعی وارث حد کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ البتہ یہ عجیب بات ہے کہ امام شافعی بیوی اور شوہر کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ موت کے ساتھ رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے اور بیوی یا شوہر میں سے کسی ایک پر الزام آنے سے دوسرے کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔ حالانکہ یہ دونوں ہی دلیلیں کمزور ہیں۔ مطالبہ حد کو قابلِ توریت ماننے کے بعد یہ کہن کہ یہ حق بیوی اور شوہر کو اس لیے نہیں پہنچتا کہ موت کے ساتھ رشتہ زوجیت ختم ہو جاتا ہے خود قرآن کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن نے ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو اس کا وارث قرار دیا ہے۔ رہی یہ بات کہ زوجین میں سے کسی ایک پر الزام آنے سے دوسرے کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا، تو یہ شوہر کے معاملہ میں چاہے صحیح ہو مگر بیوی کے معاملے میں تو قطعاً غلط ہے۔ جس کی بیوی پر الزام رکھا جائے اس کی تو پوری اولاد کا نسب مشتبہ ہو جاتا ہے۔ عداوہ بریں یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ حد قذف صرف نسب پر حرف آنے کی وجہ سے واجب قرار دی گئی ہے۔ نسب کے ساتھ عزت پر حرف آنا بھی اسکی ایک اہم وجہ ہے، اور ایک شریف مرد یا عورت کے لیے یہ کچھ کم ہے عزتی نہیں ہے کہ اس کی بیوی یا اس کے شوہر کو بدکار قرار دیا جائے۔ لہذا اگر حد قذف کا مطالبہ قابلِ توریت ہو تو زوجین کو اس سے مستثنیٰ کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔

شہادت حد میں گواہوں کے اتحاد مجلس میں فقہی مذاہب

یہ بات ثابت ہو جانے کے بعد کہ ایک شخص نے قذف کا ارتکاب کیا ہے، جو چیز اسے حد سے بچ سکتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ وہ چار گواہ ایسے مائے جو عدالت میں یہ شہادت دیں کہ انہوں نے مقدمہ کو فداں مرد یا عورت کے ساتھ بالفعل زنا کرتے دیکھا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک یہ چاروں گواہ بیک وقت عدالت میں آنے چاہئیں اور انہیں بیک وقت شہادت دینی چاہیے، کیونکہ اگر وہ یکے بعد دیگرے آئیں تو ان میں سے ہر ایک قاذف ہوتا چلا جائے گا اور اس کے لیے پھر چار گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ لیکن یہ

یک کز در بات ہے۔ صحیح بات وہی ہے جو امام شافعی اور عثمان النقی نے کہی ہے کہ گواہوں کے بیک وقت آنے اور یکے بعد دیگرے آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ زیادہ بہتر یہ ہے کہ دوسرے مقدمات کی طرح گواہ ایک کے بعد ایک آئے اور شہادت دے۔ حنفیہ کے نزدیک ان گواہوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر قذف چار فاسق گواہ بھی لے آئے تو وہ حد قذف سے بچ جائے گا، اور ساتھ ہی مقدمہ بھی حد زنا سے محفوظ رہے گا کیونکہ گواہ عادل نہیں ہیں۔ البتہ کافر، یا اندھے، یا غلام، یا قذف کے جرم میں پہلے کے مزید فتنہ گواہ پیش کر کے قاذف سزا سے نہیں بچ سکتا۔

مگر امام شافعی کہتے ہیں کہ قاذف اگر فاسق گواہ پیش کرے تو وہ اور اس کے گواہ سب حد کے مستحق ہوں گے۔ اور یہی رائے امام مالک کی بھی ہے۔ اس معاملے میں حنفیہ کا مسلک ہی اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے۔ گواہ اگر عادل ہوں تو قاذف جرمِ قذف سے بری ہو جائے گا اور مقدمہ قذف پر جرم زنا ثابت ہو جائے گا۔ لیکن اگر گواہ عادل نہ ہوں تو قاذف کا قذف، اور مقدمہ قذف کا فعل زنا، اور گواہوں کا صدق و کذب، ساری ہی باتیں مشکوک قرار پائیں گی اور شک کی بنا پر کسی کو بھی حد کا مستوجب قرار نہ دیا جائے گا۔

جماعت کے قاذف کی حد کا بیان

قذف جماعت کے معاملہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر ایک شخص بہت سے لوگوں پر بھی الزام لگائے، خواہ ایک لفظ میں یا الگ الگ الفاظ میں، اس پر ایک ہی حد لگائی جائے گی الا یہ کہ حد لگنے کے بعد وہ پھر کسی نئے قذف کا ارتکاب کرے۔ اس لیے کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرد ہی نہیں ایک جماعت پر الزام لگانے والا بھی صرف ایک ہی حد کا مستحق ہوتا ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ زنا کا کوئی الزام ایسا نہیں ہو سکتا جو کم از کم دو شخصوں پر نہ لگتا ہو۔ مگر اس کے باوجود شارع نے ایک ہی حد کا حکم دیا، عورت پر الزام کے لیے الگ اور مرد پر الزام کے لیے الگ حد کا حکم نہیں دیا۔

بخلاف اس کے امام شافعی کہتے ہیں کہ ایک جماعت پر الزام لگانے والا خواہ ایک لفظ میں الزام لگائے یا الگ الگ الفاظ میں، اس پر ہر شخص کے لیے الگ الگ پوری حد لگائی جائے گی۔ یہ رائے عثمان النقی کی بھی ہے۔ اور ابن ابی لیلیٰ کا قول، جس میں ضمنی اور آوزاعی بھی ان کے ہم نوا ہیں یہ ہے کہ ایک لفظ میں پوری جماعت کو زانی کہنے والا ایک حد کا مستحق ہے اور الگ الگ الفاظ میں یہ ایک کو کہنے والا ہر ایک کے لیے الگ حد کا مستحق ہے۔

غصے میں کسی کے نسب کے انکار کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ فِي غَضَبٍ لَسْتُ بِأَبْنِ فُلَانٍ لِأَبِيهِ أَلَدِي يُدْعَى لَهُ يُحَدُّ، وَلَوْ قَالَ فِي غَيْرِ غَضَبٍ لَا يُحَدُّ) لِأَنَّ عِنْدَ الْغَضَبِ يُرَادُّ بِهِ حَقِيقَتُهُ سَبًّا لَهُ، وَفِي غَيْرِهِ يُرَادُّ بِهِ

الْمُعَاتَبَةُ بِنَفْسِي مُشَابَهَتُهُ أَبَاهُ فِي أَسْبَابِ الْمُرُوءَةِ (وَلَوْ قَالَ لَسْتُ بِابْنِ فَلَانٍ يَعْنِي جَدَّهُ لَمْ يُحَدِّ) لِأَنَّهُ صَادِقٌ فِي كَلَامِهِ ، وَلَوْ نَسَبَهُ إِلَى جَدِّهِ لَا يُحَدِّ أَيضًا لِأَنَّهُ قَدْ يَنْسَبُ إِلَيْهِ مَجَازًا .

(وَلَوْ قَالَ لَهُ يَا ابْنَ الزَّانِيَةِ وَأُمُّهُ مَيْحَةٌ مُحْصَنَةٌ فَطَالِبُ ابْنِ بَحْدِهِ حَدُّ الْقَافِ) لِأَنَّهُ قَدْ فُتِّحَ مُحْصَنَةٌ بَعْدَ مَوْتِهَا (وَلَا يُطَالِبُ بِحَدِّ الْقَذْفِ لِلْمَيِّتِ إِلَّا مَنْ يَقَعُ الْقَذْفُ فِي نَسَبِهِ بِقَذْفِهِ وَهُوَ الْوَالِدُ وَالْوَلَدُ) لِأَنَّ الْعَارَ يَلْتَحِقُ بِهِ لِمَكَانِ الْجُزْئِيَّةِ فَيَكُونُ الْقَذْفُ مُتَاوِلًا لَهُ مَعْنًى .

وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَثْبُتُ حَقُّ الْمُطَالِبَةِ لِكُلِّ وَارِثٍ لِأَنَّ حَدَّ الْقَذْفِ يُورَثُ عِنْدَهُ عَلَى مَا نُبِّئُ ، وَعِنْدَنَا وَلَا يَتَّبَعُ الْمُطَالِبَةُ لَيْسَتْ بِطَرِيقِ الْوَارِثِ بَلْ لِمَا ذَكَرْنَاهُ ، وَلِهَذَا يَثْبُتُ عِنْدَنَا لِلْمَحْرُومِ عَنِ الْمِيرَاثِ بِالْقَتْلِ ، وَيَثْبُتُ لِوَلَدِ الْبَنَاتِ كَمَا يَثْبُتُ لِوَلَدِ الْإِبْنِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ ، وَيَثْبُتُ لِوَلَدِ الْوَلَدِ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے دوسرے کو غصے میں کہا کہ تم اس باپ کے بیٹے نہیں ہو جس کے نام سے پکارے جاتے ہو تو پر حد قذف جاری کی جائے گی اور جب اس نے غصے کی حالت میں نہ کہا تو حد جاری نہ کی جائے گی۔ کیونکہ غصے کی حالت میں اس کو بطور حقیقت گالی پر محمول کیا جائے گا اور غصے کی حالت کے سوا اس کو عتاب پر محمول کیا جائے گا یعنی اس نے اخلاف و مروت میں اس کے اپنے باپ کی نفی کی ہے۔ اور جب اس نے اس طرح کہا کہ تم فلاں کے بیٹے نہیں ہو اور اس کی مراد اس کا دادا ہو تو اس کو حد نہ لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہ شخص اپنے کہنے میں سچا ہے اور اگر وہ فلاں کو اس کے دادا کی طرف منسوب کرتا ہے تب حد جاری نہ ہوگی کیونکہ کبھی کبھی مجازی طور پر دادا کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

اور جب کسی شخص نے کہا اے زانیہ کے بچے، حالانکہ اس کی ماں فوت ہو چکی ہے اور محض ہے اور اس کے بیٹے نے حد کا مطالبہ کیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایک محضہ پر اس کی موت کے بعد تہمت لگائی ہے اور میت کیلئے حد قذف کا مطالبہ وی شخص کر سکتا ہے جس کے نسب میں میت کے قذف سے شرمندگی لاحق ہونے والی ہے اور وہ والد ہے یا پھر بیٹا ہے کیونکہ جزئیات کے سبب ان کو عار لاحق ہونے والی ہے۔ لہذا حکمی طور پر میت کا قذف ان کو بھی شامل ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک ہر وارث کو مطالبے کا حق حاصل ہے کیونکہ ان کے نزدیک قذف میں وراثت جاری

ہے جیسا کہ ہم اس کو بیان کریں گے۔

ہمارے نزدیک مطالبے کی ولایت ارث کے طور پر نہیں ہے۔ اسی دلیل کے پیش نظر جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی دلیل کے سبب ہمارے نزدیک قتل کی وجہ سے میراث سے محروم شخص کیلئے حق ثابت ہو جاتا ہے۔ اور لڑکی کے لڑکے کیلئے بھی حق ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح بیٹے کے بیٹے کیلئے حق ثابت ہوتا ہے۔ اس میں امام محمد علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے اور لڑکے کے ہوتے ہوئے بھی اس کا حق ثابت ہو جائے گا اس میں امام زفر علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے۔

شرح

اگر کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں یا اس کے باپ کا نام لے کر کہا کہ تو فلاں کا بیٹا نہیں حالانکہ اس کی ماں پاک دامن عورت ہے اگر چہ یہ شخص جس کو کہا گیا کیسا ہی ہو تو حد ہے جبکہ یہ الفاظ غصہ میں کہے ہوں اور اگر رضامندی میں کہے تو حد نہیں کیونکہ اس کے یہ معنی بن سکتے ہیں کہ تو اپنے باپ سے مشابہ نہیں مگر پہلی صورت میں شرط یہ ہے کہ جس پر تہمت لگائی وہ حد کا طالب ہو اگر چہ تہمت لگانے کے وقت وہاں موجود نہ تھا۔ اور اگر کہا کہ تو اپنے باپ کا نہیں یا تو اپنی ماں کا نہیں تو حد نہیں۔ (در مختار، کتاب الحدود، باب حد قذف)

مقدوف محسن کے کافر بیٹے کیلئے حق مطالبہ حد کا بیان

(وَإِذَا كَانَ الْمُقْدُوفُ مُحْصَنًا جَارَ لِأَبْنِهِ الْكَافِرِ وَالْعَبْدِ أَنْ يُطَالِبَ بِالْحَدِّ) خِلَافًا لِزُفَرٍ . هُوَ يَقُولُ : الْقَذْفُ يَتَنَاوَلُهُ مَعْنًى لِرُجُوعِ الْعَارِ إِلَيْهِ ، وَلَيْسَ طَرِيقُهُ الْوَارِثِ عِنْدَنَا قَصَارَ كَمَا إِذَا كَانَ مُتَنَاوِلًا لَهُ صُورَةٌ وَمَعْنًى .

وَلَنَا أَنَّهُ غَيْرُهُ بِقَذْفِ مُحْصَنٍ فَيَأْخُذُهُ بِالْحَدِّ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْإِحْصَانَ فِي الَّذِي يُنْسَبُ إِلَى الزَّانَا شَرْطٌ لِيَقَعَ تَغْيِيرًا عَلَى الْكَمَالِ ثُمَّ يَرْجِعُ هَذَا التَّغْيِيرُ الْكَامِلَ إِلَى وَلَدِهِ ، وَالْكَفَرُ لَا يُنَافِي أَهْلِيَّةَ الْإِسْتِحْقَاقِ ، بِخِلَافِ إِذَا تَنَاوَلَ الْقَذْفُ نَفْسَهُ لِأَنَّهُ لَمْ يُوْجَدْ التَّغْيِيرُ عَلَى الْكَمَالِ لِفَقْدِ الْإِحْصَانَ فِي الْمُنْسُوبِ إِلَى الزَّانَا (وَلَيْسَ لِلْعَبْدِ أَنْ يُطَالِبَ مَوْلَاهُ بِقَذْفِ أُمِّهِ الْحُرَّةِ ، وَلَا لِابْنِ أَنْ يُطَالِبَ أَبَاهُ بِقَذْفِ أُمِّهِ الْحُرَّةِ الْمُسْلِمَةِ) لِأَنَّ الْمَوْلَى لَا يُعَاقَبُ بِسَبَبِ عَبْدِهِ ، وَكَذَا الْأَبُ بِسَبَبِ ابْنِهِ ، وَلِهَذَا لَا يَقَادُ الْوَالِدُ بِوَلَدِهِ وَلَا السَّيِّدُ بِعَبْدِهِ ، وَلَوْ كَانَ لَهَا ابْنٌ مِنْ غَيْرِهِ لَهُ أَنْ يُطَالِبَ لِتَحْقِيقِ السَّبَبِ وَانْعِدَامِ الْمَانِعِ .

ترجمہ

اور اگر مقدوف محسن ہے تو اس کے کافر بیٹے اور غلام کو حد کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے اس میں امام زفر علیہ الرحمہ کا

خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ معنی کے اعتبار سے یہ قذف بیٹے کو شامل ہے کیونکہ شرمندگی اس کی جانب لوٹنے والی ہے جبکہ ہر نزدیکی میراث کے طریقے پر ثابت نہ ہوگی تو یہ اس طرح ہو جائے گا۔ گویا کہ یہ ظاہر و باطن دونوں طرح سے قذف بیٹے کو شامل ہے ہر دلیلیں یہ ہے کہ قاذف نے ایک شخص کو تہمت لگا کر اس کے بیٹے کو شرمندگی پہنچائی ہے۔ پس یہ مباح حد سے ناسواخذ کرے گا کیونکہ یہ زنا کی طرف منسوب کیا گیا ہے البتہ اس کا شخص ہونا شرط ہے تاکہ شرمندگی دینے کا عمل مکمل طور پر ثابت ہو جائے اس کے بعد یہ مکمل تعمیر اس کے لڑکے کی جانب منسوب ہو جائے گی۔ اور کفر کی حق کے بل ہونے میں منافی نہیں ہے۔ یہ خلاف اس مسئلہ کے کہ جب قذف سکویہ ذات خود شامل ہو کیونکہ جس کو زنا کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس میں احصان کے مفقود ہونے کے سبب تعمیر مکمل نہ پائی گئی۔ جبکہ غلام کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی آزادوں پر تہمت کے سبب سے وہ اپنے قاذف سے قذف کا مطالبہ کرے اور نہ ہی بیٹے کو حق حاصل ہے کہ اس کی آزادوں پر تہمت کے سبب وہ اپنے باپ سے حد کا مطالبہ کرے کیونکہ قاذف کو اس کے غلام کے سبب سزا نہیں دی جاسکتی اور باپ کو اپنے بیٹے کے سبب سزا نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اپنے بیٹے کو قتل کرنے کے سبب بطور قصاص باپ کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ غلام کو قتل کرنے کے سبب اس کے قاتل کو قتل کیا جاتا ہے اور جب عورت کے اس شوہر کے سوا کسی دوسرے شوہر سے کوئی بیٹا ہوا تھا، تو اس کو حد کے مٹ ہے کا حق حاصل ہے کیونکہ سبب یعنی قذف موجود ہے ورنہ دفع معدوم ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب باپ نے بیٹے پر زنا کی تہمت لگائی یا مولیٰ نے غلام پر تو لڑکے یا غلام کو مطالبہ کا حق نہیں۔ اسی طرح ماں یا دادا یا دادی نے تہمت لگائی جتنی اپنی اصل سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح اگر مری روجہ پر تہمت لگائی تو بیٹا مطالبہ نہیں کر سکتا ہاں اگر اس عورت کا دوسرے خاوند سے لڑکا ہے تو یہ لڑکا یا عورت کا باپ ہے تو یہ مطالبہ کر سکتا ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس شخص پر تہمت لگائی گئی ہے اگر وہ مطالبہ کرے تو حد قائم ہوگی ورنہ نہیں جتنی اس کی زندگی میں دوسرے کو مطالبہ کا حق نہیں اگرچہ وہ موجود نہ ہو کہیں چلا گیا ہو یہ تہمت کے بعد مرگیا بلکہ مطالبہ کے بعد بلکہ چند کوڑے مارنے کے بعد انتقال ہوا تو باقی ساقط ہے۔ ہاں اگر اس کا انتقال ہو گیا اور اس کے ورثہ میں وہ شخص مطالبہ کرے۔ جس کے نسب پر اس تہمت کی وجہ سے حرف آتا ہے تو اس کے مطالبہ پر بھی حد قائم کر دی جائے گی مثلاً اس کے دادا یا دادی یا باپ یا ماں یا بیٹا یا بیٹی پر تہمت لگائی اور جسے تہمت لگائی مرچکا ہے تو اس کو مطالبہ کا حق ہے۔ وارث سے مراد وہی نہیں جسے ترکہ پہنچتا ہے بلکہ محجوب یا محروم بھی مطالبہ کر سکتا ہے مثلاً میت کا بیٹا اگر مطالبہ نہ کرے تو پوتا مطالبہ کر سکتا ہے اگرچہ محجوب ہے یا اس وارث نے اپنی مورث کو مار ڈالا ہے یا غلام یا کافر ہے تو ان کو مطالبہ کا استحقاق ہے۔ اگرچہ محروم ہیں۔ اسی طرح نواسہ اور نواسی کو بھی مطالبہ کا حق ہے۔ قریبی رشتہ دار نے مطالبہ نہ کیا یا معاف کر دیا تو دور کے رشتہ والے کا حق ساقط نہ ہوگا بلکہ یہ مطالبہ کر سکتا ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

مقذوف کی بعض شرائط کا بیان

تہمت لگانے والے پر حد واجب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں۔ جس پر تہمت لگائی وہ (۱) مسلمان، (۲) عاقل، (۳) بالغ، (۴) آزاد، (۵) پارسا ہو اور (۶) تہمت لگانے والے کا نہ وہ لڑکا ہو، نہ پوتا اور (۷) نہ بھائی، (۸) نہ بھینس، (۹) نہ اس کا عضو تناسل جز سے کٹا ہو، (۱۰) نہ اس نے نکاح فاسد کے ساتھ ولی کی اور (۱۱) رجم و تہمت لگائی تو وہ ایسی نہ ہو جس سے ولی نہ کی جائے اور (۱۲) وقت حد تک وہ شخص حصن ہو، لہذا معاذ اللہ قذف کے بعد مرتد ہو گیا یا مجنون یا بوہرا ہو گیا یا ولی حرام کی یا گولگا ہو گیا تو حد نہیں۔ (در مختار، کتاب الحدود)

تکرار قذف میں ایک حد کا فقہی بیان

تکرار قذف کے بارے میں حنفیہ اور جمہور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ قاذف نے سزا پانے سے پہلے یا سزا کے دوران میں خواہ کتنی ہی مرتبہ ایک شخص پر الزام لگایا ہو، اس پر ایک ہی حد جاری کی جائے گی۔ اور اگر اجرائے حد کے بعد وہ اپنے سابق الزام کی تکرار کرتا رہے تو جو حد سے لگائی جا چکی ہے وہی کافی ہوگی۔ البتہ اگر اجرائے حد کے بعد وہ اس شخص پر ایک نیا الزام زنا عائد کر دے تو پھر نئے سرے سے مقدمہ قائم کیا جائے گا۔ مغیرہ بن شعبہ کے مقدمہ میں سزا پانے کے بعد ابو بکرہ کھلے بندوں کہتے رہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ مغیرہ نے زنا کا ارتکاب کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ان پر پھر مقدمہ قائم کریں۔ مگر چونکہ وہ سابق الزام ہی کو دہرا رہے تھے اس لیے حضرت علیؓ نے رائے دی کہ اس پر دوسرا مقدمہ نہیں لایا جاسکتا، اور حضرت عمرؓ نے ان کی رائے قبول کر لی۔ ان کے بعد فقہاء میں اس بات پر قریب قریب اتفاق ہو گیا کہ سزا یافتہ قذف کو صرف نئے الزام ہی پر پکڑا جاسکتا ہے، سابق الزام کے بارے میں نہیں۔

مقذوف کے فوت ہو جانے سے سقوط حد کا بیان

(وَمَنْ قَذَفَ غَيْرَهُ فَمَاتَ الْمَقْذُوفُ بَطَلَ الْحَدُّ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: لَا يَبْطُلُ (وَلَوْ مَاتَ بَعْدَمَا أُقِيمَ تَعْضُ الْحَدِّ بَطَلَ الْبَاقِي) عِنْدَنَا خِلَافًا لَهُ بِنَاءً عَلَى أَنَّهُ يُورَثُ عِنْدَنَا وَعِنْدَنَا لَا يُورَثُ، وَلَا خِلَافٌ أَنَّ فِيهِ حَقَّ الشَّرْعِ وَحَقَّ الْعَبْدِ فَإِنَّهُ شُرْعٌ لِدَفْعِ الْعَارِ عَنِ الْمَقْذُوفِ وَهُوَ الَّذِي يَنْتَفِعُ بِهِ عَلَى الْخُصُوصِ، فَمِنْ هَذَا الْوَجْهِ حَقُّ الْعَبْدِ، ثُمَّ إِنَّهُ شُرْعٌ زَاجِرٌ وَمِنْهُ سُمِّيَ حَدًّا، وَالْمَقْصُودُ مِنْ شُرْعِ الزَّاجِرِ إِخْلَاءُ الْعَالَمِ عَنِ الْفَسَادِ، وَهَذَا آيَةُ حَقِّ الشَّرْعِ وَبِكُلِّ ذَلِكَ تَشْهَدُ الْأَحْكَامُ. وَإِذَا تَعَارَضَتْ الْجِهَتَانِ، فَالشَّافِعِيُّ مَالَ إِلَى تَغْلِيْبِ حَقِّ الْعَبْدِ تَقْدِيمًا لِحَقِّ الْعَبْدِ

بَاعْتِبَارِ حَاجَتِهِ وَغَنَى الشَّرْعِ ، وَنَحْنُ صِرْنَا إِلَى تَغْلِيْبِ حَقِّ الشَّرْعِ لِأَنَّ مَا لِلْعَبْدِ مِنَ الْحَقِّ بَتَوَلَّاهُ مَوْلَاهُ فَيَصِيرُ حَقُّ الْعَبْدِ مَرْعِيًّا بِهِ ، وَلَا كَذَلِكَ عَكْسُهُ لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لِلْعَبْدِ فِي اسْتِيفَاءِ حُقُوقِ الشَّرْعِ إِلَّا نِيَابَةً عَنْهُ ، وَهَذَا هُوَ الْأَصْلُ الْمَشْهُورُ الَّذِي يَتَخَرَّجُ عَلَيْهِ الْفُرُوعُ الْمُخْتَلَفُ فِيهَا مِنْهَا الْإِرْثُ ، إِذَا الْإِرْثُ يَجْرِي فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ لَا فِي حُقُوقِ الشَّرْعِ . وَمِنْهَا الْعَفْوُ فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ عَفْوُ الْمَقْدُوفِ عِنْدَنَا وَيَصِحُّ عِنْدَهُ . وَمِنْهَا أَنَّهُ لَا يَجُوزُ الْإِعْتِيَاظُ عَنْهُ وَيَجْرِي فِيهِ التَّدَاخُلُ وَعِنْدَهُ لَا يَجْرِي . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْعَفْوِ مِثْلُ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ ؛ وَمِنْ أَصْحَابِنَا مَنْ قَالَ : إِنَّ الْغَالِبَ حَقُّ الْعَبْدِ وَخَرَجَ الْأَخْكَامُ ، وَالْأَوَّلُ أَظْهَرُ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی پر تہمت لگائی اور مقدوف فوت ہو گیا تو حد باطل ہو جائے گی۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک حد باطل نہ ہوگی اگر کچھ حد قائم تھی کہ مقدوف فوت ہو گیا تو ہماری نزدیک بھی حد باطل ہو جائے گی حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف اور یہ اختلاف دونوں اس حکم پر مبنی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک حد میراث سے جاری ہوتی ہے جبکہ ہمارے نزدیک حد میراث سے جاری ہونے والی نہیں ہے۔ اور اس حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حد قذف شریعت اور ہندوؤں کا حق ہے۔ اور اس حد کا اجراء مقدوف سے شرمندگی دور کرنے کیلئے جاری کی گئی ہے۔ اور اس کا فائدہ صرف مقدوف کو حاصل ہے۔ پس اس طرح یہ ہندو کا حق بن جائے گا۔ اس کے بعد اسکو سزا کے طور پر جاری کیا گیا ہے اسی سبب سے اسکو حد کہا جاتا ہے اور زاجر کو مشروع کرنا اس سبب سے ہے کہ دنیا سے فساد کو دور کیا جائے۔ اور شریعت کا حق ہونے کی یہی علامت ہے اور احکام ان میں سے ہر ایک کے حق میں گواہ ہیں اور جب ان دونوں جہات میں تعارض واقع ہو تو امام شافعی علیہ الرحمہ اس وقت ہندو کے حق کو مقدم کرتے ہوئے اسی کے غلبہ کی جانب مائل ہو گئے ہیں کیونکہ محتاج ہندو ہے شریعت محتاج نہیں ہے۔

ہم احناف شریعت کے حق کو غالب کرنے کی طرف مائل ہوئے ہیں کیونکہ ہندو کا حق مالک اور آقا جو اس کا مولیٰ یعنی اللہ ہی ہے پس شریعت کی طرح ہندو کے حق کی بھی رعایت کرنا ہوگی جبکہ اس کے برعکس میں ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کے حقوق میں وصول کرنے کے اعتبار سے ہندو کا حق صرف نیابت کرنا ہے اور یہی وہ مشہور قاعدہ فقہیہ ہے۔ جس سے مختلف فیہ فروعات نکلنے والی ہیں۔

ان میں سے ارث ہے۔ کیونکہ ارث حقوق العباد میں جاری ہونے والی ہے جبکہ حق شرع میں نہیں ہے۔ اور اسی میں سے غلو ہے لہذا ہمارے نزدیک مقدوف کا عفو صحیح نہیں ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک صحیح ہے اور اسی سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ ہمارے

نزدیک قذف کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں تداخل جاری ہوتا ہے جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے مطابق اس میں تداخل جاری ہونے والا نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کا عفو میں امام شافعی علیہ الرحمہ کی طرح قول روایت کیا گیا ہے جبکہ ہمارے اصحاب فقہ میں سے بعض لوگوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اس میں ہندو کا حق غالب ہے اور اسی کے مطابق جواب دیئے ہیں البتہ قول اول زیادہ ظاہر ہے۔

شرح

کسی کے باپ اور ماں دونوں پر تہمت لگائی اور دونوں مر چکے ہیں تو اس کے مطالبہ پر حد قائم ہوگی مگر ایک ہی حد ہوگی رو نہیں۔ اسی طرح اگر وہ دونوں زندہ ہیں جب بھی دونوں کے مطالبہ پر ایک ہی حد ہوگی کہ جب چند حدیں جمع ہوں تو ایک ہی قائم کی جائے گی۔ (در مختار کتاب الحدود)

قذف کا اقرار کرنے کے بعد رجوع کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ أَقَرَّ بِالْقَذْفِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يَقْبَلْ رُجُوعُهُ) لِأَنَّ لِلْمَقْدُوفِ فِيهِ حَقًّا فَيَكْذِبُهُ فِي الرُّجُوعِ ، بِخِلَافِ مَا هُوَ خَالِصُ حَقِّ اللَّهِ لِأَنَّهُ لَا مُكَذِّبَ لَهُ فِيهِ . (وَمَنْ قَالَ لِعَرَبِيٍّ يَا نَبْطِي لَمْ يُحَدِّ) لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْأَخْلَاقِ أَوْ عَدَمِ الْفَصَاحَةِ ، وَكَذَا إِذَا قَالَ لَسْتُ بِعَرَبِيٍّ لِمَا قُلْنَا . (وَمَنْ قَالَ لِرَجُلٍ يَا ابْنَ مَاءِ السَّمَاءِ فَلَيْسَ بِقَادِفٍ) لِأَنَّهُ يُرَادُّ بِهِ التَّشْبِيهُ فِي الْجُودِ وَالسَّمَاحَةِ وَالصَّفَاءِ ، لِأَنَّ مَاءَ السَّمَاءِ لُقِّبَ بِهِ بِصِفَائِهِ وَسَخَائِهِ (وَإِنْ نَسَبَهُ إِلَى عَمِّهِ أَوْ خَالِهِ أَوْ إِلَى زَوْجِ أُمِّهِ فَلَيْسَ بِقَذِفٍ) لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْ هَؤُلَاءِ يُسَمَّى أَبًا ، أُمًّا الْأَوَّلُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى (نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ) وَإِسْمَاعِيلُ كَانَ عَمًّا لَهُ . وَالثَّانِي لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (الْخَالُ أَبٌ) . وَالثَّالِثُ لِلتَّشْبِيهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے قذف کا اقرار کیا اور اس کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو اس کے رجوع قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کے اقرار کرنے سبب مقدوف کا حق ثابت ہو چکا ہے پس اب رجوع میں وہ مقرر کو جھٹلانے والا ہے یہ خلاف اس حق رجوع کے ، کیونکہ وہ خاص اللہ کا حق ہے کیونکہ اس میں رجوع کرنے والے کو کوئی جھٹلانے والا نہیں ہے اور جب کسی نے کسی عربی کو باطلی کہا تو

اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کو بد اخلاقی یا عدم فصاحت پر محمول کیا جائے گا۔ اور سی طرح جب کسی نے کہا تم عربی نہیں تو اسکو بھی حد نہ لگائی جائے گی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں

اور جب ایک بندے سے دوسرے آدمی سے کہا اے آسمانی پانی کے بچے، تو وہ قاذف نہ ہوگا کیونکہ اس سے جو دو سخاوت اور صفائی میں تشبیہ مراد ہے کیونکہ آسمانی پانی کا قتب اس کیلئے صفائی اور سخاوت کے سبب سے ہے۔ اور جب کسی نے کسی بندے کو اس کے چچا یا اس کے اس ماموں یا اس کی ماں کے شہر کی طرف منسوب کر دیا تو وہ بھی قاذف نہ ہوگا کیونکہ ان میں سے ہر ایک کو باپ کہا جاتا ہے البتہ چچا تو اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے ”نَسْعُدُ اِلَيْكَ وَ اِلٰهَ اَبَائِكَ اَبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمَاعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ“ فرمایا ہے حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے۔ اور ماموں کو باپ کہنا اس حدیث کے سبب سے ہے۔ اخیل اب ماموں باپ ہوتا ہے۔ اور سوتیلہ باپ پرورش کے سبب باپ کہلانے والا ہے۔

شرح

علامہ ابن ہمام حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب تہمت لگانے والے نے پہلے اقرار کیا کہ یہ تہمت لگائی ہے پھر اپنے اقرار سے رجوع کر گیا یعنی اب انکار کرتا ہے تو ب رجوع معتبر نہیں یعنی مطالبہ ہو تو حد قائم کریں گے۔ اسی طرح اگر باہم صلح کریں اور باہم معاوضہ لیکر معاف کر لیں یا بدلہ معاف کر دے تو حد معاف نہ ہوگی یعنی اگر پھر متنبہ کرے تو کر سکتا ہے اور مطالبہ پر حد قائم ہوگی۔ (فتح القدیر، کتاب الحدود)

زناات جبل کہنے والے پر حد جاری کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِغَيْرِهِ زَنَاتٌ فِي الْجَبَلِ وَقَالَ غَيْرُهُ صُعُودَ الْجَبَلِ حُدَّ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ: لَا يُحَدُّ) لِأَنَّ الْمَهْمُوزَ مِنْهُ لِلصُّعُودِ حَقِيقَةٌ قَالَتْ امْرَأَةٌ مِنَ الْعَرَبِ: وَارْقُ إِلَى الْخَيْرَاتِ زَنَاتًا فِي الْجَبَلِ وَذَكَرَ الْجَبَلُ يُقَرَّرُهُ مُرَادًا. وَلَهُمَا أَنَّهُ يُسْتَعْمَلُ فِي الْفَاحِشَةِ مَهْمُوزًا أَيْضًا لِأَنَّ مِنَ الْعَرَبِ مَنْ يَهْمُزُ الْمَلِكِينَ كَمَا يُسَلِّسُ الْمَهْمُوزَ، وَحَالَةَ الْغَضَبِ وَالسَّبَابِ تُعَيَّنُ الْفَاحِشَةُ مُرَادًا بِمَنْزِلَةِ مَا إِذَا قَالَ يَا زَانِي أَوْ قَالَ زَنَاتٌ، وَذَكَرَ الْجَبَلُ إِنَّمَا يُعَيَّنُ الصُّعُودَ مُرَادًا إِذَا كَانَ مَقْرُونًا بِكَلِمَةٍ عَلَى إِذْ هُوَ لِلْمُسْتَعْمَلِ فِيهِ، وَلَوْ قَالَ زَنَاتٌ عَلَى الْجَبَلِ لَا يُحَدُّ لِمَا قُنْنَا، وَقِيلَ يُحَدُّ لِلْمَعْنَى الَّتِي ذَكَرْنَاهُ.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے دوسرے زناات جبل کہا اور پھر اس نے کہا کہ میں نے پہاڑ پر چڑھ کر مراد لیا ہے تو اس کو حد لگائی جائے گی

اور یہ حکم شیخین کے مطابق ہے۔

حضرت ابو محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ زنا جب ہمزہ کے ساتھ ہو تو اس کا حقیقی معنی چڑھنا ہے۔ ایک عربی عورت کہتی ہے کہ پہاڑ پر چڑھنے کی طرح خوبیوں پر چڑھا اور جبل کا ذکر کرنا اس کے معنی کو مراد لینے کو ثابت کرنے والا ہے۔ شیخین کی دلیل یہ ہے کہ زناات جبل جب ہمزہ کے ساتھ ہو تو فاحشہ بدکاری کیلئے استعمال ہونے والا ہے کیونکہ کچھ عرب نے خفیف اف کو ہمزہ کے ساتھ بدلنے والے ہیں۔ جس طرح ہمزہ کو الف سے بدل دیا جاتا ہے۔ اور غصہ اور گالی گلوچ کی حالت فاحشہ ہونے کو معین کرنے والی ہے جس طرح جب کسی نے یا زانی یا زناات کہا ہو۔ اور جبل کے ذکر سے چڑھنا تب مراد ہوتا جب الجبل کو غنی کے ساتھ ملایا جاتا۔ کیونکہ اس معنی میں اسی کا استعمال ہے۔

اور جب کسی نے زناات علی الجبل کہا تو ایک قوس کے مطابق اس پر حد جاری نہ کی جائے گی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور دوسرے قوس کے مطابق اس پر حد جاری کی جائے گی اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

برہہ حقیقت جس پر عمل کرنا محذور ہو اسے چھوڑ کر مجاز کو اختیار کیا جائے گا۔ (اصول شافعی)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کسی لفظ یا کلام کے حقیقی معنی پر عمل کرنا ناممکن ہو یا مشکل ہو تو ایسی صورت میں اس لفظ یا کلام کے مجازی معانی پر عمل کیا جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اس درخت سے نہ کھائے گا تو اگر وہ اس درخت کا پھل کھاتا ہے تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ نفس درخت کا کھانا تو محذور ہے اور اس کا مجازی معنی اسی درخت کا پھل ہے۔

ہرے دور میں یہ رہویں شریف حضور سیدنا غوث اعظم قدس سرہ کے ایصال ثواب سے موسوم کی جاتی ہے اور کئی بدعتیہ لوگ جو بزرگوں اور اولیاء کرام کے عرس کے منسخر ہیں وہ ان مواقع پر پکائی گئی دیکھیں کھا جاتے ہیں یہی حال ختم، تیجا اور چالیسواں کا ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو حرام حرام کی رٹ لگاتے ہیں لیکن موقع پر کئی کئی دیکھیں کھا جاتے ہیں۔ اس مثال میں دیکھیں کھا جانا ایک عام لفظ استعمال ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں دیکھیں نہیں کھائی جاتیں بلکہ جو کچھ ان دیکھوں میں موجود ہوتا ہے وہ کھا دیا جاتا ہے۔

ایک دوسرے کو زانی کہنے کے سبب حد کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لِآخَرٍ يَا زَانِي فَقَالَ لَا بَلْ أَنْتَ فَإِنَّهُمَا يُحَدَّانِ) لِأَنَّ مَعْنَاهُ لَا بَلْ أَنْتَ زَانٍ، إِذْ هِيَ كَلِمَةٌ عَطْفٌ يُسْتَدْرَكُ بِهَا الْعَلْفُ لِيَصِيرَ الْخَبَرُ الْمَذْكُورُ فِي الْأَوَّلِ مَذْكُورًا فِي الثَّانِي.

الثانی

ترجمہ

اور جب کسی نے دوسرے سے کہا اے زانی تو اس نے کہا نہیں بلکہ تو، تو ان دونوں پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں نہیں بلکہ تو زانی ہے اس لئے کہ کلمہ عطف سے غلطی کی اصلاح کی جاتی ہے پس پہلے جملے میں جو خبر ذکر ہوئی ہے وہ دوسرے کیلئے بھی ذکر کی گئی ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب ایک شخص نے دوسرے سے کہا تو زانی ہے اس نے جواب میں کہا کہ نہیں بلکہ تو ہے تو دونوں پر حد ہے کہ ہر ایک نے دوسرے پر تہمت لگائی اور اگر ایک نے دوسرے کو خبیث کہا دوسرے نے کہا نہیں بلکہ تو ہے تو کسی پر سزا نہیں کہ اس میں دونوں برابر ہو گئے اور تہمت میں چونکہ حق اللہ غائب ہے لہذا حد ساقط نہ ہوگی کہ وہ اپنے حق کو ساقط کر سکتے ہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الحدود)

شیخ امام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی پر ایک نے تہمت لگائی اور حد قائم ہوئی پھر دوسرے نے تہمت لگائی تو دوسرے پر بھی حد قائم کریں گے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

بیوی کو زانیہ کہنے پر عدم حد کا بیان

(وَمَنْ قَالَ لَامْرَأَتِي يَا زَانِيَةً فَقَالَتْ لَا بَلْ أَنْتَ حَدَّثْتَ الْمَرْأَةَ وَلَا لِعَانَ) لَا تَنْهَمَا قَاذِفَانِ وَقَذْفُهُ يُوجِبُ اللَّعَانَ وَقَذْفُهَا الْحَدَّ، وَفِي الْبَدَاءَةِ بِالْحَدِّ إِبْطَالُ اللَّعَانِ؛ لِأَنَّ الْمَحْذُودَ فِي الْقَذْفِ لَيْسَ بِأَهْلٍ لَهُ وَلَا إِبْطَالٌ فِي عَكْسِهِ أَصْلًا فَيَحْتَثُّ لِلدَّرْعِ، إِذَا اللَّعَانُ فِي مَعْنَى الْحَدِّ (وَلَوْ قَالَتْ زَنَيْتْ بِكَ فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ) مَعْنَاهُ قَالَتْ بَعْدَ مَا قَالَ لَهَا يَا زَانِيَةً لَوْ فُوعِ الشُّكُّ فِي كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنَّهَا أَرَادَتْ الزَّانَا قَبْلَ النِّكَاحِ فَيَجِبُ الْحَدُّ دُونَ اللَّعَانِ لِتَصْدِيقِهَا بِإِيَّاهُ وَالْبَعْدِيَّةِ مِنْهُ، وَيَحْتَمِلُ أَنَّهَا أَرَادَتْ زِنَايَ مَا كَانَ مَعَكَ بَعْدَ النِّكَاحِ لِأَنِّي مَا مَكُنْتُ أَحَدًا غَيْرَكَ. وَهُوَ الْمُرَادُ فِي مِثْلِ هَذِهِ الْحَالَةِ، وَعَلَى هَذَا الْإِعْتِبَارِ يَجِبُ اللَّعَانُ دُونَ الْحَدِّ عَلَى الْمَرْأَةِ لَوْ جُودَ الْقَذْفُ مِنْهُ وَعَدَمِهِ مِنْهَا فَبَجَاءَ مَا قُلْنَا.

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا اے زانیہ، تو اس عورت نے کہا نہیں بلکہ تو ہے تو عورت پر حد جاری کی جائے گی اور ان

دونوں پر لعان نہ ہوگا کیونکہ میاں بیوی دونوں قاذف ہیں اور شوہر کا قذف لعان کو واجب کرنے والا ہے جبکہ بیوی کا قذف حد کو واجب کرنے والا ہے اور حد میں آغاز کرنے سے لعان باطل ہو جائے گا کیونکہ محدود فی القذف لعان کے قابل نہیں ہوتا۔ جبکہ اسی کے برعکس میں ابطال نہیں ہے پس لعان کو دور کرنے کیلئے یہ جیلہ بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ لعان حد کے حکم میں ہے۔

اور جب بیوی نے شوہر کو جواب میں کہا کہ میں نے تیرے ساتھ ہی تو زنا کیا ہے تو حد اور لعان میں سے کچھ بھی نہ ہوگا اور اس کا معنی یہ ہے کہ شوہر کے اس کو یا زانیہ کہنے کے بعد بیوی نے اس کو یہ کہا ہے پس ان میں سے ہر ایک میں شک پیدا ہو چکا ہے کیونکہ ممکن ہے بیوی نے نکاح سے قبل زنا مراد لیا ہو تو صرف حد واجب ہوگی لعان واجب نہ ہوگا کیونکہ بیوی نے شوہر کی تصدیق کی ہے جبکہ خاوند نے اس کی تصدیق نہیں کی اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے یہ مراد لیا ہو کہ میرا زنا تو وہی ہے نکاح کے بعد تم سے ہوا ہے کیونکہ میں تمہارے سوا کسی کو موقع نہیں دیا اور ایسی حالت میں اسی قسم کا احتمال مراد لیا جائے گا اور اس کا اعتبار کر لینے پر شوہر پر لعان واجب ہوگا اور بیوی پر حد واجب نہ ہوگی کیونکہ قذف شوہر کی طرف سے موجود ہے۔ اور عورت کی جانب سے مفقود ہے تو یہ وہی مسئلہ بیان ہوا جو ہم نے کہا ہے۔

شرح

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب شوہر نے عورت کو زانیہ کہا، عورت نے جواب میں کہا کہ نہیں بلکہ تو، تو عورت پر حد ہے مرد پر نہیں اور لعان بھی نہ ہوگا کہ حد قذف کے بعد عورت لعان کے قابل نہ رہی۔ اور اگر عورت نے جواب میں کہا کہ میں نے تیرے ساتھ زنا کیا ہے تو حد و لعان کچھ نہیں کہ اس کلام کے دو احتمال ہیں ایک یہ کہ نکاح کے پہلے تیرے ساتھ زنا کیا دوسرا یہ کہ نکاح کے بعد تیرے ساتھ ہم بستری ہوئی اور اس کو زنا سے تعبیر کیا تو جب کلام محتمل ہے تو حد ساقط۔ ہاں اگر جواب میں عورت نے تصریح کر دی کہ نکاح سے پہلے میں نے تیرے ساتھ زنا کیا تو عورت پر حد ہے اور اگر اجنبی عورت سے مرد نے یہ بات کہی اور اس عورت نے یہی جواب دیا تو عورت پر حد ہے کہ وہ زنا کا اقرار کرتی ہے اور مرد پر کچھ نہیں ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

شوہر کا اقرار ولد کے بعد نفی کرنے کا بیان

(وَمَنْ أَقَرَّ بِوَلَدٍ ثُمَّ نَفَاهُ فَإِنَّهُ يَلَاعِنُ) لِأَنَّ النَّسَبَ لَزِمَهُ بِإِقْرَارِهِ وَبِالنَّفْيِ بَعْدَهُ صَارَ قَاذِفًا فَيَلَاعِنُ (وَإِنْ نَفَاهُ ثُمَّ أَقَرَّ بِهِ حَدٌّ) لِأَنَّهُ لَمَّا اكْتَذَبَ نَفْسَهُ بَطَلَ اللَّعَانُ لِأَنَّهُ حَدٌّ ضَرُورِيٌّ صَبَرَ إِلَيْهِ ضَرُورَةُ التَّكَادُبِ، وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدُّ الْقَذْفِ.

فَإِذَا بَطَلَ التَّكَادُبُ يُصَارُ إِلَى الْأَصْلِ، وَفِيهِ خِلَافٌ ذَكَرْنَاهُ فِي اللَّعَانِ (وَالْوَلَدُ وَلَكُذَلِكَ) فِي الْوَجْهَيْنِ لِإِقْرَارِهِ بِهِ سَابِقًا أَوْ لَا حَقًّا، وَاللَّعَانُ يَصْحُ بِذَوْنِ قَطْعِ النَّسَبِ كَمَا يَصْحُ بِذَوْنِ الْوَلَدِ (وَإِنْ قَالَ لَيْسَ بَابْنِي وَلَا بِابْنِكَ فَلَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ) لِأَنَّهُ أَنْكَرَ الْوِلَادَةَ وَبِهِ

لَا يَصِيرُ قَاضِيًا .

(وَمَنْ قَذَفَ امْرَأَةً وَمَعَهَا أَوْلَادٌ لَمْ يُعْرِفْ لَهُمْ أَبٌ أَوْ قَذَفَ الْمُلَاعِنَةَ يَوْلِدُ وَالْوَلَدُ حَتَّى أَوْ قَذَفَهَا نَعْدَ مَوْتِ الْوَلَدِ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ) لِقِيَامِ أَمَارَةِ الزَّانَا مِنْهَا وَهِيَ وَلَا دَةَ وَلَدٍ لَا أَبَ لَهُ فَفَاتَتْ الْعِفَّةُ نَظْرًا إِلَيْهَا وَهِيَ شَرْطُ الْإِحْصَانِ (وَلَوْ قَذَفَ امْرَأَةً لَا عَثَّ بِغَيْرِ وَلَدٍ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ) لِانْعِدَامِ أَمَارَةِ الزَّانَا .

ترجمہ

اور شوہر نہ بچے کا اقرار کر لینے کے بعد اس کی نفی کر دی تو اس پر لعان واجب ہوگا۔ کیونکہ اس کے اقرار کرنے کے سبب نسب واجب ہو چکا ہے اور اقرار کے بعد نفی کرنے سے وہ قاذف ہو چکا ہے اس لئے وہ حان کرے گا۔ اور اگر اس نے نفی کے پھر قرار کیا تو اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ جب اس نے اپنے آپ کو جھٹلایا ہے تو لعان باطل ہو جائے گا۔ لہذا لعن ضروری ہوا اور جھٹلانے کی ضرورت کے سبب اس کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اصل حد قذف ہے پس جب جھٹلانا باطل ہو گیا ہے تو صس کی طرف رجوع کیا جائے گا اور لڑکا دونوں صورتوں میں اسی کا ہوگا کیونکہ اس نے اقرار کیا ہے خواہ اس کا اقرار نفی سے قبل ہو یا بعد میں ہو۔ حالانکہ لعان قطع نسب کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے جس طرح بیٹے کے بغیر صحیح ہوتا ہے۔

اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا یہ لڑکا نہ میرا ہے نہ تمہارا ہے تو اس پر حد یا لعن کچھ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس نے ولادت کا انکار کیا ہے اور ایسے انکار سے وہ قاذف نہ ہوگا۔

اور جب س نے کسی ایسی عورت پر تہمت لگائی جس کے ساتھ کئی لڑکے ہوں مگر ان کے باپ کو علم نہ ہو یا پھر کسی شخص نے لڑکے کے متعلق شوہر سے حان کی ہوئی عورت پر تہمت لگائی وہ لڑکا زندہ ہو یا پھر لڑکے کی موت کے بعد اس پر تہمت لگائی تو اس پر حد نہ ہوگی۔ اس لئے کہ عورت کی جانب سے زنا کی علامت موجود ہے۔ اور وہ ایسے بچے کی پیدائش ہے جس کا باپ نہیں ہے پس اس عد مت کو دیکھ لینے کے سبب عفت ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ احصان کی شرط عفت ہے۔ اور جب کسی بندے نے ایسی عورت پر تہمت لگائی جس نے لڑکے کے بغیر لعان کیا تھا تو قذف پر حد واجب ہو جائے گی کیونکہ زنا کی علامت ختم ہو چکی ہے۔

شرح

شیخ امام ابن حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت پر حد زنا قائم ہو چکی ہے اس کو کسی نے تہمت لگائی۔ یا ایسی عورت پر تہمت لگائی جس میں زنا کی عد مت موجود ہے مثلاً میوں بی بی میں قاضی نے لعان کر دیا اور بچہ کا نسب باپ سے منقطع کر کے عورت کی طرف منسوب کر دیا۔ یا عورت کے بچہ ہے جس کا باپ معلوم نہیں تو ان سب صورتوں میں تہمت لگانے والے پر حد نہیں۔ اور اگر حان بغیر بچہ کے ہوا۔ یا بچہ موجود تھا مگر اس کا نسب باپ سے منقطع نہ کیا یا نسب بھی منقطع کر دیا مگر بعد میں شوہر نے اپنا جھوٹا ہونا

بیان کیا اور بچہ باپ کی طرف منسوب کر دیا گیا تو ان صورتوں میں عورت پر تہمت لگانے سے حد ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود) م

غیر کی ملک میں حرام وطی کے سبب عدم حد کا بیان

فَقَالَ (وَمَنْ وَطِئَ وَطْئًا حَرَامًا فِي غَيْرِ مِلْكِهِ لَمْ يُحَدَّ قَاضِيًا) لِقَوَايتِ الْعِفَّةِ وَهِيَ شَرْطُ الْإِحْصَانِ ، وَلَآنَ الْقَاضِي صَادِقٌ ، وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ مَنْ وَطِئَ وَطْئًا حَرَامًا لِعَيْنِهِ لَا يَجِبُ الْحَدُّ بِقَذْفِهِ ، لِأَنَّ الزَّانَا هُوَ الْوَطْءُ الْمُحَرَّمُ لِعَيْنِهِ ، وَإِنْ كَانَ مُحَرَّمًا لِعَيْنِهِ يُحَدُّ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِزَانًا فَالْوُطْءُ فِي غَيْرِ الْمِلْكِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ أَوْ مِنْ وَجْهِ حَرَامٍ لِعَيْنِهِ وَكَذَا الْوَطْءُ فِي الْمِلْكِ ، وَالْحُرْمَةُ مُؤَبَّدَةٌ ، فَإِنْ كَانَتْ الْحُرْمَةُ مُوقَّتَةً فَالْحُرْمَةُ لِعَيْنِهِ ، وَأَبُو حَنِيفَةَ يَشْتَرِطُ أَنْ تَكُونَ الْحُرْمَةُ الْمُؤَبَّدَةُ ثَابِتَةً بِالْإِجْمَاعِ ، أَوْ بِالْحَدِيثِ الْمَشْهُورِ لِيَكُونَ ثَابِتَةً مِنْ غَيْرِ تَرَدُّدٍ (وَبَيَّانُهُ أَنَّ مَنْ قَذَفَ رَجُلًا وَطِئَ جَارِيَةً مُشْتَرَكَةً بَيْنَهُ وَتَيْنِ آخَرَ فَلَا حَدَّ عَلَيْهِ) لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ مِنْ وَجْهِ (وَكَذَا إِذَا قَذَفَ امْرَأَةً زَنَتْ فِي نَصْرِانَتِهَا) لِيَتَحَقَّقَ الزَّانَا مِنْهَا شَرْعًا لِانْعِدَامِ الْمِلْكِ وَلِهَذَا وَجَبَ عَلَيْهَا الْحَدُّ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اپنے غیر کی ملک میں حرام وطی کرنا۔ اس کے قاذف کو حد نہ لگائی جائے گی کیونکہ عفت نہیں ہے حالانکہ عفت احصان کی شرط ہے اور یہ دلیل بھی ہے قاذف سچا ہے اور اس مسئلہ میں قاعدہ یہ ہے جس نے ایسی وطی کی جو حرام لعینہ ہے تو اس پر تہمت لگانے والے پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ زنا اسی وطی کو کہتے ہیں جو حرام لعینہ ہو اور جب وطی حرام لغیرہ ہے تو اس کے قاذف کو حد لگائی جائے گی کیونکہ یہ زنا نہیں ہے۔ ہر وہ وطی جو تمام اجانب یا غیر کی ملک میں ہو وہ حرام لعینہ ہے اور جو وطی ملک میں ہو مگر اس کی حرمت ابدی ہے تب حرام لعینہ ہے اور جب حرمت موقت ہو تو حرمت لغیرہ ہوگی۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ نے یہ شرط بیان کی ہے کہ حرمت ابدی بہ اتفاق ثابت ہو یا پھر حدیث مشہورہ سے اس کا ثبوت ہونا چاہیے تاکہ حرمت شک کے بغیر ثابت ہو جائے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی شخص نے ایسے بندے پر تہمت لگائی جس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کے درمیان اور دوسرے بندے کے درمیان مشترک تھی تو اس پر حد جاری نہ ہوگی کیونکہ ایک وجہ سے ملکیت معدوم ہے اسی طرح جب کسی نے ایسی عورت پر تہمت لگائی جس نے اپنی نصرانیت کے زمانے میں زنا کیا تھا تو اس پر حد نہ لگائی جائے گی کیونکہ اس عورت سے شرعی طور پر زنا ثابت ہو چکا ہے۔ کیونکہ ملکیت معدوم ہے لہذا اسی سبب سے عورت پر حد واجب ہو جائے گی،

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت سے وطی کی گئی اُس میں ملک کا شبہ ہو تو حد قائم نہ ہوگی اگرچہ اُس کو حرام ہونے کا گمان ہو، جیسے اپنی اولاد کی باندی۔ جس عورت کو الفاظ کنایہ سے طلاق دی اور وہ عدت میں ہو، اگرچہ تین طلاق کی نیت کی ہو۔ بائع کا بیٹی ہوئی لونڈی سے وطی کرنا جبکہ مشتری نے لونڈی پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ بیع اگر فاسد ہو تو قبضہ کے بعد بھی۔ شوہر نے نکاح میں لونڈی کا نہر مقرر کیا اور ابھی وہ لونڈی عورت کو نہ دی تھی کہ اُس لونڈی سے وطی کی۔ لونڈی میں چند شخص شریک ہیں، اول میں سے کسی نے اُس سے وطی کیا۔ اپنے مکاتب کی کنیز سے وطی کی۔ غلام مازون جو خود اور اُس کا تمام مال دین میں مستغرق ہے، اُس کی لونڈی سے وطی کی۔ غنیمت میں جو عورتیں حصہ ہوئیں تقسیم سے پہلے اون میں سے کسی سے وطی کی بائع کا اُس لونڈی سے وطی کرنا جس میں مشتری کو خیر تھا یا اپنی لونڈی سے استبراء سے قبل وطی کی۔ یا اُس لونڈی سے وطی کی جو اس کی رضاعی بہن ہے یا اُس کی بہن اس کے تصرف میں ہے۔ یا اپنی اُس لونڈی سے وطی کی جو مجوسہ ہے۔ یا اپنی زوجہ سے وطی کی جو مرتدہ ہوگئی ہے یا اور کسی وجہ سے حرام ہوگئی، مثلاً اس کے بیٹے سے اُس کا تعلق ہو گیا یا اُس کی ماں یا بیٹی سے اس نے جماع کیا۔ (روحنا، کتاب الحدود)

مجوسہ باندی سے جماع کرنے والے پر تہمت لگانے کا بیان

(وَلَوْ قَذَفَ رَجُلًا امْتًا وَهِيَ مَجُوسِيَّةٌ أَوْ امْرَأَتُهُ وَهِيَ حَانِصٌ أَوْ مُكَاتِبَةٌ لَهُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ) لِأَنَّ الْحُرْمَةَ مَعَ قِيَامِ الْمِلْكِ وَهِيَ مُؤَقَّتَةٌ فَكَانَتْ الْحُرْمَةُ لِغَيْرِهِ فَلَمْ يَكُنْ زِنًا. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ وَطْءَ الْمُكَاتِبَةِ يُسْقِطُ الْإِحْصَانَ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ لِأَنَّ الْمَلِكَ زَانِلٌ فِي حَقِّ الْوَطْءِ وَلِهَذَا يُلْزَمُهُ الْعَقْرُ بِالْوَطْءِ، وَنَحْنُ نَقُولُ مِلْكُ الذَّاتِ بَاقٍ وَالْحُرْمَةُ لِغَيْرِهِ إِذْ هِيَ مُؤَقَّتَةٌ.

(وَلَوْ قَذَفَ رَجُلًا وَطْءَ امْتًا وَهِيَ أُخْتُهُ مِنَ الرِّضَاعَةِ لَا يُحَدُّ) لِأَنَّ الْحُرْمَةَ مُؤَبَّدَةً وَهَذَا هُوَ الصَّحِيحُ (وَلَوْ قَذَفَ مُكَاتِبًا مَاتَ وَتَرَكَ وَفَاءً لَا حَدَّ عَلَيْهِ) لِتَمَكُّنِ الشَّبْهَةِ فِي الْحُرِّيَّةِ لِمَكَانِ اخْتِلَافِ الصَّحَابَةِ.

(وَلَوْ قَذَفَ مَجُوسِيًّا تَزَوَّجَ بِأَمِّهِ ثُمَّ أَسْلَمَ يُحَدُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ، وَقَالَ لَا حَدَّ عَلَيْهِ) وَهَذَا بِنَاءً عَلَى أَنَّ تَزَوُّجَ الْمَجُوسِيِّ بِالْمَحَارِمِ لَهُ حُكْمُ الصَّحَّةِ فِيمَا بَيْنَهُمْ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا. وَقَدْ مَرَّ فِي النِّكَاحِ.

(وَإِذَا دَخَلَ الْحَرَبِيُّ دَارَنَا بِأَمَانٍ فَقَذَفَ مُسْلِمًا حَدُّ) لِأَنَّ فِيهِ حَقَّ الْعَبْدِ وَقَدْ اتَّزَمَ

إِبْقَاءَ حَقُوقِ الْعِبَادِ، وَلَآئِنَّ طَمَعًا فِي أَنْ لَا يُؤْذِيَ فَيَكُونُ مُلْتَزِمًا أَنْ لَا يُؤْذِيَ وَمُوجِبٌ أَذَاهُ الْحَدُّ.

ترجمہ

اور جب کسی بندے نے ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے اپنی باندی یا مجوسہ سے جماع کیا یا اپنی حانص بیوی یا مکاتبہ سے وطی کی تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔ کیونکہ ملکیت ہونے کے باوجود یہ وطی حرام ہے۔ مگر حرمت موقت ہے اس لئے یہ حرام لغیرہ ہو گا اور نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ مکاتب کی وطی احسان کو ساقط کرنے والی ہے۔ اور امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ وطی کے حق میں ملکیت ختم ہو چکی ہے۔ لہذا وطی کے سبب وطی کرنے والے پر نا جائز وطی کا جرم مانہ واجب ہوگا۔

ہم کہتے ہیں کہ ملکیت ذات باقی ہے اور اس کی حرمت لغیرہ ہے کیونکہ وہ موقت ہے۔ اور جب کسی بندے نے ایسے آدمی پر تہمت لگائی جس نے اپنی باندی سے وطی کی اور وہ باندی اس کی رضاعی بہن تھی تو قاذف پر حد جاری نہ کی جائے گی کیونکہ اس کی حرمت ابدی ہے اور یہ بھی صحیح ہے۔

اور جب کسی نے ایسے مکاتب پر تہمت لگائی جو فوت ہو گیا ہے اور کتابت کے بدلے میں مال کی ادائیگی کو چھوڑ گیا ہے تو قاذف پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ مکاتب کی آزادی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف ہے اور اس وجہ سے شبہ پیدا ہو چکا ہے۔

اور جب کسی نے ایسے مجوسی پر تہمت لگائی جس نے اپنی ماں سے شادی کی تھی اس کے بعد وہ اسلام لے آیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے قاذف کو حد لگائی جائے گی۔

صاحبین کہتے ہیں کہ اس پر حد جاری نہ کی جائے گی۔ یہ اختلاف اس صورت مسئلہ کی بناء پر ہے کہ امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک اہل مجوس کا نکاح محارم سے درست ہوتا ہے۔ جبکہ اس میں صاحبین کا اختلاف ہے اور کتاب النکاح میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

اور جب کوئی حری امان لیکر دارالاسلام میں آگیا اور پھر اس نے کسی مسلمان پر تہمت لگادی تو اس پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ قذف بندے کا حق ہے اور حری مستامن نے حقوق العباد ادا کرنے کا عہد کیا ہے کیونکہ حری مستامن کا تمنا یہ تھی کہ اس کو تکلیف نہ دی جائے تو وہ اس حکم کو لازم کرنے والا ہوگا کہ وہ خود بھی کسی کو تکلیف پہنچانے والا نہ ہوگا اور نہ تکلیف دہ کوئی کام کرے گا۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس عورت سے وطی کی گئی اُس میں ملک کا شہبہ ہو تو حد قلم نہ ہوگی اگرچہ دس کو حرام ہونے کا گمان ہو، جیسے اپنی اولاد کی باندی۔ جس عورت کو الفاظ کنایہ سے طلاق دی اور وہ عدت میں ہو، اگرچہ تین طلاق کی نیت کی ہو۔ بائع کا بیچ ہوئی لونڈی سے وطی کرنا جبکہ مشتری نے لونڈی پر قبضہ نہ کیا ہو بلکہ بیع اگر قسود ہو تو قبضہ کے بعد بھی۔ شہبہ نے نکاح میں لونڈی کا مہر مقرر کیا اور ابھی وہ لونڈی عورت کو نہ دی تھی کہ اُس لونڈی سے وطی کی۔ لونڈی میں چند شخص شریک ہیں، اُن میں سے کسی نے، دس سے وطی کی۔ اپنے مکاتب کی کنیز سے وطی کی۔ غلام ماذون جو خود وراوس کا ترم مال دین میں مستغرق ہے، اُس کی لونڈی سے وطی کی۔ غنیمت میں جو عورتیں حاصل ہوئیں تقسیم سے پہلے اُن میں سے کسی سے وطی کی بائع کا اوس وندن سے وطی کرنا جس میں مشتری کو خیر تھا یا اپنی لونڈی سے استبراء سے قبل وطی کی۔ یا دس وندن سے وطی کی جو اس کی رضاعی بہن ہے یا اوس کی بہن اس کے تصرف میں ہے۔ یا اپنی اوس وندن سے وطی کی جو مجوسہ ہے۔ یا اپنی زوجہ سے وطی کی جو مرتدہ ہوگی ہے یا اور کسی وجہ سے حرام ہوگی، مثلاً اس کے بیٹے سے اوس کا تعلق ہو گیا یا اوس کی ماں یا بیٹی سے اس نے جماع کیا۔ (رہنکار، کتاب اعدود)

تہمت کے سبب مسلمان پر اجرائے حد کا بیان

(وَإِذَا حُدَّ الْمُسْلِمُ فِي قَذْفٍ سَقَطَتْ شَهَادَتُهُ وَإِنْ تَابَ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَقْبَلُ إِذَا تَابَ وَهِيَ تُعْرَفُ فِي الشَّهَادَاتِ (وَإِذَا حُدَّ الْكَافِرُ فِي قَذْفٍ لَمْ تَجْزِ شَهَادَتُهُ عَلَى أَهْلِ الدِّمَةِ) لِأَنَّ لَهُ الشَّهَادَةَ عَلَى جَنْسِهِ فَتُرَدُّ تَعَمَّةً لِحَدِّهِ (فَإِنْ أَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ عَلَيْهِمْ وَعَلَى الْمُسْلِمِينَ) لِأَنَّ هَذِهِ شَهَادَةٌ اسْتَفَادَهَا بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَلَمْ تَدْخُلْ تَحْتَ الرَّدِّ، بِخِلَافِ الْعَبْدِ إِذَا حُدَّ حُدَّ الْقَذْفِ ثُمَّ أُعْتِقَ حَيْثُ لَا تَقْبَلُ شَهَادَتُهُ لِأَنَّهُ لَا شَهَادَةَ لَهُ أَصْلًا فِي حَالِ الرِّقِّ فَكَانَ رَدُّ شَهَادَتِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ مِنْ تَمَامِ حَدِّهِ.

(وَإِنْ ضُرِبَ سَوْطًا فِي قَذْفٍ ثُمَّ أَسْلَمَ ثُمَّ ضُرِبَ مَا بَقِيَ جَارَتْ شَهَادَتُهُ) لِأَنَّ رَدَّ الشَّهَادَةِ مَتَمُّهُ لِلْحَدِّ فَيَكُونُ صِفَةً لَهُ وَالْمَقَامُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ بَعْضُ الْحَدِّ فَلَا يَكُونُ رَدُّ الشَّهَادَةِ صِفَةً لَهُ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ تُرَدُّ شَهَادَتُهُ إِذَا الْأَقْلُ تَابَعَ لِلْكَثَرِ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ.

ترجمہ

اور جب کسی پر تہمت کے سبب مسلمان پر حد جاری ہوگئی۔ تو اس بندے کی گواہی ساقط ہو جائے گی خواہ وہ توبہ کر لے۔ جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبل قبول ہے۔ یہ مسائل کتاب الشہادت میں بیان کر دیئے جائیں

گئے۔ اور جب کسی قذف میں کسی کافر پر حد جاری کی گئی ہے تو اہل ذمہ کے خلاف اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ اس لئے کہ بی و اگرچہ س کی ہم جنس پر گواہی کا حق حاصل ہے مگر اس کی حد تکمیل کرنے کیلئے یہ گواہی رد کر دی جائے گی۔ اور اگر وہ اس کے بعد عدت میں آگیا تو اس کی گواہی اہل ذمہ اور مسلمانوں دونوں کے خلاف قبول کر لی جائے گی۔ کیونکہ اب اس کو حق شہادت اسلام قبول کرنے کے بعد مد ہے۔ لہذا یہ رد ہونے میں داخل نہ ہوگا یہ خلاف غلام کے کیونکہ جب اس حد قذف لگائی گئی اور اس کے بعد اس کو توبہ کر دیا جائے تب بھی اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ اس لئے کہ حالت غلامی میں اس کے پاس شہادت کا حق بھی نہ تھا پس توبہ کے بعد کی گواہی کا مردود ہونا اس کی حد تکمیل کرنے میں سے ہو جائے گا۔ اس کے بعد جب کسی کافر کو تہمت میں ایک درہ بار دیا گیا ہے اور اس کے بعد وہ اسلام لے آیا تو اس کے بعد بقیہ درے اس کو مارے جائیں گے۔ تو اس کی شہادت جائز ہوگی کیونکہ شہادت کا مردود ہونا حد کو پورا کر نیوالا ہے پس یہ تردید اس کی صفت بن جائے گی اور اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ بعض حد کا ہی عمل ہے پس گواہی کو رد کر دینا اس کی صفت نہ بنے گی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کی شہادت مردود ہوگی کیونکہ یہاں اکثر اقل کے تابع ہے مگر پہلو توں زیادہ صحیح ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جس شخص پر حد قذف قائم کی گئی اس کی گواہی کسی معاملہ میں مقبول نہیں ہاں عبادات میں مقبول کر لیں گے۔ اسی طرح اگر کافر پر حد قذف جاری ہوئی تو کافروں کے خلاف بھی اس کی گواہی مقبول نہیں۔ ہاں اگر اسلام لائے تو اس کی گواہی مقبول ہے اور اگر کفر کے زمانہ میں تہمت لگائی اور مسلمان ہونے کے بعد حد قائم ہوئی تو اس کی گواہی بھی کبھی کسی معاملہ میں مقبول نہیں۔ اسی طرح غلام پر حد قذف جاری ہوئی پھر آزاد ہو گیا تو گواہی مقبول نہیں۔ اور اگر کسی پر حد قائم کی جارہی تھی اور درمیان میں بھاگ گیا تو اگر بعد میں باقی حد پوری کر لی گئی تو اب گواہی مقبول نہیں اور پوری نہیں کی گئی تو مقبول ہے۔ حد قائم ہونے کے بعد اپنی سچائی پر چار گواہ پیش کیے جنہوں نے زنا کی شہادت دی تو اب اس تہمت لگانے والے کی گواہی آئندہ مقبول ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

تہمت میں تعدد پر ایک حد جاری ہونے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ زَنَى أَوْ شَرِبَ أَوْ قَذَفَ غَيْرَ مَرَّةٍ فَحَدَّ فَهُوَ لِلذَّكَ كُفْلِهِ) أَمَّا الْأَوَّلَانِ فَلِأَنَّ الْمَقْصِدَ مِنْ إِقَامَةِ الْحَدِّ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى الْإِنْتِجَارُ، وَاحْتِمَالُ حُصُولِهِ بِالْأَوَّلِ قَانِمٌ فَتَمَكَّنُ شُبْهَةُ قَوَائِمِ الْمَقْصُودِ فِي الثَّانِي، وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا زَنَى وَقَذَفَ وَسَرَقَ وَشَرِبَ، لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنْ كُلِّ جَنْسٍ غَيْرِ الْمَقْصُودِ مِنَ الْآخِرِ فَلَا يَتَدَاخَلُ. وَأَمَّا

الْقَذْفُ فَإِلْمُغْلَبٍ فِيهِ عِنْدَنَا حَقُّ اللَّهِ فَيَكُونُ مُلْحَقًا بِهِمَا. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: إِنْ اِخْتَلَفَ الْمَقْذُوفُ أَوْ الْمَقْذُوفُ بِهِ وَهُوَ الزَّانَا لَا يَتَدَاخَلُ، لِأَنَّ الْمُغْلَبَ فِيهِ حَقُّ الْعَبْدِ عِنْدَهُ.

ترجمہ

اور جب کسی نے کئی مرتبہ تہمت لگائی یا کئی مرتبہ زنا کیا یا کئی بار شراب پی تو اس شخص پر ایک حد لگائی جائے گی تو یہ حد سب کی طرف سے ہو جائے گی۔ البتہ شراب نوشی یا زنا کا حق ہے۔ کیونکہ اللہ کا حق ہے جبکہ ام کا مقصد حد قائم کر کے ڈرانا ہے۔ ہذا اولیٰ بار حد قائم کرنے سے یہ مقصد حاصل ہونے کا احتمال ہے جبکہ دوسری بار حد جاری کرنے کے مقصد کے فوت ہونے کا شبہ ہے اور یہ خلاف اس کے کہ جب اس نے زنا کیا، بہتان لگایا اور شراب بھی پی ڈال تو ان میں سے ہر ایک سے وہی مقصد ہے جو دوسرے سے عین وہ ہے۔ پس حد میں تداخل نہ ہوگا البتہ قذف تو اس میں ہمارے نزدیک حق اللہ غالب ہے پس یہ بھی زنا اور شراب نوشی سے ملنے والی ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا جب مقذوف، ملگ ہو یا مقذوف بہ لگ ہو یعنی زنا تو پھر حد میں تداخل بھی ہوگا کیونکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے مطابق زنا میں بندے کا حق غالب ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر چند حدیں مختلف قسم کی جمع ہوں مثلاً اس نے تہمت بھی لگائی ہے اور شراب بھی پی اور چوری بھی کی اور زنا بھی کیا تو سب حدیں قائم کی جائیں گی مگر ایک ساتھ سب قائم نہ کریں کہ اس میں ہلاک ہو جانے کا خوف ہے بلکہ ایک قائم کرنے کے بعد اتنے دنوں اسے قید میں رکھیں کہ اچھا ہو جائے پھر دوسری قائم کریں اور سب سے پہلے حد قذف جاری کریں اس کے بعد امام کو اختیار ہے کہ پہلے زنا کی حد قائم کرے یا چوری کی بنا پر ہاتھ پہلے کاٹے یعنی ان دونوں میں تقدیم و تاخیر کا اختیار ہے۔ پھر سب کے بعد شراب پینے کی حد داریں۔ (درمختار، کتاب الحدود)

اگر اس نے کسی کی آنکھ بھی پھوڑی ہے اور وہ چاروں چیزیں بھی کی ہیں تو پہلے آنکھ پھوڑنے کی سزا دی جائے یعنی اس کی بھی آنکھ پھوڑ دی جائے پھر حد قذف قائم کی جائے اس کے بعد جرم کر دیا جائے اگر محسن ہو اور باقی حدیں سقط اور محسن نہ ہو تو اسی طرح عمل کریں۔ اور اگر ایک ہی قسم کی چند حدیں ہوں مثلاً چند شخصوں پر تہمت لگائی یا ایک شخص پر چند بار تو ایک حد ہے ہاں اگر پوری حد قائم کرنے کے بعد پھر دوسرے شخص پر تہمت لگائی تو اب دوبارہ حد قائم ہوگی اور اگر اسی پر دوبارہ تہمت ہو تو نہیں۔

جو شخص ایسی شہادت پیش نہ کر سکے جو اسے جرم قذف سے بری کر سکتی ہو، اس کے لیے قرآن نے تین حکم ثابت کیے ہیں ایک یہ کہ 80 کوڑے لگائے جائیں۔ دوسرے یہ کہ اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ تیسرے یہ کہ وہ فاسق ہے۔ اس کے بعد قرآن کہتا ہے: زَالَا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَاصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (سوائے ان لوگوں کے جو اس کے

بعد توبہ کریں اور اصلاح کریں کہ اللہ غفور اور رحیم ہے)۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس فقرے میں توبہ اور اصلاح سے جس معانی کا ذکر کیا گیا ہے اس کا تعلق ان تینوں احکام میں سے کس کے ساتھ ہے۔ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ پہلے حکم سے اس کا تعلق نہیں، یعنی توبہ سے حد ساقط نہ ہوگی اور مجرم کو سزا نہ تازیانہ بہر حال دی جائے گی۔ فقہاء اس پر بھی متفق ہیں کہ اس معانی تحقق آخری حکم سے ہے، یعنی توبہ اور اصلاح کے بعد مجرم فاسق نہ رہے گا اور اللہ تعالیٰ سے معاف کر دے گا۔ (اس میں اختلاف صرف اس پہلو سے ہے کہ آیا مجرم نفس قذف سے فاسق ہوتا ہے یا عدالتی فیصلہ صادر ہونے کے بعد فاسق قرار پاتا ہے۔

امام شافعی اور لیث بن سعد کے نزدیک وہ نفس قذف سے فاسق ہو جاتا ہے اس لیے وہ اسی وقت سے اس کو مردود الشہادت قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب اور امام مالک کہتے ہیں کہ وہ عدالتی فیصلہ نافذ ہو جانے کے بعد فاسق ہوتا ہے، اس لیے وہ نفاذ حکم سے پہلے تک اس کو مقبول الشہادت سمجھتے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ مجرم کا عند اللہ فاسق ہونا نفس قذف کا نتیجہ ہے اور عند الناس فاسق ہونا اس پر موقوف ہے کہ عدالت میں اس کا جرم ثابت ہو اور وہ سزا پا جائے۔ بارہ جاتا ہے بیچ کا حکم، یعنی یہ کہ قذف کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے۔ فقہاء کے درمیان اس پر بڑا اختلاف واقع ہو گیا ہے کہ آیا زَالَا الَّذِينَ تَابُوا کے فقرے کا تعلق اس حکم سے بھی ہے یا نہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ اس فقرے کا تعلق صرف آخری حکم سے ہے، یعنی جو شخص توبہ اور اصلاح کر لے گا وہ عند اللہ اور عند الناس فاسق نہ رہے گا، لیکن پہلے دونوں حکم اس کے باوجود برقرار رہیں گے، یعنی مجرم پر حد جاری کی جائے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے مردود الشہادت بھی رہے گا۔

اس گروہ میں قاضی شریح، سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، حسن بصری، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، مکیول، عبد الرحمن بن زید، ابو حنیفہ، ابو یوسف، زفر، محمد، سفیان ثوری اور حسن بن صالح جیسے اکابر شامل ہیں۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ زَالَا الَّذِينَ تَابُوا کا تعلق پہلے حکم سے تو نہیں ہے مگر آخری دونوں حکموں سے ہے، یعنی توبہ کے بعد قذف کے سزا یافتہ مجرم کی شہادت بھی قبول کی جائے گی اور وہ فاسق بھی نہ شمار ہوگا۔ اس گروہ میں عطاء، طاؤس، مجاہد، شعبی، قاسم بن محمد، سلم، زہری، عکرمہ، عمر بن العزیز، ابن ابی شیبہ، سیمان بن یسار، مسروق، ضحاک، مالک بن انس، عثمان النخعی، لیث بن سعد، شافعی، احمد بن حنبل اور ابن جریر طبری جیسے بزرگ شامل ہیں۔

یہ لوگ اپنی تائید میں دوسرے دلائل کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو بھی پیش کرتے ہیں جو انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کے مقدمے میں کیا تھا، کیونکہ اس کی بعض روایت میں یہ ذکر ہے کہ حد جاری کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ابو بکرہ اور ان کے دونوں ساتھیوں سے کہا اگر تم توبہ کر لو (یا اپنے جھوٹ کا اقرار کر لو) تو میں آئندہ تمہاری شہادت قبول کروں گا ورنہ نہیں۔ دونوں ساتھیوں نے اقرار کر لیا، مگر ابو بکرہ اپنے قول پر قائم رہے۔ بظاہر یہ ایک بڑی قوی تائید معلوم ہوتی ہے، لیکن مغیرہ بن شعبہ کے مقدمے کی جو رواد ہم پہلے درج کر چکے ہیں اس پر گور کرنے سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس نظیر سے اس مسئلے میں استدلال کرنا

درست نہیں ہے۔ وہاں نفس متفق علیہ تھا اور خود مغیرہ بن شعبہ کو بھی اس سے انکار نہ تھا۔

بحث اس میں تھی کہ عورت کون تھی۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے تھے کہ وہ ان کی اپنی بیوی تھیں جنہیں یہ لوگ ام جمیل سمجھ بیٹھے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ثابت ہو گئی تھی کہ حضرت مغیرہ کی بیوی اور ام جمیل باہم اس حد تک مشابہ تھیں کہ واقعہ جتنی روشنی میں جتنے فاسے سے دیکھا گیا اس میں یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ عورت ام جمیل ہے۔ مگر قرآن سارے کے سارے مغیرہ بن شعبہ کے حق میں تھے اور خود استغاثے کا بھی ایک گواہ اقرار کر چکا تھا کہ عورت صاف نظر نہ آتی تھی۔

اسی بنا پر حضرت عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کے حق میں فیصلہ دیا اور ابوبکرؓ کو سزا دینے کے بعد وہ بات کبھی جو مذکورہ بالا وایتوں میں منقول ہوئی ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا منشاء دراصل یہ تھا کہ تم لوگ مان لو کہ تم نے بے جا بدگمانی کی تھی اور آئندہ کے لیے ایسی بدگمانیوں کی بنا پر لوگوں کے خلاف الزامات عائد کرنے سے توبہ کرو، ورنہ آئندہ تمہاری شہادت کبھی قبول نہ کی جائے گی۔ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ جو شخص صریح جھوٹ ثابت ہو جائے وہ بھی حضرت عمرؓ کے نزدیک توبہ کر کے مقبول شہادت ہو سکتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے میں پہلے گروہ ہی کی، اسے زیادہ وزنی ہے۔ آدمی کی توبہ کا حال خدا کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔ ہمارے سامنے جو شخص توبہ کرے گا ہم اسے اس حد تک تورعایت دے سکتے ہیں کہ اسے فاسق کے نام سے یاد نہ کریں، لیکن اس حد تک رعایت نہیں دے سکتے کہ جس کی زبان کا اعتبار ایک دفعہ چارہا ہے اس پر پھر شخص اس لیے اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ہمارے سامنے توبہ کر رہا ہے۔ علاوہ بریں خود قرآن کی عبادت کا انداز بیان بھی یہی بتا رہا ہے کہ: **الَّذِينَ تَابُوا** کا تعلق صرف **أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** سے ہے۔ اس لیے کہ عہد میں پہلے وہ باتیں حکم کے الفاظ میں فرمائی گئی ہیں: ان کو اسی کوڑے مارو، اور ان کی شہادت کبھی قبول نہ کرو۔ اور تیسری بات خبر کے الفاظ میں ارشاد ہوئی ہے: وہ خود ہی فاسق ہیں۔

اس تیسری بات کے بعد محصلہ یہ فرمایا کہ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کر لیں، خود ظاہر کر دیتا ہے کہ یہ استثناء آخری فقرہ خبریہ سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ پہلے دو محکم فقروں سے۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ استثناء آخری فقرے تک محدود نہیں ہے، تو پھر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ شہادت قبول نہ کرو کے فقرے تک پہنچ کر رک گیا، اسی کوڑے مارو کے فقرے تک بھی کیوں نہ پہنچ گیا۔

محدود فی القذف کی شہادت نہ قبول کرنے میں فقہ حنفی کی ترجیح

ایک بحث یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا** کا استثناء **أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** سے متعلق ہے یا لا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا سے۔ دوسری تاویل ماننے کی صورت میں اس بات کی گنجائش پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر قذف کا مرتکب توبہ و اصلاح کر لے تو اس کی گواہی قابل قبول قرار دے دی جائے، تاہم احناف نے اسے فقہ سے متعلق مانا ہے اور یہ رائے قائم کی ہے کہ دنیا میں قذف کے مرتکب کی گواہی قبول کرنے کی کسی حال میں کوئی گنجائش نہیں۔ ہماری رائے میں کلام میں تین قرعے ایسے ہیں جو احناف کی دلیل کو راجح قرار دیتے ہیں۔

ایک یہ کہ **لَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا** میں **أَبَدًا** کی قید از روئے بلاغت اس کے بعد کسی استند زاک کی گنجائش ماننے

میں مانع ہے۔ اگر قرآن مجید کو یہ کہنا ہوتا کہ توبہ کے بعد ان کی گواہی قبول کر لی جائے تو اصل حکم میں **أَبَدًا** کی قید کا اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسرے یہ کہ **إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** میں توبہ کا جو اثر اور نتیجہ بیان کیا گیا ہے، وہ دنیوی سزا سے نہیں، بلکہ اخروی سزا سے متعلق ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پورا استند راک دراصل **أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ** کے ساتھ متعلق ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اس استند راک کو رد شہادت سے متعلق مانا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ توبہ و اصلاح کے متحقق ہو جانے کا فیصلہ ظاہر میں کیسے کیا جائے گا؟ اگر توبہ فرض کیا جائے کہ قذف کا ارتکاب کرنے والے افراد لازماً ایسے ہوں گے جو اپنی ظاہری زندگی میں فسق و فجور میں معروف ہوں تو ان کی توبہ و اصلاح کا کسی حد تک اندازہ ان کے ظاہری طرز زندگی میں تبدیلی سے کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے قذف کی سزا صرف ایسے افراد کے لیے بیان نہیں کی، بلکہ بظاہر بہت قابل اعتماد اور متقی افراد بھی اگر کسی پر زنا کا الزام لگائیں اور چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ان کے لیے بھی یہی سزا ہے۔ ایسے افراد کے ہاں توبہ اور اصلاح کا ظہور، ظاہر ہے کہ ان کے باطن میں ہوگا جس کا فیصلہ کرنے کا کوئی ظاہری معیار موجود نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا کہ ایسے لوگ اگر توبہ و اصلاح کر لیں تو ان کی گواہی قبول کر لی جائے، عملی اعتبار سے ایک بے معنی بات قرار پاتی ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک حد قذف کی صرف دو صورتوں کا بیان

قذف فقط دو صورت میں ہوتا ہے: زنا کی تہمت لگانا یا لواط کا الزام لگانا، باقی دوسرے ناچاز الزامات لگانے پر تعزیر (غیر معین سزا) ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ حقدار کے اپنے حق سے درگزر کرنے سے، تعزیر کا حکم جاری نہیں ہوگا، مگر یہ کہ حاکم شرع تشخیص دے کہ اس طرح کے موارد میں، تعزیری سزا کو ترک کرنا، معاشرے میں گناہ و فساد کا سبب بنے گا، تب عنوان ثانوی کے اعتبار سے اس کو تعزیر کیا جائے گا۔ (استثنائت آیت اللہ شیرازی)

قرآن کے مطابق تعزیر کا بیان

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَر قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَدْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِاللِّقَابِ بَيْنَ الْأَسْمَاءِ فَالْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ) (حجرات، ۱۱)

اے ایمان والو! نہ مردوں سے مسخرہ بن کر میں، عجب نہیں وہ ان ہنسنے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے، وہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں طعن نہ دو اور برے لقبوں سے نہ پکارو کہ ایمان کے بعد فسق کہلا نا برا نام ہے اور جو تو بہ نہ کرے، وہی ظالم ہے۔

دہشت گرد اور ہراس پھیلانے والے ناپسندیدہ لوگ

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو بدگمانی کرنے، جہت رکھنے اپنوں اور غیروں کو خوفزدہ کرنے، خواہ مخواہ کی دہشت دس میں ڈھینے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے کہ بس اوقات اکثر قسم قسم کے گمان ہلکے گناہ ہوتے ہیں پس تمہیں اس میں پوری احتیاط چاہیے۔ امیہ مومنین حضرت عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائی کی زبان سے جو کلمہ نکلا ہو جہاں تک تجھ سے ہو سیکے اسے بھڑائی اور چھٹی پر محمول کر۔ بن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے؟ تو یہی بڑی حرمت والا ہے؟ اس کی قسم جس سے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے سوا اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ہاتھ نیک گمان کرنے کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔ یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں ہی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بدگمانی سے بچو گناہ سب سے بڑی جھوٹی بات ہے بھید نہ ٹٹولو۔ ایک دوسرے کی ٹوہ حاصل کرنے کی کوشش میں نہ لگ جایا کرو حسد بغض اور ایک دوسرے سے منہ پھانے سے بچو سب ل کر اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو سہو۔ مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو، ایک دوسرے سے میل جو ترک نہ کر لیا کرو، ایک دوسرے کا حسد بغض نہ کیا کرو بلکہ سب ل کر اللہ کے بندے آپس میں دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گزارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔

طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لین، حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرے تو استغفر کر لے۔ جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر اور جب شکوں لے خواہ نیک لکے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک اسے پورا کر۔

ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے

فصل فی التعزیر

یہ فصل تعزیر کے بیان میں ہے ﴿﴾

فصل تعزیر کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ ان سزاؤں کے بیان سے فارغ ہوئے ہیں جن کی سزا قرآن و سنت اور احادیث مشہورہ سے ثابت و متعین ہے۔ تو اس کے بعد انہوں نے ان سزاؤں کا بیان شروع کیا ہے جن کا تعین میں سزا کا تعین نہیں ہے ابست دلیل اس کی بھی مضبوط ہے اور وہ تعزیر ہے۔ (عن یہ شرح اہد یہ، ج ۷، ص ۲۸۰، بیروت)

تعزیر کا فقہی مفہوم

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تعزیر بجا ہے عز و عز کے معنی عظمت و حرمت منع اور روک کے ہیں اور اصطلاح شرح میں غیر مقرر سزا کو تعزیر کہتے ہیں جو حاکم اپنی رائے سے قائم کرے خاوند کا پٹی بیوی کو باپ کا بچوں کو اور استاد کا شاگردوں کو سزا دینا تعزیر کہلاتا ہے نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا اپنے بچوں سے ڈنڈا نہ ہٹاؤ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ استاد کا اپنے شاگردوں کو سزا دینا بطور تعزیر ہے نہ کہ بطور حد تو اب آیہ تعزیر واجب ہے کہ نہیں تو حق یہ ہے کہ جن جرموں میں تعزیر کا حکم ہے۔ وہ تعزیر دی جائے اور جن جرموں میں اس کا حکم نہیں وہاں واجب نہیں۔ اور تعزیر مجرم کے غاۃ سے دی جائے مجرم سرکش کو تعزیر بھی سخت دی جائے۔ شریف آدی تفاق گناہ کر بیٹھے تو تعزیر معمولی کافی ہے (مرآۃ المناجیح، ج ۵، ص ۸۶، نعیمی کتب خانہ گجرات)

تعزیر کی اصل ہے عز و عز جس کے لغوی معنی ہیں منع کرنا، باز رکھنا، ملامت کرنا۔ اصطلاح شریعت میں اس لفظ (تعزیر) کا استعمال اس سزا کے مفہوم میں کیا جاتا ہے جو حد سے کم وجہ کی ہو اور تنبیہ اور تادیب کے طور پر کسی کو دی جائے اور اس سزا کو تعزیر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو اس فعل (گناہ و جرم) کے دوبارہ ارتکاب سے باز رکھتی ہے جس ن وجہ سے اسے وہ سزا (تعزیر) بھگتنی پڑی ہے۔

تعزیر کی تعریف اور اسکی سزا کا شرعی تعین

کسی گناہ پر بغیر تادیب جو سزا دی جاتی ہے اس کو تعزیر کہتے ہیں شارع نے اس کے لیے کوئی مقدار معین نہیں کی ہے بلکہ اس کو قاضی کی رائے پر چھوڑا ہے جیسے موقع ہو اس کے مطابق عمل کرے تعزیر کا اختیار صرف بادشاہ اسد مہدی کو نہیں بلکہ شوہر بیوی کو، آقا و غلام کو، باپ اپنی اولاد کو، استاد شاگرد کو تعزیر کر سکتا ہے۔ (رد المحتار وغیرہ) تعزیر دینے کی بعض صورتیں یہ ہیں۔

(۱) قید کرنا (۲) کوڑے مارنا (۳) گوشمالی کرنا (۴) کانوں کو مروڑنا (۵) ترش روئی سے اس کی طرف غصہ کی نظر کرنا۔

ہیں آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہوگئی تو ہم اس پر پکڑ سکتے ہیں مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب وحین کے پاس گئے حضرت عقبہ گئے اور ان سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرادوں، آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھ و بوجھ و ڈانٹ ڈپٹ کر دو، پھر کچھ دنوں کے بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں آتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو بچالیا۔ ابوداؤد میں ہے حضرت معاویہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کے باطن اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دے گا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کر دے۔

حضرت ابودرداء فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعایا کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور گہرا اترا شروع کر دیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ تجسس نہ کرو یعنی برائیاں معلوم کرنے کی کوشش نہ کرو تاکہ جہاں تک نہ کیا کرو اسی سے چاسوس ماخذ ہے تجسس کا اطلاق عموماً برائی پر ہوتا ہے اور تجسس کا اطلاق بھلائی دھونڈنے پر۔ جیسے حضرت یعقوب اپنے بیٹوں سے فرماتے ہیں (یٰ بَنَیَّ اَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ یُوسُفَ وَآخِیْهِ وَلَا تَأْنِسُوا مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یَاْتِیْ سُسٌ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْفَقُوْمُ الْکٰفِرُوْنَ (87) - 12 یوسف 87) ، پچوتم جاؤ اور یوسف کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور کبھی کبھی ان دونوں کا استعمال شر اور برائی میں بھی ہوتا ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا نہ چاہتے ہوں۔ اور نہ ابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزرہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ پھر غیبت سے منہ فرماتا ہے ابوداؤد میں ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیبت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے مسلمان بھائی کی کسی ایسی بات کا ذکر کرے جو اسے بری معلوم ہو تو کہہ گیا اگر وہ برائی اس میں ہو جب بھی؟ فرمایا ہاں غیبت تو یہی ہے ورنہ بہتان اور تہمت ہے۔ ابوداؤد میں ہے ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ صفیہ تو ایسی ایسی ہیں مسدوداوی کہتے ہیں یعنی کم قامت، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے ایسی بات کہی ہے کہ سمندر کے پانی میں اگر ملا دی جائے تو اسے بھی بگاڑ دے اور ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی شخص کی کچھ ایسی ہی باتیں بیان کی گئیں تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا مجھے چاہے ایسا کرنے میں کوئی بہت بڑا نفع ہی ملتا ہو۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک بی بی صاحبہ حضرت عائشہ کے ہاں آئیں جب وہ جانے لگیں تو صدیقہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اشارے سے کہا کہ یہ بہت پست قامت ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ان کی غیبت کی الغرض غیبت حرام ہے اور اس

کی حرمت پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ لیکن ہاں شرعی مصلحت کی بنا پر کسی کی ایسی بات کا ذکر کرنا غیبت میں داخل نہیں جیسے جرح و تعدیل نصیحت و خیر خواہی جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فاجر شخص کی نسبت فرمایا تھا یہ بہت برا آدمی ہے اور جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا معاویہ مفلح شخص ہے اور ابوالجہم بڑا مارنے پینے والا آدمی ہے۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جبکہ ان دونوں بزرگوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے نکاح کا مانگا ڈالا تھا اور بھی جو باتیں اس طرح کی ہوں ان کی تو اجازت ہے باقی اور غیبت حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ جس طرح تم اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے گھن کرتے ہو اس سے بہت زیادہ نفرت تمہیں غیبت سے کرنی چاہیے۔ جیسے حدیث میں ہے اپنے دیئے ہوئے ہبہ کو واپس لینے والا ایسا ہے جیسے کتا جو قے کر کے چاٹ بیٹا ہے اور فرمایا بری مثال ہمارے لئے لائق نہیں۔ حجۃ الوداع کے خطبے میں ہے تمہارے خون مال آبرو تم پر ایسے ہی حرام ہیں جیسی حرمت تمہارے اس دن کی تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ ابوداؤد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان کا مال اس کی عزت اور اس کا خون مسلمان پر حرام ہے انسان کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی حقارت کرے۔

اور حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لائیں ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنا چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یا درکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدہ خرابیوں کو ظاہر کر دے گا یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے، مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک خطبہ سنایا جس میں آپ نے پردہ نشین عورتوں کے کانوں میں بھی اپنی آواز پہنچائی اور اس خطبہ میں اوپر والی حدیث بیان فرمائی، حضرت ابن عمر نے ایک مرتبہ کعبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تیری حرمت و عظمت کا کیا ہی کہنا ہے لیکن تجھ سے بھی بہت زیادہ حرمت ایک ایماندار شخص کی اللہ کے نزدیک ہے۔ ابوداؤد میں ہے جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک نوالہ حاصل کیا اسے جہنم کی اتنی ہی غذا کھلائی جائے گی اسی طرح جس نے مسلمانوں کی برائی کرنے پر پوشاک حاصل کی اسے اسی جیسی پوشاک جہنم کی پہنائی جائے گی اور جو شخص کسی دوسرے کی بڑائی دکھانے سنانے کو کھڑا ہوا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن دکھاوے سناوے کے مقام میں کھڑا کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوج رہے ہیں میں نے پوچھا کہ جبرائیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں لوٹتے تھے (ابوداؤد) اور روایت میں ہے کہ لوگوں کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا معراج والی رات میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا جن میں مرد و عورت دونوں تھے کہ فرشتے انکے پہلوؤں سے گوشت کاٹتے ہیں اور پھر انہیں اس کے کھانے پر مجبور کر رہے ہیں اور وہ اسے چہارے ہیں میرے سوال پر کہا گیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو طعنہ زن، غیبت گو، چغل خور تھے، انہیں جبر آج خود ان کا گوشت کھلایا جا رہا ہے (ابن ابی حاتم)

یہ حدیث بہت مطول ہے اور ہم نے پوری حدیث سورہ سخن کی تفسیر میں بیان بھی کر دی ہے فالحمد للہ۔ مسند ابوداؤد طیالسی میں

ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزے کا حکم دیا اور فرمایا جب تک میں نہ کہوں کوئی افطار نہ کرے شرم کو لوگ آنے لگے اور آپ سے دریافت کرنے لگے آپ انہیں اجازت دیتے اور وہ افطار کرتے اتنے میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں نے روزہ رکھ رکھا تھا جو آپ ہی کے متعلقین میں سے ہیں انہیں بھی آپ اجازت دیجئے کہ روزہ کھول لیں آپ نے اس سے منہ پھیر لیا اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے فرمایا وہ روزے سے نہیں ہیں کیا وہ بھی روزے دار ہو سکتا ہے؟ جو انسانی گوشت کھائے جاؤ انہیں کہو کہ اگر وہ روزے سے ہیں تو قے کریں چنانچہ انہوں نے قے کی جس میں خون جھجے کے لوتھڑے نکلے اس نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر یہ اسی حالت میں مرجا تیں تو آگ کا قہقہہ بنتی۔ اس کی سند ضعیف ہے اور متن بھی غریب ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ اس شخص نے کہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں عورتوں کی روزے میں بری حالت ہے مارے پیاس کے مر رہی ہیں اور یہ دو پہر کا وقت تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی پر اس نے دوبارہ کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو مر گئی ہوں گی یا تھوڑی دیر میں مرجائیں گی آپ نے فرمایا جاؤ انہیں جلاؤ جب وہ آئیں تو آپ نے دودھ کا مٹکا ایک کے سامنے رکھ کر فرمایا اس میں قے کر اس نے قے کی تو اس میں پیپ خون جمد وغیرہ نکلے جس سے آدھا مٹکا بھر گیا پھر دوسری سے قے کرائی اس میں بھی یہی چیزیں اور گوشت کے لوتھڑے وغیرہ نکلے اور مٹکا بھر گیا اس وقت آپ نے فرمایا انہیں دیکھو حلال روزہ رکھے ہوئے تھیں اور حرام کھا رہی تھیں دونوں بیٹھ کر لوگوں کے گوشت کھانے لگی تھیں (یعنی غیبت کر رہی تھیں) (مسند احمد)

مسند حافظ ابویعلیٰ میں ہے کہ حضرت ماعز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے زنا کیا ہے آپ نے منہ پھیر لیا یہاں تک کہ وہ چار مرتبہ کہہ چکے پھر پانچویں دفعہ آپ نے کہا تو نے زنا کیا ہے؟ جواب دیا ہاں فرمایا جانتا ہے زنا کسے کہتے ہیں؟ جواب دیا ہاں جس طرح انسان اپنی حلال عورت کے پاس جاتا ہے اسی طرح میں نے حرام عورت سے کیا۔ آپ نے فرمایا اب تیرا مقصد کیا ہے؟ کہا یہ کہ آپ مجھے اس گنہ سے پاک کریں آپ نے فرمایا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا تھا جس طرح سلائی سرمدانی میں اور کڑی کنویر میں؟ کہا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ نے انہیں رجم کرنے یعنی پتھراؤ کرنے کا حکم دیا چنانچہ یہ رجم کر دئے گئے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اسے دیکھو اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تھی لیکن اس نے اپنے تئیں نہ چھوڑا یہاں تک کہ کتے کی طرح پتھراؤ کیا گیا۔ آپ یہ سنتے ہوئے چلتے رہے تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ اسے میں ایک مردہ گدھا پڑا ہوا ہے فرمایا فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ وہ سواری سے اتریں اور اس گدھے کا گوشت کھا لیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ آپ کو بخشے کیا یہ کھانے کے قابل ہے؟ آپ نے فرمایا ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بدیہیوں کی تھی وہ اس سے بھی زیادہ بری چیز تھی۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ شخص جسے تم نے برا کہا تھا وہ اب اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسد صحیح ہے۔

مسند احمد میں ہے ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نہایت مڑی ہوئی مرداری بوداں ہوا چلی آپ نے فرمایا جانتے ہو؟

بوس چیز کی ہے؟ یہ بد بوان کی ہے جو لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ منافقوں کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی ہے یہ بد بودار ہوا وہ ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان ایک سفر میں دو شخصوں کے ساتھ تھے جن کی یہ خدمت کرتے تھے اور وہ انہیں کھانا کھلاتے تھے ایک مرتبہ حضرت سلمان سو گئے تھے اور قافلہ آگے چل پڑا پڑاؤ ڈالنے کے بعد ان دونوں نے دیکھا کہ حضرت سلمان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے انہیں خیمہ کھڑا کرنا پڑا اور غصہ سے کہا سلمان تو بس اتنے ہی کام کا ہے کہ کچی پکائی کھالے اور تیرا خیمہ میں آکر آرام کر لے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت سلمان پہنچے ان دونوں کے پاس سالن تھا تو کہا تم جو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے لئے سالن لے آؤ۔ یہ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے میرے دونوں ساتھیوں نے بھیجا ہے کہ اگر آپ کے پاس سالن ہو تو دے دیجئے آپ نے فرمایا وہ سالن کا کیا کریں گے؟ انہوں نے تو سالن پالیا۔

حضرت سلمان واپس گئے اور جا کر ان سے یہ بات کہی وہ اٹھے اور خود حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے اور کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تو سالن نہیں نہ آپ نے بھیجا آپ نے فرمایا تم نے مسلمان کے گوشت کا سالن کھالیا جبکہ تم نے انہیں یوں کہا کہ پر یہ آیت نازل ہوئی (میت) اس لئے کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور یہ ان کی غیبت کر رہے تھے۔ مختار ابویضی میں تقریباً ایسا ہی واقعہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے اس خادم کا گوشت تمہارے دانتوں میں اٹکا ہوا دیکھ رہا ہوں اور ان کا اپنے غلام سے جبکہ وہ سویا ہوا تھا اور ان کا کھانا تیار نہیں کیا تھا صرف اتنا ہی کہنا مروی ہے کہ یہ تو بڑا سونے والا ہے ان دونوں بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ ہمارے لئے استغفار کریں۔

مسند ابویعلیٰ میں ہے جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا (یعنی اس کی غیبت کی) قیامت کے دن اس کے سامنے وہ گوشت لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جیسے اس کی زندگی میں تو نے اس کا گوشت کھایا تھا اب اس مردے کا گوشت بھی کھا۔ اب یہ چیخے گا چلائے گا ہائے وائے کرے گا اور اسے جبراً وہ مردہ گوشت کھانا پڑے گا۔ یہ روایت بہت غریب ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ کا لحاظ کرو اس کے احکام بجالاؤ اس کی منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ اور اس سے ڈرتے رہا کرو۔ جو اس کی طرف بھٹکے وہ اس کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو بہ کرنے والے کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو اس پر بھروسہ کرے اس کی طرف رجوع کرے وہ اس پر رحم اور مہربانی فرماتا ہے۔ جمہور علماء کرام فرماتے ہیں غیبت گوئی توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے ورنہ پھر سے اس گناہ کو نہ کرے پہلے جو کر چکا ہے اس پر نادم ہونا بھی شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معافی حاصل کر لے۔ بعض کہتے ہیں یہ بھی شرط نہیں اس لئے کہ ممکن ہے اسے خبر ہی نہ ہو اور معافی مانگنے کو جب جائے گا تو اسے اور رنج ہوگا۔ پس اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جن مجلسوں میں اس کی برائی بیان کی تھی ان میں اب اس کی بھی معافی بیان کرے اور اس برائی کو اپنی طاقت کے مطابق دفع کر دے تو اولاً بدلہ ہو جائے گا۔

مسند احمد میں ہے جو شخص اس وقت کسی مومن کی حمایت کرے جبکہ کوئی منافق اس کی مذمت بیان کر رہا ہو اللہ تعالیٰ ایک

فرشتے کو مقرر کر دیتا ہے جو قیامت والے دن اس کے گوشت کو نارِ جہنم سے بچائے گا اور جو شخص کسی مومن پر کوئی ایسی بات کہے گا جس سے اس کا ارادہ اسے مطعون کرنے کا ہو اسے اللہ تعالیٰ پل صراط پر روک لے گا یہاں تک کہ بدلا ہو جائے یہ حدیث ابو داؤد میں بھی ہے ابو داؤد کی ایک اور حدیث میں ہے جو شخص کسی مسلمان کی بیعتی ایسی جگہ میں کرے جہاں اس کی آبروریزی اور توہین ہوتی ہو تو اسے بھی اللہ تعالیٰ ایسی جگہ رسوا کرے گا جہاں وہ اپنی مدد کا طالب ہو اور جو مسلمان ایسی جگہ اپنے بھائی کی حمایت کرے اللہ تعالیٰ بھی ایسی جگہ اس کی نصرت کرے گا (ابو داؤد، تفسیر ابن کثیر، حجرات، ۱۱)

حدود اور تعزیر میں فرق

جس طرح حدود کا دائرہ حقوق اللہ ہونے کی بنا پر محدود ہے اسی طرح تعزیرات کا دائرہ حقوق العباد ہونے کی وجہ سے وسیع ہے حتیٰ کہ مذکورہ جرائم کبیرہ میں بھی اگر کسی معقول وجہ کی بنا پر حدود اللہ جاری نہ ہو سکیں تو چونکہ ان کا تحقق حقوق العباد سے بھی ہے اس بنا پر حکومت مختلف سزاؤں کے لئے قانون بنانے کی مجاز ہے۔ جرائم رئیسہ کے لئے بھی حالات و زمانہ کی رعایت سے تعزیری قوانین وضع کرنے کی ضرورت ہے اور ایسی عدالت کا قیام ضروری ہے جو ایسے مقدمات کی سماعت کرے جو شخص اس بنا پر خارج کر دیئے گئے کہ ان کے لئے حدود کے درجہ کا ثبوت فراہم نہیں کیا جاسکا یا گواہ حضرات معیار پر پورے نہیں اترے اور اگر یہ انتظام نہ کیا گیا بلکہ جرائم رئیسہ کی سزا صرف حدود ہی رکھی گئیں تو مذکورہ جرائم کی بہت سی شکلیں ایسی پائی جائیں گی جن میں کوئی سزا نہ ہوگی اور جرم کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے گی۔

تعزیر میں حکومت کے اختیارات کافی وسیع ہیں تعزیر کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے بلکہ اس کا معاملہ بھی حکومت کے سپرد ہے۔ الغرض تعزیرات کے باب میں حکومت کے اختیارات ہر لحاظ سے کافی وسیع ہیں جس قدر حالات بدلتے جا رہے ہیں اسی لحاظ سے جرائم کی رفتار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور جرائم میں تنوع پیدا ہوتا جا رہا ہے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے اس سلسلہ میں کافی رہنمائی ملتی ہے ان تمام نظائر کو پیش نظر رکھتے ہوئے حالات و زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے بہترین تعزیراتی قوانین وضع کئے جاسکتے ہیں۔

تعزیری سزاؤں کا فقہی بیان

(وَمَنْ قَذَفَ عَبْدًا أَوْ أَمَةً أَوْ وَلَدًا أَوْ كَافِرًا بِالزَّوْنِ عَزْرٌ) لِأَنَّهُ جَنَایَةُ قَذْفٍ ، وَلَقَدْ اِمْتَنَعَ وَجُوبُ الْحَدِّ لِفَقْدِ الْإِخْصَانِ فَوَجَبَ التَّعْزِيرُ (وَكَذَا إِذَا قَذَفَ مُسْلِمًا بِغَيْرِ الزَّوْنِ فَقَالَ يَا فَاسِقُ أَوْ يَا كَافِرُ أَوْ يَا خَبِيثُ أَوْ يَا سَارِقُ) لِأَنَّهُ آذَاهُ وَالْحَقُّ الشَّيْنُ بِهِ ، وَلَا مَدْخَلَ لِلْقِيَاسِ فِي الْحُدُودِ فَوَجَبَ التَّعْزِيرُ ، إِلَّا أَنَّهُ يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيرِ غَايَتَهُ فِي الْجَنَایَةِ الْأُولَى لِأَنَّهُ مِنْ جَنْسٍ مَا يَجِبُ بِهِ الْحَدُّ ، وَفِي الثَّانِيَةِ : الرَّأْيُ إِلَى الْإِمَامِ (وَلَوْ قَالَ يَا حِمَارُ أَوْ يَا

خِنْزِيرٌ لَمْ يُعْزَرْ) لِأَنَّهُ مَا الْحَقُّ الشَّيْنُ بِهِ لِلتَّبَيُّنِ بِنَفِيهِ . وَقِيلَ فِي عَزْرِنَا يُعْزَرُ لِأَنَّهُ يُعَذُّ شَيْنًا ، وَقِيلَ إِنَّ كَانَ الْمَسْبُوبُ مِنَ الْأَشْرَافِ كَالْفُقَهَاءِ وَالْعُلَوِيَّةِ يُعْزَرُ لِأَنَّهُ يَلْحَقُهُمُ الْوَحْشَةُ بِذَلِكَ ، وَإِنْ كَانَ مِنَ الْعَامَةِ لَا يُعْزَرُ ، وَهَذَا أَحْسَنُ .

ترجمہ

اور جس شخص نے کسی غلام یا باندی یا ام ولد یا کافر پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس کا یہ تہمت لگانا جرم ہے اور احسان کے نہ ہونے سبب حد کا وجوب ختم ہو چکا ہے۔ لہذا اس میں تعزیر واجب ہوگی۔ اسی طرح جب کسی شخص نے مسلمان پر زنا کے سوا کسی اور چیز کی تہمت لگائی اور اس کو یا فاسق، یا کافر یا خبیث کہا، یا سارق کہا کیونکہ قاذف نے اس کو تکلیف پہنچائی ہے اور اس پر عیب لگایا ہے۔ اور حدود میں قیاس کو کوئی دخل نہیں ہے۔ پس تعزیر واجب ہو جائے گی لیکن پہلی تعزیر میں سخت سزا دی جائے گی کیونکہ یہ ایسی جنس سے ہے جس میں حد واجب ہوتی ہے اور دوسری صورت میں امام کی رائے کے مطابق سزا دی جائے گی۔

اور جب کسی نے دوسرے کو اے گدھے، اے خنزیر، کہا تو اس کو سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ کہنے والے نے اس پر کوئی عیب نہیں لگایا ہے کیونکہ مخاطب میں اشیاء معدوم ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ہمارے عرف کے مطابق اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ یہ گانہ شام کی جاتی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ جس کو گالی دی گئی ہے اگر وہ شریف لوگوں میں سے ہے جس طرح فقہاء اور علوی خاندان کے لوگ ہیں تو کہنے والے کو سزا دی جائے گی۔ کیونکہ ان جملوں سے ان کو تکلیف پہنچانا ہے اور جب وہ شخص یعنی جس کو گالی دی گئی ہے وہ عام لوگوں میں سے ہے تو گالی دینے والے کو سزا نہ دی جائے گی۔ اور سب سے اچھا قول یہی ہے۔

شرح

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص کسی دوسرے کو اے یہودی کہہ کر پکارے تو اسے بیس درے مارو اور جب کوئی اے کھجورے کہہ کر پکارے تو اسے بھی بیس درے مارو اور جو شخص کسی محرم عورت سے زنا کرے تو اسے قتل کر دو۔ اس حدیث کو ہم صرف ابراہیم بن اسماعیل کی سند سے جانتے ہیں اور ابراہیم بن اسماعیل کو حدیث میں ضعیف کہا گیا ہے براء بن عازب، قرہ بن ایاس مثنیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ یہ حدیث کئی سندوں سے منقول ہے۔ ہمارے اصحاب کا اسی پر عمل ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جانتے ہوئے کسی محرم عورت سے جماع کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1504 امام بیہقی نے روایت کی، کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ اگر ایک شخص دوسرے کو کہے اے کافر، اے خبیث، اے فاسق، اے گدھے تو اس میں کوئی حد مقرر نہیں، حاکم کو اختیار ہے جو مناسب سمجھے سزا دے۔ ("السنن الکبریٰ")

للبيهقي، كتاب الحدود، باب من حد في التعريض)

کسی مسلمان کو کفر کہا تو تعزیر ہے رہا یہ کہ وہ قائل خود کافر ہو گیا نہیں اس میں دو صورتیں ہیں اگر اسے مسلمان جانتا ہے تو کافر نہ ہوا۔ اور اگر اسے کافر عقائد کرتا ہے تو خود کافر ہے کہ مسلمان کو کافر جان دین اسلام کو کفر جانتا ہے اور دین اسلام کو کفر جانتا کفر ہے۔ ہاں اگر اس شخص میں کوئی ایسی بات پائی جاتی ہے جس کی بنا پر تکفیر ہو سکے، اور اس نے اسے کافر کہا اور کافر جانا تو کافر نہ ہوگا۔ (درمختار، کتاب الحدود)

یہ اس صورت میں ہے کہ وہ وجہ جس کی بنا پر اس نے کافر کہا فنی ہو یعنی تاویل ہو سکے تو وہ مسلمان ہی کہا جائیگا مگر جس نے اسے کافر کہا وہ بھی کافر نہ ہوا۔ اور اگر اس میں قطعی کفر پایا جاتا ہے جو کسی طرح تاویل کی گنجی نہیں رکھتا تو وہ مسلمان ہی نہیں اور بیشک وہ کافر ہے اور اس کو کافر کہنا مسلمان کو کافر کہن نہیں بلکہ کافر کو کافر کہنا ہے بلکہ ایسے کو مسلمان جانا یا اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔

غیر مقدماتین کا توہم اور احناف

دین اسلام کی رو سے اگر کوئی کسی کو گالی لکالے یا برا بھلا کہے تو اسے تعزیر سزا دی جاسکتی ہے۔ لیکن علمائے احناف کے ہاں کسی کو گالی دینے حتیٰ کہ گدھایا خنزیر تک کہہ دینے کی کوئی سزا نہیں ہے نہ ہی حد ہے اور نہ ہی تعزیر ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ولو قال يا حمار او يا خنزير لم يعزر (بدایۃ المبتدی از برہان الدین مرغینانی کتاب الحدود باب حد اعتداف فصل فی التعزیر ج 1 ص 124) اور اگر اس نے کہہ دیا "اے گدھے" یا "اے خنزیر" تو اسے تعزیر نہیں کی جائے گی۔

تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزاکا بیان

التعزیرُ أَكْثَرُ تِسْعَةٍ وَثَلَاثُونَ سَوْطًا وَأَقَلُّهُ ثَلَاثُ حَلَدَاتٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: يَبْلُغُ بِالتَّعْزِيرِ خَمْسَةَ وَسَبْعِينَ سَوْطًا.

وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ بَلَغَ حَدًّا فِي غَيْرِ حَدٍّ فَهُوَ مِنَ الْمُعْتَدِينَ) وَإِذَا تَعَدَّرَ تَبْيِغُهُ حَدًّا فَأَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ نَظَرَا إِلَى الْأَذْنَى الْحَدِّ وَهُوَ حَدُّ الْعَبْدِ فِي الْقَذْفِ فَصَرَفَاهُ إِلَيْهِ وَذَلِكَ أَرْبَعُونَ سَوْطًا فَتَقْصَا مِنْهُ سَوْطًا.

وَأَبُو يُوسُفَ اعْتَبَرَ أَقَلَّ الْحَدِّ فِي الْأَخْرَارِ إِذَا الْأَصْلُ هُوَ الْحُرِّيَّةُ ثُمَّ نَقَصَ سَوْطًا فِي رَوَايَةٍ عَنْهُ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ وَهُوَ الْقِيَّاسُ، وَلِیْ هَذِهِ الرِّوَايَةُ لِقَصِّ خَمْسَةَ وَهُوَ مَا نَوَّرَ عَنْ عِيْلٍ فَقَلَّدَهُ ثُمَّ قَدَّرَ الْأَذْنَى فِي الْكِتَابِ بِثَلَاثِ جَلَدَاتٍ لِأَنَّ مَا دُونَهَا لَا يَقَعُ بِهِ الزَّجْرُ،

وَدَكَرَ مَشَافِئًا أَنْ أَدْنَاهُ عَلَى مَا يَرَاهُ الْإِمَامُ فَيَقْدَرُ بِقَدْرِ مَا يُعْلَمُ أَنَّهُ يَنْزِجُ لَأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ النَّاسِ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ عَلَى قَدْرِ عَظِيمِ الْجُرْمِ وَصِغَرِهِ، وَعَنْهُ أَنْ يَقْرَبَ كُلُّ نَوْعٍ مِنْ نَابِهِ، فَيَقْرَبُ الْمَسُّ وَالْقُبْلَةُ مِنْ حَدِّ الزُّنَا، وَالْقَذْفُ بِغَيْرِ الزُّنَا مِنْ حَدِّ الْقَذْفِ.

ترجمہ

اور تعزیر کی سزا زیادہ سے زیادہ انتالیس (۳۹) کوڑے ہے جبکہ اس کی کم از کم سزاتین درے ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزا پچھتر (۷۵) کوڑے ہیں۔ اور اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ جس نے حد کے سوا میں حد سے زیادہ سزا دی وہ تجاوز کرنے والا ہے۔ اور تعزیر کو حد تک پہنچانا حذر ہے ہذا طرفین نے حد کی کم از کم قدر کا اندازہ کیا ہے۔ اور وہ قذف میں ایک غلام کی حد ہے۔ پس ان فقہاء نے سزا کو اسی طرف پھیر دیا ہے اور یہ مقدار چالیس کوڑے ہے۔ اور اس میں ایک کوڑا کم کر دیا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے آزادی کی کم از کم حد کا اعتبار کیا ہے اس لئے کہ آزادی اصل ہے۔ اس کے بعد ایک روایت کے مطابق اس میں ایک درہ کم کر دیا جائے گا۔ امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے اور قیاس کا تقاضا بھی اسی طرح ہے اور جو روایت یہاں پر ذکر کی گئی ہے اس میں پانچ دروں سے کم کیا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ پس حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے اس کی تفسیر کی ہے۔ پھر کتاب میں کم از کم مقدار تین درے بیان کی گئی ہے کیونکہ تین سے کم میں تو کوئی سزا ہی نہیں ہے۔

ہمارے مشائخ فقہاء نے کہا کہ تعزیر کی کم از کم سزا امام کے رائے پر موقوف ہے اور جس سے امام ڈرانے مقصد پالینا سمجھے گا وہ اس کا تعین کرے گا کیونکہ احوال عرف کی تبدیلی کے ساتھ انزجار تبدیل ہوتا ہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جرم کی مقدار کے مطابق ہوگی اور اس کے چھوٹے بڑے ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور ان سے اک روایت یہ بھی ہے کہ ہر قسم کا جرم اس سے باب سے متعلق کیا جائے گا پس چھوٹا اور بوسہ سینے کو زنا کے قریب مانا جائے گا اور زنا کے سوا قذف کو حد قذف کے قریب تسلیم کیا جائے گا۔

شرح

اور حضرت ابو بردہ بن دینار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو حدود مقرر کی ہیں ان میں سے دس کوڑوں سے زیادہ کی سزا نہ دی جائے۔ (بخاری و مسلم)

اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بطور تعزیر دس سے زیادہ کوڑے مارنے کی سزا دینا جائز نہیں ہے لیکن علماء نے لکھا

ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔

اس بارے میں فقہاء کے اختلافی اقوال ہیں کہ بطور تعزیر زیادہ سے زیادہ کتنے کوڑے مارنے کی سزا دی جاسکتی ہے؟ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد کا قول یہ ہے کہ انتالیس سے زیادہ نہ ہو، جب کہ حضرت امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پچھتر کوڑے ہو سکتے ہیں، ابہت کم سے کم تعداد کے بارے میں تین کوڑے پر سب کا اتفاق ہے، اسی طرح اس مسئلہ پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ تعزیر میں جو کوڑے مارے جائیں ان کی تعداد حد میں مارے جانے والی تعداد تک نہ پہنچے لیکن سختی و شدت میں اس سے بھی بڑھ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

علامہ عواذ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اگر تعزیر ضرب سے ہو تو کم از کم تین کوڑے اور زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے لگائے جائیں، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں یعنی قاضی کی رائے میں اگر دس کوڑوں کی ضرورت معلوم ہو تو دس، بیس کی ہو تو بیس، تیس کی ہو تو تیس لگائے یعنی جتنے کی ضرورت محسوس کرنا ہو اس سے کمی نہ کرے۔ ہاں اگر چالیس یا زیادہ کی ضرورت معلوم ہوتی ہے تو انتالیس سے زیادہ نہ مارے باقی کے بدلے دوسری سزا کرے مثلاً قید کر دے۔ کم از کم تین کوڑے یہ بعض متون کا قول ہے اور امام ابن ہمام وغیرہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک کوڑا مارنے سے کام چلے تو تین کی کچھ حاجت نہیں اور یہی قرین قیس بھی ہے۔ اگر چند کوڑے مارے جائیں تو بدن پر ایک ہی جگہ ماریں اور بہت سے مارنے ہوں تو متفرق جگہ مارے جائیں کہ عضو بے کار نہ ہو جائے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

تعزیر میں قید کرنے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ رَأَى الْإِمَامُ أَنْ يَصُمَّ إِلَى الضَّرْبِ فِي التَّعْزِيرِ الْحَبْسَ فَعَلَّ) لِأَنَّهُ صَلَحَ تَعْزِيرًا وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ فِي الْجُمْلَةِ حَتَّى جَازَ أَنْ يَكْتَفَى بِهِ فَبَازَ أَنْ يَصُمَّ إِلَيْهِ، وَلِهَذَا لَمْ يُشْرَعْ فِي التَّعْزِيرِ بِالتَّهْمَةِ قَبْلُ ثَبُوتِهِ كَمَا شَرِعَ فِي الْحَدِّ لِأَنَّهُ مِنَ التَّعْزِيرِ

ترجمہ

فرمایا: اور جب امام مناسبت سمجھے تو وہ تعزیر میں مارنے کے ساتھ قید کو بھی شامل کرے۔ اور اس کیلئے اس طرح کرنا صحیح ہے کیونکہ قید تعزیر بننے کے قابل ہے۔ اور شریعت نے بھی اسکو بیان کیا ہے حتیٰ کہ صرف قید پر اگر اکتفاء کیا جائے تب بھی جائز ہے۔ پس اس کو مارنے کے ساتھ مارنا بھی جائز ہوگا۔ اسی دلیل کے سبب تعزیر بہتہ میں اس کے ثبوت سے پہلے قید کرنا مشروع نہیں ہے جس طرح حد میں مشروع ہے کیونکہ قید تعزیر میں سے ہے۔

شرح

علامہ عثمان بن علی زلیعی حنفی لکھتے ہیں کہ تعزیر کی بعض صورتیں یہ ہیں۔ قید کرنا، کوڑے مارنا، گوشمالی کرنا، ڈانٹنا، ترش روئی سے

اس کی طرف غصہ کی نظر کرنا۔ (تبيين الحقائق، کتاب الحدود)

تعزیری سزا قریبی حد کی سزا سے کم ہوگی

تعزیری سزا قریبی حد کی سزا سے کم ہوگی۔ (الفروق)

وہ سزائیں جو مخصوص جرائم پر اللہ کی طرف سے لازم ہوئی ہیں وہ تو حدود اللہ ہیں اور اگر ایسا جرم جو قابل حد نہ ہو یا اس جرم کے بارے میں کسی شرعی سزا کا نصاب متعین نہ ہو تو ایسی سزا کو تعزیر کہتے ہیں یعنی جس طرح دس درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا لیکن اگر چوری شدہ چیز اس سے کم قیمت کی ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ حد جاری نہیں ہوتی تو اس چور کیلئے جو سزا ہوتی ہے سے تعزیر کہیں گے، اور اس تعزیری سزا کے بارے میں یہ قانون ہے کہ وہ حد کی سزا سے کم ہو کیونکہ اگر وہ قابل حد یا حد کے برابر والا گناہ ہوتا تو ضرور اس کے بارے میں کوئی حد یا حد جیسا حکم نازل ہوتا۔ اور جب شارع علیہ السلام کی طرف سے ایسے جرم پر حد نہیں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ جرم حد کے جرم سے کم سزا والا ہے اور اسکی نوعیت کم درجہ کے گناہ کی سی ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد کے سوا کسی کو دس کوڑے سے زیادہ سزا نہ دی جائے۔ (بخاری ج ۳ ص ۱۰۱۲ مطبوعہ وزارت تعلیم اسلام آباد)

تعزیری جرائم اور انکی سزائیں:

۱۔ اگر کسی شخص کو غیر محرم کے ساتھ جماع کے سوا باقی تمام حرام کاموں کے ساتھ پکڑا جائے تو انہیں تعزیری طور چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ کیونکہ حد نہ تو جاری نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کا ارتکاب نہیں کیا گیا اور تعزیری سزا حد کی سزا سے کم ہوگی۔

شراب پیچنے والے پر تعزیر:

اگر کسی گھر میں شراب ہو اور وہ شخص فاسق ہو یا کچھ لوگ شراب کی مجلس لگائے بیٹھے ہیں تو ان پر تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ شہادت سے حد ساقط ہو جاتی ہے جبکہ تعزیر ساقط نہیں ہوتی۔ (الموطا ج ۲ ص ۳۵، حدیث)

تعزیری قتل کی اباحت:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے محرم سے جماع کیا اس کو قتل کر دو۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۷۷ افاروقی ملتان)

انتباہ:

اگر تعزیری جرم بڑی نوعیت کا ہو اور قرآن و سنت سے قتل جیسی سزا یا اس کے برابر کی سزا کی کوئی نص مل جائے تو اس کو بیان کردہ

نص کے مطابق سزا دی جائے گی۔

اسلمہ تان لینے پر تعزیر:

اگر کسی شخص نے کسی مسلمان پر تلوار یا چھری تان لی یا چاقو نکالے یا لاٹھی مارے تو خواہ اس نے وار نہ کیا ہو اس پر تعزیر واجب ہے کیونکہ اس نے مسلمان کو ذرا بے اور اس کے قتل کرنے کا قصد کیا ہے جو ناجائز ہے۔

دفاعی قتل کی اباحت:

اگر ذکور استہ میں کسی قوم پر ڈاکہ ڈالیں تو ان کیلئے اپنی جانوں اور اپنے اموال کے دفاع میں ان سے قتل کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتا ہو قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔ اگر ڈاکو مسدوس سے مدد طلب کریں تو مسلمانوں سے بڑے نہیں کہ وہ ان ڈاکوؤں کی مدد کریں بلکہ ان پر ڈاکوؤں سے قتال لازم ہے۔ کیونکہ برائی کو روکنا فرض ہے اللہ تعالیٰ نے اس امت کی اسی بناء پر تعریف فرمائی ہے (اسو طر ج ۳۳ ص ۳۷، بیروت)

مشترکہ باندی سے جماع پر تعزیر:

حضرت سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص مشترکہ باندی سے جماع کرے اسکو حد سے ایک کوڑا کم کی تعزیر لگائی جائے (شرح کبیر ج ۱ ص ۳۳۷، دار الفکر بیروت)

جدید تہذیب اور تعزیرات:

دور حاضر میں بہت سے جرائم ایسے ہیں جو حرام کا سبب بنتے ہیں اور کئی فسادات اس سے پھیلتے ہیں جس میں نوجوان طلباء اور طالبات کے تفریحی دورے اور سیرگاہوں اور پارکوں کی طرف سیر پانے ہیں کیونکہ اسی وجہ سے لڑکیوں کے اغواء اور قتل و غارت کے کئی بڑے جرائم جنم لیتے ہیں لہذا اس پر تعزیری سزا ہونی چاہیے تاکہ ان بڑے جرائم کا سد باب کیا جاسکے۔

اختیار:

تعزیر امام وقت کے اجتہاد پر موقوف ہوتی ہے اور وہ قاضی یا جو کسی ریاست و حکومت کی طرف سے ذمہ دار ہوں ان کی طرف سے اجتہادی قوت علمی کے ساتھ اس کا تعین کیا جائے گا نہ کہ جہل اور گمراہ کن لوگ یا تعصب کرنے والے لوگوں کو اس کا اختیار دیا جائے گا۔

تعزیر میں سخت سزا دینے کا بیان

قَالَ (وَأَشَدُّ الصَّرَبِ التَّعْزِيرُ) لِأَنَّهُ جَرَى التَّخْفِيفُ فِيهِ مِنْ حَيْثُ الْعَدَدُ فَلَا يُخَفَّفُ مِنْ حَيْثُ الْوَصْفُ كَمَا لَا يُؤَدَّى إِلَى قَوَاتِ الْمَقْصُودِ، وَلِهَذَا لَمْ يُخَفَّفْ مِنْ حَيْثُ التَّفْرِيقُ

عَنِ الْأَعْصَاءِ قَالَ (ثُمَّ حَدَّ الزَّانَا) لِأَنَّهُ ثَابِتٌ بِالْكِتَابِ، وَحَدَّ الشُّرْبِ ثَبَتَ بِقَوْلِ لَصَّحَابَةِ، وَلِأَنَّهُ أَعْظَمُ جَنَاحَةٍ حَتَّى شَرَعَ فِيهِ الرَّجْمُ (ثُمَّ حَدَّ الشُّرْبِ) لِأَنَّ سَبَبَهُ مُتَيَقِّنٌ بِهِ (ثُمَّ حَدَّ الْقَذْفِ) لِأَنَّ سَبَبَهُ مُحْتَمِلٌ لِاحْتِمَالِ كَوْنِهِ صَادِقًا وَلِأَنَّهُ جَرَى فِيهِ التَّعْلِيقُ مِنْ حَيْثُ رَدُّ الشَّهَادَةِ فَلَا يُغْلَظُ مِنْ حَيْثُ الْوَصْفُ.

ترجمہ

فرمایا تعزیر میں سخت ضرب کے ساتھ تعزیر ہوگی کیونکہ اس میں حد کے اعتبار سے سہولت دی گئی ہے پس وصف کے اعتبار سے سہولت نہیں دی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ آسانی مقصود کے فوت ہونے کا سبب نہ بنے۔ اور اسی دلیل کے سبب مختلف اعضاء سے بھی آسانی نہیں دی گئی۔ فرمایا: زنا حد ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآن مجید سے ہے اور شراب کی حد کا ثبوت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے ثابت ہے کیونکہ زنا بوجہ جرم ہے یہاں تک کہ اس میں رجحان شروع کیا گیا ہے اور اس کے شراب کی حد کا بیان ہے کیونکہ اس کا سبب یقینی ہے اس کے بعد حد قذف کا بیان ہے کیونکہ قاذف کے سچا ہونے کا احتمال سے سبب محتمل ہو جائے گا کیونکہ گواہی کو رد کرنے میں زیادہ سختی بیان کی گئی ہے۔ پس وصف کے اعتبار سے اس میں سختی نہ کی جائے گی۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ اگر جرم ایسا ہے جس میں حد واجب ہوتی مگر کسی وجہ سے ساقط ہوگئی تو سخت درجہ کی تعزیر ہوگی، مثلاً دوسرے کی لونڈی کو زانیہ کہا تو یہ صورت حد قذف کی تھی مگر چونکہ محض نہیں ہے لہذا سخت قسم کی تعزیر ہوگی اور اگر اس میں حد واجب نہیں مثلاً کسی کو غیبت کہا تو اس میں تعزیر کی مقدار رائے قاضی پر ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب دو شخصوں نے باہم مار پیٹ کی تو دونوں مستحق تعزیر ہیں اور پہلے اسے سزا دیں گے جس نے ابتدا کی۔ چوپید کے ساتھ برا کام کیا یا کسی مسلمان کو تھپڑ مارا یا بازار میں اس کے سر سے پگڑی اتار لی تو مستحق تعزیر ہے۔ تعزیر کے ڈر سے سختی سے مارے جائیں اور زنا کی حد میں اس سے نرم اور شراب کی حد میں اور نرم اور حد قذف میں سب سے نرم۔ جو شخص مسلمان کو کسی فعل یا قول سے ایذا پہنچائے اگرچہ آنکھ یا ہاتھ کے اشارے سے وہ مستحق تعزیر ہے۔

(در مختار، کتاب الحدود)

حد لگائے شخص کے فوت ہونے کا بیان

(وَمَنْ حَدَّهَ الْإِمَامُ أَوْ عَزَّرَهُ فَمَاتَ فَلَهُمْ هَدَرٌ) لِأَنَّهُ فَعَلَ مَا فَعَلَ بِأَمْرِ الشَّرْعِ، وَفَعَلَ الْمَأْمُورَ لَا يَتَّقِي بِشَرِّ السَّلَامَةِ كَالْفَصَادِ وَالْبَزَاغِ، بِخِلَافِ الزَّوْجِ إِذَا عَزَّرَ زَوْجَتَهُ لِأَنَّهُ مُطْلَقٌ فِيهِ، وَالْإِطْلَاقَاتُ تَتَّقِي بِشَرِّ السَّلَامَةِ كَالْمُرُورِ فِي الطَّرِيقِ.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: تَجِبُ الذِّيَّةُ فِي بَيِّتِ الْمَالِ لِأَنَّ الْإِتْلَافَ خَطَأٌ فِيهِ، إِذَا التَّعْزِيرُ لِلتَّادِيبِ غَيْرَ أَنَّهُ تَجِبُ الذِّيَّةُ فِي بَيِّتِ الْمَالِ لِأَنَّ نَفْعَ عَمَلِهِ يَرْجِعُ عَلَى عَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ لِيَكُونَ الْغُرْمُ فِي مَالِهِمْ.

قُلْنَا لَمَّا اسْتَوْفَى حَقَّ اللَّهِ تَعَالَى بِأَمْرِهِ صَارَ كَأَنَّ اللَّهَ أَمَاتَهُ مِنْ غَيْرِ وَاسْطِيكَةَ فَلَا يَجِبُ الضَّمَانُ.

ترجمہ

اور جس بندے پر حد جاری کی گئی اور وہ فوت ہو گیا تو اس کا خون معاف ہوگا کیونکہ امام نے جو کچھ کیا ہے وہ شریعت کے حکم کے مطابق کیا ہے۔ اور امور کا عمل سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا۔ (قاعدہ فقہیہ) جس طرح بچھن لگوانا یا شتر لگانے وار ہے بہ خلاف شوہر کے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو مزادی کیونکہ اس کیلئے تعزیر کی اجازت ہے البتہ اس طرح اجازت میں سلامتی کی شرط مقید ہے۔ جس طرح راستے سے گزرتا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ محدود کی دیت بیت المال پر واجب ہے کیونکہ تعزیر میں ہدک کرنا یہ قتل خطا ہے کیونکہ تعزیر ادب سکھانے کیلئے مشروع ہے لہذا اس کی دیت بیت المال پر واجب ہوگی اس لئے امام کے کام کا نفع عام مسلمانوں کیلئے ہوتا ہے پس اس کا تاوان بھی انہی لوگوں کے مال سے واجب ہوگا۔ ہم نے اس کے جواب میں کہا کہ جب امام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا حق وصول کیا ہے ہذا یہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بلا واسطہ موت دی ہے لہذا امام پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔

شرح

امور کا عمل سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید نہیں ہوا کرتا ہے۔ (قاعدہ فقہیہ)

اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ جب کوئی شخص حد لگنے کے سبب مارا جائے تو اس کا خون معاف ہے اور اس کے خون معاف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی یہ موت کسی بھی فاعل عامہ بہ قتل کے سبب نہیں ہوئی بلکہ مور کے فعل مقتضی کے سبب ہوئی ہے اس لئے وہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔ اور اس کے سوا کوئی اس کا سبب حکم قصاص و دیت نہیں ہے۔

کِتَابُ السَّرِقَةِ

﴿یہ کتاب حد سرقہ کے بیان میں ہے﴾

کتاب حد سرقہ کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ چوری کی لغت میں تعریف یہ ہے کہ غیر کی چیز کو خفیہ اور پوشیدہ طریقے سے پکڑ لینا ہے۔ اور اسی سے ہے کہ چوری چھپے کن لے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان "إِلَّا مَنْ اسْتَرْقَى السَّمْعَ" اور شریعت نے اس میں جو زائد اوصاف بیان کیے ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ (عنہ شرح الہدایہ، ج ۷، ص ۳۷۰، بیروت)

سرقہ کے معنی کا فقہی مفہوم

سرقہ سین کے زیر اور اور را کے زیر کے ساتھ چوری کے معنی میں ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی مکلف کسی کے ایسے محرم مال میں سے کچھ یا سب خفیہ طور پر لے لے جس میں نہ تو اس کی ملکیت ہو اور نہ شبہ ملکیت ہو۔ علامہ طبری شافعی نے کہا ہے کہ قطع السرقہ میں اضافت بخذف مضاف مفعول کی طرف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے یہ عنوان یوں ہے باب قطع الال السرقہ ہے۔

اسلامی شریعت میں کسی کا قیمتی مال حرز سے نکال کر لے جانا بغیر کسی حق ملکیت یا اسکے شبہ کے سرقہ کہلاتا ہے اور سرقہ کرنے والے کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے۔ چوری کے مال کی کم سے کم مالیت نصاب کہلاتی ہے، چنانچہ نصاب کے بقدر یا اس سے زائد مال کی چوری ہوگی تو حد سرقہ کی پہلی شرط پوری ہو جائے گی۔ چوری کے مال کا قیمتی ہونا ضروری ہے مختلف فقہاء کے ہاں اس کی مختلف قیمتیں متعین کی گئیں ہیں تاہم کم از کم دس درہم پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے ایک قول مروی ہے کہ اگر چوری چوتھائی دینار کے برابر ہو تو اس پر حد جاری ہوگی، دوسری روایت میں پانچ درہم کی قیمت بھی بیان کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر کے زمانے میں ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹا جاتا تھا، پوچھا کہ ڈھال کی کیا قیمت ہوا کرتی تھی تو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ پانچ درہم۔ ایک اور روایت ہے کہ ایک چور نے کپڑا چرایا تو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس پر اعتراض کیا گیا کہ اس کپڑے کی مالیت دس درہم سے کم ہے چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ اس کپڑے کی مالیت کا اندازہ لگائیں جو آٹھ درہم بتایا گیا، اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہاتھ کاٹنے کا حکم واپس لے لیا۔ اسلامی شریعت کا ایک صدقہ اصول ہے کہ بعد والا حکم ناخ ہوتا ہے اور پہلے والے فیصلے کو منسوخ کر دیتا ہے چنانچہ نصاب کے بارے میں اگرچہ بہت سے اقوال ہیں لیکن دس درہم پر اکثریت کا اتفاق ہے کیونکہ خلافت راشدہ کے آخری زمانے میں اسی پر

تعل رہا۔ دس درہم کی فی زمانہ جو قیمت ہوگی وہ وقت کے لحاظ سے اس زمانے میں چوری کا نصب ہوا کرے گی۔

حدیث کے مطابق چور کیلئے سخت وعید کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس وقت زانی زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایمان نہیں رہتا اسی طرح سے جو چوری کا ارتکاب کرتا ہے تو ایمان اس کے ساتھ نہیں رہتا اور جس وقت (شرابی) شراب پیتا ہے تو اس وقت ایمان نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی شخص لوٹ مار کرتا ہے کہ جس کی جانب لوگ دیکھیں تو وہ ایمان دار نہیں رہتا۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1174 حدیث متواتر، حدیث مرفوع)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا خداوند قدوس چور پر لعنت بھیجے وہ اندے کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے وہ دس کی چوری کرتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے (یعنی معمولی سے مال کے واسطے ہاتھ کاٹ جانا قبول اور منظور کرتا ہے جو کہ خلاف عقل ہے)۔ (سنن نسائی: جلد سوم: حدیث نمبر 1177)

سرقہ کی لغوی تشریح کا بیان

کِتَابُ السَّرِقَةِ السَّرِقَةُ فِي اللُّغَةِ اخْذُ الشَّيْءِ مِنَ الْغَيْرِ عَلَى سَبِيلِ الْخَفْيَةِ وَالْإِسْتِسْرَارِ ، وَمِنْهُ اسْتِرَاقُ السَّمْعِ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (اَلَا مَنْ اسْتَرْقَ السَّمْعَ) وَقَدْ زِيدَتْ عَلَيْهِ اَوْصَافٌ فِي الشَّرِيعَةِ عَلَى مَا يَأْتِيكَ بَيَانُهُ اِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى . وَالْمَعْنَى اللَّغَوِيُّ مُرَاعَى فِيهَا اِبْتِدَاءً وَانْتِهَاءً اَوْ اِبْتِدَاءً لَا غَيْرَ ، كَمَا اِذَا نَقَبَ الْجِدَارَ عَلَى الْاِسْتِسْرَارِ وَاَخَذَ الْمَالَ مِنَ الْمَالِكِ مُكَابَرَةً عَلَى الْجِهَارِ . وَفِي الْكُبْرَى : اَغْنَى قَطْعُ الطَّرِيقِ مُسَارَقَةً عَيْنِ الْإِمَامِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَصَدَّى لِحِفْظِ الطَّرِيقِ بِأَعْوَانِهِ . وَفِي الصُّغَوَى : مُسَارَقَةُ عَيْنِ الْمَالِكِ أَوْ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ .

ترجمہ

یہ کتاب سرقہ ہے اور سرقہ کا لغوی معنی یہ ہے کہ چوری چھپے کسی دوسرے کی چیز کو اٹھا لینا ہے۔ اور اسی سے استراق سمع ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا سوائے اس شیطان کے جو چوری چھپے سن لے اور سرقہ کے لغوی معنی میں شرعی طور پر کچھ اوصاف کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عن قریب ان کو بیان کریں گے۔ اور شرعی معنی میں ابتدائی طور پر اور انتہائی طور پر دونوں طرح سے لغوی معنی کا اعتبار کیا گیا ہے یہ صرف انتہائی طور پر لغوی معنی کی رعایت کی گئی ہے۔ جس طرح کسی نے چوری چھپے دیوار میں نقب لگایا اور مالک سے لڑائی کرتے ہوئے سرعام مال لے لیا۔ جبکہ بڑی چوری یعنی ذمیتی میں نگران (حکمران) کی آنکھ سے چوری کرتا ہے کیونکہ

حکمران ہی سپاہیوں کے ساتھ راستوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جبکہ چھوٹی چوری میں مالک یا اس کے نائب کی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے مال کو چھینا ہے۔

شرح

اَلَا مَنْ اسْتَرْقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُبِينٌ (الحجر، 18)

فرشتوں کی باتوں کو چوری چوری سننے کے لئے جنت اوپر کی طرف چڑھتے ہیں اور اس طرح ایک پر ایک ہوتا ہے۔ راوی حدیث حضرت صفوان نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس طرح بتایا کہ داہنے ہاتھ کی انگلیں کشادہ کر کے ایک کو ایک پر رکھ لی۔ شعلہ اس سننے والے کا کام بھی تو اس سے پہلے ہی ختم کر دیتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے کان میں کہہ دے۔ اسی وقت وہ جل جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ اس سے اور وہ اپنے سے نیچے والے کو اور اسی طرح مسلسل پہنچا دے اور وہ بات زمین تک آ جائے اور جاوگیا کا بن کے کان اس سے آشنا ہو جائیں پھر تو وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا کر لوگوں میں پھیلا دیتا ہے۔ جب اس کی وہ ایک بات جو آسمان سے اسے اللہ تعالیٰ کی تمہی صحیح نکتی ہے تو لوگوں میں اس کی دانشمندی کے چرچے ہونے لگتے ہیں کہ انجیو فلاں نے فد دن یہ ہاتھ بالکل سچ نکلا۔

شہاب مبین کے لغوی معنی شعلہ روشن کے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اس کے لیے شہاب ثاقب کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تاریکی کو چھیدنے والا شعلہ۔ اس سے مراد ضروری نہیں کہ وہ ٹوٹنے والا تاریا ہی ہو جسے ہماری زبان میں اصطلاحاً شہاب ثاقب کہا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اور کسی قسم کی شعاعیں ہوں، مثلاً کائناتی شعاعیں) یا ان سے بھی شدید کوئی اور قسم جو ابھی ہمارے علم میں نہ آئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہی شہاب ثاقب مراد ہوں جنہیں کبھی کبھی ہماری آنکھیں زمین کی طرف گرتے ہوئے دیکھتی ہیں۔ زمانہ حال کے مشاہدات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دور زمین سے دکھائی دینے والے شہاب ثاقب جو فضا کے بیٹے سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد کا اسطرح کہرب روزانہ ہے، جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتی ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ ان کی رفتار بالائی فضا میں کم و بیش ۲۶ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے اور بسا اوقات ۰ میل فی سیکنڈ تک دیکھی گئی ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹنے والے تاروں کی غیر معمولی بارش دیکھی ہے۔ چنانچہ یہ چیز ریکارڈ پر موجود ہے کہ ۱۳ نومبر ۱۸۳۳ء کو شمالی امریکہ کے مشرقی علاقے میں صرف ایک مقام پر نصب شب سے لے کر صبح تک لکھ شہاب ثاقب گرتے ہوئے دیکھے گئے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۹۴۶ء-جلد ۱۵-ص ۳۳۸)۔ ہو سکتا ہے کہ یہی بارش عالم بالا کی طرف شیطین کی پرواز میں مانع ہوتی ہو، کیونکہ زمین کے بالائی حدود سے گزر کر فضا کے بیٹے میں ۱۰ اکھرب روزانہ کے اسطے سے ٹوٹنے والے تاروں کی برسات ان کے لیے اس فضا کو بالکل ناقابل عبور بنا دیتی ہوگی۔

اس سے کچھ ان محفوظ قلعوں کی نوعیت کا اندازہ بھی ہو سکتا ہے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ بظاہر فضا بالکل صاف شفاف ہے جس میں کہیں کوئی دیوار یا چھت بنی نظر نہیں آتی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی فضا میں مختلف خطوں کو کچھ ایسی غیر مرئی فیصلوں سے گھیر رکھا ہے

جو ایک خطے کو دوسرے خطوں کی آفات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ یہ انہی فیصلوں کی برکت ہے کہ جو شاہ باقربان دس کھرب رازانہ کے اسطے سے زمین کی طرف گرتے ہیں وہ سب جل کر بھسم ہو جاتے اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ دنیا میں شاہابی پتھروں (Meteorites) کے جو ٹوٹے پائے جاتے ہیں وہ دنیا کے عجیب خانوں میں موجود ہیں ان میں سب سے بڑا ۱۳۵۱ پونڈ کا ایک پتھر ہے جو گر کر انیس زمین میں گھس گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک مقدم پر ۳۶-۲۸ ٹن کا ایک آہنی تودہ بھی پایا گیا ہے جس کے وہاں موجود ہونے کی کوئی توجیہ سائنس دان اس کے سوا نہیں کر سکے ہیں کہ یہ بھی آسمان سے گرا ہوا ہے۔ قیس کیجیے کہ اگر زمین کی بارانی سرحدوں کی مضبوط حصاروں سے محفوظ نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان ٹوٹے والے تاروں کی بارش زمین کا کیا حال کر دیتی۔ یہی حصار ہیں جن کو قرآن مجید نہر دج (محفوظ قلعوں) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

چوری کے جرم پر بیان کردہ شرعی حد کا بیان

قَالَ (وَإِذَا سَرَقَ الْعَاقِلُ الْتَالِغُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيمَتُهُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ مَضْرُوبَةً مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ وَحَتَّ الْقَطْعُ) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى (وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا) الْآيَةُ وَلَا بُدَّ مِنْ اخْتِبَارِ الْعَقْلِ وَالْبُلُوغِ لِأَنَّ الْجِنَايَةَ لَا تَتَحَقَّقُ دُونَهُمَا وَالْقَطْعُ جَزَاءُ الْجِنَايَةِ، وَلَا بُدَّ مِنَ التَّقْدِيرِ بِالْمَالِ الْحَاطِرِ لِأَنَّ الرِّغَابَ تَفْتَرِي الْحَقِيرَ، وَكَذَا أَخْذُهُ لَا يَحْفَى فَلَا يَتَحَقَّقُ رُكُّهُ وَلَا حِكْمَةُ الزَّخْرِ لِأَنَّهَا فِيمَا يَغْلِبُ، وَالتَّقْدِيرُ بِعَشْرَةِ دَرَاهِمَ مَذْهَبُنَا. وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ التَّقْدِيرُ بِرُبْعِ دِينَارٍ. وَعِنْدَ مَالِكٍ رَحْمَةُ اللَّهِ تَعَالَى عَلَيْهِ بِثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ.

لَهُمَا أَنَّ الْقَطْعَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ إِلَّا فِي ثَمَنِ الْمَجْرُ، وَأَقْلَ مَا نَقِلَ فِي تَقْدِيرِهِ ثَلَاثَةُ دَرَاهِمَ، وَالْأَخْذُ بِالْأَقْلِ الْمُتَيَقِّنِ بِهِ أَوَّلَى، غَيْرَ أَنَّ الشَّافِعِيَّ رَحِمَهُ اللَّهُ يَقُولُ: (كَانَتْ قِيمَةُ الدِّينَارِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اثْنَيْ عَشَرَ دِرْهَمًا) وَالثَّلَاثَةُ رُبْعُهَا. وَلَنَا أَنَّ الْأَخْذَ بِالْأَكْثَرِ فِي هَذَا الْبَابِ أَوَّلَى اخْتِيَالًا لِدَرْءِ الْحَدِّ.

وَهَذَا لِأَنَّ فِي الْأَقْلِ شُبْهَةَ عَدَمِ الْجِنَايَةِ وَهِيَ دَارِئَةُ لِلْحَدِّ، وَقَدْ تَأَيَّدَ ذَلِكَ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (لَا قَطْعَ إِلَّا فِي دِينَارٍ، أَوْ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ) وَاسْمُ الدَّرَاهِمِ يَنْطَلِقُ عَلَى الْمَضْرُوبَةِ عُرْفًا فَهَذَا بَيِّنٌ لَكَ اشْتِرَاطُ الْمَضْرُوبِ كَمَا قَالَ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ ظَاهِرُ

الرَّوَايَةِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ رِعَايَةً لِكَمَالِ الْجِنَايَةِ، حَتَّى لَوْ سَرَقَ عَشْرَةَ تَبْرًا قِيمَتُهَا أَنْقَضُ مِنْ عَشْرَةِ مَضْرُوبَةٍ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ، وَالْمُعْتَبَرُ وَزْنُ سَبْعَةِ مَفَاقِيلَ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُتَعَارَفُ فِي عَامَّةِ الْبِلَادِ. وَقَوْلُهُ أَوْ مَا يَبْلُغُ قِيمَتُهُ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ إشارَةً إِلَى أَنَّ غَيْرَ الدَّرَاهِمِ تُعْتَبَرُ قِيمَتُهُ بِهَا وَإِنْ كَانَ ذَهَبًا، وَلَا بُدَّ مِنْ حِرْزٍ لَا شُبْهَةَ فِيهِ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ دَارِئَةُ، وَسَبِيْنُهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

ترجمہ

فرمایا اور جب کسی قاتل و بالغ شخص نے دس دراہم کی چوری کر لی یا کوئی اس طرح چیز چوری کر لی جس کی قیمت ڈھلے ہوئے دس دراہم کے برابر ہو اور محفوظ جگہ سے چوری کی ہو جس میں کوئی شبہ نہ ہو تو چور پر قطع یہ واجب ہوگا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا" اور عقل و بلوغت کا اعتبار اس سے بھی ضروری ہے کہ ان کے بغیر جنایت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قطع جنایت کی سزا ہے۔ اور کثیر مال کا تقرر ضروری ہے کیونکہ قلیل مال میں رغبت کم ہوتی ہے۔ ہاں کم مال کوئی پوشیدہ طریقے سے نہیں لیتا پس اس سے چوری کا رکن ثابت نہ ہوگا۔ اور سزا کی حکمت بھی حاصل نہ ہوگی کیونکہ سزا کی حکمت اس مال میں ثابت ہوتی ہے جس کا وقوع کثیر ہو۔ اور وہ دس دراہم مقرر کرنا ہمارا مذہب ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ نصاب چار دینار ہے۔ جبکہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا نصاب تین دراہم ہے۔

حضرت امام شافعی اور امام مالک علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ڈھال کی قیمت چار ہاتھ کا تھا اور ڈھال کی قیمت کم از کم تین دراہم کا اندازہ ہے۔ اور کم پر عمل کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اقل میں یقین ہوتا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک دینار کی قیمت بارہ دراہم تھی اور تین دراہم اس کا چوتھائی ہے۔

ہماری (احناف) کی دلیل یہ ہے کہ حد کو دور کرنے کیلئے وسیعہ بناتے ہوئے اس باب میں اکثر کو اختیار کرنا افضل ہے۔ کیونکہ قلیل میں عدم جنایت کا شبہ ہے اور شبہ حد کو ختم کرنے وال ہے۔ اور اس کی تائید نبی کریم ﷺ کے فرمان مبارک سے ہوتی ہے۔ ایک دینار یا دس دراہم میں ہاتھ کا تھا یا ڈھال کا تھا۔ اور دراہم کا لفظ عرف عام میں ڈھلے ہوئے سکے کو کہتے ہیں۔ اور یہی عرف دراہم کے مضروب کی شرط کی وضاحت کرتا ہے۔ جس طرح قدوری کے اندر امام قدوری علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔ اور ظاہر الروایت بھی یہی ہے اور سب سے زیادہ صحیح بھی یہی ہے۔ تاکہ جنایت کی رعایت کو مکمل کیا جاسکے۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے چاندی کے دس ٹکڑے چوری کیے جن کی قیمت دس ڈھلے ہوئے سکوں سے تھوڑی ہو تو قطع واجب نہ ہوگا اور دراہم میں سات مثقال والے کے

وزن کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ کثیر شہروں میں یہی مشہور ہے۔ اور ماتن کا کہنا کہ "أَوْ مَا يَسْلُغُ قِيَمَتُهُ عَشْرَةَ ذَرَاهِمَ" میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ غیر درہم کا اعتبار درہم کی قیمت کے ساتھ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ سونا نہ ہی ہوں۔ اور چوری کرنا ایسے محفوظ مقام سے ہو جس میں شبہ نہ ہو۔ کیونکہ شبہ حد کو ختم کرنے والا ہے۔ جس کو ہم بعد میں ان شاء اللہ بیان کریں گے۔

حدود کا شبہ سے ساقط ہو جانے کا بیان

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو دور کرو۔ اگر اس کے لیے کوئی راستہ ہو تو اس کا راستہ چھوڑ دو! ہم کا غلطی سے معاف کر دینا غلطی سے سزا دینے سے بہتر ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1461)

عبداللہ بن حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے اور وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم پلے میں حدود کو معاف کر دیا کرو پس جو حد مجھ تک پہنچی تو بیشک وہ واجب ہوگئی۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 982)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک حد شرعی مجھ پر لاق ہو چکی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حد کو مجھ پر جاری فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تو سامنے سے آیا تھا تو نے وضو کیا تھا فرمایا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ہمارے ساتھ نماز پڑھی جب ہم نے نماز پڑھی کہا کہ جی ہاں۔ فرمایا کہ جا چلے جاؤ بیشک اللہ نے (وضو اور نماز کے طفیل) تیرے گناہ معاف فرما دیے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 987)

حدود و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں قاعدہ فقہیہ

الحدود تدور بالشبہات (الاشباہ ص ۶۴) حدود و شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس قاعدہ کی وضاحت یہ ہے کہ شک و شبہ سے شرعی حدود اٹھائی جاتی ہیں۔

اس قاعدہ کا ثبوت یہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حدود کو ساقط کرو جب تم ان میں ساقط کرنے کی گنجائش پاؤ۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۸۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

چور کی حد کے لیے شرائط کا بیان

چوری پر سزا کی عقید کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ مال مسروق مال منقول ہو (یعنی چوری کا مال منقول ہونے کے قابل ہو)۔

۲۔ شرعاً مال متقوم ہو (یعنی قیمت رکھنے والا مال ہو)۔ مال محرز ہو (جو مال حفاظت میں ہو)۔

۳۔ بقدر نصاب ہو (یعنی جس مال پر نصاب پورا ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہو)۔ (التشریح الجنانی 543/2) یعنی وہ مال جس کو اٹھانے کی طاقت رکھتے ہوئے قیمتی بھی ہو اور جس کے بچنے پر فائدہ بھی ہو سکے اور چوری کرتے وقت وہ مال کھل ہو، کسی باڑی یا تالا شدہ مکان یا چوکیدارہ میں نہ ہو، ان میں سے اگر ایک شرط نہ پائی گئی تو حد ساقط ہو جائیگی۔

علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں۔

۴۔ حاکم کو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ چوری کا مال ایسا مال قیمت نہ ہو جس میں چور کا بھی حصہ تھا یا مال بیت المال کا نہ ہو۔ اس لیے کہ بیت مال میں سارق کا بھی حصہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مال خمس (زمین سے نکلے ہوئے خزانہ اور مال غنیمت) میں چوری کرنے والے کے لیے ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ نہیں فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا کہ اکسین اس کا بھی حصہ ہے۔ ۵۔ جبر کی صورت میں بھی سارق کا فعل موجب حد نہیں متصور ہوگا۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ 5/155)

داہنے ہاتھ اور دوبارہ چوری پر بائیں پاؤں کاٹنے کا بیان

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (المائدہ، ۳۸)

اور جو مرد یا عورت چور ہو۔ تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کئے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (کنز الایمان)

اور اس کی چوری دوسرے کے اقرار یا دوسروں کی شہادت سے حاکم کے سامنے ثابت ہو اور جو مال چرایا ہے وہ دس درہم سے کم کا نہ ہو۔ (جس طرح حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے)۔ یعنی داہنا اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں "أَيْدِيَهُمَا" آیا ہے۔ پہلی مرتبہ کی چوری میں داہنا ہاتھ کاٹا جائے گا پھر دوبارہ اگر کرے تو بائیں پاؤں، اس کے بعد بھی اگر چوری کرے تو قید کیا جائے یہاں تک کہ توبہ کرے۔ چور کا ہاتھ کاٹنا تو واجب ہے اور مالی مسروق موجود ہو تو اس کا واپس کرنا بھی واجب اور اگر وہ ضائع ہو گیا ہو تو ضمان واجب نہیں۔ (تفسیر احمدی، خزائن العرفان مائدہ، ۳۸)

چوری کی سزا قطعید ہونے کا بیان

حضرت ابن مسعود کی قرأت میں (فأقطعوا أيماهما) ہے لیکن یہ قرأت شاذ ہے گوئل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرأت کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بناء پر ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا اسلام نے اسے تفصیل وار اور منظم کر دیا اسی طرح قسامت دیتے فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے۔ اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ یہ قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دو یک نامی ایک خزانے کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے اس نے کعبے کا

دارقطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ "ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا، جس نے چادر چرائی تھی، آپ نے اس سے فرمایا، میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کاٹ چکا اور آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو، انہوں نے توبہ کی، آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی" (رضی اللہ عنہ)

ابن ماجہ میں ہے کہ "حضرت عمر بن سمرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہوگئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے، غلام قبیہ والوں کا انت میں نے جرایا ہے۔ آپ نے اس قبیہ والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا انت تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے، اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا تو نے میرے سارے جسم کو جنم میں لے جانا چاہا تھا" (رضی اللہ عنہ)

ابن جریر میں ہے کہ "ایک عورت نے کچھ زیور چرائے، ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے پیش کیا، آپ نے اس کا دہنہ ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی۔ اس پر آیت (من تاب) نازل ہوئی۔

مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہے لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ یہ عورت محروم قبیلہ کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑی گھرانے کی عورت تھی، لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں، یہ واقعہ غزوہ فتح میں ہوا تھا، بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے ہیں، وہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں، حضرت اسامہ نے جب اس کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گزارا اور غصے سے فرمایا! اسامہ تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خط ہوئی، میرے لئے آپ استغفار کیجئے۔ شام کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا، پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کیلئے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آٹھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (رضی اللہ عنہا)

"مسلم میں ہے ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی، پھر انکار کر جایا کرتی تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا" اور روایت میں ہے یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت جلال کو ہوا تھا۔ کتب الاحکام میں

میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمہ لہ۔ جمع ملوک کا، ملک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ، سچا حاکم، اللہ ہی ہے۔ جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا، جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، مائدہ ۳۸)

چوری کی سزا اور اس کا نصاب

یہ بات تو عنوان ہی سے معلوم ہوگئی کہ اسلامی قانون چور کی سزا قطعید ہاتھ کاٹ دینا ہے لیکن اس بارے میں فقہاء کا باہم اختلاف ہے کہ کتنی مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے؟ چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ نصاب سرقہ مال کی وہ مقدار جس پر قطعید کی سزا دی جائے گی کم از کم دس درہم تقریباً ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے اس سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی اور حضرت امام شافعی چوتھائی دینار سونا یا تین درہم چاندی اور یا اس قیمت کی کسی بھی چیز کو نصاب سرقہ قرار دیتے ہیں ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں چوتھائی دینار چرانے والے کو قطعید کی سزا دینا مذکور ہے اور اس وقت چوتھائی دینار تین درہم کے برابر تھا اور ایک دینار کی مالیت بارہ درہم کے برابر تھی۔ امام اعظم ابوحنیفہ کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ: حدیث (لا قطع الا فی دینار او عشرة دراهم)

"ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چوری پر قطعید نہیں ہے۔"

نیز ہدایہ کے قول کے مطابق اس بارے میں "اکثر" پر عمل کرنا "اقل" پر عمل کرنے سے بہتر ہے کیونکہ معاملہ ایک انسانی عضو کے کاٹنے کا ہے اور "اقل" میں عدم جنایت کا شبہ ہو سکتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء کے اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ کاٹنے کی سزا ایک ڈھال کی چوری پر دی گئی تھی چنانچہ حضرت امام شافعی کی طرف سے تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ڈھال کی قیمت تین درہم تھی جب کہ حنفیہ کی طرف سے شمنی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کی قیمت دس درہم تھی حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے ابن ابی شیبہ نے یہی نقل کیا ہے نیز کافی میں بھی یہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جس ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی تھی تو اس کی قیمت دس درہم تھی۔

نصاب سرقہ میں امام شافعی کی مستدل حدیث

حضرت عائشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چور کا ہاتھ اسی صورت میں کاٹ جائے جب کہ اس نے چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی مالیت کی چوری کی ہو۔"

(بخاری و مسند مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 744)

یہ حدیث حضرت امام شافعی کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ چوتھائی دینار سے کم مالیت کی چوری پر ہاتھ نہ کاٹا جائے گویا ان

کے نزدیک نصاب سرقہ کی کم سے کم مقدار چوتھائی دینار ہے ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں اس حدیث کے تحت بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس مسئلہ میں علماء کے جو اختلافی اقوال ہیں ان کو نقل کر کے امام ابو حنیفہ کے مسلک کو بڑی مضبوط دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

نصاب سرقہ میں امام مالک کی مستدل حدیث

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے پر جس کی قیمت تین درہم تھی، چور کا دانا ہاتھ کٹوا دیا تھا۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 745)

علامہ غنی کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس روایت کے معارض ہے جو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن العاص سے نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی حضرت ابن عباس اور عمرو ابن شعیب سے بھی اسی طرح منقول ہے نیز شیخ ابن ہمام نے بھی ابن عمر اور ابن عباس سے یہی بات نقل کی ہے کہ اس ڈھال کی قیمت دس درہم تھی اور یعنی نے ہدایہ کے حاشیہ میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ابو حنیفہ کا یہ مسلک ہے کہ قطع یہ ہاتھ کاٹنے کی سزا اسی چور پر نافذ ہوگی جس نے کم سے کم دس درہم کے بقدر، کی چوری کی ہو اس سے کم مالیت کی چوری پر یہ سزا نہیں دی جائے گی جہاں تک ابن عمر کی روایت کا تعلق ہے جس سے اس ڈھال کی قیمت تین درہم متعین کی جا سکتی ہے حاکم حقیقت میں وہ ڈھال دس درہم کی مالیت کی تھی جیسا کہ اکثر روایتوں سے ثابت ہوا اس موقع پر شیخ عبدالحق اور ملا علی قاری نے اپنی اپنی شرح میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم ان کی کتابوں سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

نصاب سرقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی مستدل حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کا ہاتھ کاٹا ڈھال کی چوری کرنے کی وجہ سے جس کی قیمت ایک دینار یا دس درہم تھی (یہ حدیث دلیل ہے حضرت امام ابو حنیفہ کی امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو محمد بن سلمہ اور سعدان بن یحییٰ نے ابن اسحاق سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے)۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 993 حدیث مرفوعہ)

نصاب سرقہ میں احناف کے موقف کی ترجیح کا بیان

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جھڈ یا ترس ڈھال کی قیمت سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا گیا اور یہ دونوں (ڈھالیں) قیمت والی ہیں۔ (صحیح مسلم: جلد دوم: حدیث نمبر ۱۱۱۹)

صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے کہ ڈھال کی قیمت سے کم چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔ لہذا چوری کا نصاب کم از کم ڈھال ٹھہرا کیونکہ اس سے کم نصاب میں عدم حد کے سبب شبہ پیدا ہو گیا ہے اور قانون یہ ہے کہ شبہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ لہذا احناف کے موقف کے مطابق نصاب سرقہ کم از کم دس درہم ہے۔

نصاب سرقہ میں بعض احادیث و آثار کا بیان

یہ حکم، جیسا کہ واضح ہے، ایک اصولی نوعیت کا حکم ہے اور قرآن نے اپنے اسلوب کے مطابق اس کی اطلاقی تفصیلات مثلاً یہ کہ چور کے دونوں ہاتھ کاٹنے جائیں یا ایک اور اگر ایک تو کون سا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے؟ سے صراحتاً تعرض نہیں کیا، تاہم حکم کے الفاظ و اس کو محیط عقلی قرائن اس حوالے سے پوری رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کی روشنی میں اپنے عمل کے ذریعے سے ان پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے۔

عقل عام اور اخلاقیات قانون کے مسلمہ تصورات کے تناظر میں اس صورت کے لیے بیان کی ہے جب باقعدہ منصوبہ بندی کر کے مالک کی حفاظت اور نگرانی میں پڑے ہوئے کسی ماں کو چرایا جائے۔ اتھ قاصد موقع پا کر کسی غیر محفوظ چیز کو اٹھا لینے سے اس کے دائرہ اطلاق میں ہی نہیں آتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی وضاحت کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص راستے میں چلتے ہوئے کسی کے باغ سے کچھ پھل توڑ لے یا کسی کھلی جگہ پر بغیر حفاظت کے پڑے ہوئے غلے میں سے کچھ لے لے یا راہ چلتے کسی جانور کو ہنگامے لے جائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔

امام شافعی نے حکم کو محیط عقلی قرائن کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ رائے قائم کی ہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کی مذکورہ صورتوں کو قطع یہ سے مستثنیٰ قرار نہ دیا ہوتا تو قرآن مجید کے ظاہر کی رو سے ہر اس شخص کا ہاتھ کاٹنا لازم ہوتا جس نے 'سرقہ' کا ارتکاب کیا ہو حالانکہ ہمارے بیان کردہ توجیہ سے واضح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان کردہ استثنا قرآن کے عموم میں کوئی تخصیص پیدا نہیں کرتا، بلکہ درحقیقت 'سرقہ' کے صحیح مصداق کی تعیین و توضیح کی حیثیت رکھتا ہے اور اگر آپ کی تصریحات موجود نہ ہوتیں تو بھی قانونی دانش ان صورتوں کو قرآن کی بیان کردہ سزا سے لازماً مستثنیٰ قرار دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس استثنا کو مخصوص صورتوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے ایک عمومی ضابطے پر محمول کیا ہے اور اس کی روشنی میں چوری کی بہت سی دیگر صورتوں کو بھی قطع یہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

اس ضمن میں چوری کی سزا کے نفاذ کے لیے سرقہ مال کی مقدار کا مسئلہ بالخصوص توجہ طلب ہے۔ قرآن نے یہاں کسی مخصوص نصاب کی شرط کی تصریح نہیں کی، لیکن یہ شرط حکم کے پس منظر میں موجود ہے، اس لیے کہ قانون کا موضوع جرم کی اسی صورت کو بنایا جاتا ہے جسے عقلاً و عرفاً کسی باقاعدہ قانونی سزا کا مستوجب سمجھا جائے، جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ معمولی اور حقیر چیزوں کی چوری سے صرف نظر کیا جاتا ہے اور اس ضمن میں قانون کو بالعموم حرکت میں نہیں لایا جاتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم میں مضمرا اسی شرط کو واضح کرتے ہوئے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے ایک ڈھال کی قیمت کو معیار قرار دیا اور آپ کے دور میں عمومی طور پر اسی پر عمل ہوتا رہا۔ امام ابوحنیفہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ ایک زرہ یا ڈھال سے کم قیمت کے مال میں نہیں کاٹا گیا۔

یہاں تنقیح طلب سوال یہ ہے کہ کیا ڈھال کو معیار قرار دینے کا حکم شرعی حیثیت رکھتا ہے اور ہر زمانے میں ہر معاشرے کے

لیے اسی کو واجب الاتباع معیار کی حیثیت حاصل ہے؟ فقہانے ڈھال کی قیمت کی تعیین میں اختلاف کے باوجود اصولی طور پر ڈھال ہی کو شریعت کا مقرر کردہ غیر متبدل نصاب سرقہ قرار دیا ہے، تاہم اکابر صحابہ اور تابعین کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں مقرر کردہ معیار، یعنی ڈھال کی قیمت کو نہیں، بلکہ اس کے پیچھے کارفرما اصول، یعنی قیمتی اور غیر قیمتی چیز میں فرق کو اصل اہمیت کا حامل سمجھتے تھے۔ چنانچہ امام المؤمنین عاتقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لم تقطع يد سارق على عهد النبي صلى الله عليه وسلم في ادنى من ثمن المعجن ترس او حصة و كان كل واحد منهما ذا ثمن. (بخاری، رقم ۶۲۹۶)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی چور کا ہاتھ زہ یا ڈھال سے کم قیمت چیز میں نہیں کاٹا گیا اور یہ دونوں چیزیں قیمتی تھیں۔"

ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں: لم یکن یقطع علی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الشئ التافہ. (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۱۱۲)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں معمولی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔"

اسی طرح جلیل القدر تابعی عروہ بن زبیر فرماتے ہیں: كان السارق على عهد النبي صلى الله عليه وسلم يقطع في ثمن المعجن وكان المعجن يومئذ له ثمن ولم يكن يقطع في الشئ التافه. (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۸۱۱۰)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چور کا ہاتھ ایک ڈھال کی قیمت میں کاٹا جاتا تھا، کیونکہ اس وقت ڈھال ایک قیمتی چیز سمجھی جاتی تھی۔ کسی معمولی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا۔"

صحابہ کے فتویٰ اور فیصلوں کے مطالعہ سے بھی یہی بات واضح ہوتی ہے کہ انھوں نے مختلف مقدمات میں، مقدمے کی نوعیت کے لحاظ سے، کسی مخصوص نصاب کی پابندی کیے بغیر قطع ید کی سزائیں دی۔ تجویز کی ہیں اور قیمتی اور غیر قیمتی اشیاء میں اپنے اپنے ذوق اور صواب دید کے لحاظ سے فرق قائم کیا ہے:

حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انھوں نے لوہے کا ایک خود چرانے پر جس کی قیمت ایک چوتھائی دینار تھی، چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔

حضرت ام المؤمنین عاتقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ قیمت کی چیز چرانے پر کاٹا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی چیز کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا جس کو میں پانچ یا تین درہم میں بھی لینا پسند نہ کرتا۔

حضرت عمرہ بیان کرتی ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک مقدمے میں تین درہم کا ایک لیموں چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔ لیکن ایک دوسرے مقدمے میں ایک آدمی کو، جس نے کپڑا چرایا تھا، حضرت عمر کے پاس لایا گیا تو انھوں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، تاہم حضرت عثمان نے کہا کہ اس کپڑے کی قیمت ک درہم سے کم ہے۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو اس کپڑے کی قیمت آٹھ درہم نکلی پس حضرت عمر نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا۔

حضرت ابو ہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما - مروی ہے کہ انھوں نے چار درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کو درست قرار نہیں دیا۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ پانچ انگلیوں کا ہاتھ پانچ درہم چرانے پر ہی کاٹا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جوتوں کا ایک جوتا چرانے پر چور کا ہاتھ کاٹ دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پچھوٹے کتے کے راستے میں لوگوں کے چوبک چرایا کرتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر دوبارہ تم نے ایسا کیا تو میں تمھارے ہاتھ کاٹ دوں گا۔

اسی پہلو کو پیش نظر رکھتے ہوئے دو راویوں میں فقہاء کے ایک گروہ نے ڈھال یا اس کی قیمت کو معیار ماننے یا صحابہ سے منقول فتویٰ و فیصلوں میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بجائے قیاس کے اصول پر ایک دوسرا معیار پیش کیا اور کہا کہ چونکہ بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب کم سے کم چالیس بکریاں ہے، اس لیے چور کا ہاتھ کاٹنے کے لیے بھی کم از کم چالیس درہم کو نصاب قرار دینا چاہیے۔ درود اصفہانی نے اسی بنیاد پر یہ رائے اختیار کی ہے کہ قلیل یا کثیر مال کی حد بندی اور اس کی بنیاد پر نصاب سرقہ کی تعیین کا مدار اصلاً عرف و عادت پر ہے۔ امام رازی، ان کے استدلال کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نحوه لا نوجب القطع في سرقة الحبة الواحدة ولا في سرقة التينة الواحدة بل في اقل شيء يجزى فيه الشح و لئلا ذلك لان مقادير القلة والكثرة غير مضبوطة فربما استحققت الملك الكبير آلافاً مولفة و ربما استعظم الفقير طسوجاً و لما كانت مقادير القلة والكثرة غير مضبوطة و جب بناء الحكم على اقل ما يسمى ملاً. (رازی، مفاتیح الغیب ۷/۸۷)

"ہم ایک دانے یا ایک تنکے کی چوری پر نہیں، بلکہ اس کم سے کم مقدار پر قطع ید کو لازم ٹھہراتے ہیں جس کے بارے میں انسان اپنے اندر رنج اور کینوسی محسوس کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قلت اور کثرت کی کوئی متعین مقدار طے نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ ایک عظیم بادشاہ ہزاروں لاکھوں کی رقم کو حقیر سمجھ سکتا ہے، جبکہ ایک فقیر ممکن ہے کہ ایک طسوج کو بھی بہت بڑی چیز خیال کرے۔ چونکہ قلت اور کثرت کی کوئی متعین مقدار طے نہیں کی جاسکتی، اس لیے قطع ید کے حکم کا مدار اس کم سے کم مقدار پر رکھنا پڑے گا جسے مال کہا جاسکتا ہو۔"

اب اگر سرقہ میں نصاب مقرر کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ معمولی چیزوں کی چوری پر سزا نہ دی جائے، بلکہ کسی ایسی چیز کی

چوری پر قطع ید کی سزا نافذ ہو جو عقداً و عرفاً کسی خاص قدر و قیمت کی حامل ہو تو ظاہر ہے کہ ہر معاشرے کا عرف مختلف ہوتا ہے اور اس میں قدر و قیمت رکھنے والی چیزیں بھی ایک جیسی نہیں ہو سکتیں۔ عرب کے بدوی معاشرے میں ڈھال وغیرہ کو ایک قیمتی چیز کی حیثیت حاصل تھی اور اس بنا پر اس کو معیار مقرر کرنا بھی درست تھا، لیکن ظاہر ہے کہ دوسرے معاشروں میں صورت حال اس سے مختلف ہے۔ اس بات کو درست مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ڈھال کو تمام معاشروں و زمانوں کے لیے معیار قرار دینے کے بجائے اس کا تعین ہر علاقے اور ہر دور کے اہل حل و عقد کی صواب دید پر چھوڑ دیا جائے جو اپنے عرف، ضروریات اور حالات کے لحاظ سے حد سرقہ کے لیے نصاب متعین کریں۔

سرقہ بیضہ والی حدیث کے نسخ و ویل کا بیان

حضرت ابو ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوری پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ وہ بیضہ چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور سی چراتا ہے اور اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 746)

اہم نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ بلا تعین گھنکاروں پر لعنت بھیجنا جائز ہے اور یہی بات اللہ تعالیٰ کے اس ارشادایت (اللعنۃ اللہ علی الظالمین) سے بھی ثابت ہے ہاں کسی شخص کو متعین کر کے یعنی اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

نصاب سرقہ کے سبب سے یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ چوتھائی دینار یا تین درہم سے بھی کم مالیت کی چوری پر قطع ید کی سزا جاری ہو سکتی ہے جب کہ چاروں ائمہ میں سے کسی کے بھی مسلک میں چوتھائی دینار یا تین درہم سے کم میں قطع ید کی سزا نہیں ہے اس اعتبار سے یہ حدیث تمام ائمہ کے مسلک کے خلاف ہے لہذا ان سب کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں بیضہ سے بیضہ آہن مراد ہے کہ جسے خود کہا جاتا ہے اور جس کو مجاہدین اور فوجی اپنے سروں پر پہنتے ہیں اسی طرح رسی سے کشتی کی رسی مراد ہے جو بڑی قیمتی ہوتی ہے علاوہ ازیں بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں انڈے اور رسی کے چرانے پر قطع ید کی سزا دی جاتی تھی مگر بعد میں اس کو منسوخ قرار دے دیا گیا،

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ اس کو چوری کی عادت اسی عادت اسی طرح پڑتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی اور کتر چیزیں چراتے چراتے بڑی بڑی اور قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے جس کے نتیجے میں اس کو قطع ید کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔

نصاب سرقہ میں فقہی مذاہب اربعہ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کا ہاتھ کاٹا ایک ڈھال چوری کرنے کے بدلے میں جس کی قیمت تین درہم تھی۔ اس باب میں حضرت سعد، عبداللہ بن عمرو، ابن عباس ابو ہریرہ، ام ایمن سے بھی روایات

منقول ہیں۔ حضرت ابن عمر کی حدیث حسن صحیح ہے بعض صحابہ کرام کا اسی پر عمل ہے حضرت ابو بکر بھی ان میں شامل ہیں انہوں نے پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا حضرت عثمان اور حضرت علی سے منقول ہے کہ انہوں نے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹا۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید سے منقول ہے کہ پانچ درہم کی چوری پر ہاتھ کاٹا جائے۔ بعض فقہاء تابعین کا اس پر عمل ہے۔

امام مالک، شافعی، احمد، اسحاق کا یہی قول ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ کی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ایک دینار یا دس درہم سے کم کی چیز میں ہاتھ نہ کاٹا جائے یہ حدیث مرسل ہے اسے قاسم بن عبدالرحمن نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے لیکن قاسم کا ابن مسعود سے سماع نہیں۔ بعض اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ سفیان ثوری، اور اہل کوفہ کا بھی یہی قول ہے وہ فرماتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1487)

قطع میں آزاد و غلام کی برابری کا بیان

قَالَ (وَالْعَبْدُ وَالْحُرُّ فِي الْقَطْعِ سَوَاءٌ) لِأَنَّ النَّصَّ لَمْ يُفْضَلْ ، وَلِأَنَّ النَّصِيفَ مُتَعَدِّرٌ فَيَتَكَمَّلُ صِيَانَةً لِّأَمْوَالِ النَّاسِ .

ترجمہ

فرمایا: چوری کی حد میں آزاد اور غلام برابر ہیں۔ کیونکہ ان کے متعلق نص میں کوئی تفصیل بیان نہیں ہوئی ہے۔ لہذا سزا کا نصف ہونا ناممکن ہے۔ پس لوگوں کے اموال کی حفاظت کے سبب پوری حد جاری ہوگی۔

غلامی خون کی عصمت میں موثر نہیں جبکہ اسکی قیمت میں موثر ہوتی ہے قاعدہ فقہیہ

غلامی خون کی عصمت میں موثر نہیں جبکہ اسکی قیمت میں موثر ہوتی ہے۔ (الحسامی) فقہائے احناف کے نزدیک یہی قاعدہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام کو قتل کر دیا تو غلام کے قصاص میں اس آزاد کو قتل کر دیا جائے گا کیونکہ خون کی عصمت میں ایسی مساوات ہیں جس میں غلامیت کا کوئی اثر نہیں لہذا جس طرح آزاد شخص کے قصاص ہے اسی طرح غلام کے خون پر بھی قصاص ہوگا جبکہ غلامی کا اثر دیت میں ضرور ہوتا ہے کہ غلام کی دیت دس درہم ہوگی۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

ترجمہ: اور قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ (البقرہ ۱۷۹)

اس آیت میں عمومی حکم بیان کیا گیا ہے جس میں ہر آزاد و غلام ہر مرد و عورت سب داخل ہیں۔ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب کوئی آزاد کسی غلام کو قتل کر دے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۹، ص ۳۰۷، ادارۃ القرآن کراچی)

قرار سے وجوب قطع کا بیان

(وَبَجِبُ الْقَطْعُ بِإِقْرَارِهِ مَرَّةً وَاحِدَةً، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ: لَا يُقَطَّعُ إِلَّا بِالْإِقْرَارِ مَرَّتَيْنِ) وَرَوَى عَنْهُ أَنَّهُمَا فِي مَجْلِسَيْنِ مُحْتَلِفَيْنِ لِأَنَّهُ إِحْدَى الْحُجَّتَيْنِ فَيَعْتَبَرُ بِالْأُخْرَى وَهِيَ الْبَيِّنَةُ كَذَلِكَ اعْتَبَرْنَا فِي الزَّانَا وَلَهُمَا أَنَّ السَّرِقَةَ قَدْ ظَهَرَتْ بِالْإِقْرَارِ مَرَّةً فَيُكْتَفَى بِهِ كَمَا فِي الْقِصَاصِ وَحَدِّ الْقَذْفِ وَلَا اعْتِبَارَ بِالشَّهَادَةِ لِأَنَّ الزَّيَادَةَ تُفِيدُ فِيهَا تَقْلِيلَ تَهْمَةِ الْكُذْبِ وَلَا تُفِيدُ فِي الْإِقْرَارِ شَيْئًا لِأَنَّهُ لَا تَهْمَةَ وَبَابُ الرُّجُوعِ فِي حَقِّ الْحَدِّ لَا يَنْسُدُّ بِالتَّكْرَارِ وَالرُّجُوعُ فِي حَقِّ الْمَالِ لَا يَصِحُّ أَصْلًا لِأَنَّ صَاحِبَ الْمَالِ يُكْذِبُهُ، وَاشْتِرَاطُ الزَّيَادَةِ فِي الزَّانَا بِخِلَافِ الْقِيَاسِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَوْرِدِ الشَّرْعِ.

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک مرتبہ اقرار کرنے سے قطع واجب ہو جاتا ہے۔ جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ صرف دو مرتبہ اقرار کرنے سے حد مرد واجب ہوگی۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ دونوں اقراؤں کیلئے مجلس کا مختلف ہونا لازمی ہے کیونکہ دونوں دیدوں میں سے ایک دلیل ہے۔ پس اس کو دوسرے پر قیاس نہ کیا جائے گا اور وہ گواہی ہے اسی طرح ہم نے زنا میں قیاس کیا ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے ایک اقرار کرنے سے چوری ظاہر ہو چکی ہے پس ایک مرتبہ اقرار کرنا کافی ہوگا۔ جس طرح قصاص اور حد قذف میں ہے اور اس کو شہادت پر قیاس نہ کیا جائے گا اس لئے گواہی میں جھوٹ کی تہمت کو کم کرنے کیلئے زیادہ فائدہ مند ہوتی ہے۔ جبکہ اقرار میں زیادتی کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے کیونکہ یہاں تہمت معدوم ہے اور متعدد مرتبہ اقرار کرنے کا وجود رجوع کرنے کا دروازہ بند نہ ہوگا کیونکہ مال کے حق میں رجوع کرنا صحیح ہی نہیں ہے اس لئے مال وادار رجوع کرنے والے کو جھٹلانے والا ہے جبکہ زنا میں زیادتی کی شرط یہ خلاف قیاس ہے پس وہ شریعت کے حکم تک محدود رہنے والی ہے۔

شرح

حضرت ابو امیہ مخزومی بیان کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو پیش کیا گیا جس نے اپنے جرم کا صریح اعتراف و اقرار کیا لیکن (چوری کے مال میں سے) کوئی چیز اس کے پاس نہیں نکلی چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے" اس نے کہا کہ "ہاں! میں نے چوری کی ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار یا تین بار یہ کہا (کہ میرا خیال نہیں ہے کہ تم نے چوری کی ہے) مگر وہ ہر بار یہ اعتراف و اقرار کرتا تھا (کہ میں نے چوری کی ہے) آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم جاری کیا پھر کہنے کے بعد اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "(اپنی زبان کے ذریعہ) اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو (اور اپنے دل کے ذریعہ) اس کی طرف متوجہ ہو۔" اس نے بہ میں اللہ سے بخشش مانگنا ہوں اور اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں (یعنی توبہ کرتا ہوں) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا "اے اللہ! اس کی توبہ قبول فرما۔"

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 761)

اور صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ (میں نے اس روایت کو ان چاروں اصل کتابوں (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) میں جامع اصول میں، پہلی کی شعبہ الایمان میں، اور خطابی کی معالم السنن میں اسی طرح یعنی ابوامیہ سے منقول پایا ہے لیکن مصباح کے بعض نسخوں میں اس روایت میں ابورمضہ (ہمزہ اور یا کی بجائے را مکسورہ اور تا مثلاً کے ساتھ) منقول ہے مگر حضرت شیخ حافظ ابن حجر عسقلانی نے وضاحت کی ہے کہ اس روایت کا ابورمضہ سے منقول ہونا غلط ہے، اور ابورمضہ اگرچہ صحابی ہیں لیکن یہ روایت ان سے منقول نہیں ہے۔

"اس ارشاد میں، میں خیاں نہیں کرتا الخ" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ وہ شخص اپنے اعتراف سے رجوع کرے تاکہ اس پر حد ساقط ہو جائے اور اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنا کا اقرار کرنے والوں کے سامنے اس طرح کے جملے ارشاد فرماتے تھے جن کا مقصد "تلقین عذر" ہوتا تھا۔ یہ حضرت امام شافعی کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے لیکن حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس طرح کی "تلقین عذر اور تلقین رجوع" صرف زنا کی حد کے ساتھ مخصوص ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو جو استغفار کا حکم دیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس شخص پر حد جاری ہوئی ہے اس کو وہ حد بالکل (یعنی تمام گنہوں سے) پاک نہیں کرتی بلکہ اس کے اسی گنہ کو ختم کرتی ہے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوئی ہے کہ حد جاری ہو جانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے اس کے سبب دوبارہ عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا۔

عبدالرحمن بن ثعلبہ، حضرت عمرو بن سرہ بن حبیب بن عبد شمس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں فلاں قبیلہ کا انٹ چوری کر بیٹھا آپ مجھے پاک کر دیجئے نبی نے ان کو بلا بھیجا انہوں نے عرض کیا کہ ہمارا انٹ گم ہوا ہے نبی نے حکم دیا تو عمرو کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں کہ جب ان کا ہاتھ کاٹ کر گرا تو میں دیکھ رہا تھا وہ کہہ رہے تھے تمام تعزیتیں اللہ کے لیے جس نے (اے ہاتھ) تجھ سے مجھے پاک کر دیا تیرا توراہ تھا کہ میرے پورے جسم کو دوزخ میں بھجوائے۔

(سنن ابن ماجہ: جلد دوم: حدیث نمبر 746)

حدسرقہ کے وجوب میں دو گواہوں کا بیان

قَالَ (وَيَجِبُ بِشَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ) لِحَقِّقِ الظُّهُورِ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ ، وَيَنْبَغِي أَنْ يَسْأَلَهُمَا الْإِمَامُ عَنْ كَيْفِيَةِ السَّرِقَةِ وَمَاهِيَّتِهَا وَزَمَانِهَا وَمَكَانِهَا لِزِيَادَةِ الْإِحْتِيَاظِ كَمَا مَرَّ فِي الْحُدُودِ ، وَيَجِبُ إِلَيْهِ أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الشُّهُودِ لِلتُّهْمَةِ .

(قَالَ وَإِذَا اشْتَرَكَ جَمَاعَةٌ فِي سَرِقَةٍ فَأَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشْرَةُ دَرَاهِمٍ قُطِعَ ، وَإِنْ أَصَابَهُ أَقْلٌ لَا يَقْطَعُ) لِأَنَّ الْمُوجِبَ سَرِقَةَ النَّصَابِ وَيَجِبُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ بِجَنَائِتِهِ فَيُعْتَبَرُ كَمَا لُ النَّصَابِ فِي حَقِّهِ

ترجمہ

فرمایا دو گواہوں کی شہادت سے حدسرقہ واجب ہو جائے گی کیونکہ اس سے چوری ظاہر ہو چکی ہے جس طرح دوسرے حقوق میں ہوتا ہے اور امام کیسے مناسب یہ ہے کہ وہ زیادہ احتیاط کے پیش نظر گواہوں سے چوری کی کیفیت، اس کی ہیئت، اس کے وقت اور محل وقوع کے بارے میں پوچھے جس طرح حدود میں بیان کیا جا چکا ہے اور چور پر تہمت کے سبب گواہوں کا حال معلوم کرنے تک امام اس کو قید میں رکھ سکتا ہے۔

فرمایا درجب چوری میں ایک جماعت شامل ہو اور ان میں سے ہر ایک کو دس دراهم تک ملے ہوں تو ہر ایک کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور جب انہیں دس دراهم سے کم ملے ہیں تو ان کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ سید کا وجوب نصاب سرقہ ہے اور ہر ایک پر اس جرم کے سبب واجب ہوگا پس ہر ایک کے حق میں مکمل نصاب کا اعتبار کیا جائے گا۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب چند شخصوں نے ملکر چوری کی اگر ہر ایک کو بقدر دس درم کے حصہ ملا تو سب کے ہاتھ کاٹنے جائیں خواہ سب نے مال یہ ہو یا بعضوں نے لی اور بعض تکہائی کرتے رہے۔ (بحر رائق، کتاب الحدود)

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ چوری کے ثبوت کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ چور خود اقرار کرے اور اس میں چند بار کی حاجت نہیں صرف ایک بار کافی ہے دوسرا یہ کہ دوسرے گواہی دیں اور اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی تو قطع نہیں مگر مال کا تاوان دیا جائے اور گواہوں نے یہ گواہی دی کہ ہمارے سامنے اقرار کیا ہے تو یہ گواہی قابل اعتبار نہیں گواہ کا آزاد ہونا شرط نہیں۔ قاضی گواہوں سے چند باتوں کا سوال کرے کس طرح چوری کی، اور کہاں کی، اور کتنے کی، اور کس کی چیز چورائی، جب گواہ ان امور کا جواب دیں اور ہاتھ کاٹنے کے تمام شرائط پائے جائیں تو قطع کا حکم ہے۔ پہلے اقرار کیا پھر اقرار سے پھر گیا یا چند شخصوں نے چوری کا اقرار کیا تھا ان میں سے ایک اپنے اقرار سے پھر گیا یا گواہوں نے اس کی شہادت دی کہ ہمارے سامنے اقرار کیا ہے اور

چور انکار کرتا ہے کہتا ہے میں نے اقرار نہیں کیا ہے یا کچھ جواب نہیں دیتا تو ان سب صورتوں میں قطع نہیں مگر اقرار سے رجوع کی تو تاوان لازم ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

چور کا ہاتھ کاٹ کے گلے میں لٹکانے کا بیان

فضل بن عبید سے روایت ہے کہ میں نے فضل بن عبید سے چور کا ہاتھ اس کی گردن میں لٹکانے کے متعلق پوچھا کہ آیا یہ سنت ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چور کو لایا گیا اور اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ آپ نے حکم دیا کہ یہ ہاتھ اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے صرف عمر بن علی مقدی کی حدیث سے جانتے ہیں عمر بن علی، حاج بن ارحاة سے نقل کرتے ہیں عبد الرحمن بن محرز، عبد اللہ بن محرز شامی ہیں۔ جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1488

عَلَيْهِمَا مَا ذُكِّرْنَا .

ترجمہ

ہر وہ معمولی چیز جو دارالاسلام میں مباح طریقے سے مل جاتی ہو جس طرح لکڑی، گھاس، بانس، مچھلی، پرندہ، شکاری جانور، گیر واور، چونا ان پر ہاتھ نہ کانا جائے گا۔ کیونکہ اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حقیر چیز کی چوری پر قطع ید نہ تھا۔

برہہ چیز جس کی جنس مباح ہو اور اس میں رغبت نہ ہو تو وہ حقیر ہے کیونکہ اس میں دلچسپی کم ہے اور اس کو دینے میں طبیعت بخل کرنے والی نہیں ہے اور مالک کیلئے ناگوار بھی نہیں ہے۔ لہذا اسی دلیل کے سبب نصاب سے کم چوری پر حد واجب نہیں ہے کیونکہ ان اشیاء کی حفاظت ناقص ہوتی ہے کیا آپ غور نہیں کرتے کہ لکڑی دروازوں کے باہر رکھی ہوتی ہے اور گھر میں تعمیر کاموں کیلئے لے جاتے ہیں جبکہ اس میں کوئی احراز نہیں ہے۔ پرندے اڑ جانے والے ہیں اور شکاری جانور بھاگ جانے والے ہیں لہذا جب یہ اشیاء اپنی اصلی حالت پر ہوں اور ان میں لوگوں کی شرکت ہو تو ان کی یہ شرکت مباح ہونے کا شہدہ پیدا کرنے والی ہے۔ اور شہدہ سے حد دور ہونے والی ہے۔

اور خشک نمکین مچھلی اور تازہ مچھلی یہ دونوں نمک میں داخل ہیں اور لفظ طیر میں مرغی، بٹخ، اور کبوتر داخل ہیں اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی مطلق ہونے کے سبب کہ پرندوں میں قطع ید نہیں ہے۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ترمی، خشک مٹی اور گوبر کے سوا ہر چیز میں قطع ید ہے امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ ہماری بیان کردہ دلیل ان کے خلاف حجت ہے۔

عرف میں غیر محفوظ چیزوں کی چوری پر عدم حد کا بیان

عہدہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حقیر چیزیں جو عادتہ محفوظ نہ رکھی جاتی ہوں اور باعتبار اصل کے مباح ہوں اور هنوز ان میں کوئی ایسی صنعت، بھی نہ ہوئی ہو جس کی وجہ سے قیمتی ہو جائیں ان میں ہاتھ نہیں کانا جائیگا جیسے معمولی لکڑی، گھاس، نرکل، مچھلی، پرند، گیر واور (لاں مٹی)، چونا، کوئٹے، نمک، مٹی کے برتن، کچی اینٹیں۔ اسی طرح شیشہ اگرچہ قیمتی ہو کہ جلد ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹنے پر قیمتی نہیں رہتا۔ اسی طرح وہ چیزیں جو جلد خراب ہو جاتی ہیں جیسے دودھ، گوشت، تر بوڑ، خر بڑ، لکڑی، کھیر، ساگ، تر کاریاں اور تیار کھانے جیسے روٹی بلکہ قحط کے زمانہ میں غلہ گیہوں، چاول، بکری وغیرہ بھی اور تر میوے جیسے انگور، سیب، ناشپاتی، بھٹی، انار اور خشک میوے میں ہاتھ کانا جائیگا جیسے اخروٹ، بادام وغیرہ جبکہ محفوظ ہوں۔ اگر درخت پر سے پھل توڑے یا کھیت کاٹ لے گیا تو قطع نہیں، اگرچہ درخت مکان کے اندر ہو یا کھیت کی حفاظت ہوتی ہو اور پھل توڑ کر یا کھیت کاٹ کر حفاظت میں رکھا اب چورائے گا تو قطع ہے۔ (بہار شریعت، کتاب الحدود)

بَابُ مَا يَقْطَعُ فِيهِ وَمَا لَا يَقْطَعُ

یہ باب قطع ید اور عدم قطع ید کے بیان میں ہے ﴿

باب قطع و عدم قطع ید کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ جب سرقہ کی تعریف اور اس کے نصاب اور گواہوں کے بیان سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے حد سرقہ میں ن چیزوں کا بیان شروع کیا ہے جن کی چوری پر حد سرقہ واجب ہوگی اور وہ اشیاء جن کی چوری پر حد واجب نہ ہوگی۔ فقہی مطابقت اس طرح واضح ہے کہ معرفت سرقہ و نصاب سرقہ کے بعد ان اشیاء پر وجوب حد یا عدم وجوب حد کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ متعلقات ہمیشہ بعد میں ذکر کیے جاتے ہیں پس بہت سرقہ کے بعد ما بہت سرقہ کے متعلقات کو مصنف علیہ الرحمہ ذکر کر رہے ہیں۔

معمولی اشیاء کی چوری عدم حد کا بیان

(وَلَا قَطْعَ فِيمَا بُوْحَدَتْ فَهِيَ مَبَاحًا فِي ذَارِ الْإِسْلَامِ كَالْحَشَبِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَصَبِ وَالسَّمَكِ وَالطَّيْرِ وَالصَّيْدِ وَالزَّرْبِيعِ وَالْمَغْرَةِ وَالنُّورَةِ) وَالْأَصْلُ فِيهِ حَدِيثُ (عَائِشَةَ) قَالَتْ: كَانَتْ أَلِدُ لَا تُقْطَعُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ فِي الشَّيْءِ النَّافِيهِ، أَيْ الْحَقِيرِ، وَمَا يُوْحَدُ حَنْسُهُ مَبَاحًا، فِي الْأَصْلِ بِصُورَتِهِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهِ حَقِيرٌ تَقِلُّ الرِّغْبَاتُ فِيهِ وَالطَّبَاعُ لَا تَصْنُ بِهِ، فَقَلَّمَا يُوْحَدُ أَخْذُهُ عَلَى كُرْهِهِ مِنَ الْمَالِكِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى شَرْعِ الزَّاجِرِ، وَلِهَذَا لَمْ يَحِبَّ الْقَطْعُ فِي سَرِقَةِ مَا دُونَ النَّصَابِ وَلَآنَ الْحَرَرُ فِيهَا نَاقِصٌ، أَلَا يَرَى أَنَّ الْحَشَبَ يُلْقَى عَلَى الْأَبْوَابِ وَإِنَّمَا يَدْخُلُ فِي الدَّارِ لِلْعِمَارَةِ لَا لِلْإِحْرَازِ وَالطَّيْرُ يَطِيرُ وَالصَّيْدُ يَفْرُ وَكَذَا الشَّرِكَةُ الْعَامَّةُ الَّتِي كَانَتْ فِيهِ وَهُوَ عَلَى تِلْكَ الصِّفَةِ تَوَرَّثَ الشُّبْهَةُ، وَالْحَدُّ يَنْدَرُ بِهَا.

وَيَدْخُلُ فِي السَّمَكِ الْمَالِحِ وَالطَّيْرِ، وَفِي الطَّيْرِ الدَّجَاجُ وَالْبَطُّ وَالْحَمَامُ لِمَا ذُكِّرْنَا وَلِبَاطِلِ قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا قَطْعَ فِي الطَّيْرِ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَحِبُّ الْقَطْعَ فِي كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا الطَّيْنَ وَالتُّرَابَ وَالسَّرْقِينَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَالْحُجَّةُ

چور کو قید میں رکھنے کا بیان

محمد بن یحییٰ بن حبان کہتے ہیں کہ ایک غلام نے ایک آدمی کے باغ میں سے کھجور کا پودا چرا لیا اور اسے اپنے آقا کے باغ میں بودیا اور وہ باغ وارا اپنے پودے کو تلاش کرتا ہوا نکلا تو اسے اس کے باغ میں پایا۔ اس نے مروان بن حکم جو مدینہ کے امیر تھے سے اس معاملہ میں مدد چاہی تو مروان نے غلام کو قید کر لیا اور اس کا ہاتھ کانٹے کا ارادہ کیا تو غلام کا لک حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چھا گیا اور ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے اسے بتایا کہ نہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی پھل یا پھول کے خوشہ کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا تو اس آدمی نے کہا کہ مروان نے میرے غلام کو گرفتار کر لیا ہے اور وہ اس کا ہاتھ کاٹنا چاہتا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ مروان کے پاس چلیں اور اسے بتائیں کہ جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے تو حضرت رافع بن خدیج اس کے ساتھ چلے گئے یہاں تک کہ مروان کے پاس آ گئے اور اس سے رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ کسی پھل یا پھول کے کچے کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تو مروان نے غلام کے بارے میں حکم دیا تو اسے چھوڑ دیا گیا امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ کثر کے معنی ہیں خوشہ کے ہیں۔ (سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 994)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اور وہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا (کہ اسے توڑا جاسکتا ہے کہ نہیں بغیر اجازت کے) تو فرمایا کہ جس حاجت مند نے اسے (توڑ کر) کھالیا اور دامن میں انہیں جمع نہیں کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اور جو (باغ میں سے) کچھ پھل وغیرہ (جمع کر کے) لے لے نکلتا تو اس کے اوپر اتنے پھول کا دگنا ہے اور سزا لگ ہوگئی اور جس نے پھول کو اس جگہ سے جہاں انہیں جمع کیا جاتا ہے (سکھانے وغیرہ کے لیے) چوری کر لی اور اس کی مقد رذہل کی قیمت کے برابر ہوگئی تو اس کے ہاتھ کانٹے جائیں گے۔ (سنن ابو داؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 996)

جلد خراب ہونے والی اشیاء کی چوری پر عدم حد کا بیان

قَالَ: (وَلَا قَطْعَ لِمَا يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَاللَّبَنِ وَاللَّحْمِ وَالْفَوَاحِ الرَّطْبَةِ) لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا فِي كَثِيرٍ) وَالْكَثْرُ الْجُمَارُ، وَقِيلَ الْوَدِيُّ. وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا قَطْعَ فِي الطَّعَامِ) وَالْمُرَادُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ مَا يَتَسَارَعُ إِلَيْهِ الْفَسَادُ كَالْمُهَبِّ لِلْأَكْلِ مِنْهُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ كَاللَّحْمِ وَالثَّمَرِ لِأَنَّهُ يُقَطَّعُ فِي الْحِطَّةِ وَالشَّكْرِ إِجْمَاعًا.

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يُقَطَّعُ فِيهَا لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا قَطْعَ فِي ثَمَرٍ وَلَا كَثْرٍ فَإِذَا

أَوَاهُ الْجَرِينُ أَوْ الْجِرَانُ قُطِعَ) قُلْنَا: أَخْرَجَهُ عَنْ وَفَاقِ الْعَادَةِ، وَالَّذِي يُزَوِّهِ الْجَرِينُ فِي عَادَتِهِمْ هُوَ الْيَابِسُ مِنَ الثَّمَرِ وَفِيهِ الْقَطْعُ. قَالَ (وَلَا قَطْعَ فِي الْقَاكِهَةِ عَلَى الشَّجَرِ وَالزَّرْعِ الَّذِي لَمْ يُخَصَّصْ) لِعَدَمِ الْإِخْرَازِ

ترجمہ

فرمایا۔ اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں جس طرح دودھ، گوشت اور تازہ پھل ہیں ان کو چرانے پر حد واجب نہ ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ثمر اور کثر میں قطع یہ نہیں ہے۔ اور کثر کھجور کے درخت کا گوند ہے اور ایک قول یہ ہے کہ کھجور کے چھوٹے پودے ہیں۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ طعام (کھانے) میں قطع یہ نہیں ہے اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو جلد خراب ہو جانے والی ہے جس طرح کھانے کیلئے فوری طور پر تیار شدہ چیز ہے اور وہ اشیاء جو اس کے حکم میں ہیں جس طرح گوشت اور پھل ہے اسی دلیل کے سبب گندم اور شکر میں بہ اتفاق قطع یہ ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: کہ ان چیزوں میں بھی قطع یہ نہ ہوگا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کثر میں قطع یہ نہیں ہے۔ مگر جب اس کو کھیت میں رکھے تو چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ استثناء عرف کے مطابق ہے اور اہل عرب خشک کھجور کو کھیتوں میں رکھنے کے عادی تھے۔ جبکہ خشک پھلوں میں ہمارے نزدیک بھی حد واجب ہے۔ فرمایا: درخت پر واقع پھل اور کھیت کی کٹائی کے بغیر چوری پر قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ یہ محفوظ نہیں ہوتے۔

میوے کی چوری پر عدم حد میں فقہی مذاہب

حضرت رافع ابن خدیج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا درخت پر لگے ہوئے میوے اور کھجور کے سفید گائے کی چوری میں قطع یہ کی سزا نہیں ہے۔

(مالک، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 747)

حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ پھلوں اور کھجوروں کے خوشوں کی چوری کرنے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ بعض راوی، یحییٰ بن سعید سے وہ محمد بن یحییٰ بن صبان سے وہ اپنے چچا واسع بن صبان سے وہ رافع سے اور وہ نبی کریم سے اسی حدیث کے مثل نقل کرتے ہیں مالک بن انس اور کئی راوی یہ حدیث یحییٰ بن سعید سے وہ محمد بن یحییٰ بن صبان سے وہ رافع بن خدیج سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اور اس میں واسع بن صبان کا ذکر نہیں کرتے۔ (جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1490)

یہ حدیث حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی مستدل ہے وہ اس کی بنیاد پر فرماتے ہیں کہ ترمیدہ پھل چرا لے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

خواہ وہ میوہ محرز ہو یا غیر محرز۔ غیر محرز کی تعریف پیچھے گذر چکی ہے اسی پر گوشت دودھ اور ان چیزوں کو بھی قیاس کیا گیا ہے جو دیر پا نہ ہوں اور جلد ہی خراب و متغیر ہو جاتی ہوں کہ ان کی چوری میں بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا امام اعظم عدوہ دوسروں نے ان سب چیزوں کی چوری میں قطع ید کی سزا کو واجب کیا ہے چنانچہ حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جو بہت معمولی اور حقیر ہوں اور جو دارالسلام میں ہر شخص کے لئے مباح کے درجہ میں ہوں جیسے گھاس لکڑی نزل پھل پرندہ ہڑتال اور چونا وغیرہ ان کی چوری کرنے والا بھی قطع ید کا سزاوار نہیں ہوگا۔

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت پر لگے ہوئے پھلوں کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ان پھلوں میں سے کچھ اس وقت چرائے جب کہ ان کو درختوں سے توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو اور ان (چرائے ہوئے پھلوں) کی قیمت ایک ڈھال کی قیمت کے برابر ہو تو وہ قطع ید کا سزاوار ہوگا۔ " (ابوداؤد و نسائی)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ محرز نہیں ہے ہاں جب وہ پھل درخت پر سے توڑ لئے گئے اور ان کو خشک ہونے کے لئے کھین میں جمع کر دیا گیا تو اب ان کی چوری میں قطع ید کی سزا واجب ہوگی کیونکہ اس صورت میں وہ محرز ہو گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ حدیث امام ابو حنیفہ کے سوا جمہور علماء کی دلیل ہے کیونکہ امام ابو حنیفہ تو یہ فرماتے ہیں کہ پھل جب تک خشک نہیں ہو، ہے اس کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹنے جائیں گے خواہ وہ پھل محرز ہو یا غیر محرز۔ اس حدیث کے بارے میں حنفیہ کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حدیث میں "جب کہ ان کو توڑ کر جمع کر لیا گیا ہو" کی قید کا تحقق ان پھلوں کے خشک ہو جانے کے بعد سے ہے جیسا کہ عرب میں رواج تھا (کہ جس طرح درخت سے پھلوں کو توڑ کر خشک ہونے کے لئے کھلیاں وغیرہ میں پھید دیا جاتا ہے وہ اس طرح پھلوں کو ان کے خشک ہونے کے بعد کسی جگہ جمع بھی کر دیا جاتا تھا) اور حنیفہ کے نزدیک بھی ان پھلوں کی چوری میں قطع ید کی سزا جاری ہوگی جو خشک ہونے کے بعد کھلیاں وغیرہ میں جمع کئے گئے ہیں۔ پھل جب تک خشک نہ ہوں اس وقت تک ان کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہوگی خواہ وہ درخت پر لگے ہوئے ہوں یا ان کو توڑ کر کھلیاں وغیرہ میں جمع کر دیا گیا ہو جیسا کہ "ثمر" (تازہ پھل) کے بارے میں پچھلی حدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔

عدوہ ازیں یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ یہ حدیث نہ صرف پچھلی حدیث (لا قطع فی ثمر والاكثر) کے مطلق مفہوم کے معارض ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد حدیث (ولا قطع فی الطعام) (کھانے کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے) کے بھی معارض ہے چونکہ حدود کے باب میں ضروری ہے کہ مسلمان کی جان اور اس کے اعضاء کے تحفظ کے پیش نظر حد جاری کرنے میں حتی الامکان احتیاط و رعایت کے تمام گوشوں کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایسے نکتہ پہلو کو ترجیح دی جائے جس سے نفاذ حد کم سے کم قابل عمل رہے اس لئے ان احادیث کے تعارض کی صورت میں اس حدیث کو ترجیح دی جانی چاہئے جس کا مفہوم پھل کی چوری کے سلسلے میں بالکل مطلق ہے اس موقع پر بھی مابلی قاری نے اپنی کتاب مرقات میں بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اہل علم

ان کی کتاب سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

معمولی اشیاء کی چوری پر عدم حد میں مذاہب اربعہ

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ ایک ڈھال کی قیمت سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ ایک ڈھال کی قیمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بروایت عبداللہ بن عباس دس درہم، بروایت ابن عمر تین درہم، بروایت انس بن مالک پانچ درہم اور بروایت حضرت عائشہ ایک چوتھائی دینار ہوتی تھی۔ اسی اختلاف کی بنا پر فقہاء کے درمیان کم سے کم نصاب سرقہ میں اختلاف ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سرقہ کا نصاب دس درہم ہے اور امام مالک شافعی اور احمد کے نزدیک چوتھائی دینار۔ (پھر بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے گی۔ مثلاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے کہ لا قطع فی ثمر ولاكثر) پھل اور ترکاری کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ لا قطع فی طعام (کھانے کی چوری میں قطع ید نہیں ہے)۔ اور حضرت عائشہ کی حدیث ہے کہ لم یکن قطع السارق علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الشئ الا نفاقہ (حقیر چیزوں کی چوری میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا تھا)۔ حضرت علی اور حضرت عثمان کا فیصلہ ہے اور صحابہ کرام میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا کہ لا قطع فی الطیر (پرندے کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)۔ نیز سیدنا عمر علی رضی اللہ عنہما نے بیت المال سے چوری کرنے والے کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا اور اس معاملہ میں بھی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے۔ ان مآخذ کی بنیاد پر مختلف ائمہ فقہ نے مختلف چیزوں کو قطع ید کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ترکاریاں، پھل، گوشت، پکا ہوا کھانا، غلہ جس کا ابھی کھلیاں نہ کیا گیا ہے، کھیل اور گانے بجانے کے آلات وہ چیزیں ہیں جن کی چوری میں قطع ید کی سزا نہیں ہے۔ نیز جنگل میں پڑتے ہوئے جانوروں کی چوری اور بیت المال کی چوری میں بھی وہ قطع ید کے قائل نہیں ہیں۔ اسی طرح دوسرے ائمہ نے بھی بعض چیزوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان چوریوں پر سزے سے کوئی سزا ہی نہ دی جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ ان جرائم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

جمع شدہ جگہ سے پھلوں کی چوری پر حد کا بیان

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اور وہ ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے (درخت پر) لٹکے ہوئے پھل کے متعلق سوال کیا گیا (کہ اسے توڑا جاسکتا ہے کہ نہیں بغیر اجازت کے) تو فرمایا کہ جس حاجت مند نے اسے (توڑ کر) کھالیا اور دامن میں انہیں جمع نہیں کیا تو اس پر کوئی حرج نہیں۔ اور جو (باغ میں سے) کچھ پھل وغیرہ (جمع کر کے) لے لے کر اس کے اوپر اتنے پھلوں کا ڈھانچا ہے اور سزا الگ ہوگئی اور جس نے پھلوں کو اس جگہ سے جہاں انہیں جمع کیا جاتا ہے (سکھانے وغیرہ کے لیے) چوری کر لیا اور اس کی

مقدار و حال کی قیمت کے برابر ہوگی تو اسکے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 996)

مالیت میں شبہ پیدا کرنے والی اشیاء کی چوری پر عدم حد کا بیان

(وَلَا قَطْعُ فِي الْأَشْيَاءِ الْمُطَرِّبَةِ) لِأَنَّ السَّارِقَ يَتَأَوَّلُ فِي تَنَاوُلِهَا الْإِرَاقَةَ، وَلَئِنْ بَعْضَهَا لَيْسَ بِمَالٍ، وَفِي مَالِيَّةِ بَعْضِهَا اخْتِلَافٌ فَتَحَقُّقُ شُبْهَةِ عَدَمِ الْمَالِيَّةِ. قَالَ (وَلَا فِي الطَّنْبُورِ) لِأَنَّهُ مِنَ الْمَعَارِفِ (وَلَا فِي سَرِقَةِ الْمُصْحَفِ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حِلْيَةٌ) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَقْطَعُ لِأَنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ حَتَّى يَجُوزَ بَيْعُهُ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ مِثْلَهُ. وَعَنْهُ أَيْضًا أَنَّهُ يَقْطَعُ إِذَا بَلَغَتْ الْحِلْيَةُ نِصَابًا لِأَنَّهَا لَيْسَتْ مِنَ الْمُصْحَفِ فَتُعْتَبَرُ بِأَنْفِرَادِهَا.

وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْآخِذَ يَتَأَوَّلُ فِي أَخْذِهِ الْفِرَاءَةَ وَالنَّظَرَ فِيهِ، وَلَئِنْ لَا مَالِيَّةَ لَهُ عَلَى اغْتِسَارِ الْمَكْتُوبِ وَإِحْرَازِهِ لِأَجَلِهِ لَا لِلْجِلْدِ وَالْأَوْرَاقِ وَالْحِلْيَةِ وَإِنَّمَا هِيَ تَوَابِعٌ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِالتَّبَعِ، كَمَنْ سَرَقَ آيَةً فِيهَا خَمْرٌ وَفِيهِمُ الْآيَةُ تَرَبُّو عَلَى النَّصَابِ.

(وَلَا قَطْعُ فِي أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ) لِعَدَمِ الْإِحْرَازِ فَصَارَ كِتَابُ الدَّارِ بَلْ أَوْلَى، لِأَنَّهُ يُحَرِّزُ بَابَ الدَّارِ مَا فِيهَا وَلَا يُحَرِّزُ بَابَ الْمَسْجِدِ مَا فِيهِ حَتَّى لَا يَجِبُ الْقَطْعُ بِسَرِقَةِ مَتَاعِهِ.

ترجمہ

اور اسی طرح نشہ آور چیزوں کی چوری پر بھی حد واجب نہ ہوگی کیونکہ چور ان کو لینے میں بہانے تاویل کرنے والا ہے کیونکہ بعض مسکروں میں مال نہیں ہے اور بعض کی مالیت میں اختلاف ہے پس اس میں مال نہ ہونے کا شبہ پیدا ہو چکا ہے۔

فرمایا: ستار میں قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ یہ کھینے کا آلہ ہے۔ اور قرآن مجید چوری کرنے پر قطع یہ نہ ہوگا اگرچہ اس پر سونے کا چڑھایا ہوا چڑھاوائی کیوں نہ ہو۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قطع یہ ہوگا کیونکہ وہ مال متقوم ہے یہاں تک کہ اس کو بیچنا جائز ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح روایت کیا گیا ہے اور آپ علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ ذکر کی گئی ہے کہ جب قرآن پر موجود علیہ نصاب سرقہ کی مقدار کو پہنچنے والا ہے تو حد ہوگی۔ کیونکہ حلیہ مصحف میں سے نہیں ہے لہذا اس کا اعتبار عیدہ کیا جائے گا۔ ظاہر روایت کے مطابق دلیل یہ ہے کہ لینے والا اس کو پڑھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کی تاویل کرے گا کیونکہ مکتوب کے اعتبار سے مصحف کوئی مالیت نہیں ہے مکتوب ہی کے سبب اس کی حفاظت کی جاتی ہے جبکہ اس کی جلد، اس کے اوراق اور اس کے حلیہ کے

سب سے نہیں۔ یہ تمام اشیاء توابع ہیں اور تابع کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ (کیونکہ حدود ابدال سے ثابت نہیں ہوتیں، قاعدہ فقہیہ) جس طرح جب کسی شخص نے کوئی برتن چوری کر لیا اور برتن کی قیمت نصاب سرقہ سے زیادہ ہے۔

مسجد حرام کے دروازوں کو چرانے پر قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا کوئی احراز نہیں ہے۔ پس یہ گھر کے دروازے کی چوری کے حکم میں ہو جائے گا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھنے والا ہے کیونکہ گھر کے دروازے کے سبب گھر میں موجود اشیاء کی حفاظت کی جاتی ہے جبکہ مسجد حرام کے دروازے سے مسجد حرام کی، اشیاء کی حفاظت نہیں کی جاتی لہذا مسجد کے سامان کی چوری پر قطع واجب نہ ہوگا۔

شرح

علامہ ابن عابدین حنفی شامی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے شراب چرائی تو قطع نہیں ہاں اگر شراب قیمتی برتن میں تھی کہ اس برتن کی قیمت دس درم ہے اور صرف شراب نہیں بلکہ برتن چورانا بھی مقصود تھا، مثلاً بظاہر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ برتن بیش قیمت ہے تو قطع ہے۔ لہذا ولب کی چیزیں جیسے ڈھول، طبلہ، سرنگی، وغیرہ ہر قسم کے باجے اگرچہ طبل جنگ، چورایا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اسی طرح سونے چاندی کی صلیب یا بت اور شطرنج نزد چورانے میں قطع نہیں اور روپے اشرفی پر تصویر ہو جسے آج کل ہندوستان کے روپے اشرفیاں تو قطع ہے۔ مکان کا بیرونی دروازہ اور مسجد کا دروازہ بلکہ مسجد کے دیگر اسباب جہاز خانوس۔ ہانڈیاں۔ قلعے۔ گھڑی، جانماز وغیرہ اور نمازیوں کے جوتے چورانے میں قطع نہیں مگر جو اس قسم کی چوری کرتا ہو اسے پوری مرادی جائے اور قید کریں یہاں تک کہ سچی توبہ کر لے بلکہ ہر ایسے چور کو جس میں کسی شبہ کی بنا پر قطع نہ ہو تعزیر کی جائے۔ (روقتار، کتاب الحدود)

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے ہاتھی کے دانت یا اس کی بنی ہوئی چیز چورانے میں قطع نہیں اگرچہ صنعت کی وجہ سے بیش قیمت قرار پاتی ہو اور اونٹ کی ہڈی کی بیش قیمت چیز بنی ہو تو قطع ہے۔ شیر، چیتا وغیرہ درندہ کو ذبح کر کے ان کی کھال کو بچھونا یا چنماز بنانا یا ہے تو قطع ہے ورنہ نہیں اور باز، شکار، کتا، چیتا وغیرہ جانوروں کو چورایا تو قطع نہیں۔ مصحف شریف چورایا تو قطع نہیں اگرچہ سونے چاندی کا اس پر کام ہو۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

مسجد کی حفاظت پر مامور پولیس

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں یہ محکمہ اسی حالت میں قائم رہا، لیکن حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ میں زیاد نے اس صیغہ کو نہایت ترقی دی، اس نے چار ہزار آدمی پولیس میں بھرتی کئے جن کے افسر عبداللہ بن حصن تھے پانچ سو آدمی خاص طور پر مسجد کا پہرہ دیتے تھے اور وہاں سے کبھی نہیں بچتے تھے اس انتظام کا مقصد کچھ ہی کیوں نہ ہوتا ام اس کی وجہ سے ملک کے امن و امان میں اس قدر ترقی ہوئی کہ کوئی شخص اگر راستہ میں کوئی گری پڑی چیز پا جاتا تھا تو لا کر براہ راست اس کے مالک کے حوالے کرتا تھا، زیاد خود کہتا تھا کہ اگر کوئی اور خراسان کے درمیان ایک رسی بھی گم ہو جائے تو مجھ کو اس کے لینے والے کے نام کی خبر ہو جائے گی، ایک دن اس نے ایک گھر میں گھسنے کی آواز سنی پوچھا تو معلوم ہوا کہ لوگ پیرہ دے رہے ہیں بولا اس کی ضرورت نہیں اگر کوئی مال چورایا جائے تو میں اس کا ضامن ہوں۔ اس کے زمانہ میں عشا کی نماز کے بعد اگر کوئی شخص گھر

سے نکلتا تھا تو قتل کر دیا جاتا تھا۔ (تاریخ طبری، ص ۷۷)

سونے کی صلیب چرانے پر عدم حد کا بیان

قَدْ (وَلَا الصَّلِيبُ مِنَ الذَّهَبِ وَلَا الشُّطْرُوحِ وَلَا التَّرْدِ) لِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ مَنْ حَدَّهَا الْكُسْرُ نَهْيًا عَنِ الْمُسْكَرِ ، بِخِلَافِ الدَّرْهِمِ الَّذِي عَلَيْهِ التَّمَالُ لَأَنَّهُ مَا أُعِدَّ لِلْعِبَادَةِ فَلَا تَثْبُتُ شُبْهَةُ إِبَاحَةِ الْكُسْرِ . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِنْ كَانَ الصَّلِيبُ فِي الْمُصَلَّى لَا يُقَطَّعُ بَعْدَ الْحُزْرِ ، وَإِنْ كَانَ فِي بَيْتٍ آخَرَ يُقَطَّعُ لِكَمَالِ الْمَالِيَّةِ وَالْحُزْرِ .

ترجمہ

ف۔ اور سونے کی صلیب چرانے، شطرنج اور زرد چرانے پر قطع نہ ہوگا کیونکہ ان چیزوں کو توڑنے والا برائی سے روکنے کی تائید کرنے والا ہوگا بخلاف اس درہم کے جس پر تصویر بنی ہوئی ہے اس لئے کہ وہ عبادت کیسے نہیں بنائی گئی۔ پس اس کو توڑنے کی اہانت کا شبہ ثابت کرنے والا نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اگر صلیب گر جا گھر میں ہے تو عدم حرز کے سبب قطع ید نہ ہوگا اور جب وہ کسی دوسرے گھر میں ہے تو مالیت اور حفاظت کے سبب اس کی چوری پر قطع ید ہوگا۔

شرح

لہو و لعب کی چیزیں جیسے ڈھول، طبلہ، سارنگی، وغیرہ ہر قسم کے ہاجے اگرچہ طبل جنگ، چورایا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اسی طرح سونے چاندی کی صلیب یا بت اور شطرنج نزد چورانے میں قطع نہیں اور روپے اشرفی پر قصو، ہو جیسے آج کل ہندوستان کے روپے اشرفی تو قطع ہے۔ مکان کا بیرونی دروازہ اور مسجد کا دروازہ بلکہ مسجد کے دیگر اسباب جھاڑیوں، ہانڈیوں، قمے، گھڑی، جانماز وغیرہ ورنہ نمازیوں کے جوتے چورانے میں قطع نہیں مگر جو اس قسم کی چوری کرتا ہو اسے پوری سزا دی جائے اور قید کریں یہاں تک کہ جگہ تو بہ کر لے بلکہ ہر ایسے چور کو جس میں کسی شبہ کی بنا پر قطع نہ ہو تو تیری کی جائے۔ (رہنما، کتاب الحدود)

آزاد بچے کی چوری پر عدم حد کا بیان

(وَلَا قَطْعٌ عَلَى سَارِقِ الصَّبِيِّ الْخُرِّ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ) لِأَنَّ الْخُرَّ لَيْسَ بِمَالٍ وَمَا عَلَيْهِ مِنَ الْحُلِيِّ تَبَعٌ لَهُ ، وَلِأَنَّهُ يَتَأَوَّلُ فِي أَخْذِهِ الصَّبِيُّ إِسْكَاتَهُ أَوْ حَمَلَهُ إِلَى مُرَضِعَتِهِ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : يُقَطَّعُ إِذَا كَانَ عَلَيْهِ حُلِيٌّ هُوَ بِصَابٍ لِأَنَّهُ يَجِبُ الْقَطْعُ بِسَرِقَتِهِ وَحُدُّهُ فَكَذَا مَعَ غَيْرِهِ ، وَعَلَى هَذَا إِذَا سَرَقَ إِنَاءٌ فَضِيَّةٌ فِيهِ نَبِيذٌ أَوْ تَرِيدٌ . وَالْخِلَافُ فِي

الصَّبِيِّ لَا يَمْشِي وَلَا يَتَكَلَّمُ كَمَا لَا يَكُونُ فِي يَدِهِ نَفْسِهِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے آزاد بچے کو چوری کر لیا تو اس پر قطع واجب نہ ہوگا خواہ اس پر زور ہو کیونکہ آزاد ہونا مال نہیں ہے اور زور اس کے تابع ہے کیونکہ بچہ لینے میں چور اسے خاموش کرنے یا اس کی دودھ پلانے والی تک پہنچانے کی تائید کرنے والا ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جب اس بچے کا زور نصاب سرقہ کو پہنچنے والا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ قطع صرف زور کے چوری کرنے کے سبب سے واجب ہوا ہے۔ لہذا دوسری چیز کے چوری کرنے کے سبب بھی قطع ید واجب ہوگا۔ اور یہ اختلاف اس بنیاد پر ہے کہ جب کسی نے چاندی کا ایسا برتن چوری کیا ہے جس میں نبیذ یا شرید ہے اور اس سے پہلا اختلاف اس بچے کے بارے میں ہے جو نہ چلتا ہو، نہ بولتا ہو کیونکہ وہ اپنے ذاتی اختیار میں نہیں ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے آزاد بچہ کو چرایا اگرچہ زور پہنچے ہوئے ہے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر بڑے غلام کو جو اپنے کو بتا سکتا ہے چورایا تو قطع نہیں، اگرچہ سونے یا بیہوشی یا جنون کی حالت میں اسے چورایا ہو اور اگرنا سمجھ غلام کو چرایا تو قطع ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

بڑے غلام کی چوری پر عدم حد کا بیان

(وَلَا قَطْعٌ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الْكَبِيرِ) لِأَنَّهُ غَضَبٌ أَوْ خِدَاعٌ (وَيُقَطَّعُ فِي سَرِقَةِ الْعَبْدِ الصَّغِيرِ) لِتَحَقُّقِهَا بِحَدِّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يُعَبَّرُ عَنْ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ هُوَ وَالْبَالِغُ سَوَاءٌ فِي اعْتِبَارِ يَدِهِ .

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ : لَا يُقَطَّعُ وَإِنْ كَانَ صَغِيرًا لَا يَعْقِلُ وَلَا يَتَكَلَّمُ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ آدَمِيٌّ مِنْ وَجْهِ مَالٍ مِنْ وَجْهِهِ ، وَلَهُمَا أَنَّهُ مَالٌ مُطْلَقٌ لِكُونِهِ مُنْتَفَعًا بِهِ أَوْ بَعَرَضٍ أَنْ يَصِيرَ مُنْتَفَعًا بِهِ إِلَّا أَنَّهُ انْصَمَّ إِلَيْهِ مَعْنَى الْآدَمِيَّةِ .

ترجمہ

اور بڑے غلام کی چوری پر قطع ید نہ ہوگا کیونکہ یہ غصب ہے جبکہ چھوٹے غلام کی چوری پر قطع ید ہوگا کیونکہ اس میں سرقہ اپنی مکمل تعریف کے ساتھ پایا جا رہا ہے ہاں جب وہ اپنی ترجمانی کرنے والا ہے کیونکہ ایسا غلام اور بالغ یدوں اپنے اختیار میں برابر ہیں۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے فرمایا قطع ید واجب نہ ہوگا اگرچہ غلام چھوٹا ہی کیوں نہ ہو جو نہ سمجھ سکتا ہو اور نہ بول سکتا ہو

اور استحسان کا حکم ہے۔ کیونکہ یہ ایک طرح آدمی ہے اور ایک طرح سے مال ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ غلام مصق طور پر مال ہے۔ کیونکہ اس سے فائدہ حاصل ہونے والا ہے اگرچہ اس میں آدمیت کا معنی بھی مل گیا ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے آزاد بننے کو چاہا اگرچہ زیور پہنے ہوئے ہے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اسی طرح اگر بڑے غلام کو جو اپنے کو بتا سکتا ہے چورایا تو قطع نہیں، اگرچہ سونے یا بیہوشی یا جنون کی حالت میں اسے چورایا ہو اور اگرنا سمجھ غلام کو چورایا تو قطع ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

سارق غلام کی حد میں مذاہب اربعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر غلام چوری کرے تو اس کو بیچ ڈالو اگرچہ نش کے بدلے میں اس کو بیچنا پڑے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

نش نون کے زبر، ورشین کے ساتھ (نصف اوقیہ یعنی بیس درہم کو کہتے تھے مراد یہ ہے کہ چوری کرنے والے غلام کو بیچ ڈالو اگرچہ اس کو کتنی ہی کم قیمت میں کیوں نہ بیچنا پڑے کیونکہ چوری کا ارتکاب کر کے وہ عیب دار ہو گیا ہے اور عیب دار غلام کو اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور اکثر اہل علم یہ فرماتے ہیں کہ اگر غلام چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے خواہ وہ بھگڑا ہو یا غیر بھگڑا۔ اس بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر خدند بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے یا کوئی غلام اپنے مالک یا اپنے مالک کی بیوی اور یا اپنی مالکہ کے خاوند کے مال کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ عام طور پر خاوند بیوی کو ایک دوسرے کے مال پر اور غلام کو اپنے آقا اور اس کے گھر والوں کے مال و اسباب پر خود ان کی اجازت سے دسترس حاصل ہوتی ہے اس صورت میں حرز کی شرط پوری طرح نہیں پائی جاتی جو قطع ید کی سزا کے لئے ضروری ہے۔

رجسٹری چوری پر عدم حد کا بیان

(وَلَا قَطْعُ فِي الدَّفَاتِيرِ كُلِّهَا) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مَا فِيهَا وَذَلِكَ لَيْسَ بِمَالٍ (إِلَّا فِي دَفَاتِيرِ الْحِسَابِ) لِأَنَّ مَا فِيهَا لَا يُقْصَدُ بِالْأَخْذِ فَكَانَ الْمَقْصُودُ هُوَ الْكَوَاغِدُ. قَالَ (وَلَا فِي سَرِقَةِ كَلْبٍ وَلَا قَهْدٍ) لِأَنَّ مِنْ جَنْسِهَا يُوجَدُ مُبَاحُ الْأَصْلِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهِ وَلِأَنَّ الْإِخْتِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ ظَاهِرٌ فِي مَالِيَةِ الْكَلْبِ فَأَوْرَثَتْ شُبُهَةً.

(وَلَا قَطْعُ فِي دُفٍّ وَلَا طَبَلٍ وَلَا بَرَبِطٍ وَلَا مِزْمَارٍ) لِأَنَّ عِنْدَهُمَا لَا قِيمَةَ لَهَا وَعِنْدَ أَبِي

حَبِيفَةَ أَخَذَهَا يَتَأَوَّلُ الْكُسْرَ فِيهَا. (وَيُقْطَعُ فِي السَّاجِ وَالْقَنَّا وَالْأَبْنُسِ وَالصَّنْدَلِ) لِأَنَّهَا أَمْوَالٌ مُحَرَّرَةٌ لِكُونِهَا غَزِيرَةً عِنْدَ النَّاسِ وَلَا تَوْجَدُ بِصُورَتِهَا مُبَاحَةً فِي دَارِ الْإِسْلَامِ.

ترجمہ

اور رجسٹری اور کاپیوں کی چوری پر قطع ید نہ ہوگا کیونکہ دفاتر سے ان کی تحریریں مقصود ہوتی ہیں اور تحریرات مال نہیں ہیں۔ البتہ حساب کے رجسٹری کی چوری حد کو واجب کرنے والی ہے کیونکہ حساب والے رجسٹروں کی چوری سے کاغذ مقصود ہوتے ہیں۔ فرمایا: کہتے اور جیسے کی چوری پر بھی حد واجب نہ ہوگی کیونکہ ان کے جس سے وہ پائے جاتے ہیں جو اصل کے اعتبار سے مباح ہیں۔ جن میں کوئی دیکھی نہیں ہوتی کیونکہ کہنے کی مالیت میں علماء کا اختلاف کئی جگہ نظر ہے اور اس اختلاف کے سبب شبہ پیدا ہو چکا ہے۔

دف، طبلہ، باجہ اور بانسری کی چوری پر قطع ید نہ ہوگا کیونکہ صاحبین کے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ان کو لینے والا توڑنے کی تاویل کرنے والا ہے۔ ساکھ، نیزے کی پھل، انبوس اور صندل چوری کرنے میں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ یہ محفوظ مال ہے اور لوگوں کے نزدیک عزیز ہے اور یہ اپنی اصلی صورت کے اعتبار سے دارالاسلام میں مباح نہیں ہے۔

شرح

لبودعب کی چیزیں جیسے ڈھول، طبلہ، سارنگی، وغیرہ ہر قسم کے باجے اگرچہ طبل جنگ، چورایا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ اسی طرح سونے چاندی کی صلیب یا بت اور شطرنج نزد چورانے میں قطع نہیں اور روپے اشرفی پر تصویر ہو جیسے آج کل ہندوستان کے روپے اشرفی میں تو قطع ہے۔ مکان کا بیرونی دروازہ اور مسجد کا دروازہ بلکہ مسجد کے دیگر اسباب جھاڑ فانوس۔ ہانڈیاں۔ قمچے۔ گھڑی، جانماز وغیرہ اور نمازیوں کے جوتے چورانے میں قطع نہیں مگر جو اس قسم کی چوری کرتا ہو اسے پوری سزا دی جائے اور قید کریں یہاں تک کہ سچی توبہ کر لے بلکہ ہر ایسے چور کو جس میں کسی شبہ کی بنا پر قطع نہ ہو تعزیر کی جائے۔ (روحانہ، کتاب الحدود)

سبز گینوں کی چوری پر عدم حد کا بیان

قَالَ (وَيُقْطَعُ فِي الْفُصُوصِ الْخَضِرِ وَالْيَاقُوتِ وَالزَّبَرْجَدِ) لِأَنَّهَا مِنْ أَعَزِّ الْأَمْوَالِ وَأَنْفُسِهَا وَلَا تَوْجَدُ مُبَاحَةً الْأَصْلِ بِصُورَتِهَا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ غَيْرُ مَرْغُوبٍ فِيهَا فَصَارَتْ كَالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ.

(وَإِذَا اتَّخَذَ مِنَ الْخَشَبِ أَوَالِي وَأَبْوَابًا قُطِعَ فِيهَا) لِأَنَّهُ بِالصَّنْعَةِ التَّحَقُّ بِالْأَمْوَالِ

الْفَيْسِيَّةُ ؛ أَلَا تَرَى أَنَّهَا تُحَرِّزُ بِخِلَافِ الْحَصِيرِ لِأَنَّ الصَّنْعَةَ فِيهِ لَمْ تَغْلِبْ عَلَى الْجِنْسِ حَتَّى يُسْطَ فِي غَيْرِ الْحَرَزِ ، وَفِي الْحَصِيرِ الْبُعْدَ ادِّتِي قَالُوا يَجِبُ الْقَطْعُ فِي سَرِقَتِهَا لِعَلْبَةِ الصَّنْعَةِ عَلَى الْأَصْلِ وَإِنَّمَا يَجِبُ الْقَطْعُ فِي غَيْرِ الْمُرْكَبِ ، وَإِنَّمَا يَجِبُ إِذَا كَانَ خَفِيفًا لَا يَنْقُلُ عَلَى الْوَاحِدِ حَمْلُهُ لِأَنَّ الثَّقِيلَ مِنْهُ لَا يُزْعَبُ فِي سَرِقَتِهِ

ترجمہ

درہز گینوں میں اور یا قوت، زبردہ کی چوری پر حد جاری کی جائے گی کیونکہ یہ قیمتی اموال ہیں اور یہ دارالاسلام میں اپنی اصلی صورت میں مباح نہیں ہیں۔ اور ان کی چوری میں عدم دلچسپی کے سبب یہ سونے اور چاندی کی طرح ہو جائیں گے۔ اور جب کسی نے لکڑی سے دروازے یا برتین بنائے ہیں تو ان پر قطع یہ ہوگا کیونکہ بنانے کے سبب یہ اچھے مال کے ساتھ لاحق ہونے والے ہیں کیا آپ ان کی حفاظت کو نہیں دیکھتے۔ بخلاف حصیر کے کیونکہ چٹائی میں بناوٹ اس کی جنس پر غالب نہیں ہوتی حتیٰ کہ غیر محفوظ جگہ پر بھی ڈلی جاتی ہے اور بخدا دی چٹائی کے بارے میں مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ اس کی چوری میں قطع یہ ہوگا کیونکہ اس میں بناوٹ اصل پر غالب ہے۔ اور ہاتھ کا کٹنا دروازوں میں ہوتا ہے جو دیوار کے ساتھ فکس کیے ہوئے نہ ہوں اور ہلکے ہوں کہ ایک آدمی کیلئے اٹھانا بھی بھاری نہ ہو اس لئے کہ بھاری دروازوں کی چوری میں رغبت نہیں ہوتی۔

شرح

مذکورہ شیاء قیمتی ہیں اور حد سرقہ کی شرائط کے پائے جانے سبب حد جاری ہوگی اس کی دلیل پہلے ذکر کی چکی ہے۔

خائن کی چوری پر عدم حد کا بیان

(وَلَا قَطْعَ عَلَى خَائِنٍ وَلَا خَائِنَةٍ) لِقُصُورٍ فِي الْحَرَزِ (وَلَا مُنْتَهَبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ) لِأَنَّهُ يُجَاهِرُ بِفِعْلِهِ ، كَيْفَ وَقَدْ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا قَطْعَ فِي مُخْتَلِسٍ وَلَا مُنْتَهَبٍ وَلَا خَائِنٍ)

ترجمہ

اور خائن اور خائنین کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں گے۔ کیونکہ ان کی حفاظت میں نقص ہے۔ ڈاکو اور چھیننے والے پر بھی قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ یہ سرعام اپنا کام سرانجام دیتے والے ہیں تو ان پر قطع یہ کا اطلاق کیسے کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: خینت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچلے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں۔ (جامع ترمذی)

خائن کے قطع یہ میں فقہی مذاہب کا بیان

حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "خینت کرنے والے، لوٹنے والے اور اچلے کا ہاتھ کاٹنا مشروع نہیں۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 750

اور صاحب مصابیح نے شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ (ایک دن) حضرت صفوان ابن امیہ مدینہ تشریف لائے اور مسجد میں سر کے نیچے اپنی چادر رکھ کر سو گئے اسی (دوران) ایک چور آیا اور اس نے ان کی وہ چادر (آہستہ سے کھینچ لی) (اور بھاگنا چاہا) مگر صفوان نے اس کو پکڑ لیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے (اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (خود مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ چوری ثابت ہو جانے پر) اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، (یہ فیصلہ سن کر) حضرت صفوان (کو رحم آ گیا۔ ورنہ انہوں نے کہا کہ "اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لانے سے میرا یہ ارادہ نہیں تھا (کہ صرف میری چادر کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹے جائیں اس لئے میں سفارش کرتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو معاف فرمادیں) میں نے اپنی چادر اس کو صدقہ کر دی۔" رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "پھر اس کو میرے پاس لانے سے پہلے ہی تم نے اپنی چادر اس کو صدقہ کیوں نہ کر دی تھی اور اس کو معاف کیوں نہیں کر دیا تھا۔" اسی طرح کی روایت ابن ماجہ نے عبد اللہ ابن صفوان سے اور انہوں نے اپنے والد (حضرت صفوان سے) اور دارمی نے حضرت ابن عباس سے نقل کی۔"

"خائن" اس شخص کو کہتے ہیں جس کو کوئی چیز بطور عاریت کے یا امانت رکھنے کے لئے دی جائے اور وہ اس کی چیزیں کچھ یا سب ہضم کر جائے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ چیز ضائع ہوگئی ہے یا سرے سے اس کا انکار کر دے یعنی یہ کہے کہ وہ چیز مجھے نہیں دی گئی ہے۔ اگرچہ ایسا شخص بہت گنہگار ہوتا ہے مگر قطع یہ مستوجب نہیں ہوتا کیونکہ خائن جس چیز کو ہتھیاتا ہے وہ پوری طرح "حرز" یعنی محفوظ مال کے حکم میں نہیں ہوتی ہدایہ میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح لیرے اور اچلے کو بھی قطع یہ کی سزا اس لئے نہیں دی جاتی کہ وہ غیر کامل چھپ چھپا کر نہیں لیتے جیسا کہ بچہ کی حدیث کی تشریح میں اس کی وضاحت کی گئی۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

"سر کے نیچے چادر رکھنے" کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے کہ صحیح تریات یہ ہے کہ کسی چیز کا اپنے سر کے نیچے رکھنا "حرز" ہے حدیث کے آخری الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اس کو پہلے ہی کیوں نہ معاف کر دیا تھا اور اپنا حق کیوں نہیں چھوڑ دیا تھا اب جب تم اس کو میرے پاس لے آئے اور اس کا جرم ثابت ہو جانے پر میں نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہو گیا ہے اب اس معاملہ میں تمہارا کوئی حق باقی نہیں رہ گیا ہے بلکہ یہ اللہ کا حق ہو گیا ہے لہذا تمہارے معاف کرنے سے اس کا جرم معاف نہیں ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ چور جب حاکم کے سامنے پیش ہو جائے اور اس کا جرم ثابت ہو جائے تو پھر اسے کوئی بھی سزا سے نہیں بچا سکتا، خود مدعی اور صاحب مال کے معاف کرنے سے بھی اس کی سزا معاف نہیں ہوگی، ہاں حاکم کے پاس قضیہ پہنچنے سے پہلے اس کو معاف کر دینا جائز ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو چوری کی وجہ سے اس کے ہاتھ کاٹنے کی سزا سنائی جائے اور پھر اسے چوری کی ہوئی چیز کو اس کا لک اس شخص (چور) کو ہبہ کر کے اس کے سپرد کر دے یا اس چیز کو اس کے ہاتھ فروخت کر دے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ لیکن امام زفرام شافعی اور امام احمد یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور حضرت امام ابو یوسف کا بھی ایک قول یہی ہے اور حضرت صفوان کی مذکور حدیث بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک روایت میں تو یہ حدیث اسی طرح ہے جس طرح یہاں نقل کی گئی لیکن حکم وغیرہ کی روایت میں اس طرح نہیں ہے بلکہ کچھ اضافہ و زیادتی کے ساتھ ہے۔ ہذا اس اضافہ و زیادتی کی وجہ سے اضطراب واقع ہو گیا اور اضطراب حدیث کے ضعیف ہونے کا موجب ہو جاتا ہے۔ (فتح القدیر، کتاب مرقۃ، بحرف)

کفن چور پر عدم حد کا بیان

(وَلَا قُطِعَ عَلَى النَّبَاشِ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَالشَّافِعِيُّ: عَلَيْهِ الْقُطْعُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ نَبَشَ قَطْعَنَاهُ) وَلَآئِنَّهُ مَالٌ مُتَقَوِّمٌ مُخْرَزٌ يُحْرَزُ مِثْلُهُ فَيُقْطَعُ فِيهِ. وَلَهُمَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا قُطْعَ عَلَى الْمُخْتَفِي) وَهُوَ النَّبَاشُ بِلُغَةِ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَلَآئِنَّ الشُّبْهَةَ تَمَكَّنَتْ فِي الْمَلِكِ لِأَنَّهُ لَا مَلِكَ لِلْمَيِّتِ حَقِيقَةً وَلَا لِلْوَارِثِ لِتَقَدُّمِ حَاجَةِ الْمَيِّتِ، وَقَدْ تَمَكَّنَ الْحَلْلُ فِي الْمَقْصُودِ وَهُوَ الْإِنْزِجَارُ لِأَنَّ الْجَنَابَةَ فِي نَفْسِهَا نَادِرَةُ الْوُجُودِ وَمَا رَزَّ دُغَيْرُ مَرْفُوعٍ أَوْ هُوَ مَحْمُولٌ عَلَى السِّيَاسَةِ، وَإِنْ كَانَ الْقَبْرُ فِي بَيْتٍ مُقْفَلٍ فَهُوَ عَلَى الْخِلَافِ فِي الصَّحِيحِ لِمَا قُلْنَا وَكَذَآ إِذَا سَرَقَ مِنْ تَابُوتٍ فِي الْقَافِلَةِ وَفِيهِ الْمَيِّتُ لِمَا بَيَّنَّاهُ.

ترجمہ

اور کفن چور کے ہاتھ کو نہ کاٹا جائے گا۔ یہ حضرت امام اعظم اور امام محمد علیہما رحمہما کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہما رحمہما نے کہا کہ ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے کفن چرایا ہم اس کو ہاتھ کاٹیں گے۔ کیونکہ کفن مقوم مال ہے اور مقوم مال کی طرح حفاظت میں ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ چھپنے والے پر قطع یہ نہیں ہے اور مال مدینہ کی زبان میں مخفی کفن چور کو کہتے ہیں۔ کیونکہ ملکیت میں شبہ پیدا ہو چکا ہے اس لئے میت کے حق میں کوئی ملکیت نہیں ہے اور وارث کو بھی کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی جبکہ میت کی ضرورت مقدم ہے اور اس کے مقصود یعنی ڈانٹ ڈپٹ میں بھی خلل پیدا ہو چکا ہے کیونکہ اس طرح کی

جنایت بذات نادر الوجود ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی روایت کردہ حدیث غیر مرفوع ہے یا پھر وہ سیاست محمول کی جائے گی اور جب قبر بند تالے میں ہو تب صحیح قول کے مطابق، ختلف ہے اور اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں اور اسی طرح جب کسی نے قافلہ میں تابوت میں رکھی ہوئی میت کا کفن چوری کر یہ تب بھی یہی اختلاف ہے اور اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرح

انت میں خیانت کی یا ہاں لوٹ لیا یا اوچک لیا تو قطع نہیں۔ اسی طرح قبر سے کفن چورانے میں قطع نہیں اگرچہ قبر مقفل مکان میں ہو بلکہ جس مکان میں قبر ہے اُس میں سے اگر علاوہ کفن کے کوئی اور کپڑا وغیرہ چورایا جب بھی قطع نہیں بلکہ جس گھر میں میت ہو وہاں سے کوئی چیز چورائی تو قطع نہیں، ہاں اگر اس فعل کا عادی ہو تو بطور سیاست ہاتھ کاٹ دیں گے۔ ذی رحم محرم کے یہاں سے چورایا تو قطع نہیں اگرچہ وہ مال کسی اور کا ہو اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چورایا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چورانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے ابوذر! میں نے عرض کیا" میں حاضر ہوں یا رسول اللہ ﷺ اور فرمانبردار ہوں، فرمائیے کیا ارشاد ہے؟ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس وقت کیا کرو گے جب لوگوں کو موت (یعنی کوئی وبا اپنی پیٹ میں لے لے کی) کیا اس وقت تم موت سے بھاگ کھڑے ہو گے یا صبر و استقامت کی راہ اختیار کرو گے؟" اور گھر یعنی قبر کی جگہ ایک غلام کے برابر ہو جائے گی (یعنی اس وقت وہ ناوجہ سے اتنی کثرت سے اموات ہوں گی کہ ایک قبر کی جگہ ایک ایک غلام کی قیمت کے برابر خریدی جائے گی میں نے عرض کیا اس کے بارے میں اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں (یعنی میں نہیں جانتا کہ اس وقت میرا کیا ہوگا، آیا میں صبر و استقامت کی راہ اختیار کروں یا اپنا مسکن چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوں؟ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس وقت تم پر صبر لازم ہے" حضرت حماد ابن سلمہ کہتے ہیں کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے کیونکہ وہ میت کے گھر میں داخل ہوا ہے۔" (ابوداؤد، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 757)

حضرت حماد ابن ابوسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بظاہر بڑا لطیف نکتہ پیدا اور یہ استدلال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ قبر کو گھر "کہا ہے اس طرح گھر کی طرح قبر بھی "حرز" ہوئی جیسے اور کوئی شخص گھر میں سے کوئی چیز چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے ایسے ہی اگر کوئی شخص قبر میں سے کفن چرائے گا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت حماد کا یہ استدلال مضبوط نہیں ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ جگہ "حرز" کے حکم میں ہوں جس پر "گھر" کا اطلاق ہوتا ہو مثال کے طور پر فرض کیجئے اگر کوئی شخص کسی ایسے گھر میں سے کچھ مال چراتا ہے جس کا دروازہ بند نہ ہو یا جس میں کوئی نگہبان

موجود نہ ہو تو متفقہ طور پر تمام علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اگرچہ اس نے ایک گھر کے اندر سے مال چوری کیا ہے مگر اس گھر کے عدم محفوظ ہونے کی وجہ سے وہ "حرز" نہیں رہا، اور جب اس صورت میں "حرز" کی شرط نہیں پائی گئی تو اس پر قطع ید کی سزا بھی نافذ نہیں ہوگی۔ ٹھیک اسی طرح "قبر" کو اگرچہ "گھر" فرمایا گیا ہے لیکن چونکہ وہ "حرز" یعنی محفوظ نہیں ہے اس لئے اس میں سے کفن چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام محمد کا منسک یہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سزا کفن چور پر نافذ نہیں ہوگی جب کہ تینوں ائمہ و حنفیہ میں سے (حضرت امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

بیت المال کے سارق پر عدم حد کا بیان

(وَلَا يُقْطَعُ السَّارِقُ مِنْ بَيْتِ الْمَالِ) لِأَنَّهُ مَالُ الْعَامَةِ وَهُوَ مِنْهُمْ . قَالَ (وَلَا مِنْ مَالٍ لِلْسَّارِقِ فِيهِ شِرْكَةٌ) لِمَا قُلْنَا .

(وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرٍ دَرَاهِمٌ فَسَرَقَ مِنْهُ مِثْلَهَا لَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّهُ اسْتِيفَاءٌ لِحَقِّهِ) ، وَالْحَالُ وَالْمُؤَجَّلُ فِيهِ سَوَاءٌ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ التَّاجِيلَ لِتَأْخِيرِ الْمُطَالَبَةِ ، وَكَذَا إِذَا سَرَقَ زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ لِأَنَّهُ بِمَقْدَارِ حَقِّهِ يَصِيرُ شَرِيكًا فِيهِ (وَإِنْ سَرَقَ مِنْهُ غُرُوضًا قُطِعَ) لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وَلَا يَتَّهِى إِلَّا بَيْعًا بِالتَّرَاضِي . وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَهُ عِنْدَ بَعْضِ الْعُلَمَاءِ قَضَاءٌ مِنْ حَقِّهِ أَوْ رَهْنًا بِحَقِّهِ .

قُلْنَا : هَذَا قَوْلٌ لَا يَسْتَنْدُ إِلَى دَلِيلٍ ظَاهِرٍ فَلَا يُعْتَبَرُ بِذَوْنِ اتِّصَالِ الدَّعْوَى بِهِ ، حَتَّى لَوْ ادَّعَى ذَلِكَ دُرَّةً عَنْهُ الْحَدُّ لِأَنَّهُ ظَنٌّ فِي مَوْضِعِ الْخِلَافِ ، وَلَوْ كَانَ حَقُّهُ دَرَاهِمَ فَسَرَقَ مِنْهُ دَنَانِيرَ قِيلَ يُقْطَعُ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ حَقٌّ الْأَخِذِ ، وَقِيلَ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ النُّقُودَ مَجْنُوسٌ وَاحِدٌ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے بیت المال سے چوری کر ڈالی تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ لوگوں کا مال ہے اور چور بھی عوام میں داخل ہے اور اسی طرح ایسے مال پر بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جس مال میں چور خود شریک ہو۔ اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

اور جب کسی کے دوسرے پر کچھ دراہم باقی ہیں تو دراہم والے نے اتنے دراہم اس کے چوری کر لئے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ وہ اپنا حق وصول کرنے والا ہے اور اس میں دلیل استحسان کے مطابق نقد و ادھار دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ مدت میں

تین مطالبہ میں تاخر کے سبب سے ہوتا ہے اور اگر حق والے نے اپنے حق سے زیادہ چوری کر ڈالی تب بھی قطع ید نہ ہوگا کیونکہ اپنے حق والے مال میں چوری کی شکل میں وہ شرکت کرنے والا بن جائے گا۔ اور قرض خواہ نے مقرض کا سامان چوری کر لیا تو اس پر قطع ید ہوگا کیونکہ قرض خواہ کیلئے صرف قرض دار کی خوشنودی کے ساتھ بیع کے طور اس سے وصولی کا حق ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس صورت میں بھی چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ بعض فقہاء کے نزدیک قرض دار سے اپنا قرض وصول جائز ہے اگرچہ وہ حق لینے کیلئے یا رہن کے طور پر لے۔ ہم کہیں گے کہ یہ ایسا قول ہے جس کو کسی ظاہری دلیل کی طرف منسوب نہیں کیا گیا حالانکہ جب تک اس کے ساتھ دعویٰ ملنے والا نہ ہوگا تب تک اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا یہاں تک کہ جب چور نے دعویٰ کیا تو اس سے حد کو ختم کر دیا جائے گا کیونکہ یہ خلاف جگہ میں ایک گمان ہے۔ اور جب قرض خواہ کا قرض دراہم میں ہو اور اس نے چوری دنانیر کی کر ڈالی تو ایک قول کے مطابق اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ اس کو لینے کا حق نہیں ہے۔ جبکہ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لئے کہ ساری نقدیوں کی جنس تو ایک ہی ہے۔

شرح

علامہ ابن محمود ہارثی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ بیت المال یہ عام مال ہے جس میں چور کا حق بھی ہے اور سقوط حد کا سبب یا دلیل وہی ہے جس کو مصنف نے بیان کر دیا ہے۔ (عنا، ج ۷، ص ۳۳۳، بیروت)

شیخ نظام الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس درم آتے تھے قرض خواہ نے قرضدار کے یہاں سے روپے یا اشرفیاں چورائیں تو قطع نہیں اور اگر اسباب چورایا اور کہتا ہے کہ میں نے اپنے روپے کے معاوضہ میں لیا یہ بطور رہن اپنے پاس رکھنے کے لیے لایا تو قطع نہیں ہے۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

چوری میں تعدد پر حد سرقہ کا بیان

(وَمَنْ سَرَقَ عَيْنًا فَقُطِعَ لَهَا فَرْدَهَا ثُمَّ عَادَ فَسَرَقَهَا وَهِيَ بِحَالِهَا لَمْ يُقْطَعْ) وَالْقِيَاسُ أَنْ يُقْطَعَ وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ ، لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ) مِنْ غَيْرِ فَضْلٍ ، وَلِأَنَّ السَّابِقَةَ مُتَكَامِلَةٌ كَالْأُولَى بَلْ أَقْبَحُ لِنَقْدِهِمُ الزَّاجِرَ ، وَصَارَ كَمَا إِذَا بَاعَهُ الْمَالِكُ مِنَ السَّارِقِ ثُمَّ اشْتَرَاهُ مِنْهُ ثُمَّ كَانَتْ السَّرْقَةُ .

وَلَمَّا أَنَّ الْقَطْعَ أَوْجَبَ سُقُوطَ عِصْمَةِ الْمَحَلِّ عَلَى مَا يُعْرَفُ مِنْ بَعْدِ أَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى ، وَبِالرُّدِّ إِلَى الْمَالِكِ إِنْ عَادَتْ حَقِيقَةُ الْعِصْمَةِ يَبْقَى شُبْهَةُ السُّقُوطِ نَظَرًا إِلَى اتِّحَادِ الْمِلْكِ وَالْمَحَلِّ ، وَقِيَامِ الْمَوْجِبِ وَهُوَ الْقَطْعُ فِيهِ ، بِخِلَافِ مَا ذُكِرَ لِأَنَّ الْمِلْكَ قَدْ اخْتَلَفَ بِاخْتِلَافِ سَبَبِهِ ، وَلِأَنَّ تَكَرُّرَ الْجِنَايَةِ مِنْهُ نَادِرٌ لِتَحْمِلِهِ مَشَقَّةُ الزَّاجِرِ فَتُعْرَى

الْبِقَامَةُ عَنِ الْمَقْصُودِ وَهُوَ تَقْلِيلُ الْجَبَايَةِ ، وَصَارَ كَمَا إِذَا قَدَفَ الْمَحْدُودُ فِي قَدْفِ الْمَقْدُوفِ الْأَوَّلِ .

قَالَ (قَبْلَ أَنْ تَعْمُرْتَ عَنْ خَالِهَا مِثْلُ أَنْ يَكُونَ غَزْلًا فَسَرَقَهُ وَقُطِعَ فَرْدُهُ ثُمَّ نُسِجَ فَعَادَ فَسَرَقَهُ قُطِعَ) لِأَنَّ الْعَيْنَ قَدْ تَبَدَّلَتْ وَلِهَذَا يَمْلِكُهُ الْغَاصِبُ بِهِ ، وَهَذَا هُوَ عَلَامَةُ التَّبَدُّلِ فِي كُلِّ مَحَلٍّ ، وَإِذَا تَبَدَّلَتْ الشَّبَهَةُ النَّاشِئَةُ مِنْ اتِّحَادِ الْمَحَلِّ ، وَالْقُطْعُ فِيهِ فَوَجِبَ الْقُطْعُ ثَانِيًا ، وَاللَّهُ أَكْلَمُ بِالْصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے کوئی سامان چرایا اور اس چوری میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا تھا اس کے بعد وہ مالک کو واپس کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد چوری دوبارہ وہی مال پھر چوری کر لیا اور وہ مال اسی حاکمیت میں موجود بھی ہے تو اب چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا جبکہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ایک روایت اسی طرح ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر چور دوبارہ چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ اور اس ارشاد گرامی میں کوئی تفصیل ذکر نہیں ہوئی ہے پس دوسری جنایت پہلی کی طرح کامل ہے۔ بلکہ تقدم کے سزا کے اعتبار سے پہلی سے زیادہ بری ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا کہ جب مالک نے چور کو کوئی سامان فروخت کر دیا اور اس کے بعد مالک نے اس سے وہ سامان خرید لیا اور اس کے بعد اس چور نے وہ سامان چور کر لیا ہو۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قطع ید نے عصمت کے مقام کو ساقط کر دیا ہے جس طرح بعد میں ان شاء اللہ معلوم ہو جائے گا۔ مالک کی طرف ماں واپس کرنے کے سبب اگرچہ عصمت واپس لوٹنے والی ہے مگر محل، ملکیت، قیام موجب قطع کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ سقوط عصمت کا شہدہ برقرار ہے بہ خلاف اس صورت کے جس کو امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے بیان کیا ہے۔ کیونکہ تبدل سبب کے سبب ملکیت تبدل ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ چور کا دوبارہ چوری کرنا شاذ و نادر ہے۔

اس لئے کہ وہ زجر کی مشقت کو برداشت کر چکا ہے پس اس پر حد قائم کرنا مقصد سے خالی ہوگا جبکہ مقصد جنایت کو کم کرنا ہے یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح مجددی القذف والے نے دوبارہ پہلے مقدوف پر ہمت لگائی۔

فرمایا: اور جب چوری شدہ مال اپنے اصلی حالت سے بدل گیا ہے یعنی وہ سوت تھا اس کو کسی نے چوری کر لیا اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور وہ مالک کو واپس کر دیا اس کے بعد مالک نے کپڑے کی بنائی کراچی اس کے بعد اس کو اسی چور نے چوری کر لیا تو اب اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ عین بدل چکا ہے۔ پس سوت کو غصب کرنے والا بننے کے سبب اس کا مالک ہو جائے گا اور ہر مسئلہ میں تبدل کا یہی قانون ہے۔ (قاعدہ فقہیہ) اور جب محل بدل چکا ہے تو محل کے متحد ہونے اور اسی محل میں قطع ید کے پائے جانے

کے سبب شہدہ ختم ہو چکا ہے پس دوبارہ قطع ید واجب ہو جائے گا۔

سبب ملکیت کی تبدیلی ذات میں تبدیلی کو واجب کرتی ہے، قاعدہ

تبدل الملك يوجب تبدل لاقى العين . (نور الانوار)

سبب ملکیت کی تبدیلی ذات میں تبدیلی کو واجب کرتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر کسی چیز کے سبب ملکیت میں تبدیلی پڑے یعنی وہ سبب جس کی وجہ سے ملکیت تھی وہ سبب بھی تبدل ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کی ذات میں تبدیلی ہو جائے گی اور حکم بھی تبدل ہو جائے گا۔ اس کا ثبوت یہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گوشت صدقہ دیا گیا تھا انہوں نے وہ رسول اللہ ﷺ کو بدیہ کیا، آپ نے فرمایا: یہ گوشت بریرہ کیلئے صدقہ تھا اور ہمارے لئے بدیہ ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۵، قدیمی کتب خانہ کراچی) کیونکہ جب تم نے اسے حاصل کیا تو وہ تمہارے لئے صدقہ تھا اور جب تمہاری ملکیت میں آگیا اور پھر تم نے ہمیں دیا تو وہ ہمارے لئے بدیہ ہوگا کیونکہ ملکیت کی تبدیلی عین ذات میں تبدیلی کو واجب کرتی ہے۔ (نور الانوار)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی بیٹا باپ کا حق ادا نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام دیکھے اور پھر اسے خرید کر آزاد کر دے۔ (مسلم ج ۱ ص ۳۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی)

فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ ہر ذی رحم محرم جب ملکیت میں آئے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بالعموم فرمایا: جو شخص اپنے ذی رحم محرم کا مالک ہو گیا تو وہ آزاد ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۸۱، قدیمی کتب خانہ کراچی) (ہدایہ اخیرین ج ۳ ص ۴۳۹، مکتبہ نوریہ رضویہ سکر)

ذی رحم محرم پر ملکیت حاصل ہونے پر وہ سبب جو عام غلاموں میں ہوتا ہے وہ تبدل ہو گیا کیونکہ سبب غلامیت سے زیادہ قوی سبب ذی رحم محرم ہونا ہے اور قوی سبب کے ہوتے ہوئے ضعیف سبب ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو ذی رحم محرم ہوں گے وہ اپنے رشتہ دار کی ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جائیں گے۔

لوٹنے والے پر عدم قطع ید کا بیان

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیسرے کی سزا قطع ید نہیں ہے اور جو شخص لوگوں کو لوٹنے

وہ ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہمارے ہٹائے ہوئے راستے پر چلنے والا نہیں ہے)۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود)

لیسرا (لوٹنے والا) اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کا مال زبردستی حاصل کرے اس طرح لوگوں کا مال لوٹنا اگرچہ چوری چھپے مال اڑانے سے بدتر ہے لیکن ایسے شخص پر چور کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ چور اس شخص کو کہتے ہیں جو چھپ چھپا کر لوگوں کا مال اڑائے۔

فصل فی الحرز والاحتیاط

یہ فصل مال کے حرز اور اس سے سرقت کے بیان میں ہے ﴿

فصل حرز و سرقت کی فقہی مطابقت کا بیان

۱۔ مسابن محمود باہرتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ سرقت کا ثبوت مال مسرقتہ پر موقوف ہے یعنی اگر وہ مال محفوظ ہے تو سرقت ثابت ہو جائے گی۔ مصنف علیہ الرحمہ جب موصوف سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس حرز کا بیان شروع کیا ہے جس سے وہ وصف حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس میں سقوط حد سرقت کی علت ہے اور وہ قرابت و لاد ہے اور اس میں دو اسباب ہیں (۱) کسی مال کا مقام حرز میں ہونا ہے (۲) کسی مال کا ذی رحم محرم کا ہونا ہے۔ (عناویہ، ۷، ۳۴۹، بیروت)

چوری میں شرط حرز کا فقہی بیان

حرز حد سرقت کی دوسری شرط ہے۔ حرز سے مراد وہ کم سے کم انتظامات ہیں جو مال کی حفاظت کے لیے کیے گئے ہوں۔ بغیر کسی حفاظتی تحویل کے موجود مال یا سروسامان کے ہتھیار لینے پر حد سرقت جاری نہیں کی جائے گی۔ حرز کا تعین عرف و رواج کے مطابق ہوگا کیونکہ دیہاتوں میں معمولی اور چھوٹی دیوار کو بھی ملکیت کے ثبوت کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے جبکہ شہروں میں اس سے زیادہ انتظام کی ضرورت ہوتی ہے، چانور کو باندھنا اور دیگر سوار یوں کو تال لگانا حرز ہوتا ہے، بصورت دیگر سروسامان اور مال کو وارث سمجھ لیا جاتا ہے۔

مکان کی چار دیواری حرز ہے اور اس سے مال نکال کر لے جانا سرقت کی ذیل میں آتا ہے، کھوٹے سے بندھی ہوئی کشتی اور چانور دوتاں لگی سواری بھی حرز کے اندر شمار ہوں گے اور انہیں کھول کر لے جانے والے سرقت کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ مالک کی نظر میں موجود شے بھی حرز میں سمجھی جاتی ہے جیسے ایک شخص کی سواری گھس چڑھی ہو اور کسی کھوٹے سے بندھی نہ ہو لیکن مالک نے اس پر نظر رکھی ہو تو اس سواری کو لے جانے والے حد سرقت کا مرتکب سمجھا جائے گا۔ سونے والے کے نیچے دبی ہوئی چیز بھی حرز میں ہوگی لیکن قبر حرز نہیں ہوگی اور کفن نکالنے والا حد سرقت کی ذیل میں نہیں آئے گا کیونکہ مردہ مالک بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ کھلے ہوئے چانور کھلی ہوئی سواریاں اور عام سڑکوں، چوراہوں اور دیر نوں پر موجود سروسامان و مال و اسباب پر ناجائز قبضہ کرنے والے حد سرقت کے اگرچہ مرتکب نہیں ہوں گے تاہم انہیں کوئی تعزیری دی جاسکے گی جو حد سرقت یعنی ہاتھ کاٹنے سے شدید تر بھی ہو سکتی ہے۔

شور مچانے پر اگر چور سامان چھوڑ کر بھاگ جائے تو فیہا اور اگر مزاحمت کرے تو اس کے خلاف جوابی کارروائی کرنا جائز ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک قول منقول ہے کہ چور کو خوفزدہ کرو مگر پکڑو نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے زمانے میں حاطب بن ابی بلتعہ اپنے غلاموں کو کھانے کو نہیں دیتے تھے جس پر ان غلاموں نے ایک شخص کی اونٹنی ذبح کر کے کھالی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلاموں کے ہاتھ کاٹنے کی بجائے ان کے آقا حاطب بن ابی بلتعہ سے اونٹنی کی قیمت سے دو گنا تاوان وصول کیا۔ قحط کے زمانے میں ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اونٹنی کی چوری کی شکایت دیا کہ اس کی اونٹنی چوری کر کے ذبح کر لی گئی تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے دو اونٹنیاں دے دیں اور ساتھ کہا کہ ہم قحط کے زمانے میں حد سرقت جاری نہیں کیا کرتے۔ شہد کے مال سے چوری کرنے پر بھی حد جاری نہیں ہوگی جیسے دس آدمی کچھ مال کے مشترک مالک ہیں اور ان میں ایک آدمی اس مال کا کچھ حصہ چوری کر لیتا ہے تو اس پر حد سرقت جاری نہیں کی جاسکے گی کیونکہ اس مال میں اس کے حصے کا بھی حق شبہ تھا۔ مال چھیننے والے پر حد سرقت جاری نہیں ہوگی کیونکہ وہ چوری نہیں ہے اور اگر راستہ روک کر مال چھینا گیا ہے تو حد حراہ جاری ہوگی، اسی طرح امانت میں خیانت کرنے والے پر اور عاریتاً چیز لے کر واپس نہ کرنے والے پر بھی حد سرقت جاری نہیں ہو سکتی گی اور یہ لوگ تعزیر کے مستحق ہوں گے۔

بعض فقہا سبزیوں اور پھلوں کے کھ لینے کو اور جانوروں کے دودھ دہ کر پینے کو بھی چوری نہیں سمجھتے لیکن یہ کہ صرف کھانے پینے کے بقدر ہی لیے گئے ہوں یعنی مس فرد و ان سفر کسی باغ سے بغیر اجازت پھل توڑ کر کھالے یا بغیر اجازت جانور کا دودھ دہ کر پینے سے تو حد سرقت جاری نہیں کی جائے گی لیکن اگر کپڑے اور برتن بھر کر لے جانے لگیں تو پھر جملہ شرائط پوری ہونے پر پھلوں اور سبزیوں اور جانوروں کے دودھ چوروں پر بھی حد جاری ہوگی۔ چور کے پاس سے چوری کا سامان برآمد ہو جائے تو اسے مالک کو واپس کر دینا لازم ہے۔ سامان کی برآمدگی، اقرار جرم اور گواہان چور کا جرم ثابت کرنے کے طریقے ہیں۔

ذی رحم محرم کی چوری کرنے کا بیان

(وَمَنْ سَرَقَ مِنْ آبَوَيْهِ أَوْ وَلَدِهِ أَوْ ذِي رَحِمٍ مَحْرُومٍ مِنْهُ لَمْ يُقْطَعْ) فَلَاوُلٌ وَهُوَ الْوِلَادُ لِلْبُسُوطَةِ فِي الْمَالِ وَفِي الدُّخُولِ فِي الْحِرْزِ. وَالثَّانِي لِلْمَعْنَى الثَّانِي، وَلِهَذَا أَبَاحَ الشَّرْعُ النَّظَرَ إِلَى مَوَاضِعِ الزَّيْبَةِ الظَّاهِرَةِ مِنْهَا، بِخِلَافِ الصَّدِيقَيْنِ لِأَنَّهُ عَادَاهُ بِالسَّرِقَةِ. وَفِي الثَّانِي خِلَافُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِأَنَّهُ أَحَقَّهَا بِالْفَرَايَةِ الْعَبْدَةِ، وَقَدْ بَيَّنَّا فِي الْعَتَاقِ (وَلَوْ سَرَقَ مِنْ بَيْتِ ذِي رَحِمٍ مَحْرُومٍ مَتَاعَ غَيْرِهِ يَنْبَغِي أَنْ لَا يُقْطَعَ، وَلَوْ سَرَقَ مَالَهُ مِنْ بَيْتِ غَيْرِهِ يُقْطَعُ) اِعْتِبَارًا لِلْحِرْزِ وَعَدَمِهِ (وَإِنْ سَرَقَ مِنْ أُمِّهِ مِنَ الرِّضَاعَةِ قُطِعَ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَا يُقْطَعُ لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا مِنْ غَيْرِ اسْتِئْذَانٍ وَحِشْمَةٍ، بِخِلَافِ الْأَخِي مِنَ الرِّضَاعِ لِأَنَّهُ لَا يَدْخُلُ عَلَيْهَا عَادَةً.

وَجْهَ الظَّاهِرِ أَنَّهُ لَا قَرَابَةَ وَالْمَحْرَمِيَّةُ بِذَوْنِهَا لَا تُحْتَرَمُ كَمَا إِذَا ثَبَتَ بِالزَّوْنِ وَالتَّقْبِيلِ عَنْ شَهْوَةٍ ، وَأَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ الْأَخْتُ مِنَ الرِّضَاعَةِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الرِّضَاعَ قَلَمًا يَشْتَهَرُ فَلَا بُسُوطَةَ تَحَرُّرًا عَنْ مَوْقِفِ التَّهْمَةِ بِخِلَافِ النَّسَبِ .

ترجمہ

در جس نے والدین یا اپنی اولاد یا پھر اپنے ذی رحم محرم کے مال کو چوری کر لیا تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ اس میں پہلی قسم کا مال تو وہ اولاد کے رشتے کے سبب آپس میں لین دین ہوتا رہتا ہے اور یہ لوگ ایک دوسرے کے حفاظتی مقام پر آنے والے ہیں اور دوسری قسم جتنی ذی رحم محرم تو اس میں بھی دخول پایا جاتا ہے اسی طرح کے سبب کے پیش نظر شریعت نے ذی رحم محرم کے ظاہری زہیب و زینت کو دیکھنا مباح رکھا ہے۔ جبکہ دوستی میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ دوستی چوری کے سبب دشمنی میں تبدیل ہونے والی ہے۔ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے ذی رحم محرم کی چوری پر اختلاف کیا ہے کیونکہ انہوں نے ذی رحم محرم والی قرابت کو دور و نزدیک کے ساتھ لاحق کر دیا ہے اور اس کو ہم کتاب عقاق میں بیان کر چکے ہیں۔

اور جب کسی شخص نے ذی رحم محرم کے کمرے کسی دوسرے شخص کا سامان چوری کر لیا ہے تو بھی اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ ہاں جب اس نے کسی دوسرے شخص کے گھر سے ذی رحم محرم کا سامان چوری کیا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ یہاں پر حفاظت معدوم ہو چکی تھی۔ اور جب اس نے کسی رضاعی ماں کا سامان چوری کیا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ بندہ اجازت وغیرہ کی جیل و جنت کے رضاعی ماں کے گھر جانے والا ہے یہ خلاف رضاعی بہن کے کیونکہ اس میں عرف کے مطابق یہ معمول معدوم ہے۔

ظاہر الروایت کی دلیل یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی کوئی قرابت نہیں ہے۔ اور قرابت کے بغیر محرم ہونا ثابت نہ ہوگا جس طرح زنا یا بوسہ شہوت کے سبب قرابت حاصل ہوتی ہے جبکہ رضاعی بہن کا محرم ہونا اس سے بھی زیادہ قریب ہے کیونکہ رضاعت کی شہرت کم ہوتی ہے پس تہمت سے بچاؤ کیلئے زیادہ نہیں ملنا چاہیے جبکہ نسب میں ایسا نہیں ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ذی رحم محرم کے یہاں سے چھاپا تو قطع نہیں اگر چہ وہ مال کسی اور کا ہو، اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چھاپا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چورانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

زوجین کی آپس کی چوری کا بیان

(وَإِذَا سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنَ الْآخَرِ أَوْ الْعَبْدُ مِنْ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ امْرَأَةٍ سَيِّدِهِ أَوْ مِنْ زَوْجِ سَيِّدَتِهِ لَمْ يُقْطَعْ) لِوُجُودِ الْإِذْنِ بِاللُّخْوَلِ عَادَةً ، وَإِنْ سَرَقَ أَحَدُ الزَّوْجَيْنِ مِنْ جِرْمِ الْآخَرِ خَاصَّةً لَا يَسْكُنَانِ فِيهِ فَكَذَلِكَ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ لِبُسُوطَةِ بَيْنَهُمَا فِي الْأَمْوَالِ عَادَةً وَذَلَالَةً وَهُوَ نَظِيرُ الْخِلَافِ فِي الشَّهَادَةِ .

ترجمہ

اور جب شوہر اور بیوی نے ایک دوسرے میں سے کسی کی چوری کر ڈالی یا پھر غلام نے اپنے آقا کا مال چوری کر لیا یا اس نے اپنے آقا کی بیوی کا سامان چوری کر لیا یا اس نے اپنی مالک کے شوہر کا مال چوری کر ڈالا تو ان پر قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ عرف کے مطابق ان کو گھر میں داخلے کی اجازت ہوتی ہے۔ نیز ایک زوجین کی حد جبکہ ایسے محفوظ مقام سے چوری کی کہ وہاں وہ اکٹھے نہ رہتے تھے تب بھی قطع یہ نہ ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے اس میں اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک عادت اور دلالت کے اعتبار سے ان دونوں کے درمیان فرق ہے اور ان کا یہ اختلاف شہادت والی مثال کے موافق ہے۔

شرح

علامہ علاؤ الدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ذی رحم محرم کے یہاں سے چھاپا تو قطع نہیں اگر چہ وہ مال کسی اور کا ہو، اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چھاپا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چورانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

جب آقائے مال مکاتب سے چوری کی تو عدم حد کا بیان

(وَلَوْ سَرَقَ الْمَوْلَى مِنْ مُكَاتِبِهِ لَمْ يُقْطَعْ) لِأَنَّ لَهُ فِي اِتِّسَابِهِ حَقًّا (وَكَذَلِكَ السَّارِقُ مِنَ الْمُغْنَمِ) لِأَنَّ لَهُ فِيهِ نَصِيبًا ، وَهُوَ مَأْنُورٌ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ ذَرْءًا وَتَعْلِيلًا

ترجمہ

اور آقائے مال مکاتب سے چوری کیا تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کیونکہ مکاتب کی کمائی میں آقا کا حق ہے اور مال غنیمت کی

چوری کرنے والے کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ کیونکہ مال غنیمت میں ہر سپاہی کا حصہ ہوتا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث کو بیان کرنے اور حد کو ختم کرنے کے سبب نقل کیا گیا ہے۔

شرح

عند ملاؤا مدین خفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب کسی شخص نے ذی رحم محرم کے یہاں سے چرایا تو قطع نہیں اگرچہ وہ مال کسی اور ذی رحم محرم کا مال دوسرے کے یہاں تھا وہاں سے چرایا تو قطع ہے۔ شوہر نے عورت کے یہاں سے یا عورت نے شوہر کے یہاں سے یا غلام نے اپنے مولیٰ یا مولیٰ کی زوجہ کے یہاں سے یا عورت کے غلام نے اس کے شوہر کے یہاں چوری کی تو قطع نہیں۔ اسی طرح تاجروں کی دوکانوں سے چورانے میں بھی قطع نہیں ہے جبکہ ایسے وقت چوری کی کہ اس وقت لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت ہے۔ (در مختار، کتاب المہرود)

حرز کی اقسام کا فقہی بیان

وَقَالَ (وَالْحِرْزُ عَلَى تَوْعِينِ حِرْزٍ لِمَعْنَى فِيهِ كَالْيُوبِ وَالْذُّورِ . وَحِرْزٌ بِالْحَافِظِ) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ : الْحِرْزُ لَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّ السَّرَّارَ لَا يَتَحَقَّقُ دُونَهُ ، ثُمَّ هُوَ قَدْ يَكُونُ بِالْمَكَانِ وَهُوَ الْمَكَانُ الْمَعْدُ لِإِخْرَازِ الْأَمْتَعَةِ كَالْذُّورِ وَالْيُوبِ وَالصُّنْدُوقِ وَالْحَانُوتِ ، وَقَدْ يَكُونُ بِالْحَافِظِ كَمَنْ جَلَسَ فِي الطَّرِيقِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ وَعِنْدَهُ مَتَاعُهُ فَهُوَ مُحَرَّزٌ بِهِ ، وَقَدْ قَطَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَقَ رِذَاءَ صَفْوَانَ مِنْ تَحْتِ رَأْسِهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ) (وَفِي الْمَحَرَّزِ بِالْمَكَانِ لَا يُعْتَبَرُ الْإِخْرَازُ بِالْحَافِظِ هُوَ الصَّحِيحُ) لِأَنَّهُ مُحَرَّزٌ بِذَوِيهِ وَهُوَ الْبَيْتُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَابٌ أَوْ كَانَ وَهُوَ مَفْتُوحٌ حَتَّى يُقَطَعَ السَّارِقُ مِنْهُ ، لِأَنَّ الْبِنَاءَ لِقَصْدِ الْإِخْرَازِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ إِلَّا بِالْإِخْرَاجِ مِنْهُ لِقِيَامِ يَدِهِ فِيهِ قَبْلَهُ .

بِخِلَافِ الْمَحَرَّزِ بِالْحَافِظِ حَيْثُ يَجِبُ الْقَطْعُ فِيهِ ، كَمَا أَخَذَ لِرِوَالِ يَدِ الْمَالِكِ بِمَجَرَّدِ الْأَخْذِ قِتْمِ السَّرِقَةِ ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ الْحَافِظُ مُسْتَقِظًا أَوْ نَائِمًا وَالْمَتَاعُ تَحْتَهُ أَوْ عِنْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ لَمْ يَعُدَّ النَّائِمُ عِنْدَ مَتَاعِهِ حَافِظًا لَهُ فِي الْعَادَةِ .

وَعَلَى هَذَا لَا يَضْمَنُ الْمُودَعُ وَالْمُسْتَعِيرُ بِمِثْلِهِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِتَضْيِيعٍ ، بِخِلَافِ مَا اخْتَارَهُ فِي الْفَتَاوَى .

ترجمہ

حرز کی دو اقسام ہیں۔ (۱) وہ مال جو اپنے حکم کے اعتبار سے محفوظ ہو جس طرح کوئی مال گھریا کرے میں ہو۔ (۲) وہ حفاظت جو کسی نگران کے سبب سے حاصل ہو۔

صاحب کتاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرز ضروری ہے کیونکہ حرز کے بغیر خفیہ طور پر مال کو اٹھ لینا یا ہارت نہ ہوگا۔ اس کے بعد حرز کبھی مکان کے سبب سے ہوتا ہے اور یہ وہ مکان ہے کہ جس کو سامانوں کے تحفظ کیلئے بنایا گیا ہے۔ جس طرح گھر، کمرہ، صندوق اور دوکان ہے۔

اور حرز کبھی محفظ یعنی نگران سے حاصل ہوتا ہے جس طرح کوئی شخص راہ میں بیٹھا ہے یا مسجد میں بیٹھا ہے اور اس کا سامان اس سے پاس موجود ہو تو حفاظت اس شخص کے سبب سے ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اس چور کا ہاتھ کٹوا دیا تھا جس نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کے سر کے نیچے سے چادر چوری کی تھی۔ اور حضرت صفوان مسجد میں سو رہے تھے۔ اور مکان میں حفاظت کو محافظ سے حفاظت کرانے کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ وہ سامان اس کی حفاظت کے بغیر بھی محفوظ ہے۔ وہ گھر ہے اگرچہ اس کا دروازہ نہ ہو یا دروازہ ہو لیکن کھلا ہوا ہے تو چرانے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مکان حفاظت کیلئے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ وہاں چیز نکالنے سے قبل وہ مالک کے قبضہ میں ہوتی ہے۔ یہ خلاف اس چیز کے جو نگران کی حفاظت میں ہو کیونکہ اس سے لینے ہی قطع یہ واجب ہوگا کیونکہ صرف لے لینا ہی مالک کو قبضہ کو ختم کرنے والا ہے کیونکہ اسی سے چوری مکمل ہونے والی ہے۔ اور اس کا فرق نہ کیا جائے گا کہ نگران جاگنے والا ہے یا سونے میں محو ہے اور سامان اس کے نیچے ہو یا اس کے اوپر ہو یہی صحیح ہے کیونکہ سامان کو اپنے پاس ہونے کے سبب عرف میں اس کو سامان کا محافظ ہی چانا جاتا ہے۔ اور بنیاد پر اس صورت مسئلہ میں مستحکم اور مؤدع ضامن نہ ہوں گے کیونکہ یہ ضائع کرنا نہیں ہے۔ یہ خلاف اس قول کے جس کو فتاویٰ میں اختیار کیا گیا ہے

شرح

حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی تیس درہم کی مالیت والی چادر پر سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اسے اچک کر لے گیا مجھ سے۔ وہ آدمی پکڑا گیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ہاتھ تیس درہم کی وجہ سے کاٹتے ہیں اس چادر کو اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت تاخیر سے بے لوں کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہ میرے پاس لانے سے قبل ہی کیا ہوتا۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو زائد نے سہاک عن حمید بن حنبلہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں فرمایا کہ صفوان سو گئے اور اسے صفوان وطاؤس نے روایت کیا کہ صفوان سو رہے تھے کہ ایک چور آیا اور اس نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چالی۔ اور ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس چور نے ان کے سر کے نیچے سے چادر کھینچ لی تو

صفون بن عبداللہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ صفوان مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر کو تکیہ بنالیا پس ایک چور آیا اور اس نے چادر کو چر لیا پھر چور پکڑ گیا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 999)

مالک کی حفاظت سے چوری کرنے پر حد کا بیان

قَالَ (وَمَنْ سَرَقَ شَيْئًا مِنْ حِرْزٍ أَوْ مِنْ غَيْرِ حِرْزٍ وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ يَحْفَظُهُ قُطِعَ) لِأَنَّهُ سَرَقَ مَالًا مُحَرَّزًا بِأَحَدِ الْحِرْزَيْنِ (وَلَا قُطِعَ عَلَى مَنْ سَرَقَ مَالًا مِنْ حِمَّامٍ أَوْ مِنْ بَيْتٍ أَوْ مِنْ لِسَانٍ فِي دُخُولِهِ) لِوُجُودِ الْإِذْنِ عَادَةً أَوْ حَقِيقَةً فِي الدُّخُولِ فَاخْتَلَّ الْحِرْزُ وَيَدْخُلُ فِي ذَلِكَ خَوَائِثُ الثَّجَارِ وَالْخَنَازِ ، إِلَّا إِذَا سَرَقَ مِنْهَا لَيْلًا لِأَنَّهَا يُنَبِّتُ لِإِحْرَازِ الْأَمْوَالِ ، وَإِنَّمَا الْإِذْنُ يَخْتَصُّ بِالنَّهَارِ (وَمَنْ سَرَقَ مِنَ الْمَسْجِدِ مَتَاعًا وَصَاحِبُهُ عِنْدَهُ قُطِعَ) لِأَنَّهُ مُحَرَّزٌ بِالْحَافِظِ لِأَنَّ الْمَسْجِدَ مَا بَنِيَ لِإِحْرَازِ الْأَمْوَالِ فَلَمْ يَكُنْ الْمَالُ مُحَرَّزًا بِالْمَكَانِ ، بِخِلَافِ الْحِمَّامِ وَالْبَيْتِ الَّذِي أُذِنَ لِلنَّاسِ فِي دُخُولِهِ حَيْثُ لَا يَقْطَعُ لِأَنَّهُ بَنِيَ لِلْإِحْرَازِ فَكَانَ الْمَكَانُ حِرْزًا فَلَا يُعْتَبَرُ الْإِحْرَازُ بِالْحَافِظِ .

(وَلَا قُطِعَ عَلَى الصَّيْفِ إِذَا سَرَقَ مِمَّنْ أَصَافَهُ) لِأَنَّ الْبَيْتَ لَمْ يَنْبَقْ حِرْزًا فِي حَقِّهِ لِكُونِهِ مَأْذُونًا فِي دُخُولِهِ ، وَلِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ أَهْلِ الدَّارِ فَيَكُونُ فِعْلُهُ خِيَانَةً لَا سَرَقَةً .

ترجمہ

فرمایا: اور جس بندے نے کسی محرز یا غیر محرز مقام سے کوئی چیز چوری کر لی اور اس کا مالک اس کے پاس حفاظت کر رہا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ اس نے اس طرح کا مال چوری کیا ہے جو دو حفاظتوں میں سے ایک حفاظت میں تھا۔

اور اس شخص پر قطع نہ ہوگا۔ جس نے حمام یا ایسے کمرے سے مال چوری کیا ہے جہاں عام لوگوں کو داخل کی اجازت تھی کیونکہ عرف کے مطابق حمام میں عام لوگوں کو اجازت ہوتی ہے۔ ہاں پھر اس میں داخل ہونے کی اجازت حقیقت میں حاصل ہے پس حفاظت میں غلط پیدا ہو چکا ہے۔ اور اسی میں تجارتی دکانیں اور سرائے بیوت بھی داخل ہیں۔ البتہ جب کسی نے ان جگہوں سے رات کے وقت چوری کی تو قطع یہ ہوگا کیونکہ یہ جگہیں مالوں کی حفاظت کیلئے بنائی جاتی ہیں۔ اور ان میں داخل ہونے کی اجازت دن کے ساتھ خاص ہے۔

اور جب کسی نے مسجد سے کوئی چیز چوری کی اور اس کا مالک سامان کے پاس موجود تھا تو چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا کیونکہ یہ

سامان حفاظت کرنے والے کے سبب محفوظ ہے۔ ہاں مسجد مال کی حفاظت کیلئے نہیں بنائی جاتی۔ پس یہ مال محرز بہ مکان نہ ہوا بہ خلاف حمام کے اور اس گھر کے جس میں داخل کی اجازت دی گئی ہو۔ تو قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ یہ احراز کیلئے بنائے جاتے ہیں کیونکہ مکان محرز ہوگا پس حراز بہ حافظ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

اور مہمان چور کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا جس نے اپنے میزبان کا مال چوری کیا کیونکہ مہمان کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملی ہے لہذا گھر اس کے حق میں محرز نہ رہا۔ کیونکہ مہمان گھر میں رہنے والوں کے حکم میں ہے پس اس کا یہ عمل خیانت ہوگا چوری نہ بنے گا۔

شرح

جنادہ بن ابی امیہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت بسر بن اریطہ کے ساتھ سمدر میں سفر کر رہے تھے کہ تو ایک چور جس کا نام،، مصدر،، تھا اور اس نے اونٹ چوری کیا تھا لایا گیا تو حضرت بسر نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ،، سفر کے دوران چور کے ہاتھ نہیں کاٹنے جائیں گے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو میں اس کا ہاتھ ضرور کاٹتا۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1013

چور کا سامان گھر سے باہر نہ لانے کا بیان

(وَمَنْ سَرَقَ سَرَقَةً فَلَمْ يُخْرِجْهَا مِنَ الدَّارِ لَمْ يَقْطَعْ لِأَنَّ الدَّارَ كُلَّهَا حِرْزٌ وَاحِدٌ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِخْرَاجِ مِنْهَا ، وَلِأَنَّ الدَّارَ وَمَا فِيهَا فِي يَدِ صَاحِبِهَا مَعْنَى فَتَمَكَّنُ شُبُهَةً عَدَمِ الْأَخِيذِ فَإِنْ كَانَتْ دَارٌ فِيهَا مَقَاصِيرُ فَأَخْرَجَهَا مِنَ الْمَقْصُورَةِ إِلَى صَحْنِ الدَّارِ قُطِعَ) لِأَنَّ كُلَّ مَقْصُورَةٍ بِاعْتِبَارِ سَاكِنِهَا حِرْزٌ عَلَى حِدَةٍ (وَإِنْ أَغَارَ إِنْسَانٌ مِنْ أَهْلِ الْمَقَاصِيرِ عَلَى مَقْصُورَةٍ فَسَرَقَ مِنْهَا قُطِعَ) لِمَا بَيَّنَّا .

ترجمہ

اور جس شخص نے کوئی سامان چر لیا مگر اس کو گھر سے باہر نہ نکال سکا تھا تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ مکمل حرز گھر سے نکالنا ہے اور ابھی تک وہ حرز نہ پایا گیا۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ گھر اور اس کے سامان کا حکم صاحب گھر کے قبضہ میں ہوتا ہے پس اس میں نہ لینے کا شبہ پایا گیا ہے۔ اور جب گھر ایسا ہے کہ جس میں کئی کمرے ہیں۔ اور چور ایک کمرے سے چوری کرتے ہوئے مال کو محض تک لے آیا تو قطع یہ ہوگا کیونکہ ہر کمرہ اپنے رہنے والے کیلئے الگ حفاظت ہے۔ اور جب کمروں میں رہنے والوں میں کسی نے دوسرے کے کمرے سے جلد بازی کرتے ہوئے سامان چوری کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اسی دلیل کے سبب جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

شرط حرز کے معدوم پر عدم حد کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے یہاں مسئلہ بیان کرتے ہوئے دلیل یہ ذکر کی ہے کہ حد سرقہ کیلئے شرط ہے کہ مالک کا مال کسی طرح

حفاظت میں ہو جس کا حاشیہ میں اطلاق حفاظت یا محفوظ مقام پر ہونے سے کیا جائے۔ اور جب چور وہاں سے مال نہ نکال سکے تو مشتبہ کے سبب اس سے حد ساقط ہو جائے گی۔

نقب زنی سے چوری کرنے والے کا بیان

(وَإِذَا نَقَبَ اللَّصُّ أَلْبَتَ قَدْ خَلَّ وَأَحَدَ الْمَالِ وَزَاوَلَهُ آخَرَ خَارِجَ الْبَيْتِ فَلَا قَطْعَ عَلَيْهِمَا) لِأَنَّ الْأَوَّلَ لَمْ يَخُذْ مِنْهُ إِلَّا حَرَّاحَ لَا غَيْرَ أَضَ يَدٍ مُعْتَبِرَةٍ عَلَى الْمَالِ قَبْلَ خُرُوجِهِ. وَالثَّانِي أَمْ يُوجَدُ مِنْهُ هَتَّكٌ أَحْزَرٌ فَمِنْهُ السَّرِقَةُ مِنْ كُلِّ وَاحِدٍ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ: إِنْ أَخْرَجَ الدَّخِيلُ يَدَهُ مِنْهَا الْخَارِجَ فَالْقَطْعُ عَلَى الدَّخِيلِ، وَإِنْ أَذْخَلَ الْخَارِجُ يَدَهُ فَتَنَّاوَلَهَا مِنْ يَدِ الدَّخِيلِ فَعَلَيْهِمَا الْقَطْعُ. وَهِيَ بَاءٌ عَلَى مَسْأَلَةٍ تَأْتِي نَعْدَ هَذَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى.

(وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الطَّرِيقِ وَخَرَجَ فَآخُذَهُ قُطِعَ) وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ: لَا يُقْطَعُ لِأَنَّ الْإِلْقَاءَ غَيْرُ مُوجِبٍ لِلْقَطْعِ كَمَا لَوْ خَرَجَ وَلَمْ يَأْخُذْ، وَكَذَا الْأَخْذُ مِنَ السَّكَّةِ كَمَا لَوْ أَخْذَهُ غَيْرُهُ.

وَلَسْنَا أَنْ الرَّمْيَ حِيلَةً يَعْتَادُهَا السَّرَّاقُ لِيَعْتَذِرَ الْخُرُوجَ مَعَ الْمَتَاعِ، أَوْ لِيَتَفَرَّغَ لِقِتَالِ صَاحِبِ الدَّارِ أَوْ لِلْفِرَارِ وَلَمْ تَعْتَرِضْ عَلَيْهِ يَدٌ مُعْتَبِرَةٌ فَاعْتَبِرَ الْكُلُّ فِعْلًا وَاحِدًا، فَإِذَا خَرَجَ وَلَمْ يَأْخُذْ فَهُوَ مُضَيِّعٌ لَا سَارِقٌ.

ترجمہ

اور جب کسی چور نے نقب زنی کی اور گھر میں داخل ہو گیا اور مال چوری کر لیا، درگھر کے باہر سے اس سے کسی دوسرے نے لے لیا تو دونوں میں سے کسی پر بھی قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ پہلے کی جانب نکالنے کا حکم نہیں پایا گیا کیونکہ مال نکالنے سے پہلے اعتبار کردہ قبضہ یہ جارہا ہے۔ جبکہ دوسرے شخص پر حرز ختم کرنے کا سبب نہ پایا گیا پس سرقہ دونوں میں سے کسی پر بھی پوری نہ ہوئی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ چور نے ہاتھ نکال کر باہر والے کو مال دیا تو قطع ہوگا اور اگر باہر والے نے ہاتھ گھر میں داخل کر کے لیا تو دونوں پر قطع ہوگا اور اس مسئلہ کی بناء ایک دوسرا مسئلہ پر ہے جس کو ان شاء اللہ اس کے بعد بیان کر دیں گے۔

اور جب داخل نے سامان کو باہر نکالا اور باہر نکال کے اس کو لے گیا تو اس پر قطع یہ واجب ہوگا جبکہ امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ محض اتقاء حد کو واجب کرنے والا نہیں ہے۔ جس طرح وہ کوئی سامان لیے بغیر باہر چلا جائے اور اسی طرح گلی

سے لینے والے کا حکم ہے جس طرح نکالنے والے کے سوا کوئی دوسرا اٹھا لے جائے۔ ہماری دلیل یہ ہے چوری کی یہ عادت ہے کہ وہ سامان نکالنے میں مشکل سے بچنے کیلئے پھینکنے کا ذریعہ اپناتے ہیں۔ یا پھر اس نے اس طرح کرتے ہیں تاکہ گھر والے سے بھاگنے یا لڑنے کیلئے وہ خالی ہوں۔ اور اس میں قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ پس یہ پورا ایک عمل شمار کریں گے۔ مگر جب وہ نکل گیا اور اس نے پھینکا ہوا سامان نہ لیا تو وہ ضائع کرنے والا ہے چور نہ ہوا۔

چوری پر چوری کو مشبہ پر محمول کرنے کا بیان

یہاں بیان کردہ مسئلہ میں جو شخص گھر سے باہر نہیں لایا لہذا اس میں مال پر مالک ملکیت باقی رہی اور جب باہر والے نے باہر سے لے لیا ہے تو اندر داخل ہونے والا نہ ہوا یعنی حرز سے سرقہ نہ ہوئی لہذا دونوں سے حد ساقط ہو جائے گی۔

چور کا سامان گدھے پر لا کر لے جانے کا بیان

قَالَ (وَكَذَلِكَ إِنْ حَمَلَهُ عَلَى حِمَارٍ فَسَاقَهُ وَأَخْرَجَهُ) لِأَنَّ سَيْرَهُ مُضَافٌ إِلَيْهِ لِسُرْقِهِ.

(وَإِذَا دَخَلَ الْحَرَزَ جَمَاعَةً فَتَوَلَّى بَعْضُهُمُ الْأَخْذَ قُطِعُوا جَمِيعًا) قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيفُ:

هَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ يُقْطَعَ الْحَامِلُ وَحْدَهُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ رَحِمَهُ اللَّهُ: لِأَنَّ الْإِخْرَاجَ وَحْدَهُ مِنْهُ فَتَمَّتِ السَّرِقَةُ بِهِ.

وَلَسْنَا أَنْ الْإِخْرَاجَ مِنَ الْكُلِّ مَعْنَى لِلْمُعَاوَنَةِ كَمَا فِي السَّرِقَةِ الْكُبْرَى، وَهَذَا لِأَنَّ الْمُعْتَادَ فِيمَا بَيْنَهُمْ أَنْ يَحْمِلَ الْبَعْضُ الْمَتَاعَ وَيَتَشَمَّرَ الْبَاقُونَ لِلدَّفْعِ، فَلَوْ امْتَنَعَ الْقُدُّعُ لَأَدَّى إِلَى سَدِّ بَابِ الْحَدِّ.

ترجمہ

فرمایا: اور اسی طرح جب کسی شخص نے سامان گدھے پر لاد دیا اور اس کو ہانک کر لے گیا تو بھی قطع یہ ہوگا کیونکہ گدھے کا چلنا ہانکنے کے سبب سے اس چور کی طرف مضاف ہے اور جب متعدد لوگ محفوظ جگہ میں داخل ہوئے اور ان میں سے کسی ایک مال چوری کر لیا تو سب کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم امتحان کے پیش نظر ہے جبکہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ صرف چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ امام زفر علیہ الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے کیونکہ مال کو لینا اس کی جانب ثابت ہے پس اسی سے چوری مکمل ہو جائے گی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کے اعتبار سے ہر ایک کی جانب سے سامان نکالنا ثابت ہو جائے گا کیونکہ چوری میں سب کی مدد شامل ہے جس طرح ذکیقتی میں ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چوروں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ایک چور سامان اٹھانے والا ہوتا

ہے جبکہ دوسرے اس کے دفاع کیسے تیار رہتے ہیں۔ پس عدم قطع کے سبب سے حدود و ازاں کو بند کرنا لازم آئے گا۔

اضافت فعل کے سبب حکم کا بیان

جب کسی شخص نے چوری کا مال سواری لے لیا اور اس کو ہاتھ کر گھر یا حوزہ سے باہر لایا تو چوری کرنے والے پر حد ہوگی کیونکہ اس میں حد سرقہ کا حکم پایا جا رہا ہے اور البتہ سواری کو چلانے کا مسئلہ تو اس کی اضافت چلانے والے کی طرف کی جائے گی۔ کیونکہ اس محرک وہی ہے۔ لہذا سقوط حد کا کوئی اشتباہ نہ ہوگا۔

نقب زنی کرنے والے کا باہر سے چوری کرنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ نَقَبَ الثَّيْتِ وَأَدْخَلَ يَدَهُ فِيهِ وَأَخَذَ شَيْئًا لَمْ يَقْطَعْ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي الْبَائِلَاءِ أَنَّهُ يَقْطَعُ لِأَنَّهُ أَخْرَجَ الْمَالَ مِنَ الْحِزْرِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ فَلَا يُشْتَرَطُ الدُّخُولُ فِيهِ ، كَمَا إِذَا أَدْخَلَ يَدَهُ فِي صَنْدُوقِ الصَّيْرِفِيِّ فَأَخْرَجَ الْغِطْرِيْفِيَّ .

وَلَسْنَا أَن هُنَا الْحِزْرُ يُشْتَرَطُ فِيهِ الْكَمَالُ تَحَرُّرًا عَنْ شُبْهَةِ الْقَدَمِ وَالْكَمَالِ فِي الدُّخُولِ ، وَقَدْ أَمَكَّنَ اعْتِبَارُهُ وَالِدُخُولُ هُوَ الْمُعْتَادُ .

بِحَالَافِ الصَّنَدُوقِ لِأَنَّ الْمُمَكِّنَ فِيهِ إِدْخَالَ الْيَدِ دُونَ الدُّخُولِ ، وَبِخِلَافِ مَا تَقَدَّمَ مِنْ حَمَلِ الْبَعْضِ الْمَتَاعَ لِأَنَّ ذَلِكَ هُوَ الْمُعْتَادُ .

ترجمہ

اور جب کسی نے کمرے میں نقب زنی کی اور باہر سے ہاتھ ڈال کر چوری کر ڈالی تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے اس میں اس طرح روایت کیا گیا ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس نے محفوظ جگہ سے مال چوری کیا ہے اور اس کا مقصود بھی یہی تھا۔ پس گھر میں داخلہ شرط نہ ہوگا جس طرح اس نے سارے صندوق میں اپنا ہاتھ داخل کر کے اس سے غطریف کا درہم نکالا۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مکمل حوزہ میں ہتک شرط ہے تاکہ حوزہ نہ ہونے یا پھر کمال طریقے سے داخل نہ ہونے کا شبہ نہ ہو اور اس کا اعتبار کرنا ممکن بھی ہے جبکہ دخول معتاد ہے۔ یہ خلاف صندوق کے کیونکہ اس میں ہاتھ ڈالنا ہی ممکن ہوتا ہے اور اس میں داخل ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یہ خلاف اس ایک آدمی کے ساتھ نہ لگانے کے کیونکہ پوری جماعت کی چوری میں معتاد طریقہ یہی ہے۔

شرح

شیخ نظام الدین حنفی لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں بھی وجود شبہ کے سبب سقوط حد کے حکم کو بیان کیا گیا ہے۔ مکان جب محفوظ ہے

تو اس کی ضرورت نہیں کہ وہاں کوئی محفظہ مقرر ہو اور مکان محفوظ نہ ہو تو محافظ کے بغیر حفاظت نہیں مثلاً مسجد سے کسی کی کوئی چیز چورائی تو قطع نہیں مگر جبکہ اس کا مالک وہاں موجود ہو اگر چہ سو رہا ہو یعنی مالک ایسی جگہ ہو کہ مال کو وہاں سے دیکھ سکے۔ یوں میدان یا راستہ میں اگر مال ہے اور محافظ وہاں پاس میں ہے تو قطع ہے ورنہ نہیں ہے۔ جو جگہ ایک شخص کی حفاظت کے لیے ہے وہ دوسری چیز کی حفاظت کے لیے بھی قرار پائے گی مثلاً اصطبل سے اگر روپے چوری کئے تو قطع ہے اگر چہ اصطبل روپے کی حفاظت کی جگہ نہیں۔ (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الحدود)

چور کا آستین کی تھیلی کاٹنے کا بیان

قَالَ (وَإِنْ طَرَّ صُرَّةٌ خَارِجَةً مِنَ الْكُمِّ لَمْ يَقْطَعْ ، وَإِنْ أَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْكُمِّ يَقْطَعْ) لِأَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ الرِّبَاطَ مِنْ خَارِجٍ ، فَبِالطَّرِّ يَتَحَقَّقُ الْأَخْذُ مِنَ الظَّاهِرِ فَلَا يُوْجَدُ هُنَا الْحِزْرُ .

وَفِي الثَّانِي الرِّبَاطُ مِنْ دَاخِلٍ ، فَبِالطَّرِّ يَتَحَقَّقُ الْأَخْذُ مِنَ الْحِزْرِ وَهُوَ الْكُمُّ ، وَلَوْ كَانَ مَكَانَ الطَّرِّ حُلُّ الرِّبَاطِ ، ثُمَّ الْأَخْذُ فِي الْوَجْهِ يَتَعَكَّسُ الْجَوَابُ لِأَنَّهُ عَكْسُ الْعِلَّةِ .

وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ يَقْطَعُ عَلَى كُلِّ حَالٍ لِأَنَّهُ مُحَرَّرٌ إِمَّا بِالْكُمِّ أَوْ بِصَاحِبِهِ . فَلَا الْحِزْرُ هُوَ الْكُمُّ لِأَنَّهُ يَعْتَمِدُ ، وَإِنَّمَا قُضِيَ قَطْعُ الْمَسَافَةِ أَوْ الْإِسْتِرَاحَةِ فَاشْتَبَهَ الْجَوَابُ .

ترجمہ

اور جب چور نے کوئی ایسی تھیلی کو کاٹ دیا جو آستین سے باہر تھی تو قطع یہ نہ ہوگا اور جب اس نے آستین میں ہاتھ ڈال کر تھیلی کو کاٹ دیا تو قطع یہ ہوگا۔ اس لئے کہ پہلی حالت میں تھیلی کا باندھنا باہر کی جانب ہوگا جس کے کاٹنے سے ظاہری طور پر پینا ثابت ہوگا اور حفاظت کی بے حرمتی نہیں پائی جائے گی اور دوسری حالت میں تھیلی کا اندر کی جانب باندھنا بنے گا لہذا اب کاٹنے سے حوزہ یعنی آستین سے پینا ثابت ہوگا اور جب کاٹنے کی جگہ باندھنے کی گرہ ہو، اور اس کے بعد چور نے اس کو لیا ہو تو دونوں حالتوں میں حکم اس کے خلاف ہوگا کیونکہ اب علت بدل چکی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ ہر حالت میں قطع یہ ہوگا کیونکہ وہ مال آستین کے سبب یا آستین والے کے سبب سے محفوظ ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حوزہ آستین ہی ہے کیونکہ مالک نے اسی پر اعتماد کیا ہوا ہے اور اس کا ارادہ سفر کرنا یا آزاد کرنا ہے۔ لہذا یہ گھٹنوی کے مشابہ ہو جائے گا۔

اونٹوں کی قطار سے چوری کرنے کا بیان

(وَإِنْ سَرَقَ مِنَ الْقَطَارِ بَعِيرًا أَوْ حِمْلًا لَمْ يُقْطَعْ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُحَرَّرٍ مَقْصُودًا فَتَمَكَّنَ شُبْهَةُ الْعَدَمِ ، وَهَذَا لِأَنَّ السَّائِقَ وَالْقَائِدَ وَالرَّاكِبَ يَقْصِدُونَ قُطْعَ الْمَسَافَةِ وَنَقْلَ الْأَمْتَةِ دُونَ الْحِفْظِ .

حَتَّى لَوْ كَانَ مَعَ الْأَحْمَالِ مَنْ يَتَّبِعُهَا لِلْحِفْظِ قَالُوا يُقْطَعُ (وَإِنْ شَقَّ الْحِمْلَ وَأَخَذَ مِنْهُ قُطْعًا) لِأَنَّ الْجَوَالِقَ فِي مِثْلِ هَذَا حِرْزٌ لِأَنَّهُ يَقْصِدُ بَوَاضِعَ الْأَمْتَةِ فِيهِ صَيَانَتَهَا كَأَلْكُمُ فَوَجَدَ الْأَخْذَ مِنَ الْحِرْزِ فَيُقْطَعُ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اونٹوں کی قطار میں سے کسی اونٹ کو یا اونٹ سے سامان چور کر لیا تو قطع ید نہ ہوگا کیونکہ یہ احراز کے طور پر محفوظ نہیں ہے، اور عدم احراز کا شبہ پایا جائے گا۔ اور حکم اس وقت ہے جب سائق، قائد اور سوار سفر کرنے اور سامان منتقل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں حفاظت کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب سامان کے ساتھ پیچھے سے کوئی حفاظت کرنے والا ہو تو مشائخ فقہاء نے کہا ہے کہ قطع ید ہوگا کیونکہ اس حالت میں گھڑی محفوظ ہے کیونکہ آستین کی طرح اس میں سامان رکھ کر اس سے حفاظت مقصود ہے۔ پس یہاں مقام محفوظ سے حرز پایا جا رہا ہے لہذا قطع ید واجب ہوگا۔

گھڑی چوری کرنے کا بیان

(وَإِنْ سَرَقَ جُورًا لِقَافِيهِ مَتَاعٌ وَصَاحِبُهُ يَحْفَظُهُ أَوْ نَائِمٌ عَلَيْهِ قُطْعٌ) وَمَعْنَاهُ إِنْ كَانَ الْجَوَالِقُ فِي مَوْضِعٍ هُوَ لَيْسَ بِحِرْزٍ كَالطَّرِيقِ وَنَحْوِهِ حَتَّى يَكُونَ مُحَرَّرًا بِصَاحِبِهِ لِكُونِهِ مُتَرَصِّدًا لِحِفْظِهِ ، وَهَذَا لِأَنَّ الْمُتَعَبِّرَ هُوَ الْحِفْظُ الْمُعْتَادُ وَالْجُلُوسُ عِنْدَهُ وَالنَّوْمُ عَلَيْهِ يُعَدُّ حِفْظًا عَادَةً وَكَذَا النَّوْمُ بِقُرْبٍ مِنْهُ عَلَى مَا اخْتَرْنَاهُ مِنْ قَبْلُ .

وَذِكْرُ فِي بَعْضِ النُّسخِ ، وَصَاحِبُهُ نَائِمٌ عَلَيْهِ أَوْ حَيْثُ يَكُونُ حَافِظًا لَهُ ، وَهَذَا يُؤْخَذُ مَا قَدْ مَنَاهُ مِنَ الْقَوْلِ الْمُخْتَارِ ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ .

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے ایسی گھڑی چرائی کہ اس میں سامان تھا اور اس کا مالک اسکی حفاظت کرنے والا تھا۔ یا وہ اس کے پاس

سویا ہوا تھا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور اس کا حکم یہ ہے کہ گھڑی ایسی جگہ پر ہو جو محرز نہ ہو جس طرح راستہ وغیرہ یہاں تک کہ وہ مال مالک کے سبب محرز بن جائے۔ کیونکہ مالک اس مال کی حفاظت کیلئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ اور یہ حکم اس دلیل کے سبب ہے کہ حفاظت میں مقدار کا اعتبار کیا گیا ہے اور سامان پر بیٹھنا یا اس پر سونا یہ عرف کے مطابق حفاظت شمار کیا جاتا ہے ہاں سامان کے قریب سونا بھی حفاظت میں داخل ہے جس طرح اس سے پہلے ہم اسی کو اختیار کر چکے ہیں۔ اور جامع صغیر کے بعض نسخوں میں اس طرح ہے کہ "وَصَاحِبُهُ نَائِمٌ عَلَيْهِ أَوْ حَيْثُ يَكُونُ حَافِظًا لَهُ" اس قول کے سبب ہمارے بیان کردہ ماقبل قول کی تاکید ہوتی ہے۔ اللہ ہی سب زیادہ صحیح جاننے والا ہے۔

شرح

حضرت صفوان بن امیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں اپنی تیس درہم کی مالیت والی چادر پر سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اسے اچک کر لے گیا مجھ سے۔ وہ آدمی پکڑا گیا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ہاتھ کانٹنے کا حکم دیا۔ صفوان کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا ہاتھ تیس درہم کی وجہ سے کاٹتے ہیں میں اس چادر کو اس کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور اس کی قیمت تاخیر سے لے لوں گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پھر یہ میرے پاس لانے سے قبل ہی کیا ہوتا۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو زائدہ نے سنا کہ عن حمید بن حنبل سے روایت کیا ہے۔ اس میں فرمایا کہ صفوان سو گئے اور اسے صفوان و طاؤس نے روایت کیا کہ صفوان سو رہے تھے کہ ایک چور آیا اور اس نے ان کے سر کے نیچے سے چادر چرائی۔ اور ابوسعد بن عبدالرحمن نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ اس چور نے ان کے سر کے نیچے سے چادر کھینچی لی تو صفوان بن عبداللہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ صفوان مسجد میں سو گئے اور اپنی چادر کو ننگی ہاتھ لپٹ کر ایک چور آیا اور اس نے چادر کو چڑھ لیا پھر چور پکڑا گیا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا۔

(سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 999)

فصل فی کیفیت القطع والاثبات

﴿یہ فصل قطع ید کے طریقے اور اس کے اثبات کے بیان میں ہے﴾

فصل کیفیت قطع کی فقہی مطابقت کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے باب حد سرقہ کی تعریف و احکام اور ثبوت سرقہ کے شواہد ذکر کرنے کے بعد اب اس فصل میں یہ احکام بیان کر رہے ہیں کہ سارق کا ہاتھ کہاں سے اور کس طرح کاٹا جائے گا۔ اس کی فقہی مطابقت واضح ہے کہ قطع ید تب ہی ہوگا جب کسی پر حد ثابت ہو جائے گی۔ لہذا حد سرقہ کا مفہوم سمجھنے اور اس کے وجوب کے احکام کو جان لینے کے بعد اس کی ضرورت پیش آئے گی کہ اس ثابت ہونے والی حد کا غرض جیسی قطع ید کس کیا جائے۔ اس فصل میں ہاتھ کو کاٹنا اور پھر پاؤں کو اور اسی طرح خلاف کے حکم کے مطابق جو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ اور عملی اجراء کا طریقہ کار بیان کیا جائے گا۔

چور کے ہاتھ کو کہاں سے کاٹا جائے گا

قَالَ (وَيُقَطَّعُ يَمِينُ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ وَيُحْسَمُ) فَالْقَطْعُ لِمَا تَلَوْنَاهُ مِنْ قَبْلُ ، وَالْيَمِينُ بِقِرَاءَةِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَمِنْ الزَّنْدِ لِأَنَّ الْإِسْمَ يَتَنَوَّلُ الْيَدَ إِلَى الْإِبْطِ ، وَهَذَا الْمَفْصِلُ : أَعْنَى الرُّسْغَ مُتَقَيَّنٌ بِهِ ، كَيْفَ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَمَرَ بِقَطْعِ يَدِ السَّارِقِ مِنَ الزَّنْدِ ، وَالْحُسْمُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (فَاقْطَعُوهُ وَاحْسِمُوهُ) ، " وَلَئِنَّهُ لَوْ لَمْ يُحْسَمْ يُقْضَى إِلَى التَّلْفِ وَالْحَدُّ رَاجِعٌ لَا مُتَلَفٌ) فَإِنْ سَرَقَ ثَانِيًا قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى ، فَإِنْ سَرَقَ ثَالِثًا لَمْ يَقْطَعْ وَخُلِدَ فِي السِّجْنِ حَتَّى يَتُوبَ) وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَيُعْزَرُ أَيْضًا ، ذَكَرَهُ الْمَشَائِخُ رَحِمَهُمُ اللَّهُ .

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ : فِي الثَّلَاثَةِ تَقْطَعُ يَدُهُ الْيُسْرَى ، وَفِي الرَّابِعَةِ تَقْطَعُ رِجْلُهُ الْيُمْنَى لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (مَنْ سَرَقَ فَاقْطَعُوهُ ، فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ ، فَإِنْ عَادَ فَاقْطَعُوهُ) وَيُرْوَى مُفَسَّرًا كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ ، وَلَئِنَّ الثَّلَاثَةَ مِثْلُ الْأُولَى فِي كَوْنِهَا جَنَابَةً بَلْ فَوْقَهَا فَتَكُونُ أَدْعَى إِلَى شَرْعِ الْحَدِّ .

وَلَنَا قَوْلُ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيهِ : إِنِّي لَا سَتَجِي مِنَ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ لَا أَدْعَ لَهُ يَدًا يَأْكُلُ

بِهَا وَيَسْتَنْجِي بِهَا وَرَجُلًا يَمْشِي عَلَيْهَا ، وَبِهَذَا حَاجَّ بَقِيَّةَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ فَحَجَّهْمُ فَأَنْعَقَدَ إِجْمَاعًا ، وَلَئِنَّهُ إِهْلَاكٌ مَعْنَى لِمَا فِيهِ مِنْ تَفْرِيتِ جَنْسِ الْمَنْفَعَةِ وَالْحَدُّ رَاجِعٌ ، وَلَئِنَّهُ نَادِرُ الْوُجُودِ وَالزَّجْرُ فِيمَا يَغْلِبُ وَقُوْعُهُ بِخِلَافِ الْقِصَاصِ لِأَنَّهُ حَقُّ الْعَبْدِ لَيْسَتْ قَوْلِي مَا أَمَكَّنَ جَبْرًا لِحَقِّهِ . وَالْحَدِيثُ طَعَنَ فِيهِ الطَّحَاوِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ أَوْ نَحْمِلُهُ عَلَى السِّيَاسَةِ

ترجمہ

فرمایا۔ کھائی سے چور کا دایاں ہاتھ کاٹا جائے گا اور اس کو داغ دیا جائے گا۔ البتہ کاٹنے کا ثبوت اس آیت مبارکہ سے ہے۔ جس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور دائیں ہاتھ کو کاٹنے کا استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت سے ہے اور پہنچے سے کاٹنا اس لئے ہے کہ غلط ید بغل تک کا نام ہے لہذا یہ جو یقینی طور پر اس کو شامل ہوگا اور یہ کیونکر ثابت نہ ہوگا حالانکہ اس کا ثبوت صحیح روایت کے ساتھ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پہنچے سے چور کے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اور داغنے کا حکم نبی کریم ﷺ کے ارشاد گرامی سے ثابت ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اس کو داغ دو کیونکہ اگر اس کو داغ نہ جائے تو وہ ہدایت کی طرف لے جانے والا ہوگا حالانکہ حد سزا کا دینا ہے نہ کسی کو ضائع کرنا ہے۔

اور اگر چور دوسری بار چوری کرے تو اس کا بائیں پاؤں کاٹا جائے گا اور اگر وہ تیسری بار چوری کرے تو اب کاٹا نہیں ہوگا بلکہ اس کو قید میں رکھا جائے گا حتیٰ کہ وہ توبہ کر لے۔ اور یہ استحسان ہے اور اس کو سزا بھی دی جائے گی اور مشائخ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے فرمایا: تیسری بار اس کا بائیں ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور چوتھی بار اس کا دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹ دو اور اگر وہ دوبارہ چوری کرے تو پھر کاٹ دو اور اگر وہ تین بار چوری کرے تب بھی کاٹ دو اور یہ حدیث اسی تفسیر کے ساتھ بیان ہوئی ہے جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب ہے کیونکہ تیسری بار چوری کرنا جتناہیت میں پہلی چوری کی طرح ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے پس اس میں حد کی مشروعیت کا زیادہ حق ہے۔

ہماری یعنی فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ میں چور کا ایک ہاتھ بھی نہ چھوڑوں کہ جس سے کھا سکے اور استنجا کر سکے۔ اور ایک پاؤں بھی نہ چھوڑوں کہ جس کے سہارے پر وہ چل سکے۔ اسی قول کے پیش نظر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے بحث کی لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ دلیل کی قوت میں ان پر غالب آ گئے۔ اور پھر اسی قول پر اجماع منعقد ہو گیا۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ (مذکورہ احوال یعنی جس سارے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں) یہ ہلاک کرنا ہے کیونکہ اس میں نفع کی جنس کا ختم ہو جاتا ہے۔ حالانکہ حد سزا دینا ہے اور اس سے بھی کہ یہ نادر الوقوع ہے جبکہ سزا اکثر الوقوع میں ثابت ہوتی ہے۔ جبکہ قصاص میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ قصاص بندے کا حق ہے پس اس کا حق پورا کرنے کیلئے حتی الامکان قصاص وصول کیا جائے گا جبکہ امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیان کردہ حدیث میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے طعن کیا یا پھر اس کو ہم سب سے مدنیہ پر محمول کریں گے۔

قطع ید میں امام شافعی کی مستدل حدیث اور اس کا محمل

حضرت ابوسلمہ حضرت ابو ہریرہ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کے بارے میں فرمایا کہ "جب چوری کرے تو اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹا جائے، پھر اگر چوری کرے تو اس کا (بایاں) ہاتھ کاٹا جائے اور پھر اگر چوری کرے تو اس کا (دایاں) چیر کاٹا جائے۔" (شرح السنۃ، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 752)

پہلی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ کاٹنا اور پھر دوبارہ چوری کرنے پر بایاں ہاتھ کاٹنا تو علماء کا متفقہ مسلک ہے لیکن پھر تیسری مرتبہ چوری کرنے پر بایاں ہاتھ کاٹنے اور چوتھی مرتبہ چوری کرنے پر دایاں ہاتھ اور بایاں ہاتھ کاٹا جائے، لیکن حضرت امام اعظم بوصیفہ کا مسلک یہ ہے کہ تیسری مرتبہ چوری کرنے پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا بلکہ اس کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا تا آنکہ وہ اسی میں مرجائے یا توبہ کرے امام اعظم کے اس مسلک کی دلیل یہ ہے کہ دل تو اس بات پر صبیحہ کا اجماع و اتفاق ہو گیا تھا، دوم یہ کہ کسی شخص کو اس کے چاروں ہاتھ پیر سے محروم کر دینا گویا اس کو اپنے وجود کی بقاء کے سارے ذرائع و اسباب سے محروم کر دینا ہے جو اس کے حق میں "سزا" سے بڑھ کر ایک قسم کی "زیادتی" ہے جہاں تک اس حدیث کا سوال ہے تو پہلی بات یہ ہے کہ اصل میں یہ حدیث تہدید و سیاسی مصالحوں پر محمول ہے، دوسری بات یہ کہ محدثین نے اس کے صحیح ہونے میں کلام کیا ہے۔

چنانچہ محامد بن اسلم نے اس حدیث پر ان الفاظ میں طعن کیا ہے کہ میں نے صحابہ کے بہت سارے آثار و قصایاں (اور نظائر و فیعلے) دیکھے لیکن انتہائی تلاش کے باوجود مجھے اس حدیث کی کوئی بنیاد نہیں مل سکی، علاوہ ازیں میں نے بہت سے حفاظ حدیث سے ملاقات کی وہ سب اس حدیث (کی واقفیت) سے انکار کرتے تھے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ میرے کانٹے کے بارے میں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ گھٹنے کے پاس سے پاؤں کاٹا جائے۔

اور حضرت جابر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک چور کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کا (دایاں) ہاتھ کاٹ دو، چنانچہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، دوبارہ اس کو پھر لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ (اس کا بایاں پاؤں) کاٹ دیا گیا پھر تیسری مرتبہ لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا (اس کا بایاں ہاتھ) کاٹ دو، چنانچہ اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا پھر چوتھی مرتبہ لایا گیا تو فرمایا کہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دو، چنانچہ (اس کا دایاں پیر) کاٹ دیا گیا، اور پھر جب پانچویں مرتبہ اس کو لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو مار ڈالو، چنانچہ ہم اس کو (پکڑ کر) لے گئے اور مار ڈال دیا، اس کے بعد ہم اس کی لاش کو کھینچتے ہوئے لائے اور کنوئیں میں ڈال کر اوپر سے پتھر پھینک دیے (ابوداؤد، نسائی) اور بغوی

نے شرح السنۃ میں چور کے ہاتھ کاٹنے کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ "اس کا ہاتھ کاٹو اور پھر اس (ہاتھ کو داغ دو)۔"

"اور پھر اس کو داغ دو" کا مطلب یہ ہے کہ جس ہاتھ کو کاٹا گیا ہے اس کو گرم تیل یا گرم لوہے سے داغ دو تا کہ خون بند ہو جائے اگر داغ نہ جائے گا تو جسم کا تمام خون بہہ جائے گا اور چور ہلاک ہو جائے گا۔

خطابی فرماتے ہیں کہ میرے علم میں ایسا کوئی فقیہ و عام نہیں ہے جس نے چور کو مار ڈالنا مباح رکھا ہو خواہ وہ کتنی ہی بار چوری کیوں نہ کرے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی حدیث (ما تکل دم امرء الا باحدی ثلث) کے ذریعہ منسوخ ہے،

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چور کو مار ڈالنے کا حکم دیا وہ سیاسی و انتظامی مصالح کی بناء پر تھا، چنانچہ امام وقت (حکم) کو یہ حاصل ہے کہ وہ مفسدہ پردازوں، چور چکوں اور ملکی امن و قانون کے مجرموں کی تعزیر میں اپنی رائے و اجتہاد پر عمل کرے اور جس طرح چاہے ان کو سزا دے۔ اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ یہ شخص مرتد ہو گیا ہے اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون مباح کر دیا اور اس کو مار ڈالنے کا حکم دیا۔

اسی طرح بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو اس بات پر محمول کرنا اولیٰ ہے کہ وہ شخص چوری کو حلال جانتا تھا اس سے بار بار اس کا ارتکاب کرتا تھا اسی وجہ سے اس کو اتنی سخت سزا دی گئی بہر کیف ان تاویلات میں سے کسی بھی ایک تاویل کو اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو اس کو مار ڈالنے کے بعد اس کی لاش کو اس طرح کھینچ کر کنوئیں میں ڈال دینا ہرگز مباح نہ ہوتا ہاتھ کو کلائی سے کاٹنے کا بیان

علامہ عبد الرحمن جزیری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ تمام ائمہ و فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب چوری کرنے والے پر حد مرتبہ واجب ہو جائے اور یہ جرم اس سے پہلی مرتبہ سرزد ہوا ہو اور اس کے اعضاء صحیح و سالم ہوں تو سب سے پہلے اس کا دایاں ہاتھ کلائی کے جوڑے سے کاٹ دیا جائے گا۔ اس کے اہلے ہوئے پانی سے اس کا خون بند کر دیا جائے۔ اس حکم کا سبب یہ ہے کہ چوری ہاتھ ہی سے کی جاتی ہے جو کلائی اور پہنچے پر قائم ہے۔ (مذاہب اربعہ، ج ۵، ص ۱۹۲، مطبوعہ اوقاف پنجاب)

چور کے ہاتھ کا قلع زدہ ہونے کا بیان

(وَإِذَا كَانَ السَّارِقُ أَشَلَّ الْيَدِ الْيُسْرَى أَوْ أَقْطَعَ أَوْ مَقْطُوعَ الرَّجُلِ الْيُمْنَى لَمْ يُقْطَعْ) لِأَنَّ فِيهِ تَقْوِيَتَ جَنْسِ الْمَنْفَعَةِ بَطْشًا أَوْ مَشْيًا، وَكَذَا إِذَا تَكَاثَرَ رَجُلُهُ الْيُمْنَى شَلَاءَ لِمَا قُلْنَا (وَكَذَا إِذَا تَكَاثَرَ الْيُسْرَى مَقْطُوعَةً أَوْ شَلَاءَ أَوْ الْأُضْبَعَانِ مِنْهَا سَوَى الْإِبْهَامِ) لِأَنَّ قِيَامَ الْبَطْشِ بِالْإِبْهَامِ (فَإِنْ تَكَاثَرَ أُضْبَعٌ وَاحِدَةً سِوَى الْإِبْهَامِ مَقْطُوعَةً أَوْ

شَلَاءَ قُطِعَ) لِأَنَّ قَوَاتِ الْوَاحِدَةِ لَا يُوجِبُ خَدْلًا ظَاهِرًا فِي الْبَطْشِ، بِخِلَافِ قَوَاتِ الْأَصْبَعَيْنِ لِأَنَّهُمَا يَنْتَزِلَانِ مَنْزِلَةَ الْإِبْهَامِ فِي نَقْصَانِ الْبَطْشِ.

ترجمہ

اور جب چوکا بایاں ہاتھ فوج زدہ ہو یا کٹ ہو یا اس کا دایاں پاؤں کٹ ہو تو حد قطع نہ ہوگی کیونکہ اس میں پکڑنے کی پچھلے کی جنس منفعت ختم ہو چکی ہے۔ اسی طرح جب اس کا دایاں پاؤں فوج زدہ ہو تو اسی دلیل کے مطابق جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی طرح جب اس کا بایاں انگوٹھا کٹا ہو یا فوج زدہ ہو یا بائیں انگوٹھے کے سوا بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں کٹی ہوئی ہوں یا فوج زدہ ہوں کیونکہ پکڑنا انگوٹھے کے سبب مکمل ہوتا ہے اور جب انگوٹھے کے سوا ایک انگلی کٹی ہوئی ہو یا فوج زدہ ہو تو حد قطع واجب ہوگی کیونکہ ایک انگلی کے کٹنے کے سبب پکڑنے میں ظاہری طور پر کوئی خلل اندازی نہیں ہوتی۔ جبکہ دو انگلیوں کے کٹ جانے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ پھیلی کے نقصان کے اعتبار سے دو انگلیوں کو انگوٹھے کے قائم کر دیا گیا ہے۔

شرح

قال الدارقطني - رحمه الله : نا القاضي أحمد بن كامل نا أحمد بن عبد الله الفروسي نا أبو نعيم النخعي نا محمد بن عبيد الله العرزمي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال كان صفوان بن أمية بن خلف نائما في المسجد، ثيابه تحت رأسه، فجاء سارق فأخذها فأتى به النبي - صلى الله عليه وعلى آله وسلم - فأقر السارق، فأمر به النبي - صلى الله عليه وعلى آله وسلم - أن يقطع، فقال صفوان : يا رسول الله أيقطع رجل من العرب في ثوبي؟ فقال رسول الله - صلى الله عليه وعلى آله وسلم - : (أفلا كان هذا قبل أن تجيء به؟) ثم قال رسول الله - صلى الله عليه وعلى آله وسلم - : (اشفعوا ما لم يتصل إلى الوالي، فإذا أوصل إلى الوالي فعضا فلا عفا الله عنه) ثم أمر بقطعه من المفصل .

حداد کا عمل بایاں ہاتھ کاٹنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا قَالَ الْحَاكِمُ لِلْحَدَّادِ اقْطَعْ يَمِينَ هَذَا فِي سَرِقَةٍ سَرَقَهَا فَقَطَعَ يَسَارَهُ عَمْدًا أَوْ خَطَاً فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى ، وَقَالَ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ فِي الْخَطَا وَيَضْمَنُ فِي الْعَمْدِ) وَقَالَ زُفَرٌ رَحِمَهُ اللَّهُ : يَضْمَنُ فِي الْخَطَا أَيْضًا وَهُوَ الْقِيَاسُ

وَالْمُرَادُ بِالْخَطَا هُوَ الْخَطَا فِي الْاجْتِهَادِ ، وَأَمَّا الْخَطَا فِي مَعْرِفَةِ الْيَمِينِ وَالْيَسَارِ لَا يُجْعَلُ عَفْوًا . وَقِيلَ يُجْعَلُ عَذْرًا أَيْضًا . لَهُ أَنَّهُ قَطَعَ يَدًا مَعْصُومَةً وَالْخَطَا فِي حَقِّ الْعِبَادِ غَيْرُ مَوْضُوعٍ فَيَضْمَنُ .

قُلْنَا إِنَّهُ أَخْطَا فِي اجْتِهَادِهِ ، إِذْ لَيْسَ فِي النَّصِّ تَعْيِينُ الْيَمِينِ ، وَالْخَطَا فِي الْاجْتِهَادِ مَوْضُوعٌ . وَلَهُمَا أَنَّهُ قَطَعَ طَرَفًا مَعْصُومًا بِغَيْرِ حَقٍّ وَلَا تَأْوِيلٍ لِأَنَّهُ تَعَمَّدَ الظُّلْمَ فَلَا يُعْفَى وَإِنْ كَانَ فِي الْمُجْتَهِدَاتِ ، وَكَانَ يُنْبِئُ أَنْ يَجِبَ الْقِصَاصُ إِلَّا أَنَّهُ امْتَنَعَ لِلشُّبْهَةِ . وَلَا يَسِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّهُ اتَّفَقَ وَأَخْفَتَ مِنْ جَنْسِهِ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَلَا يُعَذُّ إِلَّا لِقَا كَمَنْ شَهِدَ عَلَى غَيْرِهِ بِبَيْعِ مَالِهِ بِمِثْلِ قِيمَتِهِ ثُمَّ رَجَعَ ، وَعَلَى هَذَا لَوْ قَطَعَهُ غَيْرُ الْحَدَّادِ لَا يَضْمَنُ أَيْضًا هُوَ الصَّحِيحُ . وَلَوْ أَخْرَجَ السَّارِقُ يَسَارَهُ وَقَالَ هَذِهِ يَمِينِي لَا يَضْمَنُ بِالِاتِّفَاقِ لِأَنَّ قَطْعَهُ بِأَمْرِهِ . ثُمَّ فِي الْعَمْدِ عِنْدَهُ ضَمَانُ الْمَالِ لِأَنَّهُ لَمْ يَقَعْ حَدًّا . وَفِي الْخَطَا كَذَلِكَ عَلَى هَذِهِ الطَّرِيقَةِ ، وَعَلَى طَرِيقَةِ الْاجْتِهَادِ لَا يَضْمَنُ

ترجمہ

فرمایا اور جب حکم نے حداد سے کہا کہ اس شخص کا دایاں ہاتھ ایک چوری میں کاٹ دو تو حداد نے جان بوجھ کر یا بھول کر اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حداد پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک خطا کی صورت میں اس پر ضمان نہیں ہے لیکن عمد کی حالت میں وہ ضامن ہوگا۔

حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ خطا میں بھی وہ ضامن ہوگا کیونکہ قیاس کا تقاضہ یہی ہے اور خطا سے اجتہاد کی غلطی مراد ہے جبکہ یمن و یسار کی پہچان میں غلطی کو معاف نہیں کیا جاسکتا۔ ایک قول یہ ہے کہ اسے بھی عذر قرار دیا جائے گا۔ امام زفر علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے معصوم ہاتھ کاٹ دیا ہے اور بندوں کے حق میں خطا ثابت نہیں ہے پس حداد اس ہاتھ کا ضامن ہوگا۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اجتہاد میں غلطی کی ہے کیونکہ نص میں یمن کا تعین موجود نہیں ہے اور خطا اجتہاد میں ثابت ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ اس نے ناحق عضو کو کاٹ دیا ہے اور یہاں کوئی تاویل بھی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ اس نے ارادے کے طور پر ظلم کیا ہے اور اگر چہ اجتہاد کی امور میں ہوا ہے لہذا اس پر قصاص واجب ہونا چاہیے تھا جبکہ شبہ کے سبب قصاص واجب نہ ہو گا۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ یقینی طور پر اس نے ایک ہاتھ کو ہلاک کیا ہے مگر اس کا ہم جنس دوسرا ہاتھ چھوڑ دیا ہے کانے ہوئے ہاتھ سے بہتر ہے پس اس کو اسلاف شہر نہ کیا جائے گا جس طرح کسی نے دوسرے کے خلاف مثلی قیمت پر مال بیچنے کی شہادت دی اور اس کے بعد وہ شہادت مکر گیا۔

اسی طرح جب حداد کے سوا کسی دوسرے نے چور کا ہاتھ کاٹ دیا تو وہ بھی ضامن نہ ہوگا درحقیقت یہی ہے اور جب چور نے اپنا دایاں ہاتھ نکال کر کہا کہ یہ میرا ہاتھ ہے تو اس صورت میں کانے والے بدعتاً ضامن نہ ہوگا کیونکہ اس نے چور کے حکم سے اس کو کاٹا ہے اس کے بعد عدم میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مطابق سارق پر مال ضمان واجب ہے کیونکہ حد پوری نہیں ہوئی ہے اور خطا میں بھی اسی طرح مال واجب ہوگا۔ جبکہ طریقہ اجتہاد پر وہ ضامن نہ ہوگا۔

کسی چیز کی ضمانت ان تین اسباب پر ہے

کسی چیز کی ضمانت ان تین اسباب میں سے کسی ایک پر موقوف ہوتی ہے۔ (الفروق)

(۱) براہ راست مال کو ضائع کرنا (۲) زبردستی قبضہ کرنا (۳) تباہ کرنے کا ذریعہ یا سبب بننا۔

اس کا ثبوت یہ روایت ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک آدمی نے غلام خریدا (جو مدت تک اس کے پاس رہا) پھر اس نے اس میں کوئی عیب دیکھا اور وہ مٹانے لگا فروخت کرنے والے نے یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پیش کیا۔ تو آپ نے اس غلام کو لوٹا دیا۔ پس اس شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اس نے میرے غلام کو استہمال کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: پیداواری کا نفع ذمہ داری کی وجہ سے ملتا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ پیداواری کا نفع ذمہ داری کی وجہ سے ہوتا ہے تو ہذا نقصان کی ضمانت بھی ذمہ داری کی وجہ سے ہوگی۔

۱۔ براہ راست کسی چیز کو ضائع کرنا:

اگر کسی شخص نے براہ راست کسی کی کوئی چیز کو ضائع کر دیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا، جیسے کھانے کو کھالیا جائے یا جانور کو قتل کر دیا جائے یا کپڑے کو جلادیا جائے۔

۲۔ زبردستی قبضہ کیا جائے:

اگر کسی نے کسی چیز پر قبضہ کر لیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ اگرچہ قبضہ کرنے والے نے کسی کی امانت ہی کو کیوں نہ چھین لیا ہو۔

حدسرقہ کیلئے سعدہ کے مطالبے کا بیان

(وَلَا يَقْطَعُ السَّارِقُ إِلَّا أَنْ يَحْضَرَ الْمَسْرُوقُ مِنْهُ فَيَطْلُبُ بِالسَّرِقَةِ) لِأَنَّ الْخُصُومَةَ

سَرَقٌ لِّطُهُورِهَا، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الشَّهَادَةِ وَالْإِقْرَارِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ فِي الْإِقْرَارِ، لِأَنَّ الْجَنَائَةَ عَلَى مَالِ الْغَيْرِ لَا تَطْهَرُ إِلَّا بِخُصُومَتِهِ، وَكَذَا إِذَا غَابَ عِنْدَ الْقَطْعِ عِنْدَنَا، لِأَنَّ الْإِسْتِيفَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي بَابِ الْحُدُودِ

ترجمہ

اور چور کا ہاتھ اس وقت تک نہ کاٹا جائے جب تک مسروق منہ حاضر ہو کر اس کا مطالبہ نہ کرے۔ اس لئے کہ چوری ظاہر کرنے کیلئے جھڑا شرط ہے۔ ہمارے نزدیک اقرار اور شہادت میں کوئی فرق نہیں ہے البتہ اقرار میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے کیونکہ جھگڑے کے بغیر دوسرے کے مال پر چنایت ظاہر نہ ہوگی۔ اور اسی طرح جب مسروق منہ قطع کے وقت غائب ہو جائے تو قطع یہ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کے احکام قضاء میں سے حد کو پورا کرتا ہے اور یہ باب الحدود میں سے ہے۔

شرح

عندنا یعنی عندنا یعنی حنفی علیہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ ہاتھ کاٹنے کی شرط یہ ہے کہ جس کا مال چوری گیا ہے وہ اپنے مال کا مطالبہ کرے، خود وہاں سے چوری کا ثبوت ہو یا چور نے خود اقرار کیا ہو اور یہ بھی شرط ہے کہ جب وہ گواہی دیں اُس وقت وہ حاضر ہو اور جس وقت ہاتھ کاٹا جائے اُس وقت بھی موجود ہو ہذا اگر چور چوری کا اقرار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص جو غائب ہے اُس کی چوری کی ہے یا کہتا ہے کہ یہ روپے میں نے چورائے ہیں مگر معصوم نہیں کس کے ہیں یا میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ کس کے ہیں تو قطع نہیں۔ اور پہلی صورت میں جبکہ غائب حاضر ہو کر مطالبہ کرے تو اس وقت قطع کریں گے۔ جس شخص کا مال پر قبضہ ہے وہ مطالبہ کر سکتا ہے جیسے امین وغاصب ومرتہن و متولی اور باپ اور بیوی اور سود خوار جس نے سودی مال پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور سودینے والا جس نے سود کے روپے ادا کر دیے اور یہ روپے چوری گئے تو اس کے مطالبہ پر قطع نہیں ہے۔ (در مختار، کتاب الحدود)

ودیعت والوں کے ہاتھ کاٹنے کا بیان

(وَلِلْمُسْتَوْدِعِ وَالْغَاصِبِ وَصَاحِبِ الرِّبَا أَنْ يَقْطَعُوا السَّارِقَ مِنْهُمْ) وَلِلرَّبِّ الْوَدِيعَةِ أَنْ يَقْطَعَهُ أَيْضًا، وَكَذَا الْمَغْضُوبُ مِنْهُ:

وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ: لَا يَقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْغَاصِبِ وَالْمُسْتَوْدِعِ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ الْمُسْتَعِيرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ وَالْمُضَارِبُ وَالْمُسْتَبْضِعُ وَالْقَابِضُ عَلَى سَوْمِ الشَّرَاءِ وَالْمُرْتَهِنُ وَكُلُّ مَنْ لَهُ يَدٌ حَافِظَةٌ سِوَى الْمَالِكِ، وَيَقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْمَالِكِ فِي السَّرِقَةِ مِنْ هَؤُلَاءِ إِلَّا أَنَّ الرَّاهِنَ إِنَّمَا يَقْطَعُ بِخُصُومَتِهِ حَالَ قِيَامِ الرَّهْنِ بَعْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَا

حَقُّ لَهُ فِي الْمَطَالِكَةِ بِالْعَيْنِ بِدَوِيهِ. وَالشَّافِعِيُّ بَنَاهُ عَلَى أَصْلِهِ أَنْ لَا خُصُومَةَ لَهَوْلَاءِ فِي
الِاسْتِرْدَادِ عِنْدَهُ. وَزَقَرُ يَقُولُ: وَلَا يَتَةُ الْخُصُومَةِ فِي حَقِّ الْاسْتِرْدَادِ ضَرُورَةُ الْحِفْظِ فَلَا
تُظْهَرُ فِي حَقِّ الْقَطْعِ لِأَنَّ فِيهِ تَفْوِيتَ الصِّيَانَةِ.

وَلَسَا أَنَّ السَّرِقَةَ مُوجِبَةٌ لِلْقَطْعِ فِي نَفْسِهَا، وَقَدْ ظَهَرَتْ عِنْدَ الْقَاضِي بِحُجَّةِ شَرْعِيَّةٍ
وَهِيَ شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ عَقِيبَ خُصُومَةٍ مُعْتَبَرَةٍ مُطْلَقًا إِذَا اِغْتَبَارُ لِحَاجَتِهِمْ إِلَى الْاسْتِرْدَادِ
فَيُسْتَوْفَى الْقَطْعُ. وَالْمَقْصُودُ مِنَ الْخُصُومَةِ إِحْيَاءُ حَقِّهِ وَسُقُوطُ الْعِصْمَةِ ضَرُورَةُ
الِاسْتِيفَاءِ فَلَمْ يُعْتَبَرْ، وَلَا مُعْتَبَرٌ بِشُبْهَةِ مَوْهُومَةِ الْاِغْتِرَاضِ كَمَا إِذَا حَضَرَ الْمَالِكُ
وَعَابَ الْمُؤْتَمِّنُ فَإِنَّهُ يَقْطَعُ بِخُصُومَتِهِ فِي ظَاهِرِ الرَّوَايَةِ وَإِنْ كَانَتْ شُبْهَةُ الْهَادِنِ فِي
دُحُولِ الْحِزْرِ ثَابِتَةً.

ترجمہ

ودیعت کرنے والے، غصب کرنے والے اور سود والے کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اپنے چوروں کا ہاتھ کاٹ دیں اور صاحب
ودیعت کو بھی ہاتھ کاٹنے کا اختیار ہے اور مقصوب من کو بھی اختیار حاصل ہے۔

حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما رحمہما کہتے ہیں کہ غصب اور مستودع کے جھگڑے سے قطع نہ ہوگا۔ کیونکہ مستغیر، مستاجر
مضرب، مستضعف، سوم شرا، پرقابض، مرتہن اور مالک کے سوا ہر وہ شخص جو حفاظت کے ارادے سے کسی چیز پر قابض ہو ان سب کا
حکم اسی اختلاف پر ہے۔ لہذا ان لوگوں کے ہاں چوری کرنے پر اصلی مالک کے جھگڑے سے بھی ہاتھ کاٹ دیا جائے گا مگر راہن
کے جھگڑے پر ہاتھ کاٹنا جائے گا جب قرض کے بعد راہن باقی رہنے والی ہو۔ کیونکہ قرض کی ادائیگی کے بغیر راہن کو
مرہونہ کے مطالبے کا حق حاصل نہیں ہے۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کا موقف ان کی اس دلیل پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک ان لوگوں کو یہ مال واپس لینے کیلئے
جھگڑنے کا حق نہیں ہے۔ حضرت امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مال واپس لینے کے حق میں جھگڑنے کی روایت ضرورت حفاظت
کے سبب سے ٹھیک پس یہ ولایت قطعید کے حق میں ظاہر نہ ہوگی کیونکہ اس میں حفاظت ختم ہو جانے والی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ چوری بذات خود حد کو واجب کرنے والی ہے اور قاضی کے رد برو شرعی دلیل کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے
یعنی اسی اطلاق جھگڑے کے معتبر ہونے کے بعد دو گواہوں نے چوری کی شہادت دی ہے۔ پس ان لوگوں کے واپس لینے کی
ضرورت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا پس قطعید کا حکم مکمل حاصل ہونے والا ہے۔ اور خصومت کا مقصد مالک کے حق میں احیاء ہے اور سقوط

عصمت کا ہونے کی مکمل ادائیگی کی ضرورت میں سے ہے پس اس سقوط کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور اس شبہ کا اعتبار بھی نہ کیا جائے گا
جس کے آنے کا وہم ہو جس طرح یہ ہے کہ جب مالک حاضر ہو جائے اور مرتہن غائب ہو جائے تو ظاہر الروایت کے مطابق مالک کی
خصومت پر قطعید ہوگا۔ اگرچہ محفوظ مقام پر داخل ہونے کی اجازت کا شبہ بھی اپنی جگہ موجود ہے۔

شرح

علامہ ابن نجیم مصری حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ مدعی گواہ نہ پیش کر سکا چور پر حلف رکھا اس نے حلف لینے سے انکار کیا تو تاوان
دیا جائے مگر قطع نہیں۔ چور کو رپیٹ کر اقرار کرانا جائز ہے کہ یہ صورت نہ ہو تو گواہوں سے چوری کا ثبوت بہت مشکل ہے۔ ہاتھ
کاٹنے کا قاضی نے حکم دیدیا اب وہ مدعی کہتا ہے کہ یہ مال اسی کا ہے یا میں نے اس کے پاس لائے رکھ دیا کہتا ہے کہ گواہوں نے
جھوٹی گواہی دی یا اس نے غلط اقرار کیا تو اب ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا۔ گواہوں کے بیان میں اختلاف ہوا ایک کہتا ہے کہ فلاں قسم
کا کپڑا تھا دوسرا کہتا ہے فلاں قسم کا تھا تو قطع نہیں۔ (بحر الرائق، کتاب الحدود)

علامہ عدالدین حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اقرار و شہادت کے جزئیات کثیر ہیں چونکہ یہاں حدود جاری نہیں ہیں لہذا بیان
کرنے کی ضرورت نہیں۔ ہاتھ کاٹنے کے وقت مدعی اور گواہوں کا حاضر ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر غائب ہوں یا مر گئے ہوں جب بھی
ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ (درمختار، کتاب الحدود)

قطعید میں سارق اول کے عدم حق کا بیان

(وَإِنْ قُطِعَ سَارِقٌ بِسَرِقَةٍ فَسُرِقَتْ مِنْهُ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَا لِوَلَدِهِ السَّرِقَةُ أَنْ يَقْطَعَ السَّارِقُ
الثَّانِي) لِأَنَّ الْمَالَ غَيْرُ مُتَقَوِّمٍ فِي حَقِّ السَّارِقِ حَتَّى لَا يَجِبَ عَلَيْهِ الضَّمَانُ بِالْهَلَاكِ
فَلَمْ تَنْعَقِدْ مُوجِبَةً فِي نَفْسِهَا، وَلِلْأَوَّلِ وَلَا يَتَةُ الْخُصُومَةِ فِي الْاسْتِرْدَادِ فِي رِوَايَةٍ
لِحَاجَتِهِ إِذَا الرَّدُّ وَاجِبٌ عَلَيْهِ (وَلَوْ سَرَقَ الثَّانِي قَبْلَ أَنْ يَقْطَعَ الْأَوَّلُ أَوْ بَعْدَ مَا دُرِيَ
الْحَدُّ بِشُبْهَةٍ يَقْطَعُ بِخُصُومَةِ الْأَوَّلِ) لِأَنَّ سُقُوطَ التَّقَوُّمِ ضَرُورَةُ الْقَطْعِ وَكَمْ يُوْجَدُ
فَصَارَ كَالْغَايِبِ

ترجمہ

اور جب کسی شخص کا چوری کے سبب ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے اور اس کے بعد وہ مسروقہ مال اس کے ہاں سے بھی چوری ہو گیا تو
پہلے چور اور اصلی مالک کو حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ دوسرے چور کے ہاتھ کٹوا دیں کیونکہ یہ مال پہلے چور کے حق میں مال مقوم نہ رہا حتی
کہ اس کی ہلاکت پر ضمن بھی نہیں ہے پس یہ چوری بذات خود حد قطع کو واجب کرنے والی نہ ہوئی اور ایک روایت کے مطابق
سارق اول کو مال واپس لینے کے بارے میں خصومت کرنے کی ولایت حاصل ہے اس کو واپس لینے کی ضرورت ہے لہذا اس پر رو

واجب ہو جائے گا۔

اور جب دوسرے چور نے سارق اول کے قطع ید یا کسی شہید سے حدود ہونے کے بعد چوری کی ہے تو سارق اول کی خصوصیت کے سبب اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ کیونکہ چوری شدہ مال میں تقویم کا سقوط قطع ید کی ضرورت کے سبب سے تھا حالانکہ قطع ید نہیں پایا گیا تو یہ غاصب کی طرح ہو جائے گا۔

قطع ید کیلئے مال منقوم ہونے کا بیان

مصنف علیہ الرحمہ نے مذکورہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے اس کی دلیل یہ ذکر کی ہے کہ سارق ثانی کیلئے مال منقوم کے نہ ہونے کے سبب حد کا سقوط کیا گیا ہے۔ اسی طرح فقہاء نے مہر میں مال منقول کو بیان کیا ہے۔

علامہ علاء الدین حنفی علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔ کہ جو چیزیں منقوم نہیں وہ مہر نہیں ہو سکتی اور مہر مثل واجب ہوگا، مثلاً مہر یہ بھرا کہ تازہ دشوہ عورت کی سہ بھرتی خدمت کر یگا یا یہ کہ اسے قرآن مجید یا عجم دین پڑھادے گا یا حج و عمرہ کرادے گا یا مسلمان مرد کا نکاح مسلمان عورت سے ہو اور مہر میں خون یا شراب یا خنزیر کا ذکر آیا یا یہ کہ شوہر اپنی پہلی بی بی کو طلاق دے دے تو ان سب صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ (در مختار، کتاب النکاح)

مال کی تعریف

اسی "فتاویٰ شامی" میں صول فقہ کی معتبر کتاب "ملکوت" کے حوالے سے لکھا ہے کہ "مال وہ چیز ہے جسے وقت حاجت کے لئے جمع کیا جائے اور مال کے لئے اس کا قیمت والا ہونا ضروری ہے۔" ("رد المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: فی تعریف المال والملک المتقوم)

اور اسی "فتاویٰ شامی" میں "بحر الرائق" اور "الی وی القدسی" کے حوالے سے منقول ہے کہ "آدی کے علاوہ ہر وہ چیز میں کہلاتی ہے جسے آدی کے فائدے کے لئے پیدا کیا گیا ہو اور اسے حفاظت سے رکھا جائے تاکہ اسے اپنی مرضی سے استعمال کر سکے۔" ("رد المحتار"، کتاب البیوع، مطلب: فی تعریف المال والملک المتقوم)

نوٹ کے جزیئے کا بیان

محقق علی الاصلاق علامہ ابن ابھرم "فتح القدیر" (۱) میں فرماتے ہیں کہ "اگر کوئی بچے کا غذا کا ایک ٹکڑا ہزار روپے میں بیچے تو یہ بیع بلا کراہت جائز ہے۔" ("فتح القدیر"، کتاب الکفالت)

حاکم کے ہاں معاملہ جانے سے پہلے مال واپس کرنے کا بیان

(وَمَنْ سَرَقَ سَرِقَةً فَرَدَّهَا عَلَى الْمَالِكِ قَبْلَ الْإِزْتِفَاعِ) إِلَى الْحَاكِمِ (لَمْ يُقَطَّعْ) وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُقَطَّعُ اِغْتِبَارًا بِمَا إِذَا رَدَّه بَعْدَ الْمُرَافَعَةِ.

وَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ الْخُصُومَةَ شَرَطٌ لِظُهُورِ السَّرِقَةِ، لِأَنَّ الْبَيْتَةَ إِنَّمَا جُعِلَتْ حُجَّةَ ضَرُورَةٍ قَطَعَ الْمُنَازَعَةَ وَقَدْ انْقَطَعَتْ الْخُصُومَةُ، بِخِلَافِ مَا بَعْدَ الْمُرَافَعَةِ لِانْتِهَاءِ الْخُصُومَةِ لِحُصُولِ مَقْصُودِهَا فَتَبْقَى تَقْدِيرًا

ترجمہ

اور جب کسی چور نے چوری کی اور معاملہ حاکم کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی چور نے وہ مال واپس کر دیا ہے تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ انہوں نے اس کی اس صورت پر قیاس کیا ہے کہ جب معاملہ قاضی کے پاس لے جانے کے بعد مال کو واپس کیا جائے۔ جبکہ ظاہر الروایت کے مطابق چوری کے ظہور کیلئے خصوصیت شرط ہے کیونکہ قطع ید کو جھگڑے کی ضرورت کے سبب سے شہادت کو حجت قرار دیا گیا ہے اور جب جھگڑا ختم ہو چکا ہے یہ خلاف اس کے کہ جب معاملہ حاکم کے ہاں لے جایا گیا ہو کیونکہ خصوصیت کا مقصد حاصل ہو جانے پر خصوصیت اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہے۔ البتہ تقدیری طور پر وہ باقی رہنے والی ہے۔

حد قطع کے بعد مال ہبہ ہونے سے سقوط حد کا بیان

(وَإِذَا قُضِيَ عَلَى رَجُلٍ بِالْقَطْعِ فِي سَرِقَةٍ فَوَهَبَتْ لَهُ لَمْ يُقَطَّعْ) مَعْنَاهُ إِذَا سُلِّمَتْ إِلَيْهِ (وَكَذَلِكَ إِذَا بَاعَهَا الْمَالِكُ إِيَّاهُ) وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ: يُقَطَّعُ، وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي يُوسُفَ، لِأَنَّ السَّرِقَةَ قَدْ تَمَّتْ اِنْعِقَادًا وَظُهُورًا، وَبِهَذَا الْعَارِضِ لَمْ يَتَبَيَّنْ قِيَامُ الْمِلْكِ وَقَفَتِ السَّرِقَةُ قَلًا شَهَةً.

وَلَمَّا أَنَّ الْإِمْضَاءَ مِنَ الْقَضَاءِ فِي هَذَا الْبَابِ لَوْ فُوعِ الْإِسْتِغْنَاءُ عَنْهُ بِالْإِسْتِغْنَاءِ، إِذْ الْقَضَاءُ لِلْإِظْهَارِ وَالْقَطْعُ حَقُّ اللَّهِ تَعَالَى وَهُوَ ظَاهِرٌ عِنْدَهُ، وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ يُشْتَرَطُ قِيَامُ الْخُصُومَةِ عِنْدَ الْإِسْتِغْنَاءِ وَصَارَ كَمَا إِذَا مَلَكَهَا مِنْهُ قَبْلَ الْقَضَاءِ. قَالَ (وَكَذَا إِذَا نَقَصَتْ قِيمَتُهَا مِنَ النَّصَابِ) يُعْنَى قَبْلَ الْإِسْتِغْنَاءِ بَعْدَ الْقَضَاءِ. وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يُقَطَّعُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ وَالشَّافِعِيِّ اِغْتِبَارًا بِالنَّقْصَانِ فِي الْعَيْنِ. وَلَمَّا أَنَّ كَمَالَ النَّصَابِ لَمَّا كَانَ شَرَطًا يُشْتَرَطُ قِيَامُهُ عِنْدَ الْإِمْضَاءِ لَمَّا ذَكَرْنَا، بِخِلَافِ النَّقْصَانِ فِي الْعَيْنِ لِأَنَّهُ مَضْمُونٌ عَلَيْهِ فَكَمُلَ النَّصَابُ عَيْنًا وَدَيْنًا، كَمَا إِذَا أُسْتَهْلِكَ كُلُّهُ، أَمَّا نَقْصَانُ السَّعْرِ

فَغَيْرُ مَضْمُونٍ فَافْتَرَقَا .

ترجمہ

اور جب کسی چوری کے سبب چور پر حد قطع کا فیصلہ کر دیا گیا ہے اس کے بعد وہ مال چور کو ہبہ کر دیا گیا ہے۔ یعنی وہ مال چور کے سپرد کر دیا گیا ہے یا پھر مالک نے وہ مال اس چور کو بیچ دیا ہے تو حد قطع نہ ہوگی۔

حضرت امام زفر اور امام شافعی علیہما رحمہما کہتے ہیں کہ حد قطع ہوگی۔ اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے بھی سی طرح ایک روایت ہے کیونکہ انعتاد اور ظہر ہونے کے اعتبار سے چوری مکمل ہو چکی ہے اور بیع وغیرہ کے عارضے کے وقت چوری میں ملکیت کے قیام کا ظاہر ہونا نہیں پایا گیا کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

ہاں دلیل کے مطابق باب احد میں حد جاری کرنا بھی قضاء میں شامل ہے کیونکہ حد کو پورا کرنا حد کے بعد قضا کو پورا کرنے سے ہو جاتا ہے کیونکہ قضا صرف ظہر کے طور پر ہے اور حد قطع اللہ کا حق ہے اور یہ قطع اللہ کے نزدیک ظاہر ہے اور جب حاست اس صرح کی ہے تو حد قطع کے وقت خصوصیت شرط ہے اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح فیصلے سے پہلے ہی چور مالک کی جانب سے اس کا مالک بن چکا ہے۔

فرمایا اور اسی طرح جب قضا کے فیصلے سے کے بعد حد قطع سے پہلے چوری شدہ مال کی قیمت نصب سرقہ سے تھوڑی ہوگئی تب بھی حد قطع نہ ہوگی۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ حد قطع ہوگی امام زفر اور امام شافعی علیہما رحمہما کا قول بھی سی طرح ہے اور یہ فقہاء اصل مال کی پر قیاس کرتے ہیں۔ جبکہ ہاں دلیل یہ ہے کہ حد قطع میں نصاب کا مکمل ہونا شرط ہے تو یہ بوقت حد بھی شرط ہوگا اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہ خلاف اصل مال کے جس میں چور پر ضمان ہوتا ہے۔ پس عین اور دین دونوں کو ملا کر نصاب پورا کیا جاتا ہے جس طرح اس حالت میں ہے کہ جب پورا مال ہلاک کر دجائے۔ جبکہ ریث کم ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے کیونکہ وہ ضمان میں نہیں ہے پس ریث کم ہونے اور اصل مال کم ہونے میں فرق کیا جائے گا۔

چور کو چوری کا مال ہبہ کر دینے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں حضرت صفوان بن امیہ مسجد میں سوئے ہوئے تھے کہ ایک شخص ان کے پاس آیا وہ سوئے ہوئے تھے اس شخص نے ان کے سر کے نیچے سے چادر کھینچی تو ان کی آنکھ کھل گئی وہ اس کے پیچھے گئے اور اسے پکڑ لیا اور لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے و عرض کی یا رسول اللہ میں مسجد میں سویا ہوا تھا یہ شخص آیا اور اس نے میرے سر کے نیچے سے چادر کھینچی۔ میں نے اس کے پیچھے چکر کر کے پکڑ لیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ میری چادر تو اتنی مہنگی نہیں ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات تم نے اس کو میرے پاس مانے سے پہلے کیوں نہ سوچی۔

(سنن دارمی: جلد دوم: حدیث نمبر 155)

مال مسروقہ میں چور کے دعویٰ کے سبب سقوط حد کا بیان

(وَإِذَا ادَّعى السَّارِقُ أَنَّ الْعَيْنَ الْمَسْرُوقَةَ مِلْكُهُ سَقَطَ الْقَطْعُ عَنْهُ وَإِنْ لَمْ يَقُمْ بَيِّنَةٌ)
مَعْنَاهُ بَعْدَمَا شَهِدَ الشَّاهِدَانِ بِالسَّرِقَةِ . وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : لَا يَسْقُطُ بِمَجْرَدِ الدَّعْوَى لِأَنَّهُ لَا يَعْجِزُ عَنْهُ سَارِقٌ فَيُؤَدِّي إِلَى سَدِّ بَابِ الْحَدِّ .

وَلَسْنَا أَنَّ الشُّبْهَةَ دَارِنَةٌ وَتَتَحَقَّقُ بِمَجْرَدِ الدَّعْوَى لِإِلْحِتِمَالِ ، وَلَا مُعْتَبَرٍ بِمَا قَالَ بِدَلِيلِ
صِحَّةِ الرُّجُوعِ بَعْدَ الْإِفْرَارِ . وَإِذَا أَقْرَرَجُلَانِ بِسَّرِقَةٍ ثُمَّ قَالَ أَحَدُهُمَا هُوَ مَالِي لَمْ
يُقْطَعَا) لِأَنَّ الرُّجُوعَ عَامِلٌ فِي حَقِّ الرَّاجِعِ وَمُورِثٍ لِشُّبْهَةِ فِي حَقِّ الْآخَرِ ، لِأَنَّ
السَّرِقَةَ تَثْبُتُ بِإِقْرَارِهِمَا عَلَى السَّرِقَةِ .

(فَإِنْ سَرَقَا ثُمَّ عَابَ أَحَدُهُمَا وَشَهِدَ الشَّاهِدَانِ عَلَى سَرِقَتِهِمَا قُطِعَ الْآخَرُ فِي قَوْلِ أَبِي
حَنِيفَةَ الْآخَرِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا) وَكَانَ يَقُولُ أَوَّلًا : لَا يُقْطَعُ ، لِأَنَّهُ لَوْ خَضَرَ رَبُّمَا يَدَّعَى
الشُّبْهَةَ . وَجَهٌ قَوْلِهِ الْآخَرِ أَنَّ الْغَيْبَةَ تَمْنَعُ ثُبُوتَ السَّرِقَةِ عَلَى الْغَائِبِ فَيَبْقَى مَعْدُومًا
وَالْمَعْدُومُ لَا يُورِثُ الشُّبْهَةَ وَلَا مُعْتَبَرٌ بِتَوَهُمِ حَدُوثِ الشُّبْهَةِ عَلَى مَا مَرَّ

(وَإِذَا أَقْرَرَ الْعَبْدُ الْمَخْجُورُ عَلَيْهِ بِسَّرِقَةِ عَشْرَةِ دَرَاهِمَ يَعْنِيهَا فَإِنَّهُ يُقْطَعُ وَتُرَدُّ السَّرِقَةُ
إِلَى الْمَسْرُوقِ مِنْهُ) وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ . وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يُقْطَعُ وَالْعَشْرَةُ
لِلْمَوْلَى . وَقَالَ مُحَمَّدٌ : لَا يُقْطَعُ وَالْعَشْرَةُ لِلْمَوْلَى وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ . وَمَعْنَاهُ إِذَا كَذَّبَهُ
الْمَوْلَى .

ترجمہ

اور جب چور نے مال مسروقہ میں یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ اس کا اپنا مال ہے تو اس سے حد قطع ساقط ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ گواہ پیش

نہ بھی کرے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جب دو گواہ اس کے خلاف چوری کی گواہی دیدیں۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ صرف دعویٰ سے حد قطع ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس طرح ہر چور دعویٰ کرتا پھرے گا پس

ساتھ بھی صحیح نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اس کے انسان ہونے کے، طے اس کا قرار صحیح ہے اس کے بعد یہ اقرار مال کی طرف متعدی ہونے والا ہے اور مال ہونے کے سبب صحیح ہوگا کیونکہ اقرار میں کوئی تہمت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اقرار ضرورت پر مشتمل ہے اور اسی طرح کا اقرار دوسرے کے حق میں قبول کر لیا جاتا ہے۔

حضرت امام محمد بن عبد الرحمن کی دلیل مجوز علیہ غلام میں یہ ہے کہ اس مال کا اقرار باطل ہے کیونکہ اس کی جانب سے غصب کا اقرار درست نہیں ہے پس وہ حق کا مال باقی رہنے والا ہے اور مالک کا مال چوری کرنے پر غلام حد قطع نہیں ہے۔ جس کی تائید اس دلیل سے ہے کہ چوری میں اصل مال ہے اور حد قطع اس کے تابع ہے یہاں تک کہ اس میں حد قطع کے بغیر خصوصیت کو سنا جاتا ہے اور حد قطع کے بغیر بھی مال ثابت ہو جاتا ہے جبکہ اس کے عکس میں خصوصیت نہیں سنی جاتی ورنہ ہی مال ثابت ہوتا ہے اور جب اصل میں اقرار باطل ہو گیا ہے تو تابع میں بھی اقرار باطل ہو جائے گا۔ جبکہ میرا مذون میں ایسا نہیں ہے کیونکہ جو مال اس کے قبضہ میں ہے اس کے بارے میں اس کا اقرار صحیح ہے پس حد قطع کے حق میں بطور تبع اس کا اقرار صحیح ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام نے جب وہ چیزوں کا اقرار کیا ان میں سے ایک حد قطع کا ہے تو یہ اس کی ذات پر اقرار ہے پس یہ اقرار درست ہوگا جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔

دوسرے اقرار اس نے مال کا کیا تو یہ اقرار اس سے قاسم سے متعلق ہے پس قاسم کے حق میں یہ اقرار درست نہ ہوگا اور مال کے بغیر بھی حد قطع ثابت ہو جائے گی جس طرح کسی آزاد شخص نے کہا کہ وہ کپڑے جو زید کے پاس ہے اس کو میں نے عمرو سے چوری کیا ہے جبکہ زید کہتا ہے کہ وہ کپڑے میرا ہے تو اقرار دے لے حد قطع ہوگی اگرچہ کپڑے کے تعین سے اس کی تصدیق نہیں کی جارہی یہاں تک کہ وہ کپڑے آزاد سے چھینا نہیں جاسکتا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ غلام کا اقرار بہ قطع درست ہے اسی دلیل کے سبب سے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ پس اسی کو بنیاد بناتے ہوئے اس کا اقرار بہ مال بھی درست ہوگا کیونکہ اقرار حالت بقاء کے ساتھ مل ہوا ہے اور حالت بقاء میں مال حد قطع کے تابع ہوتا ہے حتیٰ کہ قطع کے سبب سے عصمت مال ساقط ہو جاتی ہے۔ اور ہلاک کرنے کے بعد بھی حد قطع ہوتی ہے۔ جبکہ آزاد کے مسئلہ میں ایسا نہیں ہے کیونکہ قطع یہ قاسم کے پاس چوری کے سبب سے واجب ہوتا ہے۔ مگر غلام کا قاسم کا مال چوری کرنے پر حد قطع واجب نہ ہوگی پس یہ دونوں مسائل ایک دوسرے سے الگ ہونے والے ہیں۔ اور جب قاسم نے غلام کی تصدیق کر دی ہے تو اب ان تمام احوال میں اس پر حد قطع واجب ہوگی۔ کیونکہ مانع ختم ہو چکا ہے۔

اگر غلام اپنے مالک کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا

حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر فاروق کے پاس اپنے غلام کو لے کر آیا اور کہا کہ اس کے ہاتھ کٹا دیجئے کیونکہ اس نے میری بیوی کا آئینہ چرایا ہے، لیکن حضرت عمر نے فرمایا کہ یہ قطع یہاں مستوجب نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارا خدمت گار ہے اور

تمہاری ہی چیز اس نے لی ہے۔ (موطا امام مالک، کتاب الحدود)

گویا حضرت عمر نے اپنے فیصلہ کے ذریعہ اس پر قطع یہ کی سزا نافذ نہ کرنے کی علت وجہ کی طرف اشارہ کیا اور وہ اذن (یعنی اجازت) کا پتہ جاتا ہے کہ تمہارے خادم ہونے کی حیثیت سے جب اس کو تمہارے ساتھ رہنے سننے اور تمہارے مال و اسباب کی دیکھ بھال کرنے کی اجازت حاصل ہے اور اس اعتبار سے تمہارے اور تمہارے گھر کا مال خود تمہاری مرضی سے اس کی دسترس میں ہے تو اس صورت میں اجازت یعنی مال کا بغیر کی دسترس سے محفوظ ہونا نہ رہا اور جب اجازت نہ رہا تو پھر یہ قطع یہاں سزاوار بھی نہیں ہوگا چنانچہ حنفیہ اور حضرت امام احمد کا یہی مسلک ہے جب کہ دوسرے علماء کا مسلک اس کے برخلاف ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے اور مسروقہ مال کی واپسی کا بیان

قَالَ (وَإِذَا قُطِعَ السَّارِقُ وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ فِي يَدِهِ رُدَّتْ عَلَى صَاحِبِهَا) لِبَقَائِهَا عَلَى مِلْكِهِ (وَإِنْ كَانَتْ مُسْتَهْلَكَةً لَمْ يَضْمَنْ) وَهَذَا الْإِطْلَاقُ يَشْمَلُ الْهَلَاكَ وَالِاسْتِهْلَاكَ، وَهُوَ رِوَايَةُ أَبِي يُوسُفَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الْمَشْهُورُ. وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْهُ أَنَّهُ يَضْمَنْ بِالِاسْتِهْلَاكَ. وَقَالَ الشَّافِعِيُّ: يَضْمَنْ فِيهِمَا لِأَنَّهُمَا حَقَّانِ قَدْ اخْتَلَفَ سَبَبَاهُمَا فَلَا يَمْتَنِعَانِ فَالْقَطْعُ حَقُّ الشَّرْعِ وَسَبَبُهُ تَرْكُ الْإِنْتِهَاءِ عَمَّا نَهَى عَنْهُ. وَالضَّمَانُ حَقُّ الْعَبْدِ وَسَبَبُهُ أَخْذُ الْمَالِ فَصَارَ كَاسْتِهْلَاكِ صَيِّدٍ مَمْلُوكٍ فِي الْحَرَمِ أَوْ شُرْبِ خَمْرٍ مَمْلُوكَةٍ لِلدُّمْنِ.

وَلَنَا قَوْلُهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ (لَا غُرْمَ عَلَى السَّارِقِ بَعْدَمَا قُطِعَتْ يَمِينُهُ) وَلَئِنْ وَجُوبَ الضَّمَانُ يُنَافِي الْقَطْعَ لِأَنَّهُ يَتِمَلَّكُهُ بِأَدَاءِ الضَّمَانِ مُسْتَبِدًّا إِلَى وَقْتِ الْأَخْذِ، فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ وَرَدَ عَلَى مِلْكِهِ فَيَنْتَفِي الْقَطْعُ لِلشُّبْهَةِ وَمَا يُؤَدِّي إِلَى انْتِفَائِهِ فَهُوَ الْمُنتَفِي، وَلَئِنْ الْمَحَلَّ لَا يَنْتَفِي مَعْصُومًا حَقًّا لِلْعَبْدِ، إِذْ لَوْ بَقِيَ لَكَانَ مُبَاحًا فِي نَفْسِهِ فَيَنْتَفِي الْقَطْعُ لِلشُّبْهَةِ فَيَصِيرُ مُحَرَّمًا حَقًّا لِلشَّرْعِ كَالْمَيْتَةِ وَلَا ضَمَانَ فِيهِ إِلَّا أَنَّ الْعِصْمَةَ لَا يَظْهَرُ سُقُوطُهَا فِي حَقِّ الْإِسْهْلَاكِ لِأَنَّهُ فَعَلَ آخِرُ غَيْرِ السَّرِقَةِ وَلَا ضَرُورَةَ فِي حَقِّهِ، وَكَذَا الشُّبْهَةُ تُعْتَبَرُ فِيمَا هُوَ السَّبَبُ دُونَ غَيْرِهِ. وَوَجْهُ الْمَشْهُورِ أَنَّ الْإِسْهْلَاكَ إِنْ تَمَّ الْمَقْصُودُ فَتُعْتَبَرُ الشُّبْهَةُ فِيهِ، وَكَذَا يَظْهَرُ سُقُوطُ الْعِصْمَةِ فِي حَقِّ الضَّمَانِ لِأَنَّهُ مِنْ ضَرُورَاتِ سُقُوطِهَا فِي حَقِّ الْهَلَاكِ لِانْتِفَاءِ الْمَمَالَةِ.

ترجمہ

فرہ یا اور جب چور کا ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے اور چوری شدہ مال بھی اس کے پاس موجود ہے تو وہ مال مالک کو واپس کر دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ مال ابھی تک مالک کی ملکیت پر باقی ہے۔ اور اگر وہ مالک ہلاک ہو چکا ہے تو چور اس مال کا ضامن نہیں ہے۔ اور اطلاق مال کے ہلاک ہونے اور برہ ہونے دونوں کو شامل ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اور مشہور بھی یہی ہے۔

حضرت امام حسن علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ہلاک ہونے کی صورت میں بھی چور ضامن ہوگا۔

حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں چور ضامن ہوگا۔ کیونکہ قطع اور ضمان دونوں حق ہیں۔ اور ان دونوں کے اسباب بھی مختلف ہیں۔ پس یہ دونوں متمتع نہ ہوں گے۔ لہذا قطع شریعت کا حق ہے اور اس کا سبب منع کی گئی چیز کو چھوڑ دینا ہے۔ جبکہ ضمان بندے کا حق ہے اور اس کا سبب مال لینا ہے پس یہ حرم میں مملوکہ چیز کا شکار کرنے کی طرح ہو جائے گا یا پھر یہ مسئلہ ذمی کی مملوکہ شراب کی طرح ہو جائے گا۔

ہماری دلیل نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث مبارکہ ہے جب چور کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے تو اب اس پر تاوان نہیں ہے۔ کیونکہ ضمان کا وجوب قطع کے منافی ہے۔ کیونکہ ادائے ضمان کے سبب وہ وقت اخذ کی طرف منسوب ہوتے ہوئے اس مال کا مالک ہو جائے گا۔ اور یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ یہ چوری اسی چور کی ملکیت پر واقع ہوئی ہے۔ پس شبہ کے سبب قطع ختم ہو جائے گا۔ اور جو چیز قطع کو ختم کر دے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ محل بندے کا حق بن کر معصوم نہیں رہا۔ کیونکہ اگر یہ معصوم رہتا ہے تو یہ خود بہ خود مباح ہو جائے گا اور قطع شبہ کے سبب ختم ہو جائے گا۔ پس وہ مردار کی طرح حق شرع بن کر حرم ہوگا اور اس میں کوئی ضمان نہ ہوگا۔ لہذا ہلاکت کے حق میں سقوط عصمت کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ ہلاکت چوری کے سوا دوسرا عمل ہے۔ لہذا اس کے حق میں سقوط عصمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور البتہ شبہ بھی سبب ہی میں معتبر ہوا کرتا ہے۔ اور غیر سبب میں اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

اس کی مشہور دلیل یہ ہے کہ ہلاک کرنے سے مقصود چوری کو مکمل کرنا ہے پس اس میں شبہ معتبر ہوگا البتہ ضمان کے حق میں بھی عصمت کا سقوط ظاہر ہوگا۔ کیونکہ چوری شدہ مال اور ضمان میں برابر معدوم ہے۔

متعدد چوریوں میں ایک مرتبہ ہاتھ کاٹنے کا بیان

قَالَ (وَمَنْ سَرَقَ سَرَقَاتٍ فَقُطِعَ فِي إِحْدَاهَا فَهُوَ لِجَمِيعِهَا ، وَلَا يَضْمَنُ شَيْئًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَقَالَ لَا يَضْمَنُ كُلَّهَا إِلَّا الَّتِي قُطِعَ لَهَا) وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ إِذَا حَصَرَ أَحَدُهُمْ ، فَإِنْ حَصَرُوا جَمِيعًا وَقُطِعَتْ يَدُهُ لِمُخْصَوَاتِهِمْ لَا يَضْمَنُ شَيْئًا بِإِلْتِفَاقٍ فِي

السَّرَقَاتِ كُلَّهَا. لَهُمَا أَنَّ الْحَاضِرَ لَيْسَ بِنَائِبٍ عَنِ الْغَائِبِ . وَلَا بُدَّ مِنَ الْخُصُومَةِ لِتَظْهَرِ السَّرِقَةُ فَلَمْ تَظْهَرِ السَّرِقَةُ مِنَ الْغَائِبِينَ فَلَمْ يَقَعْ الْقَطْعُ لَهَا فَفَقِيَتْ أَمْوَالُهُمْ مَعْصُومَةً . وَلَهُ أَنَّ الْوَاجِبَ بِالْكُلِّ قَطْعٌ وَاحِدٌ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى لِأَنَّ مَبْنَى الْحُدُودِ عَلَى التَّدَاخُلِ وَالْخُصُومَةِ شَرْطٌ لِلظُّهْرِ عِنْدَ الْقَاضِي ، فَإِذَا اسْتَوْفَى قَالُمُسْتَوْفَى كُلُّ الْوَاجِبِ ؛ أَلَا يَرَى أَنَّهُ يَرْجِعُ نَفْعُهُ إِلَى الْكُلِّ فَيَقَعُ عَنِ الْكُلِّ ، وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ إِذَا كَانَتْ النُّصْبُ كُلُّهَا لِوَاحِدٍ فَخَاصَمَ فِي الْبَعْضِ ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ .

ترجمہ

اور جس شخص نے متعدد چوریاں کیں ہوں اور ایک چوری میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے تو سب چوریوں کی طرف کافی ہوگا۔ اور حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک چور ضامن نہ ہوگا۔

صاحبین کے نزدیک چور پورے مال کا ضامن ہوگا۔ البتہ جس چوری میں اس کا ہاتھ کاٹا گیا ہے اس میں ضامن نہ ہوگا اور اس مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ جب مسروق منہم میں سے ایک شخص حاضر ہو اور اگر تمام وہ لوگ جن کا مال چوری ہوا حاضر ہوں تو پھر یہ اتفاق وہ چور تمام چوریوں میں ضامن نہ ہوگا۔ صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ حاضر غائب کا نائب نہ ہوگا کیونکہ چوری کو ظاہر کرنے کیلئے جھگڑا ضروری ہے۔ لہذا جن کا مال چوری ہوا جب وہ غائب ہیں تو چوری ظاہر نہ ہوگی پس ان چوریوں کی طرف سے قطع واقع ہی نہ ہوگا۔ اور غیر حاضر رہنے والوں کے اموال معصوم و محترم رہے۔

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ہے کہ تمام چوریوں کی جانب سے ایک ہی قطع اللہ کا حق بن واجب ہوا ہے کیونکہ حدود کا مدار تداعل پر ہوتا ہے۔ اور خصومت کرنا تو یہ قاضی کے پاس چوری ظاہر کرنے کیلئے شرط ہے۔ البتہ وجوب قطع یہ جنایت کے سبب ہے۔ پس جب ایک قطع ہو گیا تو یہ تمام واجب کو وصول کرنے والا ہے۔ کیا آپ غور و فکر نہیں کرتے کہ قطع کا نفع تمام کی طرف لوٹنے والا ہے پس وہ قطع کل کی طرف سے واقع ہو گیا۔ اور یہ مسئلہ بھی اسی اختلاف پر ہے جب سارے نصاب کا مالک ایک ہی شخص ہو اور اس نے ایک ہی مال کی طرف جھگڑا کیا ہو۔

بَابُ مَا يُحْدِثُ السَّارِقُ فِي السَّرِقَةِ

﴿یہ باب مال مسروقہ میں تغیر و تبدل کے بیان میں ہے﴾

باب مال مسروقہ میں تبدیلی کی فقہی مطابقت

علامہ ابن محمود بارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ جب مصنف علیہ الرحمہ سرقہ کے احکام اور حد قطعید کے احکام کو بیان کرنے سے فارغ ہوئے ہیں تو اب انہوں نے اس باب کو شروع کیا ہے جس میں یہ بیان کیا جائے گا کہ جب اشتباہ پیدا ہو جائے تو سارق سے حد سقط ہو جاتی ہے۔ اور شبہات سے سقوط حدود کا اصول اور اس پر حدیث میں ہم کتاب الحدود کے شروع میں بیان کرتے ہیں۔ (عنایہ شرح الہدایہ، بتصرف، ج ۷، ص ۴۰۷، بیروت)

مسروقہ چیز میں تغیر و تبدل کرنے کا بیان

وَمَنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَشَقَّهٗ فِي الدَّارِ يَنْصِفُ ثُمَّ أَخْرَجَهُ وَهُوَ يُسَاوِي عَشْرَةَ دَرَاهِمَ قُطِعَ
وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَقْطَعُ لَأَنَّ لَهُ فِيهِ سَبَبَ الْمِلْكِ وَهُوَ الْحَرْقُ الْفَاحِشُ فَإِنَّهُ يُوجِبُ
الْقِيَمَةَ وَتَمْلِكُ الْمَظْمُونُ وَصَارَ كَالْمُشْتَرَى إِذَا سَرَقَ مَبِيعًا فِيهِ خِيَارٌ لِلْبَائِعِ (وَلَهُمَا
أَنْ الْأَخَذَ وَضَعَ سَبَبًا لِلضَّمَانِ لَا لِلْمِلْكِ، وَإِنَّمَا الْمِلْكُ يَثْبُتُ ضَرُورَةً أَدَاءِ الضَّمَانِ
كَئِنْ لَا يَجْتَمِعُ الْبَدَلَانِ فِي مِلْكٍ وَاحِدٍ، وَمِثْلُهُ لَا يُورَثُ) الشُّبْهَةُ كَنَفْسِ الْأَخِيذِ،
وَكَمَا إِذَا سَرَقَ الْبَائِعُ مَبِيعًا بَاعَهُ، بِخِلَافِ مَا ذَكَرَ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ مَوْضُوعٌ لِإِقَادَةِ الْمِلْكِ،
وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا اخْتَارَ تَضْمِينَ النِّقْصَانِ وَأَخَذَ الثُّوبَ، فَإِنْ اخْتَارَ تَضْمِينَ
الْقِيَمَةِ وَتَرَكَ الثُّوبَ عَلَيْهِ لَا يَقْطَعُ بِالاتِّفَاقِ، لِأَنَّهُ مَلَكُهُ مُسْتَبَدًّا إِلَى وَقْتِ الْأَخْذِ فَصَارَ
كَمَا إِذَا مَلَكَهُ بِالْهَبَةِ فَأَوْرَثَ شُبْهَةً، وَهَذَا كُلُّهُ إِذَا كَانَ النِّقْصَانُ فَاحِشًا، فَإِنْ كَانَ
يَسِيرًا يَقْطَعُ بِالاتِّفَاقِ لَا بُدَّ أَمَّ سَبَبِ الْمِلْكِ إِذْ لَيْسَ لَهُ اخْتِيَارُ تَضْمِينَ كُلِّ الْقِيَمَةِ.

ترجمہ

اور جس بندے نے کوئی کپڑا چوری کر لیا اور اس کے بعد گھر میں آکر اس نے اس کو پھاڑ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور اس کو باہر نکالا تو وہ دس درہم کے برابر ہو گیا۔ تب چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ اس کپڑے میں چور کو ملکیت کا سبب حاصل ہے۔ اور وہ اس کو سخت طریقے سے پھاڑنا ہے۔ کیونکہ اس پر قیمت واجب کرنے والہ خرق ہے لہذا وہ مضمون کپڑے کا مالک بن گیا ہے۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح کسی مشتری نے اسی بیچ چیز کو چوری کر لیا جس میں بائع کو اختیار حاصل تھا۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ مال کا یہنا یہ سبب ضمان ہے سبب ملکیت نہیں ہے۔ کیونکہ ملکیت ادائے ضمان کے سبب سے ثابت ہوئی ہے۔ تاکہ ایک شخص کی ملکیت میں دو بدل جمع نہ ہو جائیں۔ اور اس کو اس طرح پکڑ لینا یہ کوئی شبہ پیدا کرنے والا نہیں ہے جس طرح نفس اخذ مورث شبہ نہیں ہے۔ اور جس طرح کسی بائع نے اپنی عیب دالی چیز کو فروخت کر دی اور پھر اس نے اس کو چوری کر لیا یہ خلاف اس صورت کے کہ جب بائع کیسے اختیار ہو۔ کیونکہ بیع ملکیت کے فائدے کیلئے بنائی گئی ہے۔ اور یہ اختلاف اس وقت ہے کہ کپڑے کے مالک نے نقصان کا ضمان لینا اور کپڑا قبضہ کر لیا ہو۔ مگر جس وقت اس نے ضمان کے طور پر قیمت لینا اور کپڑے کو چور کے پاس چھوڑ دینا پسند کر لیا ہے تو تب بالاتفاق (فقہاء) اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ پکڑنے کے وقت کی طرف نسبت کرتے ہوئے چور اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح ہبہ کے ذریعے چور اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ پس اس نے شبہ پیدا کر دیا ہے۔ اور تمام احکام اس وقت ہیں جب نقصان زیادہ ہو۔ لیکن جب نقصان کم ہو بالاتفاق چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ سبب ملکیت معدوم ہے کیونکہ مال کو مکمل قیمت لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔

شرح

ملکیت ادائے ضمان کے سبب سے ثابت ہوئی ہے۔ قاعدہ فقہیہ

جس طرح نفس اخذ مورث شبہ نہیں ہے۔

بکری چور نے جب بکری کو ذبح کر دیا ہو تو حکم حد

(وَإِنْ سَرَقَ شَاةً قَذَّبَهَا ثُمَّ أَخْرَجَهَا لَمْ يَقْطَعْ) لِأَنَّ السَّرِقَةَ تَمَّتْ عَلَى اللَّحْمِ وَلَا

قُطِعَ فِيهِ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے بکری چوری کر کے ذبح کر ڈالی پھر اس کو باہر نکالا تو قطع نہ ہوگا کیونکہ چور کی چوری گوشت پر مکمل ہو گئی ہے اور گوشت میں قطع نہیں ہے۔

شرح

حد قطع کے مطابق سونا چاندی کو چوری کرنے کا بیان

(وَمَنْ سَرَقَ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ فَصَنَعَهُ دَرَاهِمَ أَوْ دَنَانِيرَ قُطِعَ فِيهِ وَتَرَكَ

الدَّرَاهِمَ وَالذَّنَابِيرَ إِلَى الْمَسْرُوقِ مِنْهُ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا : لَا سَبِيلَ لِلْمَسْرُوقِ مِنْهُ عَلَيْهِمَا) وَأَصْدُهُ فِي الْعَصَبِ فَهَذِهِ صَنْعَةٌ مُتَقَوِّمَةٌ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لَهُ ، ثُمَّ وَجُوبُ الْحَدِّ لَا يُشْكِلُ عَلَى قَوْلِهِ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ ، وَقِيلَ عَلَى قَوْلِهِمَا لَا يَجِبُ لِأَنَّهُ مَدَكَّهُ قَبْلَ الْقَطْعِ ، وَقِيلَ يَجِبُ ، لِأَنَّهُ صَارَ بِالصَّنْعَةِ شَيْئًا آخَرَ فَلَمْ يَمْلِكْ عَلَيْهِ

ترجمہ

اور جب کسی شخص نے اتنی مقدار میں سونا، چاندی چوری کر لیا جس میں قطع واجب ہے اور پھر چور اس کے درہم یا دنابیر بنا ڈالے تو اس میں قطع ہوگا۔ اور درہم و دنابیر مالک کو دے دیے جائیں گے۔ یہ حکم امام صاحب علیہ الرحمہ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک ان دونوں پر مسروق منہ کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل کتاب الغصب میں ہے۔ صاحبین کے نزدیک یہ تبدیل متقوم ہے جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کا اس میں اختلاف ہے۔ لہذا امام اعظم علیہ الرحمہ کے فرمان کے مطابق اس پر حد لگانے میں کوئی مشقت نہیں ہے۔ کیونکہ چوری کے مال کا مالک نہیں ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صاحبین کے نزدیک قطع واجب نہیں ہے کیونکہ قطع سے پہلے چور اس کا مالک بن گیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ قطع واجب ہے کیونکہ صنعت کی وجہ سے وہ مال دوسری چیز میں بدل چکا ہے۔ لہذا چور اس کے عین (ذات) کا مالک نہیں ہے۔

شرح

اس مسئلہ کی دلیل یہی ہے کہ مقدار نصب کے بعد سونے چاندی میں تغیر و تبدل کا اعتبار نہ کیا جائے گا کیونکہ چوری کا ثبوت ہو چکا اور اس کا نصب مکمل ہو چکا ہے لہذا اس پر حد جاری کی جائے گی۔ البتہ اس مسئلہ کی تفصیل کتاب الغصب میں آئے گی۔

چوری شدہ کپڑے سرخ بنانے میں قطع کا بیان

(فَإِنْ سَرَقَ ثَوْبًا فَصَبَّغَهُ أَحْمَرَ لَمْ يُؤْخَذْ مِنْهُ الثَّوْبُ وَلَمْ يَضْمَنْ قِيَمَةَ الثَّوْبِ ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ . وَقَالَ مُحَمَّدٌ : يُؤْخَذُ مِنْهُ الثَّوْبُ وَيُعْطَى مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ) اِغْتِبَارًا بِالْعَصَبِ ، وَالْجَمَاعُ بَيْنَهُمَا كَوْنُ الثَّوْبِ أَصْلًا قَائِمًا وَكَوْنُ الصَّبْغِ تَابِعًا .

وَلَهُمَا أَنْ الصَّبْغَ قَائِمٌ صُورَةً وَمَعْنَى ، حَتَّى لَوْ أَرَادَ أَخْذَهُ مَصْبُوعًا يَضْمَنْ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ ، وَحَقُّ الْمَالِكِ فِي الثَّوْبِ قَائِمٌ صُورَةً لَا مَعْنَى ، أَلَا تَرَى أَنَّهُ غَيْرُ مَضْمُونٍ عَلَى السَّارِقِ سَالَهُ لَا فَرَجَ حَتَّى حَابَتِ السَّارِقُ ، بِخِلَافِ الْعَصَبِ ، لِأَنَّ حَقَّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا قَائِمٌ صُورَةً وَمَعْنَى فَاسْتَوَى مِنْ هَذَا الْوَحْدِ فَرَجًا حَتَّى جَانَبَ الْمَالِكِ بِمَا ذَكَرْنَا)

وَأِنْ صَبَّغَهُ أَسْوَدَ أَخَذَ مِنْهُ فِي الْمَذْهَبَيْنِ) يَعْنِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ هَذَا وَالْأَوَّلُ سَوَاءٌ لِأَنَّ السَّوَادَ زِيَادَةٌ عِنْدَهُ كَالْحُمْرَةِ ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ زِيَادَةٌ أَيْضًا كَالْحُمْرَةِ وَلَكِنَّهُ لَا يَقْطَعُ حَقَّ الْمَالِكِ ، وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ السَّوَادُ نَقْصَانٌ فَلَا يُوجِبُ انْقِطَاعَ حَقِّ الْمَالِكِ .

ترجمہ

شیخین کے نزدیک جب کسی شخص نے کپڑا چوری کر کے اس کو سرخ رنگ میں رنگ لیا تو قطع واجب ہوگا۔ البتہ چور سے وہ کپڑا نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی چور اس کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔

حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک چور سے وہ کپڑا لے لیا جائے گا اور رنگنے کے سبب جو اس قیمت میں اضافہ ہوا ہے وہ اس کو دے دیا جائے گا۔ اور اس کو غصب پر قیاس کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ ان دونوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور اصل کپڑا ہے اور وہ موجود ہے جبکہ رنگ تابع ہے۔

شیخین کے نزدیک رنگ صورت اور معنی دونوں کے اعتبار سے موجود ہے یہاں تک کہ اگر کپڑے کا مالک اس کو لینا چاہے تو اس کپڑے کے رنگنے کے سبب جو اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے وہ اس کا ضامن دے اور مالک کا حق اس کپڑے میں بطور صورت موجود ہے بطور معنی موجود نہیں ہے۔

کیا آپ غور و فکر سے نہیں دیکھتے کہ ہلاکت کے سبب چور اس کپڑے کا ضامن نہیں ہے۔ پس ہم نے جہت سارق کو ترجیح دی ہے یہ خلاف غصب کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا حق صورت اور معنی دونوں اعتبار سے موجود ہے۔ پس اس اعتبار سے مالک اور غاصب دونوں برابر ہو جائیں گے۔

اور جب چور نے اس کو کالے رنگ میں رنگ دیا ہے تو دونوں مذاہب کے مطابق یعنی امام اعظم اور امام محمد علیہما الرحمہ کے مطابق اس سے وہ کپڑا لے لیا جائے گا اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک یہاں پر یہی اور پہلا دونوں کا حکم برابر ہے کیونکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک سرخی کی طرح سیاہی بھی اضافے کا سبب ہے اور امام محمد علیہ الرحمہ اگرچہ سرخی سیاہی کی طرح زیادتی کا سبب ہے لیکن کپڑے سے مالک کا حق ختم نہ ہوگا جبکہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سیاہی (قیمت کے حق میں) کمی کا سبب ہے۔ لہذا یہ مالک کے حق کو ختم کرنے والی نہیں ہے۔

بَابُ قَطْعِ الطَّرِيقِ

یہ باب راستے میں ڈکیتی ڈالنے والوں کے بیان میں ہے ﴿

باب قطع طریق کی فقہی مطابقت کا بیان

علامہ ابن محمود ہارتی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ قطع طریق کو سرقہ کہہ جاتا ہے۔ اور اس کا نام سرقہ کہی رکھنے کا سبب یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کا نقصان زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے اموال ان کی حفاظت سے لوٹ لیے جاتے ہیں اور یہ موقف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور یہ بھی مال کا اسی طرح لوٹنا ہے جس طرح کوئی مال محفوظ کو گھروں سے ہوتا ہے۔ یہ وہ جگہ جو گھر کے قائم مقام یعنی محفوظ جگہ ہے وہاں سے لوٹتا ہے اسی مشابہت کے سبب اس کا نام بھی سرقہ اور اس کو باب حد سرقہ میں ہیون کیا گیا ہے۔ اور اس کی سزا میں سختی اسی سبب سے زیادہ ہے کہ اس چوری یعنی ڈکیتی میں نقصان کی زیادتی ہے۔ اور اس کا وقوع کثرت کے ساتھ واقع ہونے والا ہے۔ (معانی شرح الہدایہ، ص ۷۷، ج ۱، بیروت)

قوت مدافعت والی جماعت کا ڈکیتی کیلئے نکلنے کا بیان

قَالَ (وَإِذَا خَرَجَ جَمَاعَةٌ مُّتَحِينَ أَوْ وَاحِدٌ يَقْدِرُ عَلَى الْامْتِنَاعِ فَقَصَدُوا قَطْعَ الطَّرِيقِ فَأَخَذُوا قَبْلَ أَنْ يَأْخُذُوا مَالًا وَيَقْتُلُوا أَنْفُسًا حَبَسَهُمُ الْإِمَامُ حَتَّى يُحْدِثُوا تَوْبَةً، وَإِنْ أَخَذُوا مَالًا مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ، وَالْمَأْخُذُ إِذَا قُسِمَ عَلَى جَمَاعَتِهِمْ أَصَابَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَشْرَةَ دَرَاهِمٍ فَصَاعِدًا أَوْ مَا تَبْلُغُ قِيمَتُهُ ذَلِكَ قَطَعَ الْإِمَامُ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ، وَإِنْ قَتَلُوا وَلَمْ يَأْخُذُوا مَالًا قَتَلَهُمُ الْإِمَامُ حَدًّا) وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ تَعَالَى (إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ) الْآيَةُ. وَالْمُرَادُ مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ التَّوْبِيعَ عَلَى الْأَحْوَالِ وَهِيَ أَرْبَعَةٌ: هَذِهِ الثَّلَاثَةُ الْمَذْكُورَةُ، وَالرَّابِعَةُ نَذْرُهَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَئِنْ الْجَنَابَاتِ تَتَفَاوَتْ عَلَى الْأَحْوَالِ فَالْإِلَاقُ تَغْلُظُ الْحُكْمُ بِنَغْلُظِهَا. أَمَّا الْحَبْسُ فِي الْأَوَّلَى فَلِأَنَّهُ الْمُرَادُ بِالنَّفْسِ الْمَذْكُورِ لِأَنَّهُ نَفَى عَنْ وَجْهِ الْأَرْضِ بِدَفْعِ شَرِّهِمْ عَنْ أَهْلِهَا، وَيَعْزُرُونَ أَيْضًا لِمُبَاشَرَتِهِمْ مُنْكَرَ الْإِخَافَةِ.

وَشَرَطُ الْقُدْرَةِ عَلَى الْامْتِنَاعِ لِأَنَّ الْمُحَارَبَةَ لَا تَحَقِّقُ إِلَّا بِالْمَنْعَةِ. وَالْحَالَةُ الثَّانِيَّةُ

كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ. وَشَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْمَأْخُذُ مَالًا مُسْلِمٍ أَوْ ذِمِّيٍّ لِيَكُونَ الْعِصْمَةُ مُؤَبَّدَةً، وَلِهَذَا لَوْ قَطَعَ الطَّرِيقَ عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ لَا يَجِبُ الْقَطْعُ. وَشَرَطُ كَمَالِ النَّصَابِ فِي حَقِّ كُلِّ وَاحِدٍ كَيْ لَا يُسْتَبَاحَ طَرَفُهُ إِلَّا بِتَأْوِيلِهِ مَالَهُ خَطَرٌ، وَالْمُرَادُ قَطْعُ الْيَدِ الْيُمْنَى وَالرَّجُلِ الْيُسْرَى كَيْ لَا يُؤَدَّى إِلَى تَفْوِيتِ جِنْسِ الْمَنْفَعَةِ. وَالْحَالَةُ الثَّالِثَةُ كَمَا بَيَّنَّاهَا لِمَا تَلَوْنَاهُ (وَيَقْتُلُونَ حَدًّا، حَتَّى لَوْ عَفَا الْأَوْلِيَاءُ عَنْهُمْ لَا يُلْتَفَتُ إِلَى عَفْوِهِمْ) لِأَنَّهُ حَقُّ الشَّرْعِ.

ترجمہ

اور جب ڈکیتی کیلئے ایسی جماعت نکلے جس کو مدافعت کی طاقت حاصل ہے۔ یا کوئی ایسا شخص نکلا جو روکنے (دفاع کرنے) کی قوت رکھتا ہے۔ اور ان لوگوں نے ہی ڈکیتی کا ارادہ کر لیا ہے۔ اور وہ لوگ مال لوٹنے یا کسی کو قتل کرنے سے پہلے ہی پکڑے گئے تو امام ان کو قید کرے گا۔ حتیٰ کہ وہ لوگ تو پہ کریں اور اگر انہوں نے کسی مسلمان یا ذمی کا مال لیا ہے اور وہ مال اتنی مقدار میں ہے کہ اس مال کو ڈاکوؤں پر تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک دس درہم یا اس سے زیادہ حصہ ملے یا اس قدر ملے کہ اس کی قیمت دس درہم کے برابر ہو جائے تو امام کے دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیا جائے گا۔

اور جب انہوں نے قتل کیا ہے لیکن مال نہیں لوٹا تو انہیں حد کے طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ اس حکم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان بطور دلیل ہے: "إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" الْآيَةُ (المائدہ ۳۳)

اس سے حکم یہ مراد ہے کہ احوال کے مطابق سزا دینا ہے اور وہ چار سزائیں ہیں جن میں سے تین یہاں ذکر کی گئی ہیں۔ اور ان شاء اللہ ہم چوتھی سزا کو بھی بیان کریں گے۔ کیونکہ اختلاف احوال کے پیش نظر جنایات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ لہذا سخت جنایت کی سزا بھی سخت ہوگی۔ البتہ جنایت اولیٰ میں قید کی سزا اس لئے ہے کہ نفی مذکور سے مراد جس ہے کیونکہ یہ زمین کے لوگوں سے اس شر کو دور کرنا ہے۔ لہذا ان کو سزا بھی دی جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے ڈرانے و دھمکانے کا کام سرانجام دیا ہے۔

صاحب قدوری نے روکنے کی قدرت کی شرط بیان کی ہے کیونکہ اس کے بغیر لڑاؤ واقع نہیں ہوتا۔ جبکہ دوسری صورت کا حکم وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ اسی آیت مبارکہ کے پیش نظر جس کو ہم تلاوت کر آئے ہیں۔ اور امام قدوری علیہ الرحمہ نے یہ شرط بھی بیان کی ہے کہ جب لوٹا ہو مال کسی مسلمان یا ذمی کا ہو تا کہ دائمی طور پر عصمت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ جب کسی حربی مستامن پر ڈکیتی ہوئی ہے تو قطع واجب نہ ہوگا اور اسی طرح ہر ڈاکو کے حق میں مکمل نصاب کی بھی شرط بیان کی ہے تاکہ وہ وزن اور قیمت والی چیز کے سبب ڈاکو کا عضو مباح ہو جائے۔ اور "من خلاف" دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹنا ہے تاکہ یہ کاٹنا جس منفعت کو فوت کرنے کا سبب نہ بن سکے اور تیسری صورت کا حکم وہی ہے ہماری تملوت کردہ آیت کے وجہ سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور تمام ڈاکوؤں کو حد کے طور پر قتل کر دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر اولیاء مقتول اس کو معاف کر دیں تو بھی ان کی معافی کی پرواہ نہ کی جائے گی۔ کیونکہ سزا شریعت کا حق ہے۔

اختلاف احوال کے پیش نظر جنایات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ قاعدہ فقہیہ

اختلاف احوال کے پیش نظر جنایات بھی تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ (ہدایہ)

اس قاعدے کی وضاحت

اس کا ثبوت یہ ہے۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (المائدہ، ۳۳)

وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا ان کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب۔ (کنز الایمان)

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے لڑنا یہی ہے کہ اس کے اویاء سے عداوت کرے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا، اس آیت میں قطع طریق یعنی رہزنوں کی سزا کا بیان ہے۔

شان نزول: ۶۰ میں غزینہ کے چند لوگ مدینہ طیبہ میں آ کر اسلام لائے اور بیمار ہو گئے، ان کے رنگ زرد ہو گئے، پیٹ بڑھ گئے، حضور نے حکم دیا کہ صدقہ کے انٹوں کا دودھ اور پیشاب مار کر پیا کریں، ایب کرنے سے وہ تندرست ہو گئے مگر تندرست ہو کر مرتد ہو گئے اور پندرہ انت لے کر وہ اپنے وطن کو چلتے ہو گئے، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طلب میں حضرت یسار کو بھیجا ان لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے اور ایذا اُنیں دیتے دیتے شہید کر ڈالا پھر جب یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گرفتار کر کے حاضر کئے گئے تو ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر احمدی، تفسیر خزائن اعرافان)

بدامنی کرنے کو، کٹر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور دُکیتی مراد لی ہے مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے آیت کا جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوا وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے "اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا" یا "زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے ارتداد کا فتنہ، رہزنی، دُکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا

ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔ یعنی داہتا ہاتھ اور بایاں پاؤں۔ کہیں اور لجا کر انہیں قید کر دیں کما ہو مذہب الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ ڈاکوؤں کے احوال چار ہو سکتے تھے۔ (۱) قتل کیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی (۲) قتل بھی کیا اور مال بھی لیا (۳) مال چھین لیا مگر قتل نہیں کیا (۴) نہ مال چھین سکے نہ قتل کر سکے قصداً اور تیاری کرنے کے بعد ہی گرفتار ہو گئے۔ چاروں حالتوں میں بالترتیب یہی چار سزائیں ہیں جو بیان ہوئیں۔

قتل سے متعلق فقہی احکام کا بیان

حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔ فرمان ہے کہ حضرت آدم کے اس لڑکے کے قتل بچا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرمادیا ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کیلئے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ "جو شخص کسی ایک کو بلا وجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا نہ اس نے زمین میں فساد پھیلا یا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا، اس لئے کہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندہ کر دیا، اس لئے کہ یہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے۔"

امیر المؤمنین حضرت عثمان کو جب باغی گھیر لیتے ہیں، تو حضرت ابو ہریرہ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کیلئے آیا ہوں، آپ مدظلہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اٹھا ہو گیا ہے میں نے کر معصوم خلیفہ نے فرمایا، کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو، جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا نہیں نہیں، فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا۔ چار واپس لوٹ جاؤ، میری یہی خواہش ہے اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے، یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں "ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے۔" ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے۔"

ابن عباس فرماتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینے کے مترادف ہے" (ابن جریر)

ایک اور روایت میں ہے کہ "ایک کو بیچہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا۔" مجاہد فرماتے ہیں "مومن کو بیچہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی دشمن رب، ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے۔"

عبدالرحمن فرماتے ہیں "ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا، یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے، جب ہی وہ قصاص کے

قابل ہو، اور جو اسے زندگی دے جی قاتل کے ولی سے درگزر کرے اور اس نے گویا لوگوں کو زندگی دی۔" اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے سن کی جان بچ لی مثلاً ڈوبتے کو نکال یا، جلتے کو بچایا، کسی کو ہدایت سے ہٹالیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن وامان پر آمادہ کرنا ہے۔

حضرت حسن سے پوچھا گیا کہ "کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے، ہم بھی ہیں، فرمایا ہاں یقیناً اللہ کی قسم! بنی اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ وقعت نہ تھے، پس ایک شخص کا یہ سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچا لینے کے برابر ہے۔"

ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتائیں کہ میری زندگی یا آرام گزرے۔ آپ نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے یا کسی کو بچا لینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچا لینا، فرمایا "بس اب اپنی اصلاح میں لگے رہو۔" پھر فرمایا ہے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دہیوں اور روشن احکام در کھئے معجزات سے کرائے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور رازدستی سے باز نہ رہے۔ بنو قریظہ کے یہود بنو قریظہ اور بنو نضیر وغیرہ کو دیکھ بیٹھے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور زانی کے بعد پھر قیدیوں کے فدائے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انہیں قرآن میں سمجھا یا گیا کہ تم سے عہد یہ یہ گیا تھا کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ، نہ انہیں دیس سے نکالو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد پیمان کے اس کے خلاف گوندیے ادا کئے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا، اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کر، ایسے لوگوں کو سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں، اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ (مخار بہ) کے معنی حکم کے خلاف کرنا، برعکس کرنا، مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر، ڈاکہ زنی، زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بد امنی پیدا کرنا ہے، یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے۔

قرآن کی ایک اور آیت میں ہے جب وہ کسی اقتدار کے مالک ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی تو بہتلا کر لے تو پھر اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں، برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوتا۔ ابن عباس فرماتے ہیں "یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے، پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جانے سے پہلے تو بہ کرے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا۔" (تفسیر ابن کثیر، مائدہ ۳۳)

فساد اور قتل و غارت کے احکام کا بیان

حضرت ابی سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے

توڑ دیا اور فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں، چاہیں تو انہیں سیدھے ہاتھ پاؤں کنوا دیں۔

حضرت سعد فرماتے ہیں "یہ حروریہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔" صحیح یہ ہے کہ جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو اس کیسے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری مسلم میں ہے کہ "قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ انہوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور انٹ لے کر چلتے بنے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں، چنانچہ یہ گرفتار کئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔" مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی قتل بھی کیا تھا، ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسول سے لڑتے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں، مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی، سرسام کی بیماری تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا، جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انس سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو دی ہو، تم بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے، بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ انہوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ حضرت انس فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنائی تب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے، یہ سب تندرست ہو گئے تو یہ مرتد بن گئے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور زنا کار بھی تھے، جب یہ آئے تو اب سب کے پاس بوجہ فقری پہننے کے کپڑے تک نہ تھے، یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریر فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے والے تھے جو ہم نے انہیں جالیا۔ وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا، یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کیسے بھیجا گیا تھا، ان کے سردار حضرت جریر تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔

اس لئے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا، پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو

انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔

اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ، خوفزارہ کے تھے، اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا، جس کا نام یسار تھا چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے انٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی گمرانی رکھیں، انہی کو ان مردوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر انٹ لے کر بھاگ گئے، جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا، ان میں ایک شاہ زور حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ حافظ ابو بکر بن مردیہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

ابو حمزہ عبدالکریم سے انٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے کی آب و ہوا کی ناموافقیت کی شکایت کی تھی، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دغا بازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا، تو آپ نے منادی کرانی کہ اللہ کے لشکر یواٹھ کھڑے ہو، یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے، بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے ان مردوں کو ڈاکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے، وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے ہی کو تھے کہ صحابہ نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے، انہیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری، ان کی جلا وطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا گیا، بعض کہتے ہیں یہ بنو سلیم کے لوگ تھے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سزا انہیں دی وہ اللہ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سزا سے روکا گیا ہے۔ جیسے آیت (عفا اللہ عنک) میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کانٹے سے جو ممانعت فرمائی ہے، اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن یہ ذرا غور طلب ہے پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہوں اس سے پہلے کہ یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا، بلکہ حدود کے تقرر کے بعد واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ ہیں اور ان کا اسلام سورہ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے، لیکن یہ بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیروائیں۔

محمد بن عجلان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سخت سزا انہیں دی، اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں

صحیح سزایان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کانٹے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر مشتمل ہے چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں، لیکن "اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل پر آپ کو ڈانٹا گیا ہو، بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا تھا اس کا وہی بدلہ لیا گیا، اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا۔"

شہر اور غیر شہر کی ذمہ داری کے ہونے میں مذاہب اربعہ

اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ (و یسعون فی الارض فسادا) کے ہیں۔ مالک، اوزاعی، لیث، شافعی، احمد رحمہم اللہ، جمعین کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر، ان کی سزایہی ہے کہ بلکہ امام مالک تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دے کہ مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے، اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا، نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم، بیواسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ نہیں، وہ کہتے ہیں کہ "محاربہ اسی وقت ناجائز ہے جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے، کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے، راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے" جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس فرماتے ہیں "جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے، راستوں کو خطر بنادے، امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے۔" یہی قول اور بھی بہت سے فقہاء کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم اگر شکار کھیلے تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مسکین کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے، بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔

قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دیں مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے، اسی طرح ایسے محارب، مرتد لوگوں کی سزایہی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلا وطن کرنا۔ اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے، جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوتے ہوں تو قابل دار اور گردن دوزی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں اٹلے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پر خطر کر دیئے ہوں، لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی گنہگار کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لئے جائیں تو صرف جلا وطنی ہے۔

ڈاکوؤں کے قتل کرنے اور مال لوٹنے کا بیان

(وَالرَّابِعَةُ) إِذَا قَتَلُوا وَأَخَذُوا الْمَالَ فَالْإِمَامُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ قَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ مِنْ خِلَافٍ وَقَتْلَهُمْ وَصَلَبَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ قَتَلَهُمْ، وَإِنْ شَاءَ صَلَبَهُمْ. وَقَالَ مُحَمَّدٌ: يُقْتَلُ أَوْ يُصَلَّبُ وَلَا يُقَطَّعُ) لِأَنَّهُ جَنَائِيَّةٌ وَاحِدَةٌ فَلَا تُوجِبُ حَدَّيْنِ، وَلِأَنَّ مَا دُونَ النَّفْسِ يَدْخُلُ فِي النَّفْسِ فِي بَابِ الْحَدِّ كَحَدِّ السَّرِقَةِ وَالرَّجَمِ.

وَلَهُمَا أَنْ هَذِهِ عُقُوبَةٌ وَاحِدَةٌ تَغْلُظُ لِتَغْلِظَ سَبَبُهَا، وَهُوَ تَقْوِيَةُ الْأَمْنِ عَلَى النَّاسِ بِالْقَتْلِ وَأَخِذَ الْمَالِ، وَلِهَذَا كَانَ قَطْعُ الْيَدِ وَالرَّجْلِ مَعَ فِي الْكُبْرَى حَدًّا وَاحِدًا وَإِنْ كَانَا فِي الصَّغْرَى حَدَّيْنِ، وَالتَّدَاخُلُ فِي الْحُدُودِ لَا فِي حَدِّ وَاحِدٍ. ثُمَّ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ التَّخْيِيرَ بَيْنَ الصَّلْبِ وَتَرْكِهِ، وَهُوَ ظَاهِرُ الرَّوَايَةِ. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَا يَتْرُكُهُ لِأَنَّهُ مَصُوصٌ عَلَيْهِ، وَالْمَقْصُودُ التَّشْهِيرُ لِيُعْتَبَرَ بِهِ غَيْرُهُ. وَنَحْنُ نَقُولُ أَصْلُ التَّشْهِيرِ بِالْقَتْلِ وَالْمَبَالِغَةِ بِالصَّلْبِ فَيُخَيَّرُ فِيهِ. ثُمَّ قَالَ (وَيُصَلَّبُ حَيًّا وَيَنْجَعُ بَطْنُهُ بِرُمَحٍ إِلَى أَنْ يَمُوتَ) وَمِثْلُهُ عَنِ الْكُرْخِيِّ. وَعَنِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ يُقْتَلُ ثُمَّ يُصَلَّبُ تَوْقِيًّا عَنِ الْمِثْلَةِ. وَجْهُ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْأَصَحُّ أَنَّ الصَّلْبَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ أُبْلَغَ فِي الرَّدْعِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ بِهِ. قَالَ (وَلَا يُصَلَّبُ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ) لِأَنَّهُ يَتَغَيَّرُ بَعْدَهَا فَيَتَأَذَى النَّاسُ بِهِ. عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُتْرَكُ عَلَى خَشَبَةٍ حَتَّى يَتَقَطَّعَ فَيَسْقُطَ لِيُعْتَبَرَ بِهِ غَيْرُهُ. قُلْنَا: حَصَلَ الْإِعْتِبَارُ بِمَا ذَكَرْنَاهُ وَالنَّهْيَةُ غَيْرُ مَطْلُوبَةٍ.

ترجمہ

اور اس مسئلہ کی چوتھی صورت یہ ہے کہ جب ڈاکوؤں نے قتل کر دیا اور مال بھی لوٹ لیا تو اس ام کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو ان کے دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دے اور ان کو قتل کر دے یا ان کو سولی پر چڑھا دے اور اگر وہ چاہے تو صرف ان کو قتل کر دے۔ حضرت ام محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ام ان کو قتل کر دے یا سولی پر چڑھائے اور قطع نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ ایک ہی جنایت ہے۔ لہذا یہ حدوں کو واجب کرنے والی نہ ہوگی۔ کیونکہ باب حدود میں جو کچھ جان کے سوا ہوتا ہے وہ بھی جان میں شامل ہوتا ہے۔ جس طرح حد سرقہ اور رجم میں تداعل ہوتا ہے۔

جبکہ شیخین علیہما الرحمہ کی دلیل ہے کہ یہ یعنی قطع قتل یہ ایک ہی سزا ہے۔ جو جنایت کے تحت ہونے کے سبب سخت ہوگئی ہے اور وہ سبب یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے قتل کرتے ہوئے مال لوٹ کر غیر معمولی طور اس کو ختم کر دیا ہے۔ لہذا اذیت کے ساتھ ہاتھ اور پاؤں کاٹنے کو ایک ہی حد شمار کیا جائے گا اگرچہ سرقہ کے طور پر یہ دوسرا نہیں ہیں۔ اور تداعل بھی متعدد حدود میں ہوا کرتا ہے وہ کسی ایک حد میں نہیں ہوتا۔

ام محمد وری علیہ الرحمہ نے فرمایا سولی پر چڑھانے یا نہ چڑھانے کے متعلق اختیار رکھ کر کیا گیا ہے اور ظاہر الروایت کے مطابق بھی یہی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ امام سولی پر چڑھانا ترک نہ کرے کیونکہ نص میں اسی طرح بیان ہوا ہے اور اس کا مقصد مشہور کرنا ہے تاکہ دوسرے بھی اس سے عبرت حاصل کریں۔

ہم کہتے ہیں کہ شہرت کی اصل سے قتل سے حاصل ہوگی جبکہ سولی پر چڑھانا یہ شہرت میں زیادتی کرنا ہے۔ پس اس میں ام کو اختیار ہوگا۔

اس کے بعد ام محمد وری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ڈاکو اس طرح سولی پر چڑھایا جائے کہ ایک نیزے سے اس کا پیٹ چاک کیا جائے حتیٰ کہ وہ فوت ہو جائے اور امام کرخی علیہ الرحمہ سے بھی اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

حضرت امام حموی حنفی علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کو قتل کرنے کے بعد سولی پر چڑھایا جائے گا۔ تاکہ مثلاً کرنے سے اس کو بچایا جاسکے۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اس طرح سزا دینے میں زیادہ مبالغہ ہے اور اس کا مقصد بھی یہی ہے۔

فرمایا: تین دنوں سے زیادہ اس کو سولی پر نہیں لٹکایا جائے گا۔ کیونکہ تین دن کے بعد اس میں تبدیلی واقع ہو جائے گی۔ جس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔

حضرت ام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ اس کو سولی پر لٹکڑی پر ہی چھوڑ دیا جائے گا حتیٰ کہ وہ کھڑے کھڑے ہو کر گر جائے۔ اور دوسرے لوگ اس سے عبرت حاصل کریں۔ جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہماری بیان کردہ حالت سے عبرت حاصل ہو جاتی ہے جبکہ بالکل آخری درجے مقصود نہیں ہے۔

شرح

اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر اسی طرح چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے؟ یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر رہنے دے کر پھر اتار لیا جائے؟ یا اسی طرح چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک کی دلیلیں وغیرہ وارد کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے، اگر اس کی سند صحیح ہو

تو وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنادیا ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجئے اور جس نے قتل اور دہشت گردی پھیلانی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے، اسے سولی چڑھا دو۔ فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر انہیں بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے۔"

فحسب تو نکال ہی دیتے تھے اور عطا خراسانی کہتے ہیں "ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے اسی طرح کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے ہر نہ کیا جائے۔" ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں "اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔"

ابن جریر کا عقیدہ یہ ہے کہ "اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے۔" ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و ذلیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں گرفتار ہوں گے۔ "آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے اور مسلمانوں کے بارے میں صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ویسے ہی عہد لئے جیسے عورتوں سے لئے تھے کہ "ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں، ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں جو اس وعدے کو نبھائے، اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گنہگار کے ساتھ آلودہ ہو جائے پھر اگر اسے سزا ہوگئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس، مگر اللہ ہی مختار ہے، گرچہ ہے عذاب کرے، اگرچہ ہے چھوڑ دے۔" اور حدیث میں ہے "جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے، معاف کئے ہوئے جرائم کو دوبارہ کرنے پہ اسے دنیوی سزا ملے گی، اگر بی توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے۔" پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے "اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے۔ لیکن جو مسلمان مغرور ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کریں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کا ٹٹا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں، اس میں علماء کے دو قول ہیں، آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے، صحابہ کا عمل بھی اسی پر ہے۔

چنانچہ جاریہ بن بدر بھی بصری نے زمین میں فساد کیا، مسلمانوں سے لڑا، اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علی سے سفارش کی، جن میں حضرت حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن جعفر بھی تھے لیکن آپ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا، آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علی کے پاس آئے اور کہا بتائیے تو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے پھر ان آیتوں کی (قبل ان تصدروا علیہم)

تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا،

حضرت سعید نے فرمایا یہ جاریہ بن بدر ہے، چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔ قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس کوذی مسجد میں جہاں کے یہ گورز تھے، ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا اے امیر کوذی فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں، میں نے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی لڑی، زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں، اس سے پہلے میں تائب ہو گیا اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی لڑائی نہ کرے، اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اسے ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر بغاوت کر گیا، اللہ نے بھی اس کے گنہ ہوں کے بدلے اسے عارت کر دیا اور یہ رڈا مار گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی گزرگا ہوں میں دہشت پھیلادی، لوگوں کو قتل کیا، مال لوٹا، بادشاہ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا، لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک مرتبہ یہ جنگل میں تھا، ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا آتی (قل یا عباد اللہ اسرفوا) الخ، یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا اے اللہ کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا، اس نے پھر پڑھی اللہ کی اس آواز کو سن کر وہ فرماتا ہے اے میرے گنہگار بندو تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، میں سب گناہوں کو بخشے پر قادر ہوں میں غفور و رحیم ہوں۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی، اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے پہنچ گیا، غسل کیا اور مسجد نبوی میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے، ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب دن کا اجالا ہوا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی، بہت بڑا مجرم اور مغرور شخص علی اسدی ہے، سب نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے، اس لئے کہ مجھ پر تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی میں تو توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد جو تمہارے پاس آ گیا ہوں،

حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا! یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے، یہ اس وقت حضرت معاویہ کی طرف سے مدینے کے گورز تھے، وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں، یہ توبہ کر چکے ہیں، اس لئے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا، جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کیلئے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہو لئے، سمندر میں ان کی کشتی جاری تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آگئیں، یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کیلئے ان کی کشتی میں کود گئے، ان کی آبدار خارا کا فتلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لاسکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے، یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے چونکہ سارا ابو جہد ایک طرف ہو گیا، اس لئے کشتی الٹ گئی جس سے وہ سارے ردی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی بھی ڈوب کر شہید ہو گئے۔ (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے)

ڈاکو کے لوٹے ہوئے کی ضمانت کا بیان

قَالَ (وَإِذَا قَتَلَ الْقَاطِعُ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ فِي مَالٍ أَخَذَهُ) اِعْتِبَارًا بِالسَّرِقَةِ الصُّغْرَى وَقَدْ بَيَّنَّاهُ (فَإِنْ بَاشَرَ الْقَتْلَ أَخَذَهُمْ أَجْرَى الْحَدِّ عَلَيْهِمْ بِأَجْمَعِهِمْ) لِأَنَّهُ جَرَاءُ الْمُحَارَبَةِ ، وَهِيَ تَتَحَقَّقُ بِأَنْ يَكُونَ الْبَعْضُ رِذَاءً لِّلْبَعْضِ حَتَّى إِذَا رَأَتْ أَقْدَامُهُمْ انْحَاوُوا إِلَيْهِمْ ، وَإِنَّمَا الشَّرْطُ الْقَتْلُ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ وَقَدْ تَحَقَّقَ .

قَالَ (وَالْقَتْلُ وَإِنْ كَانَ بَعْضًا أَوْ بِحَجَرٍ أَوْ بِسَيْفٍ فَهُوَ سَوَاءٌ) لِأَنَّهُ يَفْعُ قِطْعًا لِلطَّرِيقِ بِقِطْعِ الْمَارَةِ

(وَإِنْ لَمْ يَقْتُلِ الْقَاطِعُ وَلَمْ يَأْخُذْ مَالًا وَقَدْ جَرَحَ اقْتَصَصَ مِنْهُ لِيَمَّا فِيهِ الْقِصَاصُ ، وَأُخِذَ الْأَرْضُ مِنْهُ لِيَمَّا فِيهِ الْأَرْضُ وَذَلِكَ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ) لِأَنَّهُ لَا حَدَّ فِي هَذِهِ الْجِنَايَةِ فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ وَهُوَ مَا ذَكَرْنَاهُ فَيُسْتَوْفَى الْوَلِيُّ (وَإِنْ أَخَذَ مَالًا ثُمَّ جَرَحَ قُطِعَتْ يَدُهُ وَرَجُلُهُ وَبَطَلَتْ الْجَرَاحَاتُ) لِأَنَّهُ لَمَّا وَجَبَ الْحَدُّ حَقًّا لِلَّهِ سَقَطَتْ عِصْمَةُ النَّفْسِ حَقًّا لِلْعَبْدِ كَمَا تَسْقُطُ عِصْمَةُ الْمَالِ (وَإِنْ أُخِذَ بَعْدَ مَا تَابَ وَقَدْ قَتَلَ عَمْدًا فَإِنْ شَاءَ الْأَوْلِيَاءُ قَتَلُوهُ وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا عَنْهُ) لِأَنَّ الْحَدَّ فِي هَذِهِ الْجِنَايَةِ لَا يَقَامُ بَعْدَ التَّوْبَةِ لِلِاسْتِثْنَاءِ الْمَذْكُورِ فِي النَّصِّ ، وَلِأَنَّ التَّوْبَةَ تَتَوَقَّفُ عَلَى رَدِّ الْمَالِ وَلَا قِطْعَ فِي مِثْلِهِ ، فَظَهَرَ حَقُّ الْعَبْدِ فِي النَّفْسِ وَالْمَالِ حَتَّى يَسْتَوْفَى الْوَلِيُّ الْقِصَاصَ أَوْ يَغْفُو ، وَيَجِبُ الضَّمَانُ إِذَا هَلَكَ فِي يَدِهِ أَوْ اسْتَهْلَكَهُ .

ترجمہ

فرمایا اور اگر ڈاکو کو قتل کر دیا گیا ہے تو اس کے لوٹے ہوئے مال پر کوئی ضمان نہ ہوگا کیونکہ یہ حد صغریٰ پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور اس کو بھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ اور اگر ڈاکوؤں میں سے کسی ایک نے قتل کا کام سرانجام دیا تو ان تمام پر حد جاری ہوگی۔ کیونکہ ذمہ داری کی سزا ہے۔ اور ذمہ داری اسی طرح ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ ایک دوسرے کے مددگار و مدافع ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان کو شکست ہونے لگے تو سب مدافعت کرنے والوں کے پاس جمع ہو جاتے ہیں اور یہاں اسی چیز کی شرط تھی کہ ان میں سے کوئی ایک قتل کرنے والے کا فعل پایا جائے اور وہ فعل پایا گیا ہے۔

فرمایا۔ جب وہ پتھر، راٹھی یا تلوار کے ساتھ قتل ہوا ہے تو ان کا سب کا حکم برابر ہے۔ کیونکہ مسافروں کا راستہ روکنے سے بھی ذمہ داری ثابت ہو جاتی ہے۔ اور جب ڈاکو نے کسی کو قتل بھی نہ کیا اور اس کا مال بھی نہ لوٹا بلکہ صرف اس کو زخمی کیا تو اس صورت میں جن زخموں کا بدلہ یا جاتا ہے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ اور جن میں تاوان لیا جاتا ہے ان میں تاوان یہ جائے گا۔ اور یہ کام اولیاء کے ذمہ پر ہے۔ کیونکہ اس فعل کی جنایت میں حد نہیں ہے لہذا یہ بندے کا حق ہے یعنی قصاص یا تاوان لینا ہے۔ لہذا اس کو ولی وصول کرنے والا ہوگا۔ اور جب ڈاکو نے مال لوٹنے کے بعد اس کو زخمی کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا جبکہ زخموں کا عوض باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ جب اللہ کا حق حد بن گئی تو بندے کا حق یعنی حفاظت نفس وہ ساقط ہو جائے گی۔ جس طرح مال کی عصمت ساقط ہو جایا کرتی ہے۔

اور جب ارادہ قتل کرنے والے ڈاکو نے توبہ کر لی اور پھر اس کو چڑھ گیا ہے تو مقتول کے اولیاء کو اختیار ہوگا اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس جنایت میں توبہ کر لینے کے بعد اس حد جاری نہ ہوگی اسی استثناء کے سبب جس کو نص میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ بھی دلیل ہے کہ توبہ مال واپس کرنے پر موقوف ہوتی ہے اور اسی طرح مال کی واپسی کے بعد قلع نہیں ہوتا لہذا نفس دونوں بندے کا حق بن گئے ہیں پس ولی یا قصاص لے یا معاف کر دے۔ اور جب ڈاکو کے قبضے میں مال ہلاک ہو جائے یا وہ خود بہ خود ہلاک کر دے تو اس پر ضمان واجب ہو جائے گا۔

شرح

امام ابو بکر صام حنفی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

وقد علم من قرع سمعه هذا الخطاب من اهل العلم ان المخاطبين بذلك هم الائمة دون عامة الناس، فكان تقديره: فليقطع الائمة والحكام ايديهما وليجلدهما الائمة والحكام. (۳/ ۲۸۳)

" اہل علم میں سے جو شخص بھی اس خطاب کو سنتا ہے، فوراً سمجھ بیٹا ہے کہ اس کے مخاطب عام مسلمان نہیں، بلکہ ان کے ائمہ و حکام ہیں۔ چنانچہ اس میں، مثال کے طور پر، تقدیر کلام ہی یہ مانی جاتی ہے: پس چاہیے کہ ائمہ و حکام ان کے ہاتھ کاٹ دیں اور چاہیے کہ ائمہ و حکام ان کی پیٹھ پر تازیانے برسادیں۔"

شریعت میں جن جرائم کی سزائیں مقرر کی گئی ہیں، وہ یہی ہیں۔ ان کی ادنیٰ صورتوں اور ان کے علاوہ باقی سب جرائم کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ارباب حل و عقد پر چھوڑ دیا ہے۔ باہمی مشورے سے وہ اس معاملے میں جو قانون چاہیں، بنا سکتے ہیں۔ تاہم اتنی بات اس میں بھی طے ہے کہ موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو شریعت دی گئی تو اسی وقت لکھ دیا گیا تھا کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اُسے قتل کر ڈالے۔ ماندہ میں ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ، فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا. (۵: ۳۲)

جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اُس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو اُس نے گویا سب انسانوں کو

قتل کیا۔ "ذیل میں ہم انہی جرائم سے متعلق قرآن مجید کے نصوص کی وضاحت کریں گے۔

محاربہ اور فساد فی الارض

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ، وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ جِلْدٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ. ذَلِكَ لَهُمْ حِزْبِي فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ، إِلَّا الَّذِينَ تَنَابَوْنَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقُولُوا عَلَيْهِمْ، فَاغْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ. (المائدہ ۵: ۳۳-۳۴)

"وہ لوگ جو اللہ اور رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد برپا کرنے کے لیے تلک و دو کرتے ہیں، اُن کی سزا اس یہ ہے کہ عبرت ناک طریقے سے قتل کیے جائیں یا سوئی چڑھائے جائیں یا اُن کے ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا وہ جلا وطن کر دیے جائیں۔ یہ اُن کے لیے اس دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لیے بڑی سزا ہے، مگر جو لوگ توبہ کر لیں، اس سے پہلے کہ تم اُن پر قابو پاؤ تو سمجھ لو کہ اللہ مغفرت فرمانے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔"

اللہ کا رسول دنیا میں موجود ہو اور لوگ اُس کی حکومت میں اُس کے کسی حکم یا فیصلے کے خلاف سرکشی اختیار کر لیں تو یہ اللہ و رسول سے لڑتی ہے۔ اسی طرح زمین میں فساد پیدا کرنے کی تعبیر ہے۔ یہ اُس صورت حال کے لیے آتی ہے، جب کوئی شخص یا گروہ قانون سے بغاوت کر کے لوگوں کی جان و مال، آبرو اور عقل و رائے کے خلاف برسرِ جنگ ہو جائے۔ چنانچہ قتل و دہشت گردی، زنا، ناپالجبر اور چوری ڈاکا بن چائے یا لوگ بدکاری کو پیشہ بنالیں یا کھم کھا اوباشی پر تر آئیں یا اپنی آوارہ فشی، بد معاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت و آبرو کے لیے خطرہ بن جائیں یا نظم و ریاست کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں یا اغوا، تحریک، ترہیب اور اس طرح کے دوسرے سنگین جرائم سے حکومت کے لیے امن و امان کا مسئلہ پیدا کر دیں تو وہ اسی فساد فی الارض کے مجرم ہوں گے۔ اُن کی سرکوبی کے لیے یہ چار سزائیں ان آیتوں میں بیان ہوئی ہیں: (۱) قتل، (۲) تھیب، (۳) ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ دینا، (۴) نفی۔ ان سزائوں کی تفصیل یہ ہے۔

آیت میں اس سزا کے لیے 'أَنْ يُقَتَّلُوا' کے الفاظ آئے ہیں۔ ان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ و رسول سے محاربہ یا فساد فی الارض کے یہ مجرم صرف قتل ہی نہیں، بلکہ عبرت ناک طریقے سے قتل کر دیے جائیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ 'قتل' یہاں 'تقتیل' کی صورت میں آیا ہے۔ عربیت کے ادشاس جانتے ہیں کہ بنا میں یہ زیادت نفس فعل میں شدت اور مبالغہ کے لیے ہوتی ہے۔ اس وجہ سے 'تقتیل' یہاں 'قتل' کے مفہوم میں ہے۔ چنانچہ حکم کا تقاضا یہ ہوگا کہ ان مجرموں کو ایسے طریقے سے قتل کیا جائے جو دوسروں کے لیے عبرت انگیز اور سبق آموز ہو۔ رجم، یعنی سنگ ساری بھی، ہمارے نزدیک اسی کے تحت داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اوباشی کے بعض مجرموں کو یہ سزا اسی آیت کے حکم کی پیروی میں دی ہے۔

تھیب

یہ سزا 'تھیب' سے 'تقتیل' میں بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'أَوْ يُصَلَّبُوا' یعنی ایسے لوگوں کو صرف سوئی ہی نہ دی

جائے، بلکہ عبرت ناک طریقے سے سوئی دی جائے۔ یہ سوئی وہ چوبی آلہ ہے جس پر مجرم کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونک کر اُسے لٹکا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اسی پر لٹکا ہوا جان دے دیتا ہے۔ سزا کی یہ صورت کچھ کم عبرت انگیز نہیں ہے، لیکن آیت میں لفظ 'تھیب' کا تقاضا ہے کہ اس کے لیے بھی وہ طریقے اختیار کیے جائیں جو زیادہ دردناک اور زیادہ عبرت انگیز ہوں۔

ہاتھ پاؤں بے ترتیب کاٹ دینا

أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ جِلْدٍ، یہ اس سزا کے لیے قرآن کے الفاظ ہیں۔ اس میں بے ترتیب کاٹ دینے کا حکم بھی صاف واضح ہے کہ عبرت انگیزی ہی کے نقطہ نظر سے ہے اور اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے کسی مجرم کی اگر جان بخشی بھی کی جائے تو اس طرح کی جائے کہ اُسے عبرت کا ایک نمونہ بنا کر اُس کی شر انگیزی کے تمام اسلحہ بالکل بے کار کر دیے جائیں۔

نفی اس سزا کے لیے 'أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ' کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، یعنی یہ کہ انھیں علاقہ بدر کر دیا جائے۔ فقہاء مالکیہ کے ہاں بھی 'حرابہ' کے مفہوم میں نسبتاً توسع دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر وہ کسی شخص کو دھوکے سے یا ویران جگہ پر لے جا کر قتل کرنے کو بھی 'حرابہ' میں شمار کرتے ہیں۔

جلیل القدر مالکی فقیہ ابو بکر ابن العربی نے کسی خاتون کو اغوا کرنے کو بھی 'حرابہ' قرار دیا ہے، بلکہ یہ کہا ہے کہ اگر اس جرم پر قرآن کی بیان کردہ سزائوں سے بھی شدید تر کوئی سزا دی جاسکتی تو وہ وہی تجویز کرتے۔ یہی نقطہ نظر فقہائے امامیہ نے اختیار کیا ہے اور ابو جعفر الطوسی نے مثال کے طور پر اس جرم کو بھی اس آیت کے تحت داخل قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھ بیچ دے۔ (ابن العربی، احکام القرآن ۲/۵۹۷، الطوسی، تہذیب الاحکام ۱۰/۲۴۱)

ڈاکوؤں سے سقوط حد کے اسباب کا بیان

(وَإِنْ كَانَ مِنَ الْقُطَاعِ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ ذُو رَجِيمٍ مَحْرَمٌ مِنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِ سَقَطَ الْحَدُّ عَنِ الْبَاقِينَ) فَأَلْمَذْكُورُ فِي الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرٍ. وَعَنْ أَبِي يُونُسَ أَنَّهُ لَوْ بَاشَرَ الْعُقْلَاءُ يُحْدِثُ الْبَاقُونَ وَعَلَى هَذَا السَّرِقَةُ الصَّغْرَى.

لَهُ أَنَّ الْمُبَاشَرَ أَصْلٌ، وَالرَّدُّ تَابِعٌ وَلَا خَلَلٌ فِي مُبَاشَرَةِ الْعَاقِلِ وَلَا اعْتِبَارَ بِالْخَلَلِ فِي النَّسَبِ، وَفِي عَكْسِهِ يَنْعَكِسُ الْمَعْنَى وَالْحُكْمُ. وَلَهُمَا أَنَّهُ جَنَابَةٌ وَاحِدَةٌ قَامَتْ بِالْكُلِّ، فَإِذَا لَمْ يَفْعَلْ بَعْضُهُمْ مُوجِبًا كَانَ فِعْلُ الْبَاقِينَ بَعْضَ الْعِلَّةِ وَبِهِ لَا يَثْبُتُ الْحُكْمُ فَصَارَ كَالْخَاطِئِ مَعَ الْعَامِدِ.

وَأَمَّا ذُو الرَّجَمِ الْمَحْرَمِ فَقَدْ قَبِلَ تَأْوِيلُهُ إِذَا كَانَ الْمَالُ مُشْتَرَكًا بَيْنَ الْمَقْطُوعِ عَلَيْهِمْ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ مُطْلَقٌ لِأَنَّ الْجَنَائَةَ وَاحِدَةً عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ فَلَا مِثْلَ فِي حَقِّ الْبَعْضِ يُوجِبُ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّ الْبَاقِينَ، بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ فِيهِمْ مُسْتَأْمَنٌ، لِأَنَّ الْإِمْتِنَاعَ فِي حَقِّهِ لِيُخْلَلَ فِي الْعِصْمَةِ وَهُوَ يَخْصُهُ، أَمَّا هُنَا الْإِمْتِنَاعُ لِحَلْلِ فِي الْحِرْزِ، وَالْقَافِلَةُ حِرْزٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ

اور جب ڈاکوؤں میں کوئی بچہ ہوا یا پاگل ہوا یا مقضوع علیہ کا کوئی ذی رحم محرم ہو، تو تمام ڈاکوؤں سے حد ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ بچے اور مجنون کے متعلق حکم بیان کر چکے ہیں۔ اور حضرت امام اعظم اور امام زفر علیہما الرحمہ کا قول بھی اسی طرح ہے جبکہ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک اگر عقل مندوں نے ذیقتی کی تو باقی لوگوں کو سزا دی جائے گی اور چوری کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ دلیل یہ ہے کہ مباشر اصل ہوتا ہے اور عاقل کی مباشرت میں کوئی خلل انداز نہیں ہوتا کیونکہ تابع کے خلل کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اور اس کے برعکس میں حکم ہے ہذا معنی بدل جائیں گے۔

حضرت امام اعظم اور امام زفر علیہما الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک جنایت ہے جو سب کی جانب سے ثابت ہے مگر جب ان میں سے بعض لوگوں کا فعل حد کو واجب کرنے والا نہیں ہے تو باقی لوگوں کا فعل علت ناقصہ کے طور پر رہ جائے گا اور عت ناقصہ سے حکم ثابت نہیں ہوتا۔ پس یہ اسی طرح ہو جائے گا جس طرح عامہ کے ساتھ خاطی کی شرکت ہوتی ہے۔ البتہ ذی رحم محرم کی تاویل یہ ہے کہ جب مال مقضوعان کے درمیان مشترک ہو۔ مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم مطلق ہے کیونکہ جنایت ایک ہے جس طرح ہم بیان کر چکے ہیں۔ لہذا ایک کے حق میں حد کا رک جانا بقیہ ڈاکوؤں کے حق میں روکنے کو لازم ہوگا۔ البتہ یہ حکم اس کے خلاف ہے کہ جب کوئی حربی مستامن ہو۔ کیونکہ حربی مستامن کے حق میں حد کا جاری نہ ہونا اس کی عصمت کی خلل اندازی کے سبب سے ہے اور یہ حکم مستامن کے ساتھ خاص ہے جبکہ یہاں حد کا جاری نہ ہونا حفاظت کے خلل انداز ہونے کے سبب سے ہے اور مکمل قافلہ حرز واحد ہے۔

شرح

حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے آدمیوں سے قلم اٹھالا گیا ہے سونے والا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو جائے اور پاگل یہاں تک کہ اس کی عقل لوٹ آئے اسی باب میں حضرت عائشہ سے بھی حدیث منقول ہے حضرت علی کی حدیث اس سند سے حسن غریب ہے اور کئی سندوں سے حضرت علی سے ہی منقول ہے بعض راوی اس میں بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے کے الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں حضرت حسن کا حضرت علی سے سماع ہمارے علم میں

نہیں۔ یہ حدیث عطاء بن سائب سے بھی منقول ہے عطاء بن سائب، ابو ظہیان سے اور وہ حضرت علی سے اسی کی مثل مرفوعاً نقل کرتے ہیں اہل علم کے نزدیک اسی حدیث پر عمل ہے ابو ظہیان کا نام حصین بن جندب ہے۔

(جامع ترمذی: جلد اول: حدیث نمبر 1460)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قلم تین آدمیوں سے اٹھالیا گیا ہے سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ مجنوں سے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔ بچہ پر سے یہاں تک کہ بڑا (بالغ) ہو جائے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1003)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک دیوانی عورت کو لایا گیا جس نے زنا کیا تھ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں لوگوں سے مشورہ طلب کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا کہ اسے رجم کر دیا جائے۔ اس عورت کے پاس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ گذرے تو فرمایا کہ اس عورت کا کیا معاملہ ہے لوگوں نے کہا کہ یہ عورت پاگل ہے اس نے زنا کیا تھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا سنگسار کرنے کا۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اسے واپس لے چلو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اے امیر المؤمنین کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین قسم کے افراد پر سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ سونے والے سے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ مجنوں سے یہاں تک کہ وہ صحت یاب ہو جائے۔ بچہ پر سے یہاں تک کہ بڑا (بالغ) ہو جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیوں نہیں پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر تیرا کیا خیال ہے اس عورت کے بارے میں اسے سنگسار کر دیا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کچھ نہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پھر اسے چھوڑ دیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور تکبیر کہنے لگے (خوشی میں کہ ایک بڑی غلطی سے اللہ نے بچالیا)۔ سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 1004

سقوط حد کی صورت میں حق قتل و رشاء کی طرف منتقل ہونے کا بیان

(وَإِذَا سَقَطَ الْحَدُّ صَارَ الْقَتْلُ إِلَى الْأُولِيَاءِ) لِيُظْهِرَ حَقَّ الْعَبْدِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ (فَإِنْ

شَاءُوا قَتَلُوا وَإِنْ شَاءُوا عَفَوْا) وَإِذَا قَطَعَ بَعْضُ الْقَافِلَةِ الطَّرِيقَ عَلَى الْبَعْضِ لَمْ يَجِبِ

الْحَدُّ، لِأَنَّ الْحِرْزَ وَاحِدًا فَصَارَتْ الْقَافِلَةُ كَذَارٍ وَاحِدَةٍ.

ترجمہ

اور جب حد ساقط ہوگئی تو حق قتل اولیاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ کیونکہ بندے کا حق ظاہر ہو چکا ہے۔ اسی وضاحت کے ساتھ جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔ لہذا اب آگے بڑھنا چاہیں تو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو وہ معاف کر دیں۔ اور جب بعض قافلہ والے ڈاکوؤں نے دوسرے ڈاکوؤں پر حملہ کر دیا تو ان مباشرین پر حد واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کا حرز ایک

ہی ہے۔

اصلی سبب کے ہوتے ہوئے خلفی سبب کا اختیار منسلوب ہو جاتا ہے

(قاعدہ فقہیہ) اصلی سبب کے ہوتے ہوئے خلفی سبب کا اختیار منسلوب ہو جاتا ہے (ماخوذ من نور الانوار ص ۲۹۸)

اس قاعدہ کی توضیح یہ ہے کہ جب کسی حکم کا سبب اصلی موجود ہو، تو وہ سبب جو اس کے بعد خلیفہ بننے والا ہے وہ اصلی سبب کے وقت بالکل معدوم کی طرح ہے جس طرح اگر کوئی شخص زندہ ہے تو اس کے وارثین اس کی وراثت کو تقسیم نہیں کر سکتے کیونکہ جب تک وہ زندہ ہے اس وقت تک وارثین کیلئے وراثت نہیں ہوگی۔ اور جب وہ شخص فوت ہو جاتا ہے تو اس کے مال و جائیداد میں اختیار وارثین کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

قصاص کا حق

جب کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کو عمدتاً قتل کر دیا جس کی وجہ سے قصاص کا حکم لازم ہوا ہے، لہذا مقتول حصول قصاص کیلئے سبب اصلی ہے کیونکہ قتل وہ ہوا ہے اور مطالبہ قصاص کا صحیح معنوں میں وہی حقدار ہے لیکن وہ قتل ہونے کی وجہ فوت ہو جاتا ہے اور قصاص لینے کی اس میں اہلیت نہیں رہتی، لہذا جس میت کی وراثت اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح حکم قصاص بھی اس کے ورثاء کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ اسی طرح یہ تفریع ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہوا ہے تو وہ اپنے مد مقابل آدمی کو اگر معاف کر دے اور قصاص کا مطالبہ نہ کرے تو وہ معاف کر سکتا ہے اور معاف کرنے والے کے اقارب اس میں دخل انداز نہیں ہو سکتے کیونکہ سبب اصلی کے ہوتے ہوئے سبب خلفی کا اختیار منسلوب ہو جاتا ہے۔

شہر یا قریب شہر میں ذکیقتی کرنے کا بیان

(وَمَنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فِي الْمِصْرِ أَوْ بَيْنَ الْكُوفَةِ وَالْحِجْرَةِ فَلَيْسَ بِقَاطِعِ الطَّرِيقِ) اسْتِحْسَانًا. وَفِي الْقِيَاسِ يَكُونُ قَاطِعَ الطَّرِيقِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لَوْ جُودِهِ حَقِيقَةً. وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَجِبُ لِلْحَجْدِ إِذَا كَانَ خَارِجَ الْمِصْرِ إِنْ كَانَ بِقُرْبِهِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَلْحَقُهُ الْغَوْتُ.

وَعَنْهُ إِنْ قَاتَلُوا نَهَارًا بِالسَّلَاحِ أَوْ لَيْلًا بِهِ أَوْ بِالْخَشَبِ فَهُمْ قُطَاعُ الطَّرِيقِ لِأَنَّ السَّلَاحَ لَا يَلْبَسُ وَالْغَوْتُ يُبْطِئُ بِاللَّيَالِي، وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنْ قَطَعَ الطَّرِيقَ بِقَطْعِ الْعَارَةِ وَلَا يَمَسُّ ذَلِكَ فِي الْمِصْرِ وَيَقْرُبُ مِنْهُ؛ لِأَنَّ الظَّاهِرَ لِحُقُوقِ الْغَوْتُ، إِلَّا أَنَّهُمْ يُؤَخِّدُونَ بَرْدَ السَّالِ أَيْضًا لَا لِلْحَقِّ إِلَى الْمُسْتَحَقِّ، وَيُؤَدِّبُونَ وَيُحْبَسُونَ لَا هَكَاهِهِمُ الْجَنَابَةِ،

وَلَوْ قَتَلُوا فَلَا مَرُفِيهِ إِلَى الْأَوْلِيَاءِ لِمَا بَيَّنَّا.

ترجمہ

اور جس شخص نے شہر میں دن کو یا رات میں ذکیقتی کی یا اس نے کوفہ یا مقام حیرہ کے درمیان ذکیقتی کی تو بطور استحسان اس کو بھی ڈاکو نہیں کہا جائے گا۔ البتہ قیاس کے طور پر ڈاکو شمار کیا جائے گا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا قول بھی یہی ہے۔ کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے ذکیقتی پائی جا رہی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے روایت ہے کہ جب اس نے شہر سے باہر ذکیقتی کی تو اس پر حد واجب ہوگی۔ البتہ جبکہ وہ شہر کے قریب ہو کیونکہ وہاں مقطوع علیہ کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ اگر ڈاکوؤں نے دن کے وقت ہتھیار سے لڑائی کی یا رات کے وقت ہتھیار یا لانچی کے ساتھ لڑائی کی تو وہ ڈاکو شمار ہوں گے۔ کیونکہ ہتھیار بنا خیر نہیں کرتا۔ اور مدد کرنے والا رات کے وقت تاخیر سے پہنچنے والا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ راستے میں مسافروں کو لوٹنے سے ذکیقتی ثابت ہو جاتی ہے۔ جبکہ یہ ذکیقتی شہر میں یا اس کے قرب میں ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان مقامات پر مدد کا پہنچ جانا ظاہر ہے۔ البتہ ڈاکوؤں کو مال واپس کرنے کیلئے گرفتار کر لیا جائے گا۔ تاکہ حق اپنے حقدار تک پہنچ جائے۔ اور ان کے خلاف تادیبی کارروائی کی جائے گی اور انہیں قید میں ڈال دیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے جرم کیا ہے اور اگر انہوں نے قتل کیا ہے تو پھر ان کا معاملہ اولیاء کے سپرد ہوگا۔

شرح

حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مال لوٹنے (علانیہ زبردستی مال چھیننے یا اچھنے پر) ہاتھ نہیں کئے گا اور جس شخص نے دھڑلے سے کوئی چیز چھینی وہ ہم میں سے نہیں اور اسی سند سے یہ بھی مروی ہے کہ خیانت کرنے والے پر قطع نہیں ہے کیونکہ اس پر چوری کی تعریف نہیں صادق آتی لیکن ہاتھ نہ کٹنے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے کچھ سزا بھی نہیں ملے گی یا یہ جرم نہیں ہے ایسا بلکہ بدترین جرم ہے ایک آدمی نے آپ پر اعتماد کیا اور اپنا مال آپ کے پاس رکھوایا اور آپ نے اس کے مال کو غصب کر لیا اس پر مختلف تعزیری جاسکتی ہے۔ (سنن ابوداؤد: جلد سوم: حدیث نمبر 997)

عاقلہ پر دیت ہونے کا بیان

(وَمَنْ مَخَنَقَ رَجُلًا حَتَّى قَتَلَهُ فَالْذِّبَةُ عَلَى عَاقِلَتِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْقَتْلِ بِالْمُثْقَلِ، وَسَبْبُ فِي بَابِ الذِّبَاتِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى (وَإِنْ خَنَقَ فِي الْمِصْرِ غَيْرَ مَرَّةٍ قُتِلَ بِهِ)؛ لِأَنَّهُ صَارَ سَاعِيًّا فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَادِ فَيُدْفَعُ شَرُّهُ بِالْقَتْلِ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ.

ترجمہ

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس شخص کی عاقلہ پر دیت ہے جس نے کسی کا گلہ دبا دیا حتیٰ کہ وہ قتل ہو گیا۔ اور یہ مسئلہ قتل بہ مثل ہے اور اس کو ہم ان شاء اللہ عنقریب دیات کے باب میں بیان کریں گے۔ اور اگر اس نے شہر میں متعدد مرتبہ گلہ دبا یا جس سے وہ فوت ہو گیا کیونکہ اس صورت میں وہ زمین فساد کرنے کی طرف کوشش کرنے والا ہو گیا لہذا اس کے شرک قتل سے دور کیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

شرح

"دیات جمع ہے دیت کی جس کے معنی ہیں "مالی معاوضہ" گویا "دیت" اس مال کو کہتے ہیں جو جان کو ختم کرنے یا کسی شخص کے جسمانی اعضاء کو ناقص (مجروح) کرنے کے بدلہ میں دیا جاتا ہے! عنوان میں جمع کا لفظ "دیات" دیت کی انواع (قسموں) کے اعتبار سے لایا گیا ہے اس سے یہ اظہار مقصود ہے کہ دیت کی مختلف قسمیں ہیں مثلاً ایک دیت تو وہ ہوتی ہے جو کسی کو جان سے مار ڈالنے کے بدلہ میں دی جاتی ہے اور ایک دیت وہ ہوتی ہے جو اعضاء کے نقصان کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ پھر نوعیت و حیثیت کے اعتبار سے بھی دیت دو طرح کی ہوتی ہے ایک تو مغفلہ کہلاتی ہے اور دوسری کو مخففہ کہتے ہیں۔

دیت مغفلہ تو یہ ہے کہ چار طرح کی سوانثیاں ہوں یعنی بچپن بنت مخاض (جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگی ہو) بچپن بنت لبون (جو دو سال میں لگی ہو) بچپن حقد (جو تین سال کی ہو کر چوتھے سال میں لگی ہو) اور بچپن جذعہ (جو چار سال کی ہو کر پانچویں سال میں لگی ہو) یہ تفصیل حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت ابو یوسف کے مسلک کے مطابق ہے، حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمد کے نزدیک دیت مغفلہ یہ ہے کہ تین طرح کی انثیاں ہوں یعنی تیس حقد، تیس جذعہ، اور چالیس مخاضہ (جو پانچ سال کی ہو کر چھٹے سال میں لگی ہو) اور سب حاملہ ہوں۔ دیت مغفلہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل شہرہ عمدہ کا مرتکب پایا گیا ہو۔

دیت مخففہ یہ ہے کہ اگر سونے کی قسم سے دیت دی جائے تو اس کی مقدار ایک ہزار دینار (اشرافی) ہے اور اگر چاندی کی قسم سے دی جائے تو دس ہزار درہم دیئے جائیں گے اور اگر انٹ کی قسم سے دے تو پانچ طرح کے سوانث دینے ہوں گے یعنی بین ابن مخاض (وہ اونٹ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے سال میں لگے ہوں) بین بنت مخاض، بین بنت لبون، بین جذعہ دیت مخففہ اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو قتل خطا یا قتل جاری مجرئی خطا اور یا قتل سبب کا مرتکب پایا گیا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی لیثان کی ایک عورت کے اس بچہ کی دیت میں جو مر کر اس کے پیٹ سے گر پڑا تھا (عاقلہ پر) غرہ واجب کیا تھا، اور غرہ سے مراد غلام یا لونڈی ہے، پھر جب وہ عورت (کہ جس کے عاقلہ پر غرہ واجب کیا تھا) مر گئی تو آپ نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور خاندان کے لئے ہے اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے۔" (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ شریف: جلد سوم: حدیث نمبر 652)

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ دو عورتیں آپس میں لڑ پڑیں اور ان میں سے ایک نے دوسری عورت کے پتھر پھینچ مارا اتفاق سے وہ عورت حاملہ تھی اور پتھر اس کے پیٹ پر لگا، اس کے نتیجہ یہ ہوا کہ جو بچہ اس کے پیٹ میں تھا اس پتھر کی چوٹ سے مر کر پیٹ سے باہر آ گیا چنانچہ اس کی دیت میں پتھر مارنے والے کے عاقلہ (یعنی اہل خاندان) پر ایک غرہ یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام واجب کیا گیا، اور اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہو کر بعد میں مرجاتا یا اگر وہ بچہ زندہ پیدا ہوتا اور اس کے بعد وہ پتھر مارتی اور اس پتھر کی چوٹ سے وہ بچہ مرجاتا تو اس صورت میں پوری دیت واجب کی جاتی۔

غرہ اصل میں تو اس سفیدی کو کہتے ہیں جو گھوڑے کی پیشانی پر ہوتی ہے، پھر سفید رنگ کے غلام یا لونڈی کو بھی غرہ کہا جانے لگا لیکن یہاں مراد مطلق غلام یا لونڈی ہے، ویسے فقہاء کے نزدیک "غرہ" سے دیت کا یہ سواں حصہ یعنی پانچ سو درہم مراد ہے۔ "اور اس کی دیت اس کے عصبہ پر ہے" میں عصبہ سے مراد عاقلہ ہیں اس جملہ سے یہ واضح کرنا مراد ہے کہ اگر چہ اس کی دیت اس کے عاقلہ یعنی خاندان اور برادری والوں پر واجب ہوگی مگر وہ خاندان اور برادری والے اس کی میراث کے وارث نہیں قرار پائیں گے کیونکہ کسی کی دیت کا ذمہ دار ہونے سے اس کی میراث کا حقدار ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ اس کی میراث تو انہی لوگوں کو ملے گی جو اس کے شرعی وارث ہیں، اب رہی یہ بات کہ یہاں وارثوں میں صرف بیٹوں اور خاوند کی تخصیص کیوں کی گئی تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس عورت کا ذکر ہے اس کے ورثاء میں صرف یہی لوگ موجود ہوں گے اس لئے انہی کا ذکر کیا گیا اور نہ مقصود یہ ہے کہ میراث ہر اس وارث کو ملے گی جو موجود ہو جیسا کہ اگلی حدیث کے الفاظ (ورثھا ومن معھم) سے واضح ہے۔

عاقلہ پر دیت ہونے کا فقہی مفہوم

عرب جاہلیت میں تو جیسا کہ ہم نے عرض کیا، مجرم کے قبیلے ہی کو اس کی "عاقلہ" سمجھا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دستور کو قائم رکھا، لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جب نئی انتظامی تقسیم کرتے ہوئے دیوان کا نظام رائج کیا تو قبیلے کے بجائے ایک دیوان میں شریک لوگوں کو "عاقلہ" قرار دیا۔ علامہ سرخسی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اس اجتہاد کی اساس کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

علامہ سرخسی حنفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ

فان قيل كيف يظن بهم الاجماع على خلاف ما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ قلنا هذا اجتماع على وفاق ما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم فانهم علموا ان رسول الله قضى به على العشيرة باعتبار النصرمة وكانت قوة المرء ونصرته يومئذ بعشيرته ثم لما دون عمر رضي الله عنه الدواوين صارت القوة والنصرة بالديوان فقد كان المرء يقاتل قبيلته عن ديوانه. (المبسوط ۲۸/۲۷-۲۸)

(۱۲۹)

"اگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے

خلاف اجماع کر لیا ہو تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ اجماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے (خلاف نہیں، بلکہ اس کے) مطابق ہے، کیونکہ صحابہ یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ نے قبیلے پر دیت کی ادائیگی امداد باہمی کے اصول پر لازم کی ہے اور آپ کے زمانے میں کسی شخص کا قبیلہ ہی اس کی قوت اور نصرت کا مدار ہوتا تھا۔ پھر جب عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان کا نظام بنادیا تو اب قوت اور نصرت کا مدار دیوان بن گیا۔ چنانچہ (اگر لڑائی کا موقع آ جاتا تو) ایک شخص اپنے دیوان کے دفاع میں اپنے ہی قبیلے کے خلاف جنگ کیا کرتا تھا۔

فقہائے احناف نے اسی اصول پر بعد میں دیوان کا نظام ختم ہو جانے کے بعد ایک پیشے سے منسلک افراد کے مجموعے کو عاقلہ قرار دیا تھا، جبکہ فقہائے بھی قرار دیتے ہیں کہ جہاں عاقلہ کی کوئی بھی شکل باقی نہ رہ گئی ہو، وہاں اگر قاتل کے لیے دیت کی ادائیگی مشکل ہو تو اس کی ذمہ داری بیت المال کو اٹھانا ہوگی۔

فساد کے سد باب کے لیے قاتل کو قتل کرنے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان میں لے کر کچل دیا تھا۔ اس لڑکی سے پوچھا گیا کہ یہ تمہارے ساتھ کس نے کیا؟ کیا فلاں نے کیا ہے؟ کیا فلاں نے کیا ہے؟ آخر جب اس یہودی کا نام لیا گیا تو اس نے اپنے سر کے اشارے سے (ہاں) کہا پھر یہودی لایا گیا اور اس نے اقرار کر لیا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس کا بھی سر پتھر سے کچل دیا گیا۔ ہمارے دو پتھروں کا ذکر کیا ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۶۸۸۴)

اختتامی کلمات شرح ہدایہ جلد ہشتم

الحمد للہ! آج بروز بدھ ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ بمطابق یکم اگست ۲۰۱۲ء بعد نماز فجر شرح ہدایہ کی جلد ہشتم کے اختتامی کلمات لکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کے فضل و کرم اور نبی کریم ﷺ کی نظر رحمت سے فیوضات رضویہ فی تشریحات ہدایہ کا یہ کام تیزی سے منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے مجھے اس کام کی تکمیل کی ہمت و توفیق عطا فرمائے اور میرے لئے سبب نجات بنائے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے قارئین، ناشر، مولف اور اہل سنت و جماعت سے تعلق رکھنے والے جملہ مسلمان بھائیوں کی بخشش فرمائے۔ اور اہل سنت و جماعت کے دینی مدارس کے علماء، طلباء کیلئے نفع مند بنائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ،

محمد لیاقت علی رضوی چک سنتیکا بہاولنگر

ابوالفضل محمد الیزین جہانگیری تصانیف مجموعہ شیخ متوجہ کی جلی کتب



فتوت جہانگیری شیخ متوجہ

المؤلفہ

جمال السنہ

تین کتابیں نویت کی پہلی واحد منقوش



شعبہ برادرز

زبیدہ سنٹر، راولپنڈی لاہور

فون: 042-37246006